

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قصا و قدر

تمام تعالیم کی مستحق وہی ذات باری ہے جس کا فضل و انعام ہمیشہ جاری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے آقا کے نامدار خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آلِ انبیاء اور بزرگوار ائمہ دین پر رحمت کامل اور سلام ہو۔ انا لیلۃ قضائہ و قدر حکمتہ اور تعزیل کا مسئلہ نہ صرف جیل اللہ علیہ السلام کو کرنا ضروری بلکہ ہر ایک سمجھدار کائنات پر اس کا جانا فرض ہے۔ یہ اسلام کے نہایت اعلیٰ مرتبہ سے ہے۔ توحید کی چمکی اس کے قیام پر چلتی اور وہ اسی وہ استہ ہے۔ دین کا مبدا اور مفتی ہی ہے۔ یہ بیان کا ایک (موضوع) رکن اور اساس انسان کی وہ بنیاد کہ جس پر دین کے تمام امور کا دار و مدار اور جملہ معاملات دینیہ اس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ کا قیام (خدا تعالیٰ کے) عدل سے ہے۔ اور اس کی حکمت حمد کا منظر ہے۔ اس کی توحید میں نہایت حکمت اور کمال نیت پائی جاتی ہے۔ اس کے سوا کوئی کوشش کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا اس کا کوئی صاحب نہیں۔ اسی کی بادشاہت۔ وہی حمد کے لائق۔ اور وہ سب پر قادر ہے۔ اس نے مخلوق کو تقدیر حکمت سے بنایا اور شرع میں کو جاری فرمایا ہے۔ سو اس کا حکم وہی خالق ہے۔ اس کی ذات بابرکت اور وہی سب جہان کا پالنے والا ہے۔

فصل

ہمیشہ سے اہل علم کی جماعت نے تقدیر کے مسئلہ کے (دو سو) میدان میں قدم بڑھایا۔ اور اس کے غلط پہلو پر غور کیا۔ اس کے تنگ اور دشوار گزار راستوں میں چلے اور ہر ایک مشکل اور آسان مضمون کے آئینے میں ذہن کو لڑایا۔ اس کی تہ کو پہنچنے اور اس کی اصل حقیقت جاننے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر نئے کہ وہ لوگوں نے اس میں گفتگو اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے پوری پوری کوشش کی۔ مختلف کتب کے آدمیوں نے اس میں زور کیا اور مصنفین نے ہمیں کئی ایک کتابیں تصنیف کیں۔ ہر

ایک شخص کو اس کے سمجھنے کا خیال لگے ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس کی یورپی تحقیق معلوم ہو۔ پھر کہانی نوید
 اور ترو میں خاموش سا روکونی دوسروں سے بھٹک رہا ہے۔ ہر ایک نے اپنے جی میں ایک
 بات خیر الٹی ہے جس کے سوا سب کو غلط سمجھتا اور صرف اپنی بات کو پسند رکھتا ہے۔ اور سوسائے
 جن لوگوں کے جو وحی یعنی قرآن و حدیث کو پکڑے بٹھتے ہیں۔ سب کے سب راہ صواب سے دور
 ہدایت کا دروازہ ان پر سدود ہے۔ ان لوگوں نے بنیاد و جہل کیا۔ اور کلمہ سے پانی سے پیت
 بھرا۔ اپنی فکر کو دوڑایا جس سے غلط اور خراب نتیجے کو پہنچے۔ اس علم پر روشنی نہیں۔ جو اسی طرح ان
 کو غیب نہیں دیکھتے کہ ان لوگوں کی اسے جن کے ساتھ حسن ظن ہے وہی منول پڑھتے سمجھتے ہیں۔
 خود بھی جھٹکے ہوئے ہیں اور جس کے پیچھے جاتے ہیں اس کا بھی یہی حال ہے۔ سراپا دھوکے کے پانی
 خیالی کیا ہے۔ پس تمام عمان کی پیاس بجھ گئی۔ ان کو راج حق لیاؤں بنا لیا جاتا ہے۔ کہ وہ ہدایت قبول کر
 لیں۔ وہ قیامت تک نہ مانیں گے۔ وہ اپنے غلط خیال میں مست اور باطل اور جھوٹے عقیدے پر نالغ ہیں۔
 جس کفر نے جس کو وہ ہدایت سمجھتے ہیں۔ ہدایت تو وہ کبھی نہ پائیں گے۔ اور حق تبار نے والوں سے تفسیح فرمائی
 دیا۔ اور ان کی زبان حال کا یہ حال یہ کہتی ہے۔ اَهُؤْكَاهُمْ فَكَفَّ اللَّهُ تَعَالَى عَنْ يَدَيْهِمْ مِنْ يَدَيْهِمْ اَلَيْسَ اللَّهُ
 بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ (کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمیں سے اپنا فضل نمایاں کیا ہے ان کو اتنا تو سمجھنا
 چاہئے تھا کہ، یا اللہ شکر گزار بندوں کے حال سے بخوبی واقف نہیں) +

فصل

چونکہ اس باب میں کلام کرنا خواہ ثبوت کے طور پر جو خواہ نفی کے طور پر انہ تھالے لئے اسما۔
 انہات۔ انحال خلق اور امر کے جاننے پر موقوف ہے۔ تو اس باب میں وہی شخص حق پر ہو گیا ہے
 جو ان امور کو انوار وحی سے حاصل کرے۔ اور اپنے عقل فطرت اور نور ایمان کے ذریعہ سے امور دین کی
 ہر دوزر کھنے والوں کے خیالات مشکلیں کی تشکیکات اور بے جا تکلف کرنے والوں کے لطافت
 سے بچے اور سب مخلوق سے شان خدائی کا چھا جاننے والے (یعنی سرور کائنات صلعم) کے کلمات
 پاک۔ جسے لال ہدایت کا طبع گارہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع اور نافع کلمات اس بارچہ
 میں اس کے علاوہ اور بابوں میں کافی اور شافی ہیں۔ جو مجتمع اور متفرق طور پر مضامین کی دواوی اور
 خلاصہ قرآن کی تفسیر تشریح۔ اور تفسیر کرتے ہیں۔ پھر چھاپہ نے آپ کے منہج مستقیم اور طریق قدیم پر

پہننا اختیار کیا۔ اس لئے ان کے کلمات بھی کافی شافی اور تفسیح سے (کیوں نہ ہوں) ان لوگوں نے
 زمانہ نبوی کو پایا اور محل نبوت و جو تمام انوار کا مظہر خیرات کا سرشعبہ اور ہدایات کی اساس ہے (بلکہ وسط
 انوار محال کہے۔) ان کے بعد تابعین ان کے قدم قدم چپے۔ ان کے طریقہ امتیاز کیا۔ ان کی ہدایت کے موافق عمل کرنے
 لئے۔ اور انوں کو دینی بات بتلائی جو صحابہ بتاتے تھے اور مرتبہ دم تک اسی پر شامت قدم رہے
 پھر ان کے زما۔ اور صحابہ۔ کئے خیر زمانہ میں فرقہ قدیریہ جن کو ان حضرت صلعم نے جویش بندہ الاثر فرمایا ہے
 ظاہر و باہر۔ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں۔ اور جو کچھ عالم ظہور میں آتا ہے وہ از سر نو پیدا ہوتا
 ہے۔ پہلے سے وہ قدر نہیں پس چاہے اپنے نفس کو ہدایت پر لگائے اور جو چاہے۔ اے گمراہ
 کر۔ جو چاہے بیکہ چھوڑے اور نیکیوں سے اسے محروم رکھے۔ اور جو چاہے نیکیوں
 میں لگا کر اسے درجہ کمال تک پہنچائے۔ یہ سب کچھ بندہ سے کے اختیار میں ہے۔ اور خدا اسے عزیز
 حمید کی مشیت کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ ان کے زعم باطل کا نتیجہ ہے۔ کہ اللہ کی قدرت ان چیزوں
 سے متعلق ہے جو اس کی مشیت اور ارادہ سے باہر ہیں۔ اور اس کی مشیت ان چیزوں سے متعلق
 رکھتی ہے جو ظہور میں نہ آتیں۔ ان کے بعد ان کے جائے نشین پیدا ہوئے۔ انہوں نے اس عقیدہ کو
 کہ تقدیر کوئی چیز نہیں اور مضبوط کر دیا اور اس کا نام عدل رکھا۔ نیز اس پر یہ اضافہ کیا کہ اللہ سبحانہ تمام
 صفات اور اسما سے پاک ہے اور اس کو توحید سے نام زد کیا۔ خلاصہ کلام ان کے نزدیک اصل
 یہ ہے کہ لاکھ جن اور آدمیوں کے تمام افعال حرکات۔ اقوال اور ارادت اللہ تعالیٰ کی قدرت
 مشیت اور خلق سے باہر ہیں۔ اور ان کے متاخرین کے نزدیک توحید اس کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ
 تمام صفات کمال اور لغوت جلال سے خالی ہے۔ اس کی ذات صفات سے صحت۔ بصر۔ قدرت
 حیات۔ ارادہ۔ علم اور کلام میں سے کسی صفت کے ساتھ۔ وصف نہیں۔ اس نے کبھی کلام نہیں
 کیا۔ اور نہ آئندہ کریگا۔ اور نہ اس نے کبھی کوئی حکم دیا نہ آئندہ دیگا۔ وہ نہ کبھی بولا ہے نہ آئندہ بولے گا۔
 اور نہ ہی کا سلسلہ یوں جاری ہے کہ ہوا میں اصوات اور حروف پیدا ہوتے ہیں یا کسی دوسری مخلوق
 چیز میں کیفیت پائی جاتی ہے جس سے خدا تعالیٰ کے امر و نہی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا بچن عقیدہ ہے
 کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پرستوی نہیں۔ اور دعائیں دہاتہ اس کی طرف نہیں اٹھاتے جاتے
 اور نہ کوئی فرشتے اور روح اس کی طرف اوپر جاتے۔ اور امر و نہی اس کی طرف سے پہنچے آتے
 ہیں۔ وہ موجود جس کی عبادت اور وہ رب جس کی نماز پڑھتے اور اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں بلکہ

عرش نہیں ہے۔ عرش کے اوپر بلائیے محض اور بالکل یہ عدم ہے۔ ان ہتھکڑیوں کو وہ توحید اور عبادت
سمجھتے ہیں۔

فصل

نئے لہر قدرت کا ایک دوسرا فرق پیدا ہوا۔ جو ان کے برخلاف آدمی سے فعل۔ قدرت اور اختیار
کے بالکل منکر ہوئے وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان کی حرکت اختیاری انداز سے کہی جاتی ہے۔ ایسی ہے جیسے
ہوا چھٹنے کے وقت درختوں کے پتے ہلنے یا پانی کی موجیں لہرائی ہیں۔ اور انسان سے طاعت و محبت
جو کچھ ظہور میں آتا ہے اس پر مجبور ہے۔ اور اس کے حق میں پہلے سے جو کچھ مقدر ہو چکا ہے اس کی نسبت
یہ نہیں کہ اس کے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ اور اسے اپنے اختیار سے کرنا ہے بلکہ وہ اس سے
جبراً کارباجا ہوتا ہے۔ اور اس میں وہ بالکل بے ہیں۔ پھر ان کے پیرو آئے۔ انہوں نے ان کا نظریہ
اختیار کیا۔ اور ان کے مذہب کی تائید کی۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی لادیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو انسان
کو نیک کام کرنے اور برے کاموں سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اور اسے تکلیف دینا ہے۔ تو یہی
تکلیف ہے کہ وہ اس کی طاقت اور سکھائے نہیں رکھتا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک
لہجے کو سات آسمانوں پر چڑھنے کو کہا جائے۔ ایمان اور دیگر احکام اسلام کے ساتھ انسان کو تکلیف
کرنا اس کو ایسے کام کی تکلیف دینا ہے جو اس کے اختیار اور قدرت سے باہر ہے۔ یہ سب کا شتم
تو خود ذات باری تعالیٰ کے ہیں۔ اور سب کچھ وہی کرتا ہے اور اسے ہر چیز پر قدرت ہے۔ یوں اس
نے اپنے بندوں کو اس بات کا سکھایا کہ وہ ایسے کام نہ کرنا چاہیں جو وہ آپ کرتا ہے اور
نہ اس کے اختیار سے باہر ہیں۔ پھر ان میں قصور اور کوتاہی واقع ہونے پر ان کو عذاب کا مستحق
نہمرا۔ حالانکہ ان میں کوئی دخل نہیں۔ بعد میں اسی خوف۔ کے صوفی مشرب بدعتیں کہلاتے تھے۔
یہ کہتے تھے کہ سلسلہ عالم میں کوئی شخص خواہ کیسا ہی کام کرے وہ خدا کا فرمان نہیں اور نہ کسی کام کو
محسوس اور گناہ کہتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ارادہ خدائی کے موافق اور مشیت الہی
کے مطابق کرتا ہے۔ پس وہ خدا کی طاعت اور فرمانبرداری ہے نہ کہ عاصی اور گناہگار۔ اسی مضمون کو
ایک شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے

أَصْبَحْتُ مُنْفَعِلًا لِمَا يَخْتَارُهُ
مَنْ قَعْلِي كُلُّهُ طَاعَاتٍ

میرے جن کاموں کو وہ پسند کرتا ہے وہی مجھ سے ظہور میں آتے ہیں اس لئے میرے تمام کام اس

کی طاعت ہیں اس فرقے کے آدمی کو کسی لفظ نے جو ان کے سیاسی پرورش اور طاعت کی ذیچت کرنے والے۔ اگرچہ میں نے خدا کے حکم کا خلاف کیا ہے۔ لیکن اس کی مرضی کے مطابقت چلا ہوں۔ اور جو منہ کے مطابق چلے وہ حقیقت طاعت اور مذمت کا مستحق نہیں۔ اس فرقہ کے متکلمین جو بزرگ خود مجتہد ہوئے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ خالق تعالیٰ کا زاوہ مشیت۔ محبت، یہ یقینوں ایک ہی چیز ہیں اپنی اس کی محبت عین مشیت ہے۔ اور سلسلہ کا مذمت میں جو کچھ ہو چکا یا آئندہ ہو گا وہ سب اس کی مشیت اور اس سے ہے۔ اور جب مشیت اور محبت ایک ہی چیز ہے۔ تو یہ ازنی نتیجہ ہوا کہ سلسلہ کا ریاست کی تمام چیزیں ایمان و کفر، صوم و صلوٰۃ، کشف و وزن۔ زنا۔ ظلم و غیور اس کے پسندیدہ اور محبوب ہیں ۹

شیخ الاسلام قدس اللہ روحہ سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے اس فرقہ کے کسی آدمی کو ان بزرگ سے محبت کرنے پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ناپسند ہیں ملا رہا تھا۔ تو اس نے چست پیش کیا۔ کہ محبت ایک ایسی شے ہے جو محبوب کی پسند نا پسند چیزوں کے، اسب کچھ جلا دیتی ہے۔ اور سلسلہ سنی کی ہر ایک چیز خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جو ہمارا تبرک ہے منبوی و پسند ہے۔ تو اب کوئی چیز کو ہم پسند رکھیں۔ شیخ الاسلام نے جواب دیا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی قوم یا اپنی ناراضگی خدا ہر فرمائی۔ جو ان کو محبت اور غضب کا مستحق قرار دیا ہو۔ پھر تمہارے جیسا کوئی آدمی ان سے دوستی اور محبت رکھے اور ان کے کاموں پر خوش اور راضی ہو تو بتلاؤ کہ وہ خدا کا دوست ہو گا یا دشمن۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں پسند کردہ بری بہوت ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا غضب تو یہ ہے کہ ایسے خراب عقیدے اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ کہ وہ سنت کے حامی۔ تقدیر کے قائل در اہل بدعت۔ کے مخالف ہیں حالانکہ انہوں نے تکلیف کا سلسلہ ہی سرے سے اٹھا دیا۔ نہایت بے انصافی سے اپنے تمام گناہوں کا جو حجہ تقدیر کی گردن پر رکھا۔ اور اپنے آپ کو تمام جرائم اور قصور سے پاک اور بری ٹھہرا کر یہ کہا کہ یہ سب کام پیدا کرنے والے کے ہیں۔ ہم ان سے بے لاگ ہیں۔ اگر کوئی صحیح عقیدے والا یہ خرافات سے قبلے ساختہ وہ یہ کہے۔

اللہ تیری ذات تمام عیبوں سے پاک ہے۔ اور انہوں نے تیری ذات پر بڑا بہتان باندھا ہے۔ برائی تیری طرف منسوب نہیں اور سب بلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اس گروہ نے خدا کے کرم کی نسبت بہت برا گمان کیا اور ظلم کی قبیح صفت سے اسے موصوف ٹھہرایا ہے اور بے ایمان کہا کہ خدا تعالیٰ کا اپنے بن و کواداء و لواہی کے ساتھ تکلف وینا بالکل ایسا ہے جیسے آسمان پر چڑھنے کی آستے تکلیف دی جائے۔ یا کسی میت کو کما جلتے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے۔ اللہ بندوں کو ان کاموں کے کرنے پر نہیں وہ چھوڑ نہیں سکتے۔ اور ان کے نہ کرنے پر نہیں کو وہ کر نہیں سکتے عذاب کا۔ بلکہ خود اپنے فعل پر جو ان کے مقدور سے باہر اور وہ جبراً ان سے

کر یا کیا اتفاقاً ہو کر لگا۔ یہی فرق ہے کہ کسی نے نہ خدا کا ظلم و تشدد بیان کرتے ہوئے یہ شعر کہا ہے۔
 اَلْقَاهُ فِی لَیْمٍ مَّکْثُوفًا وَقَالَ کُلْ اِیَّاكَ اِیَّاكَ اِنَّ تَبَدُّلَیْہِ بِالْمَاءِ
 متعین نہ کرے دریا میں ان یا اور کہا کہ خدا کی طرف سے بھیگنا، ترجمہ کرتا ہے: فطاشیر از حق بھی ایسی ہوتی ہیں کہ بیان کیا
 در سبحان قہر و ربانیتہ بندہ کر۔ باز یہ کہ کسی نے کہا کہ وہ جس ترکمن ہر سیراب
 ان لوگوں کے نزدیک یہ واقعہ کسی نام کے لئے نہ کہ فی سبب حکت یا غایت نہیں ہے۔ اور نہ
 وہ حقیقت اجسام میں کسی قسم کی قوت اور طاقت ہے اور نہ ان میں کوئی ایسی یا فطرانی خاصیت اور اثر
 ہے۔ پانی میں شند اور آگ میں گرم کر۔ نہ کوئی نامیت اور غذاؤں میں خدایت اور وہ ان میں
 دوہیت کی قوت نہیں سمجھیں یا نیکی کا نہ میں شنوائی اور ناک میں سرنگھنے کی قوت نہیں حیوان
 کے اندر بچا۔ قوتیں نامالہ جافہ۔ کہ اور داغہ قرودی گئی ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ حیوان میں مطلقاً
 کوئی قوت نہیں۔ نہ تعالیٰ کے کسی فعل کا کوئی سبب یا اس کے کسی کام کی کوئی غایت نہیں۔ پس
 انصاف یہ جہاں کہیں ہے۔ بہیبت اور لامعلیل آیا ہے تو ان سے مناجت اور عاقبت کے
 معنی مراد ہیں۔ یہ بھی کہا ہے کہ صرف نفس فحال کو دو قسم حسن اور قبیح قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ نفس نامر
 میں صدق و لذت۔ برہ و فجور۔ عدل و ظلم۔ سجود و جحیم و سجود شیطان اور خلق خدا کے ساتھ نیکی یا
 برائی کرنے اور خلق کے حق میں بد کوئی اور تعریف کرنے میں کچھ فرق نہیں۔ بلکہ افعال کا حسن و قبح
 صرف اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ جائز ہے کہ جن امور کے بجالانے
 کا حکم دیا ہے ان سے منع کر دے۔ اور جن سے منع فرمایا ہے ان کے بجالانے کا حکم فرمائے۔ ان کے
 بعض محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ سب اجسام کی ماہیت یکساں ہے پس آگ۔ پانی۔ سونے۔ لکڑی۔
 مشک اور گوہر کی ماہیت میں کوئی فرق نہیں صرف ان کے اعراض اور صفات میں تفاوت ہے
 ان کی ماہیت و حقیقت ایک ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ ایک عرض و زمانوں تک باقی
 دو وقتوں میں ثابت نہیں ہوتی جب انکی خرابات (مذکورہ) یعنی اعراض کا دو وقت میں ثابت نہ رہتا
 اجسام کا اتحاد الماہیہ اور سب افعال کا یکساں ہونا۔ بندے کا کوئی فعل نہیں۔ نہ کسی کام کے لئے کوئی سبب
 اور نہ کسی چیز میں کسی قسم کی کوئی قوت اور طبعی خاصہ اور اثر ہے۔ باری تعالیٰ کا کوئی ایسا فعل نہیں
 ہے۔ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو۔ اور اس کے تمام افعال اس کے فعل نہیں۔ وہ اپنی مخلوق
 سے الگ نہیں۔ وہ سلسلہ عالم میں نہ تو داخل اور نہ اس سے خارج ہے نہ اس سے متصل اور نہ اس سے
 منفصل ہے نہ خود وہ کلام کرتا ہے اور نہ کوئی دوسرا اس سے کلام کر سکتا ہے۔ اس نے کبھی کوئی

بات نہیں کی اور آئندہ کریجے۔ کسی نے اس کے خطاب کو سنا ہے اور نہ آئندہ سنیگا۔ اور نہ قیامت میں
مؤمنین اپنی آنکھوں سے کھلم کھلا اسے دیکھیں گے، پر نظر کی بجائے تو ایک ہی سٹے پکڑا جوتی ہے جو ادلہ
نقلیہ کے خلاف اور کلام ربی اور حدیث کے مطابق ہے۔ کہا سلفہ بحالین کا یہی شیورہ تھا۔ کہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے اپنی رائے کو قہر سمجھتے تھے دہرگز نہیں دوسرے حدیث کے مقابل رائے اور
حقلی اعتراضوں کو پتھر پر راتے تھے چنانچہ شامی کی محبت کو تمام درودوں کی دوایتا ہے۔

فَلَا تُبْلِيْ بِهَا شَيْئًا
لَّهَانَ عَلَى مَا أَكْفَى وَ لَكِنْ
خُتُوْنَتُهُ بَنُوْ عَدُوِّ الْمَدَائِنِ
نَعَاوَا وَ أَفْظَرُوا مِنْ ابْنَةِ لَاحِي

دارین اس نبی ہاشمی کے دیدار پر انوار پر فرشتہ ہوتا جن کا دنیا اس قبیلہ نبی اللہ ان سے تو میرے نام شکاف
آسان ہو جاتے لیکن انفس کہ میں ایک دوسرے شخص پر مبتلا ہو گیا پس اسے لوگو میری حالت زار کو
دیکھ کر مترجم کتاب ہے۔ کن لوگوں کی ہی مثال ہے۔ جو قرآن حدیث کو چھوڑ کر فلاسفہ اور دوسریہ کی
کی تحقیقات عقلی کے سپرد ہوتے ہیں۔ انا لہ دانا الیہ راجعون *

فصل

چونکہ قضا و قدر اور حکمت و تعقل کے مسائل کو صحیح طور پر معلوم کرنا ہر ایک کے لئے نہایت
ضروری تھا۔ اس لئے میں نے اس کتاب کے مضامین جمع کرنے اور اس کی عبارت کو اہل اور طرز
بیان کو آسان بنانے میں پوری کوشش سے کام لیا۔ ہے۔ میری یہ کتاب بحمد اللہ اپنے مقصد میں نچتا اور
اپنے مضمون میں بے نظیر ہے۔ میں نے اسے شفاء العیال فی مسائل المتضدات والانتقاد، دیکھتے و تفہیم
کے نام سے موسوم اور اس کو تین بابوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں اللہ جل شانہ کا آسمان اور زمین کے
پیدا کرنے سے پہلے مخلوق کی تقدیر کا اندازہ کرنا۔ دوسرے باب میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے بنو ہل کے پیدا کرنے سے پہلے انکی تفاوت۔ سعادت۔ رزق اور موت مقدر کروئے ہیں۔
اور پہلی تقدیر کے بعد یہ دوسری تقدیر ہے۔ تیسرے باب میں آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام
کے باعم مناظر سے اور انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آدم علیہ السلام کے حق میں فیصاح دینے کا بیان ہے
چوتھے باب میں یہی تقدیر کے اور پتھے کے ماں کے پیٹ میں ہونے کا ذکر ہے۔ پانچویں باب
میں چوتھی تقدیر کا ذکر ہے جو لیلۃ القدر میں ہوتی ہے۔ چھٹے باب میں پانچویں تقدیر کا ذکر ہے۔ جو
روزمرہ ہوتی ہے۔ ساتویں باب میں یہ بیان ہے کہ چھ سے شہادت اور سعادت کے مقدر۔ سمجھنے

ستے یہ دیکھ نہیں آتا کہ عمل کرنا چھوڑ دیا جائے۔ جگہ اس بات کا موجب ہے کہ عمل کرنے میں عرصہ اور
 بخشش سے کام لیا جائے۔ اٹھواں باب بیان میں اللہ جل شانہ کے اس قول ان الذین سبقتم لہم
 ما الحسنیٰ کے معنی کے بیان میں۔ نواں باب اللہ تعالیٰ کے قول انما احل من فی خلقنا
 بقدر ما سئلہ معنی کے بیان میں۔ دسواں باب قضاء و قدر کے مراتب کے بیان میں۔ اور اس میں کہ
 جس نے کہ ان کو پوری طرح سمجھاؤ کہ تقدیر پر ایمان لایا۔ اور پہلے مرتبے کے ذکر میں۔ گیارھواں باب
 قضاء و قدر کے مراتب میں سے دوسرے مرتبہ کے بیان میں اور یہ کتابت کا مرتبہ ہے۔
 بارہواں باب تیسرے مرتبہ کے بیان میں اور یہ شیت کا مرتبہ ہے۔ تیرھواں باب چوتھے
 مرتبہ کے بیان میں اور چھٹے سال کا مرتبہ ہے۔ چودھواں باب ہدایت ضلال اور ان کے
 مراتب کے بیان میں۔ پندرھواں باب طبع ختم تغل غل۔ سد غشاوہ وغیرہ کے معانی کے
 بیان میں۔ اور اس میں کہ یہ اللہ کے فعل سے ہیں۔ سولھویں باب میں مذکور ہے کہ مخلوق کی
 ذات۔ صفات اور افعال سب کا خالق اللہ واحد ہے۔ سترھواں باب کسب جبر اور ان
 کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور نفیاً و اثباتاً ان کے اطلاق کے بیان میں۔ اٹھارھواں باب
 قضاء و قدر کے باب میں فعل و فعل و انفعال کے بیان میں۔ انیسواں باب سنی اور جبری
 کے مناظرے کے بیان میں۔ بیسواں باب قدری اور سنی کے مناظرے کے بیان میں۔ اکیسواں باب
 میں یہ مذکور ہے کہ قضاء الہی شریعہ منزہ ہے اور شرع اس چیز میں ہے جس سے قضا متعلق ہے۔
 بائیسواں باب اللہ تعالیٰ کے خلق اور امر میں حکمت ثابت کرنے کے طریقوں اور ان غایات مطلوبہ
 و عواقب حمیدہ کے بیان میں جن کی وجہ سے خلق یا امر کا ظہور ہوا۔ اور اس کتاب کا یہ نہایت
 ضروری اور عظیم الشان باب ہے۔ تیسواں باب منکرین حکمت کے شبہات کی تفصیل اور ان کے
 جوابوں کے بیان میں۔ چوبیسواں باب سلف صالحین کے قول الایمان ما لقد رخیوہ
 و نشرہ و حلہ و مرکہ کے معنی کے بیان میں۔ پچیسواں باب اس شخص کے قول کی تردید میں
 جو کہتا ہے کہ اللہ شر کا مرید (ارادہ کرنے والا) اور اس کا فاعل ہے۔ اور نفیاً و اثباتاً اس کی ممانعت
 کے بیان میں۔ چھیڑھواں باب قضاء و قدر کی تحقیق و اثبات میں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے یہ کلمات دلالت کرتے ہیں اعدو برضاك من سخطك و اعدو بفقولك من عقوبتك
 و اعدو بك منك اور اس کا اصرار کے بیان میں۔ ستائیسویں باب میں یہ مذکور ہے کہ
 قضاء و قدر۔ توحید و عدل کے ساتھ ایمان لانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے تحت

میں داخل رہے مثنوی فی حکمت عدلی فی قضا و ک۔ علاوہ اس کے وہ امور دین و دنیا میں جو اس صوبہ سے ثابت ہو سکتے ہیں وہ بھی مذکور ہیں۔ اٹھائیسویں باب میں رضاء بالقضاء کے حکام اور اس باب میں لوگوں کا اختلاف مذکور ہے۔ اسی میں یہ کہ اس میں حق باسنہ کیا ہے۔ اسی میں یہ کہ اس میں یہ مذکور ہے کہ قضا و قدر پر ارادہ کیا بہت حکم۔ امر۔ ان جن جعل۔ کلمات۔ بدعت۔ ارسال۔ خیرم۔ عطا اور منع میں سے ہر ایک کے دو قسم ہیں۔ ایک کو فی جو خالق سے متعلق ہے دوسرے کو فی جو امر سے متعلق رکھتا ہے۔ اور اسی کے ضمن میں مخالفین کے ہر شکوک اور شبہات کو رفع کیا گیا ہے۔ تیسویں باب میں فطرۃ اولیٰ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا مذکور ہے اور یہ کہ وہ قضا و قدر عدل کے متنافی نہیں بلکہ اس کے موافق اور میں مطابقت ہے۔

اب میں اپنے مطلب کو شروع کرتا ہوں۔ اس میں جو صحیح بات ہو وہ اللہ و وحدہ کی تائید سے سمجھنی چاہئے۔ اور جو کہیں غلطی ہو تو وہ میرے قصور اور اغوا سے شیطان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ اس کتاب کو نگاہِ خبر سے دیکھنے والوں اور اس کے مطالب سمجھنے والوں سے یہ اتنا س ہے کہ اس میں جو صحیح معلوم ہو اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور جو غلط ہو اس کا مواخذہ اور وبالِ مصنف پر ہے۔ اور جبہ تک اس کے مضامین کو اچھی طرح نہ سمجھ لیں۔ جلدی سے انکار کرنے پر کمر بستہ نہ ہوں۔ اور مصنف اور اس کے ہم خیال لوگوں کے بغض کی وجہ سے اس کتاب کے اُن فوائد سے محروم نہ رہیں جو غالباً کسی اور کتاب میں نہ ملینگے۔ بڑے بڑے لوگ ان مسائل کے حل نہ ہونے کی حسرت لیکر گذر گئے ہیں۔ اور اُن کی تہ کو نہیں پہنچ سکے یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنی سوتی میں اپنے علم و حکمت سے اسے تقسیم فرماتا ہے۔ وہی عظیم حکیم ہے اور فضل اسی کے ہاتھ میں ہے جسے عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بڑے فضل والا ہے۔

سہلا باب

آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے متقاویہ کے مفکر ہونیکے بیان ہیں

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے چھپاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی متقاویہ کو لکھا اور اس وقت اللہ کا عرش بانی پر تھا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرش مجید قلم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ سنن ابی داؤد میں حصہ ثانی سے مروی ہے کہ عبادہ بن صامت نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے بیٹا جب تک اس بات پر اپنا یقین ٹھیک نہ کرو کہ جو تکلیف تمہیں پہنچ چکی ہے وہ بھی ملنے والی نہ تھی۔ اور جو مل گئی ہے وہ پہنچنے کی نہ تھی لذت ایمان ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اور اُسے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کیا۔ اے میرے رب کیا لکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیام قیامت تک جو چیز ہوگی ہر ایک کی متقاویہ تحریر کر۔ اے بیٹا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے بھی سنا کہ جو شخص اس کے سوا کسی دوسرے عقیدے پر مرا۔ وہ میری امت سے نہیں ہے۔ قلم نبوت متقاویہ کی ساعت میں لکھا جس میں وہ پیدا کی گئی جیسا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں عبادہ بن صامت کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ وراوی کہنا ہے مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ میں عبادہ بن صامت کے پاس جب وہ بیمار تھے اور مجھے ان میں کچھ موت کے آثار معلوم ہوئے۔ تب میں نے کہا۔ باوا مجھے کوئی وصیت فرماؤ اور میرے حق میں دُعا کی کوشش کرو۔ انہوں نے کہا اچھا مجھے ذرا اٹھا کر بٹھاؤ۔ جب ان کو بٹھا دیا۔ تو کہنے لگے بیٹا جب تک تم تقدیر کے خیر و شر پر یقین نہ لاؤ گے تمہیں ایمان کی لذت کبھی حاصل نہ ہوگی۔ اور نہ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت کی حقیقت پاسکو گے۔ میں نے کہا باوا تقدیر کے خیر و شر پر کیا یقین ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا۔ اس پر پختہ یقین ہو کہ جو آفت مل گئی ہے وہ پہنچنے کی نہ تھی اور جو آچکی ہے وہ ملنے کی نہ تھی۔ بیٹا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کو بھی فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے لکھنے کا حکم دیا سو قیامت تک جو چیزیں ہونیوالی ہیں اسی راسخ لکھی گئیں۔ اسے پہلے اگر قلم اس عقیدے کے سوا کسی اور عقیدے پر نہ ہو تو جہنم میں جلائے گا۔

قلم کی اس تحریر کا نام تقدیر ہے جیسا کہ ابن دہبائے راہیہ بیان کیا ہے کہ مجھے عمر بن محمد نے بتلایا کہ سلیمان بن حران نے اس سے بیان کیا کہ عبادہ بن ربیعہ نے اس سے بیان کیا کہ جب قریش موت تھے کہنے لگے کہ میرے بیٹے کو بلاؤ میں اس کو وہ بابت بتلاؤں۔ جو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے انھیں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب چیزیں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ اور اُسے لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے عرض کیا کہ اسے میرے رب کیا لگاؤں؟ صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا خلائق تحریر کر۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص تقدیر کے فیوض و شرور ایمان نہ لایگا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو آگ میں جلائیگا۔

عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ان میں ایک دن بغیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ پیچھے جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اسے لڑکے میں تمہیں چند باتیں بتلاتا ہوں (انہیں غور سے سنی تم حقوق خدا کی حفاظت کرو۔ اللہ تمہیں محفوظ رکھیں گا۔ تم اللہ کے حقوق کا پاس رکھو۔ تمہیں بہت جلد اُس کا قرب حاصل ہوگا۔ جب سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو۔ اور جب مدد چاہو۔ تو اُسی سے۔ اور یقین کرو کہ اگر سب لوگ بکھر جائیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں۔ تو سوائے اُس کے جو اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے (وہ بھڑکے فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور ایسا ہی) اگر کچھ نقصان پہنچانا چاہیں۔ تو سوائے اُس کے جو درپہلے سے) اللہ نے لکھ دیا ہے (تو برابر بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ قلمیں اٹھائی گئیں۔ اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔ اور حسن صحیح کہا ہے۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصی ملنے کی اجازت چاہی اور کہا کہ میں ایک جوان آدمی ہوں۔ مجھے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے اور میرے پاس تنہا مال نہیں ہے کہ کسی عورت سے نکاح کروں۔ آپ خاموش رہے (کچھ جواب نہ دیا) میں نے دوبارہ یہی عرض کیا۔ آپ نے پھر بھی کچھ جواب نہ دیا۔ دوبارہ عرض کیا تو بھی آپ خاموش رہے۔ چوتھی بار پھر عرض کیا تو آپ نے فرمایا جو کچھ ہوتا ہے وہ تو پہلے سے لکھا گیا ہے۔ اب تم اپنے آپ کو رخصی کرو یا نہ کرو، اس حدیث کو امام بخاری رح نے اپنی تصحیح میں روایت کیا ہے جس کی سند اس طرح پر ہے۔ کہ انکے ہم سے اصحیح نے بیان کیا ان سے ابن وہب نے انہوں نے یونس سے انہوں نے زہری سے

انہوں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے انہوں نے پوچھا کہ یہ روایت کیا ہے؟
 اور ابن ابی شیبہ نے کہا کہ یہ روایت میری ہے۔ اس کو تین یا پھر چار روایتیں
 نے فرمایا کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ تو پہلے سے لکھا گیا ہے +

ابو داؤد و طبرانی نے کہا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے کہا کہ ہم نے یہ روایت
 پاس کی تھی کہ کہ اتنے میں یزید بن ابی یحییٰ نے کہا کہ یہ روایت ہے کہ اس نے
 ابو سعید محمد بن عبد اللہ سے کہا کہ اس نے کہا کہ اس نے کہا کہ اس نے
 فی انفسیکم لا تکتب فی کتاب من قبل ان یذہبا ہذا اصاب من تصنیفہ فی الارض و لا
 میں اور جو روایت تم پر نازل ہوتی ہیں وہ سب ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہم نے کتاب (روح محفوظ)
 میں لکھ رکھی ہیں۔ سن بولے ہاں۔ اللہ کی قسم بیشک اللہ تعالیٰ ایک امر کا فیصلہ کرتا۔ پھر اس کے لئے
 ایک مددگار بھیجتا ہے کہ فلاں دن اور فلاں وقت یہ کام ہوگا۔ جو امر عام و خاص میں ہی دستور
 جاری ہے۔ جیسا کہ اگر آدمی ہاتھ میں لاشی لیتا ہے تو وہ بھی قضا و قدر میں مقدر ہے۔ ابن ابی مریم نے
 لے ابو سعید محمد کی قسم تو نے غریب بات کہی ہے میں نے لاشی ہاتھ میں لی اور مجھے اس کی کوئی
 ضرورت نہ تھی لیکن میں اسے چھوڑ نہیں سکا۔ سن نے کہا اسی سے یہ مسئلہ سمجھو +

من قبل ان یذہبا ہا میں جو ضمیر کا ہے اس کے مرنے میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ لفظ
 انفس کی طرف راجع ہے کہ وہ قریب ہے بعض نے لفظ ارض کی طرف اور بعض نے لفظ مصیبت
 کی طرف اسے راجع ٹھہرایا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ وہ بری کی طرف راجع ہے جو ان سب کو شامل ہے آیت
 کا سیاق اور لفظ ہذا ہی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اس صورت میں پہلے تین قولوں کا مطلب بھی ایک
 ہو جاتا ہے واللہ اعلم +

ابن جریر نے کہا ہے کہ مجھے عمر بن محمد نے بتلایا کہ سلیمان بن مرزبان نے ان سے بیان کیا کہ عبد اللہ
 بن مسعود نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اور اسے لکھنے کا حکم دیا۔ سو
 قیامت تک دنیا میں جتنی چیزیں پیدا ہونگی سب کو لکھ دیا۔ پھر اسی پہلی نوشت کے مطابق بندوں کے اعمال
 و قوع میں آتے ہیں اور ذرہ بھر اس کے مخالف نہیں ہوتے +

عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ
 عزوجل نے اپنی مخلوق کو ایک تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور ظاہر کیا۔ سو جس کو اس نور سے حصہ ملا

وہ دہا بیستہ پر ہوا اور جسے نہ ملا وہ گمراہ رہا۔ عجب اللہ نہ کہہا اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ کچھ ہونا ہے وہ قلم قضا سے لکھا گیا ہے اور اس پر تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے وہ ابو داؤد نے کہا ہے کہ ہم سے جہاں بن ولید بن مزینہ نے بیان کیا کہ میرے پاس ہے۔ نہ جگہ بتلایا۔ کہیں سے ازراعی کو یہ کہتے سنا کہ تیرے سے زید بن یزید اور دیکھی بن عمر و شیبانی ۱۰ نوٹے بیان کیا۔ کہ ہم سے عجب اللہ بن غیر ورمی نے کہا کہ میں جب اللہ بن عمر بن عاص کے پاس گیا۔ ان دنوں وہ طائف میں اپنے ایک باغ میں جو بہت بڑے نام سے مشہور تھا ہتھکتے تھے میں نے ان سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چند باتیں بیان کرتے ہیں۔ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص شراب پیئے۔ چالیس روز تک اس کی توبہ منظور نہیں ہوتی۔ اور بدبخت وہی ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ٹھہرا۔ اور کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ایک تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور ظاہر فرمایا۔ سو اس وقت جس کو اس نور سے جمعہ ملا وہ دہا بیستہ پر ہوا۔ اور جسے نہ ملا وہ گمراہ رہا۔ اسی لئے تو میں یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ خدا تعالیٰ کو معلوم اور مرقوم ہو چکا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی سند میں ابو داؤد کی روایت کی نسبت زیادہ طول سے بیان کیا ہے۔ کہ عجب اللہ بن غیر ورمی سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں جہاں اللہ بن عمرو کے پاس گیا ان دنوں وہ طائف میں اپنے ایک باغ میں جو بہت بڑے نام سے مشہور تھا ہتھکتے تھے۔ اسی وقت ان کے پاس قبیلہ قریش کا ایک جوان جو شرابخوری کے ساتھ ستم ظنا میٹھا تھا میں نے کہا کہ مجھے آپ کی طرف سے یہ روایت پہنچی ہے کہ جو شخص شراب کی ایک گھونٹ بھی پی لے۔ نو چالیس روز تک اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور بدبخت وہی ہے جو شکم ماور میں بدبخت ہو۔ اور جو شخص صرف نماز کی خاطر بیت المقدس میں جائے اور وہاں نماز پڑھے۔ تو وہ کناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا ان کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ جو جب اس جوان نے شراب کا ذکر سنا تو اپنے ہاتھ کو انکے ہاتھ سے نکالا اور چل دیا۔ عجب اللہ بن عمرو نے فرمایا کہ میں کسی کو مجازت نہیں دیتا کہ وہ میری طرف سے ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص شراب کی ایک گھونٹ بھی پی لے۔ تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ پھر اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اب مجھے یہ یاد نہیں کہ تیسری بار یا چوتھی بار آپ نے فرمایا کہ اگر کچھ بھی اس نے یہی کام کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کو ضرور اسے دوزخوں کا خون و پیپ پلائے گا۔ عجب اللہ بن عمرو نے کہا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو

ایک تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور کا ہر نما یا سوا اس وقت جسے اس نور سے جھنڈا نہ ہو ہدایت پزیر ہوا اور جسے نہ ملا وہ گمراہ رہا اسی واسطے تو میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے علم کے مطابق ہوتا گیا ہے اور میں نے بول فرما کے اللہ علیہ السلام کو بھی فرماتے رہنا کہ سلیمان بن داؤد سے اللہ عزوجل نے تین تین چیزوں کی درخواست کی جن میں سے دو چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے تھے ان کو عطا فرمائیں۔ اور تہری کے ہم امیدوار ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ ایسا فیصلہ کیا کرے جو اللہ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ سو یہ نعمت انہیں عطا ہوئی۔ دوسرا یہ سوال کیا کہ انہیں ایسی بادشاہت ملے جو ان کے بعد کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سو یہ بھی ایسا ہی ہوا تیسرا یہ سوال کیا تھا کہ جو آدمی صرف ناز کی خاطر میرے لئے اللہ کے میں گئے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل یہ نعمت ہم کو عطا فرمائی ہے۔ اور اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔ اور اس میں کوئی عیب نہیں +

دوسرا باب

اس امر کے بیان میں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے بندوں کی تفاوت سعادت۔ رزق۔ موت اور اعمال سب کچھ انکو پیدا کرنے پہلے تقدیر فرمایا ہے

اور پہلی تقدیر کے بعد یہ دوسری تقدیر ہے

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اکہم لوگ بقیع غرقہ میں ایک میت کو دفن کر رہے تھے اتنے میں دو آدمی علیہ السلام تشریف لائے اور نہشت فرمائی ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے اس وقت آپ کے ہاتھ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ سر جھکا کر اس سے زمین کو کھد کرنے لگے۔ اور فرمایا کہ ہر ایک جی کے لئے اللہ تمہارے پہلے سے لکھ دیا ہے۔ کہ اس کا ٹھکانا بہشت میں ہے یا دوزخ میں

۱۷۰ امام بخاری رحمہ اللہ ص ۱۲۷ ج ۱۲۷ ح ۱۲۷۱ میں روایت ہے + ۱۷۱ دینہ منورہ کے ایک

گورستان کا نام ہے ۱۲

اور یہ کہ وہ بد بخت ہے۔ یا ایک بخت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آپ نے عرض کیا۔
 یا رسول اللہ کیا ہم ایسا نہ کریں کہ اپنی نوشتہ پر خبر دے سکیں۔ اور مل کر ناپا چوندیں۔ آپ نے فرمایا مل کر تے
 رہو جو صاحب سعادت ہے وہ خود بخود اہل سعادت کے کام کریگا۔ اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوگا۔ اور جو
 بد بخت ہے۔ وہ بد بختوں کے کام کریگا۔ اور انہیں اس کی قاتل ہوگی۔ پھر آپ نے یہ بیت پڑھی۔
 فَاَمَّا مَنْ اَعْطَىٰ وَاقْفَىٰ وَهَمَّ بِاَلْحَسَنِ فَسَيَسِّرُ لِيْلِهِ مَرِي وَاقْتَامَنْ يَخْلُ وَاسْتَحْنَىٰ وَ
 كَذَّبَ بِاَلْحَسَنِ فَسَيَسِّرُ لِيْلِهِ مَرِي وَاقْتَامَنْ يَخْلُ وَاسْتَحْنَىٰ وَ
 کیا۔ اور اچھی بات دین اسلام کو سچ کھا۔ تو ہم آسانی کی جگہ (یعنی بخت میں) چوچنے کا رستہ اس
 کے لئے آسان کر دیں گے۔ اور جس نے راہ خدا میں دیر سے مضائقہ کیا اور آخر کی ہر دواہ نہ کی۔ اور
 عمدہ بات دین اسلام کو جھوٹا مانا۔ تو ہم مشکل کی جگہ اپنی دوزخ میں پہنچنے کا رستہ اس کے لئے
 آسان کر دیں گے۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ عمل کرتے رہو۔ ہر ایک کو اس کی سوجھ بوجھ کی توفیق
 ملتی ہے۔ اب اس کو دیکھو۔ اعمال اور بد بختوں کو بے کاموں کی توفیق ملتی ہے۔ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی
 عمران بن حصین سے مروی ہے۔ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا۔ کیا اہل
 جنت والے دوزخ پہلے سے جہنم پہنچے ہیں۔ آپ نے فرمایا بیشک (یہی بات ہے) سائل نے عرض
 کیا تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ۔ آپ نے فرمایا۔ ہر شخص کو انہیں کاموں کی توفیق ہوگی جن کے لئے وہ پیدا
 کیا گیا ہے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ بخاری کی ایک دوسری روایت میں
 یوں ہے کہ ہر کوئی وہی کام کریگا جن کے لئے وہ مخلوق ہوا یا جن کی اسے توفیق دی گئی +
 ابوالاسود دینلی سے مروی ہے کہ امام عمران بن حصین نے مجھے کہا یہ تو بتلاؤ کہ آدمی اس وقت
 جو کچھ عمل کرے ہے۔ اور ان میں جانکاہی کرتے ہیں کیا پہلے سے متقد ہو چکے ہیں یا آئندہ وقتاً فوقتاً
 ان کے لئے پاکھا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رسولوں کے ذریعہ اپنے احکام سے متنبہ فرما کر تمام حجت فرماتا
 ہے۔ میں نے کہا آدمیوں کے تمام اعمال پہلے سے متقد ہو چکے ہیں۔ ابوالاسود کہتے ہیں عمران نے کہا
 کیا یہ ظلم نہیں۔ اس پر میں بہت گھبرایا۔ اور کہا کہ ظلم نہیں کیونکہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق اور اس کی
 مخلوک ہیں (وہ ان میں جیسے چاہے تصرف کرے) اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ بلکہ وہ اپنی مخلوق کو
 ان کے اعمال کی نسبت باز پرس فرمائے گا۔ عمران بولے خدا تجھ پر رحم کرے (مجھے اس مسئلہ میں کوئی شبہ نہیں)
 میں نے تو صرف تیری فہم آزمائی کے لئے یہ وال جواب کیا ہے (اور مجھے یاد ہے) کہ قبیلہ مزینہ
 کے دو آدمی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا یا رسول اللہ یہ بتلاؤ میں کہ

لوگ اس وقت جو کچھ عمل کر رہے ہیں۔ اور ان میں جانکاہی کرتے ہیں۔ کیا یہ پہلے سے ایسے ہی متذکر ہو چکے ہیں یا آئندہ وقتاً فوقتاً ان کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ اور رسولوں کے ذریعہ ان کو جسکے نام الہی سے متنبہ کر کے ان پر رحمت قائم کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ پہلے سے تھوڑے چھوٹے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کی کتاب میں اس کی تصدیق وجود ہے وَلَقَدْ نَزَّلْنَاهَا وَإِنَّا لَنَجْعَلُهَا وَآلِهَةً يُنَاجُونَ هَا وَتَقْوَاهَا اور انسان اور رُس ذات کی قسم اس نے اُس کو راسخ و مستحکم بنا دیا پھر اس کو یاد گاری اور پرہیزگاری (دوزخ بائیں) اُس کو بھادیں (اس حدیث کے مسلم نے اپنی تصحیح میں روایت کیا ہے) اور شنی ایسی سے مروی ہے کہ کہہ کر (ایک دن) رسول خدا ﷺ علیہ السلام سے پاس تشریف لائے اس وقت آپ کے ہاتھ مبارک میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کتابیں کیسی ہیں۔ راوی کہتے ہیں ہم نے کہا۔ یا رسول اللہ آپ کے بتلانے بخیر ہیں کیسے معلوم ہو۔ آپ نے اُس کتاب کی نسبت آپ کے دہانے ہاتھ میں تھی۔ فرمایا یہ وہ کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے نام نہ دلا دیتا۔ قبیلہ تحریر فرمائے ہیں۔ اور ان کے اخیر میں میزان دیدیا ہے سو اب ان میں کبھی اب کمی و بیشی نہیں ہوگی۔ اور جو بائیں ہاتھ میں تھی اُس کی بابت فرمایا یہ وہ کتاب ہے جس میں دوزخیوں کے نام نہ دلا دیتا۔ قبیلہ تحریر ہیں۔ اور ان کے اخیر میں میزان دیا گیا ہے سو ان میں بھی کمی کی بیشی نہیں ہوگی۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر پہلے سے اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ آپ نے فرمایا تم اپنی طرف سے ٹھیک کام کرنا کی کوشش کرتے جاؤ۔ جو جنتی ہے اُس کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا۔ گو پہلے وہ کیسے ہی عمل کرتا رہا ہو۔ اور جو دوزخی ہے اُس سے مرنے وقت دوزخیوں کے کام ہونگے۔ گو پہلے نیک کام کرتا رہا پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا۔ کہ اپنی مٹھی کو بند کر لیا اور فرمایا کہ اللہ عزوجل بندوں کا معاملہ پہلے سے طے کر چکا ہے۔ پھر دہانے ہاتھ کو کھول کر اس سے اشارہ کیا اور فرمایا قُرَيْشٌ فِي الْجَنَّةِ (قیامت میں کچھ لوگ جنت میں ہونگے) اور بائیں کھول کر فرمایا قُرَيْشٌ فِي السَّعِيرِ (کچھ لوگ دوزخ میں) اس حدیث کو ترمذی نے قیقبہ سے اُنہوں نے لیٹ ابو قبیل سے انہوں نے شنی سے اور دوسری سند کے ساتھ قیقبہ سے اُنہوں نے بکر بن نصر سے اُنہوں نے ابو قبیل سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے۔ اور اس کو نسائی اور امام احمد نے بھی ان ہی الفاظ میں روایت کیا ہے۔ اور صحیح حاکم وغیرہ کتابوں میں ابو جعفر رازی کی سند سے یوں ہے کہ ہم سے یحییٰ بن انس نے بیان کیا۔ انہوں نے ابو العالیہ سے اسوں نے ابی بن کعب سے اللہ تعالیٰ کے اس قول

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي آدَمَ مِنْ قُلُوبِهِمْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ يَرِيكُمْ أَعْيُنَهُ وَيُخَوِّدُكُمْ إِنَّهُ عَلَىٰ أَوَّلٰى بَصَرٍ
وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی میٹھوں سے انکی نسلوں کو
بہر نکالا ہے کہ اسے میں یوں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب بندوں کو قیامت تک پیدا
ہونگے جمع کیا پھر انہیں جوڑے بنایا۔ صورت اور صورت کا ہم بخشی اور ان سے مخاطب ہوا۔ وہ سب
کے سب بولے اور ان سے عہد و میثاق (قول و قرار لیا گیا) اور ان کے مقابلے میں خود ان ہی کو
گواہ بنایا جیساکہ فرمایا ہے اَسْمَعْتُ بِرَبِّكَمْ قَالُوا بَلٰی شَهِدْنَا اِنَّ تَقُولُوْا اَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا
كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُولُوْا اِنَّمَا اٰثَرَاتُ اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَقْتُلْكُمْ
اِنَّمَا نَعْلَمُ اَنَّا نَفْسٌ اَلْمُبْطِلُوْنَ (ان سے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سب بولے ہاں
ہم اس بات کے، گواہ ہیں اور یہ اس غرض سے کیا کہ ایسا نہ ہو کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم
تو اس بات سے بے خبر ہی ہے یعنی کسی نے ہم کو بتایا تھا یا نہیں، یا کہنے لگو کہ شرک بتا دیں تو ہمارے
برہمن جی نے کیا اور ہم ان ہی کی اولاد تھے کہ ان کے بعد (دنیا میں آئے) سیسائوں کو کرتے دیکھا
وہی کہتے تھے کہ تو بولے خدا کیا تم کو ان لوگوں کے جرم کی پاداش میں ہلاک کئے دیتا ہے جنہوں نے پہلے
غلطی کی) +

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں سات آسمانوں۔ زمین اور تمہارے باپ آدم کو اس لئے تم پر گواہ بناتا ہوں
کی قیامت میں تمہیں یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا یا ہم اس سے بے خبر تھے۔ سو کسی کو میرا
ساتھی نہ ٹھیرنا میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجے گا۔ جو تمہیں میرا عہد و میثاق یاد دلائیے گا۔ اور وزیر تمہاری
ہدایت کے لئے، اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ تو سب نے اقرار کیا کہ تو ہمارا رب و معبود ہے۔ تیرے سوا ہمارا
کوئی نہیں۔ اور سب کے سب آدم کے پیش کئے گئے۔ تو آدم نے کیا دیکھتے ہیں کہ کئی ان میں الٰہ ہیں اور
کئی فقیر اور بعض خوبصورت ہیں اور بعض بد صورت ماس پر غرض کیا ہے پروردگار۔ اگر تو سب بندوں کو بھلا
بالا۔ (خوبصورت) بناتا (اگر کیا خوبصورت تھی) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں جھگڑ ہے کہ میری نعمتوں
کی قدر سمجھیں۔ اور آدم نے اپنی اولاد میں انبیاء کو دیکھا۔ کہ وہ شعلوں کی طرح روشن اور نورانی ہیں۔
حاکم نے یہ پوری حدیث بیان کی ہے +

صحیح مسلم و بہار ترمذی میں ہشام بن زید کی روایت اس طرح ہے کہ وہ زید بن اہم سے کہہ رہے ہیں
کہ وہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ
نے آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر اپنا اتمہ بھرا دئے جسے قیامت تک پیدا ہونگے جو شیطان کی طرح

زن کی پشت سے کل پر سے پیرہ ایک آدمی کی پیشانی میں یکے نور رکھا۔ اور اس کو آدم سے کہے پیش کیا۔ آدم
 نے پوچھا۔ اسے پروردگار یہ کیوں کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیری اولاد ہے۔ آدم نے ان میں ایک ایسا
 آدمی کو چن لیا۔ کہ اس کے چہرہ نے نور سے نہایت خوش ہوئے۔ پوچھا اسے پروردگار یہ کیوں ہے۔ اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا۔ یہ تیرا بیٹا ہے جو پہلی استوں میں پیدا ہو گا۔ عرض کیا اس کی عمر کیا ستہ فرمائی ہے۔ فرمایا۔
 ساٹھ سال۔ عرض کیا۔ پروردگار میری عمر میں سے چالیس سال اس کی عمر میں بڑھا دو۔ فرمایا جو کچھ
 لکھا گیا اب ہمیں تبدیل نہیں ہونی۔ جب آدم بنی طہرتم ہوئی۔ اور قبض روح کے واسطے ان کے پاس
 ملک الموت آیا تو کہنے لگے۔ کیا میری عمر میں سے چالیس سال ابی نہیں رہتے۔ ملک الموت نے کہا۔ آپ نے وہ
 اپنے بیٹے داد کو نہیں بخشے تھے۔ آنحضرت نے فرمایا ہے تو ہم انکار کر گئے۔ اس لئے بنی آدم بھی وعدے
 سے انکار کر جاتے ہیں۔ اور چلے آدم و حوا سے اسی وجہ سے آدمی جی بھو جیتے ہیں۔ اور آدم سے جو
 خطا ہوئی اسی کا اثر ہے کہ بندے بھی خطا کرتے ہیں۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔
 اور مؤطا امام مالک میں زید بن ابی اسیر سے مروی ہے کہ اس سے عبد الحمید بن عبد الرحمن بن یحییٰ نے
 بیان کیا۔ و مسلم بن یحییٰ نے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب سے کسی نے اس آیت
 وَارْثًا أَخَذَ رِبًّا مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اور جب تمہارے پروردگار نے
 بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی نسلوں کو بائز نکالا کا مطلب پوچھا تو حضرت عمر نے کہا کہ
 یہ اس خدا سے اللہ علیہ وسلم سے جب اس کا مطلب پوچھا گیا۔ تو میں نے آنحضرت سے کو یہ فرماتے سنا۔ کہ
 اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرما کر ان کی پشت پر اپنا دامت ہاتھ پھیرا۔ اور اس سے اولاد آدم کا ایک حصہ
 نکالا اور فرمایا کہ ان کو میں نے بہشت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور یہ اہل بہشت کے کام کرینگے۔ پھر دوبارہ
 بائز چیرا۔ تو دوسرا حصہ نکالا اور فرمایا کہ ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور یہ دوزخیوں کے کام
 کرینگے۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی علیہ وسلم یہ ہے تو پھر حل کرنے کا کیا فائدہ آپ نے فرمایا۔
 اللہ تعالیٰ نے جسے جس سے کو بہشت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس سے اہل بہشت کے کام کرائیگا۔ یہاں تک
 کہ اس کا دائرہ انہی اعمال پر ہوگا۔ اور اس کو بہشت میں داخل نہ ہائیگا۔ اور جس کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اس
 سے دوزخیوں کے کام کرائیگا۔ یہاں تک کہ وہ بھی پھر گیا۔ اور دوزخ میں دھکیلا جائیگا۔ حاکم نے کہا ہے
 کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ اس کا یہ کہنا چھوٹا نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث منقطع ہے (چنانچہ) عمر کہتے ہیں۔
 یہ حدیث اس وجہ سے منقطع ہے کہ ماہن بسیار کی حضرت عمر بن خطاب سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کا
 اسناد فقیر بن یحییٰ ہے جس کو ذکر نہیں کیا (انہم) ہم ان سے استاذ منتخب ہو سکتا ہے کہ اس شخص کی روایت صحیح ہو

اسحاق نے کہا ہے کہ ہم سے عبد الصمد سے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے حماد نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے
 حربی نے بیان کیا۔ انہوں نے ابو نصرہ سے روایت کیا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ
 میں سے ایک شخص ابوبکر اللہ بیدار تھے) انکے دوست ان کو دیکھنے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ روہے
 میں پوچھا کیوں روتے ہو کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک
 شخص کو دے دیا تھا میں لی اور دوسری باتیں ہاتھ میں اور فرمایا کہ یہ جنت کے لئے ہیں اور یہ دوزخ کے
 لئے اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ پس مجھے معلوم نہیں کہ میں کس مٹھی میں تھاموں خوف سے رونا ہوا
 ہم سے عمرو بن محمد بن اسماعیل بن ارفع نے بیان کیا۔ انہوں نے مقبری سے انہوں نے ابو ہریرہ سے
 انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی شرت
 اس طرح بنائی۔ کہ پہلے مٹی تھی۔ پھر بے کچھ بنا کر چھوڑ دیا۔ جب سوک کر ٹھیکری کی طرح کھنکھانے
 لگی۔ تو شیطان اس کے پاس جا کر کتا۔ تم ایک بڑے کام کے لئے پیدا کئے گئے۔ اس کے بعد
 اللہ تعالیٰ نے انہیں روح ڈالی تو آدمؑ کہنے لگے اے پروردگار میری فدییت کونسی ہے۔ اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا جو تجھے پیدا کیا ہے۔ آدمؑ علیہ السلام نے کہا میں اپنے رب کے دہسنے ہاتھ کو پسند کرتا ہوں۔ اور
 اللہ تعالیٰ نے تو کو پیدا کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ کھولا سو آدمؑ کی جتنی ذریعہ پیدا ہوگی وہ سب اللہ
 تعالیٰ کے ہاتھ میں رہے گی۔

ہم سے نصر نے بیان کیا کہ ہم سے ابو حشر نے بیان کیا انہوں نے ابو سعید خدری اور نافع
 بن ابی اسود زبیر سے انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا۔ کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ علیہ السلام
 کی پیدائش کا ارادہ فرمایا ذکر پیدائش جب پیدا ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدمؑ میرا کونسا
 ہاتھ تجھے پسند ہے کہیں ایسے تجھے تیری اولاد کھلاؤں۔ عرض کیا رب کا اہنا ہاتھ۔ اور رب کے
 تو دو ہاتھ دہسنے میں ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا دہنا ہاتھ کھولا تو آدمؑ نے دیکھا کہ اُن کی تمام اولاد
 جو قیامت تک پیدا ہوگی سب اس میں موجود ہے۔ تند ریت اور بیمار ہر ایک جدا گانہ مشیت میں
 ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ایک خاص ممتاز شکل میں ہے۔ عرض کیا اے اللہ سب کو یکساں عافیت نہ
 دے کی کیا حکمت ہے۔ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میری نعت کی قد کریں اور جسکے گزار ہوں نہ ضرر نہ
 پودہ نہ ایک بیان کی ہے۔

محمد بن نصر و صحابہ نے کہا ہے ہم سے محمد بن یحییٰ نے بیان کیا کہ ہم سے سعید بن ابی مریم
 نے بیان کیا کہ میں نے عبد بن عبد اللہ سے سنا کہ وہ نے بیان کیا کہ انہوں نے سے سعید بن ابی مریم

پھر بائیں کندھے پر مارا تو وہ رُحیں جو دوزخ کے لئے مخلوق ہیں سیاہ اور بد نما چہروں میں نمودار ہوئیں اور ان کی نسبت فرمایا کہ یہ دوزخی ہیں پھر سب بنی آدم سے ایمان معرفت ذات الہی تصدیق اور امتثال امر نہ عمل کیا اور خود ان ہی کو ان پر گواہ ٹھہرایا اس وقت سب کے سب ایمان لائے تصدیق کی معرفت کو سمجھے اور اقرار کیا +

ہم یہ اسحاق نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے روح بن عبادہ بن ثحر بن عبد الملک نے بیان کیا وہ اپنے باپ سے وہ زبیر بن عوفی سے وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباس سے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں مگر اس میں اتنی زیادتی ہے کہ ابن جریج نے کہا کہ مجھے یہ بات بھی پہنچی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نکل کر رانی کے دانوں کی طرح اپنے ہاتھ پر رکھا +

اسحاق نے کہا ہے کہ ہم سے زبیر نے بیان کیا وہ منصور سے وہ عبادہ سے وہ عبد اللہ بن عمرو سے اللہ تعالیٰ کے قول قَرَأْتُ احَدًا سَمِعًا مِنْ بَنِي اٰدَمَ الْاَلَاہِ کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اس طرح پکڑا جس طرح کنگھی سے کوئی چیز پکڑتے ہیں +

تفسیر سباطین سدی اور اس کے صحاب ابو مالک اور ابو صالح سے مروی ہے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں نیز مرہ ہمدانی سے مروی ہے وہ ابن مسعود اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کے قول قَرَأْتُ احَدًا سَمِعًا مِنْ بَنِي اٰدَمَ الْاَلَاہِ کے بارے میں روایت کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو جنت سے نکالا۔ تو ان کے آسمان سے نیچے گرنے سے پہلے ان کی پشت کی داہنی جانب ہاتھ چیرا۔ اور اس سے انکی اولاد کا ایک حصہ نکالا۔ جو نکتہ میں موتیوں کی طرح چمکیلے اور قد میں حیوانیوں کے برابر تھے۔ اور انہیں فرمایا کہ تم میری رحمت سے جنت میں جاؤ۔ اور بائیں جانب ہاتھ پھیرا۔ تو اس سے دوسرا حصہ نکالا۔ جن کے رنگ سیاہ اور قد حیوانیوں کے برابر تھے۔ ان کو حکم دیا کہ تم دوزخ میں جاؤ۔ اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں جو دو گروہ اصحاب الیمین و اصحاب الشمال مذکور ہیں۔ ان سے یہی مطلب ہے پھر سب سے عمل کیا۔ اور فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سب بولے ہاں تو ہمارا پروردگار ہے۔ لیکن ایک گروہ خوشی سے اور دوسرا تقیہ کے طو۔ پر ناخوشی سے اس بات کا قائل ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ نے فرمایا شَهِدْنَا اَنْ تَقُولُوا اَلَيْسَ بِالْقِيَمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا خَافِلِينَ اَوْ تَقُولُوا اَلَا اَشْرٰكُ لَا بَأْسَ مَا مِنْ قَبْلِ الْاَلَاہِ ہم اس بات کے گواہ ہیں اور یہ اس

غرض۔ یہ کیا ایسا نہ ہو کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے یعنی
 کسی نے ہم کو بتایا بتایا نہیں یا کہنے لگو کہ شرکاء بتا دیں تو ہمارے بڑوں ہی نے کیا۔ اور ہم ان ہی کی اولاد
 تھے۔ کہ انکے بعد دنیا میں آئے جیسا بڑوں کو دیکھا ہم بھی جیسا ہی کرنے لگے۔ اسی وجہ سے ہر ایک
 آدمی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو جانتا اور ہر شرک یوں کہتا ہے۔ کہ چونکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو
 اس مذہب میں دیکھا ہے۔ اس لئے ہم انکے پیرو ہیں (اور نہ خدا کی رحمت تو ہم بھی سمجھتے ہیں)
 اللہ تعالیٰ کے قول **وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ آدَمَ مِنْ بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ** اور **قُلْ**
اسْتَلِمُوا مِنِّي **فَإِذَا كُنتُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ** (جو فرشتے) آسمانوں میں ہیں اور جو ایک زمین
 میں ہیں چاروں طرف اسی کے حکم پر دراز ہیں اور **قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْكُلَّةُ فَمَنْ لَبَّى دَعَاءَ لِهَذَا**
اجْتُمِعُوا (میں پیغمبر سے) کہو کہ تم مائیں، اور اللہ کی رحمت تم پر تمام ہوئی۔ پھر اللہ ہی چاہتا
 ہے کہ تم سب کو (دین حق کا) راستہ دکھادیتا) کا یہی مطلب ہے +

اسحاق نے کہا ہے ہم سے کج نے بیان کیا کہ ہم سے مضر نے بیان کیا وہ ابن ہلیط سے
 روایت کرتے ہیں۔ کہا کہ ابو بکر نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی دوستی برابر پیدا کیا۔
 سو جو وہابی میں تھے انہیں فرمایا کہ تم ساتھی کے ساتھ جنت میں جاؤ اور جو بائیں میں تھے انکو دوزخ
 میں بھیجا دیا۔ اور فرمایا کہ میں کسی کی پروا نہیں کرتا +

اسحاق نے کہا ہے ہم سے جریر نے بیان کیا وہ حمیش سے وہ ابو طیمان سے وہ اشخضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا صحابی سے جو قبیلہ انصاریہ سے ہیں روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب
 اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو انہیں اپنی دونوں ٹہنی میں رکھا۔ پھر جو دہنی میں آئے انہیں اصحاب الیمین
 اور جو بائیں میں رہے انکو اصحاب الشمال فرمایا اور فیصلہ ہمیشہ کے لئے تقیام قیامت تک نافذ رہا۔
 عبداللہ بن وہب نے کتاب القدر میں کہا ہے مجھ سے جریر بن حلام نے بیان کیا وہ ابوبکر
 سختیانی سے وہ ابو قتادہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ جب اللہ عزوجل نے آدم
 کو پیدا کیا۔ تو ان سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں اپنے ہاتھ میں لیکر پھر نیچے چھوڑ دیا سو جو دہنی
 ہاتھ میں تھے ان کو دہنی طرف اور جو بائیں میں تھے۔ ان کی بائیں طرف چھوڑا اور فرمایا (صحاب الیمین)
 جنت کے لئے اور (صحاب الشمال) دوزخ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔ اور
 اہل دوزخ خاصہ ان کے اعمال اور اہل جنت اہل ان کے اعمال سب یکھ دیتے۔ پھر فرما کر اعمال بند کیا
 کیا۔ اور قلم اٹھا دی گئی +

یہودیوں نے کہے ہم موسیٰ نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے ہما دین زید نے بیان کیا۔ وہ ایوب سے وہ ابو قلابہ سے وہ ابو صلح سے یہی حدیث روایت کرتے ہیں ۛ

عبداللہ بن وہب نے کہا ہے مجھ سے عمرو بن حارث اور حید بن شیح نے بیان کیا ہے وہ ابن ابی اسید سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔ کہ اُس سے ابو فراس نے بیان کیا کہ اُس نے عبداللہ بن عمرو کو یہ کہتے سنا کہ اللہ عزوجل نے جب آدم کو پیدا کیا۔ تو اُن کو اس طرح جھاڑا جس طرح توشہن بھاڑا جاتا ہے۔ پس اُن کی ہڈیوں سے اُن کی تمام اولاد چوڑیوں کی طرح نکل پڑی۔ پھر انکو دو نو پاٹھوں میں لیکر نیچے چھوڑ دیا۔ پھر دوبارہ اُن کو ہاتھ میں لیکر فرمایا۔ ایک جماعت جنت میں جایگی اور ایک دوزخ میں ۛ

عبداللہ بن وہب نے کہا مجھ سے یونس بن زیاد نے بیان کیا وہ وزاعی سے وہ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو شخص یہ خیال کرے۔ کہ خدا کے ہوا کوئی دورا شخص حاکم۔ رازق یا اُس کے نفع و نقصان یا اسے نہ زندگی کا مالک ہے تو قیامت میں وہ اللہ کے سامنے ایسے حال میں جائیگا۔ کہ اُس کی حجت بریکار۔ زبان سوختہ۔ ناز و روزہ سب کچھ زنجان اور تمام استناب منقطع ہونے۔ اور منہ کھلے بل اُسے دوزخ میں دھکیل دیں گے ۛ عبداللہ بن عمرو نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ اور اُن سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور اُس وقت اُس کا سرش پانی پر بٹھا ۛ

یہودیوں نے ذکر کیا ہے کہ ہم سے یحییٰ بن حبیب نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے مہم نے بیان کیا کہ کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا۔ انہوں نے ابو العالیہ سے اللہ تعالیٰ کے قول یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ قَامَا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ اَلْكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ قُلْ ذَرِكُوا الْعِبَادَةَ اَيُّهَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ وَآتَا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَعُفِيَ عَنْهُمْ رَحْمَةُ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (جس دن بعض لوگوں کے منہ سفید ہو گئے اور بعض کے منہ سیاہ ہو جو لوگ رو سیاہ ہوئے ان سے کہا جائیگا کہ تم ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تھے تو اب) اپنے کفر کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو اور جو لوگ سفید ہوئے تو وہ) اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے) کے بارے میں روایت کیا ہے کہ نبی آدم دو فریق بن گئے۔ اور اُن میں سے جن کے چہرے سیاہ و تغیر ہوئے اُن سے فرمایا گیا کہ تم ایمان کے چھوٹے ہو گئے۔ یہاں ایمان ہے وہ ایمان ہر روز ہے جسے سب نے پہلے قبول کیا تھا ۛ

ابو داؤد نے کہا ہے کہ ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ہم سے حماد نے بیان کیا کہ ہم سے ابو خاتمہ سعدی نے بیان کیا کہ (ایک دن) ہم ابو عثمان ہندی کی مجلس میں تھے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اُس کا ذکر کیا اور اُس سے دعا مانگی اور میں نے کہا کہ جب یہ کام شروع کیا گیا تھا تو مجھے نہایت خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اب چونکہ ختم ہو گیا ہے وہ مکمل درجہ کی خوشی نہیں رہی۔ ابو عثمان ہندی بولے خدا تجھے اس پر قائم رکھے۔ ایک دن ہم سلمان کی مجلس میں حاضر ہوئے اور اسی طرح خدا سے غزویں کی تفریق۔ ذکر اور دعا مانگنے میں مصروف ہوئے۔ اور (اختتام مجلس پر) میں نے یہی کلمہ کہا جو تو نے کہا ہے تو سلمان نے مجھے یہی دعا دی کہ خدا تمہارا۔ اے تجھے اس پر قائم رکھے اور کہ اے اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ سو قیامت تک جتنے جی پیدا ہونگے اُس سے نکل پڑے۔ زرا۔ دہ۔ بدبختی۔ نیک بختی۔ رزق۔ عمر۔ رنگ۔ سب کچھ اسی وقت مقرر فرما دیا۔ نیک کام کرنا اور مجلس خیر میں شامل ہونا سعادت کی نشانی اور بُرے کام اور بُری مخلوق میں جانا بدبختی کی علامت ہے +

ابو داؤد نے کہا ہے ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ہم سے حماد نے بیان کیا کہ ہمیں عطلہ بن سائب نے بتلایا وہ جب بن جبر سے دو ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ تب جتنے جی قیامت تک ہونگے اُس سے نکل پڑے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد و اقرار لے لیا۔ اسی واسطے سلف کا یہ مذہب ہے کہ قلم خشک نہ ہو سکتا ہے یعنی جو کچھ ہونا ہے وہ ب کچھ لکھا گیا ہے اب اس میں کچھ کمی و بیشی نہیں ہو سکتی۔ ضحاک کا قول ہے کہ بنی آدم جیونیوں کی طرح نکل پڑے پھر ان کو دوبارہ آدمؑ کی پیٹھ میں رکھ دیا۔ مذکورہ بالا احادیث اور آثار اور جو ان کے ہم معنی ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے بنی آدم کے نسل۔ رزق۔ عمر۔ سعادت اور شقاوت آدمؑ کی پیدائش کے بعد فرما دی ہے۔ اور ان کی صورتیں۔ تعلیم اور خلیہ آدمؑ کو دکھلا دی ہے لیکن ان کو آیت و آذ اکھذ ذلک من بنی آدمؑ کی تفسیر قرار دینا نیک کلام ہے اور حضرت عمرؓ کی حدیث اگر بالفرض صحیح ہو تو وہ حدیث بھی اس آیت کی تفسیر نہیں ہو سکتی اور نہ اُس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیت کا یہی مطلب ہے۔ بلکہ آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنی آدم کو آدمؑ کی پشت سے نہیں بلکہ نسل بعد نسل کے بعد دیگرے بن کو خوار انہی کی پشت سے نسل بعد نسل کے بعد دیگرے ظاہر کیا۔ اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار اس سے کر لیا کہ قیامت کو کافر یہ نہ کہنے کہ میں اس سے غافل تھا۔ بھریٹا یہ عزیزش نہ کوئے کہ دہلے

میرے باپ نے شرک کیا۔ میں تو اس کا بچہ تھا۔ سوائے اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت و خالقیت کا اقرار
جب انکی فطرت و سرشت میں رکھ دیا۔ تو ان پر بلاشبہ یہ حجت قائم ہو گئی۔ حضرت عمرؓ و غیرہ کی حجت
سے تقدیر سبق اور ميثاق اول ثابت ہوتے ہیں۔ سوائے اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کو الزام نہیں دیا۔ بلکہ
وہ اس سے بچ کر لگاؤ اس نے رسول بھیجے اور ان کی سرشت اس کی ربوبیت و خالقیت کے اقرار پر
ہونے جیسے آیت۔ سے یہ ثابت ہوتا ہے +

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت اہم و یسٹ اور آثار سے تقدیر۔ انعام حجت اور ایمان بالقدر ثبات
ہوتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ جیسا کہ پیشہ کو سمجھنا اور ماننا چاہیے پوری پوری طرہ جی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا
دیئے +

تیسرا باب

تقدیر کے بارے میں حضرت آدمؑ و حضرت موسیٰؑ کے باہم مناظرہ کرنے اور پھر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں فیصلہ دینے کے

بیان میں

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اہل کمال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ و حضرت
موسیٰؑ نے باہم مناظرہ کیا یونے کہنے لگے۔ دے آدمؑ آپ ہمارے باپ ہیں۔ اور آپ نے ہم کو پھر
نقصان پہنچایا۔ کہ میں جنت سے باہر نکلا۔ اس پر آدمؑ بڑھے آپ وہی سوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ
نے اپنے کلام سے سزا فرما دیا۔ اور اپنے ہاتھ سے توبیت لکھ کر عنایت فرمائی تو پھر اس بات پر جو اللہ
نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے مقرر فرمادی تھی۔ آپ مجھے کیسے ممانعت کرتے ہیں پس آدمؑ
موسیٰؑ پر غالب آئے (یہ جگہ حضرت نے تین بار فرمایا یعنی آدمؑ کا جواب ہشیک تھا جس کے سننے سے
موسیٰؑ خاموش ہوئے) ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ آدمؑ و موسیٰؑ نے باہم مناظرہ کیا
جس میں آدمؑ موسیٰؑ پر غالب ہوئے موسیٰؑ علیہ السلام نے کہا۔ آپ وہ آدمؑ ہیں جنہوں نے لوگوں کی اد
داری اور انہیں جنت سے نکالا۔ آدمؑ نے فرمایا کیا آپ وہی موسیٰؑ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا

شرائع مطاکیر اور اپنی رسالت سے لوگوں میں مستان فرمایا۔ موسیٰ نے کہا میں وہی ہوں۔ آدمؑ بولے تو پھر اس بات پر جو میرے خلق ہو نیسے پہلے تقدیر ہو چکی تھی، آپ مجھے کیسے ملامت کرتے ہیں ؟

ایک روز ۱۰۰ بہتیر میں اس طرح ہے کہ آدمؑ موسیٰ نے اپنے رب کے پاس باہم مناظرہ کیا جس میں آدمؑ موسیٰ پر غالب آئے۔ موسیٰ نے کہا آپ وہ آدمؑ ہیں جن کا پتلا اللہ تعالیٰ نے اپنے دست تقدیر میں سے بنایا۔ اس میں اپنی (پہیلی ہوئی) روح ڈالی۔ ملائکہ سے سجدہ کرایا اور جنت میں بسایا پھر آپ نے اپنے گناہ کے سبب آدمیوں کو زمین پر اتارا۔ آدمؑ نے کہا آپ بھی موسیٰ ہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت و کلام سے سرفرازی بخشی۔ اور وہ انوار و ستارے جن میں ہر ایک چیز کا بیان تھا۔ اور اپنی ہم کلامی کا خاص قرینیت کیا۔ سو یہ بناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے توریت کو مہربانی پیدائش سے کتنا پہلے لکھا ہے موسیٰ نے کہا چالیس سال۔ آدمؑ نے کہا۔ کیا اس میں یہ نہیں لکھا کہ موسیٰ نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور (راہ صواب سے) بھٹک گئے۔ موسیٰ نے کہا بیشک یہ اس میں موجود ہے۔ تب آدمؑ نے کہا۔ تو آپ مجھے اس کام کرنے پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے چالیس سال پیش لکھا تھا کہ وہ مجھ سے ظہور میں آئیگا۔ نہیں آدمؑ موسیٰ پر غالب آئے ؟

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آدمؑ موسیٰ نے باہم مناظرہ کیا۔ موسیٰ نے کہا آپ وہ ہیں جن کے گناہ کی وجہ ہم جنت سے نکالے گئے۔ آخر حدیث تک ؟ اس حدیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ اور اس سے جو تقدیر ثابت ہوتی ہے یہ اس تقدیر کے بعد ہوئی ہے۔ جو آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پیش ہو چکی ہے ؟

ابوعلیٰ جبانی سمعزی اور اس کے ہم خیال لوگوں نے اس حدیث کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کی تردید میں یوں کہا ہے اگر یہ حدیث صحیح ہو تو انبیاء کی نبوت کا سلسلہ بیکار ہو جائیگا۔ کیونکہ جب ہر ایک عاصی اور گناہگار کو تقدیر کا بہانہ مل گیا۔ تو امر اور نہی فضول ہونے لگے اس لئے کہ ترک اوامر و ازکار منہیات میں جو حرکت اس سے ہوگی وہ تقدیر کے سرخواب دیگا۔ اور کسی صورت میں وہ ملامت کا مستحق نہ ہوگا۔

ابوعلیٰ وغیرہ نے جو کچھ کہا ہے یہ مذہب لعنزال اور خدا اور رسول کے شان اور اس کی سنت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ یہ حدیث بلاشبہ صحیح اور اس کی صحت پر اتفاق ہے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے نیکو تقریباً دو قرن امت محمدیہ نے اسے قبول تسلیم اور تصدیق کیا ہے۔ اور محدثین نے کہا ہے

نے اپنی کتابوں میں اسے روایت کیا اور تصریح کی ہے کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح قول ہے پس وہ لوگ جو حدیث رسول سے بخیر اور محدثین کی عداوت اور ان پر طعن کرنے میں مشغول رہیں۔ کہ محدثین تجسمہ مشابہ و تشویہ ہیں۔ وہ حدیث کی صحت و عدم صحت کو کیا جانیں۔ ان کا ہمیشہ سے یہ بیہودہ ہے۔ کہ جو حدیثیں ان کے قواعد باطلہ اور عقائد فاسدہ کے خلاف ہوں ان کی تردید کیا کرتے ہیں جیسے ان احادیث کا کہ رو کیا ہے۔ چنانچہ میں ابی ہریرہؓ کے ایدار۔ علو علی الخلق اور اس کے صفات قائمہ بالذات کا ذکر ہے اور نیز ان حدیثوں کو رو کیا ہے کہ در چن میں شفاعت ابدیہ۔ اور پہلے آسمان اور زمین کی طرف بندوں کے معاملات فیصلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے اور وحی کو ایسی کلام کے ساتھ ظاہر فرماتے کا ذکر ہے جسے ہر ایک وہ شخص جس کو باری تعالیٰ سنانا چاہے سن سکتا ہے اور جیسے کہ فرقہ خارجیہ اور معتزلہ نے ان حدیثوں کے منکر ہیں۔ جو دربارہ طاعت اہل کبار اور ان کے دوزخ سے باہر آنیکے باب میں آتی ہیں۔ اور فرقہ روافضیہ وہ حدیثیں نہیں مانتے۔ چنانچہ میں غلامی کے رشیدین و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل مذکور ہیں اور معطلہ نے ان حدیثوں کو ترک کیا جن میں باری تعالیٰ کے صفات اور افعال اختیاری کا بیان ہے اور قد یہ مجاہد نے قصداً و قدر کی احادیث کو نہیں مانا۔ بات یہ ہے کہ جو شخص ایسا اصول ٹھیرا کہ ہے جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ثابت نہ ہو تو وہ خواہ مخواہ سنت کی تردید اور اس کے معنی میں ٹیڑھی تاویل میں گھٹنے لگتا ہے اس لئے اللہ و رسول کی جماعت (محدثین اہلسنت) نے ہوائے قرآن و حدیث کے کسی چیز کو اصول نہیں ٹھیرایا۔ یہی دونوں چیزیں ان کا اصول ہیں ان کے تمام معاملات دین و دنیا کی ہمارا انہی پر ہے اور مخالفین کے شکوک و شبہات سے بچنے کے لئے وہ انہی کو اپنا سپرینا۔ تے ہیں ۴

دفع ہو کہ حدیث مذکور کے معنی اور معنی ۲ پر آدم کے طالب آنے کی وجہ میں اہل علم کا اہتمام ہے بعض نے غلبے کی وجہ سے بتلائی ہے۔ کہ چونکہ آدم باپ ہیں اس لئے موسیٰ پر غالب ہوئے جیسے باپ اپنے بیٹے پر غالب ہوتا ہے لیکن یہ وجہ بالکل غلط ہے۔ غلبے کا سبب وہ دلیل زنی علیہ جو کلام الہی کے مطابق ہو خواہ اسے باپ بیٹا۔ غلام یا اکا کوئی پیش کرے۔ اگر بیٹا حق بجانب ہو اور صحیح دلیل بیان کرے تو اس کو قبول کرنا ضروری ہے بعض نے کہا ہے آدم موسیٰ پر اس لئے غالب آئے کہ گناہ ایک شریعت میں ہوا تھا۔ اولامت دوسری میں۔ یہ وجہ بھی ہرگز صحیح نہیں اور نہ یہ غلبے کا سبب ہو سکتی ہے کیونکہ اسے محمد بیان گذشتہ تھیں کہ جنہوں نے اپنے انبیاء کے احکام کی خلاف ورزی کی حتیٰ ستم ملامت ٹھیرائی اللہ جل جلالہ شریعت ایک نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے میں اس امت کی شہادت قبول فرمایا۔ باوجودیکہ یہ

انکے دین پر نہیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے غالب نے کی یہ وجہ ہے کہ آدم گناہ سے ناثب ہو چکے تھے اور چونکہ وہ پہلے اس گناہ سے ناثب تھے اور وہ قابلِ ملامت سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو یہ بات بچائے خود اگر چہ صحیح ہو لیکن اسے غلبے کی نسبت میں جو کہ صحیح نہیں سمجھتا، یہ کہ خود آدم نے اس کا ذکر نہیں کیا اور دوسرے کے سوا کسی نے اسے بطور دلیل نہیں لیا، لہذا یہ نہیں کہا کہ اسے آپ بچاؤ گناہ پر ملا تھا کرتے ہیں جس سے میں تو بہ کر چکا ہوں (۲) یہ کہ موسیٰ جیسے عارف با خدا و دین و احکام ربانی کے واقف کے شان سے یہ نہایت بعید ہے کہ وہ ایسے گناہ پر ملامت کریں جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے انہیں بنا دیا ہو۔ کرائے کے فاعل کی تو بہ منظور اور وہ اس کے بڑبڑاہ بندوں میں سے ہے یہ بات تو کوئی ادنیٰ من بھی نہیں کر سکتا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کیسے کرتے (۳) یہ کہ اس سے عتاب کر کے سے لازم آتا ہے کہ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب غلبہ قرار دی ہے اس سے چھوڑ کر ایک دوسری چیز سبب غلبہ نہیں۔ لہذا یہ قابلِ التفات نہیں +

ایک جماعت نے کہا: یہ کہ کثیف کا سبب یہ ہے کہ موسیٰ کا ملامت کرنا داد تکلیف میں نہ تھا۔ اگر داد تکلیف میں ہوتا نہ ضرور وہی غالب اور حق بجانب ہوتے۔ مگر یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اول اس کے نہ صحیح ہونے کی وجہ یہی (۱) یہ کہ خود آدم نے یہ نہیں کہا۔ اسے موسیٰ آپ مجھے ایسے مقام میں ملامت کرتے ہیں جو محل تکلیف نہیں۔ انہوں نے تو صرف یہی کہا کہ آپ مجھے اس کام پر ملامت کرتے ہیں جو میرے پیدا ہونے سے پیشتر مجھ پر قدر ہو چکا۔ آدم علیہ السلام نے اپنے ہست نال میں صرف تقدیر سابق کو پسین کیا ہے۔ داد تکلیف وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ (۲) یہ کہ اللہ سبحانہ اُن بندوں کو جو قابلِ ملامت ہو گئے موت کے بعد اور قیامت میں ملامت فرمائے گا۔ ملامت کے لئے داد تکلیف ہونا ضروری نہیں +

ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ آدم اس وجہ سے غالب آئے۔ انہوں نے حکم الہی اور خلقت میں اُس کے جاری ہونے۔ اللہ سبحانہ کے ربوبیت میں مغرور ہونے۔ اس کی مشیت علم کے سوا ایک ذرہ نہ ملنے۔ اللہ کی قضاء و قدر کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ اللہ جو چاہے دم ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا ان سب کو شاہدہ کے طور پر دیکھ لیا۔ اور انہیں عین الیقین حاصل ہو گیا تھا اور جب بندہ حکم الہی کو جس طرح مشاہدہ کرے۔ تو اسے کوئی چیز قبیح نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ وہ اس مرتبہ میں اپنے آپ کو معدوم محض سمجھتا۔ اور یہ جانتا ہے کہ احکام تقدیر ضرور اس پر جاری ہونگے: انکے سامنے بے بس اور مجبور ہے اُن سے بچنے کے لئے کسی قسم کا کوئی رکھتا اور بچاؤ نہ تھیں ہو وہ (خود کو کچھ کہے) قابلِ ملامت نہیں +

واضح ہو گا اس حدیث کے متعلق بابت: کہو کہ اس کے سب سے زیادہ خوب ہے فرق قدیم جو اس حدیث کی تردید کرتے ہیں۔ انہیں مذہب سے بھی زیادہ برابر ہے۔ فرق قدیم یہ کہ مذہب کی تردید یہ الباطل ہے کہ لئے سب سے حدیث کے منکر ہیں۔ اس مذہب کی تردید کہ نانوہ مذہب سے اور اچھا مذہب ہے تردید کی غلطی ہے کہ انکار مذہب پر اس کی بنا کو قائم کیا۔ اگر یہ مذہب صحیح ہو تو وہ اس سماوی اور سرحدت کا سلسلہ ہی سرے سے اٹھ سکتا۔ اور ہر شرک۔ کافر و ظالم کو تقدیر کا بہانہ ہاتھ آجاسے۔ حدود و قسریٰ اندو اور بیکار ہوں۔ کوئی مجرم کسی جرم پر اور کوئی ظالم خود کیسا ہی ظلم کرے قابلِ طاقت نہ ہوتے کہ اور کسی کسی بُرائی کا انکار ہی متصور نہ ہو۔

نیس المحدثین بن سینا نے اسی بنا پر اپنی کتاب اثنائت میں لکھا ہے کہ عارف کبھی کسی بُرائی کا انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تقدیر کے باب میں وہ اسرار الہی سے واقف ہوتا ہے۔ ابن سینا کا یہ قول اویان سماوی اور اتبع انبیاء کے بالکل خلاف ہے بنیاداً مذہب کو ہرگز مٹا لے تو کون واقف ہو سکتا ہے اور ان حضرات سب لوگوں سے زیادہ بُرائی کی تردید و انکار پر کمر بستہ ہوتے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ صرف اسی کام کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عارف بہ نسبت اور لوگوں کے بُرائی کو زیادہ بُرا جانے لگا۔ کیونکہ وہ حکم یزدی اور تقدیر سے واقف ہے۔ حکم الہی سے آگاہ ہونا بُرائی کی تردید کا موجب اور علم تقدیر اس کا معین و مددگار ہے۔ اسی لئے عارف کو اِيَّاكَ تَعْبُدُ وَيَا اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کا مرتبہ اور فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ رِقْوَانِی کی عبادت کرنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہم بھی اللہ کے امر و تقدیر سے اس کی عبادت کرتے اور اس کے حکم کے اجرا میں اس پر بھروسہ کرتے ہیں بغیر اسی کا نام ہے اور عارف وہی ہے جسے یہ مرتبہ حاصل ہو۔ حضرت آدم سے لیکر عاتق البینین المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء کی یہ تعلیم ہے۔ اس کے برخلاف جو یہ گیت گاتا ہے

مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيُخْرِجْهُ مِنْهُ مَخْرَجًا مَّا يَخْتَارُ ۝

نہ سے وہی کام ہو تم میں جن کو وہ پسند کرتا ہے اس لئے میرے تمام کام اس کی اطاعت ہیں۔ کہتا ہے کہ میں نے اگرچہ اللہ کے حکم کا خلاف کیا۔ لیکن اس کی مشیت و ارادہ سے باہر نہیں ہوا۔ اسراف و اسراف سے واقف ہونے کی وجہ سے کسی بُرائی کو برا نہیں جانتا۔ تو اس شخص نے اپنے تابعداروں کے زمرہ سے خارج ہے بُرائی کرنے میں تقدیر کا بہانہ پیش کرنا

مخالفین انبیاء یعنی مشرکین و کفار کا شیوہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْلَا
 اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاءُ وَلَا أَوْلَادُكَ لَا تَعْلَمُونَ كَذِبًا كَذَبَ الَّذِينَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ لَكِنَّا نَمُوتُ
 هَلْ عِنْدَكَ كِتَابٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ فَتَنطِقُ بِهِ لَنَا إِنَّ شَبَابَكُمْ لَا تَعْلَمُونَ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كَفَّةٌ مَحْزُونَةٌ قُلْ فَلِلَّهِ الْخَلْقُ
 الْأَوَّلُ فَلَوْلَا نِعْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ لَخَوَّفُوا لَأَكْفُكَةً أَجْمَعِينَ ۝ (مشرکین سے کچھ کہیں کہ یہ جنت پیش کریں کہ اگر خدا چاہتا تو
 ہم مشرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ (دادا) ایسا کرتے اور نہ ہم کسی (جہاں) چیز کو (از خود) اپنے اوپر حرام کرتے
 اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں پیغمبروں کو جھٹلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخر کار ہمارے خدا
 کا نہ ہو چکا اور پکچھاسے پیغمبران لوگوں سے) پوچھو کہ آیا تمہارے پاس کوئی (کتاب) (سنی) ہے۔ کہ اس کو
 ہمارے (دیکھانے کے لئے) نکالو (اور پیش کرو) نہ تو ہمارے پاس کچھ ہے نہیں نہ سے وہیوں پر چلتے
 اور نہ ہی انکلیں ہی دوڑتے ہو (اے پیغمبران سے) کہو کہ (تم ہمارے) اور اللہ کی جنت (تم پر) تمام ہوتی
 پھر اگر وہی چاہتا تو تم سب کو (دین حق کا) رستہ دکھا دیتا، دوسری جگہ میں فرمایا ہے وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا
 لَوْلَا نِعْمَةُ اللَّهِ عَلَيْنَا لَكُنَّا مِنَ الْخاسِرِينَ وَلَا يَأْتِيهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُمْ لَا يَخْتَرِعُونَ كَذِبًا كَذَبَ الَّذِينَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
 لَكِنَّا نَمُوتُ هَلْ عِنْدَكَ كِتَابٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ فَتَنطِقُ بِهِ لَنَا إِنَّ شَبَابَكُمْ لَا تَعْلَمُونَ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كَفَّةٌ مَحْزُونَةٌ قُلْ فَلِلَّهِ الْخَلْقُ
 الْأَوَّلُ فَلَوْلَا نِعْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ لَخَوَّفُوا لَأَكْفُكَةً أَجْمَعِينَ ۝ (مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو نہ تو
 ہم ہی اس کے سوا کسی کی پرستش کرتے اور نہ ہماری بڑے (ہی) کرتے) اور نہ اس کے (حکم کے) ابدوں (اپنی
 طرف سے) کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی دلیل
 (والہ) کیا تو پیغمبروں پر سو اس کے کہ (احکام خدا کو) صاف طور پر پہنچا دیں اور کچھ ذمہ داری نہیں۔
 ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَإِنْ أَقْبَلْتُمْ لَهَذَا الْفَقْهُوَ إِمَّا تَرَوْكُمْ كَذِبًا كَذَبَ الَّذِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْطَعُهُمْ مِنْ كَوْنِ شَيْءٍ اللَّهُ أَطْعَمَهُ ۝ (اوجہ ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے جو تم کو رزق
 سے رکھا ہے اس میں سے (کچھ اس کے رستے میں غریا پر بھی خرچ کرتے رہا کرو۔ تو کافر مسلمانوں
 سے کہتے ہیں۔ کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھلا میں جن کو خدا چاہے تو تم مسلمانوں کے عقیدے کے موافق
 آپ (بہتر کچھ) کھلا سکتا ہے) ۝

ایک اور جگہ فرمایا ہے وَقَالُوا الْوَسْطَاءُ الرَّحْمَنُ مَا عِبَدْنَا هُمْ مَا قَالَهُمْ بَدَأَ الْإِلَٰهَ مِنْ عِلْمِهِ
 إِنَّ هَذَا إِلَّا خَيْرٌ مَقْصُودٌ (اور کہتے ہیں کہ (خدا نے) حزن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے تھے کو سائل
 تقدیر کی کچھ خبر تو ہے نہیں نرمی انکلیں (دور لاتے ہیں) ۝

یہ چار مواقع ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مخالفین انبیاء یعنی کفار و مشرکین کی تقدیر کے
 بارے میں حجت بازی اور بہانہ جوئی بیان فرمائی ہے اور اس چالبازی میں ان کا راہ نما و پیشوا اور اللہ

ابلیس ملعون ہے چنانچہ سب سے پہلے اُس نے تقدیر کے ساتھ جنت جوئی کرتے ہوئے یہ کہا سَتَیَمَنَّا
 اَنۡشَوٰیۡنِیۡ لَا زَیۡنَۃً لَّہُمۡ فِی الۡاٰرَۡضِ وَلَا شَیۡءٌ بَلَّغۡنَاہُمۡ لَبۡثَہُمۡ جَنۡنَ (اے پروردگار جیسی تو نے (نبی آدم
 کی خاطر) میری راہ باری میں بھی بنیائیں (سانو سانان زندگی کو انہیں عمدہ کر دکھاؤں اور ان سب کے ہنگاموں
 تو سہی) یہاں پیشہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ نقلی اور عقلی دلیلوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مشرکین و کفار کا
 یہ قول اَوْشَاءَ اللّٰہُ مَا اَنۡشَرۡ لَکُمَاۤ اَبَاۡؤُکُمَا (اگر خدا چاہتا تو ہر شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ (دادا
 ایسا کرتے) اور نیز یہ قول لَوْ شَاءَ اللّٰہُ تَمَلَّکُمَا تَاۡمِیۡنٌ دَۡۤیۡنَہُمۡنِ (اگر خدا چاہتا تو نہ تو ہم ہی
 اُس کے سوا کسی کی پرستش کرتے اور نہ ہمارے بڑے (ہی کرتے) اور نیز یہ قول لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا
 خَبَلَنَا تَاۡہُتَہُ (خدا اے) رحمن چاہتا تو ہم اُن کی پرستش نہ کرتے) صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے
 وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے وَ لَوْ شَاءَ رَبُّکَ مَا
 فَعَلُوۡا (اے پیغمبر! اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرتے) اور یہ بھی ارشاد کیا ہے وَ لَوْ
 شِئْنَا لَا یَتَّبِعُنَا عٰقِلٌۭ اَفۡۡۤیۡۤہُمۡ یٰۤہٰۤیۡۤہُمۡ یٰۤہٰۤیۡۤہُمۡ یٰۤہٰۤیۡۤہُمۡ تَوۡہِمُۡہُمۡ شَیۡءٌۭ کُوۡفِرُوۡۤہُمۡ عَنَّا یَتَّوۡۤہِمُۡہُمۡ
 رَسُوۡلُہُمۡ (تو پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو کاذب اور بے علم کیسے قرار دیا اور جس بات میں وہ سچے ہیں
 اُس میں اُن کو یادہ گوئیوں ٹھہرایا ہے۔ تمام اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا۔ تو
 کوئی مشرک شرک۔ کوئی کافر کفر اور کوئی نافرمان اُس کی نافرمانی نہ کرتا۔

اس شیخ کا جواب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے اُن کو اس لئے کاذب ٹھہرایا ہے۔ کہ انہوں نے
 یہ بات اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر جو بیت۔ و عدانیت کے تسلیم کرنے اور اللہ سبحانہ کی طرف محتاج ہونے
 اور اُس پر توکل کرنے اور اس سے مدد چاہنے کے طور پر نہ کہی تھی۔ اگر اسی طور پر کہتے تو بیشک اُن
 کا یہ کہنا صحیح اور سچا تھا۔ بلکہ انہوں نے یہ کلام شریعت سے معارضہ اور حکم الہی دفع کرنے کے لئے
 کہی تھی بشریعت اور حکم الہی کو قضا و قدر کے حیلہ سے دفع کرنا اور مٹانا چاہنا تھا جو لوگ احکام الہی کا
 تقدیر سے معارضہ کرتے ہیں۔ اُن سب کا یہی دستور ہے۔ اس کے علاوہ ان کی غلطی ہے۔ کہ انہوں
 نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے کہ کوئی چیز اُس کی قدرت و مشیت و ارادہ سے باہر نہیں۔ یہ سمجھ
 لیا کہ جن چیزوں سے انکی مشیت و ارادہ متعلق ہیں وہ سب کی سب اس کی محبوب و پسندیدہ ہیں اور
 انکے استعمال کی اُس کی طرف سے اجازت ہے۔ انہوں نے کسی طرح سے غلطی اور دھوکا
 کھایا۔ ایک تو تقدیر سے احکام الہی کا معارضہ کیا اور اس بہانہ سے انکو مٹانا چاہا۔ دوسرے یہ کہ
 انکی اس حرکت فعل شیعہ کو اللہ تعالیٰ نے محبوب و پسند رکھتا ہے کیونکہ یہ بھی انکی مشیت و ارادہ سے ہے

تیسرے پر نضاً: قدر خیلے سے بنیاد کرام کی تبلیغ کو بیکار ٹھہرایا۔ بعد کے زمانے میں بھی بہت سے ایسے لوگوں نے اسی غلط خیال اور سنگین منہ زل کو اختیار کیا ہے۔ جو حقیق اور عمدہ دانی کا دم لیتے یا خود نہیں تو رنگ نہیں محققین کے خطاب دیتے ہیں۔ انہیں کا یہ مقولہ ہے کہ عارف باللہ کب جب حکم الہی کا مشاہدہ حاصل ہو جائے تو درجہ وہ بظاہر کبھی ہی براہِ اطوار ہی کرے اور قابلِ ملامت نہیں۔ شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد انصاری کے بعض کلمات پر غور کرتے سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی مسلک کا آدمی ہے مگر اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اسے اس بلا سے بچالیا۔ وہ اپنی کتاب میں منازل السائرین میں اب التوبہ میں لکھتا ہے کہ توبہ کے تین بیٹے ہیں پہلا اطمینان انسان پہلے معاملہ میں جو حکم پر دلی کے خلاف ہو نہایت قریب نظر سے دیکھے اور جب اس کے سرزد ہونے کے اسباب موجود ہو جائیں تو ضائع الہی کو مقدم رکھے۔ اور اس سے باز آئے۔ انسان کو اب سے موقع پیش آنے میں اللہ تعالیٰ کی دیکھتیں ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ دعویٰ کرنا چاہتا ہے کہ اس کا بندہ تقدیر کی نسبت کیا کرتا اور اپنی چال میں کسی پہلو کو دیتا ہے اور نیز اللہ تعالیٰ گناہگار کے حملت لینے میں اپنے صلہ اور اس کا عند قبول کرنے میں اپنے کرم اور اس کے بخشے میں اپنے فضل کو دیکھتا ہے۔ دوسری نکتہ یہ ہے کہ بننے پر اس کے عدل کی نسبت حجت قائم ہوتا کہ گناہ کرنے پر موردِ عذاب ہو سکے۔

دوسرا اطمینان۔ انسان اس بات کا یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ جو سمیع و بصیر ہے اس کی بُرائی پر باخبر ہے پس فرمایا کہ تو پھر اس کی کوئی نیکی شکاریں نہ رہی کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ کے احسان کو دیکھ رہا ہے اور پھر نفس کے حقے ارادوں پر چلتا ہے۔

تیسرا اطمینان۔ جب انسان حکم الہی کا مشاہدہ کرتا ہے کو نیکیوں کی خوبی اور بُرائیوں کی بُرائی اس کی نظر سے اٹھ جاتی ہے کیونکہ تمام چیزوں کو چھوڑ کر راضی و مطمئن ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ عارف کی نظر میں کوئی نیکی اچھی یا کوئی بدی بُری نہیں معلوم ہوتی۔ حالانکہ تمام آسمانی و مینوں اور زمینوں کا دارا سی پر ہے کہ نیک کاموں کو اچھا اور بُروں کو بُرا سمجھا جائے بلکہ عارف کو مشاہدہ حکم سے نیکوئی کو اچھا جاننے اور بُرائی کو بُرا سمجھنے میں اور زیادہ بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور جس قدر اللہ سبحانہ اس کے اسما و صفات اور اس کے احکام کی معرفت زیادہ ہوتی۔ اسی قدر وہ نیکی کے اچھا سمجھنے اور بُرائی کو بُرا جاننے میں ترقی کر گیا۔ اور اس صفت میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام سے مشابہت و موافق ہو گا۔ اور اسامی و صفات بھی اسی کو چاہتے ہیں۔ شیخ الاسلام اس بات میں بالکل حکم الہی کے موافق چلتا تھا حیثیت دین اور حفاظت حدود شرعی کے لئے اور نیز خلاف شرع باتوں کے ظہور پر اس کا غضب اور جوش میں

آنا اور بیکری ایسی کئی ایک خدمات دینی بس کی خاندان نام لوگوں میں مشہور ہیں۔ اور شیخ الاسلام کی پہلی کلام سے یہ مصافحہ خاہر ہوتا ہے کہ دونوں کی کچھ جھگڑا اور ترقی کے برابر جاننے میں نہایت راسخ قسم تھا۔ کلام سابق اس سنگم میں صریح اور بکلم ہے اس کا کوئی دوسرا مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اس اخیر کلام کے روضہ جی جیسے ہیں۔ اس لئے اس کا وہی معنی لینا چاہیے پہلے کلام کے موافق ہے۔

شیخ ابوالباس محمد بن ابراہیم طوسی نے بکلم اس کی تشریح میں لکھا ہے۔ دو نامست جی اور اس سے چار ہنہ۔ اس نے شہداء اور مذہب فطری میں ایک قاعدہ ذکر کیا ہے کہ شہداء اس کو کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کی ہستی جیسے پرانی غالب ہو کہ وہ اس ہستی کے سامنے بالکل نیست و نابود اور اپنی ہستی سے بے خبر ہو۔ اور اللہ کی ہستی کا اسے کامل و مضبوط یقین حاصل ہو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسے اللہ سبحانہ کی ذات و صفات کی نسبت ایسا کامل جیسے کائناتین پیدا ہو جائے کہ جس کے سبب وہ تمام اسوی اللہ سے ایسا بے خبر اور غافل ہو جاتا ہے۔ جیسے بعض آدمی سخت بھیت اور کڑے حادثے کے پیش آئیے وقت سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شان دنیا میں سے کسی بڑے اور باسلطرت بادشاہ کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس کی بھیت اور بے ہوشی کے مارے بہت ہی زہ باتیں بولے اسے معلوم نہیں بھول جاتا ہے۔ یہ مثال محض سمجھانے کے واسطے بیان کی گئی ہے۔ ورنہ شان دنیا کے سامنے سلطوت و جلال کی برائی سے کیا نسبت ہے۔

چند نسبت خاک۔ یا عالم پاک

جو شخص خدا کی وحدانیت کو پاتا اور سمجھتا ہے کہ وہ ایک کیا تھا اس کے ساتھ کوئی چیز نہ رہتی اس کی عجیب کیفیت ہے وہ تمام چیزوں کو ذات باری کی ہستی کے سامنے معدوم اور خیالی سمجھتا اور جانتا ہے صرف اس کی قدرت سے قائم ہیں اور زمان کی کوئی تہی نہیں۔ کیونکہ یہ تعصبیہ باطن اس کا شرعی کی پوری پابندی اور اتقان حس میں کمال ہے نہ کہ مکرر پیدا کرنے کے بعد شرف صبح کے ذریعہ قلوب میں پیدا ہوتی ہے اور یہ کچھ بصیرت نہیں اللہ تعالیٰ اپنے بند سے کہ نقصانی خواہشوں کی ایک کھیل سے پاک نہایت فراموشی کے دل کے پردے مٹول دیتا ہے جس سے وہ تمام چیزوں کی اصل حقیقت سمجھ دیتا ہے۔ یعنی جب بے پر شاہ و چھٹی اور روحانی کے وہ انداز ظاہر ہوں۔ جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے جلال لطیف و نہ غالی کریں۔ تو اس وقت بے نیکی کی اپنی ہی اسطرح نیست و نابود پاتی ہے جیسے شہر تہنہ سے رات چلی جاتی ہے اور آدمی غفلت اور نیند کے بجائے کھانے پینے وغیرہ کاموں میں مصروف ہوتا ہے اس حالت میں لطف اور سخاوت چیزوں کے خلاف بھی اسے کوئی چیز نہیں آئے تو اسکی ایانی تو نہ رہتی اور یقین ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ متفرق اور بیوشی کی حالت میں اس کا بیان اس کے دل سے تمام چیزوں کو محو کر دیتا ہے اور باد گاہ و کبریا کی میں اسے اپنی ہستی محض ایک

خواب و خیال نظر آتی ہے پھر جب ہوش میں آتا ہے تو تمام چیزوں کو ویسے ہی سمجھنے لگتا ہے جیسا پہلے ٹھیک ٹھیک سمجھتا تھا اور یہ بے خبری نہیں ہوتی اور اپنی حالت پر درست ہو کر کاروبار میں مصروف ہوتا ہے اس حالت کو حالت بقا کہتے ہیں۔ اس حالت میں دنیا کی چیزوں کو کام میں لاتا ہے اور وہ کچھیت ایمان و ایمان جو حالت نفا میں اسے حاجب ہوتی تھی وہ اس وقت اُن سے مانع نہیں ہوتی۔ بخیر کی پہلی عقل ایک نئے وجود کے لباس میں بھر لوٹ آتی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اُس کے سب کام اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور بندے کو بجائے طالب ہونے کے اب مطلوب ہونے کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آدمی کو ایسا درجہ حاصل ہوتا کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے کان سے سنتا اور اُس کی زبان سے بولتا ہے۔ شیخ الاسلام کی کلام کو یہ توجہ بھی ہوسکتی ہے کہ جسے سلوک مجتہد میں فنا کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے وہی اور تیر کا درجہ پانے سے پہلے اسی حالت میں اُس کے قلب سے زہد و سیرت و ورع کے مقامات پوشیدہ رکھے جاتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کو ان مقامات کی ضرورت نہیں رہتی اور بالکل اُس سے اٹھائے جاتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انوار الہی کے مشاہدہ نے اُس کے دل کو ایسا ڈھانپ لیا ہے کہ اُس میں ان کی جگہ نہیں رہی اور جیسے کہ اعلیٰ درجہ حاصل ہونے کے وقت اُس نے وجہ اُس کے ضمن میں آکر علیحدہ معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ بھی ہستی حقیقی کے مشاہدہ میں سدرج و شامل ہو کر اُس کے تابع ہو گئے۔ اور صاف کا دل اُسے حالت سے اعلیٰ حالت میں مشغول ہو گیا۔ اسکی کیفیت اس طور پر ہے کہ اگر یہ شخص کے دل کو چیر کر دیکھا جائے۔ تو اُس میں اعلیٰ درجہ کا زہد و ورع خوف و رہبانہ آئیں جو ہستی مطلق کے بشمار انوار میں ستوتے تھے اور قلب میں ان انوار کے ہوتے اُنکے سامنے کی گنجائش نہ تھی۔ اور بقا ہو سیداری اور تیر کی حالت میں پھر یہی مقامات عود کرتے ہیں یہ سب کچھ ائمہ کا فضل ہے کسی کی اپنی اختیار کی بات نہیں۔ خلاصہ کلام جب یہ باتیں محفوظ ہوں تو شیخ الاسلام کے اس کلام حکم الہی کے مشاہدہ سے نیکیوں کی خوبی اور برائیوں کی خرابی بخیر کی نظر سے اُٹھ جاتی ہے کیونکہ وہ حکم کے راہ کو پہنچ جاتا ہے اس کا مطلب حل ہو جائیگا۔ یہی کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی عظمت نے اُس کے دل کو بھر دیا ہے۔ پس وہ یہ جانتا ہے کہ تمام چیزوں میں اُسی کا تصرف اور حکم ہے اور سب کی سب اُسی کے حکم۔ تقدیر اور ارادے سے سدا رہتی ہیں وہ مرتبہ جمعیت کے مثال ہونے کی وجہ سے اشیاء میں تیز اور فرق کرنے کے درجہ سے باہر ہو گیا ہے اس مرتبہ کو مرتبہ جمعیت اس سے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں بخیر کی نظر ہر ایک حکم کے متعلق جو صفو ہستی میں واقع ہو تمام چیزوں سے اُٹھ کر صرف اپنے مولے کی طرف لگ جاتی ہے۔ اور اُس حکم کے ملاحظہ میں جس کے سبب سے تصرفات ظہور میں آتے ہیں۔ اُس کا دل مجتمع و مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور دل کی نصف و کمزوری کے باعث مرتبہ جمعیت

حال مونیفہ وقت اس میں گونا گوش نہیں رہتی کہ شرعی طور پر بھلے بڑے میں تمیز کر سکے۔ فی حقیقت میرا مقصد یہ ہے کہ اس علم میں سہم ہیں اس طرح شامل و مستخرج ہو گیا ہے کہ اس کے ہوتے اس کا تصور نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ بتائیں گے کہ اس کے دل سے بھلے بڑے میں تمیز کرنے کی کیفیت بالکل ناکل ہو گئی ہے۔ یہ برہنہ نہیں بلکہ دوسرے علم پر یہ ہونا اس سے فائز ہے اس طرح مستخرج و شامل ہو گئی ہے۔ کہ اگر اس کے دل کو خصل کر دیجیہ جیسے بوضوہ اس کی تیز میں بھی جوتی نظر آئے۔

[illegible]

نہ ہونکہ وثنائت خدا کا شرکین جو اس کے ارادہ و تقدیر باقی سے مروی ہے بطلان کرنے پر دلیل ملتا
 ہے وہ صحیح نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفان شریعت کفار اور ان کے تابعدار یہ ثابت ہو سکتے ہیں کہ
 ان کے نام افعال خالق کی عین اذاعت ہیں۔ کیونکہ اس کے ارادہ سابق کے مطابق ہیں لیکن اگر کوئی شخص
 دنیاوی معاملات میں ان کے حقوق کا پاس نہ رکھے اور ان کی بات ان کے خلاف نہ مرنے کی نسبت
 یہ نہیں کہتے کہ اس نے جو کچھ کیا ہے یہ عین اذاعت ہے کہ نسبت دارادہ خدا سے کہ ہر حق کیلئے وہ
 تقدیر باقی سے مروی ہے۔ بطلان کرنے پر دلیل ملتا ہے جو نہایت جاہل و ظالم
 اور خواہش افسر کا پیرو ہو۔ اسے جہان کے کلام میں غرور و زبردیا کے لئے کفار و شرکین کے تقدیر دار اور
 و سابق سے مروی ہے بطلان پسند لال لانے پر اُن کا یہ قول در اگر مایہ کام اللہ کو پسند و محبوب
 نہ ہوتے تو ان کا وہ ارادہ نہ مانتا، نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ
 لَهَبْنَا بکُمۡ اَجْمَعِیۡنَ (اے غیرین سے) کہ وہ تم ہمارے اور اللہ کی حجت تم پر اتار دیتی ہوگی پھر اگر وہی چاہتا
 تو تم سب کو دین حق کا راستہ دکھا دیتا۔ سو اللہ نے بتایا ہے کہ میں نے اُن پر اپنی حجت اس طرح
 تمام اور پوری کی ہے کہ ان کے پاس اپنے رسول اور کتابیں مجیدیں جنہوں نے اُن تمام چیزوں کو
 جو نہیں منو مانع تھیں بیان کر دیا۔ اور انہیں کان تک نہیں نقل سب کچھ عطا فرمایا۔ جس سے وہ اور
 دنیا ہی کو چھان اور اُن پر ایمان لا سکتے تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حجت بالذات اُن پر
 پوری ہوئی۔ اور اُن کا فضول پسند لال جو اس کے ارادہ سابق و تقدیر سے پیش کرتے تھے بطلان غیر
 اور حملہ قُلُوْا شَآءَ لَهٰذَا بکُمۡ اَجْمَعِیۡنَ پھر اگر وہی چاہتا تو سب کو دین حق کا راستہ دکھا دیتا اسے
 تمام حجت کی تاکید، تقدیر مقرر ہے۔ کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بیست۔ ملک اور تصرف
 فی الخلق میں وہ بیکتا ہے۔ اس کے سامنے تو کوئی رب اور نہ اس کے سوا کوئی دوسرا مجبور ہے حیرت کی
 بات ہے کہ پھر شرک اس کی بندگی میں جو ٹھہرے معبودوں کو ترکیب پھیراتے ہیں مغرور کہ تقدیر دار و ذاتی کے
 ثابت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی حجت بالذات اُن پر پوری ہوتی ہے۔ سب کچھ اسی کے ہاتھ و اختیار میں ہے
 اور اس کے سوا سب چیزیں باطل اور فانی ہیں۔ قضا و قدر اور ارادہ سابق توحید کے ثابت کرنے کے
 لئے بڑی زبردست دلیل ہے۔ یہی سنکرین نے اپنے زعم میں شرک کی دلیل سمجھ لیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ
 اللہ تعالیٰ کی حجت کافی روانی ہے اور اُن کی حجت فضول و بیکار +
 بھلے طلب کو بیان کرتے ہیں کہ وہ نے جیسے عارف با اللہ اور اس کے ہمارے حجت
 کی حقیقت سمجھنے والے کے شان سے یہ بات نہایت عجیب ہے کہ وہ اس گناہ پر ملامت کریں

بس سے گناہگار تو یہ کر چکا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت بخش کر اپنا برگزیدہ و پسندیدہ و مقبول فرما لیا ہو۔ اور نیز آدم جیسے عارف رب کے سال سے یا مہینے بعید ہے کہ وہ قضا و قدر سے گناہ و نافرمانی پر استدلال لائیں۔ بلکہ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ موسیٰ نے آدم کو اس مصیبت پر اطمینان دیا جو آدم کے خطا کی وجہ سے اُن کی اولاد کو بہشت سے نکلنے اور دنیا میں آنے سے بڑھتی ہے اور انکی فیوض کا گھر ہے پیش آئی۔ موسیٰ نے خطا کا ذکر اس سے کیا کہ وہ اس مصیبت کا سبب تھا۔ جو اُن کی اولاد کو پیش آئی۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ اے آدم آپ نے ہمیں اور خود اپنے آپ کو بہشت سے باہر کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہمیں نقصان پہنچایا۔ اور آدم نے تقدیر سے مصیبت پر استدلال پیش کیا۔ اور کہا کہ یہ مصیبت جو میرے خطا کی وجہ سے پیش آئی میرے مخلوق ہونے سے پہلے اللہ کی تقدیر میں لکھی گئی تھی۔ وقوع مصائب پر یہ عذر و استدلال صحیح ہے اور محاصی و جرائم میں درست نہیں۔ آدم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ آپ مجھے اُس مصیبت پر علامت کرتے ہیں۔ جو مجھ پر اور تم سب پر میری پیدائش سے اتنے سال پیشتر مقرر ہو چکی تھی۔ یہ جواب ہمارے ہمتاؤں کے دیا ہے۔ دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گناہ کے لئے تقدیر کو جتن بنا کر بعض موقع میں نافع اور درست ہے اور بعض موقع میں مضر اور ناجائز ہے۔ جب گناہ کے صدور کو توبہ کرنے اور اُس سے باز آنے کے بعد تقدیر کے حوالہ کرے۔ جیسا آدم نے کیا تو یہ عقیدہ اور درست ہے۔ کیونکہ اس میں تقدیر توحید اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی محذرت و ذکر پائے جاتے ہیں جو محذرت کرنے والے اور سامع دونوں کو نافع ہیں۔ اور اس سے کسی ابروئی کا شاننا اور شریعت کا باطل ٹھہرانا مقصود نہیں۔ بلکہ ظہار توحید اور اپنی طاقت و قوت سے براۃ ظاہر کرتے ہوئے حق بتلانا مطلوب ہے۔ اُس کی توضیح یہ ہے کہ آدم نے موسیٰ سے صرف یہی کہا کہ اے موسیٰ آپ مجھے اُس کام کے کرنے پر اطمینان دیتے ہیں جو میری پیدائش سے پہلے تجھ پر مقرر ہو چکا تھا۔ سو جب کسی آدمی سے کوئی گناہ نہ ہو۔ اور وہ اُس سے توبہ کرے اور اُسے بالکل چھوڑ دے پھر اگر کوئی اُسے طاعت کرے تو اُس وقت یہی مناسب ہے کہ تقدیر کے حوالہ کرے اور کہے کہ یہ کام میری پیدائش سے پہلے تجھ پر مقرر ہو چکا تھا۔ اس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ اس سے ابطال حق و اثبات باطل مقصود نہیں۔ مگر جو عدل ماننے یا آئندہ میں جو گناہ ہوں۔ انکو تقدیر کے حوالے کرنا درست نہیں۔ مثلاً یہ جائز نہیں کہ کسی ظالم کا مرتکب یا کسی فرض کا ناکہ ہے اور جب اُسے کوئی طاعت کرے تو تقدیر کو بہانہ ٹھہرائے۔ اور اس سے ناجائز کو جائز اور حق کو باطل قرار دے۔

چنانچہ وہ لوگ جو شرک اور عبادت غیر اللہ پر مبنی تھے انہوں نے یہی شیئہ اختیار کیا اور کہا کہ اَللّٰهُ شَيْءٌ
 شَيْءٌ کُنَّا وَکُنَّا اَبَا وَکُنَّا دَاغِضًا پتا ہوتا ہے کہ شرک نہ کرتے اور نہ سہا سہا پاپ ادا ایسا کرتے) اور
 اَللّٰهُ شَيْءٌ اَللّٰهُ شَيْءٌ کُنَّا کُنَّا کُنَّا (خدا ہے) حزن چاہتا تھا کہ ان کی پرستش نہ کرتے ہو انہوں
 نے اپنے کام کو دیکھ کر افسوس کیا کہ ہم نے کیا کیا۔ اپنے نہ کرتے نہ پناہ دہاں ان کے چھوڑنے کا خیال بھی بدل
 میں لائے اور ان کی زانیہ کا استراٹ کیا۔ ان کی ہمارے جوئی چیز نہ بازی اور اس شخص کی عزت
 میں جو اپنے گناہ پر واقف اور نادم ہو اور آئندہ اس کے نہ کرنے کو اس نے نصیحت ارادہ کر لیا زمین آسمان
 کا فرق یہ ہے ایسے شخص کو جب کوئی علامت کرے تو اسے ہی کہنا چاہئے جو کچھ ہو چکا تقدیر میں مقدر ہو
 غلامہ سکر ہے کہ جب علامت کا موقع نہ رہے اور اس سے کچھ فائدہ نہ ہو تو تقدیر سے احتجاج کرنا
 درست ہے۔ اور جب علامت کرنے سے کچھ نفع ہو کہ جیسے علامت کرنا ہے وہی یا بدی ترک کر دے تو
 اس صورت میں تقدیر سے ہمارے جوئی کرنا درست نہیں ہے

شبہ۔ حضرت علیؑ نے قیام اپنا کرنے پر تقدیر سے احتجاج کیا۔ اور آنحضرتؐ نے اسے جائز رکھا
 جبکہ آنحضرتؐ علیؑ سے روایت صحیح منقول ہے۔ کہ ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ رضی اللہ
 عنہ نے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم رات نماز تمہیں چھوڑنے سے حضرت علیؑ نے کہتے ہیں میں نے کہا۔ یا
 رسول اللہ ہماری جانیں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ جو جب وہ نماز کے لئے اٹھنا چاہیگا۔ تو نماز کے لئے
 اٹھا۔ دیکھا۔ جب میں نے یہ کہا۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور مجھے کچھ نہ کہا جب
 آپ واپس جا رہے تھے۔ تو اپنی جان پر ہاتھ مارتے اور میں نے سنا کہ یہ کہتے باتے تھے وَکُنَّا کَانَ اَللّٰهُ
 اَللّٰهُ شَيْءٌ جَدَّ کَانَ (انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑا لو ہے)

جواب۔ حضرت علیؑ نے تقدیر سے کسی فرض کے ترک یا حرام کے استحباب پر احتجاج نہیں کیا۔ بلکہ
 مطلب یہ تھا۔ کہ ہر اور غلطی جہاں اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ سو یہ وہ چیز ہے کہ اپنا ہی گناہ اٹھا دیکھا
 رادر ہم نماز پڑھ لیکن حضرت علیؑ نے یہ کہنا مقصود نہیں تھا کہ اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے موافق جو آپؐ نے
 اس وقت فرمایا تھا۔ بسبب مشکل میں۔ وگئے سادہ صبح کی نماز نقص ہو گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جفا کرنا ہماری
 جانوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا میں کہتا اور جب چاہا انہیں واپس کر دیا یہاں کہ یہ تقدیر سے ہر طرح احتجاج
 کرنا صحیح اور ایسا کہ نبی الامجدؐ ہے۔ جو شخص عین میں ہو اور اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو یہ غلطی اللہ و اللہ
 تصور نہیں۔ اور جو یہ وہ وقت تصور نہ کرے تقدیر سے اس کا احتجاج کرنا صحیح ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ایسے موقع میں جہاں تقدیر سے احتجاج کرنا مفید ہو احتجاج بالقدیر کی تعلیم فرمائی ہے +

اہم علم اپنی صحیح روایت میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ سب ایمان لائے اچھے ہیں لیکن ایمان والا قوی آدمی اللہ کے یہاں گزروں میں سے بہتر اور زیادہ پسندیدہ و محبوب ہے۔ جو چیز نہیں نافع ہو اس کی حرص کرنا اور ہر کام میں خدا تعالیٰ سے مدد نہ لگنا اور عاجز نہ ہونا اور اگر کوئی تکلیف پیش آئے تو یہ مت گھبراؤ اگر میں ایسا دیکھتا تو یہ بات پیش نہ آتی۔ بلکہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر سے کوئی نفع جو چاہتا ہے نہ دے گا۔ اگر کوئی نفع نہیں ملتا تو اس نفع کو ہرگز نہ دے گا۔

یہ حدیث ایمان کے بہت سے ضروری اہل پر شامل ہے (۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ صفت و محبت سے موصوف ہے اور وہ حقیقتہً محبت فرماتا ہے۔ (۲) یہ کہ وہ ان چیزوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کے اسماء پاک و صفات کے منشاء کے مطابق و موافق ہوں۔ (۳) خود قوی ہے اور دوسروں کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ در حقائق ہے اور کام کو طاق بار کرنا پسند فرماتا ہے۔ وہ جیل ہے اور جہاں کو دوست رکھتا ہے وہ پیغمبر ہے اور علماء سے اسے محبت ہے۔ وہ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ مومن اس کے اسماء میں سے ہے لہذا مومنین سے اسے محبت ہے۔ وہ محسن ہے مومنین کو چاہتا ہے۔ وہ صابر ہے۔ صابروں سے محبت رکھتا ہے۔ وہ شاکو ہے اور شاکیوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۴) یہ کہ مومنین کے ساتھ اس کی محبت یکساں نہیں بلکہ بعض سے کم اور بعض کے ساتھ زیادہ ہے۔ (۵) یہ کہ انسان کی عادت اس میں متعین ہے کہ وہ ان چیزوں کی حرص رکھے جو اسے حاش اور معادہ و فوہ میں نفع و مفید ہوں۔

دوسرے لغت یہ کسی چیز کی طلب میں طاقت اور دست کو پوری طرح خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ جو چیزیں اپنی بھلائی اور مفید چیز کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تو اس کی حرص محمود ہوگی۔ انسانی کمال کا راز بھی دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ حرص ہو۔ دوم یہ کہ ان چیزوں کا حرص ہو جو اسے مفید ہوں۔ اگر بیادہ چیزوں کی حرص کی یا ان چیزوں کو جو اس کے لئے نافع ہیں۔ بغیر حرص حاصل کیا۔ تو وہ کمال کو نہیں پہنچا۔ پس تمام بھلائی اور کامیابی کا دار نافع چیزوں کی حرص پر ہے۔ اور چونکہ انسان کی حرص اور نیز دیگر افعال خداوند تعالیٰ کی مدد و مشیت اور توفیق کے بغیر ظہور میں نہیں آسکتے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اس میں یہ حدیں جناب از رو پاک سے دو چاہئے کا ارشاد فرمایا ہے تاکہ آدمی کو آیتا کہ کُفُتْ وَ ایتا کہ تَتَعَبُ (۱) اسے خدا ہمیری عبادت کو دے اور بھی سے مدد مانگتے ہیں) کا مرتبہ حاصل ہو۔

مفید چیزوں کی حرص کرنے سے یہ طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پورا حرص اور ہر گم ہے۔

یہی ایک چیز ہے جو انسان کو کارآمد اور نافع ہے۔ اور یہ اللہ کی مدد بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے حدیث کے ان دونوں جملوں میں (مفید چیزوں کی حرص کر اور خدا سے مدد مانگ) اس بات کا ارشاد ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس سے مدد چاہے۔ پھر عاجز ہونے سے منع فرمایا ہے اس میں حکمت ہے کہ عاجزی مفید چیزوں کی حرص اور ہمت خاستہ بند کے منافی و مخالف ہے۔ تو جو شخص نافع چیزوں کا حرص اور خدا تعالیٰ سے مدد چاہنے والا ہوگا۔ وہ عاجز کے برخلاف ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ انسان کو حصول مقصود کے لئے اس چیز کی تعلیم فرمائی ہے جو اس کے حصول کے نہایت مضبوط بھاری اور قوی ترین ذرائع سے ہے یعنی اس چیز کی حرص کرنا اور اس کے ساتھ ہی اس مالک سے مدد چاہنا جو تمام امور کی باگ اپنے مبارک ہاتھ میں رکھے ہے اور جو سب چیزوں کو ہستی سے ہی میں لاتا ہے اور سب کا مال اسی کی طرف ہے۔ اگر کسی کو وہ چیز نہ ملے جو اس کے لئے مقدر ہے تو اس کی دو حالتیں ہیں۔ اول یہ ہے کہ انسان خیال کرے کہ میں اس کے حاصل کرنے سے عاجز رہا بیشیطانی افعال میں پڑ جانے کا ذریعہ ہے کیونکہ عاجز ہو کر کہیگا اگر ایسا کرتا تو کامیاب ہوتا۔ سو ایسا کہنے سے اب سوائے اس کے کیا فائدہ ہے کہ اپنے آپ کو ملامت کرے پتھری غم و اندوہ میں مبتلا اور اپنے آپ سے بیزار ہو سو یہ سب شیطان کے کڑوتے ہیں۔ اسی لئے سرور کائنات نے اس چیز سے جو انسان امور کی طرف ذریعہ ہوتی ہے۔ اجتناب و پرہیز کرنے کا حکم دیا اور دوسری حالت کی طرف متوجہ ہونے کا ارشاد فرمایا کہ تقدیر پر غور کر۔ اور یہ سمجھے کہ اگر میرے مقصود میں ہوتی تو وہ میرے ہاتھ سے کبھی نہ باتی اور اس سے کوئی شخص مجھے روک نہ سکتا۔ پس ناکامی کی حالت میں تقدیر پر غور کرنے اور شینت ایزدی پر نظر ڈالنے سے جس سے سب چیزیں کا وجود اور عدم وابستہ ہیں۔ کوئی چیز زیادہ نافع و مفید نہیں۔ اسی واسطے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے اگر تجھ پر کوئی چیز غالب آجائے۔ تو بہت کہو۔ اگر میں نہ کیا کرتا تو ایسا ہوتا۔ بلکہ یوں کہا کہ اللہ کی تقدیر میں ہی تھا۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے وہ چیز بتلائی ہے جو کامیابی اور ناکامی دونوں حالتوں میں نافع اور مفید ہے اسی لئے اس حدیث کا مطمئن ہر وقت انسان کو محفوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس حدیث سے تقدیر کسب۔ اختیار قیام بافعال اور عبودیت ظاہر و باطن دونوں حالتوں حصول مطلوب اور عدم حصول میں ثابت ہوتے ہیں +

چوتھا باب

میسری تقدیر یعنی ماں کے پیٹ پر اپنے کی شفا و رستہ سعادت۔ رزق۔ عمر۔ عمل اور قیام
 امور جو اُسے پیش آئیں گے ان کے قدر ہونے اور اس باب کے متعلق ہیں قدر
 حدیں آئی ہیں ان کے جمع و تطبیق کے بیان میں

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتا ہے کہ ہم سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صادق و صدق
 ہیں بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی خلق اس طرح ہوتی ہے کہ ماں کے پیٹ میں پہلے چالیس روز
 تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس روز خون بستہ پھر گوشت کا ٹکڑا اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اُس کی طرف
 ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اُس میں روح پھونکتا اور چار چیزوں کے لکھنے کا اُسے حکم ہوتا ہے انہیں
 لکھ دیتا ہے یعنی رزق عمر محل اور یہ کہ وہ شقی یا سعید ہوگا۔ مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے سوا
 کوئی محبوب نہیں تم میں سے ایک آدمی ایسا ہے کہ وہ عمر بھر اہل جنت کا کام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ
 اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہتا ہے یعنی جنت سے بہت نزدیک ہو
 جاتا ہے تو اُس پر اُس کی نوشت غالب آجاتی ہے اور وہ دوزخیوں کا کام کر بیٹھتا ہے اور دوزخ میں
 چلا جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس تم میں سے ایک ایسا ہے جو عمر بھر دوزخیوں کا کام کرتا رہتا ہے
 دوزخ کے اور اُس کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہتا ہے تو نوشت غالب آجاتی ہے اور وہ
 اہل جنت کا کام کر لیتا اور بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم دونوں نے
 روایت کیا ہے۔

حذیفہ بن اسیدؓ سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نطفہ ماں
 کے پیٹ میں چالیس یا پینتالیس رات ٹھہر چکتا ہے تو اُس کے پاس ایک فرشتہ آکر لکھتا ہے
 لے اللہ یہ شقی ہوگا یا سعید۔ پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لکھ جاتا ہے۔ پھر پوچھتا ہے یہ مرد ہوگا
 یا عورت اور جو حکم ہو لکھ دیتا ہے۔ اور اُسی وقت اُس کے تمام عمل نشان۔ قدم۔ عمر اور رزق سب
 لکھ دیے جاتے ہیں اور وہ نوشت لپیٹ دی جاتی ہے کہ پھر اس میں کمی یا بیشی نہیں ہوتی۔ اس حدیث کو مسلم نے

روایت کیا ہے :

عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن مسعود کو یہ فرماتے سنا کہ شقی وہ ہے جو اپنی اس کے پیش میں شقی بھرا۔ اور سعید وہ ہے جسے دوسرے سے عبرت حاصل ہو۔ پھر عامر بن عبد اللہ نے اس کے پاس درجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں رہے ہیں، اُسے ارکان سے ابن مسعود کا یہ قول بیان کیا اس پر مزید فرمایا کہ کوئی آدمی عمل کئے بغیر شقی دیا سعید کیسے جانتا ہے۔ تو ایک شخص نے اُن سے کہا آپ اس سے تعجب کیوں ہوتے ہیں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب نطفہ پر مائل اس میں گزر جاتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اُسکی صورت کان۔ آنکھ۔ گوشت۔ پوست اور ہڈی بناتا اور کہتا ہے کہ اے اللہ یہ نہ ہو یا اود۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے موافق حکم دیتا اور فرشتہ اُسے لاکھ بیتا اور پھر پوچھتا ہے اے اللہ اس کی عمر کیا ہے اُس کو بھی اللہ کے حکم کے مطابق لکھ دیتا اور پھر پوچھتا ہے اے رب اس کی روزی کس قدر ہے اس کو بھی حکم الہی کے مطابق تحریر کرتا اور اُس نوشتہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر چلا جاتا ہے اور وہ بھرا میں کمی و بیشی نہیں کرتا +

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ میں نے اپنے چچان دونو کانوں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جب نطفہ جان میں راتہ تہہ رحم میں ٹھہرتا ہے تو اس پاس ایک فرشتہ آتا۔ زہیر بن معاویہ جو اس سجد میں ایک راوی ہے) نے کہا بے ہوش خیال ہے کہ میرے استاد نے یہ نقل کیا ہے کہ وہ فرشتہ آتا جو اُس کی خلقت بناتا اور کہتا ہے اے رب یہ نہ ہو یا اود۔ تو اللہ تعالیٰ اُسے نریا اود ٹھہرتا ہے۔ وہ پھر پوچھتا ہے اے اللہ یہ صحیح الخلق ہو گا یا ناقص تو اللہ تعالیٰ اُس کا بھی فیصلہ کر دیتا ہے اُس کے بعد وہ پوچھتا ہے اے اللہ اس کی روزی اور عمر کیا ہوگی۔ اور اخلاق کیسے ہونگے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس کی سعادت یا شقاوت اور غیرہ مقرر فرما دیتا ہے +

ایک اور روایت میں ہے کہ رحم پر ایک فرشتہ مائل ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کوئی چیز سن کر فی چاہتا ہے تو وہ قریب چاہیں اس کے بعد آگے وہی ضمون جو اہر گندہ ہے (میں نے) کے صحیح طرق کو صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے +

انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل نے رزق پر فرشتہ مائل کیا ہے کہ اسے رب اس وقت نطفہ ہے۔ اے اللہ !

اے رب اس وقت گوشت کا ٹکڑا ہو گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے ارادے میں اس کی پیدائش مقدر ہو تو فرشتہ کہتا ہے
 سنا اے رب یہ نہ ہو گا یا مادہ شقی ہو گا یا سعید اور اس کا رزق اور عمر کیا ہے سو یہ سب باتیں شکم و دیریا
 دکھائی جاتی ہیں اس صبر و شجاعت کو بخاری و سلم نے روایت کیا ہے ۛ

اور ابن وہب نے کہا ہے مجھ سے یونس نے بیان کیا وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ
 سعید بن جبیر از ثمن بن نعیدہ نے ان سے بیان کیا کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ
 وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی جی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ فرشتہ جو رحم پر مائل
 کہتا ہے اسے رب یہ نہ ہو گا یا مادہ اللہ تعالیٰ (راپی مشیت کے موافق) اسے حکم دیتا ہے فرشتہ چھوڑ
 ہے اے رب شقی ہو گا یا سعید اللہ تعالیٰ اس کا بھی فیصلہ کرتا اور فرشتہ اس کی پیشانی پر جو کچھ لکھا ہے پیش آئیگا۔
 یہاں تک کہ جو اسے ٹھوکر پیگی سب لکھ دیتا ہے ۛ

ابن وہب نے کہا ہے پھر سے عبد اللہ بن سعید نے بیان کیا وہ بحرو بن سوادہ جدی سے وہ انہی
 حدیثانی سے وہ ابو ذرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب نطفہ
 کو رحم میں پھیرے مجھے پائیس ساتیں ہو جاتی ہیں تو فرشتہ اداۃ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آکر عرض کرتا
 ہے اے رب یہ تیرا بندہ نہ ہو گا یا مادہ تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے فرشتہ پھر پوچھتا ہے
 شقی ہو گا یا سعید اس کے بعد جو کچھ اسے پیش آیا ہے سب لکھ دیتا ہے اور بقیہ حدیث کو روایت
 بذکر کے موافق ذکر کیا ہے ابن وہب نے کہا ہے مجھ سے ابن ابیہ نے بیان کیا وہ کعب بن علقمہ سے وہ
 عیینہ سے وہ ہلال سے وہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اہا ہے
 کہ جب نطفہ رحم میں پائیس سات پھیرتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا اور اسے لیکر خدا کی بارگاہ میں
 جاتا اور کہتا ہے اے اس الخالقین لے مخلوق فرما تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے پھر وہ نطفہ
 فرشتے کے حوالے کیا جاتا ہے تو اس وقت فرشتہ پوچھتا ہے اے رب یہ تمام رہیگا یا تمام مخلوق ہو گا
 اللہ تعالیٰ اس کا جواب بیان فرماتا ہے فرشتہ پھر پوچھتا ہے اے رب ایک ہو گا یا جوڑہ اللہ تعالیٰ اس
 کا جواب بھی بیان فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے اس کے خلق اور رزق کا بھی فیصلہ فرما تب اللہ تعالیٰ
 وہ دو کا فیصلہ فرمادیتا ہے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے ہر ایک کو وہی
 رزق ملتا ہے جو اس کے لئے اس روز مقسوم ہوا جب اسے کھا چکتا ہے تو مر جاتا ہے ۛ

عبد اللہ بن احمد نے کہا ہے ہم سے علاء نے بیان کیا کہ ہم سے ابو الاشعث نے بیان کیا کہ ہم سے
 سحر نے بیان کیا وہ زبیر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے

کہا کہ میں نے عبد بن زہیر سے سنا دو حضرت عائشہ سے وہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی جی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے وہ رحم میں داخل ہو کر کہتا ہے کہ رب یہ کیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے یا لڑکی کو یا رحم میں جو کچھ پیدا کرنا چاہا ہے میں نے فرمادیتا ہے پھر کہتا ہے اے رب شقی ہو گیا یا سعید تو اللہ تعالیٰ اس کی بھی تعین کر دیتا ہے پھر کہتا ہے اے رب اس کی عمر کیا ہوگی تو اللہ تعالیٰ بھی بتا دیتا ہے پھر کہتا ہے اسی خلقت اور عادات کیسے ہونگے اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمادیتا ہے اور اس کی ہر ایک چیز اس کے ساتھ ہی رحم میں پیدا کی جاتی ہے ۛ

من میں انیس بن عبید اللہ بن ابی لہا جری روایت سے آیا ہے کہ ام دو وار نے ان سے بیان کیا وہ ابو وردا سے وہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل ہر ایک بندے کی پانچ چیزیں عمر - رزق - جائے قبر - کہاں کہاں پناہیگا اور شقی ہوگا یا سعید پہلے سے مقرر فرما چکا ہے ۛ

ابن حیدر نے کہا ہے ہم سے یعقوب بن عبد اللہ نے بیان کیا وہ مید بن حبیر سے وہ بن عباس رضی سے روایت کرتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں آتا ہے تو چار ماہ اور سٹس اور بخیر نے کے بعد اس میں روح ڈالی جاتی ہے چنانچہ اس میں گندنے پر اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے سو وہ اس کی گتہ سی پر ہاتھ مار ۛ اور کہتا ہے کہ شقی ہوگا یا سعید ۛ

ابن ابی خثیمہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے عبد الرحمن بن مبارک نے بیان کیا کہ کہ ہم سے خواص ویر نے بیان کیا وہ یوب سے محمد سے وہ ابو ہریرہ رضی سے وہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ سعید وہ ہے جو تکم اور میں سعید ہوا - اس حدیث کہ ابو داؤد و فیہ بالقہ میں عبد الرحمن سے روایت کیا ہے جسے وہ حماد سے وہ ہشام بن حسان سے وہ محمد بن زکریا سے روایت کرتے ہیں ۛ

ابن عبد اللہ نے کہا ہے ہم سے علی بن عبد اللہ بن میر نے بیان کیا کہ ہمیں عبد الحمید بن بیان نے بتلایا کہ ہم سے خالد بن عبد اللہ نے بیان کیا وہ یحییٰ بن عبید اللہ سے وہ اپنے باپ کے وہ ابو ہریرہ رضی روایت کرتے ہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شقی وہ ہے جو ماں کے پیٹ سے شقی پھیرا اور سعید وہ ہے جسے شکم مادر میں سعادت نصیب ہوئی ۛ

سعید نے کہا ہے وہ ابو اسحاق سے وہ ابو الاحوص سے وہ عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی کو شقی ہو اور سعید ہو جو دوسرے سے شہرت حاصل کر سکے

شیعہ نے کہا ہے وہ عمارق سے وہ طارق سے وہ عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ
 سب سے زیادہ سچی کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب طاہقوں میں اچھا طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے
 اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں سننے پیدا ہوں۔ سو آنحضرت کے طریقہ پر چلو اور وہ عارف سے کچھ بیشک
 شقی وہی ہے جو ان کے پیٹ میں شقی بکھیرا اور سنا کہ وہ خود دوسرے سے غیرت حاصل کر کے اور
 سب سے بری روایتیں وہ ہیں جو جھوٹی ہوں اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں سننے پیدا ہوں
 جو چیز آنے والی ہے وہ نزدیک ہے ان سب حدیثوں کو ابو داؤد نے باب القدر میں روایت کیا ہے
 اور طبری نے اس حدیث کو ابوسحاق سے اس نے ابو عبیدہ سے اس نے ابوالاحوص سے اس
 طرح روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن جحیس کے روز اتنے دن کا دستور تھا کہ کھڑے ہو کر غلط کہتے
 و غلطی میں بیٹھتے نہیں تھے اور فرماتے کہ کام کی طرف دو ہی چیزیں ہیں (۱) سب طاہقوں سے بہتر محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ (۲) سب سے زیادہ سچی کلام اللہ کی کتاب ہے۔ اور بدترین امور وہ ہیں جو
 دین میں بلا سند یا حدیث سے بائیں۔ دین میں جو بات بلا سند یا حدیث کی جانے وہ گمراہی ہے۔ بیشک شقی وہی
 ہے جو ان کے پیٹ میں شقی بکھیرا اور بلا شیعہ حاتمہ وہی ہے جسے دوسرے سے طریقت حاصل ہو
 خبردار کہیں درازی عمر کی ہوس اور طلب دنیا کی آرزو تمہیں آخرت سے غافل نہ کر دے۔ جو چیز اینوالی ہے وہ
 قریب ہے در وہی چیز ہے جس کے آنے کی امید نہیں۔ سب سے برے آدمی وہ ہیں جو دین میں
 بیکار اور رات کو مردوں کی طرح سو رہیں بیشک ہون کو جان سے اٹا نا کفر اور اسے گالی دینا گناہ
 ہے۔ کسی مسلمان کو یہ روایتیں سنے کہ وہ دین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک کلام کرے۔ خبردار
 سب سے بڑی روایتیں وہ ہیں جو جھوٹی ہوں۔ بھوٹ ہرگز درست نہیں خواہ وہ واقعی جھوٹ ہو یا دل نگہ
 سے ہو۔ اور یہ بھی نہ چاہئے کہ آدمی اپنے دوست سے وعدہ کرے پھر اسے پورا نہ کرے جھوٹ بدی
 زادہ ہے اور بدی دوزخ کو لے جاتی ہے۔ سچائی نیکی کا پیشوا ہے اور نیکی جنت میں پہنچاتی ہے
 مگر نہ کہ لوگ سچا اور نیکی اور دروغ کو جھوٹا اور بدکار کہتے ہیں۔ بیشک میں نے رسول خدا صلی اللہ
 علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بندہ اگر سچ کہتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک صدیق (سچا) اور اگر جھوٹ
 کہتا ہے۔ تو بڑا جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ سو تمہیں معلوم ہے کہ غصہ کیا چیز ہے یہ وہ چٹا خوری کی خصلت
 جس سے لوگوں کے درمیان فساد ڈالا جائے۔ یہ حدیث عبد اللہ سے بہت سے لوگوں نے
 روایت کی ہے۔ امیر معاویہ کو بفرمایا کہ ان کے مکان میں عباد کی شدت ہے تو کہنے لگے کہ اگر ہم
 لوگوں کے مکان کو بدل دیتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے بڑا عباد

اُن جانوں کو جن کی موت آچکی ہے کیسا بچا سکتے ہیں اتنی بات پر یہ ابو دردار سے ناراض ہو گئے تو کہنے لگا اے معاویہ آپ اپنے بھائی ابو دردار سے اراش نہ چوں (وہ سچ کہتے ہیں) بیشک اللہ رسالت نے کوئی جیسیا نہیں پسند کی کہ جب اس کا نطفہ چالیس استرحم میں پھیر چکے۔ تو اس کی خلقت خلقِ عمر اور رزق نہ لکھ دیا ہو۔ ہر ایک جاندار کے واسطے ایک ہنر پیشہ قرار ہے جو عرش کے ساتھ تناسک ہے۔ جب اس کی موت قریب آجاتی ہے تو وہ پتھر پورانا ہوا خشک ہو کر گر جاتا ہے جب مادہ پڑا کرتا ہے تو وہ جاندار چیر بھی سر جاتی اور اس کی عمر اور رزق ختم ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے محمود بن خالد سے یہ طریق روایت کیا ہے کہا کہ ہم سے مروان نے بیان کیا۔ کہا ہم سے معاویہ بن سلام نے بیان کیا۔ کہا مجھ سے میرے بھائی زبیر بن سلام نے بیان کیا وہ اپنے واسطے ابن سلام سے روایت کرتے کہ معاویہ کو یہ خبر ملی بلخ۔ ابو داؤد نے کہا ہم سے واصل بن عبد اللہ اعلیٰ نے بیان کیا کہا ہم سے ابن فضیل نے بیان کیا وہ سن بن عمر قتیبی سے وہ حکم سے وہ مجاہد سے آیت نہ کل انسان الا زنا طاروا فی تحقیقہ (وہم نے ہر آدمی کی بُرائی بھلائی کو اس کے ساتھ لازم کر کے اس کے گلے کا مار بنا دیا ہے) کی تفسیر میں اس طرح روایت کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک بچے کے گلے میں ایک پردانہ ڈالا جاتا ہے جس میں اس کی شقاوت یا سعادت مرقوم ہوتی ہے +

صحیحین میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ پس رُک کے کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا وہ پہلے دن ہی کافر بن گیا ہوا تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا۔ تو اپنے گھر و شہر سے والدین کو تنگ کرتا۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک قبیلہ انصار میں ایک لڑکا فوت ہوا۔ تو میں نے اس کے حق میں کہا اسے خوشی ہے کہ یہ ایک جنت کی چڑیا ہے۔ اس نے کوئی بُرائی نہیں کی اور بُرائی کرنے کے وقت کو پایا۔ اس پر اپنے فرمایا۔ اے عائشہ! اس کا یقین نہیں ہو سکتا ہاں یا ایسا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کئی آدمیوں کو اُن کے پیدا ہونے سے پہلے جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے اہل جنت ٹھہرایا ہے۔ یہ حدیث عمر بن عبد ربیع کی اس حدیث سے جیسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں مشرکین کے بچوں کو ابراہیم کے پاس بار جنت میں دیکھا مواض نہیں۔ کہوئے جیسے بلخ آدمی۔ اسی طرح بچے بھی بعض شقی اور بعض سعید ہیں جن بچوں کو آئندہ مٹا دینا براہیم کے پاس دیکھا تھا وہ مشرکین اور مسلمانوں کے

اہل سعادت پہنچے تھے۔ علامہ نے کہ ایک خاص بچہ۔ کیسے حق میں یہ شہادت دینے سے کہ وہ جنت کی چیز ہے منہ فرمایا جان سب احادیث و آثار۔ سے یہ قول بالافاق ثابت ہوتا ہے کہ جب آدمی مال کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اسی وقت اُس کا رزق۔ عمر۔ اور شقاوت۔ یا سعادت۔ تقدیر ہو جاتی ہے لیکن اس تقدیر کے وقت میں اختلاف معلوم ہوتا ہے :

۱۔ اناج ہو کہ پہلی دو تقدیریں کے بعد تیسری تقدیر ہے یعنی سب سے اولیٰ وہ تقدیر ہے جو آسمان زمین کی پیدائش سے پہلے ہوئی۔ اس کے بعد دوسری تقدیر اُس وقت ہوئی جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور انکی اولاد کو انکی پشت سے نکالا۔ اور تیسری تقدیر ہے :

ابن سعد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نطفہ کو رحم میں پھیرے ہوئے ایک۔ واپس روز گذر جاتے ہیں۔ تو اُس وقت پینچریں رزق۔ عمر وغیرہ مقدر ہوتی ہیں۔ اور اس کی حدیثیں کسی وقت کی تعیین نہیں :

۲۔ زلیف بن اسید کی حدیث میں ہے۔ یہ تقدیر ذرا نطفہ سے چالیس روز بعد ہوتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں چالیس۔ ان اور ایک میں بیالیس اور ایک میں تترالیس رات آیا ہے اس حدیث کو صرف امام مسلم نے دایت کیا ہے۔ امام بخاری نے اسے روایت نہیں کیا بہت لوگوں نے ان دو حدیثوں کو متعارض سمجھا ہے۔ لیکن حقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جو فرشتہ نطفہ پر ٹوکل ہے اُس کا کام یہ ہے کہ چالیس روز کے بعد جو کچھ اللہ تعالیٰ مقدر فرماتا ہے وہ تحریر کرتا ہے اور نطفہ اُس وقت دوسری حالت یعنی خون بستہ میں آتا ہے اور وہ فرشتہ جو روح پھونکنے پر مقرر ہے وہ چار ماہ کے بعد روح پھونکتا ہے اور اُسی وقت اُسے اُس کا رزق۔ عمر۔ عمل اور شقاوت یا سعادت لکھنے کا حکم ہوتا ہے۔ اور یہ اُس تقدیر کے علاوہ ہے جو اُس فرشتے نے لکھی تھی۔ جو نطفہ پر ٹوکل ہے۔ اسی واسطے ابن سعد کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ پھر نطفہ کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاسا اور اُسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے اور وہ فرشتہ جو نطفہ پر ٹوکل ہے وہ تو ہمیشہ اُس کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتا ہے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ابتدائی خلقت یعنی خون بستہ کی حالت میں اُسے اُس وقت اللہ سبحانہ نطفہ کے متعلق جو چاہتا ہے مقدر فرماتا ہے اور روح کے متعلق اُس وقت مقدر فرماتا ہے جب ایک سو بیس روز کے بعد بدن سے اُس کا تعلق ہوتا ہے عرض کہ یکے بعد دیگرے کئی بار تقدیر ہوتی ہے۔ اب اس طرح مطلب بیان کرنے سے سب

میشیں آپس میں مطابق اور ایک دوسرے کی مصدق ہو جاتی۔ اور تقدیر باقی کے اثبات اور مراتب تقدیر پر دلالت کرتی ہیں۔ اب اگر کوئی شبہ ہو تو اس کا منشا غلط فہمی یا روایت میں غلطی کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ جب روایات حدیث صحت کو پہنچ گئیں۔ اور ان کا صحیح صحیح شلب معلوم ہو گیا۔ تو یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ سب درست اور حق ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان صدق بیان سے نکلی ہیں +

پانچواں باب

چوتھی تقدیر کے بیان میں جو لیلۃ القدر میں ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **حَلَّهٖ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مَبَاسَ كَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِیْہَا یَاقُوتِیْ كُلَّ اَمْرِ حَکْمٌ اَمْوَ اَمِنْ عِنْدِ نَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ۔** (یہ کتاب جو احکام الہی صاف اور واضح طور پر بتا رہی ہے یعنی قرآن) اسی کی قسم ہے ہم نے رشتہ کی ہمارے رات میں اس کو پہلے پہل امارا دیکھ کر ہمیں (لوگوں کو اپنے عذاب سے) ڈرانا منظور تھا (دنیا کے) سارے انتظام جو حکمت (اور صلت) پر مبنی ہیں۔ اسی رات تصفیہ پاتے ہیں (انہما جملہ قرآن بھی محتاج) ہمارے خاص حکم سے رانزل ہونا شروع ہوا کیونکہ ہم کو پیغمبر کا بھیجا منظور تھا (چونکہ سورہ قدر میں فرمایا ہے **اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ**) (ہم نے قرآن) (کی پہلی وحی) کو نوب قدر میں اُتارا تو اس سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں لیلۃ القدر مراد ہے جس نے خیال کیا ہے کہ یہاں پندرہویں شعبان مراد ہے تو وہ غلطی پر ہے۔

سفیان نے ابن ابی نجیح سے اُس نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ کہ لیلۃ القدر اور لیلۃ القدر یعنی وہ رات جس میں انور فیصل (موتے میں) ایک ہی ہیں + ادھیان نے محمد بن موقد سے اُس نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ کہ لیلۃ القدر میں بارگاہ الہی سے اُن لوگوں کو حج کا حکم ہوتا ہے جو اس سال حج کرینگے اور ان سب کے نام مع ولایت لکھے جاتے ہیں۔ پھر اُن میں کچھ کی بیشی نہیں ہوتی + ابن علیہ نے کہا ہے ہم سے ربیع بن کلثوم نے بیان کیا کہ ایک آدمی نے حسن سے پوچھا اور میں سن ہانتھا کیا لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے حسن نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس کے

کوئی لائق بخشش نہیں۔ ایلاتہ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے۔ اولیائہ القدر وہی رات ہے جس میں ہر مہرمت کے کام فیصلہ کئے جاتے ہیں۔ اسی رات ہر بندہ کو اسے سال بھر کیلئے بندوں کی عمریں۔ عمل اور رزق میں نصیب فرماتا ہے۔

یہ مفسر عمران بن حوش سے ذکر کیا ہے کہ ایلاتہ القدر میں وہ تمام چیزیں جو آئندہ سال بڑی یعنی موت، حیات، رزق، بلاء، بخشش، بیماریاں، تکسہ کہ مارجیوں کے نام کہ فلاں نکلاں شخص حج کرے گا روح محفوظ رہے، ایک غلجہ و فقر میں رکھے جاتے ہیں۔

سید بن جبیر سے اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہے کہ تو کسی آدمی کو بازااروں میں چلتا پھرتا دیکھتا ہے حالانکہ اس رات میں اس کا نام مردوں میں رکھا گیا ہے۔

مقاتل کا قول ہے کہ نہ تعالیٰ ایلاتہ القدر میں سال بھر کیلئے شرور اور بندوں کے حالات معین فرمادیتا ہے۔

ابو حیدر الرزین بلخی کا قول ہے کہ ایلاتہ القدر میں سال بھر کا انتظام مقرر کیا جاتا ہے۔ اور یہی معجزہ ہے کہ بیاہ مبارکہ اور لیلیہ قدر ایک ہی میں کیونکہ قدر کے معنی لغت میں تقدیر اور اندازہ کو نہنے کے ہیں۔ اور اسی لئے لیلیہ اکلم اور لیلیہ التقدر اس کا نام ہے۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ ایلاتہ القدر کے معنی بزرگی اور عظمت الی رات ہے۔ محاورے میں آتا ہے کہ فلاں شخص کا بگڑوں میں قدر ہے۔ اگر ان کا مطلب ہے کہ رات عزت و بزرگی والی ہے اور نیز اس میں سال بدر کے واقعات بھی مستقر ہوتے ہیں تب تو ان کا قول درست ہے اور اگر قدر کا مطلب بزرگی اور عزت ہے تو صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ اس میں تفریق احکام واقع ہوتی ہے یعنی اللہ سبحانہ سال بھر کے واقعات کا فیصلہ اور انکی تعین و انتظام فرماتا ہے۔

چھٹا باب

پانچویں تقبیر کے بیان میں جو رد فرما ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَسْأَلُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ نَوْمٍ هُوَ فِي شَاوٍ۔
یعنی مخلوقات آسمانوں (میں) اور زمین میں ہے جو ان کو درکار ہے سب ہی تو اس سے مانگتے ہیں وہ

طرف اشارہ ہے۔ اور پہلی چھ اور یہ تین مجموعہ نو ساعتیں ہوں۔ پھر رزق کا معاملہ پیش ہو کر وہ بھی اسی طرح تین ساعتوں میں ختم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول **يَلْبِسُهَا اللَّوْزُ وَالْطَّنَّ يَشَاءُ وَدَقَّ بَقْدًا** جس کی رو سے چاہتا ہے، فرخ کر دیتا ہے اور (جس کی روزی چاہتا ہے) نئی نئی کر دیتا ہے، اور **يَلْبِسُهَا** (دو ہر روز ایک نہ ایک کام میں رہتا ہے) کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اور تمہارا حال یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا +

تبرانی نے کہا ہے ہم سے یحییٰ بن اسمان نے بیان کیا۔ کہا ہیں حماد بن سلمہ نے بتایا۔ وہ ابو عبد السلام سے وہ عبد اللہ یا عبید اللہ بن مکرز سے وہ ابن مسعود سے مذکورہ بالا روایت کرتے ہیں۔ عثمان بن سعید داری نے کہا ہے ہم سے موسیٰ بن اسمان نے بیان کیا کہ ہم سے حماد بن سلمہ نے وہ زبیر بن ابو عبد السلام سے وہ ایوب بن عبید اللہ نمری سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود نے کہا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں دن ہے نہ رات۔ پھر اس حدیث کو اس جملے تک ”پس جلیقہ جدم“ عرش ملائکہ مقربین و دیگر تمام فرشتے اُس کی تسبیح کرنے لگتے ہیں“ ذکر کیا ہے۔ سو حال کلام یہ ہے کہ یہ روزانہ تقدیر ہے اور جو اس سے پہلے مذکور ہوئی ہے وہ سالانہ اور اس سے جو پہلے گذر چکی ہے وہ عمر بھر کی ہے اور اُس وقت لکھی جاتی ہے جب روح بدن سے متعلق ہوتی ہے۔ اور جو اُس سے سابق ہے وہ بھی عمر بھر کے لئے۔ مگر وہ ابتدائے خلقت اور بحرِ اکوشت ہونے کے وقت مندر ہوتی ہے۔ اور جو اُس سے بھی سابق ہے وہ انسان کے وجود سے پہلے ابر آسمان و زمین کی پیدائش کے بعد مرقوم ہوتی ہے اور وہ تقدیر جو آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہے وہ اس سے بھی سابق ہے۔ اور ہر ایک کچھلی تقدیر پہلی کی تفصیل ہے۔ ان سب اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور حکمت کا مثال اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ ملائکہ اور اپنے مومن بنوں کو اپنی ذات کی وجہ سے معرفت بخدا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **اِنَّا كُنَّا شَتَاتٍ مُّتَسَلِّمِينَ مَا كُنْتُمْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ** (جیسے جیسے تم عمل کرتے تھے ہم ان کو لکھواتے جاتے تھے۔ اکثر خبریں کی پیشانی ہے کہ نقل روح محفوظ ہے ہوتی ہے۔ فرشتے نفا آدم کے اعمال کو اُنکے کرنے سے پہلے روم سے نقل کر لیتے ہیں۔ پھر اسی کے مطابق ان کے اعمال ظہور میں آتے ہیں۔ اور جن پر ثواب یا عذاب جو وہ ثابت رکھے جانے ہیں اور بتواتر دئے جاتے ہیں +

ابن مہزیب نے اپنی تفسیر میں کئی سندوں کے ساتھ بقیہ سے انہوں نے ارطاة بن منذر سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قوم کو پیدا کیا اور

اسے اپنے واسطے اچھے اور اُس کے دونوں ہاتھ دہستے ہیں میں لیکر دنیا کو ادھیکسی۔ بدی۔ رطب اور یابس جو کچھ
 زس میں ہونے والا تھا سب نکھ دیا۔ اور لوح محفوظ میں حفاظت سے رکھ دیا۔ اگر اُس کی تصدیق چاہتے
 ہو تو یہ آیت پڑھو **هَذَا آيَاتُنَا يَتَّبِعْ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِذَا اَنْتُمْ تَنْتَضِعُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ** ۵ (یہ ہماری
 کتاب جس میں ہم سب اعمال نکھے ہوئے ہیں، تم اسے متا بنے حق حق بول رہے ہو اور جیسے جیسے تم
 عمل کرتے تھے ہم انکو اکھواتے جاتے تھے) نقل اُسی سے ہوتی ہے جو چیز پہلے نکھی گئی ہو ۛ

آؤں نے کہا ہے ہم سے ورثہ۔ نسخہ بیان کیا اُس نے عذاب بن سائب سے اُس نے قسم سے
 اُس نے ابن عباسؓ اِنَّا لَنَافِئُكُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اودہ فرشتے جو
 بنی آدم کے محافظ ہیں۔ اُس کے تمام اعمال لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔ پھر آدمی اُس کے کوئی عمل
 کرتا ہے جو فرشتوں نے لوح محفوظ سے نقل کیا ہے ۛ

تفسیر شرج میں سفیان سے مروی ہے وہ حضورؐ سے وقتہم سے روا بن عباسؓ سے روایت کرتا ہے
 کہ اودہ فرشتے پہلے سب چیزوں کو اپنے ہاں لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ پھر آدم اور اُس کی ملاو پر فرشتے سے پتہ چلا
 وہ فرشتے آدمی کے تمام اعمال لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ آیت چرخی **هَذَا الْكِتَابُ اِنْ يَذَّطَقْ خَلْقُكُمْ**
بِالْحَقِّ اِنَّا لَنَافِئُكُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۛ

تفسیر نیک میں ابن عباسؓ سے اسی آیت کی تفسیر میں مروی ہے۔ کہ اہل دنیا کے اعمال نیک
 بد فرشتے نقل کرتے ہیں۔ جو کچھ ازسا بن کور و زمرہ پیش آتا ہے فرشتے صبح و شام اسے آسمان سے لاتے
 ہیں کہ فلاں شخص قتل ہو گا۔ اور فلاں غرق۔ اور وہ چھت سے گرے گا۔ اور یہ پہاڑ سے گر کر مرے گا۔ اور فلاں
 آدمی آگ سے بل کر مرے گا۔ پھر جو واقعات ہوتے ہیں۔ ان سب کو لکھ لیتے ہیں۔ اور جب انہیں
 آسمان کی طرف بھیجتے ہیں۔ تو لوح محفوظ کی نوشت کے مطابق پاتے ہیں ۛ

ساتواں باب

اس امر کے بیان میں کہ نجات اور سعادت کا پہلو سے تندہ ہونا اس بات کو نہیں پاتا کہ نیک عمل چھوڑ
 دے جائیں اس بات کو چاہتا ہے کہ ان میں پوری حرص اور کوشش کرنی چاہیے
 بہت سے لوگوں نے سمجھا ہے کہ جب پہلے سے خداوند قدر ہو چکی ہے تو پھر نیک اعمال کرنے میں

کوئی فائدہ نہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے جب کچھ مقدر کر دیا ہے وہ ضرور ہو کر رہیگا۔ پس اعمال کو نجات کا واسطہ دے دینا نافع و اور ہیکار ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں یہی مسئلہ پیش کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کافی دشنام دیا۔

صحیحین میں علی بن ابیطالب سے مروی ہے کہ ہم لوگ یثرب غزوہ میں ایک عینیت کے ذریعہ کربہ میں مصروف تھے اتنے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یثرب لائے۔ اور اس وقت آپ کے ہاتھ مبارک میں ایک چھری تھی۔ آپ سر نیچے کر کے اس چھری سے زمین کریدنے لگے۔ اور فرمایا تم میں سے ہر ایک جی۔ کے لئے ایک گایا ہے کہ اس کا تھکا اہشت میں ہو گیا اور رخ میں اور بھی لکھا ہے کہ وہ شقی ہو گیا۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا۔ اے رسول خدا جب یہ بات ہے تو پھر ہم اپنی خوشنت پر کیوں بھروسہ کریں اور عمل کرنا چھڑویں۔ ہم میں سے جو اہل عادت ہو گا اس کا انجام نیکی پر ہو گا اور جو بد بخت ہو گا۔ اس کا خاتمہ بُرائی پر ہو گا۔ آپ نے فرمایا اہل کربہ نے رمو کیونکہ ہر ایک کو اس کی سعی کے مطابق توفیق ہوتی ہے۔ اہل سعادت کو نیکی اور۔ اہل شقاوت کو بُرے کاموں کی توفیق ہوتی ہے۔ پھر آنحضرت نے یہ آیت پڑھی فَاَمَّا مَنْ اَخْطَا وَ اَلْفَى رَصَدًا بِالْحَسَنِ فَسَيَسِّرُ لَیْسَ وَاَمَّا مَنْ كُذَّبَ بِالْحَسَنِ فَسَيَسِّرُ لَیْسَ (تو جس نے راہِ خدا میں) دیا اور پرہیز گاری کا شبہ نہ کیا اور۔ اچھی بات (یعنی دین اسلام) کو سچ سمجھا تو ہم آسانی کی جگہ یعنی جنت میں پہنچنے کا رستہ) اس لئے آسان کر دیں گے اور جس نے راہِ خدا میں (یعنی سے مضائقہ کیا اور آخر کی پرواہ نہ کی اور سہو بات (یعنی دین اسلام) کو بُرے کاموں کی جگہ یعنی دوزخ میں پہنچنے کا رستہ) اس لئے آسان کر دیں گے) بخاری کی بعض اور روایتوں میں بھی ایسا ہی ہے لہذا ان میں لفظ متقا (یعنی ہم میں سے) نہیں ہے۔

ابن ابی حاتم سے مروی ہے وہ جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ سراقہ بن مالک بن جہنم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ میں سائل ہیں اس طرح سمجھا میں بطرح بچوں کو سمجھانے میں۔ آپ یہ فرمائیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں یہ پہلے سے تقدیر میں لکھا گیا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا اب کچھ پہلے سے تقدیر میں لکھا گیا ہے براقہ نے عرض کیا تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ۔ آپ نے فرمایا اہل کربہ نے رمو ہر کسی کو اس کی کوشش کے مطابق توفیق ملتی ہے اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تمہارے بنی تمیمین سے روزی ہے کہ بالکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ ہستی اور روزی سے پہلے سے میں ہیں۔ آپ نے فرمایا پہلے سے میں ہیں۔ یہ کیا ہے کہ کہ یہ پیر لوگ مثل کس لئے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی کو اس کی سچی کے مطابق توفیق ہونی چاہئے۔ اس حدیث کو ہماری دوسلم نے روزی سے کیا ہے۔

ہماری ذرا ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہر روزی وہی کام کرتا ہے جس کے لئے وہ مخلوق ہوا یا جس کی اس سے توفیق ہوتی ہے۔ امام احمد نے اس حدیث کو مفصلاً روایت کیا ہے کہ ایک آدمی سے سفوان بن علی نے بیان کیا کہ ہم سے عہد دین تارہ نے بیان کیا۔ وہ یحییٰ بن یحییٰ سے وہ ابو نعیم سے وہ ابواسود دہلی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میں ایک دن حمزہ بن حصین کے پاس گیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک آدمی جو قبیلہ حویر یا مزینہ سے تھا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ اے رسول خدا یا محال ہمیں لوگ نہایت کوشش محنت سے کرتے ہیں۔ کیا ان کے حق میں پہلے سے مقدر میں یا نہیں ہوا تھا۔ ان کے مطابق ان کو بھلائے میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے ان چرچت پوری ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ پہلے سے مقرر ہو چکے ہیں۔ سائل نے عرض کیا جب تقدیر پہلے سے ہو چکی ہے تو پھر عمل کرنے کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ نے جس مقام (جنت یا دوزخ) کے لئے پیدا کیا ہے اُسے اُس کے عمل کی توفیق بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس کی تصدیق موجود ہے وَ تَنفُسٌ وَ مَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقْوَاهَا (اور انسان اور اُس ذات کی قسم) جس نے اُس کو دیا، درست بنایا۔ پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دو بنائیں) اُس کو سمجھا دیں) *

مخاطب نے کہا ہے جہت احمد بن مقدم نے بیان کیا کہ امام سے تمہارے سلیمان نے کہا میں نے ابوسیان کو عبد اللہ بن یسار سے حدیث بیان کرتے سنا وہ عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے کہ جب انہیں شقیہ و یجید (بعض بد بخت ہو گئے اور بعض نیک بخت) ازل ہوا تو عمر نے پوچھا اے پیغمبر خدا مجھے عمل کی کیا کیفیت ہے یہ پہلے سے مقدر ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ تو پہلے سے مقدر ہے لیکن ہر ایک کو اُس کی سچی کے مطابق توفیق ملتی ہے فَأَلْهَمُوا غُلَامًا وَ تَقْوَاهَا وَ صَدَقَ بِالْحَقِّ فُتُورًا لِّئَلَّا يَكُونَ مِنَ الْفٰسِقِیْنَ وَ اسْتَغْنٰی وَ كَذٰی بِالْحَقِّ فُتُورًا لِّئَلَّا يَكُونَ مِنَ الْفٰسِقِیْنَ *

احادیث مذکورہ بالا اور نیز ان کے ہم معنی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر برہانِ عمل سے ملنے نہیں اور نہ اس بات کی وجہ ہے کہ اُس پر بھروسہ مار کے عمل چھوڑ دیا۔ بلکہ اس بات کی شغنی ہے کہ

کس کوئی پوری سی وکوشش کرنی ضروری ہے۔ اس لئے بعض صحابہ نے سبب مضمون سنا۔ نوکھانہ میں بنیدیت بنی اب۔ یادہ کوشش کر دنگا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کیسے کچھ دقیق فہم۔ دین کے سمجھنے والے اور بندہ حق میں ہر سچے۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا ہے کہ تقدیر سابق مخلوق میں بذریعہ اسباب جاری ہوتی ہے۔ بندے کے حق میں جو چیز متقدر رہے وہ ایسی سبب کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جو اس کے لئے مہیا کیا جانا اور بندے کی قدر متقدر و انتیبا میں ہوتا ہے۔ سو اگر سبب کو پیدا کر لیا۔ تو اپنے اس مقصود کو جو لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے حاصل کر لیا۔ اور سبب کے حاصل کرنے میں اس قدر یادہ کوشش کر لیا۔ ابی قدر مطلوب جلد ہی حاصل ہوگا۔ مثلاً کسی کے حق میں مقدر ہے کہ وہ علامہ زمان ہوگا تو یہ مرتبہ پڑھنے اور وسائل تعلیم میں پوری کوشش کئے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ یا اگر کسی کے حق میں اولاد کا ہونا مقدر ہے تو نکاح یا لونڈی رکھنے اور عورت سے محبت کرنے کے سوا بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی اگر زمین سے غلہ پیدا ہونا حاصل ہونا مقدر ہے۔ تو جب تک اس میں بیج نہ ڈالے اور نہ چلائے اور دیگر وسائل نہ ملے۔ ہم نہ پہنچائے تو غلہ کس طرح پیدا ہوگا۔ اگر کسی کے حق میں سیر ہونا مقدر ہے۔ تو جب تک کھانے پینے کی چیزیں نہ کھائے پیئیں۔ تو کیسے سیر ہوگا۔ تمام امور دنیا و آخرت کا یہی حال ہے کہ ان کا حصول اسباب و وسائل سے متعلق و وابستہ ہے۔ پس جو شخص تقدیر سابق پر بھروسہ کر کے اعمال آخرت کو چھوڑ بیٹھتا ہے تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے کوئی احمق اس خیال سے کہ جو قسم ہے وہ بلجائیگا کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ پھر یا وغیرہ امور معاش اور تمام اسباب زندگی کو چھوڑ دے۔ اللہ سبحانہ نے بندوں کی فطرت اور طینت میں ان اسباب کے مہیا کرنے کی ہوس ڈال دی ہے جن پر ان کی زندگی کا مدار انکی دنیاوی ضرورتیں موقوف ہیں۔ یہ بات صرف نوع انسانی کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ تمام حیوانات میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح دنیا نے کاروبار و وسائل اور اسباب کے ذریعے سرسجام پاتے ہیں۔ اسی طرح امور آخرت بھی اسباب و ذرائع پر موقوف ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ دو نوجوان کا مالک ہے اور اس نے اپنی حکمت سے دونوں اسباب و وسائل بنا دیے ہیں۔ اور جس کو جس کے لئے بنایا ہے اس پر اس کے اسباب و سامان بھی اہل آسان کر دئے ہیں سو جب بنے کو یقین ہو کہ آخرت کے مدارج و مصارف ان اسباب سے متعلق ہیں جن کے ہم پہنچانے سے انسان ان مدارج کو پاسکتا ہے وہ راحت دنیا کے اسباب و سامان جیتا کرنے کی نسبت ان اسباب کے حاصل کرنے میں زیادہ کوشاں ہوگا۔ ان معجزات

صحابہ کرام نے جن کا مقولہ ہے کہ ہم بہ نسبت سابق اب زیادہ کوشش کریں گے۔ اس بات کو کما حقہ سمجھا تھا جب آدمی کو یقین ہو کہ اطاعت الہی سے اسے نہایت خوبصورت عجیب باغ صاف شجرے عمدہ مکان اور نعمتیں اور لذت و آرام حاصل ہو سکتے ہیں جن میں رنج و تکلیف کا نام و نشان نہیں۔ تو وہ ضرور انکی بچاؤ دہری میں پورا پورا حرص اور از حد سعی ہو گا۔ اس لئے جو عثمان ہندی نے سلمان سے یہ کہا کہ مجھے پہلی چیز یعنی حصول کی رقعہ خوشی ہوتی ہے جو دوسری چیز یعنی پھیلانے کے سبب اس میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملے تو اس کے لئے میں وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو حساب کے ہم پہنچانے میں حاصل نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور تجوہ سابق سے ہے۔ یوں کی یہ صفت ہے کہ اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اس پر دل نہ دے اور حال ملے اور اپنے گھمنڈ کو چھوڑ دے۔ سلف صالحین میں سے ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں بیندین مانتا کہ میرا معاملہ میرے نفس کے حوالہ ہو بلکہ یہ جاننا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو۔ میری بہتری اس میں ہے۔ حال کلام یہ ہے کہ تقدیر سابق اعمال اخلاق کی طرف تزیین لاتی اور ان پر آمادہ کرتی ہے نہ یہ کہ انکے برخلاف ہے اور ان سے باز کرتی ہے۔ یہ یہاں مسئلہ ہے۔ کہ اس میں بہت سے لوگوں نے غلطی کھائی ہے اور ان کے پاؤں پھیل گئے ہیں۔ جو شخص اس میں ثابت قدم رہے گا انشاء اللہ وہ جہنم میں جائیگا اور جس کا پاؤں پھیلا وہ دوزخ میں جا کرے۔

تقدیر کے باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ایسی دو باتیں تعلیم فرمائی ہیں جو انسان کی ستاد کا باعث ہیں۔ قول ایمان بالقدر کہ توحید کا دار و مدار اسی پر ہے۔ دوم حساب کو عمل میں لانا جو ثمرت پہنچنے اور خیر حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور شریعت کا تمام نظام اسی سے وابستہ ہے۔ بخیرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید اور شرع دونوں کے نظام سے آگاہ فرمایا ہے لیکن جو لوگ کم فہم ہیں یا تو سرے سے تقدیر کا انکار کر کے توحید میں خلل انداز رہے یا تقدیر کو مان کر اصول شریعت پر ہاتھ نہ مارتے۔ اور ان کی کم عقلیوں جو نور الہی سے محروم ہیں ان دونوں امور کو نہ سمجھ سکیں جن کی تمام انبیاء علیہم السلام نے تعلیم فرمائی ہے یعنی تقدیر اور شریعت کو ماننا جس کو خلق اور امر بھی کہتے ہیں تمام آسانی مذہب کا متفقہ مسئلہ ہے وَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا خَلَقُوْا فِيْهِ مِنَ الْخَيْرِ يٰۤاٰذِيْنَ يٰۤاَلِهَ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (تو را خدا کا وہ راہ حق جس میں لوگ اختلاف کر رہے تھے خدا نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کو دکھا دی اور اللہ جس کو چاہے راہ راست دکھائے، +

لے کہ انسان کو قادر و متصرف مطلق سمجھا۔

اور خیر خدہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزیں یعنی شریعت و تقدیر پر مستقیم و ثابت قدم رہنے کی ہدایت تاکہ فرمائی ہے اور آپ کو اس کی منایت حرص مٹی چنانچہ آپ کا ارشاد ان چیزوں کی حرص کر جو تجھے نافع ہوں اور خدا سے مدد طلب کر اور عاجز دست ہو پہلے بیان ہو چکا ہے عاجز وہی ہے جو تقدیر و شرع پر مستقیم نہ ہو +

اکٹھواں باب

اللہ تعالیٰ کے قول "إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِمْ لَكَنَّا كَشْفٍ" (انسان اپنے رب کے لئے کشف ہے) کے لئے ہمارے اس باب کی تقدیر میں اسے بھلائی (یعنی چمکی) اور دوزخ سے دور رہی (تو اس کے جائینگے) میں مضمون کی پیش اور گند چکی ہیں کہ اہل سعادت اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے ہاتھ میں تھے اور ان کے مخلوق ہونے سے پہلے ان کے نام مع و دریت و فرسہ میں لکھے جا چکے ہیں +

صحیح حاکم میں عیسیٰ بن اقد کی حدیث اس طرح مروی ہے کہ وہ زید نجوی سے وہ حکمران سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیا "اَلَا تُكْفَرُ وَمَا كُنْتُمْ دُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصْبًا جَهَنَّمَ" (تم اور جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے تھے وہ سب دوزخ کا ایندھن بنینگے نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا کہ ملائکہ عیسیٰ اور عذیر خدا کے سوا معبود ہیں۔ تو کیا یہ بھی دوزخ میں جھونکے جائینگے۔ تو ان کے جواب میں آیا "إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِمْ لَكَنَّا كَشْفٍ" (انسان اپنے رب کے لئے کشف ہے)۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے +

علی بن مدینی نے کہا ہے ہم سے عیسیٰ بن آدم نے بیان کیا کہ ہم سے ابو بکر بن عیاش نے وہ عام سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ابو رزین نے بتایا وہ ابو یحییٰ سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ایک ایسی آیت ہے کہ اس کا مضمون تفسیر طلب ہے لیکن لوگ دریافت نہیں کرتے۔ یہ دوجہ سے غالی نہیں۔ یا تو ان کو اس کا مطلب معلوم ہے۔ اس وجہ سے تفسار نہیں کرتے یا اس سے بے خبر ہیں۔ اس لئے انہیں اس کے پوچھنے کا خیال نہیں۔ لوگوں نے کہا آپ فرمائیں وہ کونسی آیت ہے ابن عباس نے کہا جب آیات "اَلَا تُكْفَرُ وَمَا كُنْتُمْ دُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصْبًا جَهَنَّمَ" لکھا

وَأَمَّا دُونَ هَـ تَمَّ اِدْرَجْنَ جَنِيذٍ كِي تَمَّ خَدَا كَسُو اِشْرَ كَرْتَهْ هُو (دوسب) دوزخ کا ابد من بنو گے۔
 اور تم سب کو دوزخ میں جانا ہو گا، نازل ہوئی۔ تو قریش (بہا اہل مکہ) پر یہ نہایت شاق لگا اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بھٹاکروں کو گالیاں دیتا ہے۔ ابن زبیری نے جب یہ چرچا سنا تو پوچھا کیا بات ہے۔ قریش بوسے برسے یہ بھٹاکر دل کو برا بھلا کہتا ہے۔ پوچھا کیا کہتا ہے کہنے لگے یہ کہتا ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصْبٌ جَهَنَّمُ اَنْتُمْ لَهَا وَاَنْتُمْ دُونَہِ ابن زبیری نے کہا محمد کو میرے پاس لاؤ۔ جب آپ تشریف لائے تو اُس نے پوچھا اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ حکم چاہتا ہے۔ ہمارے یہودیوں کے لئے ہے یا اللہ کے سوا چھتے یہودیوں کو شال ہے۔ آپ نے فرمایا سب کو شال ہے۔ ابن زبیری بولا اے محمد مجھے رب کعبہ کی قسم تم جھگڑے کی بات کہتے ہو۔ کیا تم اس کے قائل نہیں کہ ملائکہ اور عیسے اور عزیٰ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو۔ کہ قبیلہ بنی لُحی ملائکہ کو دوسری عیسے، کو اور یہودیوں کو پوجتے ہیں (تو اب تمہارے کہنے کے مطابق یہ سب آگ میں جھونکے جائینگے) اتنے پر اہل مکہ میں ایک شور و غوغا مچ گیا۔ تو اللہ عزوجل نے اُن کے جواب میں آیت اِنَّ الْاٰیٰتِ سَبَقَتْ لَكُمْ مِّنْ دُونِ الْحُسْنٰی اَذَلَّتْ عَنْهَا مَبْعَدُ وَاَنْ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسْبَہَا (بیشک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے اُن کی تقدیر میں) پہلے سے بھلائی لکھی جا چکی) ہے وہ دوزخ سے دور ہی) دور رکھے جائینگے اُس کی بھنگ بھی تو اُن کے کانوں میں نہیں پڑے گی) نازل فرمائی۔ اور نیز یہ آیت وَلَقَدْ اَضْرَبْنَا ابْنَ مَرْیَمَ مُثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْہٗ یَصِفُوْنَ (اور اسے پیغمبر) عیسیٰ کے بیٹے (سج) کی مثال بیان کی گئی تو بس تمہاری قوم کے لوگ اُس کو سن کر ایک دم سے کھل کھلا پرے) نازل ہوئی +

ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ صدیق سے شور و غوغا مچا ہے فور سے دیکھا جائے تو ابن زبیری کا یہ اعتراض آیت پر عمل نہیں ہوتا۔ اُس نے کم فنی سے یہ اعتراض پیش کیا۔ اللہ سبحانہ نے تو دَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فرمایا ہے نہ دَمَا تَعْبُدُوْنَ اور کلامہ ما غیر ذوی العقول پر لایا جاتا ہے پس ملائکہ عیسے، اور عزیٰ ہر سے سے اس میں داخل ہی نہیں۔ یہ آیت تو پتھر کے بتوں وغیرہ و قن چیزوں کے حق میں ہے جو عقل نہیں رکھتیں۔ اس کے علاوہ یہ سورت کے میں نازل ہوئی۔ اور اس میں بت پرستوں کو مخاطب بنا کر اللہ تعالیٰ نے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ فرمایا ہے لفظ اِنَّکم اور کلامہ ناکو لحاظ کرنے سے ابن زبیری کا سوال بالکل بیجا اور غلط ٹھہرتا ہے لیکن چونکہ وہ اہل زبان ہے۔ اور اس بات کو وہ بھی

سمجھتا ہے تو پھر اُس کے سوال کرنے کی کوئی اور وجہ ہے وہ یہ کہ اُس نے عظمت و سببِ عظمیٰ کا حکم کر لاکھ عیسیٰ ۲
 اور عیسیٰ کو اپنے مجبوروں (بتوں) پر قیاس کیا یعنی اگر وہ اسے خدا کے مجبور ہونا آگ میں جھونکا جانے کی عظمت
 اور سبب ہے تو یہ بلاشبہ عیسیٰ ۲ کے عزیز ترین ہو جو ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسا جو سبب بیان فرمایا جس
 سے بتوں اور لاکھ عیسیٰ ۲ کے عزیز ترین ہو وہ یہ ہے کہ درسیان نبی و ہدایت۔ یہ فرق تھا ہر ذرت تا ہے اور انکو بتوں پر قیاس کرنا
 صحیح غلطی ہے (۱) یہ کہ لاکھ عیسیٰ ۲ اور عزیز ہو کہ لئے تا اللہ تعالیٰ کے مال پہنچے ستہ سزا دیتے لکھی گئی ہے
 اور وہ اہل سادات میں اہل ہیں انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے وہ دوزخ کے سزاوار ہوں۔ اور نیز
 وہ اپنے پرستش کرنے والوں کے اس فعل سے ناخوش اور ان سے عداوت رکھتے تھے اس لئے وہ انکے اس
 فعل سے معذرت نہیں ہو گئے۔ پس بتوں اور ان کو بلا برٹھیرا بیج اور بیاج اور ذبح کئے ہوئے ملال جانور
 اور مردار کے بچیاں قرار دینے سے زیادہ قریح اور بڑا ہے۔ اہل باطل کا یہی شیوہ ہے کہ جن چیزوں میں
 شریعت عقل اور فطرت نے فرق کیا ہے ان کو تو برا سمجھتے اور جن کو اللہ و رسول نے یکساں ٹھہرایا ہے
 ان میں فرق نکالتے ہیں۔ (۲) یہ کہ نسبتِ جمادات کی قسم سے ہیں۔ ان میں جس حرکت اور جان نہیں اور
 نہ وہ مکلف ہیں۔ سو ان کو اگر ان کی اور نیز ان کے پوسھنے والوں کی امانت کے لئے آگ میں ڈالا جائے
 تو یہ اپنی بات میں کوئی حق عذاب کو عذاب و پایا بخلاف لاکھ عیسیٰ ۲ اور عزیز کے وہ ذی روح اور خدا
 جانت ہیں۔ اگر ان کو آگ میں ڈالا جائے تو یہ انکی تقدیر میں و تکلیف دہ سالی ہے۔ (۳) یہ کہ لاکھ عیسیٰ ۲
 اور عزیز کے پوسھنے والے درحقیقت ان کے پرستار جہتہ کیونکہ ان بزرگواروں نے بھی ان کو
 اپنی پرستش کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ وہ مشرکینِ بڑے خود ان کو پوجتے تھے۔ وہ دراصل شیطان کے پوجاری
 تھے۔ وہ اپنے بڑے میں اُس کے پرستار تھے۔ جو خدا کے ساتھ جہد ویت کا دعوہ کر رہا تھا اور اُس کا
 تہذیب بنانا تھا۔ لاکھ عیسیٰ ۲ اور عزیز تو اس دعویٰ سے بری اور نیز افسوسہ البتہ شیاطین اُس کے مدعی
 تھے تو وہ شیاطین کے پرستار ہوئے نہ ان بزرگواروں کے دس کے علاوہ ان کا یہ بھی ہتھیال تھا کہ
 ہمارے مجبور ہمارے جمادات سے خوش ہو۔ تم ہیں یہ بزرگوار تو ان کے اس فعل سے از عذابناش
 تھے۔ اس شیطان ضرور ان سے خوش تھا تو وہی ان کا مجبور ہوا۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے فرمایا
 ہُوَ وَیَوْمَ یُنْفِیْہُمْ جَمِیْعًا اِنَّہٗ یَفْعَلُ لَیْسَ لَکُمْ اَہْلُوْا کَیْرًا اِنَّکُمْ کَآؤُا اِیْعٰبُودُتْ
 قَالُوْا اَسْتَحْیَا نَکَ اَنْتَ وَ لَیْسَ لَہٗ دُوْنِہٖ مَلٰکُتٌ اَلَمْ یَکُنْ اَنْ اَنْجُوْا اَلْکَثْرَہٗ مِنْہُمْ
 مِنْہُمْ دُوْنِہُمْ ۚ (اور لوگو اُس دن کو پیش نظر رکھو جب کہ خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا اور جمع
 کئے پیچھے رہنے والوں سے پوچھیں گا کیا آدم زاد تمہاری ہی پرستش کیا کرتے تھے۔ اور تم اس سے

رضاء نہ تھے وہ عرض کرینگے کہ رخصت یا انوپاک ہے ہم تو تجھ سے سوگوار ہے نہ ان سے ہماری نہیں،
 بلکہ یہ لوگ حقیقت میں شیاطین کی پرستش کیا کرتے۔ ہنسنے لگے ان کے بھائی۔ ان سے اس کے اور ان
 میں اکثر نہیں کے معتقد تھے) اور دوسری جگہ فرمایا ہے اللہ اعلم رب العزت انکم یلین ادم ان
 لا تعبدوا الا اللہ فلین اسے اولاد آدم کیا ہم نے تم پر ناکہ نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی پرستش
 نہ کرنا۔ اور مقام میں فرمایا ہے وَاَلْوَالِدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا حَتّٰی وَکَلَّ اَسْبَاحُکُمْ اَنْ یَّکُوْنَ بَلْ عِبَادٌ مُّشْرِکٌ
 لَا یَسْمَعُوْنَ دَعْوَیَ الْغَوَّیِّ وَهَؤُلَاءِ یَاْمُرُ بِیَعْلُوْنَ ۚ یُعَلِّمُهُ مَا یَکُنْ اَیْدِیْہُمْ وَ مَا خَفَیْہُمْ
 وَلَا یَسْخَرُوْنَ ۚ لَا یَلِیْکَ اِلٰہٌ اِلَّا اَنْتَ ۚ وَہُمْ مِنْ حَشِیْدَتِہٖ مُّشْرِکُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّعْلَمْ اِنِّیْ
 اِلٰہٌ مِّنْ دُونِہٖ فَذَنْ لِّکَ جَحِیْمٌ ۚ یَا جَہَنَّمَ کَذٰلِکَ یُحْیِی الطَّٰغِیُتُوْنَ ۚ (اور بعض کافر)
 کہتے ہیں کہ خدا ہے) رحمان نیکیاں لکھتا ہے اپنی فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں اُس کی ذات (بہت
 سے پاک ہے) فرشتے خدا کی بیٹیاں نہیں بلکہ اُس کے عزیز بندے ہیں۔ اُس کے آگے بڑھ کر
 بات نہیں کر سکتے۔ اور وہ اسی کے حکم پر کار بند رہتے ہیں۔ ان کا اگلا پچھلا (سب) حال اس کو معلوم ہے
 اور یہ فرشتے کسی کی سفارش نہ کر سکتے۔ مگر جن کے حق میں خدا اراد کی سفارش پسند فرمائے
 اور وہ اُس کے جلال سے ہر وقت فرقت رہتے ہیں اور بالفرض جو اُن میں سے یہ دعویٰ کرے
 کہ خدا نہیں بلکہ میں ہوں تو یہ فرشتہ مردود بارگاہ ہے) اُس کو ہم جہنم کی سزا دینگے اور ہم کثیر
 کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ان آیات سے ثابت ہوا کہ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں وہ شیطان
 شیطان کو پوجتے ہیں +

ابن زہری کے شبہ کے جواب میں جعفر وجہ ہم نے ذکر کئے ہیں یہ سب اِنَّ الدِّیْنََ
 سَبَقَتْ قَبْلُہُمْ فِیْہِ اَلْحُسْنٰی الٰہیہ سے مستفاد ہوتے ہیں اگر خدا توفیق سے تو آیت کے الفاظ
 میں خود کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہاں حُسنی سے وہی حُسنی مراد ہے جو اہل حیات کے لئے اُن
 کی سیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعہ ہو چکی ہے +

عبدالرحمن بن ابی ہاشم نے کہا ہے ہم سے ابو سعید بن جبیر نے بیان کیا ہم سے ابو ہریرہ
 نے کہا ہم سے عروہ بن ثابت انصاری نے کہا ہم سے ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف
 روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف ایسے صحت بیمار ہوئے کہ غشی آگئی جب ہوش آئی تو پوچھا
 کیا مجھے غشی آگئی تھی۔ لوگوں نے جواب دیا ہاں۔ عبدالرحمن نے کہا اس غشی کی حالت میں کیا دیکھتا ہوں
 کہ وہ سخت مزاج آدمی میرے پاس آئے "میرا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں چلو عذیر بن امین کے پاس ہمارا مقدمہ

پیش کرتے ہیں اور مجھے ساتھ لیکر روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک آدمی ملا اس نے پوچھا اسے کہاں لے جاتے ہو۔ انہوں نے کہا عذرا میں اس کا مقدر پیش کرتے ہیں۔ اس نے کہا اسے چھوڑ دو یہ ان لوگوں میں سے ہے جن سے تمہیں شکم اور میں سعادت مقدر ہو چکی ہے۔

عبداللہ بن محمد بنوی نے کہا ہم سے داؤد بن رشید نے بیان کیا ہم سے ابن علیہ نے کہا مجھ سے محمد بن محمد قرشی نے دو ہار بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ سعد کہیں اپنے کھیت میں گئے ہوئے تھے وہاں سے واپس آئے۔ تو لوگوں کو دیکھا کہ ایک آدمی کے پاس بیٹھے ہیں۔ آگے ہو کر دیکھا۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ وہ حضرت طلحہ بن زبیرؓ اور حضرت علیؓ کو گالیاں دے رہا ہے۔ عبدالرحمنؓ نے اسے منع کیا وہ اور زیادہ بکنے لگا۔ تو عبدالرحمنؓ نے کمر بستہ ہو کر اسے روکا۔ تو ایسے لوگوں کو گالیاں دینا ہے جو تجھ سے کہیں بہتر نہ ہوں۔ تم اس ناشائستہ حرکت سے باز آؤ ورنہ میں تجھ پر بدعہا کرتا ہوں۔ وہ بولا کیا تم بنی ہو جو مجھے یہ دھکی سنا تے ہو۔ خیر اس کے بعد سجدہ گھر میں آئے۔ اور وضو کر کے مسجد میں گئے اور یہ کلمات کہے۔ اے اللہ اگر اس نے ایسے لوگوں کو برا کہا ہے جن کے حق میں میری طرف سے سعادت مقدر ہو چکی ہے اور اس کی بدگوئی تیری ناراضگی کا باعث ہے۔ تو آج مجھے وہ ناشافی دکھلا جس کو سب سلطان دیکھ لیں۔ اور کہا کہ فلاں مکان سے ایک سختی اونٹ نکلے جسے راستے میں کوئی چیز نہ ہٹا سکے اور سیدھا اس پر آئے جس سے لوگوں کا مجمع متفرق ہو اور وہ اسے اپنے پاؤں کے نیچے کچل ڈالے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ سعد کے پیچھے پیچھے جاتے ہوئے یہ کہتے تھے۔ کہ اے ابواسحاق اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَجَاهِدْ وَاِیْنِ اللّٰهُ حَقَّ جِهَادٍ ۝ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مَلِكًا اَرْسَلْنَاکُمْ اٰیٰتِہِمْ هُوَ سَمَّاکُمْ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا۔ (اور اللہ کی راہ میں) کوشش کرو جیسا کہ اس کی راہ میں کوشش کرنے کا حق ہے اسی نے تم کو دُنیا کے لوگوں میں سے) انتخاب فرمایا اور دین (کے بارے میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی) تمہارے لئے (ہی) دین (تجویز کیا جو) تمہارے باپ ابراہیم کا تھا (اسی خدا نے راہگاہ بنائیں) میں سے تمہارا نام مسلمان رکھا یعنی فراں بردار بندے) اور اس قرآن میں بھی +

یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور نیز قرآن مجید سے پہلے تمہارا نام مسلمان مقرر فرمایا ہے معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ نے مسلمانوں کے اسلام لانے بلکہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے ان کا نام مسلمان ہی رکھا ہے۔ دوسرے مقام میں وَلَقَدْ بَعَثْنَا لِمُوسٰی اٰیٰتِہٖمۡ ۚ وَاسْمٰکُمْ الْمُسْلِمِیْنَ ۚ وَاللّٰهُمَّ الْمُتَصَوِّرُوْنَ ۝ ۵۰

اِنَّكَ جُنْدٌ نَّالَهُمُ الْعَالِيُوْنَ ۝ (اور اپنے رخاص) بندوں (یعنی) پیغمبروں کے حق میں ہمارا پہلے
 دہی) ارشاد ہو چکا ہے کہ (ہمارے ہاں سے) بیشک کائنات ہی کو مدد ہونی ہے اور بیشک ہمارا لشکر (ہمارا)
 ضرور غالب آکر رہیگا۔ اور آیت وَتَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا اَنَّ لَهُمْ قَدْ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ
 (اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے پروردگار کی بارگاہ میں انکی بڑی پاکگاہ ہے) کی تفسیر
 میں بروایت دالہی ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان کے لئے لوح محفوظ میں سعادت مقرر
 ہو چکی ہے اور یہ اس شخص کے قول کے مخالف نہیں ہے جو کہتا ہے کہ قدم صدق سے وہ اعمال صالحہ
 مراد ہیں جو دنیا میں کمائے ہیں اور نہ اس کے خلاف ہے جو قدم صدق سے جناب رسول کریم
 علیہ اللہ کی ذات بابرکات مراد لیتا ہے۔ یہ سب صحیح ہیں اور مطلب ایک ہے کہ اس کے لئے لوح محفوظ
 میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لاکر اعمال صالحہ کرینگے ہی ان
 کی سعادت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشتر ان کے حق میں مقدر ہو چکی ہے۔ اور آنحضرت کے وجود
 سے وہ ظہور میں آئی۔ اور قیامت میں اس کا ثمرہ مرتب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کُوَلَّا كُنَّا بَقِيَّتِ الْوَعْدِ سَبَقَ لَسْتُ كَذِبًا فِيمَا آخَذَ نَعْدًا اَبْكُ عَظِيمًا
 (اگر خدا کے ہاں) سے (تمہارے) اس تصور کی معافی کا حکم تحریری پہلے سے (نافذ) نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ
 تم نے (بدر کے قیدیوں سے) ان کے چھوڑ دینے کے بدلے میں لیا ہے اس (تصور کی سزا میں) ضرور تم پر
 بڑا ہی عذاب نازل ہوتا۔

کتاب سابق میں سلف صالحین کا اختلاف ہے جب مؤرخین سلف اور خلف کا یہ قول ہے کہ
 یہ آیت اہل بدر کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے سے لوح محفوظ میں یہ
 حکم نہ ہوتا کہ مال غنیمت تمہارے لئے حلال ہے تو قیدیان بدر کا فدیہ لینے میں تم پر ضرور عذاب آتا۔
 بعض نے کہا ہے یہ مطلب ہے کہ اگر پیشتر سے یہ حکم نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب
 نہیں کرتا۔ تو ضرور تم پر عذاب نازل ہوتا۔

بعض کا یہ قول ہے کہ اگر پہلے سے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہ ہوتا کہ اہل بدر مغفور ہیں گو ان سے کوئی
 قصہ بھی ہو جائے۔ تو قیدیان بدر کا فدیہ لینے پر ان کو عذاب میں گرفتار کرتا۔ بعض کا یہ قول ہے اور
 یہ سب ٹھیک ہے۔ کہ یہ جملہ امور اگر پہلے سے مقدر نہ ہوتے تو جو کچھ تم نے قیدیان بدر
 سے لیا ہے۔ اس کی سزا میں ضرور تم پر عذاب نازل ہوتا۔ واللہ اعلم۔

یہ بیان اہل بیت کے حق میں نازل ہوئی ہے جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔

نواں باب

اللہ تعالیٰ کے قول **يَا كَلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ** ہم نے تمام چیزوں کو ایک انداز سے پیدا کیا ہے۔

کی تفسیر یہ ہے سفیان نے بروایت زیاد بن سمیل مخزومی کہا ہے کہ ہم سے محمد بن عباد بن جعفر نے کہا ہم سے ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ کلام مشرکین قریش تقدیر کے مسئلہ میں رسول خدا ﷺ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لئے آئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی **إِنَّا الْمُحْزِنِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ يَوْمَ يُسْهَوْنَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ** اِنَّا غمزدہ و سحر میں مبتلا ہیں (بیشک گناہگار لوگ، گمراہی میں (پڑے) ہیں اور (آخر کار) جہنم میں (جائیں گے) جس دن انکو اُنکے منہ کے بل (دوزخ کی آگ) میں کھینچا جائیگا اور ان سے کہا جائیگا کہ اب (تو بدلتی ہو) دوزخ کی آگ کے لگنے کا مزہ چکھو) اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے +

دارقطنی نے حبیب بن عمر و انصاری کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ جسے وہ اپنے باپ سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکار دیا جائے کہ کیا کلام اللہ سے عصمت کرنیوالے یعنی فرقہ قدریہ آج کہاں ہیں لیکن دارقطنی نے کہا ہے کہ حبیب راوی حدیث کا حال معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا شخص ہے۔ اور حدیث کی سند میں بھی اختلاف ہے اور اس کی کوئی تصحیح سند نہیں +

تقدیر میں عصمت کرنیوالے دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کی وجہ سے اس کے امر و نہی کو بیکار ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ مشرکین کہتے تھے۔ **كُونَا لَآ إِلَهَ إِلَّا مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاءُ وَلَا أَوْلَادُ** اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ (دادا) ایسا کرتے (دوسرے وہ جو قضا و قدر باقی کے منکر ہیں یہ دونوں گروہ تقدیر کے باپ میں حکم لانی۔ کہ مخالف ہیں +

عوف کا قول ہے جو تقدیر کا منکر ہے وہ اسلام کا منکر ہے۔ بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ نے تقدیر کو مقدر فرمایا ہے۔ پس ہمیشہ خلق تعین اعمار تقسیم ارزاق۔ آرام و تکلیف کا بانٹنا۔ اور امر و نہی پر سب کچھ تقدیر سے ہے۔ امام احمد بن حنبل کا مقلوبہ ہے۔ کہ تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی قدرت ثابت ہوئی ہے۔ ابن قتیل نے کہا ہے کہ امام احمد کا یہ قول نہایت ہی درست ہے۔ اور اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ امام مذکور اصول دین کے سمجھنے میں بڑا پیہر رکھتے اور اس میں لپیٹے متحرکتے اور بونفا کا بھی
ایسا ہی قول ہے کیونکہ تقدیر کا انکار حقیقت اس بات کا انکار ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے
اعمال پیدا کرنے۔ ان کے لکھنے اور قدر کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

مذہب میں فرقہ قدریہ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اعمال عباد کا علم نہیں سکھتے
صالحین بالاتفاق ان کو کافر کہتے تھے انشاء اللہ ہم اسے شکر مہربان کر سکیں گے۔

علی بن ابیطالب کی تفسیر میں اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (غلام سے تو اس کے
مہی بیشعور نہ تھے ہیں روح خدا کے آثار قدرت کا علم رکھتے ہیں) کے ذیل میں ابن عباس کا یہ قول
مذکور ہے کہ علماء وہ ہیں جو اِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) کے قائل

ہیں اس سے ابن عباس کے کمال علم۔ قرآن فہمی۔ اسما و صفات الہی کی معرفت کا پورا پورا علم
ہے۔ اکثر اہل کلام گو اس جملے کے مقرر ہیں لیکن اس کا پورا پورا مطلب ادا نہیں کرتے۔ ہنسنے نہ لگنے
تقدیر وہ تو پورے طور پر اس کا اقرار ہی نہیں کرتے۔ اور جو لوگ افعال رب قائم بالذات کے منکر

ہیں وہ بھی پورے طور پر اس کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ صاف کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو کسی
یہ کام پر قدرت نہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو۔ اور جو لوگ سب کچھ پورے طور پر مقرر نہیں کہ

اللہ سبحانہ ہر روز ایک نئے شان میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ اِنَّ اللَّهَ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) کے کلب قائل ہیں۔ اور نیز جو لوگ اس
بات کے قائل نہیں کہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے نیچے ہیں انہیں جس طرح

چاہے پھیرے اور اللہ سبحانہ حقیقۃً سقلب القلوب ہے۔ اگر وہ کسی دل کو سیدھا رکھنا چاہے
تو اسے سیدھا رکھتا ہے اور اگر بُرے ٹیڑھا رکھنا چاہے تو اُسے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ وہ بھی
اِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) کے قائل نہیں اور ایسے ہی

جو لوگ اس بات کے قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے بعد عرش پر مستوی
ہوا اور وہ ہوا آسمان پر نہ لٹک کر رہی مانتا ہو کوئی ایسا جو مجھ سے سوال کرے تو میں سوچا کہ کون کی ایسا ہو جو مجھ سے گناہوں

کی مافی چاہے تو میں اُسے بخش دوں۔ اور اس نے درجہ کے پاس آکر موسیٰ سے کلام کیا اور
قیامت سے پہلے جب زمین خالی ہو جائیگی تو وہ زمین پر نازل فرمایا گیا۔ اور قیامت کے دن
شریف لاکر بندوں کے معاملات کا فیصلہ کرے گا۔ اور ہنستا ہوا ان کے سامنے جلوہ فرما ہو گا۔
اور ان کو اپنی ذات پاک کے دیدار سے شرف فرمایا گیا۔ اور اپنا پاؤں جہنم پر رکھیگا جس سے

سوال باب

قضا و قدر کو ان مراتب پر نہیں سمجھیں جو شخص ان کو نہیں مانتا تو وہ دراصل قضا و قدر کا منکر ہے

نقصا و قسوت چہ مرتبہ ہیں۔ مرتبہ اول اللہ سبحانہ کے ملک یعنی تمام چیزیں اپنی اسی سے پہلے اے
معام ہیں۔ دوسرا مرتبہ کتابت کا یعنی ان کی اسی سے پہلے ان کو لکھنا۔ تیسرا مرتبہ مشیت و ارادہ کا یعنی
ایجاد کا ارادہ فرماتا۔ چوتھا حقیق و ایجاد کا یعنی ان کو پیدا کرنا۔

مرتبہ اول یعنی اندر سجدہ کا علم سابق سو اس پر آدم سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام اور تابعین وغیر وہ لوگ جو اُن کے پیرو ہیں سب اس بات پر متفق ہیں کہ تمام اشیاء اپنے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ اُن کے پیدا کرنے سے پہلے اُن سب کو اکھدیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ مِنْ خَلْقَةٍ قَالُوا أَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يَفْسِدُ وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَيَكْنُسُ سُبْحًا مَّحَمَّدٍ كَ وَتَقْدِرُ مِنْكَ قَالَ إِبْرٰٓهِيْمُ أَعِنَهُ مَا لَا تَحْكُمُونَ ۝ (اور اس کے بغیر لوگوں سے اُس وقت کا تذکرہ کرو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں (اپنا ایک) نائب بنانا چاہوں تو فرشتے بوسے تو کیا زمین میں ایسے شخص ہو نہ ناب، بنا تا ہے جو اُس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے اور (بناتا ہے تو ہم کو کیا کہ) ہم تیری حمد (وشادہ) کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں (خدا نے فرمایا میں)

(نہ صاحب اختیار ہوں جو تم نہیں جانتے) +

مجاہدینہ کہا ہے کہ مذہب سائنس کا دھوم تھا کہ شیطان اس کی مافوقی کرینگا۔ اور اس کو ہسی ماسٹے
پیدا کیا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ایں خلیفہ کی نسل میں انبیاء۔ رسول۔ صلحاء اور ایسے لوگ پیدا

دن کے جو آخرت کو جنت میں پہنچے۔ بن مسعود کہتے ہیں بَعْدَهُ مَا لَا تَحْسِبُونَ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کی نسبت مجھے وہ علم ہے جو تم کو کمال نہیں۔ مجاہد کا یہ بھی قول ہے کہ لَئِنْ قَالُوا لَوْ سَأَلْنَا اللَّهَ عَمَّا فِي السَّمَاءِ وَفِي الْأَرْضِ لَعَلَّنَا نَكُونُ مِنَ الْخَائِبِينَ (میشک الشہیدی)۔ (میشک الشہیدی ہے جس کو قیامت کے دن سے) کا علم ہے اور وہی ایک وقت مترز جس کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہیئت بر ما تا اور (مروادہ) جو کچھ (ماؤں) کے پیٹ میں ہے (وہی) اُس کو بھی جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ خود کب لکھا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس زمین میں لکھا بیشک اللہ ہی (سب باتوں کا) جاننے والا (باخبر ہے)۔

مسند میں یقین بن حمار سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ رسول خدا کیا آپ کو کچھ غیب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے غیب کی پانچ چیزیں خاص اپنی ذات کے لئے رکھی ہیں۔ اُس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ اور آپ نے اپنے اپنے ہاتھ مبارک سے پانچ کا اشارہ فرمایا بیٹھنے پوچھا کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو تم میں سے ہر ایک کے مرنے کا وقت معلوم ہے اور تم اُسے نہیں جانتے۔ لفظ جب رحم میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کیا اُس کی تمام حالت معلوم ہوتی ہے اور تم میں اُس کی فتنہ خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم ہے کہ کب کل کیا ہوگا یا ہاں تک کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ توکل کیا کھا ٹیگا۔ اور تم میں معلوم نہیں۔ اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ بارش کس روز ہوگی یا کس بارش کے وقت جب تم بیکار رہتے ہو تو وہ اس سے پہلے کہ اُسے معلوم ہے کہ غنہ سیب بارش ہو چکی ہے۔ اور یہ لوگ ایسے ستیاری ہوئے ہیں۔ اس پر لفظ نے کہا کہ رب تعالیٰ جو ننداں ہے اُس سے ہمیں سب بھلائیوں کے ملنے کی امید ہے۔ آپ نے فرمایا نیز اللہ تعالیٰ کو قیامت کا وقت معلوم ہے +

حضرت علی کی وہ حدیث جس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے یعنی تم میں سے ہر ایک جی کی نسبت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اُس کا ٹھکانا بہشت میں ہوگا یا دوزخ میں پہلے گزر چکی ہے۔ بنار نے کہا ہے ہم سے محمد بن عمر بن مہاجر کوئی نے بیان کیا ہم سے عبید اللہ بن یساف نے کہا ہم سے فضیل بن مرزوق نے وہ حدیث سے وہ ابو سعید سے وہ پیمر بن زید سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ مجھے غالب ظن ہے۔ کہ حضرت نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب یہ تین آدمی اپنی وہ شخص جو کسی نبی کا نام پانے سے پہلے مر گیا۔ دیوانہ اور دوسال بچہ بارگاہ الہی میں پیش کئے جائیں گے۔ تو ان میں سے اول الذکر شخص یہ عذر پیش کریگا۔ کہ میرے پاس کوئی رسول اور کتاب نہیں تھی۔ دیوانہ کہے گا اے اللہ تو نے مجھے عقل نہیں دی تھی جس سے

میں نیکوئی کی تہذیب کرتا۔ اور کچھ عرض کر چکا اسے میرے رب مجھے عمل کرنے کا وقت نہیں ملا میں اُس سے پہلے ہی
ذبت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ کچھ نئے نئے آگے پیش کی جا سکیں اور حکم ہو گا کہ اس میں داخل ہو جاؤ۔ سو وہ
شخص جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ عمل کا موقع پاتا تو اہل سعادت سے جوتا۔ اُس آگ میں
داخل ہو جاتا۔ اور جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اس کو معلوم تھا کہ وہ عمل کا موقع پائے پرستی ہو گا وہ آگ میں داخل
ہونے سے انکار کر چکا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمایا کہ تم نے میرے ساتھ میری نافرمانی کی ہے نہ میرے برادر
کو غائبانہ طور پر تم کیسے مانتے ؟

صحیحین میں ابو ہریرہ سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے
فرمایا ہے کہ ہر ایک سچے فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر کافراں یا آپ اُس کو یہودی نصرانی یا مجوسی
بخلتے ہیں۔ کیا تم موشیوں کو نہیں دیکھتے کہ اگلے بچے صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں ان میں کوئی کانٹا
نہیں ہوتا۔ بلکہ خود ان کے کان کاٹتے ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ تمہارا جو چھوٹا بچہ مر جائے
اُس کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا بڑے ہو کر جو کچھ وہ کرتے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے ۔

ایک سرے مقام میں نہ آیا ہے اَفَرَأَيْتَ مِمَّنْ اخْتَذَ إِلَهًا هَٰؤُلَاءِ وَاصْلَهُ اللَّهُ
عَلَىٰ عِلْدٍ (اے پیغمبر بھلا تم نے اُس شخص کے حال پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش و نفسانی کو
اپنا معبود بنا رکھا ہے اور علم جتنے ساتے اللہ نے اُسے گمراہ کر دیا ہے) ابن عباس نے اُس کی
تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا کہ فلاں فلاں کام اس سے
ظہور میں آئینگے۔ نیز یہ کہا ہے کہ یہاں علم سے اللہ تعالیٰ کا علم سابق مراد ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ
پہلے سے جو کچھ لوح محفوظ میں ثبت ہو چکا ہے وہ مراد ہے ۔

سید بن جبیر اور قتال کا یہ قول ہے کہ اُس خاص شخص کی نسبت اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے۔ ہر ایک
نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا کہ وہ گمراہ ہو گا اور اگر مفسرین کا یہی قول
ہے۔ ثعلبی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کا خاتمہ معلوم تھا۔ یہ بھی کہا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ اس
سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا کہ وہ گمراہ ہو گا۔ بخاری نے بھی ایسا ہی
ذکر کیا ہے۔ ابو الفرج بن جوزی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ ہر ایک نہیں بائیکا۔ ایک
اور اگر وہ نے جن میں حمدوی بھی شامل ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں دو قول ذکر کئے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ
کو معلوم تھا کہ وہ مستحق ہدایت نہیں۔ دوم یہ کہ بت پرست کو یہ معلوم تھا کہ بت اُسے کچھ نفع و ضرر نہیں دے
سکتے۔ چوتھی صورت میں علی بن عبد قائل کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم تھا کہ وہ

اہل ہندو سے ہے اس لئے اسے گمراہ کیا۔ دوسری صورت میں مفعول کی صفت ہے یعنی کافر کو معلوم تھا کہ وہ غلطی پر ہے، پھر حسیب باز آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ ٹھہرایا میں کہتا ہوں پہلی صورت میں سبیل سے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس نے تیز کر کے سے قبل اور اس کے بعد اس کے نسبتاً قول کا علم تھا، اور یہ بھی علم تھا کہ کونسی چیز اس کے حال کے مناسب لائق اور کونسی چیز اس کے مناسب نہیں اور یہ کہ وہ اہل ہندو سے ہے ہدایت پانے کے قابل نہیں۔ اور اگر اسے ہدایت کرتا۔ تو ایک نااہل اور غیہ تحقیق کو مشرف ہدایت عطا ہوتا، چنانچہ باری تعالیٰ نے علو ہند اس لئے ہر ایک چیز کو اس کے مناسب مقام میں رکھا ہے اس قول کے مطابق آیت مذکور سے تفسیر اور اس حکمت کا بھی ثبوت ہوتا ہے جو جن کی وجہ سے اس نے حق میں اگر اسی مقدر ہوتی۔ صفت علم کا ذکر اس نے فرمایا ہے کہ اسی کے ذریعے تمام چیزوں کی حقیقتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اور ہر ایک چیز کو اس کے مناسب مقام میں رکھا۔ تحقیق چیز کو غیب عطا فرمایا اور غیر تحقیق کو محروم رکھنا سب کچھ بغیر علم نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کے ان حالات کا علم تھا تو اس کی گمراہی کے مناسب اور اس کے مقتضی مستعدی تھے اس لئے اسے گمراہ ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضمنوں کو قرآن مجید میں متعدد جگہ ذکر فرمایا ہے اور بتلادیا ہے کہ کافر کو اسی نے گمراہ کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے عَن يَزِيدِ اللَّهُ اَن يَهْدِيْهُ يَهْدِيْ سَخِرْ صَدْرُ رَبِّهِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَزِدْ اَن يَضِلَّهُ يُضِلُّهُ صَدْرُ رَبِّهِ صِدْقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا كَيْفَ مَعْدُ فِي السَّمَاءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ الرَّجْسُ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اسے راہ راست دکھائے اس کے سامنے کو (قبول) اسلام کے لئے کھلے تیلے اور جس شخص کو چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کے سامنے کو تنگ (اور بچھا) ہو اگر دیتا ہے گویا اس کو آسمان میں چڑھنا پڑتا ہے جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر اسی طرح اللہ کی چھکار پڑتی ہے)۔

دوسرے مقام میں فرمایا ہے يُضِلُّ يَهْدِيْ كَثِيْرًا وَيَهْدِيْ يَهْدِيْ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ يَهْدِيْ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (ایسی ہی مثال سے خدا یہ بتیوں کو گمراہ کرتا۔ اور ایسی ہی مثال سے بتیوں کو ہدایت دیتا ہے لیکن اس سے گمراہ کرتا بھی ہے تو، بدکاروں ہی کو جو کلمے بچھے خدا کا عہد توڑ دیتے اور جن (تعلقات) کے جوڑے رکھنے کو خدا نے فرمایا ان کو قطع کرتے اور ملک میں فساد پھیلانے میں ایسی لوگ (آخر کار نقصان اٹھانے لگے)۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ بے انصاف

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ مِثْنَ الْمِثْرَةِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (مسلمانوں کو جب یہاں
پر رسول (محمد) تم کو ایسے دین کی طرف بلاتے ہیں جو تم میں نئی روح پھونکتا ہے۔ تو تم اللہ اور رسول کا حکم
پر گوش دل بنو اور) مانو اور جانے رہو کہ اللہ (کو ایسی قدرت ہے کہ وہ آدمی اور اس کے دل کے
امور میں) اُسے آجاتا ہے اور ایسی ہی جانے رہو کہ (آخر کار) تم سب اُسی کے حضور میں حاضر
ہو جاؤ گے) یعنی اگر تم خدا اور رسول کے احکام پر نہ چلو گے تو یہ (ایسی ہی کہ تمہارے دل تمہارے اختیار سے
باہر ہو جائینگے اور اللہ و رسول کی اطاعت نہ کر سکو گے) اور آیت وَلَقَدْ أَنذَرْنَا الْغُلَامَ مِن
قَبْلِكَ لَمَّا فَطَمْنَاهُ ثُمَّ مَرَّرْنَاهُ بِالْأَيْمَانِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمَوْلُودِ الَّذِينَ أَعْزَمْنَا بِكُم
الْفَوْقَ الْمُجْرِمِينَ (اور لوگو! تم سے پہلے ہی امتیں ہو گزری ہیں کہ جب انہوں نے شرارت پر
کمر باندھی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اور ان کے دل ان کے پاس کھلے ہوئے معجزے بھی ایک
آئے اور اس پر بھی) ان کو ایمان لانا نصیب نہ ہوا۔ گناہگار لوگوں کو ہم اسی طرح مزا دیا کرتے
ہیں) کا ضمون اگر یہ بعینہ یہ نہیں ہے تبین اسی کے نام جگہ ہے۔

[illegible]

تو ابواسحق کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُن لوگوں کا حاکم بتلایا ہے جو کہ ایمان لائے بغیر نہ ہوتے جیسا نوح علیہ السلام سے فرمایا اِنَّهُ لَنَافِكُوْمٍ مِّنْ قَوْمِكُمْ لَا اٰمَنُوْا قُلُوْبُكُمْ (تمہارے قوم میں جو لوگ ایمان لاچکے ہیں اُن کے سوا اب بہ گمراہ کوئی ایمان نہیں لائیگا۔ اور اس نے اس مطلب پر کَذٰلِكَ يٰطٰیغُ اللّٰهُ مَتَعْنٰی قُلُوْبُ الْكَافِرِيْنَ (کافروں کے دلوں پر خدا اسی طرح مہر لگا دیتا ہے) سے استدلال کیا اور کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تھی +

دوم ابن عباس کا یہ قول ہے کہ یہ کفار رسولوں کے بھیجنے کے وقت ایمان لانے والے تھے
اس کا سبب یہ ہے کہ جب ان کو آدم کی نپشت سے نکال کر ٹن سے غمہ دیا۔ تو انہوں نے دل سے
نہیں مانا تھا گو زبان سے اقرار کیا لیکن دل میں انکار رکھا تھا +

تیسرا قول مجاہد کا ہے کہ اگر اُن کو ہلاک کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیتے تو بھی ایمان لانے کے نہ تھے کیونکہ ہلاکت سے پہلے یہ تکذیب کر چکے ہیں۔ میں کہتا ہوں وَلَوْ سُرُّدًا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ (اور اگر (دنیا میں) واپس کھینچ دیتے جائیں تو جو چیزیں انکو منع کیا گیا۔ ہے اُس کو پھر دوبارہ کریں اور کریں، ابھی اس کے موافق ہے)۔

ایک جماعت کا یہ قول سب کہ جب رسول اُنکے پاس وہ حجرہ سے دن ثابت لائے۔ جو انہوں نے طلب کئے تھے۔ تو وہ اس سبب کہ اُن نے دیکھنے سے پہلے انبیاء کی تکذیب کر چکے تھے۔ اُن کے مشاہدہ و معائنہ کے بعد بھی ایمان نہ لائے۔ تکذیب سابق جو حق چھپاتے تھے بعد اُن سے وقوع میں آئی تھی ایمان لانے سے منع ہوئی۔ جو شخص حق نہ مانے اُس سے اعراض کرے تو اُس کی یہی سزا ہے کہ کچھ حق اُس کے دل میں جگہ نہیں پاتا۔ اُس کے اور حق کے ایمان ایک دہ منہ جانا اور وہ اس پھر جانا ہے اعداس کا نام اضلال عقوبت ہے یعنی سزا کے طور پر گمراہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کے ساتھ یہ کوئی ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے۔ رہا اضلال سابق جس کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کیا اور ہدایت سے دور رہا۔ یہ وہ اللہ تعالیٰ کے ظلم سابق پر مبنی ہے یعنی اُسے معلوم تھا کہ فلاں بندہ لائق ہدایت نہیں اور اُس کا دل اُس کی قابضیت نہیں رکھتا۔ غرض اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ فلاں بندہ ہدایت اور توفیق عنایت کرنے کے قابل ہے اور فلاں نہیں جیسے اس بات کو خوب جانتا ہے کہ فلاں شخص امانت رسالت عطا کرنے کے لائق اور اس کا اہل ہے۔ سو جیسے ہر شخص بار رسالت اٹھانے اور اس امانت کو کماحقہ ادا کرنے کے لائق نہیں ہے ایسے ہی ہر شخص تصدیق و قبولیت رسالت اور اس پر ایمان لانے کا اہل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَكَذَّبُوا إِلَٰهَ كَدُّهُمْ بَعْضٌ لِّبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ (اور اسی طرح اختلاف حالت سے ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا تھا کہ مقدور واسع غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں کہ کیا یہی (ذلیل) لوگ ہیں۔ جن پر اللہ نے ہم میں سے اہلام کی توفیق دے کر اپنا فضل کیا ہے (ان کو اتنا تو سمجھنا چاہئے تھا کہ کیا اللہ شکر گزار بندوں کے حال سے بخوبی واقف نہیں) یعنی ہم نے بعض کو بعض کے ذریعے آزمایا سورۃ ساء اور سرداروں کو کمزور لوگوں اور تاجداروں کے ذریعے اس طرح جانچا کہ جب کوئی بڑا آدمی اور سردار کمزور اور تاجدار کو دیکھتا تو اس پر ناک چڑھتا کہ یہ کیسے مسلمان ہوا اور اہلام اگر کوئی عمدہ نعمت ہوتی تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اسے ملتی اور ہم محروم رہتے ہیں اسی گھمنڈ میں وہ نعمت

[illegible]

سَبَّحُ لِلَّهِ الْمَلَأَیْنِ عَظِیْمِ (کہ ان دو بستیوں یعنی مکے اور طائف) اسے کسی شے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ نازل کیا گیا، ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بتلادیا کہ انبیاء بندوں کی تجویز و پسندیدگی کے موافق مبعوث نہیں ہوتے اور نہ بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ کا دنا الہی میں اپنی پسندیدگی تجویز سے مداخلت کریں بلکہ وہی ہے جو چاہے پیکرے اور جسے چاہے بجزیدہ فرمائے جیسا یہ اگر نے اس کا کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح نبی و رسول بھی جہنم میں ان کا کوئی اختیار نہیں وہ جسے چاہے ہی بنائے۔

بس نے کلمہ ماکر کجی ذکر کا مفعول قرار دیا ہے اس نے مطلق کی ہے اگر ایسا ہو تو لفظ اخیرہ بنا برسر کان منصوب ہو مالا نہ کسی نے اس کو منصوب نہیں پڑھا یا بتقدیر لفظ اخیرہ اسم کان قرار یا جائے بجا قواعد کجی درست نہیں۔ اور تیز جس نے یہاں اختیار معنی ارادہ لیا ہے جیسے متکلمین کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ فاعل بالاختیار ہے۔ اس نے جی ایت کے معنی نہیں سمجھے۔ متکلمین نے یہ مصلح کہ اختیار یعنی ارادہ ہے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے کلام الہی میں یہ معنی مراد نہیں لینے چاہئے بلکہ قرآن مجید میں لفظ اختیار کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی ایک چیز کو پسند اور برگزیدہ کرنا۔ اور اس میں اس چیز کی دوسری چیزوں پر ترجیح۔ تقدیم اور اس کی تعلیم ضروری ہو۔ اختیار کے معنی مطلق ارادہ و مشیت سے خاص ہیں۔

صاحب صحاح نے کہا ہے لفظ اخیرہ مصدر ہے محال ہے میں بولتے ہیں خَارَ اللَّهُ نَكَ فِي هَذَا الْاَمْرِ (مذقے تھے اس کام میں خیر و برکت دے) اور یوں بھی کہتے ہیں حَسَبْتُ خَلْقَكَ اللَّهُ مِنْ خَلْقِهِ وَخَلَقَكَ اللَّهُ (لغوی یا سکون ہر دو یعنی محمد صلعم تمام مخلوق سے اللہ کے برگزیدہ ہیں۔ لفظ اختیار و تجزیہ دونوں کا معنی برگزیدہ کرنا اور استخارہ کا معنی طلب خیر کرنا ہے۔ محال ہے میں کہتے ہیں۔ اَسْتَجِیْیَ اللَّهُ یَحْیٰ نَكَ (اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کرو مجھے خیر عطا فرما) اور خیر تہ البین الشیئین کا معنی ہے میں نے اُسے دو چیزوں کے درمیان اختیار دے دیا۔ اہی لغت میں اختیار کے یہی معنی ہیں جو صاحب صحاح نے بیان کئے ہیں۔ اور یہ معنی ال کلام کی اصطلاحی سے معنی خاص ہیں۔ اور یہی معنی اللہ تعالیٰ کے قول وَ مَا کَانَ یُؤْمِنُ وَ کَا مُوْمِنًا اِذَا تَضَعِیَ اللّٰهُ وَرَسُوْلَهٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗمُ الْخِیْرَةُ مِنْ اَمْرِ هٖ (اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو شایان نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول (اُنکے پاس سے) کرنی بات تجزیہ ہیں اور اپنی رائے کو دخل دیں اور اُس بات میں ان کا (انجام) اختیار رہتی) رہے میں مراد

ہیں۔ اور اختصاراً مونسِ سبِّعیین رَجُلًا لَمْ يَقَاتِبْنَا (اور مونس نے ہمارے وعدے کو دہرا کر لائے) کہ میرے پیغمبر میں سے ستر آدمی منتخب کئے، میں بھی مراد ہیں۔

اختیار کا یہ معنی ارادہ کرنے سے قدر یہ کہ اس سوال کا جواب ہو سکتا ہے۔ جو وہ کفر اور معاصی کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ یعنی وہ یوں کہتے ہیں کہ کفر اور معاصی اللہ کے اختیار سے باہر ہیں یا نہیں اگر اختیار سے ہیں تو قاعدہ ہے جو چیز اختیار سے ہو وہ محبوب و پسندیدہ ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کفر اور معاصی بھی خدا تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور اس کے اختیار سے نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کو ان میں کوئی دخل نہ رہا (اور قطاع تقدیر و ہم برہم ہو گیا) اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بلا ذکر اختیار سے کیا مراد لیتے ہیں اختیار سے علم غیبی نہ مشیت اور ہم سے

کلیہ کی اصطلاح اختیار سے خاص معنی مراد ہیں جیسے کہ قرآن مجید حدیث اور کلام عرب میں واقع ہے۔ اگر پہلا معنی مراد ہے تو ہم کہیں گے کہ کفر و معاصی اس اعتبار سے اللہ کے اختیار سے ہیں۔ لیکن لفظ اختیار کا اطلاق اس حال درست نہیں کیونکہ اس میں برگزیدگی اور محبت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہا جائیگا کہ اس کی مشیت و قدرت سے ہیں۔ اور اس سے نہیں لازم آتا۔ کہ اس کے محبوب و مرضی ہوں۔ اور اگر اختیار کا دوسرا معنی مراد ہے جو قرآن اور لغت عرب کے مطابق ہے تو ہم کہیں گے کہ کفر و معاصی اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے اختیار سے نہیں گو وہ کی مشیت سے ہیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ یوں کہنا بھی درست ہے یا نہیں کہ کفر و معاصی اللہ کے ارادہ سے ہیں۔ تو ہم یہ جواب دیں گے۔ کہ قرآن مجید میں ارادہ کے دو معنی ہیں ایک ارادہ کوئی جو تمام مخلوقات کو شامل ہے جیسے قَتَلَ لَمَّا يُرِيدُ (جو چاہتا ہے کہ گزرتا ہے) اور وَ اِذَا ارَادْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَوْمًا (اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے) اور اِنْ هَكَذَا اللهُ يُرِيدُ اَنْ يَغْيُوَكُمْ (اگر اللہ تم کو بہکانا چاہے) وغیرہ جو اسی قسم کے مواقع میں آیا ہے۔ دوسرا ارادہ قسمی۔ امری اور پسندیدہ ہے یہ ارادہ خلق ہو اس کا وقوع ضروری نہیں ہے جیسے يُرِيدُ اللهُ بِكُمْ الْاِيمَانَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے) اور مَا اللهُ بِرِيدُ اَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ (اللہ ارادہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر کی نظر رکھے)۔ میں ہے پس اگر ارادہ کا پہلا معنی لیا جائے تو کفر و معاصی اس کے ارادہ سے ہیں اور اگر دوسرا معنی مقصود ہو تو اس کے ارادہ سے نہیں آتے ہی اگر کوئی پوچھے کہ کفر و معاصی اللہ کے ارادہ سے ہیں یا نہیں۔ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ ان دو قسم ہے ایک ان کوئی جیسے وَمَا هُمْ بِضَارِينَ يَهْمِنُ اَحَدٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ۔

علم و حکمت پرستی۔ ہے اسی طرح اُس کے اواخر و احکام بھی علم و حکمت پرستی ہیں اُن میں بڑی بڑی مصیبتیں اور
انجام تک پہنچنے میں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کَتَبَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ وَهُوَ كَرُوهٌ لَّكَ لَمْ تَكُنْ تَكْرَهُ
هُوَ شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ وَعَسَىٰ أَن تَحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُونَ (سلسلہ نوتم پر ہمارا فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گذر گیا اور عجیب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے
اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجیب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارا سب سے حق میں بُری ہو اور
اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) اللہ سبحانہ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ میں نے جو کچھ حکم دیا ہے۔
اُس میں بندوں کے لئے جہد و مصالح و منافع ہیں جو اس کے پسند کرنے اور صواب و فرائض کے مقتضی
ہوتے ہیں اُن کو اچھی طرح میں ہی جانتا ہوں۔ بنیے کبھی تو اُن منافع سے لاشعریٰ نے باعث اور کبھی
نصرت طبعی کی وجہ سے ہمارے احکام سے ناخوش ہوتے ہیں۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ کو تمام احکام سے وہ انجام خیر
معلوم ہیں جن کو بنیے نہیں جانتے۔ اور اسی طرح اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے برگزیدہ فرمائے۔
اُس کی حکمت بھی وہی جانتا ہے۔ بندے کیا جانیں۔ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اعلیٰ
اور تسلیم کی تاکید اور رضا بقضا کی ترغیب ہے۔ گو وہ طبع و نفوس پر گراں و شاق ہو۔ اسی طرح مدینہ
اتحاد میں اسی امر کی تاکید ہے جیسے آیا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِکَ وَ اَسْتَعِیْذُ بِکَ
مِنْ قُدْرَتِکَ وَ اَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ مَا لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ مَا لَا اَعْلَمُ
وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ لَعَلَّمْتَ اَنْتَ هَذَا الْاَمْرَ خَلَقْتَ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ
وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ قَاضِیَ اَمْرِیْ وَ کَیْسَ کُلِّ شَیْءٍ لِّیْ لَنْفَعَ بَارِکَ لِیْ فِیْہِ وَ اِنْ کُنْتَ کَعَلَّمْتَ شَیْءًا لِّیْ فِیْ
دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ قَاضِیَ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنْہُ وَ اصْرِفْہُ عَنْہُ وَ اَقْدِرْ لِیْ الْخَیْرَ حَیْثُ
لَقَدْ رَجَعْتَنِیْ ۙ یہ۔ ہر کچھ ضروری ہے کہ انسان ایسے کام جو دنیا و آخرت میں نافع ہوں۔ اُس وقت
بانت نہیں کر سکتا جب تک کہ اُنکے منافع و مصالح پر آگاہ اور اُنکے کرنے پر قادر اور خدا تم کی طرف سے
اُن کے کرنے کی توفیق نہ ہو اور ان تینوں چیزوں سے کوئی چیز بھی اس کے پسند اختیار میں نہیں ہے بلکہ
بیشب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بلکہ وہ اُن کے منافع کا علم نہ بخشنے تو انسان جاہل اور وہ قدرت
نہ ہے تو وہ عاجز ہے اور قدرت کے بعد اگر وہ توفیق عطا نہ فرمائے تو بھی وہ کام نہ ہو سکے اس لئے
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث اتحاد میں اعلیٰ درجے کی عبودیت ظاہر کرنے کی تعلیم فرمائی ہے یعنی
اُس آیت پاک سے طلب خیر کرنا جو تمام امور کے انجام سے آگاہ اُنکے پورے حالات اور اُنکے خیر و شر سے
واقف ہے۔ اور اُسی سے قدرت چاہتا کیونکہ وہ قدرت نہ ہے تو انسان عاجز ہے اور اُسی فضل

[illegible]

فصل حضرت سیدنا غصیب علیہ السلام کا یہ قول ہے: **يَا أَيُّهَا هَذَا تَرَوْهُ رُؤْيَا**
مِنْ قَبْلِ كُنْتُمْ جَعَلْتُمْ رَأْيِي حَقًّا وَكَذَرْتُمْ أَصْحَابِي إِذْ أَخْبَرْتَنِي مِنَ الْإِسْلَامِ وَغَاوَيْتُمْ كَيْدَ
الْبَرِّ مَا وَهَبْتُ بَعْدَ ذَلِكَ تَابِعِي السُّلْطَانِ بِأَمْرِي بَلَّغْتُمْ إِلَيْهِ رَأْيِي فَهَلْ لَيْسَ بِي شَأْنٌ إِنَّهُ
هَؤُلَاءِ لَيَكُونُ كَيْدُكُمْ زَانِيًا جَانِزًا وَرَجْعِي لَكُمْ يَنْجُو عَنْكُمْ فَوَيْلٌ لَكُمْ مِنْ كَيْدِ بَرٍّ هَيَّجَ بَرٌّ
 پروردگار نے (تج) اس دشمن کو بھیج کر دکھایا اور اس کے ہوا اس نے مجھ پر اور مجھ سے
 بڑے احسان کیا میں کہہ رہی تھی کہ تم نے اس کو بھڑکایا اور اس کو بھڑکایا اور اس کو بھڑکایا
 بھائیوں میں کشیدہ بنانے (ایک طرح کا اندھا دلوایا تھا اس کے بعد باہر سے تم سب کو رنج کے لالچ
 بیشک میرے پروردگار کو (جو کچھ) کرنا منظور ہوتا ہے وہ اس کی تدبیر خوب جانتا ہے کیونکہ وہ (میرا
 بات) سے واقف (اور) نگاہ رکھتا ہے اس کے دشمن ہوتا ہے۔ اس سے علیہ السلام نے یہاں کیا کہ
 اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے اس کو نہایت سرعت سے یہی تدبیر میں نہ کرنا ہے کہ آدمی
 اس کے اسرار کو نہیں چھپ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس لطیف سے یہ بات منہ مخفی ہوتی ہے کہ وہ وقایہ اور
 اور غنیمات کا نام دے ایسے پوشیدہ طریقوں سے نزول فرماتا ہے جو انسان کے علم سے باہر
 ہوتے ہیں۔ **فَعَدَّ تَأْلِيفَ رَأْيِي** سے ماخوذ ہے **جَعَلْتُمْ رَأْيِي حَقًّا** کے کلمہ **رَأْيِي** سے **رَأْيِي** سے
يَكُونُ كَيْدُكُمْ (دروہ چپکے سے لید ہوا ہے اور یہی کہ تمہاری خبر نہ ہو سکے۔ یہ تین دور سے یہ صنف کا
 امتحان و آزمائش ہے نہ ہی حق یعنی باپ سے بہ ابو ندویش میں ڈالنا اور نہ لاجی کی اور نہ حق میں خبر دست ہونا
 زلیخا کا اپنے نفس کی فائز بھانے کا ان سے ارادہ کرنا۔ اس کی عبارت ردائی نہ کرنے پر اس کا جوابی
 تمت لگانا۔ اور قید تانے میں بھجوانا یہ سب امور اگرچہ بظاہر صائب و تالیف تھے لیکن درحقیقت
 نعمتیں اور کامیابی کا پیش خیمہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں سعادت کا وسیع پھیلایا ہے لہذا
 نہ پنے بندوں کو جن کاموں کی کیا آوری کا نکر کرنا۔ اور تالیف و خلاصہ طبع امور سے آزما اور شہوات
 سے منع فرماتا ہے و سب اسی طرح بظاہر تالیف میں لیکن درحقیقت وہ نعمتیں۔ اور دین و دنیا کی سعادت
 کے ذریعہ ہیں بہشت کو تالیف اور جہنم کو شہوات سے ڈھانپ کر رکھا ہے۔
 زنجیرہ فیضی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ **فَرَأَى تَعَالَى رُبَّمَا** کے لئے جو کچھ بقدر فرماتا ہے سب
 میں اس کی بندی ہے مومن کو اگر نعمت ملے تو شکریہ بجالا دے۔ یہ اس کے حق میں خیر و برکت ہے اور
 اور اگر تکلیف پہنچے تو صبر کرے یہ بھی اس کے حق میں برتر ہے۔ یہ بات کہ نعمت و تکلیف دونوں
 بہتری حاصل ہو صرف شاکر و صابر ہی ہوتا ہے۔ غرض کہ جسے شکر و صبر نصیب ہو اس کے

حق میں جو کچھ مفقود ہو سب بہترینی بہتر ہے۔ آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور خضرؑ علیہم السلام جو واقعات و مویشائے آسمان ہیں۔ وہ بھی اسی طرح بظاہر تکالیف و مصائب سے لیاکن باطن میں وہ اعلیٰ درجہ کے نیک اور عبادت کامل ہونے کے راستے و ذرائع تھے۔ موتی ایسے تھیں جو نور کو کہ ان کو فروغ دے ہاتھ سے جبکہ روپنی اسرہیل کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا کس عظمت سے بچایا۔ انی ہاں کو بکھریا۔ ان کو دیریا میں ڈال دے پھر اسی دشمن کے ٹھہر میں بچایا جائے ہاتھ سے تباہ ہوا۔ اور اس کے مار داسنے کی غرض سے اور بچوں کو بھی ذبح کر دیتا تھا۔ اسی کے گھڑ پر بھر پرورش پائی اس کے بعد و صورت فراتی پس سے ان کو مصر سے نکال کر اُس مقام میں پہنچا جو فرعون کی حکومت و قلمرو سے باہر تھا۔ بعد تنہائی اور تنگدستی سے بعد نکاح اور دو مندی کے اسباب بنا دیئے۔ اس کے بعد اسی دشمن (فرعون) کے شہر میں پہنچا کر ان کے ذریعہ اُس پر اپنی محبت کو پورا کیا۔ فرعون کو اورنگی قوم کو مصر سے بظاہر ایسی صورت میں نکالا کہ فرعون کے در کے باسے جانتے جانتے تھے۔ سالانہ تحقیق یہ ان کی نصرت اور ان کی ہمتوں کے سامنے ان کے دشمنوں کی ہلاکت تھی۔ ان سب واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے ارادے کے مطابق جو کچھ کرنا ہے اُس میں وہ عجب حیدر و حکمتیں ظہور میں جت کے سمجھنے سے مخلوق کی عقلیں قاصر ہیں۔ اور اُس کے دشمن میں اُس کی رحمت تمام نعمت کامل اور اپنے بندوں کو اپنے اسما و صفات سے آگاہ کرنا بھی پایا جاتا ہے۔ آدمؑ کے اُس درخت کا جیل کھانے میں جس سے اُن کو نوح فرمایا تھا۔ اور اُن کے جنت سے نکلنے میں وہ کمال درجہ کی حکمتیں ہیں جن کی تفصیل کے سمجھنے سے عقل قاصر ہیں۔ اور ایسے ہی جنانہ سرور کائنات صلعمؑ کو جو مصائب پیش آئے وہ ان کے اعلیٰ مراتب حال کر بیکار باعث ٹھہرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے ان کو نہایت بہتر اور عمدہ انجام کو پہنچایا۔ اور اسی طرح دیگر اولیاء و زہدین کو اسی قسم کی تکالیف کے فیروز سے اپنی نعمت بخشا۔ اور ان مخفی طریقوں سے انہیں کمال انسانی و سعادت کو پہنچا تاہم جن کو وہ اُن کا انجام معلوم ہونے سے پہلے نہیں سمجھ سکتے۔ اس امر کی تفصیل تو دین میں آسکتی ہے اور نہ زبان کو اس کے بیان کی طاقت سے تمام مخلوق سے اس امر کو اچھا سمجھنے والے اس کے اذیاء و رول میں اور ان سب کے زیادہ عارف اس بات کے خاتم النبیین افضل الرسل حضرت محمد صلعمؑ پر اور آپ کی امت ان امور کے جاننے میں بغیر مرتبہ درجات پر پہنچے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اسما و صفات کی محنت میں انہیں حاصل ہیں۔ اور اللہ سبحانہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ان سب کو جانتا تھا۔ اس نے ان کو مفقود فرمایا اور اپنے پاس لے لیا۔ پھر زندہ کے پیدا کرنے سے

پہلے زمانہ کو حکم دیا ہے کہ وہ پہلی نوبت سے دیکھ کر ان کو وہ بار لکھیں جو پیشہ سے تمہارا علم اس پہلی اور
 دوسری نوبت کے مطابق ضروریں آتے ہیں ان میں نوبت خدائی سے ذرا بھر کر دیشی نہیں ہوتی کہ یہ تم
 اللہ تعالیٰ کو کہتے ہو۔ یہ وہ علم ہے جس پر علم کے مطابق اُن کو تحریر کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَللّٰہُ
 تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ یَخْلُقُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ اِنَّ ذٰلَکَ فِی کِتَابِ اِنَّ ذٰلَکَ عَلٰی ۱۱ لَہٗ یَبَیِّنُ (اس کے پیچھے)
 کیا نہیں جانتے کہ کچھ آسمان زمین میں ہے اللہ جس سے ہر بخوبی واقف ہے (اس میں کچھ شک نہیں
 کہ یہ سب باتیں کتاب الودیع محفوظ ہیں (لکھی ہوئی موجود) ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ یہ
 سب کچھ اللہ کے لئے آسان ہے اللہ تعالیٰ کو بندوں کے پیدا کرنے سے پہلے ان کے تمام حالات و
 اعمال کا بخام کا معلوم تھے پھر اُن کو دنیا میں پیدا فرمایا۔ اور مرونی وغیرہ سے اُن کو آزاد کرانے اپنے اُس علم کو
 جو ان کی نسبت حاصل تھا ظاہر فرمایا۔ سو اُن اعمال و افعال کی وجہ سے جو اُس کے علم سابق کے مطابق ظہور
 میں آئے طبع لک و لوح کے اور عاصی اور افران قوم و عقاب کے مستحق ٹھہرے۔ اگر وہ ان اعمال
 کو ظہور میں نہ لاتے تو صرف اس کے علم میں ہونے سے تو اب و عقاب کے مستحق نہ ہوتے۔ اسی لئے
 اللہ تعالیٰ نے اُن کا عذر ہٹانے اور اُن پر حجت قائم کرنے کے لئے اُن سے پس اپنے رسول بھیجے اُن
 پر کما بین نازل فرمائیں اور تمام احکام بتلاوئے تاکہ وہ یہ نہ کہیں کہ اے اللہ تو ہمیں اُن باتوں پر جو صرف
 تیرے علم میں تھیں اور ہمارے کسب و قدرت سے باہر تھیں کیسے عذاب کرتا ہے سو جب اُن کے اعمال و افعال
 سرزد ہوئے اور آخان و آزمائش میں اُن کا سب ٹال ٹھل گیا۔ تو اسحق نواب و عقاب بھیجے۔ اور جیسے
 کہ اُن کو مرونی سے آزمایا۔ اسی طرح زینب زینت و دنیا و شہوات نفس سے جو انکی فطرت پر لکھی گئی تھیں
 ان کا امتحان کیا عرض کر اپنے احکام و اولاد و قضا و قدر سے انکی جلیج فرمادی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے
 فرمایا ہے اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلٰی الْاَرَامِیْنَ زَیْنَةً لِّہَا ۱۲ مَوْھِبًا لِّہُمْ اَھَمَّ عَمَلًا (جو کہ رو سے)
 زمین پر ہے ہم نے اُس کو رو سے زمین کی رونق کا موجب بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائش کے
 ان میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرَامِیْنَ ۱۳
 سُبْحَ اِیَّامٍ وَ اَمَّا عَلٰی الْاَلَمِیْنَ الْاَلِیۃ (اور وہی قادر مطلق ہے جس نے آسمان و زمین
 کو چھ دن میں پیدا کیا اور اُس وقت اُس کا تخت و کبریائی اپنی پر تھا سو اُس نے دنیا کو اس غرض
 سے بنایا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کس کے عمل بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان
 فرمایا ہے کہ اُس نے آسمان و زمین کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ اپنے بندوں کو مرونی کے ذریعے آزمائے
 اور اسی سے دوسری مخلوق کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور اس سے پہلی آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اُس نے

۱۔ سید ابیہاد کے شان۔ ۲۔ سید پید کیا ہے۔ سوزندگانی تو اس لئے خانی ہستہ گمان کو
 دس۔ ۳۔ تہ تہ۔ ۴۔ زحمت اس سے معذرت فرمائی ہے کہ اگر آپ مالک شمس کے انجام میں تھابہ و عقاب ہو پیش
 پہنچیں یہ تیار ہے کہ اس نے دنیا کی تمام چیزیں و زینت بندوں کے جانتے تھے۔ ۵۔ ایہ پڑائی ہے
 کہ کون تمہیں کو خبر دے کر تمہیں بخشنے کو اختیار کرتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض کے ذریعہ ہوا سچا اور
 یمنوں اور مصائب میں لگن کا امتحان لیا۔ عرض اس آزمائش۔ ۶۔ وہ کلمہ باقی جب پہلے فرمایا۔ ۷۔ تمام امور
 ہدیہ ہو گیا۔ اور اللہ اور اللہ کے پیغمبروں پر کیا۔ ۸۔ ہم ایک کردار سے کہہ کر آنا دیا۔
 ۹۔ آدم سے امتحان۔ ۱۰۔ سہل۔ ۱۱۔ عاقلانہ۔ ۱۲۔ خدا۔ ۱۳۔ کلمہ دوم حقہ ظاہر ہے۔ کہتے۔ اور ایسے ہی
 ۱۴۔ اللہ کی آرزو۔ ۱۵۔ اس سے حالت معلوم و درجہ تھے۔ ۱۶۔ سہل۔ ۱۷۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا۔
 اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں ہر چیز میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اسی امرن الوا الیہ۔ ۱۸۔ ابوبکر
 کی اور دوسری قیامت تک آزمائش کا دستور جاری ہے۔ سو انبیاء کہ ان کی امتوں کے ذریعہ اور انہوں کو انبیاء
 کے وسیعہ آنا دیا۔

۱۔ پیش قدمی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے پتہ بندہ رسول خلیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ میں
 تمہیں دوسری بات سے پیشہ روزگاری کی آزمائش کروں گا۔ اور قرآن شریف میں فرمایا ہے وَ یُکَلِّمُکُمْ بِاللَّغَتِ
 الْاُخْرِیْ یَسْمَعُکُمْ وَ اَلْبَنَیْہُمْ لَیْسَ لَہُمْ رُکُوْا بِہُمْ تَمَّ لُوْزِیْ اَوْ یُحِلِّیْ حَالَتُوْنَ میں رہ کر کہ آزمائش میں اور آخر کار
 تم اسب کو بار فی طرقت لوٹ کر آنا ہے۔ اور مقام میں فرمایا ہے وَ یَعْلَمُکُمْ لَعْنُ فِیْہِ فِیْہِ۔
 (اور ہم نے تم میں ایک کو ایک کے لئے آزمائش کا ذریعہ قرار دیا ہے)۔

۲۔ صحیح حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے تین باتیں کر دی ہیں۔ ۱۔ نیچے اور اندر سے کوڑا مارنے کا ارادہ
 فرمایا سو اس آزمائش سے ان کے وہ حالات ظاہر ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو ان کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم
 تھے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے تو اللہ تعالیٰ کے تمام کا اقرار کیا اور کہا کہ میں پہلے اندھا ستار تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے
 فضل سے مجھے اکبیر اور بل دولت بخشا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کچھ
 اسے دیا۔ ۴۔ گنہگار اور کوڑا سے اپنی پہلی بد حالی اور خرابی کا اقرار کیا اور مال و دولت کی تہمت کھینچ
 لگے۔ ۵۔ بدہ ہمارے ہاں باپ دادا سے چلا آتا ہے۔ اکثر آدمیوں کا یہ حال ہے کہ پہلی حالت بھلائی
 نامدنی۔ ۶۔ نور کے ہونے کا اور بدین کہتے۔ اور یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی جرمی اللہ سے اپنے جس
 حالت میں کر دیا ہے۔ یہی ہے اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے بعد از خلقت پر آگاہ فرماتا۔ ۷۔ کہ اسے کبے
 کہہ رہا ہے چہرہ پانی کے قطرہ سے پیدا کیا ہے۔ اور اس کی پیدائش میں (ایک حالت سے دوسری حالت تک)

کے کرتے جلتے جو تم کو گرمی (سردی) سے بچائیں اور کچھ لوہے کے کرتے بنا بیسی زہر میں جو تم کو تمہاری
 ایک دوسرے کی زہر سے بچائیں یوں (خدا) اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اس نعمت سے آگے جھکنا
 اپنی نعمتوں کے بدلے اور فرح کا ذکر فرمایا اور ایک ایک نعمت کو شمار کر کے بتلایا ہے کہ یہ نعمتیں اس لئے
 انعام کی ہیں کہ جو ہر سے کم کو مانو اور تمہیں وہ نعمت انعام ملے جو سب نعمتوں کی جزا و بدلہ ہے اور اس سے
 تمہاری نعمتیں ہر جہہ کمال کو پہنچ جائیں۔ پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا جو اس سے گمراہ اور اس کی نعمتوں کے
 شاکر نہیں بے غرضت و تقیۃ اللہ لشکرتہ و نہاد یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو پہچانتے پھر (دیدہ و دانستہ)
 ان سے کرتے ہیں، مجاہد نے کہا ہے یا ماں نعمت سے رکانات۔ چوپائے شوخی۔ کپڑے اور زینیں
 مراد میں جن کو کفار و مشرکان بوجہ کرنا کار کرتے تھے اور کہتے تھے چیزیں تو ہمارے باپ دادا کے بنی آتی ہیں
 عون بن عبد اللہ کا قول ہے کہ انکار نعمت سے یہ مطلب ہے کہ کفار یوں کہا کرتے تھے اگر فلاں شخص نہ ہوتا۔ تو
 ایسا ایسا ہو جاتا۔ قرآن و ابن قتیبہ کہتے ہیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ نعمتیں تو بیشک اللہ کی طرف سے ہیں لیکن
 ہمارے موجودوں کی سفارش سے ملی ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ بیان نعمت سے حضرت محمد مصطفیٰ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا برکات مراد ہے اور اس کے انکار سے آپ کی نبوت سے انکار مراد ہے۔
 مجاہد و سردی سے ایسا ہی مراد ہے۔ نعمت کا پورا انکار اسی صورت میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اس
 نعمت کا انکار ہے جو سب پر مبنی اور لطف ہے۔ پہلے۔ دوسرے اور تیسرے معنی کے مطابق انکار
 نعمت اس طور پر ہوا کہ بے اسے خدا تعالیٰ کے سوا دوسرے کی طرف نسبت کیا۔ تو غیر اللہ کی طرف
 نسبت کرتے سے نعمت خدا کے منکر ہوئے جس نے یہ کہا کہ یہ ہمارے باپ دادا کی نعمتیں۔ ہم پشت
 بہ پشت ان سے وارث بنتے چلے آئے ہیں تو یہ نعمت خدا کا منکر ٹھہرا اور اس کا حال اس کوڑھی
 اور بھینچے کی طرح ہے جن کو فرشتے نے خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلایں۔ اور وہ انکے منکر ہو کر کہنے لگے
 یہ تو ہمارے باپ دادا سے بطور میراث چلی آتی ہیں۔ فرشتے نے کہا۔ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ
 تم کو پہلی حالت میں کرے سو ایسا ہی ہوا اگر کفار غور کرتے تو نعمتوں کا باپ دادا سے مورد قبیح چلے آنا
 اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ درجہ کا انعام ہے کہ پہلے ان کے باپ دادا کو بھی نعمتیں بخشیں۔ پھر ان کو بطور
 میراث عطا فرمائیں۔ سب نے ان سے پہلے فائدہ اٹھایا اور جو یہ کتا تھا کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا۔ تو ایسا
 ایسا ہو جاتا۔ اس کے کلام میں بھی اس ذات الہی کی طرف نعمت کو نسبت کرنا نہیں پایا جاتا۔ کہ اگر
 اس ذات پاک کی ہستی نہ ہوتی۔ تو نعمت کا نام و نشان نہ ہوتا۔ بلکہ اس نے نعمت کو اس کی طرف نسبت
 کیا۔ اپنے آپ کو کبھی دوسرے کو کچھ نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا جس کی طرف نعمت کو منسوب کیا

ہے وہ زیادہ سے زیادہ سبب کی جنہو میں اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے نعمت اُسے عطا فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ سبب کوئی نہ نقل موجود نہیں ہوتا۔ اور نیز کسی چیز کو کسی کا سبب بنانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے وہی نعمت۔ نہ بخشے والا اور وہی اُس کے اسباب ہم پہنچانے والا ہے۔ سبب اور سبب سبب کی نعمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی ایک شخص سبب کے ذریعے نعمت بخشتا اور کبھی بدلہ اُسکے عطا فرماتا ہے اور وہاں سبب کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور کبھی سرے سے سبب کی سببیت ہی دور کر دیتا، اور کبھی ایسی چیز پیدا کر دیتا ہے جو اُس کی سببیت کی متبادل و مقاوم ہوتی ہے۔ اور کبھی سبب کے خلاف مقصد کو اُس پر ترتیب فرماتا ہے۔ غرض حقیقت وہی ایک اللہ سبب نہیں عطا فرماتا ہے۔ جس نے یہ کہا کہ ہمیں یہ نعمتیں اپنے مہبودوں کی سفارش سے ملی ہیں۔ تو اُس کے قول میں شرک اور نعمت کو غیر نعمت کی طرف نسبت کرنا۔ دونوں باتیں باہمی جاتی ہیں۔ وہ موجود جن کی اللہ کے سایہ پرستش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کرنے کا مرتبہ نہیں رکھتے بلکہ وہ تو اُس کے ہاں نہایت ذلیل حقیر اور اپنے پوجاریوں سمیت ذلت اور عذاب میں گرفتار کئے جائینگے۔ اور تمام مخلوق میں سے اُس کا زیادہ مقرب اور پیارا اُس وقت سفارش کریگا جب وہ اجازت فرمائیگا پس سفارش جو اُس کی اجازت کے بعد ہے یہ بھی تو اُسی کی نعمت ہوئی۔ غرض شفاعت کی اجازت دینا اُسے مقبول فرمانا اور اس کا اہل بنانا یہ سبب اُسی کی نعمتیں ہیں۔ کیونکہ نہ تو ہر شخص شفاعت کا اہل ہے۔ اور نہ ہر کسی کو شفاعت کی اجازت ملے۔ اور نہ ہر ایک کی سفارش قبول ہو پس حقیقت اُس کے سوا اور کوئی نعمت نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
وَمَا يَكْفُرُ لَكُمْ نِعْمَتِي فَقَدْ أَتَىٰ اللَّهَ (اور جتنی نعمتیں تم کو حاصل ہیں (سب) خدا ہی کی طرف سے ہیں۔) سو بندہ دنیا و آخرت میں اُس کی نعمت فضل و احسان سے ایک لحظہ بھی غالی نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ جس کو وہ اپنی کوئی نعمت عطا فرمائے اور وہ کہے کہ یہ تو میری لیاقت و علمیت سے مجھے حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ دوسری آیت شریف میں آیا ہے
وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضَرٌّ دَعَا نَحْنُ إِذَا حُوِّلْنَا عَلَيْهِ مِمَّا قَالِ الْأَعْمَانُ أَوْتَيْنَاهُ عَلٰی عِلْمِهِ (تو انسان کی عادت ہے کہ اس کی جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکا جانتا ہے۔ پھر جب اُس کو ہم اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں۔ تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھ کو بس (میری) لیاقت کی وجہ سے ملی ہے۔) بغوی نے کہا ہے علی علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ تعالیٰ کو اس لیاقت کا علم تھا کہ میں اس نعمت کے لائق اور اس کا مستحق ہوں۔ تم قاتل کا قول ہے کہ اللہ کو میری خیر و خوبی کا علم تھا۔ ایک اور جماعت نے بھی بغوی کے موافق کہا ہے ان دونوں قوموں کا مطلب یہ ہے کہ وہ نعمت مجھے اس

لئے عطا ہو کر ہے اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ ہمارے لئے دنیا اور آخرت کی سب سے زیادہ نفع دہندہ چیز ہے کہ نعمت
مجھے اس لایقت و نیست نے جہد کی ہے۔ جو رزق کما فی اللہ فریق اس میں یہ بھی حاصل ہے۔ تمام وہ
وغیرہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے اس سلسلہ میں بیان کیا کہ یہ سب سے زیادہ نفع دہندہ چیز ہے۔ یہی وہ نعمت ہے جو عطا ہوئی
ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس میری عزت اور قدر کی سب سے زیادہ نفع دہندہ چیز ہے۔ (جو عقلی
سیلہ کی تفسیر میں ہے) کا یہی معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ترید کے لئے فرمایا۔ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ بَلْ كَلَّا
وہ نعمت آزمائش ہے یعنی فیتہ جو ہم نے اسے عطا کی ہے۔ یہ ایک فتنہ آزمائش اور فتنی طبیعت
ہے جس سے ہم اس کو پہچنتے اور اس کا امتحان کرتے ہیں۔ اس سے پہچانتے ہیں کہ وہ ہمارے عزیز
و پسندیدہ اور محبوب و مقرب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قانون کے تھیں فرمایا ہے اَللّٰهُ
يَعْلَمُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِكَ مَنِ اللّٰهُ ذُو الْقُوَّةِ الْعَظِيمِ اَللّٰهُ جَمْعًا
(قاروں نے) یہ خیال نہ کیا کہ اس سے پہلے خدا (زندہ) آسمانوں میں۔ کیا یہ ایسے لوگوں کو ہلاک
کر چکا ہے جو لوگوں چاکروں کا اس سے کہہ رہا ہے۔ بل بوتہ پر کہتے تھے اور ان کے پاس جمع رہو بھی
جی (اس سے) بہت زیادہ بھی (سو ان کو مال و دولت و قوت و جاہ کا وسطہ فرمائے اس شخص سے اللہ تعالیٰ
کی خوشنودی اور اس کی بزرگی قدر و علو مرتبہ پر دلالت کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہیں
قاروں سے زیادہ مال و دولت جتنا تھا کبھی ہلاک نہ کرنا لیکن یہ سب بار جو اس پر ہوا عطا و بے شمار
بخشش کے ہلاک کر دیا تو معلوم ہوا کہ یہ مال و دولت کا عطا کرنا ایمان و ایمان کے لئے تھا۔ نہ کہ
محبت و خوشنودی اور ان کی پسندیدگی کی وجہ سے۔ اسی واسطے دوسری آیت میں فرمایا ہے۔ بَلْ
هِيَ فِتْنَةٌ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَيْسَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوْا الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَلَٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
لیکن اکثر لوگ اس بات سے واقف نہیں (پھر اس مضمون کو اس قول (قَدْ قَالَهُمُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَمَا اَغْنٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ فَاَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوْا) (جو لوگ ان سے پہلے
ہو گئے ہیں وہ بھی ایسی باتیں) بجا کرتے تھے تو جو کچھ وہ کرتے رہے کچھ بھی ان کے کام نہ آیا۔ اور
ان کے اعمال (بد) کے برے نتیجے ان کو پہنچے (پر پہنچے) سو کہ فرمایا ہے نبی جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے
ہیں جب ہم نے ان کو اپنی نعمتیں بخشی تھیں۔ تو انہوں نے بھی یہی بات ہی تھی۔

ابن عباس کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مال دینا عطا فرمایا۔ تو وہ اس نعمت سے
نہایت خوشی میں اگر کُرش و متکبر ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ یہ اللہ کے ہاں سے ہماری عزت و بزرگی ہے
جَمْعًا اَغْنٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (تو جو کچھ وہ کرتے رہے کچھ بھی) ان کے کام نہ آیا) کا مطلب

یہ ہے کہ انہوں نے خیال کیا تھا کہ ہمارے ہاں سے نعمتیں نکو بطور عزت ملی ہیں لیکن یہ قیمت ایسا نہ تھا
 کیونکہ وہ مذاہب میں مبتلا ہوئے۔ اور انکی کسائی ذرا بھر کام نہ آئی۔ اور یہ ازل کھل گیا کہ نعمتیں اسلئے مطلقاً نہ
 ہوئی تھیں کہ وہ ہمارے ہاں عزیز تھے اور جن کو ان سے محروم رکھا تھا وہ ذلیل تھے۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں
 اس کا مطلب یہ ہے کہ انکے اس قول سے کہ نعمتیں ہم کو بطور عزت ملی ہیں۔ ہم اگستہ سے زوار تھے
 انکے اعمال میں جو کئے اہل حنبلہ نے کرنا شروع کر دیے تھے یعنی فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَسَاجِدُ اللَّهِ أَيُّكُنُفُونَ
 کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ پھر اللہ سبحانہ نے انکے اس جھوٹے ٹھکان و غلط خیال اور اس قول آد لَمْ
 يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ کہ ان کو اتنی بات معلوم نہیں کہ اللہ
 جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے پٹی کر دیتا ہے (سے) بل
 فرمایا۔ غرض علی علیہ السلام نے اس لفظ علم سے اس شخص کا علم مراد جو اس کو نعمت دی گئی تھی مطلب
 یہ ہو گا کہ نعمت مجھے اس علم تجربے اور دانش کی وجہ سے ملی ہے جو مجھے حاصل تھے اور اگر
 اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ نعمت مجھے اس وجہ سے ملی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا
 کہ میں اس نعمت کا اہل ہوں اور اس کو معلوم تھا کہ مجھ میں وہ خوبی تھی جس کے باعث میں اس کے
 سزاوار اور لائق تھا۔ اور یہ اس کی طرف سے میری نوازش و عزت افزائی ہے۔ بعض نے دوسرے
 معنی کو اس لحاظ سے ترجیح دی ہے کہ قائل نے کلمہ اَدِينَتْهُ (مجھے وہ نعمت ملی ہے) کہا اور یہ نہیں
 کہا کہ میں نے اسے اپنے علم و دانش سے کمایا اور حاصل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس بات
 کا معترف ہے کہ وہ نعمت کسی دوسرے نے اسے عطا کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول بلی بھی
 فِتْنَةً (بلکہ نعمت ایک آزمائش ہے) اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ نعمت
 اسے اس وجہ سے نہیں عطا ہوئی۔ کہ وہ ہماری بارگاہ میں صاحب عزت ہے بلکہ وہ اس کے
 امتحان و آزمائش کے لئے عطا کی گئی ہے کہ وہ ہمارا شکر بجالاتا یا ناشکری کرتا ہے اور یہ مضمون
 اس آیت کے موافق ہے فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا فَبْتَلَاكَ سِرَّةً فَكَرِهًا وَنَعَمَهُ يَقُولُ رَبِّي
 اَكْرَمَنِي وَ اَمَّا اِذَا مَابْتَلَاكَ فَقَدَّرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ يَقُولُ رَبِّي اَهَانَنِي (لیکن انسان (کا حال
 یہ ہے کہ جب اس کا پروردگار ہاں طرح پر اس کے ایمان کو آزمانا ہے کہ اس کو عزت و
 نعمت دیتا ہے تو (وہ خوش خوش ہو کر) کہتا ہے کہ جب وہ اس (کے ایمان) کو (اس طرح پر) آزماتا
 ہے کہ اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ (تنگ دل ہو کر) بڑبڑاتا دھرتا ہے کہ میرا پروردگار
 مجھے ذلیل سمجھتا ہے جس کو نعمت عطا ہوئی ہے وہ اس بات کا معترف ہے کہ پروردگار ہی نے اسے

وہ سچی بہتہ لیکن اُس کا یہ گمان کہ یہ اُس کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے عطا ہوئی ہے غلط ہے۔ پہنچنی کی صورت میں آیت میں اُن لوگوں کی مذمت ہے جو نعمتوں کو اپنی ذات اپنے علم و قوت کی طرف منسوب کرتے اور انہیں اللہ کے فضل و احسان سے نہیں سمجھتے ہیں۔ یہ انکی صریح ناشکری ہے۔ شکر انکی جڑ ہی ہے کہ نعمت کے اعتراف کے ساتھ اس بات کا بھی محترمت ہو کہ یہ اُس نعم کی طرف سے ہے جو وحدہ لا شریک ہے۔ اور جب غیر کی طرف نسبت کیا۔ تو اقرارِ نعمت ہوا۔ اور جب یہ کہا کہ یہ مجھے اپنے علم و دانش سے حاصل ہوئی ہے تو اسے اپنی ذات کی طرف نسبت کیا اور اس پر ضرور ہوا جیسے ان لوگوں نے اپنی قدرت کی طرف نسبت کیا تھا جو یہ کہتے تھے مَن آسَدُ بِرِئَا قُوَّۃً زَہْمٌ سَے زور میں کون زیادہ ہے) سو وہ اپنی قوت پر بخرد ہوئے اور یہ اپنے علم پر۔ اُن وَاُن کا بعد قوت کچھ کام نہ آیا۔ اور اسے اس کے علم کے کچھ نفع نہ دیا۔ اور دوسرے معنی کی صورت میں آیت میں اُن لوگوں کی مذمت ہے جو یہ اعتقاد کرتے ہیں۔ کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا انعام اس وجہ سے ہے کہ وہ اس کے اہل و مستحق ہیں۔ ان لوگوں نے نعمت کا سبب اپنے اُن صفات کو قرار دیا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کے انعام کے مستحق ہیں اور سمجھا کہ یہ نعمت انکے احسان و خوبی کا بدلہ ہے اور اس کا سبب وہی صفات ہیں جن کے ساتھ وہ موصوف ہے۔ خدا تعالیٰ کے جو دیا احسان۔ فضل و منت کو اس کا سبب نہ سمجھا اور نہ یہ جانا کہ یہ نعمت اُس کی آزمائش و امتحان ہے کہ شکر بجالا یا ناشکری اختیار کرتا ہے۔ اور اس کی کسی خوبی یا عمل کا بدلہ نہیں۔ اگر بالفرض اُس کے کسی عمل یا خوبی نے عرض میں ملی ہے تو وہ خوبی یا عمل بھی خدا تعالیٰ ہی کی دی ہوئی نعمت ہے۔ غرض نعمت اور اس کا سبب کچھ اُسی کی منت و فضل اور بڑے سے ہے۔ بندہ اپنے اختیار سے ایک ذرہ بھر اپنی بہتری نہیں کر سکتا۔ سو ایسے لوگوں نے اگرچہ نعمت کو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیا ہے۔ لیکن من کل الوجوہ اور پورے طور پر اُسی کی طرف نہ نسبت کیا۔ حالانکہ یقیناً یہ اللہ وحدہ کی ذات پاک من کل الوجوہ تمام نعمتوں اور انکے اسباب کی نعم ہے۔ نعمتوں کے اسباب اگرچہ بندے کے کردار و کوشش سے حاصل ہو چکے ہیں مگر یہ کوشش بھی اُن کی ہی ہوئی نعمت و غرض کہ نسبت نہ کرنا کہ نعمت اللہ وحدہ کی طرف سے ہے۔ شکر بجالانے خدا ایک نعمت ہے۔ اور اُس کی توفیق بغیر کوئی اسے بجا نہیں لاسکتا۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے پروردگار میں تیرا شکر کس طرح بجالا سکتا ہوں کیونکہ شکر بجانے خود ایک ایسی نعمت ہے کہ کچھ اُس کا شکر ضروری ہے (اس طرح اس سلسلے کی کوئی نہایت نہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد اب تو نے شکر کا حق ادا کیا۔ اس حدیث کو امام احمد نے ذکر کیا ہے ۔

اور نیز رواہ ابن حسن ذکر کیا ہے کہ اؤ و علیہ السلام نے عرض کیا کہ اگر میرے بدن کے ہر بال کی بجائے دو وزبائیں ہوں جو رات دن تمام زمانہ تیرے ذکر میں مصروف رہیں تو اے اللہ تیری ایک نعمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ کلام شاکرین کی حالت اِنَّمَا اَوْفَرْتَنَّهُ عَلَىٰ عِدَّةٍ عِدَّةٍ کتنے والوں کی حالت سے بالکل جدا گانہ ہے۔ اور اسی آیت کے لگ بھگ یہ دوسری آیت ہے کہ لَا يَسْتَأْذِنُ الْاَكْفَانُ مِنْ دُخَانِ الْخَيْوَرِ اِنَّ مَسَّهُ الشَّمْسُ فَيُوقُ قُوَّتَهُ وَلَنْ اَذْفَنَّا لَهٗ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَاۤءَ مَسِّهَا لِيَقُوْلَ هٰذَا لِي (اومی بہتری کی دعا مانگنے سے کبھی نہیں اکتا تا اور اگر اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو دل شکستہ اور بالکل ناامید ہو جاتا ہے) اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے اور تکلیف کے بعد ہم اس کو اپنی مہربانی کی لذت چکھا دیتے ہیں۔ تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرا ہوا (لیا)۔ ہٰذَا لِي کی تفسیر میں ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ یہ تو میرے اپنے گھر کا ہے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ میں اس کا حق تھا۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ میری کوشش سے حاصل ہوا۔ اور میں اس کا سزاوار تھا۔ زجاج نے کہا ہے کہ یہ میری کوشش کے لئے ضروری تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو نہایت بڑی صفتوں سے موصوف فرمایا کہ اگر اُسے تکلیف پہنچتی ہے تو یاس اور ناامیدی کی حالت میں ہو جاتا ہے اور اگر اُسے بھلائی پہنچے تو اس بات کو بھول جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دو نعمت اُسے عطا فرمائی ہے (بلکہ) اترنے لگتا اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اس نعمت کا مستحق و سزاوار تھا۔ اُس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اُس کے (ایک دوسرے خیال) انکار بعث کو ذکر کیا اور فرمایا ہے وَمَا اَخْلَقُ السَّاعَةَ تَآثِمَةً (اور میں نہیں سمجھتا کہ کبھی قیامت برپا ہو۔ ساتھ ہی اس کے اُس کے اس غلط گمان کو کہ اگر بالفرض وہ دوبارہ زندہ کیا گیا تو اُس کو وہاں بھی بھلائی ہی ملے گی ذکر فرمایا۔ ایسے نہایت درجہ کے جاہل و مغرور ہیں +

فصل اللہ تعالیٰ کے قول وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ (اور علم ہوتے ساتے اللہ نے اُسے گمراہ کر دیا ہے) کے متعلق بعض اہل علم کہتے ہیں۔ کہ عیاں علم سے یہ مراد ہے۔ کہ اُس گمراہ شخص کو معلوم تھا کہ اس کا مبدؤ اُسے کچھ نفع یا ضرر نہیں دے سکتا۔ اس بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اُس شخص کو وہ علم حاصل تھا جس سے اُس پر حجت قائم ہو سکے اور اُسے جمالت و نادانی کی حالت میں گمراہ نہیں کیا۔ فَلَا يَحْجُلُوْا فِيْهِ اِنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پس کسی کو اللہ کا ہم پلہ نہ بناؤ اور تم تو جانتے رہو جھٹم ہو) اور قَصَدَ هُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ (اور اسی تدبیر سے) انکو راہِ راست کے اختیاء کرنے سے روکا تھا (اور نہ یوں تو) وہ (بڑی) سوچ بوجھ کے لوگ تھے) اور وَ يَحْكُمُ فِيْهَا مَا سَمِعَتْ

اَلْقُسُطُ ظُلُمًا سَمِيًّا (اور باوجودیکہ اُنکے دل اُن (عجزوں) کا یقین کر چکے تھے، مگر اُنہوں نے میری اور شیخ کے اسے اُکھوٹا مانا، اور اَبَدًا اَتَمُّوْا التَّائِدَ مَبْرُصًا فَظَلَمُوْا اِيَّاهَا (اور ہم نے قوم ثمود کو اپنی رکاوٹ بنا لیا تھا، اور وہ بھری لگوں نے زمانہ گرا س کو ستایا) اور موسیٰ علیہ السلام کا دعویٰ سے کہنا لَقَدْ خَلَقْنَاهُ مِنْ مَّا نَزَلْنَا لَكُمْ اَكْثَرَ لَا تُرِيْتُ الْاِنْسَانَ مَا لَا يَرِيْهِ اَبْصَارُ رَا (آب) اتنی بات دل میں (ضرور جان چکے ہیں کہ آسمان و زمین کے پروردگار ہی نے یہ عجز سے آتاتے ہیں (اور لوگوں کے لئے یہ) سوچنی باتیں ہیں اور اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ بَعِثْهُمْ لَكُمْ يُعْرِضُوْنَ اٰيَاتِنَا هُمْ وَ اٰتِ نَزَّلْنَاهُمْ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اَبْنٰ هُمْ وَ اَبْنٰ هُمْ وَ اَبْنٰ هُمْ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات و دینور) دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پھانتے ہیں (اسی طرح ہمارے) ان (سپیڑ) کو بھی پھانتے ہیں۔ اور اُن میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ویدہ و دانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں) اور قَا بَدَّهٖ لَا يَكْتُمُ لَكَ وَاَلَكِنَّ الْاِنْسَانَ اِنَّا يٰ اَيُّهَا الَّذِيْ تَجِدُوْهُ (رکبہ) یہ تم کو نہیں بھلاتے بلکہ یہ (ظالم حقیقت میں) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور مَا حَسْبُكَ اَللّٰهُ لِيُضِلَّ عَنَّا مَا يَعْتَدِ اِذْ هَلْ هُمْ شَيْءٌ يَّسِّرُ لَهُمْ مَا يَشْتَقُوْنَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دے پھر گمراہ قرار دے تاوقتیکہ اُن کو وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ بچتے رہیں) اسکے شاہد ہیں اُنکے علاوہ اس کے اور بھی کئی نظائر ہیں اس معنی کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ویدہ و دانستہ ہدایت کے رستے پر نہیں چلتا اور جان بوجھ کر اُسے بھٹور دیا ہے۔ چنانچہ ہمیشہ شریفیٰں آیا ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں کو زیادہ سخت عذاب اُس علم کو ہوگا جس کے علم سے اللہ نے اُسے نفع نہ دیا (یعنی اُس نے اپنے علم پر عمل نہ کیا) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گمراہ شخص محض نفسانی خواہش کا پیرو ہو جاتا ہے اسے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ بہتری اور ہدایت کے خلاف کام کرتا ہے۔ اور چونکہ ہدایت میں وہ چیزیں ہیں یعنی حق کو پہچانا اور اُس پر عمل کرنا۔ تو ان میں سے ہر ایک کی ضد یعنی جہالت اور ترک عمل گمراہی ہوگی۔ پہلی علم کے سوسے اور دوسری عمل کے لحاظ سے ہے۔

لَقَدْ عَلٰی عِلْمِهِ قَرَأْنٌ مِّنْ تَرْتِیْنِ جَلِّیْلٍ (۱) وَلَقَدْ اِخْتَرْنَا لَهُمْ عَلٰی عِلْمِهِ (۲) وَ اَصْنَعْنَاهُ اَللّٰهُ عَلٰی عِلْمِهِ (۳) قَالَ اِنَّمَا اُوْدِیْتُمْ عَلَمًا۔ پہلے موقع میں تو بلا اتفاق علم سے اللہ تعالیٰ کا علم راہ ہے اور دوسرے اور تیسرے موقع میں وہ قول ہیں لیکن دوسرے موقع میں راجح یہ ہے کہ یہاں بھی اللہ کا علم راہ ہے جو ہر سلف کا یہی قول ہے تیسرے موقع میں وہ تو قول جہالت میں ہے اور اپنے موقع پر انکی وجہ ذکر کئے گئے ہیں واللہ اعلم۔ یہاں ہمارا دھایہ ہے کہ تضاد قدر کے مراتب علم کتابت

مشیت و خلق کو ذکر کریں ۔

گیاڑھواں باب

قضاؤد کے دوسرے مرتبہ کتاب کے بیان میں

شروع کتاب میں آیات اور صحیح و صریح حدیثیں بیان ہو چکی ہیں جو تفسیر و قدر کے اس مرتبہ کے ثبوت پر دال ہیں۔ اب یہاں ہم صرف ان آیات و احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو پہلے مذکور نہیں ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ رَتَّ فِي هَذَا لِبَدَلًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ (اور ہم زبور میں پسند و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں۔ کہ ہمارے نیک بندے زمین (کی سلطنت) کے وارث ہونگے جو لوگ خدا کی عبادت کرنے والے ہیں بلاشبہ ان کے لئے اس میں ایک بشارت کا پہنچا دینا ہے زبور سے یہاں صرف داؤد کی زبور مراد نہیں بلکہ تمام آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ اور ذکر سے وہ ام الکتاب مراد ہے جو اللہ کے پاس ہے ارض سے بہان دنیا اور عباد صالحین سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے متعلق سب زیادہ صحیح یہی قول ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و نشانات میں سے یا یک نشان ہے۔ کہ آپ نے اس بات کا کئے میں اعلان فرمایا۔ اس وقت تمام روئے زمین پر آپ کے اور آپ کے صحابہ کے مخالفین کا فروگ سلا تھے۔ مشرکین نے ان کو اپنے وطن اور گھر بار سے نکال دیا اور وہ دراز ملکوں میں متفرق کر دیا تھا۔ سوائے تبارک تعالیٰ نے بتلایا۔ کہ وہ کتاب اول میں لکھ چکا ہے کہ کفار کے بجانے ملک کی حکومت و سلطنت کے مسلمان آگے ہونگے۔ اور اس حکم کو تمام آسمانی کتابوں میں بھی لکھ دیا ہے۔ کتاب پر لفظ ذکر کا اطلاق صحیح حدیث سے ثابت ہے چنانچہ آیا ہے كَاتَ اللَّهُ دَسْرِكِنَ سِنِيْ غَيْرِهٖ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلٰى مَاءٍ وَكُتِبَ فِي الذِّكْرِ كُلِّ شَيْءٍ (ایک شے تھا) اُس کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔ اُس کا عرش پانی پر تھا اور ذکر (لوح محفوظ) میں سب کچھ لکھا تھا اسی ذکر میں یہ بھی لکھا تھا کہ دنیا کی حکومت امت محمدیہ کو ملیگی۔ اور کتاب منزلہ پر لفظ زبور کا اطلاق خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ آیا ہے وَتَارَاتِلْنَا قَبْلَكَ لَا تَرْجَا لَوْ تَوَخَّيْنَا إِلَيْهِمْ فَاَنشَأُوا أَهْلَ الدِّانِ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَالزُّبُرُ (اور اسے پیغمبر نے تم سے پہلے بھی)

یہی تمہاری ہی (طرح کے) آدمی (مغیر بنا کر) بھیجے تھے اور بھیجے تھے تو دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ کہ انکی طرف وحی بھیج دیا کرتے تھے تو ان سکڑوں سے کہہ اگر (یہ بات) ہم کو خود معلوم نہیں تو کچھ اُسمانی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے والوں سے پوچھ دیجو انہی ہم نے انبیاء کو کلمہ کھاتے تھے۔ اور وہ کتابیں دیکر بھیجا جو سراپا ہدایت اور نور تھیں۔ میاں ذکر سے وہ دو کتابیں مراد ہیں۔ جو رسول خداؐ کے جوٹ ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھیں یعنی تورات و انجیل اور اللہ تعالیٰ کے اس کلام: **اَنْزَلْنَا الْاِلَهٰتِ الَّذِیْنَ لَبَّیْنَ لِلْمَآثَرِ مَا نَزَّلَ الْیَقِیْنُ** (اور اسی طرح) ہم نے تم پر (بھی) یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو احکام لوگوں (کی ہدایت کے لئے) انکی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تم ان کو اچھی طرح سمجھا دو) میں لفظ ذکر سے قرآن کریم مراد ہے۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی کہ تمام موجودات اپنے وجود سے اللہ تعالیٰ کو معلوم اور اس کے پاس مرقوم ہیں۔ ایک اور مقام میں فرمایا ہے **اِنَّا نَقِّنُ نَفْسِیْ الْخَلْقِ وَنُکَلِّبُ مَا قَدْ مَوَّا وَاَنْتَ اَرْهَمُوْهُمُوْا کُلَّ شَیْءٍ اَخْصٰیْنَا کُفٰی اِمَامٌ مُّبٰیْنٌ** (بیشک ہم ہی مردوں کو جلا میں گے اور جو عمل زاد آخرت بنا کر لوگ اپنے آگے آگے بھیجتے ہیں اور جو انکار ان کے دوسرے پیچھے دنیا میں باقی رہ جاتے ہیں ہم سب کو لکھ رہے ہیں اور ہم نے تو سب ہی چیزوں کو کتاب واضح یعنی لوح محفوظ میں قلم بند کر رکھا ہے) اس آیت میں اللہ جل شانہ نے دو نوشتوں کو یعنی ایک اس کو جو بنی آدم کے وجود سے پہلے انکے اعمال کی نسبت ہو چکی ہے اور دوسرے اس نوشت کو جو انکے اعمال صادر ہونے پر ساتھ ساتھ ہوتی ہے ذکر فرمایا اور بتلایا ہے کہ وہ انہیں موت کے بعد بعثت کے لئے دوبارہ زندہ کریگا اور انکو ان کے اعمال کا بدلہ دیگا۔ اور متنبہ فرمایا کہ تمہارے اعمال اس غرض کے لئے لکھے جا رہے ہیں کہ ان کی جزا و سزا ملے۔ فرمایا تمام زندگی میں جو کچھ خیر و شر کرتے ہیں وہ سب ہم لکھ لیتے ہیں اور آثار سے وہ رسوم نیک یا بد مراد ہیں جن کو جاری کیا اور ان کے مرنے کے بعد لوگ ان پر چلتے ہیں۔ ہر ایت عطا ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ آثار سے وہ خیر یا شر مراد ہے جس کو مرنے کے بعد چھوڑا جتنا خیر و دوسرے موقع میں آیا ہے **یُنْبِئُا الْاِنْسَانَ یَوْمَئِذٍ یَّمَا قَدْ مَ وَاٰخِرُ** (اُس دن انسان کو بتا دیا جائیگا کہ کیسے اعمال اس نے) (پہلے سے) زاد آخرت بنا کر ابھیجے ہیں اور کیسے آثار (وہ دنیا میں) (پچھے چھوڑ آیا ہے) اگر یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ مضمون تو لفظ **قَدْ مَوَّا** سے سمجھا گیا ہے پھر لفظ آثار ہم کے لافنے سے کیا فائدہ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ آثار ہم سے تنظیم فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ ان کے اعمال اور نیزہ چیزیں جو ان کے اعمال کے ذریعے پیدا ہوں سب کو تحریر میں لاسا ہے جو چیزیں کہ انکے اعمال کے ذریعے پیدا ہوں خیر و یا شر اس کے عامل اور عامل وہی ہیں پس آثار ہم

سے انکے اعمال کے آثار وارد ہیں۔ اور مقاتل کے قول سے یہ قول زیادہ عام ہے شاید کہ مقاتل نے سلف کے طور پر رکافت عام کی تفسیر میں مدلول کے ایک نوع یا نوع کے ایک فرد کو بطور تفسیر تقریب ذکر کر دیتے ہیں تشکیل اور بیان کو مد نظر رکھا ہے حصہ واحاطہ اسے مقصود نہیں ہے۔

بروایت عکرمہ انس وابن عباس نے فرمایا ہے کہ یہ آیت بنی سلمہ کے حق میں جبکہ انہوں نے مسجد نبوی کے پاس اس وجہ سے سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا کہ ان کے گھر مسجد سے زیادہ دور تھے۔ (اور نماز کے لئے آنے میں تکلیف تھی) نازل ہوئی جب اس کا نزول ہوا تو بنی سلمہ کہنے لگے کہ اب ہم دور ہی رہیں گے (اور وہاں سے چل کر انیکا کاؤاب محل کرینگے) جو لوگ اس بات کے قابل ہیں۔ ان کی دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جو ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ بنی سلمہ یمن کے ایک کوٹے میں رہتے تھے۔ پھر انہوں نے مسجد کے پڑوس میں انیکا ارادہ کیا تو یہ آیت اِنَّا نَحْنُ مُحَمَّدٌ الْاَنْبِیاءُ نازل ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی سلمہ اپنے مکانوں میں ٹھہرے رہو۔ تمہارے نشان قدم اللہ کی درگاہ میں) لکھے جاتے ہیں۔ سلمہ سونے بھی اپنی صحیح میں بروایت جابر رواں ایسا ہی روایت کیا ہے۔ لیکن اس قول میں نظر ہے کیونکہ سورہیں کے میں نازل ہوئی اور بنی سلمہ کا قصد مدینہ کا ہے ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیت مذکورہ معنی ہے۔ اور عمدہ جواب یہ ہے کہ بنی سلمہ کے قصہ کی نسبت یہ آیت ذکر کی گئی۔ اور وہ قصہ بھی اس کا مصداق ہو صحابہ نے آنحضرت یا جبرائیل سے اسے ذکر کیا ہو۔ پھر راوی نے اس ذکر کرنے کو نزول سے تعبیر کیا۔ جو لوگ ایسی آیات کے متعلق یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ یہ دوبار نازل ہوئیں۔ غالباً ان کا مطلب یہی ہو گا۔ غرض کہ ساجد کی طرف آنے میں انسان جو قدم اٹھاتا ہے وہ مجملہ ان آثار کے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دینے کی نیکیوں میں لکھتا ہے +

عمر بن خطاب کا مقولہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ابن آدم کے کسی کام کو بے لکھے چھوڑتا۔ تو اس کے اس کھوج کو نہ لکھتا جو ہواؤں کے چلنے سے مٹ گیا ہو۔ متروک کا قول ہے کہ آدمی کے ہر ایک قدم کے ساتھ نیکی یا بدی لکھی جاتی ہے۔ خلاصہ کلام اللہ تعالیٰ کے قول وَ کُلُّ شَیْءٍ اَحْصَيْنَا کَیْفَیْ اِمَامِ رَبِّیْنِ میں نام بین سے لوح محفوظ ملا ہے اور وہی ام الکتاب ہے اور وہ ذکر ہے جس میں سب چیزیں لکھی گئی ہیں اسے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ بندوں کے اعمال ان کے صدور سے پہلے لکھے گئے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا عالم حافظ اور ان کی تدبیر سے پورا واقف ہے۔ ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَمَا مِنْ حَآبٍ وَّ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ یُطِیَّرُ بِحَآبٍ خَبِیْہٍ اِلَّا اَمْسَمْنَا مِثْلَکُمْ مَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ دُخِّنَ اِلَیْ رَقِیْمٍ یُحْشَرُ نَفَا۔

(اور چٹنے جیوانات زمین میں اچلتے پھرتے) جس اور چٹنے پر ندیاں اپنے دو پروں پر اڑے اڑے پھرتے ہیں یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح کی مخلوقات ہیں۔ لوح محفوظ میں (سب لکھے ہوئے موجود ہیں) ہم نے (لکھنے) سے کوئی چیز فروگذار نہ کی۔ پھر قیامت کے دن سب اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر کئے جائیں گے، اس آیت میں جو لفظ کتاب مذکور ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس سے قرآن مجید مراد ہے بعض نے کہا لوح محفوظ۔ پہلے قول پر لفظ من شیئ سے جو عام ہے خاص وہ مورد مراد ہیں جو ضروری و کارآمد میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے قرآن میں وہ چیزیں جن کا ذکر و بیان مسلمانوں کے لئے ضروری و مفید تھا سب ذکر کر دی ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَتَزَكُّنَا اِنَّكَ الْكِتَابُ تَتِيَانَا فَرَقِلْ شَيْئًا (اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر دیہ) کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان (رسانی ہے) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بالعموم تمام چیزیں مراد ہوں۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ قرآن میں سب چیزیں بالا جملہ بعض بالتفصیل مذکور ہیں جیسا کہ ابن مسعود نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بالوں کو پیوند کرنے والی اور پیوند کرنے والی دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ تو میں ایسے آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ملعون ٹھہرایا ہے کیوں لعنت نہ کروں اس پر ایک عورت نے کہا میں نے تمام قرآن پڑھا ہے مگر اس میں اصلہ اور مستوصلہ کی لعنت کہیں نظر نہ آئی۔ ابن مسعود نے فرمایا اگر تو خود سے پڑھتی تو یہ مسئلہ تمہیں ضرور مجھاتا (دیکھو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (اور مسلمانو جو چیز پیغمبر تم کو دیدیا کریں وہ تو لے لیا کرو اور جس سے منع کریں (میں سے) دست کش رہو) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وصلاً و مستوصلہ پر لعنت فرمائی ہے۔ امام شافعی کا منقول ہے کہ کسی سہان کو کسی قسم کا کوئی واقوہ پیش آئے۔ قرآن کریم میں ہر ایک کے متعلق فیصلہ و دلیل موجود ہے۔ اور ہر لوگ کتاب سے لوح محفوظ ارادہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں تمام چیزیں لکھ رکھی ہیں۔ ایک روایت میں ابن عباس سے ایسا ہی مروی ہے۔ اور یہی ظاہر و سیاق آیت بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي سَاءِ الْمَظَاهِرِ إِلَّا آمَنَتْ وَبَضَّيْنَاهَا وَفِي زَمَنِ الْمَوْتِ يُخْزَوْنَ (اور چٹنے جیوانات زمین میں (چلتے پھرتے) ہیں اور چٹنے پر ندیاں اپنے دو پروں پر اڑے اڑے پھرتے ہیں یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح کی مخلوقات ہیں) اس سے صدم ہوتا ہے۔ کہ چنڈہ۔ پنڈ بھی خلق۔ رزق۔ کھانے دینے اور تغذیر سابق میں ہماری ہی طرح ہیں۔ اور وہ بھی بریکار نہیں بنائے گئے۔ بلکہ وہ حکم کے تابع اور منقاد ہیں۔ ان کے خلق۔ اجل۔ رزق۔ اور آل کار کو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے پھر ان کی وجہ حالت جو ان کے فنا کے بعد ہوگی ذکر کرتے ہوئے

کہ اس شخص پر اس کے پروردگار کی طرف سے مجرب کبھی نہیں آتے۔ اسے دس پیغمبرین لوگوں سے
 کہو کہ سچے تو خدا ہی کے پاس اللہ فی اسی کے اختیار میں ہیں اور میں تو صاف طور پر ڈر سلطانے والا
 ہوں اور پس دسے پیغمبر کیا ان لوگوں کے لئے (یہ مجرم) کافی نہیں۔ کہ ہم نے تم پر قرآن اتارا جو ان کو
 چڑھ کر بنایا جاتا ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں وہ اس کے لئے تو اس میں (خدا کی بڑی) حیرانی
 اور حیرانی کے علاوہ انہیں مت ہے اور جو لوگ قول ثانی کے موید ہیں وہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جب
 کفار نے معجزہ طلب کیا تو اللہ سبحانہ نے ان کو بتلایا کہ معجزہ و نشان ظاہر نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ
 نشان کو ظاہر کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے بلکہ ظہار نشان ہمارے اختیار میں ہے لیکن ظاہر نہ کرنے
 میں ایک پوشیدہ حکمت ہے۔ اور نیز ان کی حالت پر رحم اور ان پر احسان کرنا منظور ہے کیونکہ اگر
 وہ ان کی ہمت کے مطابق ظاہر کیا جاتا اور پھر وہ ایمان نہ لاتے تو فوراً عذاب میں گرفتار کئے جاتے
 اس کے بعد انہی بیشمار مخلوق کا ذکر فرمایا جو اس کے کمال قدرت پر دال ہے جو جو ذات پاک اس قدمے
 انداز مخلوقات پیدا کرے پر باوجودیکہ ان کے اجناس۔ انواع۔ صفات اور ہمتیں ایک دوسرے
 سے جدا و مختلف ہیں۔ قادر ہے وہ معجزہ و نشان دکھلانے سے کیسے عاجز ہو سکتی ہے پھر اپنے
 کمال قدرت و علم کو بیان فرمایا کہ اس نے اس سب مخلوق کا شمار کیا ہوا ہے اور ان کو اپنے پاس رکھ
 رکھا ہے۔ اور ان کے ندق۔ عمریں اور تمام حالات اس کتاب میں ثبت فرمائے ہیں۔ جس سے کوئی
 چیز چھوٹنے نہیں پائی۔ پھر ان کو فنا کر دیا۔ اور کیا مدت میں سب کو زندہ کرنا تھا بیگناہ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ
 کی آیات سے منکر ہیں وہ بہرے گئے۔ جمالت۔ کمال و حیرتوں میں پڑے ہیں۔ سوچ اور تدبیر سے کام
 نہیں لیتے جس سے خدا تعالیٰ کی بوبیت۔ توحید اور تصدیق اذیلہ کا راستہ ملے۔ اس کے بعد بتلایا
 کہ اگر معجزات ان کے حسب خواہش ظاہر بھی ہو جاتے تاہم جب تک اللہ ہدایت نہ کرے۔ وہ بھٹے
 خود راوی نہیں یہ سب حاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جسے چاہے بد کا دے اور جسے چاہے
 سیدھی راہ پر چلائے۔ اور قول ثانی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم

دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ حَسْبُكَ الْكِتَابُ الْغَيْبِ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا
 عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ؕ اِنَّ كِتَابَكَ لَكُنَّا نُنَزِّلُكَ عَلٰى حَيْكُمَةٍ وَّ اَنَّا نُنَزِّلُكَ عَلٰى قُرْآنٍ
 کی قسم ہے جس کے مطالبات اور واضح ہیں کہ ہم نے اس کو صحافت اعلیٰ میں (عربی زبان کا) قرآن
 بنایا ہے۔ تاکہ تم راہ عرب اس کو بآسانی سمجھو اور تمہارے دلوں سے دوسرے لوگ اور یہ قرآن
 ہمارے ہاں کتاب یعنی لوح محفوظ میں رکھا ہوا موجود ہے ہمارے پاس کی دوسری حکمت (وہ ثانی)

کی (کتاب قرارداد می گئی ہے) +

ابن عباسؓ نے کہا: ہمارا کتاب کے لوح محفوظ مراد ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ قرآن کریم پہلے اصلی کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ اہم الکتاب کا معنی اصل کتاب ہے۔ اور ہر چیز کے اصل کو اُمّ کہتے ہیں۔ اور قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا ہے بَلْ كَتَبْنَاهُ فِي ذُرِّيَّتِكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (لکھ کر یہ قرآن، بڑے رُتبہ کا قرآن (اور ہمارے ہاں) لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحیح اہل سنت کا اس بابت پر اتفاق ہے۔ کہ قیامت تک جو چیزیں پیدا ہونگی۔ وہ سب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ اور قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کام کرتا یا جو بات فرماتا ہے وہ پہلے سے لوح محفوظ میں لکھ دی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اور اس کا کلام لوح محفوظ میں مکتوب ہیں۔ مثلاً تَبَيَّنَ لَنَا الْآرْزُ لَهْفَ الْوَابِیْ کے وجود سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے۔ لکہ لَئِنَّا بَعَاذَ تَرْكِیْبِ خَوِیْ لَفُطَامُ الْكُتَابِ سے بھی متعلق ہوکتا ہے۔ اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔ ابن عباس کا یہی خیال ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ علی حکیم کے متعلق یہ یعنی یہ کتاب ایسی نہیں جیسے منکرین و کفریین کا خیال ہے بلکہ ہمارے ہاں بلند پارائی ہے اور پُر از حکمت ہے +

ایک اور مقام میں فرماتے ہیں کہ اَظْلَمُ مِثْلِي اخْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَيْدًا وَافْرًا
كَذَّابًا لَيَالِيَهُ اَذَلِّكَ، يٰنَا لَهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِنَ الْكِتَابِ (تو اس سے بڑھ کر ظالم (اور کون ہو گا جو
خدا پر جھوٹ (جھوٹ) بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے یہی لوگ ہیں جن کو (تقدیر کے) حکم سے
میں سے ان کا حصہ ان کو پہنچے گا) +

سید بن جبیر مجاہد اور عطیہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ نصیب سے وہ شقاوت مراد ہے جو پہلے سے لوح محفوظ میں اُنکے لئے لکھی گئی ہے۔ عطیہ اشتہاد کے طور پر آیت پڑھی **فَرِيقًا حَقَّقَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةَ** (اُسی نے) ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق ہے کہ گمراہی اُن کے سر پر سوار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کے لئے جو شقاوت مقدر ہو چکی تھی۔ وہ اُن کو حاصل ہوئی۔ بروایت عطاء ابن عباس کا یہی قول ہے یعنی جو کچھ اُن کے لئے پہلے سے اللہ کے علم یعنی لوح محفوظ میں مقرر ہو چکا۔ غرض اس قول کے مطابق کتاب اول اور نصیب سے وہ شقاوت اور اس کے حساب مراد ہیں جو پہلے سے اُن کے لئے لکھے گئے۔

آن زید قرطبی اور ریح بن انس کا قول ہے کہ ان کے لئے جو رزق اور عمل لکھے گئے ہیں۔ ان کو وہ پالیتے ہیں اور جب روز قیامت ہو جاتی ہے تو ہمارے نبیؐ کے آکر ان کے ارواح قبض کر لیتے ہیں۔ بعض علماء نے اتفاق کی ہے کہ لکھا جائے جو غایت سے کہنے متوقع ہے۔ اس قول کو ران ٹھہرا لیتے۔ کہ مرنے تک وہ اپنے رزق اور عمل پورے کر لیتے ہیں۔ اگر پہلے قول کی تائید کرنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں حقیقی غایت کے لئے نہیں بلکہ حقیقی اجرانہ ہے جو قبول پر داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس معنی میں ہے کہ

ثُمَّ عَجِبًا حَقِّي كَأَيِّبٍ لِّسُبُحَتْنِي

اور صحیح یہ کہ یہاں سے شق اولیٰ اعمال جو اس کے حساب میں وزیر و جو عمل کرنے کی مدت ہے اور روزی جو کہنے کا ذکر ہے سب مراد ہیں آیت میں سب کو شامل ہر ایک بعض نے کسی کو ذکر کیا اور بعض نے کسی کو صحیح قول کہہ دیا اور نیز اس بنا پر کہ کتاب میں محفوظ مراد ہے یہ مطلب ہو گا۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ یہاں کتاب قرآن مجید مراد ہے۔ ترجمہ نے کہا ہے بغیر ہم من الکتاب کا یہ مطلب کہ ان کو وہ سزا ملے گی جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے جیسے قَاتِلُوا نَفْسًا تَكْفُرًا تَكْفُرًا تَكْفُرًا (تو) لوگو ہم نے تم کو دوزخ کی (بھڑکتی ہوئی تلک سے ڈرا دیا ہے) اور یہ نیکو عذاباً صاعداً (تو وہ اس کو عذاب سخت میں سے یاد دل کرے گا) جو لوگ اس بات کے قائل ہیں وہ اس معنی کو اس لحاظ سے ظاہر کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہ ان کے عذاب کو بیان کیا اور اس کے بعد یہ بتلایا ہے۔ اَنَّهُ لَكُمْ اَنْ تَكْفُرُوا بِمَا كُنْتُمْ يَكْفُرُونَ۔ لیکن صحیح وہی بات ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے۔ کہ نصیب سے وہ نصیب مراد ہے جو ان کے مخلوق ہونے سے پہلے ان کے لئے لکھا گیا۔ اس قول کے لئے ایک اور عمدہ وجہ یہ ہے کہ مومنین کا نصیب اللہ کی طرف سے رحمت اور سعادت ہے۔ اور ان کفار کا نصیب عذاب اور شقاوت ہر ایک فریق کا نصیب وہی جو اس نے اپنے لئے پسند اور اختیار کیا۔ جیسے کہ مومنین کا حصہ ہدایت اور رحمت تھا۔ تو کفار کا حصہ گمراہی اور ناکامی ہوا۔ اس نعمت سے ان کو یہی حصہ ملا۔ کہ ان کے حق میں عذاب و حسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا قول وَتَحْتَكُونُ رِزْقَكُمْ اَنْتُمْ مُكْتَلِبُونَ (اور تم نے اپنا راتب باندھ لیا ہے کہ اس کو جھٹلاتے ہی ہو گے) اسی کے لگ بھگ ہے۔ یعنی اس روزی سے جو تمہاری زندگی کا باعث یہی بہرہ اٹھاتے ہو کہ اس کا انکار کرتے ہو۔ جس نے کہا ہے کہ قرآن سے تم بھی حصہ لیتے ہو کہ اس کی تکذیب کرتے ہو۔ ان کا مقولہ ہے کہ وہ بندہ جس سے میں نے قرآن سے یہی حصہ لیا کہ اس کی تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَحَكِّمُ شَيْئًا فَكُلُوا مِمَّا فِي الْزُبُرِ (اور یہ لوگ جو کچھ بھی کر چکے ہیں ان کے اعمال ان میں سے لکھا ہوا موجود

ہے غلط و قاتل نے کہا ہے۔ جو کچھ انسان کرتے ہیں وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ حماد بن ید نے
 داؤد بن ابی ہند سے اُس نے شے سے روایت کیا ہے کل شے فعلہ فی الزبر کا یہی ہے انسان کے
 تمام اعمال عمل کرنے سے پہلے لکھے گئے ہیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمیوں
 کے اعمال صاف افعال میں لکھے جاتے ہیں۔ اوسماتی نے ان در نو قنوں کو جمع کر دیا اور کہا ہے کہ آدمیوں
 کے اعمال صادر ہونے سے پہلے بھی لکھے گئے ہیں اور بعد ور کے بعد بھی اس غرض سے لکھے جاتے ہیں
 کہ ان کو ان کی جزا و سزا ملے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ وباللہ التوفیق ۵

عصیب بن میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ماہ کے یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ لفظ لم کی تفسیر
 بنی ہریرہ کی روایت سے کیا ہے بنی سے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بن آدم کے حق میں
 زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ ضرور پالیتا ہے وغیر محرم عورت کو، دیکھنا اگکھ کا زنا۔ اُس سے
 بات کرنا زبان کا زنا اور دُبر سے کام کی خواہش کرنا نفس کا زنا ہے اور شرگاہ سے اس کی تصدیق یا تکذیب
 ظاہر ہوتی ہے نیز ابو ہریرہ سے صحیح میں آیا ہے کہ اکابر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے بن آدم کے حق میں زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ ضرور پالیتا ہے دیکھنا اگکھوں کا زنا اور
 سنا کانوں کا زنا اور بات چیت کرنا زبان کا زنا اور کپڑا یا ننگہ کا زنا اور پھانسی پاؤں کا زنا اور خواہش کرنا
 دل کا زنا ہے۔ اور شرگاہ انکی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے ۵

صحیح بخاری وغیر میں عمران بن حصین سے مروی ہے کہ اکابر میں نبی خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے
 در دولت پر حاضر ہوا میں نے اونٹنی کو دروازے پر بٹھا کر اُس کا گھٹنا باندھ دیا۔ اس وقت قبیلہ بنی تمیم
 کے چند آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن سے فرمایا اے بنی تمیم تمہیں خوشخبری ہو
 اُنہوں نے کہا خوشخبری تو آپ پہلے بھی سنا چکے ہیں کہ (کچھ روپیہ پیسہ) دیجئے۔ تھوڑی دیر کے
 بعد ملک یمن کے چند آدمی آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے اُن سے فرمایا۔ اے اہل یمن تم
 بشارت کو قبول کرو۔ بنو تمیم نے اُسے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول ہمیں آپ کی بشارت
 قبول ہو نیز یہ کہ اکابر تمہارے مسئلہ کو چھنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا
 اللہ سبحانہ کی ایک ذات تھی اُس کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا (آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے)
 اُس کا عرش پانی پر تھا۔ اُس نے پہلے سب کچھ لوح محفوظ میں اور آسمان و زمین کو پیدا فرمایا سب سے پہلے
 کسی نے مجھے پکارا۔ کہ ابن حصین تیری اونٹنی بھاگ گئی ہے۔ میں اُس کے پیچھے نکلا دیکھا۔ تو وہ دو
 چلی گئی ہے افسوس کہ میں اُس وقت اونٹنی کی تلاش نہ کرتا (اور آپ کے یہ پورا مسئلہ سن لیتا) سو اللہ سبحانہ

جو کچھ خود فرمایا کرتا یا جو کچھ اس کے حکم سے ظہور میں آتا ہے وہ سب اس نے پہلے سے لکھ دیا ہے اور نیز اپنے اسماء و صفات کے مقتضی و آثار بھی لکھ دیئے ہیں جیسا کہ صحیحین میں ابوالزاہد کی حدیث وارد ہے۔ اسے وہ اعرج سے وہ ابوہریرہ سے روایت کرتا ہے۔ کہ اکابر رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنا شروع کیا تو اپنی کتاب (روح مخوفہ) میں جو عرش پر اس کے پاس موجود ہے یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے (یعنی مقتضائے رحمت اور اس کے آثار زیادہ ظہور میں آئیں گے) *

پارہ حوال باب

قضا و قدر کے مراتب میں تیسرے مرتبہ یعنی مرتبہ مشیت کے بیان میں

اس مرتبہ کے ثبوت پر آدم سے لیکر خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ تک تمام انبیاء کا اجماع ہے۔ اور جملہ آسمانی کتاب میں مخلوقات کی خود اپنی فطرت عقلی و بلیسی اور روزمرہ کے مشاہدے اس پر دلالت کرتے ہیں۔ سلسلہ ہستی میں اللہ وحدہ کی مشیت کے سوا کوئی چیز ایسی چیز کی وجہ اور مقتضی نہیں ہے جس چیز کو پیدا کرنا چاہے وہ ہو جاتی ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتی۔ توحید کا یہ وہ ستون ہے کہ اس کے سوا توحید قائم نہیں ہو سکتی۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اگرچہ ایک طرح سے مشیت الہی کے قائل ہیں لیکن اس عقیدے کے برخلاف ہیں۔ ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ سلسلہ کائنات میں ایسی چیزیں ہو سکتی ہیں جو مشیت الہی سے خارج ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہے مگر وہ پیدا نہ ہو۔ ان کے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے مخالف بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت مشیت کے بالکل منکر ہیں۔ اور اس کی ذات پاک کے لئے کوئی مشیت و اختیار جس سے اس نے خلق کو پیدا کیا ہے ثابت نہیں کرتے۔ چنانچہ دشمنان انبیاء یعنی بعض فلاسفہ اور ان کے پیروان کا یہی زعم ہے۔ قرآن کریم اور حدیث میں بہت سے ایسے الفاظ موجود ہیں جو ان دونوں کی تکذیب کرتے ہیں مثلاً چند آیات ذیل میں تحریر ہیں وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَقَلَّ الَّذِينَ مِنَ الْبَعْدِ هُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَيُفْتِنُهُمْ مِنْ آمَنَ مِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

مَا أَقْسَمْتُمْ أَنْ تَكُونَ لِلَّهِ كَيْفَ تَعْلَمُ مَا يُرِيدُ (اور اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد ہوئے اپنے
 پس کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے ایک دوسرے سے نہڑتے لیکن رہا ہم لوگوں نے ایک کے
 سے نہ تلاف کیا تو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جو کافر ہوئے۔ اگر خدا
 چاہتا تو یہ لوگ اس میں نہڑتے نہ لڑتے جو چاہتا ہے (اے) کَذَلِكَ يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ (اور
 اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) تَكَذَّبُوا بِكَلِمَاتِنَا لَنُبْلِيَنَّ عَنْهُمْ دَرَجَاتٍ وَلَنُؤَيِّدَنَّ
 يَوْمَئِذٍ أَجْرَهُمْ وَلَنُؤَيِّدَنَّ عَنْهُمْ دَرَجَاتٍ وَلَنُؤَيِّدَنَّ عَنْهُمْ دَرَجَاتٍ وَلَنُؤَيِّدَنَّ عَنْهُمْ
 يَوْمَئِذٍ أَجْرَهُمْ (اسی طرح ہم نے شرعاً اذیوں اور جنوں کو پیغمبروں کا صبر آزمانے کے لئے) ہر ایک نبی کا دشمن
 بنا دیا تھا کہ وہ کلاوینے کی غرض سے ایک کے کان میں ایک چکنی چیز پڑا تیں بھونکتا رہتا تھا اور
 اے پیغمبر! اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرتے تو ان کو پڑے افترا بازیاں کرنے دو
 وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُنَّ جَبِينًا (اور اسے پیغمبر! اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو
 جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے ایمان لے آتے) وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً
 وَاحِدَةً وَوَلَّىٰ ذَٰلِكُمْ وَاحِدًا (اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک امت کا کر دیتا) وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
 لَجَعَلَهُمْ عَلَىٰ الْهُدَىٰ (اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ راست پر ترقی کر دیتا) وَلَوْ شَاءَ
 رَبُّنَا كُنَّا نَفْسٍ هَدَاهَا (اور اگر ہم چاہتے تو دنیا ہی میں) شخص کو دوسری سوچ و عنایت کرتے
 کہ وہ سیدھے راستے پر جاتا) وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَمْ نَخْصِرْ هَٰؤُلَاءِ (اور اگر خدا چاہتا تو لڑنے
 کی نوبت نہ آتی اور یوں ہی) اُن سے بدلے دیتا۔ وَلَوْ شَاءَ لَنَدَّ هَبْنِ بِالْغَيْبِ أَوْ حَبِيبًا
 إِلَيْكَ (اور اسے پیغمبر! اگر ہم چاہیں تو جو قرآن) ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے
 اُس کو دنیا کے پرے سے آٹھائے جا میں) فَإِنْ يَتَّبِعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ عَلَىٰ ظَنِّكَ (اگر اسے چاہے تو
 تمہارے دل پر نہ لگائے) إِن يَفْلَهُ يَدَّ هَبْنِ بِالْغَيْبِ أَوْ حَبِيبًا (اگر اسے چاہے تو
 ذَرِكْ قَدِيرًا (لوگو! اگر وہ چاہے تم کو دنیا کے پرے سے) تھا کہ دوسروں کو لاپسائے اور اللہ
 ایسا کرنے پر قادر ہے) لَنَدَّ هَبْنِ بِالْغَيْبِ أَوْ حَبِيبًا (اگر اسے چاہے تو جو قرآن) ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے
 مسجد حرام میں بے خوف و خطر باطمینان تمام داخل ہو گئے اور نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔
 إِنَّمَا يَأْتِيَكُمْ بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ (کہ خدا کو منظور ہو گا تو وہی عذاب کو بھی تم پر نازل کرے گا) اَللَّهُمَّ احْفَظْ
 أَبَوَانِيَّاهُ (ابو اہم نے اپنی قوم سے فرمایا) وَلَا أَحَاثَ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَفْقَهُ رَبِّي شَيْئًا
 وَسِيمَ رَبِّي حَقَّ شَيْئًا (اچھ رتوں کو تم اُن کا شریک نہ بنو میں تو اُن سے کچھ ڈرنا دوستا)

نہیں (کہ مجھ کو کچھ نقصان پہنچا دینگے مگر میں میرا پروردگار ہی رخصتہ کو کچھ نقصان پہنچانا چاہتا ہوں) تو اس کی
 مرضی (انج) اللہ نے برابر اس سے کہا سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (اے اللہ! اگر آپ مجھ کو
 بھی صابر رہی، پائینگے) نظیہ بالانبیاء شریعت نے کہا اِنَّمَا يَكُونُ لَنَا اَنْ تَقُوْلَ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ
 رَبُّنَا وَنَسْتَغْفِرُ مِنْ ذُنُوبِنَا عَلٰی اَنْتَ حَكَمْنَا (اور ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہارے
 دین میں کوئی آئینہ مگر یہ کہ خدا جو ہمارا پروردگار ہے (وہ) چاہے (تو کچھ ہمارا زور نہیں) ہمارا پروردگار
 علم (وہ) اس کی رو سے تمام چیزوں پر حاوی ہے۔ ہمارا بھروسہ اللہ ہی پر ہے اور یہ شہد عدلی
 اکیم ابن کریم نے کہا اِنَّ خَلْقَ امْرِئٍ اَوْ شَاءَ اللّٰهُ اَمِنْ يَوْمٍ (ترجمہ مصر میں پہلے اور غلط چاہا تو تم سے)
 من میں ہے اور جو کچھ میں نے کہنا دیا اُن آئینوں میں سے جو اللہ نے اِنشاء اللہ میں اِنشاء اللہ میں
 (اور مجھ کو تم پر زیادہ محنت) شققت والی منظور نہیں (اور) تم مجھ کو اِنشاء اللہ میں معاملہ بخیر آدمی
 پاتے گے) موافق نے حضور سے کہا سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا (کہ
 اِنشاء اللہ آپ مجھ کو صابری (آدمی) پائینگے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا) سوئی
 کی تو میں نہان سے کہا اِنَّمَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَكْمَلُ الْاَمْرَ (خدا نے چاہا تم ہم ضرور اس کا ٹھیک
 پتہ لگائیں گے) اور اللہ تعالیٰ نے سید اور اکرم ولد آدم کو فرمایا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِهٰذَا اِنِّیْ
 قَاعِلٌ ذٰلِكَ عَلٰی اِنِّیْ اَنْتُمْ تَشَآءُوْنَ (اور کسی چیز کی نسبت نہ کہہ کر کہ میں جس کام کو کل
 کہہ رہا ہوں کہہ کر کہ خدا چاہے تو اس کام کو کل کر دوں گا) اور نیز فرمایا ہے قُلْ لَا اَمْلِكُ
 لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ (اے پیغمبر تو ان سے) کہو کہ میرا اپنا نقصان اور نفع بھی
 میرے اختیار میں نہیں مگر جو خدا چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اور اہل حجت کے حالات میں فرمایا ہے۔
 خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ مَا لَا كَرَمٌ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ (اور جب تک آسمان و زمین
 قائم ہیں برابر اسی میں رہینگے مگر جس کو خدا چاہے (سزا دیکر بدست میں داخل کرے) اہل اہل و فرج
 کی نسبت بھی ایسا ہی فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو روشن اور محموم ہو جائے کہ یہ سب معاملہ اس کی ہمت پر
 موقوف ہے اگر وہ چاہے تو اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے ایک اور مقام میں فرمایا ہے رَبُّكَ
 اَعْلَمُ بِاَنْ يُّنَزِّلَ عَلٰی كُمُ الْقُرْاٰنَ اِنْ يَشَآءُ يَنْزِلْهُ اَوْ يَخْتِمْ لَكُمْ (لوگو! تمہارا پروردگار تمہارے حال سے خوب واقف
 ہے چاہے (رحم کا حق سمجھ کر تم پر رحم کرے) اور چاہے (عذاب کا حق سمجھ کر تم کو عذاب دے) اور نیز
 فرمایا ہے فَيَخْفٰی مِنْ يَّشَآءُ وَيَخْتَارُ (پھر دل کے کھوٹ پر جس کو چاہے غصے
 اور جس کو چاہے عذاب دے) اور فرمایا ہے وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَوُضِعَ الْعَرْشُ فِي الْاَسْرِ

چاہے عظمت ہے اور تو رہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو رہی جس کو چاہے عزت
 ہے اور تو رہی جسے چاہے فخر ہے اور تو رہا ہے واللہ یدعی عوالی دار السلاطین و البصای
 من یشاء الی صیرا و مستقینہ (اور اللہ لوگوں کو سلاطین کے گھر یعنی بہشت کی طرف بلاتا ہے اور
 جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے) اور فرمایا ہے و یعد بامنا نقین
 ان شاء اذ یتوب علیہم (اور منافقوں کو چاہے سزا ہے یا چاہے ان کو توبہ کی توفیق ہے
 اور وہ توبہ کریں اور خدا ان کی توبہ قبول کرے) اور اللہ تعالیٰ کا قول یختص برحمۃ من یشاء
 (اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے) و قوله تعالیٰ و لکن اللہ یدری
 من یشاء (ولیکن اللہ جس کو چاہتا ہے مقدس بناتا ہے) و قوله تعالیٰ و اللہ یضاعف
 لمن یشاء (اور اللہ رکھتا ہے جس کو چاہتا ہے) و قوله تعالیٰ یضرب برحمۃ من یشاء
 (ہم جس پر چاہتے ہیں اپنا فضل کرتے ہیں) و قوله تعالیٰ نزعہم من جات من یشاء من ہم جس کو چاہتے
 ہیں اس کے سب سے بلند کر دیتے ہیں) و قوله تعالیٰ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (یہ
 دستگیری اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے) و قوله تعالیٰ و لکن اللہ یمن علی من یشاء
 من عبادہ (مگر وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے) و قوله تعالیٰ فنیج
 من یشاء (تو جس کو ہم نے چاہا بچا دیا) و قوله تعالیٰ فینسطہ فی السماء کیف یشاء (پھر خدا
 جس طرح چاہتا ہے کھینچے) اول کو سارے آسمان میں بھیلاتا ہے) و قوله تعالیٰ ان ربی لطیف بآ
 یشاء (میرے رب پروردگار کو جو کچھ کرنا منظور ہوتا ہے وہ اس کی تدبیر خوب جانتا ہے) و قوله
 تعالیٰ یؤتی الحکمۃ من یشاء (جس کو چاہتا ہے بات کی سمجھ دیتا ہے) و قوله تعالیٰ و لو نشاء
 لطمسنا علی أعینہم (اور ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں پر بھجھا دے) و قوله تعالیٰ و لو نشاء اللہ
 لذهب بسبعہم و البصائر ہیہ (اے اللہ اگر اللہ چاہے تو ان کو بھی انکے سننے اور دیکھنے کی قوتیں
 ان سے سلب کر لے) و قوله تعالیٰ ان یشاء لکن التویم (خدا چاہے تو ہوا کو ٹھیرا دے) و قوله
 تعالیٰ لو نشاء لجعلناہ حطاما (ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج کر پکے سے پہلے اس کو جوڑا چور کر دیں)
 و قوله تعالیٰ و لو نشاء لجعلناہ ارجاسا (ہم چاہیں تو اس کو اریا، کھاری کر دیں) و زبان پر بھی
 نہ رکھا جائے) و قوله تعالیٰ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ انشاء (تو وہ چاہیگا تو تم کو اپنے
 فضل سے غنی کر دیگا) و قوله تعالیٰ ان یشاء ینزلہ منکم و ینزل علی من یشاء (اور تم سے اس کو
 چاہے تم اس کو (دینا سے اٹھا) لے جائے اور تم سے بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین بنائے) و قوله

تَعَالَى تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ لَا غَوْلَى لَكَ مِنَ اللَّهِ (اور ارضا چاہتا تو تم کو شکل میں ڈال دیتا) و قوله تعالى اللَّهُ يَخْتِصُّ
 إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ (اللہ جس کو چاہتا ہے انتخاب کر کے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے) اور موسیٰ کے قول کو
 بیان فرمایا ہے اِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُفَضِّلُ بَيْنَ مَنْ يَشَاءُ مَهْدٍ وَ مَنْ يَشَاءُ (یہ سب تیرے
 کرشمے میں ہیں ان (کرشموں) سے تو جس کو چاہے گمراہ کیسے اور جس کو چاہے ہدایت دے گا) *
 مذکورہ بالا سب باتیں اور ان کے علاوہ صد آیتیں جن سے مشیت الہی کا ثبوت ہوتا ہے ان دونوں
 گمراہ فریق (یعنی ایک وہ جو مشیت الہی کے بالکل منکر ہیں اور دوسرے وہ جو اس بات کے منکر
 ہیں کہ بندوں کے افعال و حرکات ہدایت و ضلالت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو کچھ دخل نہیں دیتی تری
 کرتی ہیں) *

اللہ جاننے والے کسی مقام میں بتلایا ہے کہ سلبہ ہستی کی ہر ایک چیز اُس کی مشیت سے ہے کہیں فرمایا
 ہے جو چیز اُس کی مشیت میں نہ ہو وہ ظہور میں نہیں آتی۔ کہیں فرمایا ہے اگر اُس کی مشیت میں ہوتا تو اُس کو
 کائنات میں آنا کہیں یہ بتلایا ہے کہ اگر اُس کی مشیت میں ہوتا تو تقدیر مکتوب و مقدر کا مخلوق
 ظاہر ہو جاتا اور اگر وہ چاہتا تو کوئی اُس کی نافرمانی نہ کرتا۔ اور نیز اگر وہ چاہتا تو سب مخلوق کو راہ
 راست پر لاتا اور وہ سب ایک ہی پر ہوتے *

پس ان آیات سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صفحہ ہستی کی ہر ایک چیز کا ظہور اُس کی مشیت سے ہے
 اور جو چیز پردہ عدم میں ہے اُس سے اُس کی مشیت متعلق نہیں ہوتی۔ ربوبیت کی حقیقت اُس
 کے رب العالمین ہونے کا معنی اور اُس کے قیوم مدبر اور عباد ہونے کا مفہوم یہی ہے۔ خلق۔ رزق۔
 عطا۔ منع۔ قبض۔ بسط۔ موت۔ حیات۔ اضلال۔ ہدایت۔ سعادت اور شقاوت سب کچھ اُسی
 کے اذن کے بعد اور اس کی مشیت اور ہدایت کرنے سے ہے۔ اُس کے سوا نہ تو کوئی مالک ہے اور نہ
 مدبر اور نہ پروردگار۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار
 جیسے لوگ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور دان میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے) اور نیز فرمایا
 ہے وَفِي آيَاتِنَا حَاكِمٌ مَا يَشَاءُ (اور (ہر توں کے) سپٹ میں ہم جس (لطفے) کو چاہتے ہیں۔
 (ایک) وقت مقرر تک ٹھہرائے رکھتے ہیں) اور فرمایا ہے فِي آيَاتِنَا مَوَاقِدُ الشَّجَرِ
 (دیکھ جس طرح سے چاہتا ہے (یعنی تیرے اعضا کا) پیوند ملا دیا) اور فرمایا ہے اللَّهُ مَالِكُ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِنَّكُمْ لَأَعْيُنُكُمْ لَأَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ أَنْ تُبَدِّلَ مَا يَخْلُقُ

كُلُّوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ حَتَّىٰ تَصْعِقَ مِمَّا (آسمان وزمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے جو چاہتا ہے)
 پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے رزمی بیٹیاں عنایت کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے نر سے بیٹے
 عنایت کرتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں یا اگر ان کو دو نوز قسم کی اولاد عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا
 ہے ایسا ابے نامہ نشان کرتا ہے کلاس کے اولاد ہی نہیں ہوتی اور فرمایا ہے یٰہٰدِ اللّٰهُ لِنَزِیْرٍ
 قَرِیْنٍ یَسْتَأْذِنُ فَوْرَکِیْطٍ جِس کو چاہتا راہ دکھاتا ہے) ۴

حزینہ بن اسید کی حدیث جو بروایت سلم جیفین کے باب میں آئی ہے اس میں پہلے مذکور ہو
 چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی شیت کے مطابق حکم دیتا اور فرشتہ آسمان لکھ لیتا ہے اور صحیح بخاری میں
 ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم (حاجتمند کی) سفارش کرو اس
 میں تم کو ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہیگا اپنے نبی کی زبان سے فیصلہ کرانے گا۔ اور صحیح بخاری
 میں حضرت علی بن ابیطالب کی حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت
 انکے گھر شریف لائے تو ان سے اور حضرت فاطمہ سے فرمایا۔ کیا تم اس وقت نماز نہیں پڑھ رہے تھے
 حضرت علیؑ نے کہا ہمارے جانیں اللہ تم کے قبضہ میں ہیں سو وہ جب ہم کو اٹھانا چاہیگا اٹھادینا نیز
 صحیح بخاری میں صحابہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگل کے بیچ نماز صبح کے وقت سو جانے کے قبضہ میں
 آیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے جب چاہتا ہے اور اس کو قبض کر لیا اور جب چاہا انہیں لوٹا دیا
 اور سند میں حدیث سے لوٹنے اور نماز صبح کے وقت سو جانے کے قبضہ میں بروایت ابن مسعود آیا ہے کہ
 پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو تم لوگ اس نماز سے غافل ہو کر نہ سوتے لیکن اللہ تم نے
 یہ چاہا کہ تم کھلے لوگوں کے لئے قضاے صلوٰۃ کا طریقہ ظاہر فرمائے۔ سو جو شخص نماز سے سو جائے یا
 اُسے بھول جائے تو اُس کے لئے یہی حکم ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمیں دیار
 کر دیتا لیکن اُس نے پھلے لوگوں کو طریقہ قضاے صلوٰۃ بتلانا چاہا ۴

اور سند امام احمد بن حنبل بن سیرہ سے جو حضرت عائشہؓ کے ماوری بھائی تھے اس طرح مروی ہے
 کلاس نے یہ خواب دیکھا کہ یہودی ایک جماعت کے پاس گزرا۔ اور ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔
 انہوں نے کہا ہم یہود ہیں طفیل نے کہا اگر تمہارا یہ خیال نہ ہوتا کہ عذیر اللہ کا بیٹا ہے تو تم لوگ بیشک
 ایک نبی کے پیرو تھے۔ انہوں نے کہا اگر تم لوگ (امت محمدیہ) یہ نہ کہتے ماشاء اللہ و شاء محمد یعنی جو
 اللہ اور محمدؐ نے چاہا تو ہم بھی ایک نبی کی امت تھے۔ اس کے بعد نصاریٰ کے ایک گروہ کے پاس گزرا اور
 ان سے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں طفیل نے کہا اگر تم اس بات کے قائل نہ ہوتے کہ

عینے اللہ کا بیٹا ہے تو تم لوگ بیشک ایک بنی کے تابعدار تھے وہ یوں کہ اگر تم محمدی لوگ یہ دیکھتے۔
 ما شاء اللہ و سنا و محفل تو تم بھی ایک بنی کی امت تھے جب شیخ زید بنی و طفیل نے یہ خواب کئی آدمیوں
 کو بتلایا اس کے بعد بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اجرا بیان کیا۔ آپ نے جو چاہا کسی کو بہ
 خواب بتلایا ہے طفیل نے کہا بنی بن پھر جب لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے خطبہ پڑھا جس
 میں آپ نے پہلے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور اس کے بعد فرمایا کہ طغیان نے ایک خواب بتلایا ہے
 اور وہ اس نے کئی آدمیوں کو بتلایا بھی دیکھو بیشک تم لوگ ایک ایسا کلمہ کہا کرتے ہو جو کہنا جائز و نہی
 میں حیا کے سبب اس سے تم کو منع نہیں کرتا تھا یہ بھی کی روایت میں اتنا زیادہ ہے سو آئندہ وہ کلمہ نہ
 کہنا بلکہ یوں کہنا کرو ما شاء اللہ و سنا و محفل کا شریف لہذا

اور جو بنی عمن سے اس نے علی سے اس نے یزید بن اہم سے اس نے ابن عباس سے انہوں نے
 بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ کلمہ ایک شخص کسی سامانہ کے متعلق بات چیت کرنے کے لئے
 پیغمبر نہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مدت تک حاضر ہوا۔ اس نے اثنائے کلام میں یہ کلمہ کہا ما شاء اللہ و سنا و محفل
 جو کچھ اللہ اور آپ چاہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے مجھے اللہ کے برابر ٹھہرایا
 بلکہ یوں کہ ما شاء اللہ و سنا و محفل

اور سعید نے منصور سے اس نے عبد اللہ بن یسار سے اس نے خلیفہ سے انہوں نے بنی
 صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یوں مت کہنا کرو۔ ما شاء اللہ و سنا و محفل یعنی جو
 کچھ اللہ اور فلاں شخص نے چاہا۔ بلکہ یوں کہنا کرو ما شاء اللہ و سنا و محفل یعنی جو کچھ اللہ نے چاہا اس
 کے بعد جو کچھ فلاں شخص کی مشیت ہوئی۔

بروایت ربیع شافعی سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 ہے مَا أَتَانَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْ يَكُنْ آتَاءَ اللَّهِ (اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے) اللہ تعالیٰ
 نے مخلوق کو بتلایا کہ مشیت حقیقہ اس کی صفت ہے مخلوق کی واصل کوئی مشیت نہیں۔ اور جو کسی قدر
 ہے وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے سورس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کہا جاتا ما شاء اللہ و سنا و محفل
 اور اس طرح ما شاء اللہ و سنا و محفل کہنا درست نہیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ یوں کہنا من یطیع اللہ و
 رسوله یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے جائز و درست ہے اس کے جو ان کی وجہ
 یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر رسول اللہ کی اطاعت کو فرض کیا ہے سو جب رسول اللہ کی اطاعت
 کرے تو رسول اللہ کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت ہو جائیگی۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس طرح) مروی ہے کہ سب بندوں کے دل خدا نے جن کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جیسے کہ ایک دل ہوا اللہ تعالیٰ ان کو جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات کہے یا مَعْتَرَاتِ قُلُوبِ بَنِي عَادٍ كَمَا عَتَاكَ يَعْنِي سَبْعَ دُلُوبٍ كَمَا عَتَاكَ يَعْنِي سَبْعَ دُلُوبٍ كَمَا عَتَاكَ كَيْفَ عَتَاكَ

قیاس بن سحان کی حدیث میں ہے میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہایت سنا ہر ایک دل اللہ جن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے اسے سیدھا رکھے اور اگر چاہے ٹیٹھا کر دے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات کہا کرتے تھے یا مَعْتَرَاتِ قُلُوبِ بَنِي عَادٍ كَمَا عَتَاكَ يَعْنِي سَبْعَ دُلُوبٍ كَمَا عَتَاكَ يَعْنِي سَبْعَ دُلُوبٍ كَمَا عَتَاكَ يَعْنِي سَبْعَ دُلُوبٍ كَمَا عَتَاكَ

صحیحین میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث (اس طرح) آئی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور اس وقت آپ منبر پر کھڑے ہو کر یہ فرما رہے تھے کہ گذشتہ امتوں کی نسبت دنیا میں تمہارا دم سنا اس قدر ہے جس قدر تمام دین کی نسبت نماز عصر سے غروب آفتاب تک وقت ہوتا ہے اس حدیث کو پورا ذکر کئے اس کے آخر میں کہا ہے یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہتا ہوں عنایت کرتا ہوں +

صحیح بخاری میں مرفوعاً آیا ہے کہ کافر کی حالت درخت صنوبر کی حالت کی طرح ہے جو تھوڑی سی ہوا سے ہلکتا ہے جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ناگاہ اسے ہلاک کر دیتا ہے + عبدالرزاق نے عمر سے اس نے ہمارے روایت کیا ہے کہ یہ بخاری میں حدیثوں کے ہے جو ابو ہریرہ نے ہم سے بیان کی ہیں۔ کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم کو یوں نہیں کنا چاہئے۔ اسے ناکامی دوراں کیونکہ زمانہ تو میں ہی ہوں رات اور دن کو بھیجتا ہوں پھر جب چاہوں گا تو ان کو قبض کر لوں گا۔ الم شافعی کہتے ہیں واللہ اعلم اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرصہ لوگوں کی عبادت تھی کہ وہ موت بڑھاپے۔ ہلاکت مال وغیرہ مصائب کے آنے پر زمانے کی نیرت کرتے اور اسے گالیاں دیتے تھے پس کہتے کہ ہم کو زمانہ ہی نے ہلاک کیا یعنی روز و شب نے اور فلاں قوم کو زمانے کی مار پڑی اور زمانے نے ان کو تباہ کر دیا ہمارے دن کو فاعل شیا بھی کزنہ کی نیرت کرتے کہ یہی انکو ہلاک ادا انکے ساتھ باطرازی کرتا ہے اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تم اس خیال سے کہ زمانہ تم کو ہلاک کرنا اور وہ تم پر یہ آفتیں لاتا ہے اُسے گالیاں ست دو جب تم ان بنائے ہو
 چیزوں کے فاعل کو دشنام دہی کرتے ہو تو یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حق میں دشنام دہی کرتے ہو کیونکہ
 ان بنائے کا فاعل وہی ہے۔ اور انس کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ اپنے زمانے میں بھلائی کی طلب
 اور بادر جنت والہی کا تعرض کرو۔ اللہ عزوجل کی رحمت کے بار میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا
 ہے انہیں بھیجتا ہے۔ اور اللہ سے سوال کرو کہ تمہارے عیوب چھپائے اور تمہیں خطرات سے امن
 بخشنے۔ اور صحیحین میں عبادہ بن مسعود کی حدیث اس طرح ہے کہ اکابر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم
 کے حضور میں تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تم لوگ اس شرب پر مجھ سے سوچتے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کے شریک
 نہ ٹھہرائے اور نہ انا اور چوری نہ کرو گے۔ پھر جس نے ان شرائط کو پورا کیا۔ اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے
 اور جو شخص ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا تکبیر ہو۔ اور دنیا میں اس کی سزا پا چکا۔ تو اُس کے
 گناہ کا کفارہ ہو گیا۔ اور جس گناہ کا (کو دنیا میں سزا ملے) اللہ نے اُس کے گناہ کا کفارہ نہ کئے۔ تو اُس کا
 سزا اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر چاہیگا تو اُسے عذاب دیگا۔ اور اگر چاہیگا تو صاف فرما دیگا۔

اور صحیحین میں جنت دُنا کے باہم مناظرے کی حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت سے
 فرمایا گا۔ تو میری رحمت کا ذریعہ ہے جس پر چاہتا ہوں تیرے ذریعے رحمت کرتا ہوں اور رنج سے
 فرمایا گا تو عذاب دینے کا وسیلہ ہے جسے چاہتا ہوں تیرے ساتھ عذاب کرتا ہوں +

نیز صحیحین میں ابو ہریرہ کی حدیث (اس طرح) ہے کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
 کرتے ہیں کہ میں سے کوئی شخص اس طرح دُعا نہ کرے۔ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور
 اگر چاہے تو مجھ پر رحمت فرمائے۔ اور اگر چاہے تو مجھے ردی دے۔ بلکہ ضبوطی کے ساتھ اپنا سوا پیش
 کرے اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اُسے کوئی مجبور کرنے والا نہیں +

اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے مرفوعاً آیا ہے کہ یوں تو سب مومن اپنی جگہ میں مگر مومن قوی مومن
 ضعیف سے بہتر اور اللہ کا زیادہ پایا ہے۔ نفع مند چیز کی حرص کر۔ اللہ سے مدد مانگا اور عاجز نہ ہو
 اور اگر تھکے کوئی (خلاف طبع) چیز پیش آئے تو یوں نہ کہنا کہ اگر میں ایسا کرنا نہ بلکہ یہ کہا کہ اللہ کی
 تقدیر میں یہی تھا اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کلمہ کہ نہ شیطان فی فعل کا ذریعہ ہے +

اور ابو ذر کی حدیث میں ہے کہ میرے بند تم سب کے سب ہدایت سے دور ہو مگر جسے
 میں ہدایت کروں اُن کی آخر حدیث۔ اسی حدیث کے اخیر میں ہے یہ بات اس لئے ہے کہ میں جو اد
 ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں میرا عطا کرنا صرف ایک حکم سے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب میں کسی چیز کا

ارادہ کرتا ہوں تو صرف کلمہ کن اودھا کرتا ہوں۔ وہ چیز انسی کن میں ہو جاتی ہے +

ابو افس بن مالک کی حدیث میں (اس طرح) ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو کوئی نفع نہ پہنچے یا کوئی نقص نہ پہنچے اور وہ یہ کلمہ کہے مَا شَاءَ اللہ کا فَوَیْضَ اللہ (یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اللہ کے فضل بغیر میں کوئی قوت نہیں) تو موت اور قدر کے سوا اس میں کوئی آفت نہ دیکھیگا اور اس صحیح حدیث کا ضمنوں اس آیت سے نکلتا ہے تَوَكَّلْ عَلَى اللہ فَحَتَّىٰ حَتَّكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللہ كَافُوْنَ اَكَلًا يَدُلُّكَ (اور جب تو اپنے بارغ میں آیا تو نے (دیں) کیوں نہ کہ یہ (سب) خدا کے چاہے سے ہوا ہے (اور نہ تجھے میں تو) بے مدد خدا کے کچھ بھی طاقت نہیں) اور حدیث شفاعت میں ہے جب میں اپنے پروردگار کا دیدار پاؤں گا۔ تو اُس کے سامنے سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر جس قدر وہ چاہیگا تجھے سجدے میں رہنے دیگا + اور سب سے بچھے بہشت میں داخل ہونے والے کی حدیث میں ہے پھر جس قدر اللہ چاہیگا وہ خاموش رہیگا۔ اور اسی حدیث میں ہے اللہ فرمائیگا میں تجھ سے سختی نہیں کرتا۔ بلکہ میں جو کچھ کرنا چاہوں وہ کر سکتا ہوں۔ یہ دونوں حدیثیں صحیحین میں ہیں +

اور نیز صحیحین میں ابو ہریرہ کی حدیث (اس طرح) ہے کہ ہر ایک نبی کی ایک عاصوہ قبول ہوتی ہے سو میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو وہ دعا میں قیامت کو کروں گا کہ میری اُمت کی اُمت میری شفاعت منظور ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صاحبِ شجرہ میں سے جنہوں نے اُس کے پیچھے نبوت کی تھی انشاء اللہ کوئی شخص دو رخ میں داخل نہ ہوگا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھے اُپد ہے کہ انشاء اللہ میرا عرض اس قدر وسیع ہوگا کہ جس قدر ایلہ سے فلاں جگہ تک کا معاملہ ہے اور دینے کی نسبت اپنے فرمایا ہے کہ انشاء اللہ اس میں طاعون اور دجال آنا نہ پائیگا۔ اور زیارتِ قبور کے موقع پر آپ نے فرمایا انشاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ اور طائف کے محاصرے کے وقت آپ نے فرمایا انشاء اللہ ہم کل آپس ہو گئے۔ اور جب آپ نے مکہ میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ کل ہما استقام خیف بنی کنانہ میں ہوگا۔ اور جنگِ بدر کے دن آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ کل فلاں شخص اس جگہ کریگا اور فلاں شخص اس جگہ۔ اور کسی سفر میں آپ نے فرمایا جتنا کہ تم لوگ رات دن چلتے رہو گے اُس کے بعد دو سبے روز انشاء اللہ ایک پانی پر پہنچو گے۔ اور آپ نے جس احزاب کی شجاعت فرمائی تھی اُسے فرمایا جتنا انشاء اللہ کچھ ہرج نہیں دیکھا۔ انشاء اللہ گناہوں سے پاک کر دالا ہے +

اور آجیے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا واقعہ (اس طرح) بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ

جس آچر راجہ شتر عورتوں سے محبت کروں۔ حجت میں سے ہم ہر ایک عورت ایسا سوار صنیگی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ فرشتے نے ان سے کہا: اے عیال انشاء اللہ تمہو پر سیر ہوں۔ مرنے پر یہ کہہ نہ کہہ اور شتر عورتوں سے جملع کیا۔ بنائیں سے ہر ایک عورت، خاندان ہوئی اور اس نے بھی ایک اور عورت کو بچا۔
 پھر اس نے اللہ کی قسم ہے جس کے قبضہ میں تھیں کہ انہیں اگر سیر ہوں انشاء اللہ کہتے تو ان کے شتر بیٹے سب کے سب سوار ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔

اور اپنے فرمایا ہے جو شخص قسم کھائے اور اس میں انشاء اللہ کہے تو اسے اختیار ہے چاہے وہ کام کرے چاہے نہ کرے۔ کسی صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اپنے فرمایا کہ اس قسم سے ضرور لڑو۔ پھر تیسری مرتبہ انشاء اللہ کہا۔ اپنے فرمایا کہ کوئی شخص حجت کے لئے کہ شش کر نیو لا ہے۔ یہاں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم حجت کے لئے کوشاں ہیں۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ کہو۔
 اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام میں فرمایا ہے: **وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْلَمُوا** (اور اگر انشاء اللہ کہنا کبھی بھول جائے تو وہ جب یاد آجائے انشاء اللہ کہنے سے) اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کہ میں نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب تو انشاء اللہ کہنا بھول جائے اور یہی وہ استثناء ہے جس کو ابن عباسؓ نے لکھا جائز رکھتے اور اس آیت کا یہی مطلب قرار دیتے تھے۔ نہ وہ استثناء جو اقرار یہین۔ طلاق۔ عتاق میں ہو۔ یہ بات ابن عباسؓ کی کمال قرآن فہمی اور فقاہت کا نمونہ ہے۔ اس مسئلہ پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ اگر قسم کرنے والے نے اپنی قسم میں تھیں استثناء کیا یعنی اس طرح کہا کہ میں فلاں کام کر دوں گا۔ یا نہ کروں گا انشاء اللہ۔ پھر اگر اس قسم کا خلاف کیا تو وہ گناہگار نہ ہو گا۔ کیونکہ اہل اسلام کا یہ اصول ہے کہ کوئی چیز اللہ کی مشیت بغیر وقوع میں نہ آتی۔ سو جب قسم کر نیوالے نے اپنے فعل یا ترک کو مشیت الہی سے معلق کیا تو اس کے خلاف میں اسلئے گناہگار نہیں ہوتا۔ کلاس کے فعل یا ترک کی نسبت نہیں ہوئی اور اسی اسلئے اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں آتا۔ اگر ہم ان تمام احادیث و آثار کو ذکر کریں جن میں لفظ مشیت اور اللہ تعالیٰ کے فعل کا مشیت سے معلق ہونا مذکور ہے۔ تو کتاب میں بہت طویل ہو جائیگا۔ اسلئے مذکورہ بالا احادیث پر اکتفا کرتے ہیں) رہا ارادہ سوا اس کا درود نصیحت قرآن و حدیث میں معلوم ہے۔ **لَقَوْلِهِمْ فَقَالَ كَيْفَ يُرِيدُ + فَأَمَّا دَرَسَاتُ كَيْفَ يُرِيدُ** (پس تمہارے پروردگار نے کہا کہ دو لوگوں کے اپنی جوانی کو پیچیں) **وَإِذَا أَرَادْنَا**
يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسا

اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا، اِنَّمَا اَمْرُكَ اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔
 (اُس کی توفیق یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اُس سے اتنا ہی فرمادیتا ہے کہ ہو
 اور وہ ہو جاتی ہے) وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتًا فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا رَّاسُخٌ فِي السَّمْعِ
 کو اللہ دے دینی کی باتیں بتلا کر مٹا چاہے تو اس کے لئے وہ اپنا راس بھی نہ دے سکتا۔ نوح
 نے اپنی قوم سے کہا وَكَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ لَقَدْ جِئْتَ اِيْنَ اَرَدْتَ اَنْ اَنْصُرَ لَكُمْ اِيْنَ حَكَمَ اللّٰهُ يٰرَبُّنَا
 اَنْتَ بَعَثْتَ اِيْنَكَ وَرَبُّكَ وَرَبُّكَ وَرَبُّكَ تَرٰجِعُونَ (اور میں تمہاری دلتی ہی خیر خواہی کرنی چاہوں
 اگر خدا ہی کو تمہارا راہ راست ہے ہر کام منظور ہے تو میری نصیحت (بچہ بچہ) تمہارے کام نہیں آسکتی۔
 وہی تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے) فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيْهِ فَاَنْ يَّهْدِيْهِ
 فَهٗ لَا يَسْلُوْهُ مِنْ شَيْءٍ اَنْ يُّهْدِيَ اللّٰهُ اَنْ يُّهْدِيَ لَكَ رَحْمَةً رَّجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاَنْ يَّهْدِيَ لَكَ رَحْمَةً
 کہ اسے راہ راست دکھائے اُس کے سینے کو قبول اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو چاہتا
 ہے کہ بے گمراہ کرے اُس کے سینے کو تنگ (اور بچھا ہوا کر دیتا ہے) وَاِذَا ارَادَ اللّٰهُ يُّهْدِيْهِ
 فَاَنْ يُّهْدِيَ لَكَ رَحْمَةً رَّجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاَنْ يَّهْدِيَ لَكَ رَحْمَةً رَّجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاَنْ يَّهْدِيَ لَكَ رَحْمَةً
 چاہے تو وہ راہ کسی کے لئے مل نہیں سکتی وَاللّٰهُ يُرِيدُ اَنْ يَّتُوبَ عَلَيْكَ وَيُرِيدُ اَنْ يُّنْفِخَ
 بِرُوحِ الْقُدُسِ فَاَنْ يُّنْفِخَ بِرُوحِ الْقُدُسِ فَاَنْ يُّنْفِخَ بِرُوحِ الْقُدُسِ فَاَنْ يُّنْفِخَ بِرُوحِ الْقُدُسِ
 ضعیف (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر ہر کی نظر رکھے اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں۔
 اُن کا مطلب یہ ہے کہ تم راہ راست سے بھٹک کر بہت دور بھٹ جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم
 (پر) سے رجوع ہو کر اس کے کیونکہ انسان طبیعت کا کمزور پیدا کیا گیا ہے) *

اللہ تعالیٰ نے بتلادیا ہے کہ اگر وہ اپنے بندوں کے دلوں کو پاک صاف کرنے کا ارادہ نہ
 فرماتا تو وہ کبھی اُن کو پاک صاف نہ کر سکتے۔ چنانچہ دوسرے مقام میں فرمایا ہے اَذْلَلْنَا لَكَ
 لَمَّا يُرِدُ اللّٰهُ اَنْ يُّنْفِخَ بِرُوحِ الْقُدُسِ فَاَنْ يُّنْفِخَ بِرُوحِ الْقُدُسِ فَاَنْ يُّنْفِخَ بِرُوحِ الْقُدُسِ
 وہ لوگ ہیں کہ خدا بھی اُنکے دلوں کو نصیحت کی گندگی سے پاک کرنا نہیں چاہتا
 سب بھی رسوائی ہے اور آخرت میں (بھی) ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے
 وَاللّٰهُ يُّهْدِيْهِ مَنْ يُّرِيدُ (اور خدا جس کو چاہے اُس کے لیے ہے)
 اِنَّ اللّٰهَ يُّهْدِيْكَ لِمَا يُرِيدُ (اور بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے)
 وَاللّٰهُ يُّهْدِيْكَ لِمَا يُرِيدُ (اور بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے)
 وَاللّٰهُ يُّهْدِيْكَ لِمَا يُرِيدُ (اور بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے)

کسی طرح کی تنگی کرنی نہیں چاہتا بڑی تر کو صاف ستھرا رکھنا چاہتا ہے (وَقَوْلُهُ تَعَالَى خَمْسًا يَمْلِكُ بِهَا
 شَيْئًا إِنَّ ارَادَ أَنْ يُهْلِكَ السَّيِّئِينَ صَرَدِيحَةً وَأَمَّا وَمَنْ فِي الْأَكْثَرِ مِنْ جَبِينًا (د۔
 پیغمبران لوگوں سے) کہ وہ کہتا تو یہ سہی کہ اگر اللہ مریم کے بیٹے کو ادا لگی والدہ کو ادا دینے لوگ
 زمین میں ہیں سب کو خاک کرنا چاہے تو ایسا کون ہے جس کا خدا کے آگے کچھ جی زور چلتا ہو
 وَقَوْلُهُ تَعَالَى إِنَّكَ تَرِيدُ اللَّهُ مَائِدًا هَبْ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ (اے پیغمبر کے) گھر والو
 خدا کو تو بس یہی نظر ہے کہ تم سے ہر طرح کی آلودگی کو دور کر دے اور تم کو ایسا پاک صاف
 جیسا کہ پاک صاف بنائے کا حق ہے (وَقَوْلُهُ تَعَالَى قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ إِنْ أَرَادَ
 بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ مَرْحَمَةً (اے پیغمبران لوگوں سے) کہو کہ اگر خدا تمہارے ساتھ بڑی
 کرنی چاہے تو کون (ایسا سورنا) ہے جو تم کو اس (کی پکڑ) سے بچا سکے یا تم پر اپنا فضل کرنا چاہے
 (تو کون اس کو روک سکتا ہے) اور سورہ ایش میں آیا ہے أَلَا تَحِثُّ مِنْ دُونِهِ الْهَيْئَةُ إِنْ
 تَرِدُنِي الْوَيْلُ لِلْمُحْسِنِينَ بَصُرَ الْهَيْئَةُ حَتَّى شَفَاعَتُهُ شَيْئًا وَلَا يَنْقُذُوكَ (کیا اس کے سوا اور سب
 کو عبودان لوں اگر خدا نے رحمن مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ
 بھی کام نہ آئے اور نہ یہ مجھ کو (اس مصیبت سے) بچھڑا سکیں (وَقَوْلُهُ تَعَالَى قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ
 مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيهِ أَوْ
 إِنْ أَرَادَنِيَ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ (اے ایمان لوگ) کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی کے سوا چن
 (عبودوں) کو تم کیلئے ہو اگر خدا مجھ کوئی تکلیف پہنچانی چاہو کیا یہ سب اس کی بوجہ کی تکلیف دہر کر سکتے ہیں خدا میرا بچاؤ
 کرنا چاہے کیا یہ (جو اس کے فضل کو روک سکیں؟) (وَقَوْلُهُ تَعَالَى تَرِيدُ اللَّهُ أَنْ لَا يَجْعَلَ لَهُمْ خَطْلًا فِي الْآخِرَةِ
 (خدا چاہتا ہے کہ (ثواب) آخرت میں سے) انکو کچھ حصہ نہ دے (وَقَوْلُهُ تَعَالَى مَنْ كَانَتْ
 تَرِيدُ الْعَاجِلَةَ نَجَلْنَا لَهُ مِنْهَا مَّا نَشَاءُ وَلِيْنُ تَرِيدُ (جو شخص دنیا کا طالب ہو تو ہم جسے
 چاہتے ہیں (اور) جتنا چاہتے ہیں اسی دنیا میں ہر دست اس کو دے دیتے ہیں) اور احادیث
 نبویہ جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے اثبات میں وارد ہیں ان کا حصہ و شوار ہے (اس لئے تمہیں لا چند
 حدیثیں ذیل میں لکھی جاتی ہیں چنانچہ آنحضرت کا قول ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہتری کا ادا فرماتا ہے
 اسے میری سب سے عطا فرماتا ہے جس کے ساتھ اللہ ہتری کا ارادہ فرماتا ہے وہ میرا بیٹا ہے جسے اللہ تعالیٰ باو شاہ کے
 ساتھ ہتری کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے نیک وزیر مقرر کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی امت
 پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نبی کو اس سے پہلے فوت کر دیتا ہے اور جب کسی امت

کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو نبی کی رہی میں اُس کو عذاب میں گرفتار کر کے اُس کی ہلاکت و نبی کی آنکھیں تھنڈی کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس کے گناہوں کا عذاب اُس سے دُنيا میں پیدیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے تو بہی توفیق نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن گدھے کی ہنیت میں آئیگا۔ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو کہ فلاں آدمی فلاں ملک میں مرے گا تو اُس آدمی کے لئے اُس ملک کی طرف کوئی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی خاندان کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے تو اُن میں نرمی کی خصلت ڈال دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو ان میں جتنے لوگ (نیک و بد) ہوں۔ عذاب دینا سب پر آتا ہے پھر قیامت کو اپنی اپنی نیت کے مطابق سب کو کئے جائینگے۔ اس مضمون کی تمام احادیث کو ہم بالاستیعاب ذکر نہیں کر سکتے۔

فصل۔ یہاں ایک ایسا مضمون ہے جس پر آگاہ کرنا اور اس سے آگاہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور اس کے معلوم کرنے سے بہت سے وہ اشکال دور ہو جاتے ہیں جو ان لوگوں کو پیش آتے ہیں جو اس سے واقف نہیں۔ وہ مضمون یہ ہے کہ خلق اور امر اللہ سبحانہ کے صفات میں سے ہے اور دو قسم ہے اول کوئی قدری۔ دوم دینی شرعی۔ پس یہ سمجھنا چاہئے کہ اُس کی مشیت خلق اور کوئی سے متعلق ہے اور اسی طرح وہ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے سے متعلق ہے جو اُسے پسند یا ناپسند ہیں۔ سب کی سب اسکی مشیت میں داخل ہیں چنانچہ ابلیس کو باوجود اُس کے بغض ہونے کے پیدا کیا اور شیطان طین۔ کفار اور ایسی چیزوں اور ان افعال کو مخلوق کیا جن سے وہ ناخوش ہے۔ غرض اُس کی مشیت سب چیزوں کو شامل ہے۔ باقی رہی محبت اور رضا صوبہ امر دینی اور اُس شریعت سے متعلق ہے جس کو اپنے انبیاء کے ذریعے جاری فرمایا ہے۔ پس امور دین شرع میں سے جو چیز موجود ہو اُس سے محبت و مشیت دونوں متعلق ہیں اور دوسرے امور کی محبوب اور اُس کی مشیت سے واقع ہے۔ جیسے لالچہ۔ انبیاء علیہم السلام اور مومنین کی طاعت اور ان میں سے جو چیز وجود میں نہ آئے اُس سے اُس کی محبت اور امر دینی متعلق ہے اور مشیت اُس سے متعلق نہیں ہوتی۔ اور کفر فسق اور عاصی میں سے جو چیز ظہور میں آئے اُس سے مشیت تو متعلق ہے۔ لیکن محبت رضا اور امر دینی اُس سے متعلق نہیں۔ اور ان میں سے جو چیز ظہور میں نہیں آئی اُس سے مشیت و محبت دونوں متعلق نہیں۔ جو دین غرض لفظ مشیت کو

عالم گونا گوں کے اور لفظ محبت کو امور دین و دُشمن سے تعلق ہے۔ آزادہ بھی دُشمن ہے ایک
جو شیت، کما سرف: ہے۔ وہ آزادہ دینیہ جو محبت کا ہم نغمہ ہے۔ حسبِ تحقیق معلوم ہو
تو اب اللہ تعالیٰ کا قول: وَلَا تَرْفَعِ يَدَكَ إِلَىٰ يَدِ الْكَافِرِ (اور اپنے بندوں کے لئے ناشکری کو پسند
نہیں کرتا) اور لَا تَجِبُ الْإِسْلَامَ (اللہ کو نہ کہیں جاہلتا) اور وَلَا تَزِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اور
تمہارے ساتھ سختی کرتی نہیں چاہتا) تقدیر اور شیت کے اُن خصوص سے متعارف نہ ہونگے۔
عزیم یہ یہ ہم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی مشیت اور اس کی تصادق سے واقع ہیں کیونکہ
اور مشیت ایک نہیں اور اسی طرح امور و خلق و چیزیں ہیں اور اُس کی نظیر لفظ اس ہے کہ وہ قوم
کی طرف سے ہم سے امر نکولین و امر تشریع۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمان لوگ اسی قسم دوم کی نسبت نافرمانی
و مخالفت کرتے ہیں قسم اول کی نسبت نافرمانی اور مخالفت کا اسکان نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا
قول: وَإِذْ آتَيْنَاكَ الْكِتَابَ: قَسِيْرًا أَمْرًا نَامُتْرًا فَيَقُولُ: أَفَمَا لَوْ بِالْفِتْنَةِ (اور جب ہم لوگوں سے
کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے ہم اُس کے خوشحال لوگوں کو (کوئی سا بھی) حکم دیتے ہیں پھر وہ اُس
(بتی) میں فرمایاں کہ چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے قول: إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفِتْنَةِ (اللہ تو یہی کام
کی اجازت دیتا نہیں) کے منافی نہیں اور نہ یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ اصل میں عبارت اس طرح ہے۔
امرنا متمرینہا بالطاعة فصومنا و فسقوا ذہا یعنی ہم اُس کے خوشحال لوگوں کو طاعت کا حکم
کرتے ہیں پھر وہ اُس میں نافرمانیاں کرتے ہیں بلکہ اُمُرنا متمرینہا میں امر نکولین و تقدیر مراد ہے
نہ امر تشریع۔ اس دعا پر کئی وجوہ شاہد ہیں۔ اول یہ کہ اس قسم کی ترکیب میں قاعدہ یہ ہے کہ حرف
وف کا مابعد مامور یہ ہو کہ اُن سے چنانچہ محاسبے میں کہتے ہیں اُمُرْتُمْ فقام یعنی میں نے اُسے
(قیام کا) امر کیا سو وہ اُٹھ کھڑا ہوا و امرْتُمْ فاحصل میں نے اُسے (کھانے کا) امر کیا سو اُس نے
کھانا کھا لیا جیسے کہ یہ فہم امر کی نسبت بھی یہی قاعدہ ہے کہ لَوْلَا لَللْمَلَكَةِ الشَّجْدَةُ
لَا دَمٌ فَسَجْدٌ و (اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ اَدَم کے آگے جھکو تو شیطان کے سوا
(سب کے سب) جھک پڑے) اور مادۃ دع و کی نسبت بھی یہی دستور ہے چنانچہ جوتے ہیں دَعُوْهُ
فَاقْبَلْ رِئْسَ لَمْ يَكُنْ رَاسُوْدَةً اَللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَوْمَ یَاْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ
بِحَمْدٍ (جب کہ خدا تم کو بلائیگا۔ تو تم اُس کے حکم کی تعمیل کرو گے) یعنی اُس کی تعریف کرتے ہوئے
اقبروں سے نکل نکل کر چلے آؤ گے) دوم یہ کہ امر بالطاعة کوئی الماد اول سے خاص نہیں پس آیت
کو اس معنی چھوڑ کر نادرست نہیں بلکہ اگر طاعت کو عبارت میں مقدر مانا جائے تو متمرینہ کا ذکر

بے فائدہ ٹھیکرنا ہے کیونکہ تمام امتیاز امور بالطاہر ہے پس مترفعین کو امر بالطاہر کرنا سب کے ہلاک کرنے کی علت نہیں ہو سکتا۔ سوم یہ کہ اس قسم کا کلام اور ترکیبیں اس بات کی تحقیق ہی ہے کہ حرفت کا قبل علت یا سبب اور اس کا بالبد محمول یا مسبب ہو دیکھو فرق حکم ہلاکت کی علت اور حکم ہلاکت ان کی تباہی کا موجب ہے۔ پس اس قاعدہ کے مطابق امر فریق کا سبب اور اس کا موجب ہو گا۔ لہذا یہ متذکرین ہونا شرعی ہے چنانچہ یہ کائنات خدا نے انکی فرمائی اور انبیاء کی مخالفت کر نیکی بعد انکے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا تھا سو انکی فرمائی مخالفت پہلے ہوئی تا وہ اللہ سبحانہ کا ارادہ ہلاکت کے بعد ہوا اللہ تعالیٰ نے انکو اس طرح پکڑا کہ ان کے لئے ایسے کام مقرر کر دیے۔ جو انکی ہلاکت کا موجب ہوئے۔

یہاں اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ ان کی ہلاکت کا سبب تو انکی پہلی نافرمانی ٹھہری پھر اللہ تعالیٰ کے قول *أَمْزَنَّا لَهُمْ لَنْ يَنْفَعُوهُمْ إِذْ يَخُصَّوْنَ* کا کیا فائدہ ہے فرق تو وہ پہلے کر چکے تھے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ان کی ہلاکت کا سبب اگرچہ ان کی محصوریت سابقہ تھی۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس محصوریت پر وہ ہلاکت کئے جاتے۔ اور اس پر ان کا ہلاک کرنا ضروری نہ ہوتا۔ عاۃ اللہ اس طرح جاری ہے کہ مخلوق سے محاصی سرزد ہونے پر اللہ تعالیٰ جھٹ انکی ہلاکت کا قطعی فیصلہ نہیں فرماتا۔ بلکہ جب وہ ہلاک کرنا چاہتا ہے تو کوئی ایسا سبب پیدا کرتا ہے جس سے انکی ہلاکت ضروری ہو جاتی ہے۔ دیکھو قوم ثمود کو ان کے کفر سابق پر ہلاک نہ کیا بلکہ زحجرہ کے طور انکے سامنے پتھر سے اونٹنی نکالی جس کی انہوں نے کوچیں کاٹ ڈالیں اور اس وقت سب کے سب ہلاک ہوئے۔ اور قوم ذریعہ کو موسیٰ کی نبوت کے انکار سابق پر ہلاک نہ کیا۔ بلکہ جب ان کو پہلے در پہلے معجزات دکھلائے اور انکی سرکشی و عناد نے خوب زور پکڑا تو سب کے سب ہلاک کئے گئے۔ قوم لوط علیہ السلام کا بھی یہی حال گذرا جب انکی ہلاکت کا ارادہ ہوا تو لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کو جہان کی صورت میں بھیجا جن سے کہنتوں نے بدکاری کا ارادہ کیا اور لوط علیہ السلام کی بیعتی کی امدان کو دھمکایا اور اس کو قوت پر ہلاک ہوئے۔ اور تمام امتوں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا ارادہ کیا۔ تو ان سے ایسی سرکشی یا ظلم سرزد ہوئے جس کے بعد ان کو معذب کیا۔ جو ام اور وہ تمام بندوں کے ساتھ ہی طرح عاۃ اللہ جاری ہے۔ بندہ اس کی نافرمانی کرتا اور وہ اپنے علم سے اس کو جلدی سے نہیں پکڑتا۔ بلکہ جب اس کو پکڑنا چاہتا ہے۔ تو اس کے لئے پہلے قسم کے اعمال سے کوئی ایسا عمل مقرر کرتا ہے جس پر چھوٹنے نہیں پاتا۔ دیکھئے والایہ گمان کرتا ہے کہ وہ صرف اس آخری جرم پر ہلاک کیا گیا ہے اور درحقیقت یہ بات نہیں بلکہ اس جرم پر

اُس کی ہلاکت کا قاضی فیصلہ ہوتا ہے اور پہلے جہنم پر جو اُس کی ہلاکت کا سبب تھے۔ حکم الناکین نے حکم ہلاکت نافذ نہیں فرمایا تھا۔ پھر جب اُس نے اسی ناشائستہ حرکت کی پھر غضب الہی کی زیادتی کا موجب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی ہلاکت کا حکم جاری دناؤ فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلْنَا اَسْمُوْنَا اِنَّكُمۡ تَكٰفِرُوْنَ (پھر جب ان لوگوں نے اپنی نافرمانیوں سے ہم کو غصہ لایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا) اللہ سبحانہ نے رسول کی نافرمانی کے جو سبب تھے ہی ان پر غضب ناک تھا لیکن ابھی اُس کا غضب اس سے زیادہ نہیں ہوا تھا کہ شاید وہ ایمان لائیں تو وہ غضب دور ہو جائے پھر جب ان کے ایمان کی امید نہ رہی تو وہ غضب مضبوط ہو گیا و حکم ہوا جس سے ان پر عذاب نازل ہوا۔ یہ بات قرآن کریم اور نقد بر الہی کے اسرار میں ہے۔ جسے اس میں غور کرنا بخیر کے حق میں نہایت مفید ہے۔ کیونکہ اُسے معلوم نہیں کہ کون سے گناہ پر اُس کا عذاب ہونا ضروری تھیں گے۔ اور اُس کے بعد معافی نہ ہوگی۔ واللہ المستعان +

اور بحال انشاء اللہ غضب قضا نے کوئی اور قضائے شرعی میں فرق بتلانے کے لئے اس مضمون پر ایک علیحدہ باب منعقد کر کے اسے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے۔ کیونکہ لوگوں کو اس کا سمجھنا از بس ضروری ہے۔ اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صفت مشیت سے موصوف ہے اور اُس کی مشیت ہی ہر موجود کی ہستی کا سبب ہے جیسا کہ اُس کی عدم مشیت اُس کے عدم کا باعث ہے پس اس باب میں دو وجوہ تفسیر معارف ہیں (۱) جو چیز اللہ کی مشیت میں ہو اُس کا وجود ضروری ہے (۲) جو چیز اس کی مشیت میں نہ ہو اس کا عدم اور امتناع ضروری ہے۔ اور یہ کلیہ تمام مقدمات یعنی ذات افعال جبرکات و کمالات وغیرہ کو شامل ہے۔ اللہ کی ذات اس بات سے پاک ہے کہ اُس کی ملکیت میں وہ چیز ہو جو اُس کی مشیت سے خارج ہو یا کوئی چیز اُس کی مشیت میں ہو اور وہ ہستی میں نہ آئے۔ ہاں سبب ہستی میں بعض چیزیں ایسی ضرور ہیں۔ جو اُس کی محبوب و پسندیدہ نہیں۔ اور بعض اُس کی پسندیدہ چیزیں مشیت نہ ہونے کی وجہ سے ظہور میں نہیں آتیں۔ اگر اُس کی مشیت ہوتی۔ تو وہ ضرور موجود ہو جاتیں +

پیر حوال باب

قضا و قدر کے مراتب میں جو حق تعالیٰ کے بندوں کے اعمال

ایجاد و تکوین و پیدا کر نیکے بیان میں

جمع انبیاء علیہم السلام اور عبد آسمانی کتاب میں اس بات پر متفق ہیں کہ بندوں کے اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے قدرت۔ اولہ عقلیہ اور قیاس بھی اس کے شاہد ہیں۔ جو اس بات یعنی فرقہ قدر پر اس کے بقول ثابت یہ کہتے ہیں کہ کائنات یعنی ملائکہ، انبیاء، مسلمان اور عباد مومنین کی طاعات اللہ تعالیٰ کی مشیت و تکوین (پیدا کرنے) سے خارج ہیں۔ بلکہ وہ خود ان کے خالق و موجد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انہیں کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس کی قدرت میں داخل ہیں۔ اس کے علاوہ تمام حیوانات کے افعال اختیار میں بھی یہی کہتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک اللہ سبحانہ کسی گمراہ کو ہدایت کرنے یا کسی ہدایت یافتہ کو بہکا دینے اور مسلمان کو مسلمان کرنے۔ کافر کو کافر ٹھہرانے اور نمازی کو نمازی بنانے پر قادر نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ بندوں کے اختیار میں ہے اور وہی اس کے جامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے جمل کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ قرآن کریم بلکہ تمام آسمانی کتابیں۔ حدیث رسول۔ اولہ توحید اور براہین عقلیہ نہایت زور سے اس کے قول کا ابطال و تردید کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کے اہل علم و ایمان ان کی اس ہیودہ گوئی پر بول اٹھتے۔ اور گروہ اسلام جماعت رسول نے ان کے رد میں اس قدر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کا شمار دشوار ہے۔ اور سلف صالحین اور ائمہ اہل سنت ہمیشہ ان کی گوشمالی کرتے رہے اور ان بزرگوں کے سامنے وہ نہایت ذلیل و خوار ہوتے کیونکہ سلف صالحین ان کے باطل قول کو حق صریح اور اعلیٰ بعثت کو سنت صحیح سے رد فرماتے تھے عقلی دلیل سنت کا مقابلہ کہاں کر سکتیں سلف کے سامنے وہ ایسے ذلیل تھے جیسے ذبیحہ مسلمانوں کے سامنے سلف صالحین کے بعد قدریہ کے برخلاف ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جس نے ان کی بعثت و قول باطل کی تردید کی ہی اپنی ہی نہ شیعہ بعثت اور قول باطل سے شروع کی۔ اور کیا کہا کہ بندہ اپنے افعال میں شخص مجبور اور بالکل بے بس ہے۔ ان کے مجموعہ ہرگز اسے کوئی دخل

نہیں اور یہ قول ان کا بالکل غلط ہے کیونکہ افعال عبادان کے ارادے و اختیار سے واقع ہوتے ہیں اور اس فرق کے جن لوگوں نے اس خیال میں زیادہ ترقی کی انہوں نے بہ کد یا کہ بندے کے تمام افعال خود اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں بندے کی طرف صرف جواز اُسنے ہی ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ بندے کو ان کاموں پر راستہ و نذاب کرے گا اور اُسے ہمیشہ دوزخ میں بھیگا جن میں بندے کا کوئی دخل تھا اور نہ وہ اُس کے کام تھے بلکہ وہ تو محض اللہ سبحانہ کے افعال تھے۔ اس بات کے قائل فرقہ جبر یہ کہلاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ اگرچہ فرقہ قدریہ کے عقیدہ سے زیادہ خراب نہیں مگر بالکل ہونے میں اُس سے کم نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کتب سماویہ۔ اول عقیدہ فطرت اور مشاہدہ یہ سب ان کے اقوال کی تفسیر اور ترویج کرتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ حق اور سیدھی راہ سے دور ہیں جب قاضی وغیرہ نے معلوم کیا کہ یہ قول باطل اور شراعت۔ علی اور بہت سے مناقض ہے تو یوں کہدیا کہ آدمی کی قدرت اگرچہ افعال کے وجود میں موثر نہیں لیکن اس کے صفات میں سے ایک صفت میں موثر ہے اس صفت کا نام کسب ہے اور امر و نہی۔ ثواب و عقاب اسی سے متعلق ہیں۔ کیونکہ بندے کی وہ حرکت جو طاعت الہی میں ہے اور وہ جو اُس کی معصیت میں ہے دونوں حرکت ہونے میں یکساں ہیں صرف طاعت اور معصیت ہونے میں ایک دوسری سے ممتاز ہے۔ پس نفس حرکت اور اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ایجاد سے واقع ہے۔ اُس کا طاعت و معصیت ہونا جبر کی قدرت اور اُس کی تاثیر سے واقع ہے۔ یہ بات اگرچہ قریب الی الصواب ہے لیکن اس کے قائل نے اُس کو کما حقہ نہیں بیان کیا بندے کی حرکت کا طاعت یا معصیت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ امر الہی کے موافق یا مخالف ہے۔ پس موافق اور مخالف ہونا یا تو بندے کا فعل ہے تو اُس وقت اُس کی قدرت و اختیار سے متعلق ہو گا یا اُس کا فعل نہیں۔ اگر بندے کا فعل نہیں تو اُس کے لئے کوئی اختیار فعل اور کسب نہ ہو گا۔ غرض قاضی اور اُس کے ہم خیال لوگوں نے جو صفت کسب ثابت کی ہے اُسے کوئی مقول بابت نہیں نکلتی۔ اسی واسطے مشہور ہے کہ علم کلام کی تین باتیں محالات میں سے ہیں (۱) کسب اشعری (۲) احوال ابی ہاشم (۳) طفرہ نظام۔ اس فرقہ کی ایک اور عجبت نے جب اس قول کی خرابی معلوم کی تو کہنے لگے کہ افعال عباد کے وجود میں متقل طور پر پروردگار کی قدرت موثر ہے اور ایک اثر پر دو موثروں کا مجتمع ہونا کوئی محال نہیں۔ اور اُن کے نزدیک ایک مفعول کا دو فاعلوں یا ایک مفعول کا دو قدرت رکھنے والوں سے متعلق ہونا کوئی بعینہ جیسے کہ ایک معلوم سے دو عالموں یا ایک مملو سے دو ابادہ کرنے والوں یا ایک محبوب چیز سے دو محبت کرنے والوں یا ایک

ناپسند چیز سے دونوں پر سکینے والوں کا تعلق نہ ہو گا کوئی جملہ نہیں ان کا یہ قول ہے کہ ہم ایسے متوکل
 قدرت نہ کہنے والوں کو جن میں ہر ایک کے حالات تباہی و تخریب ہو رہے ہیں دیکھتے ہیں کہ ایک مفعول ان کے
 درمیان واقع ہوتا ہے۔ پس یہ فعل اور تاثیر کرنے میں یہ دونوں شریک ہو گئے ہیں۔ اور مخالفین کو کہتے
 ہیں کہ جہاں سے اس میان کے بظاہر کے لئے جملے اس دلیل کے کہ مستقل طور پر ایک کی طرف بہت
 کرنے دو سرخسہ کی طرف اور نیز دونوں کی طرف نسبت کرنے سے مانع ہے قہراً سے پاس اور کوئی دلیل
 نہیں ہے۔ اگر یہ دلیل کافی اور محمل ہے اس کی تفصیل چلیے۔ پس اس کلام سے یہ ثابت ہوا کہ ایک فعل
 کا دو ایسے فاعلوں کے درمیان واقع ہونا جن میں سے ہر ایک مستقل نہ ہو جائز و درست ہے جیسے
 دو شخص بلکہ کوئی ایسا کام کریں جن میں سے ہر ایک کیلئے اس سے نہیں کر سکتا۔ اور نیز ایک مفعول کا
 ایسے دو فاعلوں کے درمیان واقع ہونا جائز ہوا بلکہ اس میں فعل کریں اور ان میں سے ہر ایک
 اپنے وجہ پر ایک مستقل ہو۔ پر اس میں فعل کر سکے۔ اور یہ بات ظاہر ہے۔ اور نیز ایک مفعول کا ایسے
 دو فاعلوں کے بیچ واقع ہونا درست ہوا بلکہ اس میں فعل کریں اور ان میں سے ہر ایک علیحدہ بھی
 اسے کر سکے جیسے دو شخص ہر ایک کی چیز اٹھائیں جسے وہ دونوں کیلئے کیلئے بھی اٹھا سکتے ہیں۔ اور
 یہ تمام سوچیں صرف ممکن نہیں بلکہ نفس الامر میں واقع ہیں۔ باقی رہا ایک قسم کا ایک مفعول ایسے دو فاعلوں
 کے درمیان واقع ہو جن میں سے ہر ایک نے مستقل طور پر اس میں فعل لیا ہو۔ سو یہ محال ہے کیونکہ
 ہر ایک کے مستقل اور پر فعل کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ دوسرا اس میں کچھ فعل نہ کرے پس
 دونوں کے مستقل ہونے سے دونوں کا غیر مستقل ہونا لازم آتا ہے۔ اور اکثر لوگ ایک مقدور کے دو قدرت
 رکھنے والوں سے متعلق ہونیکے مقرر ہیں۔ گو کیفیت وقوع میں باہم اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا
 قول ہے کہ جنہے کے فاعل مستقل طور پر تاثیر کرنے کے لحاظ سے تو اللہ سبحانہ کی قدرت کی طرف
 منسوب ہیں اور جنہے کی قدرت کی طرف بھی منسوب ہیں لیکن اس کی قدرت غیر مستقل البتہ ہے اور
 جب جنہے کی قدرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت مل جائیگی تو وہ اس وجہ سے مستقل طور پر مؤثر ہو جائیگی
 کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس کی اعانت فرما کر اس کو مؤثر بنا دیا ہے۔ مگر ان کا قول غلطی سے
 خالی نہیں کیونکہ ان کے زعم کے مطابق جب بندے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مدد سے
 مستقل البتہ ہو جائیگی تو ایک اثر پر ایسے دو مؤثروں کا مجتمع ہونا لازم آئے گا۔ جن میں سے ایک کی
 قدرت اور تاثر دوسرے کی قدرت و تاثر پر موقوف ہے واللہ اعلم شاید ان کا مطلب یہ ہو کہ
 بندے کے افعال پر اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقل البتہ ہے۔ ایک اور جماعت کہتی ہے

کہ بندے کے فعال مستقل بطور پرتاثر کرنے کے اعتبار سے اس کی قدرت کی طرف منسوب ہیں۔ اس بات کے کئی اہل
 علم قائل ہیں مگر یہ بھی غلطی پر ہے کیونکہ ایجاد افعال میں بندے کی قدرت کو مستقل البتہ اثر قرار دیا ہے۔ اور یہ
 باطل ہے کیونکہ بندے کی قدرت زیادہ سے زیادہ موجب بلکہ جزو سبب ہو سکتی ہے۔ اور کوئی سبب اپنے
 سبب کے حصول میں متعلق تباہ نہیں ہو سکتا۔ اور سبب اس سبب میں ثابت الہی کے سوا کوئی
 چیز حصول ممکنات کی موجب نہیں۔ یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو قدرت و ارادہ
 بخشا ہے اور اسی قدرت و ارادہ کی وجہ سے کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا اس کے اختیار میں کر دیا اور اسے
 اپنی ارادت کے فعل و ترکہ میں خود اسے بنا دیا ہے پس وہ اپنی اس قدرت و ارادہ سے متوجہ ہے سبب
 نفع ترک کا اسے اختیار۔ یا لگیا کسی کام کو کرنا و کسی کو بچھڑنا ہے۔ ایسا اور جماعت کا یہ قول ہے کہ بندے
 کے مقدر و رستہ عین مقدر و رستہ الہی میں بشرطیکہ بندہ انہیں اس وقت کہ جس سے سبب اللہ تعالیٰ نہیں نہ
 کرے۔ یہ کہ اس وقت کہ جس سے سبب اللہ تعالیٰ ان کا فاعل ہو۔ یہ سبب اس لئے کہ یہ چیز کے دو خالق نہیں
 ہو سکتے اذ ایک طرح سے یہ جیسے ان کو کرنا۔ یہ سبب اس لئے کہ دو فاعل سے سرزد ہونے کے
 قائل ہیں۔ اور بہت سے تقدیرین میں شیعہ و غیر شیعہ ای بات سے قائل ہیں۔ ایک اور جماعت کا
 قول ہے کہ ایک فعل مختلف متواتر کے ساتھ دو فاعلوں سے نہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح کہ ایک موجد و
 دوسرا کا سبب ہو۔ بخار۔ ضرر بیت عمر و محمد بن عیسیٰ بن حفص کا یہی سبب ہے شاعر اور ان کے سبب
 میں دو طرح سے فرق ہے (۱) اس سبب والے اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ اگرچہ اپنے افعال کا محدث و
 مخترع نہیں لیکن ان کا فاعل حقیقتہً ہے۔ اور اشعری کہتے ہیں کہ بندے کے افعال اگرچہ اس کی طرف منسوب
 ہوتے ہیں لیکن وہ ان کا فاعل نہیں ان کا فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی فاعل نہیں (۲) اس
 سبب والے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ افعال عباد کا محدث و محدث ہے ان کے فاعل ہیں۔ اور ایک فرقہ کہتا
 ہے کہ افعال عباد حقیقتہً نادر تعالیٰ کے افعال درجہ زائدوں کے اعمال ہیں شاعر کا ایک یہی قول
 ہے کہ وہ ان کے دوسرے فاعل نے جن میں سے فلاسی اور ابو اسحاق ہیں۔ اپنی جنس کتابوں میں لکھا
 ہے کہ افعال عباد حقیقتہً اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔ اور انسان کی بھی حقیقی افعال ہیں۔ مگر انسان ان کا محدث
 نہیں بلکہ ان کا سبب ہے۔ ایک دوسرے فرقہ یعنی جمہ اور اس کے اتباع کا یہ قول ہے کہ حقیقت
 قادر اور فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لئے اس کے حقیقتہً نہ تو کوئی فاعل ہے اور نہ کا سبب بلکہ وہ اپنے تمام
 افعال، حرکت اور سکون میں مجبور اور یہ خود ہوتے ہیں کہ فلاں شخص کھڑا ہو بیٹھا یا فلاں شخص نے کھا یا پیا یہ
 سب مجاز کہتے ہیں جیسے کہ فلاں شخص مرا۔ ہڑا ہوا۔ اگر پڑا۔ آفتاب نکلا یا ڈوب گیا یا تمام مجازی نسبتیں ہیں۔

اور یہ غلط فہمی کا قول ہے کہ مقابلِ قدریہ کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود موجد اور اپنی قدرت و ارادے سے اُن کو پیدا کرتے ہیں جس طرح کہ انسان مقدوراتِ باری تعالیٰ پر قدرت رکھنے کی صفت کے ساتھ موجد و موصوف نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے افعال اُس کی قدرت میں داخل ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انسان کے مقدورات پر قدرت رکھنے کی صفت سے موصوف نہیں اور نہ اُن کے مقدورات اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں۔ جمہورِ قدریہ کا بھی قول ہے اور نہ ہم قدر پر اس بات پر متفق ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ افعالِ عباد کا خالق نہیں لیکن اُن میں یہ اختلاف ہے اللہ تعالیٰ اُن کا مخدوش۔ خالق اور پیدا کرنا والا اور اُن پر قادر ہے یا نہیں جمہورِ قدریہ تو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے منکر ہیں۔ لیکن ان میں جو لوگ مذہبِ اہل سنت سے قریب ہیں وہ اتنا مانتے ہیں کہ افعالِ عباد اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں۔ اور وہ اُن پر قادر ہے اور بندے اللہ تعالیٰ کی اُن پر قدرت دینے سے اُن کو پیدا کرتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعالِ عباد قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُن کہہ کرنے پر قادر ہے۔ یہ تو اُن کے نزدیک محال ہے۔ سہہ بلکہ اللہ تعالیٰ کے اُن پر قادر ہونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ بندوں کو ان کے پیدا کرنے پر قدرت دیتا ہے پھر وہ اپنی قدرت اور اللہ تعالیٰ کے قدرت اور قوت دینے سے انکو وجود میں لاتے ہیں۔ ان کا خیال اہل سنت کے عقیدہ کے قریب قریب ہے۔ یہ جتنے مذہبِ مذکور ہوئے ہیں سب میں کچھ نہ کچھ غلطی اور کوئی نہ کوئی بات صحیح بھی موجود ہے۔ لیکن بعض زیادہ غلطی پر اور بعض اقرب الی الصواب ہیں۔ اور ہر ایک مذہب کے اولاد و برادر اپنے مخالف فریق کی غلطی کی تردید کے لئے قائم ہو سکتے ہیں۔ اور اُس کے صحیح قول کے ابطال پر اُن کی کوئی دلائل نہیں۔ پس جبریت کی ہر ایک صحیح دلیل اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کے ثبوت پر اور نیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس کے سوا کوئی خالق نہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس عام حکم سے ممکنات کا کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں۔ اور یہی سچ ہے۔ لیکن ان کے پاس کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جو بندے کے قادر صاحبِ ارادہ۔ اور فاعلِ بقدرت و مشیت ہونے اور نیز اس بات کو نفی کرے کہ بندے کے افعال اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اور وہ اُسی کے افعال ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے۔ اور اسی طرح قدریہ کی ہر ایک صحیح دلیل صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ افعالِ عباد اُن کے فعل ہیں اور اُن کے ساتھ قائم اور اُن کی قدرت و مشیت و ارادے سے واقع ہیں اور وہ ان میں محنت میں نہ مجبور و مضطر اور اُن کے پاس کوئی ایسی صحیح دلیل موجود نہیں جو اللہ سبحانہ کے افعالِ عباد پر قادر ہونے اور بندوں کو اُن کا فاعل بنانے کے منافی ہو۔ غرض جبریت کی تمام دلیلیں ان لوگوں کے برخلاف صحیح و درست ہیں جو اللہ سبحانہ کی تمام ہشیا یعنی ذوات و افعال

پر قادر بننے کے منکر ہیں اور ہر ایک موجود پر اُس کی تثبیت و خلق کے عاوی ہونے کا انکار کرتے
 اور اس بات کے قائل ہیں کہ سلسلہ مستی میں ایسی چیزیں بھی جو اس کی مشیت و خلق سے باہر ہیں
 اور قدریہ کی تسلیں اُن لوگوں کے مخالف صحیح و درست ہیں جو بندہ سے کمال قدرت و مشیت و اختیار
 کا انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ بندہ کسی چیز کا قائل نہیں اور اللہ تعالیٰ اُس کو اُن کاموں پر عذاب کریگا۔
 چونکہ اس کا فعل نہیں اور نہ اُس سے اُن پرستی و تعظیم کی قدرت ہے بلکہ وہ ان میں مضطرب اور مجرب و محض ہے اور
 اہل سنت تابعہ ان رسولِ مسلم خاصہ مسلمانوں کی جماعت سب عقائد میں نہ تو جبر یہ اور نہ ہی قدریہ کے
 ساتھ ہیں بلکہ جو عقیدہ جبر یہ کا صحیح ہے اس میں اُن کے ساتھ اور جو قدریہ کا کھنکھ ہے اُس میں اُن کے
 ہمراہ ہیں۔ غرض ہر ایک گروہ کے عقائد میں جو بات صحیح ہے اُس میں تو اُس کے موافق اور جو غلط ہے
 اُس سے بیزار ہیں سو ہر مذہب میں جو جو صحیح عقائد ہیں اہل سنت کا مذہب اُن سب کو جامع ہے اہل جہ
 سے اہل سنت ہر گروہ کے صحیح عقیدے کا قائل اسکے مذکور اور اسی صحیح عقیدہ اہل سنت اس عقیدہ کے
 دوستانہ ہیں اور ہر فرقہ کے باطل عقائد کے مخالف اور اُن کے منائے میں کوشاں ہیں اور انہی عقائد
 باطلہ کی وجہ سے اُن لوگوں سے دشمنی و عداوت رکھتے ہیں۔ پس اہل سنت گویا ان سب کے درمیان
 منصف و عالم ہیں کسی ایک فریق کی طرف ان کا پورا میلان نہیں اور نہ ہی کسی فریق کی حق بات کو
 رد کرتے اور نہ بدعت کا بدعت سے مقابلہ کرتے اور نہ ہی باطل کو باطل سے مناتے ہیں۔ اور کسی مخالف
 فریق کی دشمنی کی وجہ سے خواہ اس سے اس حد تک مخالفت ہو کہ اُسے کافر کہتے ہوں عدل و انصاف
 نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اُن کی حق بات کے قائل اور اُن کے اقوال میں انصاف کے ساتھ فیصلہ
 کرتے ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ تمام لوگوں میں عدل و انصاف
 کریں۔ چنانچہ فرمایا ہے قُلْ اِلٰہَکُمْ قَادِرٌ وَاَسْتَفِیْہُمْ کَمَا اَمَرْتُ وَاَلَا تَتَّبِعُوْا اَمْرَہُمْ وَ قُلْ
 اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ وَاَمَرْتُ بِالْعَدْلِ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَتُحٰسِبُوْنَہُمْ اَنْ یَّکُوْنُوْا
 رٰسِلُوْنَ دِیْنٍ اِیَّیْہُمْ اَوْ اَنْ یَّکُوْنُوْا رٰسِلُوْنَ دِیْنٍ اِیَّیْہُمْ اَوْ اَنْ یَّکُوْنُوْا رٰسِلُوْنَ دِیْنٍ اِیَّیْہُمْ اَوْ اَنْ یَّکُوْنُوْا رٰسِلُوْنَ دِیْنٍ اِیَّیْہُمْ
 کہہ دو کہ کتاب دہی قسم میں اسے جو کچھ خدا نے اُنار اے میرا تو سب پر ایمان ہے اور مجھ کو خدا کے ہاں
 سے حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان (تمہارے اختلافات کا فیصلہ) انصاف (کے ساتھ) کروں اسو
 اللہ سبحانہ نے آنحضرت صلی علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اللہ کے دین اور اُس کی کتاب کی طرف لوگوں کو دعوت
 کریں اور نہایت خود اُس کے حکم کے موافق مستقیم رہیں اور کسی فرقے کی خواہش (فحشانی) پر نہ چلیں اور جو
 امر حق ہوں اُن سب پر ایمان لائیں۔ اور جملہ اہل ادیان اور مختلف اقوال لوگوں کے درمیان انصاف

کے ساتھ فیصلہ اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اہل اہم اور بڑی فرقتے اس آیت پر عمل کیے نہایت بڑے نصیب اور بڑے بہرہ ہیں۔ اور اللہ عزوجل کی جماعت نبی متبعین شیعہ کما اس پر نور عمل و امانہ وہی اس کا مصداق ہیں۔ اہل سنت کو اس سالہ اور اس کے علاوہ جمیع مسائل میں تعلیم و تدریس کی نسبت معاونت و شناسی زیادہ حاصل ہے یہ تمام جو بات یعنی قنات و افعال پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت عامہ کو ثابت کر سکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے پاک ہے کہ اس کے نکاح میں وہ چیز ہو جو اس کی قدرت سے باہر اور اس کی مشیت سے خارج ہو۔ یہ تقدیر سابق کو ثابت ہے اور نیز اس کے متعلق ان باتوں کے قائل ہیں کہ بدو اس کے ایمان و تصدق و قدرت سابق کے مطابق طور میں آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان سب کو پہلے مقرر فرما چکا ہے۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو بندوں کی کوئی مشیت نہیں۔ اور وہ سب کام اس کی مشیت کے بعد کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہے وہ جو جاتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک ان دو نوبتوں میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں۔ اور ان کے نزدیک تقدیر کے نئی مراتب ہیں جن کی قدرت الہی علم شیت و خبرہ پس کوئی قدرہ یا اس سے بھی چھوٹی چیز اس کی مشیت علم اور قدرت بغیر حرکت نہیں کر سکتی پس داخل و کلاؤ کا لکھا یا اللہ کو حقیقت یہی لوگ مانتے ہیں۔ باقی لوگ اس کے قائل ہیں مگر یہی طرح اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ تمام کائنات علوی اور سفلی اور جمیع حیوانات جو کام کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے قوت دینے سے ہوتا ہے اور انسان کو جو مال و ترک کے لحاظ سے مختلف حالتیں پیش آتی ہیں وہ سب اللہ کے قدرت دینے سے ہیں نہ اس کے اپنے اختیار سے۔ اہل سنت اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ جسے اللہ ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ کر نہ لے لائیں۔ اور جسے وہ ہدایت کرے اسے کوئی راہ پر نہیں لاسکتا۔ اور وہی کلمہ کو تسلیم۔ کافر کو کافر و نمازی کو نمازی بنانا اور ساکن کو ساکن اور متحرک کو متحرک کرنا۔ اور وہی بندے کو غفل اور دریا میں چلا دیتا ہے۔ وہ چلا دینے والا اور بندہ پہلنے والا۔ و حرکت دینے والا اور بندہ حرکت کر نہ لے والا۔ وہ کھڑا کر نہ لے والا اور بندہ کھڑا ہونے والا۔ وہ ہدایت دینے والا اور بندہ ہدایت نہ پانے والا۔ وہ کھانا کھلانے والا اور بندہ کھانا کھانے والا ہے وہ زندگی اور موت دینے والا اور بندہ زندہ رہنا اور مرنے والا ہے۔ باوجود ان سب باتوں کے بندے کی قدرت۔ ارادہ۔ اختیار اور اس کا فعل ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندہ حقیقتہً فاعل ہے نہ صرف مجازاً اور وہ اس بات پر متفق ہیں کہ فعل اور مفعول ایک چیز نہیں بلکہ ان میں فرق ہے۔ چنانچہ بغوی وغیرہ نے ان سے نقل کیا ہے بندوں کے تمام حرکات و اعتقادات ان کے حقیقی افعال ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کو یہ نسبت ہے کہ حقیقتہً اس

کے مخلوق و مفعول میں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا عالم۔ ان پر قیاد۔ ان کو پیدا کرنا والا ہے۔ اور یہ اُس کی مشیت و ارادہ سے ہوتے ہیں۔ اور بندے ان کے فاعل۔ کارسب اور وہ اپنے تمام حرکات و کمالات سے موصوف ہیں جو بندے مسلمان نماز پڑھنے والے قائم۔ قیاد ان کے علاوہ اور ذات سے موصوف ہیں۔ اور اللہ سبحانہ ان کو ان کاموں پر قدرت دینے والا اور اُن کو پیدا کرنے والا اور بندوں سے اُن کو یاہنے والا ہے بندوں کی مشیت و فعل اُس کی مشیت کے بعد ہے وہ اس کی مشیت بغیر نہ تو کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ کوئی کام اُن سے ہو سکتا ہے۔ جب اس مذہب اور دین کا ہر ایک کو باہم مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہی مذہب راستہ اور صراط مستقیم ہے اور دوسرے تمام مذہب اُس کے بدین باطل و خطا ہیں بعض اُس سے قریب بعض بعید اور بعض مین میں ہیں۔ اور جب سورہ فاتحہ میں کیا ہے خور کیا جائے۔ تو اُس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادلی سے آخر تک اہل سنت کے مذہب و عقائد پر مبنی و قائم کرتی ہے۔ بخیر و اللہ تعالیٰ کی محمودیت اور اُس کی ربوبیت انہی باتوں کی تحقیقی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو جمیع اشیاء پر قدرت نہ ہو جیسے جبریت کا غم ہے تو وہ اللہ جو آسمان و زمین میں ہے والوں یعنی ملائکہ جن۔ انسان۔ چرند و پرند و خیر و شر کے تقدیر و رات پر قیاد نہیں۔ بلکہ یہ ایسے کرتے ہیں جو اس کی قدرت و مشیت سے باہر ہیں۔ اور جن کاموں سے اُس کی مشیت متعلق ہو۔ اُن کو بہتر سے نہیں کرتے۔ غرض جو کام اُس کی مشیت میں ہیں وہ نہیں ہوتے۔ اور جن سے اُس کی مشیت متعلق نہیں وہ ظہور میں آتے ہیں تمام مآل و تعریفوں کا کیونکر تحقق ہو سکتا ہے بلکہ اُس کی محال محمودیت و ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قیاد اور کوئی چیز ایک ذرہ بھر بھی اُس کی مشیت سے باہر نہ ہو۔ اس کے بعد دونوں نماز اِنَّا لَكَ تَعْبُدُ اِيَّاكَ كَمَا تَعْبُدُ الْاَوْثَانَ كَوَيْهَاتِ الْاَوْثَانِ دُونَ الْفَرِيقِ کے قول کو جو صراط مستقیم سے منحرف ہیں باطل کرتے ہیں کیونکہ پہلے جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا قیاد اور عبادت مہیقتہ اُس کے ساتھ قائم ہے پس بندہ تہیۃ ما بہ ہے۔ اور دوسرے جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبادت اللہ عزوجل کی عبادت و بدو بغیر محال نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ مدد نہ فرمائے اور اُس پر قدرت نہ ہے اور اُس کی مشیت میں نہ ہو تو بندہ اُس پر قیاد نہیں ہو سکتا۔ اور وہ وجود میں نہیں آ سکتی۔ غرض فعل تو بندے کا ہے اور اُس پر قدرت دینا اور عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کی مہمت ہے۔ پھر جملہ اِلهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (ہم کو (دین کا) سیدھا راستہ دکھا) پر غور کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اس اللہ پاک سے ہدایت طلب کرے جو ہدایت دینے پر قادر ہے اور وہی اسی کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے تو اپنے بندے کو ہدایت عطا فرمائے چاہے تو اُس سے محروم رکھے۔ ہدایت پانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ

حق کو پہچاننے اور اس پر عمل کر کے پس جس کو اللہ تعالیٰ اسحق نہ بتلائے اور اس پر عمل کی توفیق نہ بخشے تو وہ کبھی ہدایت یا نہیں ہو سکتا۔ اور صرف اللہ سبحانہ وہ ہدایت دیتا ہے جس سے آدمی راہ راست پر آجاتا ہے۔ ہدایت (جو صفات الہی سے ہے اس) کا معنی یہ ہے کہ کھینکے کے ذریعہ راہ راست کی ایسی محبت والہ تیار ہے کہ وہ اس کو اختیار کر لیتا ہے اور اس پر راہ بند ہو جاتا ہے۔ اور یہ ہدایت کسی ملک مقرب اور نبی کریم کے اختیار میں نہیں ہے۔

آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (اے پیغمبر پی خوش کے مطابق تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) میں جناب رسالت کو اسی ہدایت کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ ہدایت تمہارے اختیار میں نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کا کام ہے۔

آیت وَ اِنَّكَ لَا تَهْدِي اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (اور اے پیغمبر) اس میں شاک نہیں کہ تم دونوں کو میدھا ہی رستہ دکھاتے ہو میں اپنے رسول کو اوی قرار دیا ہے۔ اس آیت میں ہدایت سے دعوتِ تعلیم اور ارشادِ راہ ہے اور قومِ مود کو بھی یہی ہدایت ملی تھی جس پر انہوں نے گمراہی کو اختیار کیا اور اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يَبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دے کر پیچھے گمراہ قرار دے تا وقتیکہ اُن کو وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ بچتے رہیں) سو وہ ہدایت جو بمعنی اظہار و بیان حق ہے اور جس سے اُن پر محبت قائم ہو اُن کو عطا ہوتی اور وہ ہدایت جو راہِ راست پانے کی موجب ہے اور جسے حاصل ہو جاتے وہ بھی گمراہ نہیں ہوتا۔ اُس سے اُن کو محروم رکھا۔ راہِ راست کو بتانا۔ اور اُسے ظاہر کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کا محال انصاف اور ہدایت حقیقی سے ان کو محروم رکھنا اُس کی عین حکمت ہے۔ قیامِ محبت کے لئے اُن پر راہِ راست کو ظاہر کر دیا۔ اور ہدایت حقیقی سے اس لئے محروم رکھا کہ وہ اس کے اہل اور اس کے لائق نہ تھے۔ اور اس باب کے بعد دوسرے باب میں ہدایت۔ ضلال اور ان دونوں کے مراتب و اقسام کو ہم انشاء اللہ عنقریب مفصلاً بیان کریں گے۔ یہاں تو قصداً و قدر کے مراتب ہیں سے چوتھے مرتبہ (یعنی افعالِ مکلفین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ جس طرح کہ اُس کے علم و کتابت میں ہیں ہی طرح اُس کی قدرت و مشیت کے تحت میں ہیں) کے اثبات کی چند دلیلیں ذکر کرنی مقصود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَكْمَلَهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَ هُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (اللہ ہی ہر چیز کا پدید کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا خبر گیراں ہے) یہ ایک عالمِ حکم ہے سلسلہ عالم کی تمام چیزیں خواہ ذوات ہوں یا انکے افعال حرکات اور سکونات ہوں سب اس میں داخل ہیں کوئی ذرہ ہی چیز

بھی اس سے خارج نہیں۔ اور اللہ کی ذات اور اُس کے صفات اس حکم کو مخصوص کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات و صفات بحسب خالق اور اسوا اُسکے سب مخلوق ہیں۔ غرض لفظ کل کثرت سے سب مخلوق مراد ہے اور اللہ کی ذات مع صفات تو خالق ہے پس وہ پہلے ہی کل شئی میں داخل نہیں تاکہ اس کو خارج کر کے اس کو مخصوص کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے صفات اس کے شئی میں داخل ہیں کیونکہ خدا اللہ اس وجود برحق کا علم ہے جو تمام صفات کمال سے موصوف اور جمیع عیوب سے نقائص سے مزہ و پاک ہے۔ عالم کی چیزیں دو طرح کی ہیں ایک اعیان یعنی ذات دوم ان کے افعال۔ اعیان کا اور نیز ان افعال کا جو ان سے صادر ہوتے ہیں سب کا خالق ہے جیسا کہ وہ ان سب کا بتفصیل عالم ہے غرض کوئی چیز اس کے علم قدرت خلق اور مشیت سے باہر نہیں۔ قدرت یہاں شبہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اُن کا محدث و پیدا کنندہ ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کا مقدر کرنے والا ہے۔ اور خلق بمعنی تقدیر متعلق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قَتَّارُكَ اَحْسَنُ الْاَعْمَالِ (تو خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو سب بنائیوں میں بہتر بنا دینا والا ہے) اور ایک شاعر کا قول ہے وَكَانَتْ تَقْرِئُ مَا خَلَقْتَ وَبَعَثَ الْقَوْمَ يَخْلُقُ لَكَ كَقَفْرِ عَنِّي تَوْحِشَ كَامٍ كَا اَنْدَاوَهُ كَرْتَا اور اُسے ٹھیرا تا ہے تو یہ بے فائدہ ارادے اور بلند ہمت سے اُسے پورا کرتا اور سر انجام کو پہنچا دیتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں جو لائقِ کٹان کر رہا ہے میں اور اُن کو اُن کے پورا کرنے کی طاقت و عرصہ نہیں ہوتا غرض اللہ تعالیٰ افعال عباد کا مقدر ہے اور بندے اُن کے موجد و پیدا کرنے والے ہیں۔

اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب۔ تمہارے عقیدین لوگ تو اس بات کے منکر تھے۔ کہ اللہ سبحانہ افعال عباد کا مقدر ہے۔ پس ان کی طرف سے تو یہ کہنا صحیح نہیں۔ رہے وہ لوگ جو تم میں سے تقدیر افعال عباد کو مانتے ہیں تو اُن کے نزدیک تقدیر بمعنی علم ہے نہ تقدیر بمعنی متعارف یعنی اندازہ کرنا کیونکہ اُن کے رحم میں اللہ تعالیٰ افعال عباد کے مقدر اور اندازہ کرنے پر قادر نہیں بلکہ بندہ خود اُن کا پیدا کنندہ ہے۔ غرض ان کے نزدیک تقدیر بمعنی علم ہے۔ اور لفظ خلق بمعنی علم کسی قوم کی لغت میں متسل نہیں۔ اگر خلق بمعنی علم ہو تو جو شخص کسی چیز کا عالم اور اُس کی ذات و صفات سے واقف ہو تو اُسے اُس کا خالق کہا جائے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ اگر تقدیر کا ایسا معنی مراد لیتے ہو جس سے اللہ تعالیٰ کا موجد افعال عباد ہونا ثابت ہو۔ تو یہ تمہارے مذہب کے خلاف ہے اور اگر تقدیر بمعنی علم و خبر مراد ہے تو یقیناً کے مخالف ہے۔

فہرہ نادر مشہد۔ اَللّٰهُ خَالِقُ شَيْءٍ شَيْءٍ یہاں کل نئی جو صیغہ عموم ہے اس سے خاص اشیاء
 سرزد ہوتی ہیں۔ اَللّٰهُ خَالِقُ شَيْءٍ شَيْءٍ سے تمام شے یا تراد نہیں لے سکتے۔ کیونکہ قرآن کریم کو جو ایک نہایت
 شریف و عظیم الشان جلیل القدر چیز ہے اس عموم سے نکل لیتے اور کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا مخلوق نہیں، تو جس طرح
 اہل سنت اس سے خاص چیزیں مراد لیتے ہیں۔ اس طرح ہم بھی اس سے خاص اشیاء مراد کر سکتے اور
 کہتے ہیں۔ افعال عباد اس عموم سے خارج ہیں، کہ اولہ شے عموم ہے۔ تاہم کہ افعال عباد خود
 بندوں کے لئے بنے ہوئے ہیں۔

اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب۔ خَلَقَ یَم اللہ بھانہ کا کلام ہے۔ اور اللہ کا کلام اس
 کے صفات میں سے ہے۔ اور اس کی ذات مع صفات خاصہ ہے۔ پس اس کے صفات سرے سے
 مخلوق میں داخل نہیں کیونکہ خالق اور مخلوق دو متضاد چیزیں ہیں۔ تو ہم نے اس آیت میں ہی طرح کی کوئی
 تخصیص نہیں کی بلکہ اللہ کی ذات مع صفات خالق ہے اور اس کے اسو اجستی چیزیں ہیں سب مخلوق
 ہیں بانی و ربلیس جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ افعال عباد خود بندوں کے فعل ہیں۔ اور ان کے ساتھ قائم
 ہیں یہ سب صحیح ہیں۔ ان کو ہم مانتے اور ان کے مضمون کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ بندے
 اپنے افعال کے فاعل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کے افعال کا خالق اور وہ اس کے مفعول و مخلوق ہیں فعل
 اور مفعول دو الگ چیزیں ہیں۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فعل ہیں اور بندہ ان کے کرنے میں
 مضطرب و مجبور ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بندوں کے فعل ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن پر قادر نہیں۔ اور
 نہ بندے کو ان کا فاعل بنا تا ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اُن کو ایسے مستقل بالتاثر و فاعل و خالق پیدا کرتے
 ہیں جن میں ہر ایک علیحدہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ سب اقوال باطل ہیں ہم ان کے قائل نہیں۔

قدریہ کا تیسرا غلبہ۔ اَللّٰهُ خَالِقُ شَيْءٍ شَيْءٍ میں لفظ کل شے سے وہ چیزیں مراد ہیں جن
 پر سوائے اللہ کے کسی دوسرے کو قدرت نہ ہو افعال عباد جن پر بندے قادر ہیں اس میں داخل نہیں
 افعال عباد جب بندوں کی طرف منسوب ہیں تو وہ اللہ کی طرف کس طرح منسوب ہو سکتے ہیں۔ اور وہ
 بے اثران کا خالق ہو سکتا ہے۔ ورنہ ایک فعل کا دو فاعلوں سے سرزد ہونا لازم آئیگا۔ اور یہ محال ہے
 اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب۔ افعال عباد بندوں کی طرف اس لحاظ سے منسوب ہیں
 کہ وہ اُن کے فاعل کا سب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے منسوب ہیں۔ کہ وہ ان کا خالق
 ہے اور اس کے ارادے و مشیت سے ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت۔ قدرت و خلق اُن
 سے خلق نہ ہو تو وہ کبھی و قوس میں نہ آئیں بندوں کی کیا ہستی ہے کہ وہ ایسا کام کر سکیں جو اللہ

کی قدرت میں نہ ہو اور وہ اس کے پیدا نہ کر سہ +

فصل - افعال عباد پر اللہ بھانہ کے قادر ہوئے کی دنیا میں رہتے ہوئے اور دنیا سے پہلے ہوئے اور دنیا کے بعد

نے فرمایا ہے وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱) اور اللہ کے ہاں ہر چیز کا بدلہ ہے

تعمد نہ کا ویسا ہی سوال و جواب ہے جیسا کہ اللہ خالق و خالقِ شئی کے ہوتے ہیں کہ ہر چیز کے لئے ایک

نئی تقریر میں ہم اتنا زیادہ بیان کر رہے ہیں کہ افعال عباد ممکنات میں سے ہیں اور اللہ کے لئے ممکنات

ممكنات پر قادر ہے تو اللہ نہ اپنی مشیت اور قدرت سے بندوں کو نئے افعال کا قائل بناتا جس کا وہ خود

چاہے تو باوجود سلامت آفت و سبب کے ان کو کوئی خیر و شر میں لے کر دے اور بندوں اور افعال کے درمیان

جائے۔ کہا قال نہ بَوَّشَاءَ اللّٰهُ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ دِيْنََ بَعْدَ الَّذِيْنَ بَعْدَ مَا جَاءَ نَبَهُ

الْبَيِّنَاتِ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اخْتَلَفُوا

وَلَكِنَّ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اور اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان (مشرکوں) کے بعد ہوئے اپنے پاس

کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے ایک دوسرے سے نہ لڑتے لیکن (وہ ہم) لوگوں نے ایک دوسرے

سے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جو کافر ہوئے اور بعض

چاہتا تو یہ (لوگ) آپس میں لڑتے مگر اللہ چاہتا ہے کرتا ہے) وقال تَسْلٰى وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ

مَا فَعَلُوْهُ (اور دے پیچھے اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ نہیں حرکت نہ کرتے) وقال نہ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ

سَرَّ بِكُمْ دِيْنََ فِىْ الْاَسْرَافِ كُلُّهُمْ جُنُودٌ (اور (مشرکوں) تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے

زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے گئے) غرض آدمی کا دل زبان ہاتھ پاؤں سب کچھ اللہ بھانہ

کے اختیار میں ہے وہ چاہے تو ان سے کوئی فعل صادر نہ ہو۔ پھر ایسے مالک کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ

افعال عباد پر قادر نہیں کیسی بڑی بات ہے۔ ان ظالمان و منکرانِ قدرتِ الہی کے خیالات فاسدہ

اس کی ذات پاک و بلا تر ہے۔ ہاں اس کی نسبت ہمارے بھی خیال ہیں کہ وہ بندوں کو ایسے

کاموں پر عذاب دیگا جو ان سے سرزد نہیں ہوتے اور نہ وہ ان کی قدرت میں ہوتے۔ بلکہ وہ خود اس

کے اپنے افعال ہوتے۔ اور بندے ان میں مجبور و مضطر ہوتے۔ اور یہ عذاب الہی اس قسم کا ہوگا جیسے آگ

کو آسمان کی طرف نہ اڑنے اور قطروح الید کہ ترک کیا ہوئے اور گئے کہ نہ جڑنے پر نہ زخمی ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ان دونوں ماضی و مستقبل کے خرافات سے پاک ہے۔

فصل - اللہ تعالیٰ کے خالق اعمال عباد ہونے کی اولیٰ میں سے ہے۔ اور ہر چیز کے لئے ایک

نئے فرمایا ہے وَاللّٰهُ جَعَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ مَّخْرُجًا لِّمَنْ يَّشَاءُ اللّٰهُ يَخْتَارُ

کلمہ نمایاں ہو۔ اور اس طرح مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور نیز ان بتوں کا خالق ہے جن کو تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ سو وہ بہت اللہ کی مخلوق ہیں نہ اس کے شریک و معبود۔ غرض اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ تم کے معنوی اور مادی دونوں کا ہی خالق ہے۔ اگرچہ ان کے بنانے والے ہتھکڑے ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ اللہ ان بتوں کے مادہ کا خالق ہے۔ کیونکہ لفظ **فَعَمَلُوا** جو اس کے بعد ہے اس کے لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مطلب یہ ہے کہ اللہ اس چیز کا خالق ہے جس کو تم بنا رہے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ بتوں کا مادہ انسانی صنعت میں داخل نہیں ہے۔ ان کی صورت و حیثیت مراد ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے کئی ایسے بندے بنائے ہیں جو آئینہ خیر ہیں۔ لوگوں کو بھلائی اور ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ اور کئی ایسے شخص بھڑکتے ہیں جو لوگوں کو دوزخ کی طرف نکالتے ہیں۔ پس یا مامت اور اور خورج مسمیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اور ایل نون کا ہے چنانچہ آل زمر کی نسبت فرمایا ہے **وَجَعَلْنَا هُمُ الرُّسُلَ لِقَوْمِهِمْ** (اور ہم نے ان کو سردار بنو) کیا تھا مگر ایسے برے رہا کہ جب تک دنیا میں ہے لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہے اور آئینہ ہدایت کی نسبت فرمایا ہے **هَؤُلَاءِ اَشِدَّاءُ يَكُونُونَ لِقَوْمِهِمْ** (اور ان کو لوگوں کا پیشوا بنا لیا ہے حکم سے ان کو ہدایت کرتے تھے) پس بتلایا ہے کہ دوزخ اور ہدایت کی طرف بلانا دونوں دونوں میں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اگرچہ فعل کسب آئمہ نادر و آئمہ ہدیٰ کا ہے۔ اور ابراہیم کی اس دعا سے **رَبِّ اِنَّا نَعْبُدُكَ** (اور اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا بندہ فرما) پروردگار نے بھی یہی مدعا ثابت ہوتا ہے۔ ابراہیم کی کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مسلمان کو مسلمان بناتا ہے۔ قدر یہ کہ یہ عقیدہ ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو مسلمان بناتا ہے نہ یہ کہ حقیقت اللہ اس کو مسلمان کرتا یا پیشوائے ہدایت یا ضلالت بناتا ہے۔ بلکہ آدمی خود اپنے آپ کو ایسا بناتے ہیں اور افعال خدا کی طرف مجازاً نسبت کئے جاتے ہیں یعنی یہاں فعل بمعنی خلق نہیں بلکہ حمل بمعنی تسبیح ہے یعنی ہم نے ان کا آئینہ مسلمان کیا۔ یا ان کو آئمہ کے نام سے نامزد کیا۔

فصل۔ سید اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے ادلہ میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ بتوں کو بدکاری اور پرہیزگاری وہی انہما کرتا ہے۔ اور الہام کہتے ہیں ایقان قلب یعنی کسی چیز کے دل میں ڈالنے کو بعض تعلیم و تربیت ان کرنے کو جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو بیان کرنے اور دوسرے کو اس کی تائید کرے۔ تو عرف اور لغت

میں اُسے ظہم نہیں کہتے۔ بلکہ بیانِ الہام کا وہی مطلب تھیک ہے جو ابنِ زید نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جی میں بدکاری یا پھر نیک کاری کو پیدا کر دیا ہے۔ عمران بن حصین کی حدیث اسی ہی پر دلالت کرتی ہے کہ قبیلہ مزینہ یا حمینہ کا ایک شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اُس نے یہ دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ حال بہن کو آدمی کر رہا ہے میں جانکا ہوں سے کام لینے میں کیا پہلے سے تقدیر سابق میں اُنکے حق میں مقدور ہو چکے ہیں یا انہوں نے انبیاء کی ہدایت کے مطابق پیدا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا پہلے سے مقدور ہو چکے ہیں۔ اُس نے عرض کیا تو پھر عمل کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا جس کو اللہ نے جس مقام کیلئے بنایا ہے اُس سے ویسے ہی کام لے کر لے رہا ہے۔ اور اُس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے وَ نَفْسٍ وَ مَا سَوَّاهَا كَا لِهَمَّهَا فَجُورٌ هَا وَ نَفْسُهَا (اور انسان کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اُس کو (ایسا) درست بنایا پھر اُس کی بدکاری اور پھر نیک کاری (دونوں باتیں) اُس کو سمجھا دیں) +

قضاء قدر سابق کے بیان کرنے کے بعد آپ کے اس آیت پر کچھ چھٹنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الہام سے تقدیر سابق کے مطابق کام کرنا مراد ہے نہ کہ محض ہذا پر در آنکہ کرنا مقصود ہے کیونکہ محض بیان اور تعریف کرنے سے اُن اعمال کا جو تقدیر سابق میں مقدور ہو چکے ہیں وقوع میں آنا ضروری نہیں سلف صالحین میں سے جن لوگوں نے الہام کی تفسیر تعلیم اور تعریف سے کی ہے اُن کا مطلب محض تعلیم اور صرف آگاہ کرنا نہیں بلکہ ایسی تعلیم جس سے اعمال کا وقوع ضروری ہو صرف تعلیم اور آگاہ کرنے کو لغت میں الہام نہیں کہتے +

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول وَ اَرَسُّوْا قُلُوْبَكُمْ اِدْجَافًا اِنَّكُمْ عَلَیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (اور تمہارے دلی خیالات (دک) سے واقف ہے بھلا ہو سکتا ہے کہ خدا جو پیدا کرے وہی اپنی مخلوقات کے حال سے) ناواقف ہو حالانکہ وہ (دک) بار یک مین (اور باخبر ہے) بھی اسی مدعا پر دلالت کرتا ہے۔ ذات الصدور میں جملہ اعتقادات۔ ارادت حب۔ بغض وغیرہ افعال و صفات قلب جو اُس کے اندر یا اُس کے ساتھ قائم سب داخل ہیں۔ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ مَنْ خَلَقَ تَرْکِیْبِیْنَ بِنَارِ فَاَعْلَیَّتْ مَرْفُوعٌ ہِیَ بِنَارِ مَرْفُوعِیَّتْ مَنْصُوبٌ۔ اگر فروع قرار دیا جائے تو خدا تعالیٰ کے خالق ہونے سے اُس کے عالم بذات الصدور ہونے پر یہ استدلال ہو گا۔ اور یہ استدلال نہایت واضح صاف اور درست ہے کیونکہ خالقیت خالق کے حیات۔ قدرت۔ علم اور شہادت کو تلزم ہے اور

اگر منصوب پڑھا جائے تو یہی ہوگا کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا۔ اور فلاسفن کو تعلیم کا ذکر کیا ہے تاکہ اس کا علم ذی العقول اور ان کی صفات کو شامل ہو۔ وہ تصور تو ان میں آیت اس بات پر دلالت کرتی کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مافی الصدور کا عالم ہے اسی طرح ان کا خالق بھی ہے نیز اللہ سبحانہ نے خلق مافی الصدور کو اپنے علم کی دلیل بنایا ہے جو مافی الصدور اس ذات پر ہیستہ ختمی ہو سکتے ہیں جو ان کی خالق ہے۔ پس اگر مافی الصدور اللہ تعالیٰ نے مخلوق نہ ہوں تو علم پرستہ مثال تسبیح نہ ہوگا نہ لہذا تعالیٰ کا خالق ہونا اس کے عالم چھنے کی بڑی بھاری دلیل بنتے ہیں اگر خالق نہ ہو تو عالم بھی نہ ہوگا۔ اور یہ سراسر کفر اور ایسے امر کا انکار ہے جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے اور یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ رب نے اپنی اپنی امت کو اس کی اپنی ہی تعلیم کی ہے جیسے تو حید راہی سکھاتے تھے۔

فصل اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عبادہ کے ایک یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو بیان فرمایا ہے انہوں نے کہا رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمًا الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ذُرِّيَّةٌ مُّسْلِمَةٌ لِّكَ يٰ اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ میں نماز پڑھتا رہوں اور نہ صرف مجھ کو بلکہ میری اولاد کو بھی) ایک اور مقام میں ہے فَاجْعَلْ اٰمِنَةً لِّمَنِ النَّاسُ تَخْوَعُ اِلَيْهِمْ (تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں) منجملہ ان اولیٰ کے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الْاِنْسَانِ اَتَّبِعُوْا سَرًّا كَثٰٓرًا وَرَحْمَةً (اور جو لوگ ان کے پیرو ہوئے ان کے دلوں میں ترس اور رحم ڈال دیا) اور منجملہ اولیٰ کے ذکر یا علیہ السلام کی یہ دعا وَاجْعَلْهُ مُرَبِّ رَضِيًّا (اور اے میرے پروردگار اس کو مقبول رخص عام بھی کر) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور مقام میں فرمایا ہے فَبِمَا نَفْسِهِمْ مُّبِيْنًا اَقْبَلُوْا لِقَابِ رَبِّكُمْ فَاصْبِرُوْا لِحُكْمِ رَبِّكُمْ وَاجْعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً (پس انہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے انکو بھٹکا دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا) اور نیز فرمایا ہے وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَنْفَقُوْهُ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور ان کے دلوں پر ہم نے غفلت اور بٹ دھری کے) پردے ڈال دیئے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ٹیٹ تاکہ تمہاری بات سمجھ سکیں)۔

اَلَكِنَّة (پردوں) اور وَقْر (ٹیٹ) سے یہاں مراد ہے کہ ان کو احکام الہی سے نیت درجہ کا بغض و نفرت اور اعراض تھا ان کی وجہ سے وہ کچھ سننے اور سمجھنے نہ تھے اور محقق بات یہ ہے کہ اس بغض و نفرت کا منشا اَلَكِنَّة اور وَقْر تھے پس جن لوگوں نے اَلَكِنَّہ اور وَقْر کی تفسیر بغض و نفرت۔ اور اعراض سے کی ہے انہوں نے ان کے موجب مقتضی کو بیان کیا ہے۔ بہر حال یہ نفرت بغض

اور اعراض انہی عباد میں سے ہے۔ اور اس کا باطن خالق ایزد تعالیٰ ہے جیسے کہ رافضیہ کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو باطنی و ظاہری طرف سے معائنہ فرمایا ہے۔ سب بندوں کے فعل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو باطنی و ظاہری طرف سے معائنہ فرمایا ہے۔ اور ان کے صفات و افعال و ارادہ و اختیارات سب کا وہی خالق ہے اور یہ سب ان کے مخلوق ہیں۔ گو بندہ اپنے اختیار و ارادہ سے افعال کرتا ہے مگر خالق افعال اللہ تعالیٰ ہے۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ تمام آیتیں آیت ما جعل اذنہ من یحییہ و یمیتہ و لا یصلیہ و لا یصلیہ (نہ تو بخیرہ اور نہ سانہ اور نہ حصیلہ اور نہ عام دن میں سے) کوئی چیز نہالے نہیں ٹھیرائی) کے حاحصل ہیں کیونکہ بخیرہ اور سانہ وغیرہ کو مقرر کرنا بندوں کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ کام اُن نے نہیں کیا۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آیات کتاب اللہ میں کسی قسم کا کوئی نفاذ نہیں اس آیت میں خلل شرعی۔ امری مراد ہے نہ کوئی قدری میں طرف کہ امر۔ اذن۔ قضا۔ کتابت اور تحمیل (جس کا بیان انشاء اللہ عنقریب آئیگا) دو طرح پر ہیں۔ اسی طرح خلل بھی دو قسم ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے خلل شرعی کو نفی فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے شروع و جائز نہیں کیا۔ بلکہ کفار نے اس پر چھوٹ باندھا اور بے بھی سے اس کو دین بنالیا۔ اللہ تعالیٰ کا قول لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فَلَنُفِئَنَّ لِلَّذِينَ فِيْ خُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَ الْقَائِمَةُ قُلُوْبُهُمْ (ایسے معاملات میں منظور خدا رہے) کہ اس (دوسرے) کو جو شیطان نے ڈالا ہے ان لوگوں کی آزمائش رکاوٹ ہے (گردنے میں کے دلوں میں) (بحقیقتی کا) مرض ہے اور اُن کے دل سخت ہیں (بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ یہ فتنہ جو شیطان اُن کے دلوں میں ڈالتا ہے اللہ کا مخلوق وسیلہ کیا ہوا ہے۔ رسول خدا کی اس دعا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شُكْرًا لِّكَ ذِكْرًا لِّكَ سَهَابًا لِّكَ مَطْوَاً لِّكَ فُحْنًا لِّكَ اَوْ اَهْلًا حَبِيْبًا (اے اللہ مجھے اپنا شکر گزار ذکر کرنے والا۔ ڈرنے والا۔ مطیع۔ تیرے سامنے عاجزی کرنے والا تیری طرف متوجہ۔ جمع ہو نیوالا کرے) سے بھی ضمن ثابِت ہوتا ہے۔ یہ دعا اُس حدیث میں آئی ہے جس کو امام احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ آپ نے پروردگار سے یہ سوال کیا کہ اُن کو ان صفات سے موصوف کرے۔ مالاںکہ یہ سب بخیر کے اختیاری فعل ہیں اور اُس کے اختیار و ارادے سے واقع ہوتے ہیں۔ اور اسی حدیث میں یہ جملہ بھی آیا ہے قَسَدٍ ذَلَسَانِيْ اور میری زبان کو درست کرے یعنی اُس سے ایسی بات نہ بھلے جو ٹھیک اور درست ہو۔ ایک اور حدیث میں بھی اسی قسم کے الفاظ آئے

ہیں یہیہ انما تمنا منی لکے۔ اے خداوند اللہ مجھ پر اپنا مخلص بنا۔ میں اور آپ کے یہ الفاظ اللہ کے
 اجمعانی احفظہم شکرک و اذکرک و اجمع کھیتک و احفظ و صیتک و اجمع کھیتک و اجمع کھیتک
 ہمارے کرتیر سے شکر کا یہ خطبہ میرے ذکر کی کثرت سے ہے۔ عجم کی پروین اور تیری وصیت کی حفاظت کا یوم
 بھی اسی کے مانند ہے۔ اور میری کی یہ دعا سچا آخرت علیک کا لکھا و تبت اذ انا اسما ہمارے ہمارے
 پیر و گناہ پر پیر کی ہمارے اندر سے اور اس کے پاس میں ہمارے پاؤں ہمارے رکھ جو ہمارے ہمارے
 نے ذکر فرمائی۔ اسی خطبہ کو ثابت کرتی ہے کہ جو کچھ ہمارا اور شہادتہ ہم دونوں اعتبار سے فعل ہیں۔ لیکن
 تعبیر و تفسیرت ہمارا اور شہادتہ ہم کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اور اسی کا اس سے سوال کیا گیا
 ہے یہ ہے اذ شہادتہ ہم کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اور اسی کا اس سے سوال کیا گیا
 اَنْ اَشْكُرَ لِحَمْدِكَ اَلَيْسَ اَنْفَعُ مِنْ غُلَى وَحَلَى وَالِدَايَا اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ اَلَمْ
 میرے ہر درد و گناہ کو توفیق ہے کہ جیسے جیسے احسانات تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کئے ہیں۔
 ان احسانات کا شکر ادا کروں اور (زندگی) ایسے نیک شائل کرتا ہوں کہ تو پسند فرمائے جو قرآن کریم میں
 آئی ہے اسی دعا پر وال ہے۔ ابن عباس اور دیگر کئی مفسروں نے اذ شہادتہ کا ترجمہ التبتی (مجھے اہم کر)
 کیا ہے۔ یو اسحاق نے کہا ہے لغت کے معنی اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اور چیزوں سے بچا کر اپنی
 نعمت سے شکر میں لگا ہے اسی واسطے موزع کی تفسیر موزع حریص ہے کی جاتی ہے۔ ہمیشہ میں آیا
 ہے کہ رسول خدا موزع بالحوال تھے یعنی موزع بالحوال صحاح میں وزع بمعنی کف و رولنا اور ایزاع
 بمعنی اعزاز و برائیختہ کرنا اور ہست موزع بمعنی طلب العلم و نیز ایزاع بمعنی الامام لکھا ہے۔ غرض لفظ اذ شہادتہ
 کے معنی مجھے اہم کر اور مجھے (شکر نعمت کا) حریص بنا اور مجھے اس کے واسطے روک لے لیت کو جسے
 سب درست ہیں یا مدقیر یہ کے نزدیک یہ کام اللہ کی قدرت سے باہر ہے بلکہ یہ سب کچھ بند سے کی

قدرت میں ہے۔

محصل اللہ تعالیٰ کے خالق اعمال عباد ہونے کی دلیلیں میں ایک یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 ہے۔ وَاَعْلَمُوا اَنْ فَيَكْفُرُوا بِرُؤُلِ اللّٰهِ لَوْ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ فِي كَيْفٍ لَّيْسَ لَكُمْ اَلَا مَرُءٌ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَلَكِنَّ اللّٰهَ
 حَبِيبٌ اَلَيْسَ لَكُمْ اَلَا يَمَانٌ وَرَيْثَةٌ فِي شُكْرِكُمْ وَكَوْنًا اَلَيْسَ لَكُمْ اَلَا الْفُتُوْقُ وَالْوَصِيَانُ
 اَلَا لَكُمْ هُمُ الْوَصِيَانُ لَوْ اَشَاءُ لَوْ رَاوُجَانِے ہر کتم میں رسول خدا اموجود ہیں راہ و ہدیہ کی باتیں اس
 قسم کی ہوتی ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہارا کتنا مان لیا کریں تو رائی نعم ہی پر شکل پڑ جائے۔ مگر مجھے کو خدا
 نے تمہیں ایمان کی محبت دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور اگر وہ خود دوسری

اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے یہی ٹوٹے ہوئے جو نیک چین ہیں۔

انہی کے لئے اپنے خون بندوں کی آنکھوں میں انہار۔ کچے جویب کسنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس نے ان کے دلوں پر اس کی محبت ڈال دی ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے کسی دوسرے سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ایک آدمی جو دوسرے آدمی کی نظر میں کسی چیز کو محبوب گردانتا ہے سو وہ اس کی تربیت فرمیتا۔ اور مناف اور دیگر ایسی چیزیں کہ ذکر کرنا۔ یہ جو اس کی محبت کا باعث ہوتی ہیں۔ یہاں اللہ سبحانہ نے پتلا پایا ہے کہ اس نے اپنے خون بندوں کے دلوں میں وہ چیزیں پیرا کر دی ہیں ایک ایمان کی محبت دوسرا اس کا حسن جو اس کی محبت کا باعث ہے۔ اور تیرن کے دلوں میں ایمان کی مخالف چیزوں یعنی کفر فتنوں اور عیسیٰ کی کراہت ڈال دی ہے۔ اور یہ اس کا نفع نفع احسان سے کہ ان کو اپنے نفوس کے پیر نہیں کیا۔ بلکہ اس کام میں ایمان کی محبت ڈالنے اور کفر سے نفرت پیدا کرنے کا وہ خود متولی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ اس بات سے عجب واقف ہے کہ کون شخص اس کے مس کے لائق اور کون اس سے غروم رکھنے کے قابل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّا اَنۡزَلْنَا ذِیۡ الْقُرۡۡاٰنِ فِیۡ اَیَّامٍ مَّبۡصُورَۃٍ وَّیَاۤلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاَلۡفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ لَوۡ اَلۡفَ مَآلِیۡ اِلَّا رِضۡنَ جَبِیۡطًا مَّا كُنۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَاٰیۡتِیۡنَ اَلۡلَہِ اَلۡفَ یَسۡتَعِیۡزُ اِنَّہٗ عِزٌّ حَکِیۡمٌ
اسے پیغمبر (ذی قہر مطلق) ہے جس نے اپنی امداد سے اور سامانوں سے تم کو قوت دی۔ اور ملتان کے دلوں میں ہم الفت پیدا کر دی اگر تم سے زمین کے۔ مائے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر وہ تو اللہ ہی تھا جس نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی۔ بیشک وہ زبردست اور صاحب تدبیر ہے نَاۤذِرُوۡہُمۡ اِنَّہٗ عَلَیۡہُمۡ کَیۡدٌ اِذۡ کُنۡتُمْ اَعۡدَاۤءَ اَلۡفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡۤ اَوۡ اَصۡبَحۡتُمْ بِنِعۡمَتِیۡ اِخۡوَانًا اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جبکہ ایک امت تم کو ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اس کے نفع سے بھائی (بھائی ہو گئے) بھی تھی یہاں سے ہے تالیف قلوب کا یہ معنی ہے کہ دلوں کو اس طرح کر دینا کہ ایک کو دوسرے کی الفت و محبت ہو جائے اور اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ الفت محبت اور میلان قلوب کے افعال اختیار یہ ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ اُنکے دلوں میں یہ اسی نے پیدا کی ہیں۔ اور نیز یہ آیت یَاۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اِذۡ کَرُمُوۡا اِنۡعَازَ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ ہَکُمۡ قَوْمٌ اَنۡ یَّسۡطُوۡا اَیۡنَکُمۡ اُنۡدِیۡہُمۡ فَکَلَفَ اَیۡدِیۡہُمۡ عَنۡکُمۡ (مسلمانو! اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں۔ ان کو یاد کرو کہ جب کچھ لوگوں نے تم پر دست درازی کرنے کا قصد کیا تو

مقرب اور اُس کے مطیع۔ حقہ رشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص بھی زمین، آسمان اور زمین کی دولت میں جہل پر نیکی کا سستی نہیں ہو سکتا۔ سحر شبابہ نے عرض کیا۔ آپ بھی اپنے عمل کے طفیل جنت میں سستی نہیں ہیں آپ نے فرمایا میں بھی اللہ کے فضل و رحمت ہی سے جنت میں جاؤں گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے اگر اللہ نے آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات کو ہذا میں ڈال دے تو یہ سب کو اللہ نہیں۔ اور اگر سب پر رحم فرمائے۔ تو مسکافات اعمال کی نسبت جنت سب کے حق میں برابر ہے۔ پہلی حدیث صحاح میں اور دوسری مسند احمد میں مذکور ہے اور مالک وغیرہ نے اُس کو صحیح کہا ہے۔ آنحضرت ﷺ علیہ السلام تو یہ فرماتے ہیں کہ وہ بات خود اپنے اعمال کی بدولت جنت میں داخل نہیں ہو سکے۔ اور قدرت یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے اعمال کے طفیل جنت میں مزے اڑائیں گے۔ اور خدا کی منت مدد کے اس لئے منکر ہیں کہ اُس کی منت سے جنت کی نعمتیں بے مزہ ہو جائیں گی۔

سلف صالحین یعنی صحابہ۔ تابعین و ائمہ کے بعد ائمہ دین قدر یہ کہ اقوال و عنائد کی ترویج اس لئے کر رہے ہیں کہ ان کی بدعت سب سے زیادہ بری اور ان کا مذہب سب انبیاء اور سرسلین کی تعلیم کے بالکل مخالف ہے۔ اگر چندے تمام احکام الہی بجا لائیں بلکہ وہ مجسم عبادت و طاعت ہو جائیں تب بھی ان کو اللہ کے فضل و رحمت کی ضرورت ہے اور عبادت کا بجا لانا بھی اسی کی منت ہے۔ عرض بندہ جس قدر یاد و مطیع ہو گا اسی قدر اللہ تعالیٰ کی منت اُس پر زیادہ ہو گی۔ پس جو اُس کی منت کا انکار کرے تو وہ اُس کے احسان کا شکر ہے۔ باقی فَلَقَهُمْ اَبْرَءُ عَزِيزٌ مَّهْنُونَ کا جواب یہ ہے کہ تمام اہل نبی کا اتفاق ہے کہ غیر ممتون کا معنی عَزِيزٌ مَّقْضُوہ ہے اسی سے نعت کو رَبِّ السَّوْنِ کہتے ہیں کہ وہ عمر و کاٹ دیتی ہے +

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عبادہ۔ نے کے اول میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَاَعْرِضْ عَنْ مَنَافِقِ الْعَدَاوَةِ وَالْبَغْضَاءِ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَمَةِ (تو ہم نے ان میں عداوت اور کینے رکھی اُن کو روز قیامت تک بھڑکا دیا) اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَمَةِ (اور ہم نے ان کے آپس میں رنج و عداوتیں اور کینے ڈال دیئے کہ وہ قیامت تک بھڑکنے والے رہیں) ہر جگہ کہ انجاء اور اِنْقَاضِ اللہ تعالیٰ کے افعال میں اور تعادلی اور تواضع بندوں کے فعل میں +

قرن قدر یہ اور جبر یہ کے گمراہ معنی کی اہل وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے افعال اور بندوں کے افعال میں انہوں نے فرق نہیں سمجھا۔ جبر یہ نے تعادلی اور تواضع کو جو بندوں کے فعل میں ہے اور تعالیٰ کے فعل

فرعون کے لوگوں کو باغیوں (سیسہ) اور شیعوں (سیسہ) اور خزانوں (سیسہ) اور عزت کی جگہ سے نکال دیا۔
یہ لوگ اپنے ہتھیار سے نکلے تھے مگر اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ تم ہی نہ ان کو وار سے نکالو پس
نکالنا حقیقتہً اللہ کا کام ہے اور نکالنا ان کا فعل اگر وہ نہ نکالتا تو وہ کبھی نہ نکلتے نہ عوام ہوا کہ اس
آیت میں جو اخراج (نکالنا) مذکور ہے اس کے برخلاف ہے جو سدر جہ ذیل آیات میں ذکر ہوا
ہے۔ (۱) اِنَّكَ تَكْنُزُ الْاَسْرَافَ ذَا لَئِنْ شَهِدْتُ لَكَ كَذِبًا فَمَا تُبَيِّنُ جَعَلَ اخْرَاجًا۔
(اور اللہ ہی نے تم کو ایک طرح پر زمین سے اُتار دیا۔ پھر دوبارہ لو لو کر اسی مٹی میں تم کو اُتار دیا۔
تو قیامت میں تم اُتر اسی مٹی سے پھر نکال کر نکال دیا۔ اَخْرَجَ الْاِنْسَانَ مِنْ اَرْضِهِ وَادْبَحَ
دِيَارِهِ كَذَلِكِ الْمُنْكَرُ رُو (خدا ہی حقا جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے
نکال باہر کیا اور یہ اُن کی تقدیر کا پہلا حشر رہا جس کے لئے نکالے گئے۔ ذَا لَئِنْ اَخْرَجَكَ
مِنْ اَرْضِكَ لَتَكُنَّ لَآوِلَّاءُ لَكَ اَوْ لَوْ كُنْتَ اِلٰهًا هِيَ قَوْمٌ كَوْتُهُ اِنِّى اَمَّا اَنْ تَكُنَّ اِلٰهًا كَيْونَك
ان آیات میں جو اخراج مذکور ہے اس میں بندوں کے فعل ارادہ و اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے۔
اُن کے اختیار سے باہر ہے۔ اور كُنَّا اَخْرَجَكَ مِنْ اَرْضِكَ مِنْ بَيْنِكَ يٰ اَحْمَقُ (جیسے نکالنا) کو
بیرے رہنے پر غور سے درست کلام ہے اس میں اخراج کی نسبت دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) یہ کہ
اپنے کی قدرت و مشیت سے ہو اس صورت میں پہلے قسم سے ہو گا (۲) یہ کہ اللہ کے امر سے ہو
اس صورت میں اخراج کی مذکورہ ادا دونوں قسموں کے علاوہ یہ ایک تیسری قسم ہو گی۔ پس کتاب اللہ میں
لفظ اخراج تین معنوں میں مستعمل ہے (۱) یہ کہ نکلنے والے کے ارادے و اختیار سے ہو (۲) یہ کہ جبراً
دفعاً نکالا جائے (۳) یہ کہ حکم شرعی کی تعمیل کی غرض سے نکلے۔

فصل بعض لوگوں نے آیت فَلَمَّا تَقَاتَلُوا مُوسٰى اَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ اِنَّكُمْ اَنْتُمْ اَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ
وَلَكِنْ اِنَّكُمْ اَنْتُمْ اَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (اور اے پیغمبر جب تم نے میرا پلاٹے تو تم نے میری نہیں چلائے بلکہ اللہ نے تیر
چلائے) کو اس باب سے سمجھ کر قدریہ کے برخلاف اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے
کی دلیل ٹھہرایا ہے لیکن وہ اس آیت کی مطلب نہیں سمجھے۔ یہ آیت اس باب سے نہیں ہے کیونکہ
یہ غزوہ بدر کا ذکر ہے جس میں اللہ سبحانہ نے ملائکہ بھیجے۔ انہوں نے مسلمانوں کے دشمنوں کو تہ
تہ کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے کہ تم نے اکیلے کفار کو قتل نہیں کیا بلکہ
اللہ کی مدد سے اس کے فرشتے تمہارے ساتھ شامل تھے۔ اور قَاتَلَ مَعَكُمْ اِنَّكُمْ اَنْتُمْ اَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ کا
مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدور میں تو یہی تھا کہ آپ نے کنگریاں پھینک دیں۔ اور انکو

بشن کی طرف ڈال دیا۔ اور اتنی دوری پر دشمنوں تکسُن کو پہنچانا اور سب کے موہنوں پر بارنا اللہ سبحانہ کا کام ہے غرض جھینکنا جو آپ کا کام تھا وہ آپ کی طرف منسوب کیا، اور چونکہ جو اللہ سبحانہ کا کام ہے اس کو آپ سے نفی فرمایا ہے۔

فصل - اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے اول میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے **وَ اَنَّهُ هُوَ اَخْلَقَ وَ اَنجَلٰی** (اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رولتا ہے) رولنا اور ہنسنا دونوں اختیار ہی فعل ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رولنا اور ہنسنا اللہ کا کام ہے، پس اللہ سبحانہ حقیقتہً رولانے اور ہنسانے والا ہے اور بندہ رولنے اور ہنسنے والا۔ اس کے سوا اس آیت کا کوئی دوسرا معنی قرار دینا یا اس کی کوئی اور تاویل کرنا بلا وجہ کلام کو ظاہر مطلب سے پھیرنا ہے۔ اس کے علاوہ اس ظاہر مطلب اور ان تاویلات میں جن کو لوگ ذکر کرتے ہیں۔ کوئی منافات نہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ زمین کا ہنسنا اس سے نباتات اگانا اور آسمان کا رولنا تابارش برسانا ہے اسی طرح بھٹے کا رولنا اور ہنسنا یہ ہے کہ اس میں رونے اور ہنسنے کے اسباب پیدا کرنا۔ سوینے لفظ کے حقیقی موضوع نہ معنی یعنی وہ ضحک اور ہلکا کو پیدا کرتا ہے کوئی مخالف نہیں۔

فصل - اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے اول میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ثَوَالِدٌ حٰی یُّرِیْطُ بِمَا لَبِثُوْا وَ طَمَعًا** (وہی رقاد و مطلق ہے جو گرنے سے) ڈرانے اور نیز بارش کی امید دلانے کے لئے زبلی کی، چمک تم لوگوں کو دکھاتا ہے، بجلی کا دیکھنا بندوں کا اختیار ہی فعل ہے جو ان کے حواس کے ذریعہ وقوع میں آتا ہے (اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ دیکھلاتا ہے۔ خلوم ہو کہ دکھلاتا اس کا کام ہے اور دیکھنا ہمارا فعل ہے۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا۔ کہ بارادہ برف سے بجلی کا پیدا کرنا ہمارا ہے۔ کیونکہ ایک تو پیدا کرنے کو سخت میں راوۃ نہیں کہتے۔ وہ کہے اس کے پیدا کرنے سے ہمارا دیکھنا لازم نہیں آتا۔ بلکہ راوۃ کا یہی معنی ہے کہ وہ ہم کو دیکھنے والا بنانا اور ہم میں رویت کی صفت پیدا کرنا اور یہ اسی کا کام ہے مثنیٰ علیہ السلام کا یہ قول **فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَا اَسْفَلَ هُمَا وَ یُصْخِرَا لَکُمَا هُمَا** (پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دونوں کے اپنی جوانی کو پہنچیں اور دیوار کے تلے سے اپنا خزانہ نکالیں) اسی قبل سے ہے۔ جوانی کو پہنچنا ان کا اختیار ہی کام نہ تھا۔ اور خزانے کو نکالنا ان کا اختیار ہی فعل تھا۔ لہذا اللہ سبحانہ نے دونوں کی نسبت فرمایا ہے کہ دونوں اس کے ارادے سے ہیں۔ اور جادو گروں کی نسبت اللہ سبحانہ کا یہ فرمان **وَمَا هُمْ بِضَآئِرٍ یَّهْمُ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا یَاْذِنُ اللّٰهُ** (وہ لالکے بے غم)

خدا وہ اپنی ان باتوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے ہر ہی مطلب کو ثابت کرتا ہے۔ لفظ اذن سے یہاں امرِ ملکہ اور اذنِ شرعی مراد نہیں۔ بلکہ اذن سے تضادِ قدر اور اس کی مشیت مراد ہے جس کو اذن گوئی اور قدری کہتے ہیں نہ اذن شرعی رویتی +

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعالِ عباد ہونے کے اول میں سے ایک۔ پس جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاللّٰهُمَّ كَلِمَةُ التَّقْوٰی وَكَلِمَةُ الْاِحْقَاقِ اَلَا اَتٰیكَ (اور اُن کو پہنچائی کیا بات پر چلنے رکھا اور وہ اس کے سزاوار اور لائق بھی تھے) کلمۃ تقویٰ سے یہ کلمہ مراد ہے جس کے کہنے سے عذابِ الہی سے بچاؤ ہو۔ اس طلب کے لئے سب سے اعلیٰ اور افضل کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ اس کے بعد جتنے کلمات عذابِ الہی سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں وہ سب کلمۃ تقویٰ میں داخل ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اسی نے اپنے مومن بندوں کو یہ کلمہ لازم کیا ہے۔ وہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوتے سو اسی کے لازم کرنے سے انہوں نے اس کو لئے لیا۔ اور اپنے ذمہ اس کا التزام کر لیا ہے اس التزام بندوں کا فعل انتہائی ہے۔ جو ان کے ارادے و اختیار کے تابع ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ لازم کر نیوالا اور بندے التزام کرنے والے ہیں +

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوًّا اِذَا اَسْتَهُ الشَّجَرِ وَخَا اِذَا اَمْسَهُ الْخَيْرُ مَسْكُوًّا (بیشک انسان بڑا ہی فطریاً پیدا کیا گیا ہے کہ جب اس کو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اس کو کسی طرح کا فائدہ پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے) بھی اسی قبل سے ہے۔ ہلوع کے معنی میں نہایت صبریں جو تکلیف کے وقت بے صبری اور ثمت کے وقت ناشکری کرے۔ اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے انسان کو اسی صفت پر پیدا کیا۔ اس سے صاحت معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حیثیت یعنی ہلوع ہونا اللہ تعالیٰ کی مخلوق و پیدا کی ہوئی ہے جیسے کہ خود ذاتِ انسان اسی کی مخلوق ہے۔ پس انسان کی ذاتِ صفات افعال اور اخلاق سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ نہیں ہے کہ انسان کی بعض چیزوں کا خالق تو اللہ سبحانہ ہے اور بعض کا کوئی اور بلکہ سب کا خالق وہی ہے۔ پس حقیقتہً انسان کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ حقیقتہً اس کا خالق ہے۔ اللہ سبحانہ ملے سے موصوف نہیں اور انسان اس کا خالق نہیں +

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُولِيْمَنَّ اَلَا يَا ذِیْنَ اَللّٰهِ وَتَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلٰی الْبَاطِلِ لَا يَقُولُوْنَ (اور بے حکم خدا کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ ایمان لے آئے اور خدا (شرک اور کفر کی) گندگی اُن ہی لوگوں پر ڈالتا ہے جو دلائل و عدائیت میں عقل کو کام میں نہیں

لاتے بھی راستی پہل سے ہے یہاں اذن بمعنی قضاء و قدر ہے بمعنی حکم و امر شرع۔ سلف صالحین سے اس کی تفسیر اسی طرح منقول ہے۔ ابن مبارک سے سفیان ثوری سے نقل کیا ہے کہ باذن اللہ کا معنی یہ ہے کہ جو اللہ کے حکم سے ہے۔ ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے اللہ جل شانہ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے کہ مخلوق است الہی میں سے کوئی شخص جب تک خدا کی طرف سے اسے ایمان لانے کا اذن نہ ہو آپ پر کبھی ایمان نہ دیا گیا۔ تو کسی شخص کے راہ راست پر لانے کے لئے آپ اپنے تئیں تکلیف میں نہ ڈالیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اسے پہنچ چکا ہے۔ اور خدا کی طرف سے اسے ہمت دی گئی ہے اور ہر ایک کی ہمت اس کے خالق کے ہاتھ میں ہے۔ آیت کا قبل اور بعد اسی مضمون پر دلالت کرتا ہے اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے وَكَوْنُ شَآءٍ مِّنْهُ يَكُنْ لَّآ مَوْنٌ مِّنْ فِي الْآسَافِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَمَّنَّ مَن كَانَ يَتُخَدَّئِينَ الْإِنسَانِ إِنَّهُ يَكُونُ لَكُم مَّوَدِّعِينَ وَمَا حَقَّ لِنَفْسٍ أَنْ يَكُونَنَّ الْآيَاتِ اللَّهُ (اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار۔ چاہتا تو جتنے آدمی سوئے زمین پر ہیں۔ سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ سب کے سب ایمان لے آئیں اور بے حکم خدا کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کیا ایمان لے سکتے یعنی حزن آپ کی دعوت حصول ایمان کے لئے کافی نہیں۔ جن لوگوں کو آپ دعوت ایمان کرتے ہیں سب تک ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان لانے کی اجازت نہ ہو وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے چنانچہ اس کے بعد فرمایا ہے قُلِ الْفُطْرُ وَا مَا ذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَاللَّهُ عَنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ مَيُوتُونَ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ یہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے خدا اس کی طرف تو نظر کرو۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے نشانیاں اور ڈرامے ان کو کچھ بھی سود مند نہیں)۔ ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے فرمایا ہر لئے محمد جو لوگ آپ کے دعوے کی صداقت یعنی توحید ماننے اور شرک و بت پرستی چھوڑنے پر آپ سے اظہارِ بیعت کے خواستگار ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اے لوگو! ان نشانات و آیات قدرت میں غور کرو جو آسمان و زمین میں موجود ہیں۔ تو تم کو خود ہی میرے دعوے کی صداقت و حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ نظام علوی پر ذرا نظر ڈالو کہ سورج۔ چاند اور ستارے کس قاعدے سے حرکت کر رہے ہیں۔ جس سے رات دن پیدا ہوتے ہیں اور بادلوں کو دیکھو کہ ان سے بارش ہونے پر انسان اور دیگر تمام حیوانات کی روزی آگتی ہے۔ اور نظام غلی کو ملاحظہ کرو کہ زمین میں مختلف اقسام کے پہاڑ بنائے ہیں اور نگارنگ کی روئیدگیاں اور طرح طرح کی کھانے کی چیزیں اس سے پیدا کرتا ہے۔ اور گوناگون عجائبات اس میں رکھے ہیں۔ اگر تم کو کچھ بوجھ ہو اور ان چیزوں میں غور و فکر کرو۔ تو تم کو صاف

معلوم ہو جائے۔ لیکن تمام چیزوں کا خالق وہ اللہ پاک ہے کہ اُس کے ملک و سلطنت میں کوئی شریک نہیں اور نہ ان چیزوں کی حفاظت و تدبیر میں اُس کا کوئی معین مددگار ہے۔ اور اُن لوگوں کو جن کے حق میں پہلے سے اللہ کی طرف سے شہادت و تقدیر ہو چکی۔ اور لوگ محفوظ میں وہ اہل نفع لکھے جا چکے ہیں۔ ان آیات کے دیکھنے سے اُن کو کچھ فائدہ صاف نہیں ہوتا۔ اور گو اُن کو سب سمجھ نہ آئے دیکھائے جائیں وہ کبھی ماننے کے نہیں جب تک عذاب و دوزخ نہ دیکھیں گے۔

فصل اللہ تعالیٰ کا قول وَكَلَّ إِنْسَانٍ الْأَمْتَا ظِلْرَةً فِي عَصِيْقَةٍ وَخَيْرَ جَزَاءٍ يَوْمَ
الْآخِرَةِ كِتَابًا يَلْقَا مِنْ شَوْسٍ (اور ہم نے ہر آدمی کی برائی بھلائی کو اُس کے ساتھ لازم کر کے اُس کے نگاہ کا بار بنادیا ہے یعنی ہر ایک کی تقدیر ہر ایک کے ساتھ ہے اور قیامت کے دن ہم اُس کو نماز و اعمال، نکاح و کس کے سامنے پیش کر دیں گے)۔ یہ قبیل سے ہے۔ ابن جریر نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر ایک انسان کے حق میں جو کچھ تقدیر ہو چکا ہے کہ وہ دیکھ اجونے کے بعد اسے کہہ دیا اور اُس کے عمل کے مطابق سعادت یا شقاوت جن پر اُس کا خاتمہ ہونا ہے ہم نے اُس کے نکلے کا بار بنادیا ہے وہ اُس کے کبھی ملحد نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد ابن عباسؓ کا قول ذکر کیا ہے کہ طائر سے مراد اس کا عمل اور جو کچھ روز ازل میں تقدیر ہو چکا ہے پس انسان جہاں ہو وہ اُس کے ساتھ ہے۔ ابن جریج۔ قتادہ اور مجاہد نے بھی یہی کہا ہے کہ طائر سے مراد ازل ہے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ جو کچھ پہلے سے لکھا گیا ہے۔ اور قتادہ نے اتنا زیادہ کیا کہ اُس کے عمل کے مطابق شقاوت یا سعادت بھی وہی داخل ہے۔ ابن جریر نے کہا ہے اگر کوئی شخص پوچھے کہ اگر یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ نے اَلْأَمْتَا ظِلْرَةً فِي عَصِيْقَةٍ کیوں فرمایا ہے اور فی کِتَابٍ یَلْقَا مِنْ شَوْسٍ پر جلیبہ وغیرہ نہیں فرمایا۔ اُس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ دستور ہے کہ قلاصے طوق وغیرہ جو بسوئی یا چمنواری کی نشانیاں گلے میں ڈالی جاتی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں بھی بہ نسبت اور اعضاء کے لفظ عَنَقِ رُكُودًا ذکر فرمایا ہے۔ اور جس طرح کہ تمام اعضاء کے کام ہاتھ کی طرف نسبت کرتے اور کہتے ہیں۔ اَلْأَمْتَا كَسَبَتْ يَدَاہِ اِیْمَا اُس کے ہاتھ کی کمائی کے بدلے ہے، اسی طرح اَلْأَمْتَا ظِلْرَةً فِي عَصِيْقَةٍ فرمایا ہے یعنی صرف گردن کا ذکر فرمایا گو انسان کے عمل اُس کے تمام وجود سے لازم ہیں، فراء کا قول ہے کہ مفسرین کے نزدیک طائر یعنی عمل ہے۔ انہری نے کہا ہے اس تفسیر کی اصل یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ اُنکی اولادیں سب مطیع اور نفلان و فرمان ہوگا۔ تو اُس نے اپنے علم کے مطابق جسے مطیع جانا اُسے سعید اور جسے نافرمان معلوم کیا اُسے شقی لکھا۔

اور مقرر کیا پس ہر ایک کا انجام و مال اُس کی پسند و پیش دہانت کے وقت معین ہو چکا۔ ایک سحاق نے لفظ فی مقدمہ کی یہ توجہ بیان کی ہے کہ جو چیز کسی کے لازم حال ہو اسے کہتے ہیں کہ فلاں چیز اُس کے گائے میں ہے یعنی گھلے کے بار کی طرح اُسے لازم ہے۔ ابو علی نے کہا ہے کہ یہ اُس محاورہ کے مطابق ہے کہ کہتے ہیں کلو ثنائے کذا ایسی میں نے وہ چیز سمجھے لازم کو ہی اور اسی سے یہ محاورہ بھی اخذ ہے قلکذا کذا سلطان کذا یعنی ابرشاہ نے اُسے ولایت ایسی لازم کر دی جیسے گلے کا یار ہوتا ہے بعض نے لفظ غنق کی تخصیص کی۔ وجہ یہ بیان کی ہے کہ انسان کا عمل دو ہی طرح کا ہوتا ہے اچھا یا بُرا۔ اچھے عمل زیور کی طرح زینت کا سبب و زیورِ اعلیٰ فوق کی طرح بد صورتی کا موجب ہے۔ چونکہ زیور اور طوق گردن میں ہوتے ہیں اسلئے لفظ غنق ذکر کیا گیا۔

قدر یہ کہتے ہیں۔ لازم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان میں ایک ایسی علامت ہے جو آدمی جس سے فرشتے معلوم کر لیتے ہیں کہ فلاں شخص سعید اور فلاں شقی ہے۔ اور اُن کو ہر ایک کی سعادت و شقاوت سے آگاہ کر دیا ہے۔ نہ یہ کہ انسان کو اُس کے عمل لازم کئے گئے ہیں۔ اہل سنت اُن کو یہ جواب دیتے ہیں کہ تمہارا ہی دستور ہے کہ کامات کے اُلٹے اُلٹے معنی تراشے ہو۔ چنانچہ ختم طبع اور قفل کے معانی میں بھی تم نے یہی پال اختیار کی ہے۔ یہ معنی تو تم نے گھڑا ہے لغت میں اس کا کہیں پتہ نہیں۔ اور لفظ کے حقیقی معنی کے مخالف ہے نہ نو علم الامۃ یعنی ابن عباس سے یہ تفسیر منقول ہے۔ اور نہ سلف صالحین میں سے کسی ایک شخص نے یہ معنی بیان کئے ہیں یہ صرف تمہاری اپنی تفسیر ہے۔ (قطع نظر اس سے) آیت کو اس معنی پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں کہتا۔ کیونکہ ہر ایک کی سعادت و شقاوت سے جبر دیا۔ اور اُس کے لئے نشان بھیرا اُس کے اعمال لازمہ کے بعد ہے اور چونکہ اُس کے اعمال اُس کو لازم تھے اس لئے وہ اس کی سعادت و شقاوت کی علامت بھیرے۔

ہم نے لفظ ظاہر کے متعلق اپنے مدعا کے ثبوت کے لئے آئمہ ہدایت اور سلف ائمہ کے اقوال و قول جمع کر دیے ہیں۔ تم سلف میں سے کسی ایک شخص کا قول دکھلا دو جس نے تم سے پہلے یہ بات کہی ہو جو تم کہتے ہو۔ یوں تو ہر ایک جنتی اور اہل سعادت قرآن کے وہ معنی گھڑتے ہیں جو اُن کی بعثت و مصلحت کے موجب اور اُن کے مذہب کے موید ہوں مگر قرآن پاک ایسی باتوں سے برسی ہے۔ اور توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا كَمَا تَوْهَّاهُ يَسْتَكْفِرُونَ كَذَلِكَ تُسْأَلُونَ فِي قُلُوبِكُمْ لِمَ يُعَذِّبُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ يَا (اور اُن لوگوں کا بھی یہی مسئلہ تھا کہ جب کبھی کوئی

بغیر ان کے پاس اتنا اُس کی ہنسی اڑتے تو جس طرح اگلے لوگ اپنے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اسی طرح ہم ان کافروں کے دلوں میں بھی ڈال دیتے ہیں۔ تو یہ قرآن پر ایمان لانے والے نہیں بھی اسی قبیل سے ہیں۔ مینعمون قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک اس آیت میں: **وَمِنْهُمْ شِرَارٌ** کی سند یہ ذیل آیت میں: **وَكُوْنُزَلْنَا كَاْمَعْلًا بَعْضُ الْاَكْمَحِيْنِ نَقَرَا كَاْمَعْلًا مَّا كَانُوْا** یہ مؤمنین كَذٰلِكَ سَلَكْنَا مِصْرٰی قُلُوْبِ الْاَكْمَحِيْمِيْنَ كَاْمَعْلًا مَّا كَانُوْا مِصْرٰی مَّا كَانُوْا الْعَدَا كَاْمَعْلًا اور اگر ہم قرآن کو کسی اور زبان میں لے کر اُسی کی زبان میں لے آتے اور وہ اُسے ان دہل عرب کو پڑھ کر سنا تو یہ (لوگ کبھی بھی) اُس پر ایمان نہ لاتے اسی طرح دھراؤ اور انکار کو ہم نے سنا ہماروں کے دلوں میں جا رکھا ہے کہ جب تک عذاب دردناک دیکھ نہیں اس پر ایمان نہیں لائیں گے) ۛ

ابن عباس کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کذبین کے دلوں میں شرک کو اس طرح پرو دیا ہے جس طرح تانگے میں موتی چھپے جاتے ہیں۔ البتہ شقاق کا قول ہے کہ مجرمین کے دلوں میں اس طرح گمراہی کو دخل کیا جس طرح اُن مجرموں کے ساتھ کیا جو ان سے پہلے انبیاء کے کذب ہو گئے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے جو ضمیمہ غایب ہے اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ابن عباس اور جن کا قول ہے کہ اس سے شرک مراد ہے۔ نہ تہاج وغیرہ نے منکال کہا ہے۔ آج نے ہتھرا اور ذرا نے تکذیب کہا ہے مگر ان سب اقوال کا مرجع دہل ایک ہے۔ تکذیب ہتھرا اور شرک یہ سب حقیقت کذبین کے افعال ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ سب چیزیں اُن کے دلوں میں اُس نے ڈالی ہیں ۛ

لیکن میرے خیال میں ان اقوال پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مسئلہ کذا سَلَكْنَا میں جو ضمیمہ غایب ہے اس سے وہی چیز مراد ہے جو کَاْمَعْلًا مَّا كَانُوْا کی ضمیمہ مجرور سے ہے تو ان اقوال کے مطابق جملہ کَاْمَعْلًا مَّا كَانُوْا کا معنی یہ ہو گا کہ وہ مجرمین شرک۔ استدراک اور تکذیب کے ساتھ ایمان نہ لائیں گے۔ وہ درست نہیں ہیں لامحالہ ان قائلین کو یہ کہنا پڑیگا۔ کہ ان دونوں ضمیموں کا مرجع و تفسیر ایک چیز نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تفسیر و مرجع ایک ہی چیز ہے تو اب صحیح معنی یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور جو چیز ان کو دلوں میں داخل کی گئی ہے وہ ایک ہی چیز ہے یعنی قرآن مجید۔ اس پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید کے اُن کدووں میں دخل کرنے کا کیا مطلب رہ تو ان کے منکر تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جملہ

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ جملہ عالمیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ان کے دلوں میں لعل
میں داخل کیا کہ وہ اس کے انکار پر جسے تھے اور مومنوں کے دلوں میں اس نال میں حسن و حسن کی کہ وہ
اس کے مصداق تھے جن لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دلوں میں تکریم و تعظیم کو داخل
کیا ان کا مطلب بھی یہی ہے۔ انہوں نے آیت کے محال معنی بیان کر کے دینا دینا مطلب ایک ہے
کیونکہ جب قرآن حالت تکذیب کے انکار میں ان کے دلوں میں حسن و حسن ہو تو تکذیب و تضاد ان کے
دلوں میں گھس گئے۔ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ حالت انکار و تکذیب میں ان کے دلوں میں قرآن مجید
داخل کر کے کیا مطلب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حقانیت ان کو
سمجھا دی وہ دیدہ و دانستہ تکذیب پر قائم ہے اس سے ان پر اللہ کی جست و خیز ہوئی اور
سمجھے ہوئے سمجھنے کے بعد تکذیب کرنا غیر سمجھنے تکذیب کرنے سے زیادہ برا ہے کیونکہ جو شخص حق
کو پہچان کر نہ مانے وہ اس سے زیادہ برا ہے جو نادانی سے انکار کرے۔

فصل اللہ تعالیٰ کا قول اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيَاطِیْنَ عَلٰی الْكَافِرِیْنَ تَوَشَّوْهُمْ اَمْ اَرَأَیْتَ
اے پیغمبر کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے شیطانوں کی کافروں پر چھوڑ رکھا ہے۔ کہ وہ
ان کو لگاتے رہتے ہیں ابھی ہی قبل سے ہے یہاں ارسال سے ارسال کوئی وقفہ ہی ملے ہے
بیسے ہواؤں کا بھیجنا ارسال نئی و شرعی جسے ارسال تسلیم کہتے ہیں مراد نہیں۔ اس کے برخلاف
مومنین کے حق میں فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِيَ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (جو رہائے سچے)
بیشے ہیں ان پر (تو) کسی طرح کا قابو و چلنے کا نہیں شیطان کا تسلط و غلبہ جس کی مومنین کے
نفی فرمائی ہے وہی ہے جو کفار پر اسے حاصل ہے۔

ابو اسحاق کا قول ہے کہ یہاں ارسال بمعنی تسلط ہے محدثوں میں کہتے ہیں۔ اِنَّ سُلْطَانَ
فَلَا تَأْخُذُ عَلٰی فُلَانٍ یعنی میں نے فلاں شخص کو فلاں پر تسلط کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
اِنَّ عِبَادِيَ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ اَلَا مَنْ اَتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِیْنَ (جو رہائے سچے)
بیشے ہیں ان پر (تو) تیرا کسی طرح کا قابو و چلنے کا نہیں ہاں گمراہوں میں سے جو کوئی تیرے
پیچھے ہوئے (تو ہوئے)۔

پس سمجھو کہ جو شخص شیطان کا پیرو ہو شیطان اس پر سلاطین میں کہتا ہوں میں کہ یہ آیت
اَلَا سُلْطَانُكَ عَلٰی الْكَافِرِیْنَ یَتَوَكَّلُوْنَ اَلَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُّشْرِكُوْنَ۔ (ان کو قابو و چلنے میں
لوگوں پر چلتا ہے جو اس کے ساتھ ارتباط رکھتے اور جو شرک خدا تعالیٰ سے ہیں) اس کی شاہد ہے۔

آزلفت میں یعنی تحریک برانگیختہ کرنے کے ہے ہی واسطے ہانڈی کے جوش مارنے کو ازیز کہتے ہیں۔ کہ اُس کے جوش مارنے کے وقت اُس میں جو پانی ہوتا ہے وہ حرکت کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ (خوف الہی) ہونے کے سبب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے مبارک سے ہر طرح آواز آتی تھی جیسے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز ہوتی ہے۔ سلفیہ کی عمارتوں سے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ شیطان کفار کو ابھارتا اور برانگیختہ کرتا ہے اُن سے ایک روایت میں ہے گناہوں کے لئے اُن کو بے قرار کرتا ہے۔ انہی سے ایک دوسری روایت میں آیا ہے اُن کو بھڑکاتا ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ ازیز بھڑکانے اور حرکت کے معنی میں ہے محاصص میں بولتے ہیں اِزْجَدْرَکَ یعنی ہنڈ کے نیچے آگ جلاؤ۔ وَانْتَوِا لَیْذَ یعنی ہنڈ یا جوش میں لگی۔ آغوش نے یہی معنی پسند کئے ہیں۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ ازیز دو معنی یعنی تحریک و بھڑکانے میں مشتمل ہے۔

قد یہ کہتے ہیں کہ شیاطین کو کفار پر بھیجنے کا یہ مطلب ہے کہ ان دو لوگوں کے درمیان تخلیہ کر دیا جاتا ہے کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔ وہ باہم ملتے جلتے ہیں۔ ابو علی کا قول ہے کہ ارسال بمعنی محاصص مشتمل ہے۔ آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے شیاطین اور کفار کے درمیان کر دیا۔ اُن کو اُن سے رکاوٹ نہیں رکھی۔ اور نہ اُن کو اُن سے بچا رکھا ہے بخلاف اُن مومنین کے جن کے حق میں فرمایا ہے اِنَّ جَبَادِیْ لَیْسُوْا لَكَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ واحدی کہتے ہیں۔ قد یہ نے اس آیت کے متعلق یہی معنی اختیار کیا ہے مگر غلطی پر ہیں۔ آیت میں یعنی ملاؤ نہیں ابوحاق کہتے ہیں مختار یہ ہے کہ شیاطین کفار کے کفر کے باعث اُن پر مقرر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ یَّعْنُ عَنْ ذِکْرِ الزَّخْمِیْنَ لَقَدْ یُضِلُّ سَلِطًا نَّافِلًا فَهَؤُلَہُ قُرْآنٌ (اور جو شخص (ختم) رحمن کی یاد سے اغماض کیا کرتا ہے ہم اُس پر ایک شیطان تعینات کر دیا کرتے ہیں اور وہ اُس کے ساتھ رہتا ہے) اور نیز فرمایا ہے وَتَقِیْضُنَا لَہُمْ قِسْمًا فَرِیْقًا فَرِیْقًا لَّہُمْ مَا بَیْنَ اَیْمِیْہِمْ وَمَا خَلْفَہُمْ (اور ہم نے ان (کفار) کے ساتھ (میں) ہم نشین تعینات کر دئے تھے۔ تو انہوں نے ان کے اگلے اور پچھلے تمام حالات ان کی نظر میں اچھے کر دکھائے) یہاں ارسال بمعنی تسلیط ہے۔ میں کہتا ہوں ارسال کٹاؤی معنی سے بھی تسلیط مفہوم ہوتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے اِذَا اُرْسِلَتْ کَلْبَاکَ یعنی جب تو اپنے لئے کوستا کر دے۔ اور اگر کہتے اور شکار کے درمیان تخلص کر دے اور ارسال ذکر سے تو وہ شکار کھانا درست

نہیں اور سلیج ان کی بات کی عاید اِذَا ارسلنا غلغله الریح انفق (اور قوم عادر کے ہاک بھنے میں بھی
 قدرت خدا کی ہنیر کی نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان پر ایک نفوس اندھی چلائی: ارسلنا غلغله
 کابیرا ابابیل (اور ان پر بھند کے بھڑ پرندے بھیجے) اِنَّا ارسلنا علیہم صیحةً واحداً -
 ہم نے ان پر ایک ضرور کی صیحہ کا عذاب نازل کر دیا، میں بھی تسلط اور تسخیر میں ہے۔ اس سلسل اور
 تسلط الہیہ کے درمیان تخلیہ کرنا اس لئے ہے کہ لازم سے ہم جس کے بدوں یعنی تمام نہیں ہوتا تب
 تو کوئی ایسی چیز چھوڑے جس کا خاتمہ کوئی خاص فعل اور کام نہ کرنا ہے اور اسے روکے نہیں یہی تسلط
 ہے۔ قدرت نے اس مقام میں اپنے قول و سبک کے خلاف متنقض بات کی ہے۔ اگر وہ یہ عاجز نہیں
 کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو شیطین کے شر سے بچا اور محفوظ رکھا ہے تو لازم آتا ہے کہ مختار شخص
 کو اس کے فعل اختیار ہی سے باوجود یہ وہ صیحہ و سلامت اور اس کام کے لئے مستعد ہے روک دیا اور
 اس سے بے نیاز ثابت ہو گیا۔ کہ مختار کا فعل و ترک اللہ کی قدرت میں ہے۔ اور یہی اہل سنت کا قول
 اولین۔ کئے سبک کا خلافت ہے اور اثر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین کو شیطین سے بچانے پر
 قادر نہیں تو لازم آئیگا کہ بدوں کے کام۔ قدرت و تدبیر سب شیطان کی قدرت میں ہوں اور ان
 کے زعم کے مطابق شیطان کے افعال و تصرفی قدرت سے باہر ہوں۔ یہ بات نہایت خراب اور
 سرسراہٹ ہے۔ اس آیت کے متعلق قدر یہ یہی کہتے ہیں کہ شیطین کفار کو گناہوں کا ارادہ
 حکم کرتے ہیں۔ اور اس قول کو منہ پر رکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ قابل التفات نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص
 کو کوئی کام کرنے کو کہے تو اس کو آزاد میں کہتے بلکہ امر کہتے ہیں۔ اور نہ یہ سننے لغت سے جانتے ہیں۔ اگر
 ان کا یہ قول صحیح ہو تو شیطان و مومنوں کو بھی گناہوں کا امر کرتا ہے بلکہ بہت گناہوں کو گناہ
 کرنے کو زیادہ کہتا ہے کیونکہ کافر تو جلدی سے اس کی بات مان لیتے ہیں۔ لیکن اس کو انہیں زیادہ کہنے کی
 حاجت نہیں پڑتی۔ اور مومن نہیں ملتے تو ان کو بار بار کہتا ہے۔ میں اگر مجھے امر ہو تو قدرت کی تفصیل کی کوئی وجہ نہیں
فصل - قُلْ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْغِيَاظِ وَالْغِيَاظِ مِنَ الْغِيَاظِ وَالْغِيَاظِ مِنَ الْغِيَاظِ
 فی صلوٰۃ الناس من الجنۃ والناس لے غیر جنی مخالفت کے لئے یوں دعا لگا کر کہ شیطان لوگوں کے دلوں میں
 دوسرے دانا و دغور نظر نہیں تمام اوجہات کو اہل موعود و قسم کے دوسرے انداز ہوتے ہیں ان کی فرسٹیں
 لوگوں کے ہر مرد و کار لوگوں کے حقیقی بادشاہ لوگوں کے معبود و رب بنی خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور آپ اَعُوذُ بِاللّٰهِ
 مِنْ اَبِی الْغِيَاظِ وَالْغِيَاظِ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّخْضَرُّنَا لے میرے ہمدرد گاریں شیطانی و دوسرے تیری پناہ مانگتا
 ہوں اور لے میرے ہمدرد گاریں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے پاس آئیں۔ اور

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (تو قرآن پڑھتے
 لگو تو شیطان، مردود رکے، موسیٰؑ کی پناہ مانگ لیا کہ وہ بھی وحی قبول سے میں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ
 شیطان کے شر سے بچانے کے لیے اس کو باری دیتا اور اس کے گمراہ فریب سے اس کے آواز سے بچاتا ہے۔
 جب اس کے شر سے اس طرح بچا جائے کہ مستحید کو اس کی تکلیف دہ تر سے محفوظ رکھتا اور شیطان اور اس
 کے فعل اختیاری کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس فعل اللہ ہی نے اس قدر بند ہے
 اگر وہ اپنے تئیں شیطان کو بندے پر مسلط کر دے۔ اور اگر چاہے تو شیطان اور بندے کے درمیان حائل ہو جاتا
 اور بندے کے اصول کے مطابق ایسا ممکن ہے پس یہ تعینت ایسا وہ جسے قائل نہیں۔ کہ جیسے کی طرف
 سے متعاضد وہ حقیقت ثابت کرتے اور اس آیت سے خبر یہ ہے کہ تو اس کی زیادہ کرتے ہیں۔ بندہ اپنے لئے
 کی طرف سے اعادہ تو حقیقت ثابت کرتے لیکن بندے کی طرف سے جیسے استعاذہ کے قائل نہیں۔ بلکہ کہتے
 ہیں کہ استعاذہ بھی حقیقت اللہ کا فعل ہے جیسے اعادہ اپنی کفایت ہے۔ اور فریق مصلحت شرعیہ۔ اور
 جو جن بات ہر ایک کی صحیح بھی ہے۔

فصل ۱۰۰۔ اَللّٰهُمَّ مَا صَدَرَ لَكَ اِلَّا بِاَمْرِكَ (اور اللہ! تو فریق) کے بعد اس تم نصیب کہ کسی میں نہ سکتے ہوں
 ہو وہ علیہ السلام کا قول۔ وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاَمْرِكَ (میرے کامیاب ہونا تو بس خدا ہی کی نائید است ہو سکتا ہے)
 جی انجیل سے میں ظاہر ہے کہ صبر اور توفیق بندے کے اختیار ہی فعل ہیں اور اللہ ہی نہ۔ اور فرمایا ہے کہ
 یہ میرے اختیار میں ہیں حقیقت بندے کی قدرت میں نہیں اور نہ حقیقت یہ اس کے کام ہو نہ یہ چاہیے
 اس شخص بندے کو ان کا علم کیا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ بن۔ کو اپنی ذات کے فعل کا
 نہیں کرتا۔ باوجود اس کے یہ کام بندے کے اپنے اختیار سے واقع نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ اس ذات کی دست
 ہوتے ہیں جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہ جو پتے ہوتا ہے اور جو نہ چاہتے وہ نہیں ہوتا۔ پس نصیر
 (صبر دینا) اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے اور یہ اس کا فعل ہے اور صبر بندے کا کام ہے جو اس نے سنا
 قائم ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی حریف فرمائی ہے جو اس نے نصیب ہائے میں چننا یہ
 ہے وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا اَفْرِجْ عَلَيْنَا نَجِدُ جَالُوتَ اَعْدَاؤَنَا وَكُلُوْنَا
 عَلَى الْقَوْمِ اَنَّا نَفْزِلُ عَلَيْهِمْ ثِقَاتٍ بِأُذُنِ اللَّهِ وَجِبْ جَالُوتَ اور اس کی فوجوں کے مقابلے
 میں ملے تو دعا کی کہ ہے ہمارے پروردگار ہم پر نصیر رکھ پھالیں۔ اُذیل سے اور (معاذ جبرائیلؑ)
 ہمارے پاؤں جلے رکھ اور کافروں کی جماعت پر ہم کو فتح سے۔ پھر ان لوگوں نے اللہ کے حکم سے شہدوں
 کو بھگا دیا۔ اس بیت میں چار دلیلیں ہیں اول نبیین کا یہ قول اَفْرِجْ عَلَيْنَا صَبْرًا مَوْجِبًا لِّمَنْ يُّرِيدُ

فعل ہے پھر انہوں نے اس وقت سے اس کا سوال کیا ہے پر جس کے اختیارِ مشیت اور اذن میں ہے اگر وہ چاہے نہ اذن اور مطلقاً ہے اور اگر چاہے تو اس سے محروم رکھے۔ دوم اُن کا یہ قول وَثَبْتَ اَقْدَامَنَا ثباتِ اقدام کا اختیارِ فعل ہے لیکن تثبیت اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اُس کے بندوں بندوں کا فعل ثباتِ قدم و وقوف میں نہیں آ سکتا۔ سوم اُن کا یہ قول وَالصَّغَارُ وَالْقَدِيمُ الْكَافِرِينَ (بچپن میں اللہ تعالیٰ سے نصرت کا سوال کیا اور اللہ تعالیٰ سے نصرت اس طرح ہوتی ہے کہ اپنے بندوں کے ارادوں کے مقبوض فرماتا ہے اور اُن کو دلیری صبر اور ثباتِ قدم عنایت کرے اور اُن کے دشمنوں کے دلوں میں بے جھجکتی ہمت اور عجب ڈال دے جس سے انکو نصرت حاصل ہو۔ اس کے علاوہ انسان کا دوسرے پر منتظر رہنا و ہر ناد و طرح سے ہوتا ہے یا تو افعالِ جوارح کے ذریعہ اپنے مقابل پر غالب آتا ہے۔ اور یہ جسے کی قدرت و اختیار میں ہے یا علم و حجت اور زورِ تقریر سے غالب ہوتا ہے اور یہ بھی اپنے کا اختیارِ فعل ہے حالانکہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ یہ سب اُس کے اپنے اختیار میں ہے اور جو لوگ اُس سے نصرت طلب کرتے ہیں اُن کی تعریف فرمائی ہے۔ اور قدر یہ کہ نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا قول فَهَرُّهُمْ مَوْجُودٌ ذَٰلِكَ اَللّٰہُ یہاں اذن سے اذن کوئی و تقدیری مراد ہے جی اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت و قضا و قدر کے مطابق کفار کو شکست دی اور اذن سے اذن شرعی جو بعضے امر ہے اس جگہ مراد نہیں کیونکہ اذن شرعی سے شکست کا واقع ہو تا ضروری نہیں بخلاف اذن کوئی و امر تقدیری کے کہ اُس سے امور متخلف نہیں ہوتا یعنی ضرور ظاہر میں آتا ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول وَكَانَ نَظْمٌ مِّنْ اَعْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِ خَا وَاَتَّبَعُ هَوَا وَاَوْبَع شَمْسُ کما ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے، اسی قبیل سے ہے۔ اس آیت میں دو نگر و قدریہ و جبریہ کے قول کی تردید و ابطال موجود ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے جسے کے دل کو اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ غافل ہو گیا یہ غافل کرنا اللہ کا فعل ہے نہ اَعْفَلْنَا جسے کا کام۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا کہ وہ اپنی خواہش اور ہوا کا پیرو ہے۔ فیصلِ حقیقتہً جسے کا ہے اور قدریہ اس آیت اور دیگر اس قسم کے آیات میں بتا دیتے ہیں کہ یہاں نام لکھنا اور جاننا مراد ہے۔ پس اَعْفَلْنَا کا یہ معنی ہے کہ ہم نے اُس کا نام غافل کیا ہم نے اُس کو غافلِ حلو کیا۔ مگر اُن کی یہ تاویل بالکل تحریف اور مرتج باطل ہے کیونکہ اَعْفَلْنَا دوسرے افعال متعدیہ جیسے اَعْفَلْنَا اَعْفَلْنَا اَعْفَلْنَا اَعْفَلْنَا کی طرح معنی دیتا ہے یعنی جس طرح اُنکے معنی ہیں جیسے اُس کو غافل کیا میں نے اُس کو غافل کیا میں نے اُس کو غافل بنا دیا میں نے اُس کو غفلت

کر دیا۔ وہی طرح اس کے معنی میں اس کو غافل بنایا۔ اور باب افعال بمعنی وجدان جیسے اَحْمَدُ تَعَالَى اَجَبْتُهُ
 اَجَلْتُهُ۔ اَحْجَزْتُهُ بمعنی میں نے اُسے موقوف بہ حمد۔ میں۔ بخل و محنت پر کیا۔ اللہ تعالیٰ کے افعال
 میں ہرگز واقع نہیں ہوتا۔ باب افعال بمعنی وجدان بندوں کے اعمال میں آتا ہے جو کہ دوسرے کو بخل
 یا عاجز و غیرہ بنانے سے عاجز نہیں۔ اور دُعا کرنے والوں کے دل میں اس قسم کے افعال جیسے اَقْدَمْتُ۔
 اَوْرَثْتُ۔ اَلْمُنَى۔ کے معانی کی نسبت کبھی خبیث یا نہیں آیا۔ کہ ان کا معنی یہ ہے کہ ملے اللہ میرا نام قادر
 وغیرہ مقرر کر یا مجھے قدرت والا وغیرہ سمجھ کر ہرگز نہیں۔ داعی کی نسبت یہ کہنا اُس پر اور نیز اللہ سبحانہ
 پر صاف بہتان باز ہوتا ہے عقلاً کہ ہدایتہ معام ہے کہ دعا کر نیوالا اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتا ہے۔
 کہ مطلوب اُس کے لئے پیدا کرے اور اپنی شہادت سے مطلوب پر اُسے قدرت بخشے۔ یہاں تک کہ
 قدری بھی اگر اپنی برکت اور شائخ و اسلاف کی اندھا دھند تقلید سے علیحدہ ہو کر محض اپنی عقل و
 فطرت سے کام لے نو وہ بھی یہی سمجھ گیا۔ اس کے علاوہ یہ ممکن ہی نہیں کہ بندہ اپنے آپ کو کسی چیز
 سے غافل کرے کیونکہ کسی شے سے اپنے آپ کو غافل کرنا اس بات پر موقوف ہے۔ کہ اُس پر واقف
 و آگاہ ہو اور غفلت کے معانی اور مخالف ہے بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ بندے کو غافل کر سکتا
 ہے۔ اور اُس کا علم بندے کی غفلت کے معانی نہیں۔ اور اس طرح بندے کی طرف سے کسی چیز کی غفلت
 بھی ممکن ہے کیونکہ اس وقت بندہ کو سرے سے اس چیز کا علم و شعور ہی نہیں۔ اور یہ بات نہایت
 ظاہر اور واضح ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اغفال اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور غفلت بندے کا کام +

فصل اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نبی شعیب علیہ السلام کی نسبت بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے
 کہا۔ قَدْ اَفْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عَدَا نَا فِیْ مِلَّتِكَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْنَا اِذْ جَعَلْنَا اللّٰهَ مِنْهَا وَمَا يَكُوْنُ
 لَنَا اَنْ نَعُوْذَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يَكْشَاعَ اللّٰهُ مَرَّجْنَا (پس حال میں کہ خدا نے ہم کو تمہارے دین (غلط)
 سے نجات دی اگر اس کے بعد بھی ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں تو بیشک اس کے یہ معنی ہونگے
 کہ ہم نے اللہ پر جھوٹا بڑھا دیا۔ اور ہم سے تو یہ نہ نہیں سکتا۔ کہ تمہارے دین میں لوٹ آئیں۔ مگر
 یہ کہ خدا جو ہمارا پروردگار ہے وہ) چاہے تو کچھ ہمارا زور نہیں ابھی اتنی قیاس سے ہے۔ اس قسم کی آیات
 میں قدر یہ جو مشیت کو بمعنی امر قرار دیا کہتے ہیں یہ آیت اُن کی اس تاویل کو باطل کرتی ہے کیونکہ یہ
 بات محالات سے ہے کہ اللہ سبحانہ نیت کو کفر و شرک میں داخل ہونیکا امر فرمائے۔ بلکہ یہاں وہی مشیت
 وادب ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ کو گمراہ کرنا اور کسی کو راہ راست پر لگاتا ہے۔ اس کے بعد جبر علیہ السلام
 نے یہ کہا و سَمِعَ رَبُّكَ كَلِمَتَيْنِ عَلَيْنَا (ہمارا پروردگار ظہر و انہی) کی رو سے تمام چیزیں پر حاوی ہے)

شعوب علیہ السلام نے اس معاملے کو نشہ کے علم و شیت پر چھوڑا کیونکہ اس کا علم تمام مخلوق کو محیط اور اس کی مشیت تمام چیزوں میں نافذ ہے مخلوق اس کے علم و مشیت کو نہیں پاسکتی۔ ہماری مشیت و علم کی غایت تو یہی ہے کہ ہم ہر وقت کفر میں جو دگر نے سے باز رہیں لیکن نشہ تعالیٰ کا وہ علم و مشیت ہے جو ہمارے علم و مشیت کے درجہ پر ہے اسی لئے شعوب علیہ السلام نے اس معاملے کو اس کے سپرد کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کا قول و کلام آخافُ مَا تَشْرِي كُونِ يَهْ رَاكَ اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ مَرَبِّي وَ اَسْمَعُ مَرَبِّي خَلَقَ شَيْئًا عِلْمًا اَفْهَمًا تَتَذَكَّرُوْنَ (ادرجین دون) کو تم اس کا شریک مانتے ہو میں تو ان سے کچھ ذرا دور تھا، نہیں دیکھتا کچھ نقصان پہنچا دینگے مگر میں میرا پروردگار ہی (مجھ کو) کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو اس کی مرضی میرا پروردگار تو علم کے لئے سے سب چیزوں پر مادی ہے کیا تم اس بات کا خیال نہیں کرتے بھی رہتے ہیں سے ہے۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ شانِ خدائی سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اپنے تمام امور کو اللہ کی مشیت و علم کے سپرد کیا۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہہ کریں کہ میں اس کو کر دینگا جب تک کہ اس کو ساتھ انشاء اللہ نہ لیں کیونکہ اگر اللہ بخائے چاہیگا تو آپ کرینگے ورنہ نہیں اور یہ مضمون پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ حاصل کلام فرماں مجید میں ہے۔ قد توحید الہی۔ کے اولہ ہیں۔ ان سب کے تقدیر اور اللہ تعالیٰ کا مانتہ افعال عباد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے تقدیر کا اثبات توحید کی اساس ہے۔ آج جس شخص کا توحید کو توحید دار و مدار ایمان بالقدر پر ہے جس نے تقدیر کو نہ مانا اس نے توحید کو چھوڑ دیا۔

چودھواں باب

ہدایت ضلالت اور ان کے مراتب کے بیان میں

راہِ راست میں یہ مذکور ہو کہ کونسی ہدایت ضلالت مخلوق کی قدرت میں ہے اور کونسی الہی قدرت کے باہر ہے۔ یہ باب اب آپ قدر اور اس کے مسائل کا دل اور خلاصہ ہے۔ کیونکہ ان تمام نعمتوں سے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے مقدر و مقسوم فرمائی ہیں۔ ہدایت سے بہتر کوئی نعمت نہیں۔ اور ان تمام مصیبتوں جن میں اللہ تعالیٰ بندے کو مبتلا کرتا ہے مگر ای سے زیادہ بدتر کوئی مصیبت نہیں تمام نعمتیں نعمت ہدایت کے کم اور تمام مصیبتیں مصیبت ضلال کے مقابل ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام

اولی - نہ آنے کے۔ مادہ یا نہ کہانی لکھا نہیں اس بات پر غور کریں کہ لکھنا بھلا کر ہے یا نہ لکھنا۔ اور
 جسے شیئہ لازم اور نہ مستحب پر لکھا نہ ہو۔ پس وہ ہدایت کرنے والے اور نہ لکھنے والے۔ اور جسے
 وہ لکھا کر رہا ہے۔ اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ اور ہدایت نہ کرنا اور نہ لکھنا اور نہ لکھنے والے کیلئے کیا نیا بار
 میں ہے۔ خلیفہ کے اختیار میں نہیں اور بندہ لکھ رہا ہے اور ہدایت نہ پانے کے ساتھ موصوف ہے۔ پس
 ہدایت دراصل اللہ سبحانہ کا فعل ہے اور اس کی لکھنا یہ ہے اور ہدایت پانا اور گمراہ ہونا یہ ہے۔ کیا ہم اور
 اس کا۔ جہاں ہے۔ ہدایت اور ہدایت۔ کے مسائل کی تفصیل سے پہلے ان کے مراتب کا ذکر کرنا ضروری
 ہے۔ جو قرآن مجید میں ملے۔ ہر ایک میں صحت ہو کہ ہدایت کے پانے اور ہدایت۔ تہدات مرتبہ ہدایت نام ہے
 یعنی وہ ہدایت۔ جو ہر ایک نفس کو اس کے خواہش کے مصداق اور اس کی زندگی کی ضروریات کی طرف
 بخشی ہے اور یہ مرتبہ تمام مراتب سے بلند ہے۔ دوسرا مرتبہ وہ ہدایت ہے۔ جو بیان۔ دلالت
 تعظیم اور ان چیزوں کی طرف۔ دعوت کرنے کے معنی میں ہے جو بندے کو اخوت میں مفید اور کار آمد
 ہوں اور یہ کفایت کے ساتھ خاص ہے اور یہ مرتبہ پہلے مرتبے سے خاص اور تہہ سے مرتبہ سے عام
 ہے۔ تیسرا مرتبہ وہ ہدایت ہے جس کو ہدایت پانا لازم ہے اور اس کو ہدایت توفیق کہتے ہیں یعنی
 اللہ تعالیٰ کا بندے کی ہدایت کا ارادہ فرمانا اور اس کے سبب پیداکرنا اور بندے کو اس پر توفیق
 بخشنا اور یہی ہدایت ہے جس پر اللہ عزوجل کے سوا کوئی قادر نہیں۔ چوتھا مرتبہ وہ ہدایت ہے
 جو قیامت کو جنت یا دوزخ کی طرف ہوگی +

فصل ہدایت کے پہلے مرتبے کا ثبوت۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے سُبْحٰنَہٗ رَبِّکَ الْاَعْلٰی
 اَلَّذِیْ سَخٰی شَہِیْجًا وَّالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَکَی۔ (یعنی بغیر اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی
 تسبیح و تہلیل کیا کہ جس نے تمام مخلوقات کو بنایا اور بہت) درست بنا اور جس نے ہر ایک
 چیز کی غرض نمائیت کا اندازہ کیا اور اس کو اسی پرستہ رکھا دیا اور اس آیت میں اللہ سبحانہ نے چار
 چیزیں جو عام ہیں ذکر فرمائی ہیں۔ (۱) خلق (۲) تدبیر (۳) تقدیر (۴) ہدایت جن میں سے تسبیح و
 تسنن خلق ٹھہرایا ہے اور ہدایت کو تہہ تقدیر قرار دیا ہے۔ عطار نے تسبیح کی تفسیر میں لکھا ہے اس
 کی خلقت کو درست کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول اَلَّذِیْ اَخْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ (اُس نے جو چیز
 بنائی خوب ہی بنائی) اس کا شاہد موجود ہے کیونکہ احسان خلق تسبیح و تسنن خلقت و اجزاء کو
 شامل ہے جس میں کسی قسم کا تفاوت جو اعتدال کے فعل ہو کر نہ ہو۔ غرض خلق سے ایجاد اور تسبیح
 سے اس کی درستی و عمدگی مراد ہے۔ کبھی کا قول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر وہی راجح کو پیدا کیا۔

: آسمان بقتال نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ نے حیوانات کو ان کی معیشت کی صورت اور چرائے بتلادی۔
 سنن کا قول ہے کہ شکر میں بچنے کے لئے کی ایک مدت ٹھہرائی اور اس مدت کے بعد اُسے باہر
 آنے کی صورت بھائی۔ تجاہد کا قول ہے کہ انسان کو خیر و شر اور حادث و شقاوت کا رستہ بتلادیا
 قرآن کا قول ہے کہ اصل میں جانوروں سے فتنہ کی آفتکات یعنی بعض کو ہدایت کی اور بعض
 کو گمراہ کیا۔ اگر ایک جملہ پرالفتھار کے دوسرے ذکر نہیں فرمایا یہ کہتا ہوں۔ آیت ابن سبک شہید
 مذکورہ کو شامل ہے۔ اور سب سے زیادہ صحت فرما کا قول ہے۔ کیونکہ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت
 نامہ مراد ہے جو تمام حیوانات کو ضروریات معاش کی نسبت عطا کی گئی ہے۔ ہدایت ایمان و
 ضلال اور نہیں۔ اور ان کی نظیر یہ دوسری آیت موجود ہے سر جُتَا الْکَلْبُ اَعْلَىٰ کُلِّ شَيْءٍ
 خَلْقَہٗ لَکَ شَفَعَہٗ ذٰلِی (ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی (خاص طرح کی) بناوٹ
 خف خرائی بچر اس کو ان غرض خاص کے پورا کرنے کی راہ دکھائی) اس آیت میں اعلیٰ خلق سے
 تاج میں پیدا کرنا اور ہدایت سے تعلیم اور ان چیزوں کی طرف راہ دکھانی کرنا مراد ہے۔ جو ہر مخلوق کے
 مناسب ہے۔ ان کے قیام و بقا کا سبب ہیں اور مجاہد نے جو صرف ہدایت انسان کا ذکر کیا
 ہے تو یہ تمثیل کیا ہے ورنہ یہ آیت کی پوری تفسیر نہیں کیونکہ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت مراد ہے
 جو تمام حیوانات پر۔ انسان پر۔ پروردگار و عبودیت کو شامل ہے۔ اور نیز جنہوں نے
 یہ کہا ہے کہ نر و اور سے فتنی کرنا جو باہر بھی بطور تشبہل کہا ہے۔ ہدایت کے ہنکار افراد میں سے
 جن کو اللہ کے سوا اور کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ہدایت کا ایک فرد ہے۔ اور اسی طرح جس نے
 یہ کہا ہے کہ ہر حیوان کو اس کی معیشت کی صورت اور چرائے بتلادی۔ کیونکہ یہ بھی ہدایت کی ایک صورت
 ہے اس کے علاوہ ہدایت کی کئی صورتیں ہیں چنانچہ بچنے کا شکم مادر سے پیدا ہونے میں اس
 کی چھاتی کو منہ میں ڈالنا۔ اپنی اس کو دوسرے لوگوں سے شناخت کرنا اور چھوٹے بچوں
 کا اس کے پیچھے بلانا۔ اور حیوانات کا ان چیز تکے چرنے کا قصد کرنا جو مفید ہوں اور ضروریوں
 سے پرہیز کرنا یہ سب اللہ کی ہدایت ہے۔ پرندوں جنگلی جانوروں اور چوپاؤں کو اللہ نے وہ
 عجیب باتیں اور کام سوجھائیں جن کے کرنے سے انسان عاجز ہے۔ دیکھو شہد کی مکھی کو کس طرح
 سوجھایا ہے۔ کہ وہ اپنی خوراک کی تلاش میں در و دراز رستے طے کرتی اور پھر اپنے کھر کو جو کسی خست
 پر یا پہاڑ یا کسی دیوار میں ہوتا ہے واپس آجاتی ہے۔ شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں سوجھائیں
 ہیں جن سے نہایت تعجب اور حیرت آتی ہے اور اس کی سوجھ بوجھ اور تلی ہے اس کا مختصر

بیان یہ ہے کہ شہ کی کشتیوں میں ایک بادشاہ اور نظم ہوتا ہے جس کو لیڈر کہتے ہیں وہ سب کشتیوں سے جم میں بڑا اور رنگ شکرل میں خوبصورت ہوتا ہے۔ اور ان میں جو مادہ ہوتی ہیں وہ ہم ہمار کے شروع میں پتے دیتی ہیں۔ اور اکثر کچھ مادہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی زمینہ بچ پیدا ہو تو اس کو غور کیا اپنے بچ میں چھوڑتا یا تو اسے دیاں سے کال دیتی یا اسے جان سے مار دیتی ہیں۔ ہاں خود سے سے زمینہ بچوں کو رہنے دیتی ہیں جو کہ بادشاہ کے محافظہ شہنشاہین ہوں۔ اور نروں۔ کے مار ڈالنے یا نکال دینے کی یہ وجہ ہے کہ کچھ کام نہیں کرتے اور نہ سال کی کوئی چیز بناتے ہیں۔ پھر کھیاں اپنی اولاد سمیت بادشاہ کے پاس جمع ہوتی ہیں۔ پس وہ سب کو لیکر نہایت نزدیک اور سیدھے راستہ سے کسی سبزہ زار یا علم ہاٹے کھیت یا ہرے بھرے باغ کی طرف نکالتا ہے۔ اور سب کی سب اپنی حاجت کے موافق وہاں رس چوس لیتی ہیں۔ پھر بادشاہ سب کو لیکر واپس ہوتا ہے۔ اور جب وہاں کو وہاں آجاتی ہیں تو بادشاہ دروازے پر پھر تائب اندر کسی زیادہ دوسرے مہال کی سختی کو اندر نہ لکھنے دیتا۔ اور جب سب کی سب اندر جا چکی ہیں۔ تو بادشاہ سب کے بعد اندر جاتا ہے۔ اور جب سب کھیاں اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہیں تو اب بادشاہ ان کو کام سکھانے کے لئے پہلے خود کام شروع کرنا ہے اس کو دیکھ کر سب کی سب فوراً کلم کرنے لگتی ہیں۔ اور بادشاہ کام چھوڑ کر ایک کونے میں بیٹھ جاتا اور ان کے کام کو ملاحظہ کرتا ہے۔ پھر کھیاں پتوں اور ٹھیلوں کی چکناہٹ سے موم بنانا شروع کرتی ہیں پھر کام کے لحاظ سے کشتیوں کے کئی گروہ ہیں بعض وہ ہیں جو ہمیشہ بادشاہ کے پاس رہتی ہیں اور اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتیں اور ان کے ذمہ (حفاظت و خدمت بادشاہ کے سوا) مہال کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور سب کے سب نہ جتے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو صرف موم بناتی اور اسے تیار کرتی ہیں۔ موم شہد کا پھٹ ہوتا ہے۔ اور اس میں انجیر کی شیرینی کے موافق شیرین ہوتی ہے۔ اور کھیاں اس کے بنانے میں شہد کے بنانے سے بھی زیادہ اہتمام کرتی ہیں۔ اور اس کو بوائے غیرہ کی آمیزش سے خالص شہد اور پاک و صاف کرتی ہیں۔ اور بعض وہ جو صرف گھروں کی تیاری میں مصروف رہتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو سٹے کا کام دیتی اور پانی کو اپنی پیٹھ پر اٹھا لاتی ہیں۔ اور بعض وہ جو مہال کی جامد بکشی کا کام کرتی ہیں اسے بل کھیل۔ کوڑے لگوٹ۔ مردوں کی لاشوں سے پاک و صاف کرتی ہیں۔ اور جب کسی مکتی کو دیکھی ہے کدوہ کام میں سستی کرتی اور بیکار رہتی ہے تو اس کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتی اور جان سے مار ڈالتی ہیں۔ کہ اس کی اس (بہداشت) بیکاری کا برا اثر کام کرنے والیوں پر نہ پڑے اور وہ بھی کاہل اور سست نہ ہو جائیں۔ تہاں میں سب سے پہلے بادشاہ کے میٹھے کی جگہ اور اس کا سرکان تیار کیا جاتا ہے،

مختلف رنگ کا وہ شہد بناتی ہیں جو انسان کی کئی امراض کے لئے شفا ہے۔ غور کرنیوالوں کے لئے ان کی اس صفت عجیب میں خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔ جب گھروں کے بنانے سے فائدہ ہو جاتی ہیں تو خانی سپٹ ہو کر سیدانوں اور پاپاڑوں میں گھومنے پھرنے لگتی ہیں پھولوں اور درختوں کے پتوں پر سے شیریں اجڑا اٹھا کر سپٹ بھرتی اور گھروں کو واپس آتی ہیں مانند بھانسنے آنکے منہ میں دو حرارت رکھی ہے جس سے ان اجڑا کو ایک خاص نچٹگی اور نضج حاصل ہو جاتا ہے پھر ان کو آنکے گھروں میں ڈال کر ان کو لبریز کر دیتی ہیں۔ جب سب خانے پر ہو جاتے ہیں تو صاف دم سے ان کے سروں کو بند کر دیتی ہیں۔ اس کے بعد اور مکان تلاش کرتی ہیں پس اگر حسب خواہش بھائے تو وہیں اسطرح کے خانے بنانے لگتی اور برستور سابق تمام کارروائی شروع کرتی ہیں۔ اور جب سہری پٹنے لگے اور خراک حسب مشاغل ملے اور جانے کی شقت سے کام و کاج نہ کر سکیں۔ تو اپنے گھروں میں بیٹھ جاتی اور اندوختہ شہد کو کھانا شروع کر دیتی ہیں۔ اور کام و کاج کے دنوں میں علی الصبح گھروں سے نکل کر ایک جماعت اپنے مقررہ کام میں دن بھر مصروف رہتی ہے اور شام کو سب واپس آ جاتی ہیں۔ واپسی کے وقت ممال کے دروازے پر چند دربان تعینات ہوتے ہیں جن کی مدد کے لئے چند معاون و مددگار حاضر رہتے ہیں۔ ان کا یہ کام ہوتا ہے کہ جب کوئی مکھی ممال کے اندر جانے لگے تو وہ اس کو سونگھتے اور اس کی تلاشی لیتے ہیں۔ اگر اس سے بدبو محسوس کہیں یا اس کے پاس کوئی گندمی چیز یا پس تو اسے اندر جانے سے روک دیتے اور اس کو الگ ایک طرف ٹھہرا دیتے ہیں۔ اور جب باقی سب نکلیاں اندر جا چکی ہیں۔ تو ان علیحدہ شدہ مکھیوں کی دوبارہ تلاشی لیتے اور ان کے احوال کی تفتیش کرتے ہیں جس کی نسبت معلوم ہو جائے کہ وہ کسی بدبو دار یا ناپاک چیز پر بیٹھی ہے۔ تو کاٹ کر اسے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں اور جس سے کوئی خفیف سا جرم سرزد ہوا ہو تو اسے ناز نہیں لیکن سزا کے طور پر ممال سے باہر ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ دربان ہر شام اپنا یہ فرض نبھالتے ہیں۔ بادشاہ کا یہ دستور ہے کہ وہ ہمیشہ ممال میں رہتا اور بہت ہی شاد و نادر کبھی باہر نکلتا ہے وہ صرف اس وقت نکلتا ہے جب سیر کو جی چاہے۔ اس وقت اس کے ساتھ افراد اور خادم بھی نکلتے ہیں اور تھوڑی دیر مکھیتوں اور باغوں میں گھوم کر واپس آ جاتے ہیں۔ اور اس کی ایک عجیب بات ہے کہ اگر اسے اپنی رعایا مکھیتوں سے یا اس شخص سے جس کے مکان میں چھتہ لگا ہوا اس کے نوکر دوں چاکروں سے کچھ تکلیف پہنچے تو ناراض ہو کر چھتے سے نکل جاتا اور وہاں سے فوراً صلی پر جا کر کہیں ڈیرا کرتا ہے اور سب کی سب نکلیاں چھتے کو خالی چھوڑ کر اس کے ہلو چلی جاتی ہیں۔ جب اس

شخص کو جس کہ مکان میں چھپ رہا ہو یہ کیفیت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کتھیوں کو اپنے مکان میں لے آئے۔ تو وہ بادشاہ کو رنجی کرنے اور اس کے دل پر لائیکے کے لئے یہ حیلہ و تدبیر عمل میں لاتا ہے کہ پہلے اس جگہ کو معلوم کرتا ہے جہاں وہ کتھیوں کی رہتا ہے چلا گیا ہے پھر اس نشان سے بادشاہ کی شناخت کرتا ہے کہ سب کی سب کتھیاں اس کے پاس اکٹھی رہتی ہیں۔ اور اس سے بد امنی نہیں اور اس کے ارد گرد اس طرح مجتمع ہوتی ہیں کہ انکو کا ایک خوشہ سوارم ہوتا ہے۔ بادشاہ کا دستور ہے کہ جب بادشاہ نہیں ہو کر چھتے سے بچھے تو کسی درخت کی اونچی ٹہنی پر بیٹھتا ہے۔ اور باقی کتھیاں اس کے پاس گھوم کر اس سے چپٹ جاتی ہیں تو وہ شخص جس کے مکان میں چھپ لگا تھا۔ ایک بانس یا لمبا سا زسل لیل اس سے سرسبز رہتا ہے لطیف اور خوشبو دار بوٹیوں اور پھولوں کا گلہ رتہ باز تھا اور اسے بادشاہ کے سامنے کرتا ہے۔ اور اس کے پاس سازنگی یا باجا یا گانے بجانے کا اور کوئی ساز ہوتا ہے وہ اسے بجاتا اور گلہ رتے کو بادشاہ کے نزدیک کرتا جاتا ہے۔ کچھ دیر سیوا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ بادشاہ رضی ہو جائے اور جب بادشاہ راضی ہو جاتا اور اس کا غصہ جاتا رہتا ہے تو وہ جہت کو در گلہ رتے پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کے خادم اور سب کتھیاں اس کے پیچھے چلی آتی ہیں۔ پس وہ شخص گلہ رتے کو آٹھا کر پہلے چھتے کی طرف لے آتا ہے اور بادشاہ اور اس کا سب لشکر اپنے پیچھے میں بیٹھ جاتے ہیں۔

اور شہد کی کتھی کبھی مردار جانور یا طعام پر نہیں ٹھنی۔ اور ان کی عجیب بات یہ ہے کہ ظالم اور مفسد بادشاہوں کو مار ڈالتی ہیں اور ان کی اطاعت اختیار نہیں کرتیں۔ اور جو کتھیاں بدن میں چھوٹی اور کوتھیلی ہوتی ہیں شہد وہی بناتی ہیں اور یہ ان کتھیوں سے جو قد میں بڑی اور بیکار رہتی ہیں اڑائی مقابلہ کر کے ان کو چھتے سے کال دیتی یا جان سے مار ڈالتی ہیں۔ اور ان کے ہونے سے شہد بہت تیار رہتا ہے اور جس کو جان سے مارنا چاہتی ہیں۔ تو حتیٰ الوسع اس کو چھتے سے یا قتل کرتی ہیں۔ تاکہ ان کی انہوں سے چھتہ گندہ و خراب نہ ہو۔ شہد کی بعض کتھیاں بدن میں بڑی لیکن قلیل النفع ہوتی ہیں شہد ہانے والیوں اور ان کے درمیان ہمیشہ لڑائی جنگ قائم رہتا ہے وہ شہد بنانے والیوں کے گھروں میں ٹھنی اور ان کو مار ڈالنا چاہتی ہیں۔ اگر یہ بھی نہایت شہد اور بہادر ہوتی ہیں۔ شہد وہ ان کے گھروں میں آجاتی ہیں تو یہ ایسی حالت کرتی ہیں کہ ان کو گھروں کے دروازوں کی طرف لے آتی ہیں۔ یہی طرح ان سے شہد لٹھ جاتا اور وہ اڑنے سے بہ جاتی ہیں۔ قسمت سے کوئی جس کی بیانی باقی ہو کہ فی بیخ نکلتی ہے۔ ورنہ سب کی سب وہیں ہلاک ہو جاتی ہیں۔

اور جب لڑائی ختم ہو جاتی ہے تو لڑائی کو اٹھا کر چلتے سے باہر پھینک دیتے ہیں۔ اور جب بادشاہ کبھی
 بیر کے لئے باہر جانے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک روز پہلے اپنے مصاحبوں اور خادموں کو
 اطلاع دے دیتا اور ترتیب دے کر ایک کی جگہ تقرر کر دیتا۔ ہنسے پس جب نکلتا ہے تو اُس قاعدہ اور
 انتظام سے چلتے ہیں جو بادشاہ سننے سے تیار یا تھا۔ کیا مجال کہ اس کا خلاف کریں۔ جب انہیں
 کتنی ایک نہ پید ہو چکے ہوں تو بادشاہ کو چونکہ معلوم ہے کہ یہ حکومت کے خیرستہ نگاہ ہوتے ہیں اس لئے
 ہر ایک کو ایک جماعت کا حاکم بنا دیتا ہے۔ اور ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو اس خیال سے
 کہ اس کی تربیت پریشاں اور ہلاک دہر باد ہو جائیگی قتل نہیں کرتا۔ اور جب اس شخص کو جس کے مکان
 میں چھپنے لگے اسے معلوم ہو چکے کہ فی ایک بادشاہ پیدا ہو گئے ہیں۔ تو وہ کسی مذہب سے ایک
 کے سوا سب کو پکڑ کر کسی برتن میں بند کر دیتا اور ان کے سامنے ان کی خوراک کے موافق شہد
 ڈال دیتا ہے۔ اور جب بادشاہ مر جائے یا بیمار ہو جائے یا وہ مفرد نکلے اور کتھیاں اُسے
 قتل کر دیں۔ تو وہ ان قیدی شدہ بادشاہوں میں سے ایک کو نکال اس کے قائم مقام کر دیتا ہے تاکہ
 بادشاہ کے نہ ہونے سے کتھیاں متفرق نہ ہوں۔ اور ان کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ
 جب بادشاہ میر کو نکلے اور وہ تھک چکے تو اس کو نوجوان کھیاں اپنے اوپر اٹھا لیتی ہیں۔ شہد کی کتھی
 پاکیزہ اور صاف اور کھرا جافور ہے۔ اسی لئے وہ پانخانہ اس وقت کرتی ہے جب اڑ رہی ہو۔ اور
 گندگی اور برکودار چیزوں سے نفرت کرتی ہے۔ نوجوان کھیاں عمر رسیدہ کی نسبت کام و کاج میں تیار
 مضبوط اور حریص ہوتی اور آدمی وغیرہ کو بہت کم دیتی ہیں۔ اور ان کا شہد بہت عمدہ ہوتا ہے
 اور اگر کسی کو نیش زنی کریں بھی تو اس سے کھوڑی سی تکلیف محسوس ہوتی ہے اور عمر رسیدہ کی
 نیش زنی سے بہ نسبت ان کے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ چونکہ شہد کی کتھی نہایت نافع اور کام
 کا جانور ہے۔ پس کو اللہ تعالیٰ نے وہ الہام اور ہدایت عطا فرمائی ہے جو اور کسی جانور کو عطا
 نہیں ہوتی۔ اور اس کا شہد سینکڑوں بیماریوں کی دوا اور اس کا موم اندھیروں میں روشنی کا فروغ
 ہے جیسے کہ بادیاں طریق دہنائی کرتے ہیں تو ان دجہ سے اس کے دشمن بھی زیادہ ہیں بلکہ
 اسی طرح جا رہی ہے کہ جو چیز خود ہوتی ہے اس کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر غالب
 ہے اور یہ سب کام اس کی حکمت سے ہیں۔ *

فصل پنجم میں ہم نے یہاں تک سمجھ کر جان لیا ہے۔ ان کی سوجھ سے نہایت تعجب انگیز ہے کہ
 ایک چھوٹی سی جان نپتہ بڑے بھگدور دھڑ دھڑ تک اپنی غذا تک تلاش کرتی۔ اور جب کھانے کی

کوئی چیز باتی ہے تو اسے اُٹھا کر دور دراز میز سے ڈھنڈا کر گزارا اور اتار چڑھاؤ کے رستوں سے اپنے
 بل میں لے آتی۔ اور خوراک کے میسر ہونے کے دنوں میں اپنے پیٹ میں ذخیرہ کرتی جاتی ہے۔
 جب ذخیرہ کر چکی ہو تو دیکھتی ہے کہ اس میں کونسی چیز اُگنے کے قابل ہے۔ پس اس میں سے جو
 چیز اُگنے کے قابل ہو اسے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ وہ اُگنے نہ پائے۔ اور اگر وہ دو ٹکڑے ہونے
 پر بھی اُگ سکتی ہو تو اس کے چار ٹکڑے کر دالتی ہے۔ اور اگر کہیں اس کو نمی پہنچ جائے اور اس کے
 متعفن اور خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو موقع دیکھ کر دھوپ والی دن میں اسے نکالتی اور بل کے
 دروازے کے آس پاس پھینک دیتی ہے۔ جب سوک جائے تو بل میں جمع کر دیتی ہے۔ اور جو
 خوراک ایک چوٹی جمع ہوئے اس کو دوسری نہیں کھاتی۔ اُن کی سوچ کے متعلق وہ بات کہ ہم نہیں
 ہے جس کو اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں اُس چوٹی کی نسبت بیان فرمایا ہے جس کی بات حیت کو جو اس
 نے دوسری چوٹیوں سے کی تھی سلیمان علیہ السلام نے سنا تھا یعنی **يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ**
لَا يَخْطِبُكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَخْشَوْنَ (چوٹیوں اپنے اپنے) بلوں میں گھس
 جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور سلیمان کے لشکر کو کھل ڈالیں اور اُن کو اس کی خبر بھی نہ ہو)۔
 دیکھو اپنے کلام کو حرف نہ اسے شروع کیا کہ مخاطب کلام منصف کی طرف متوجہ ہو جائے پھر
 عموم و شمول کی غرض سے ہم ہم لاکر اہم جس اُس کے ساتھ لکایا اس کے بعد (دوسری چوٹیوں سے)
 کہہ کہ اپنے اپنے بلوں میں گھس جائیں تاکہ لشکر کے پائال کرنے سے محفوظ رہیں۔ اس کے ساتھ
 ہی بلوں میں گھس جانے کا سبب بھی بیان کر دیا کہ سلیمان اور اُن کے لشکر کی طرف سے تکلیف
 پہنچنے کا اندیشہ ہے پھر بغیر خدا سلیمان اور اُن کے لشکر کی طرف سے ایذا پہنچنے میں اُن کو معذور
 ٹھہرایا کہ یہ کام اُن سے نادرست ہو گا (اُن کا کوئی قصور نہیں) یہ سب باتیں نہایت کمال پر ہو چکی
 ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ سبحانہ نے چوٹیوں کے حالات پر سے شان اور اُکلی وقعت کے
 ساتھ بیان کئے ہیں پھر پانچ فرمایا ہے **وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالْقَلْبِيرِ**
فَهُمْ يُوزَعُونَ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادٍ النَّمْلِ (اور سلیمان کے جتنے لشکر جنات اور آدمیوں اور
پرندوں کے تھے، اُن کے ملا خطے کے لئے جمع کئے گئے تو وہ مثل مثل اُن کے روبرو کھڑے
کئے جاتے تھے (غرض اس ترتیب سے لشکر ایک طرف کو روانہ ہوا) یہاں تک کہ جب چوٹیوں کے
(ایک میدان میں پہنچے) اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بتلایا ہے کہ وہ سب کے سب چوٹیوں کے
جگل سے گندے ہیں سے معلوم ہوا کہ وہ جگل آدمی السباع وغیرہ کی طرح مادی النمل کے نام سے

مشہور ہے اس کے بعد اللہ سبحانہ نے ایک چیونٹی کی وہ بات بیان فرمائی ہے۔ جس سے اس کی کمال دانش و تیز فہمی ثابت ہوتی ہے کہ اس نے سب چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے اپنے خاص پلوں میں گھس جاؤ۔ اس سے معنوم ہوا کہ وہ چیونٹی اور سب چیونٹیاں یہ بات جانتی ہیں۔ کہ چیونٹیوں کی ہر ایک جماعت کے لئے الگ الگ گھر ہوتے ہیں۔ چن میں اُن کے سوا دوسری چیونٹیاں ہرگز نہیں جاتی۔ اس کے بعد اُس چیونٹی نے کہا ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُس کے لشکر کو پہل ڈالیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ سلیمان علیہ السلام اور اُن کے نام کو اور یزراہ کے لشکروں اور افسر افواج کو جانتی تھی۔ اس کے بعد کہا کہ اُن کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ پس اس جملے میں لشکر کبرف سے لاعلمی کے عذر اور چیونٹیوں کی ملاصقت کو مع کر دیا کہ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر اور بلوں میں گھسنے سے کیوں غافل ہیں۔ اسی لئے سلیمان م اس کی بات سے مسکرائے اور ہنسنے چیونٹی کی یہ باتیں بیشک تجھ ابلیز اور مہنسی کے قابل ہیں۔

تہری نے عبداللہ بن عبداللہ بن عیینہ سے روایت کی ہے وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چیونٹی رشمد کی تھی۔ ہمد اور چڑی مار کے مار ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔

اد صحاح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ غیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک منیہ جو کسی درخت کے نیچے اترے وہاں اُن کو ایک چیونٹی نے کاٹا اس پر انہوں نے وہاں سے اپنا سبب اٹھ کر چیونٹیوں کے بل کو آگ لگانے کا حکم دیا۔ سو وہ آگ سے جلا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اُن سے فرمایا۔ کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے کے سبب تو نے ہماری مخلوق سے ایک جماعت کی جماعت جو ہماری تسبیح کہا کرتی تھی جلا دی ہے۔ تجھے چاہئے تھا کہ صرف ایک چیونٹی کو جس نے کاٹا تھا، جلاتے۔

نہشام بن حسان نے ذکر کیا ہے کہ احنف بن قیس کے گھر والوں کو چیونٹیوں نے کچھ تکلیف دی تو احنف و تنوروں کے درمیان کرسی رکھوا کر اس پر بیٹھ گئے۔ اور کلمہ شہادت پڑھ کر کہا چھٹی تہم ہمدی تکلیف ہی سے با آجاء ورنہ تمہیں جلا دیا جائیگا نہشام کہتے ہیں وہ چیونٹیاں باں سے ملتی ہیں اور عوف بن جمیل نے قسار بن زہیر سے روایت کیا کہ کہا کہ ابو موسیٰ اشعری کا قول ہے

کہ جانوروں کے، ہر ایک نفع میں حاکم اور سردار مقرر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ چیونٹیوں میں بھی سردار مقرر ہیں۔ اور ان کی سوجھ بوجھ کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان کو معلوم ہے کہ ان کا

پروردگار آسمانوں پر عرش معلیٰ کے اوپر ہے چنانچہ امام احمد نے کتاب الزہد میں یہ ہر پڑھ کی سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک بنی آدمیوں کو یکبار بارش کے لئے دعا کرنے کو بھیج دیکھا تو ایک چوٹی جیت لیت کہ آسمان کی طیرت پاؤں اٹھاٹھے دعا کر رہی ہیں پیٹنے والوں سے فرمایا اب بارش چلو کہ مستغفار کی ضرورت نہیں۔ تمہارے سوا ایک دوسری مخلوق کی دعا منظور ہوگئی ہے اور اب بارش ہوگی۔ یہ اثر متعدد طرق سے مروی ہے طحاوی نے تہذیب خیرہ میں اسے روایت کیا ہے۔ اور امام احمد نے اس کا ذکر کیا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ سیمائے بن آدم علیہا السلام بارش کے لئے دعا کرنے لگے دیکھا تو ایک چوٹی پیٹنے کے بل لیٹی آسمان کی طرف پاؤں اٹھاٹھے کہہ رہی ہے اے اللہ ہم بھی سبیلہ تیری مخلوقات کے ایک مخلوق ہیں ہم تیرے پانی اور روزی دینے کے محتاج ہیں ہیں پانی اور روزی عطا فرما ورنہ ہمیں ہلاک کر دے سیمائے بن آدم نے لوگوں سے فرمایا اب کوٹ چلو۔ تمہارے سوا ایک اور مخلوق کی دعا کی وجہ سے اب بارش ہوگئی۔

امام احمد کے سلسلہ مشائخ میں سے ایک شخص کا بین ہے کہ ایک چوٹی اپنے بل سے نکلی۔ اور اُسے مری ہوئی مڈی کا ایک ٹکڑا ملا۔ اُس نے وہ اٹھانا چاہا۔ مگر اُسے اٹھانا نہ سکی۔ اُس کو چھوڑ کر چلی گئی۔ اور اُس کے اٹھانے کے لئے کئی ایک چوٹیوں کو بلا لائی۔ میں نے اُس ٹکڑے کو زمین سے اٹھالیا وہ اُس جگہ گھوم کر دُور اُس کو دیکھ بھال کر جب نہ ملا تو باقی واپس چلی گئیں۔ اور وہ اکیلے نہیں رہی۔ میں نے اُس ٹکڑے کو اُس کے سامنے رکھ دیا اُس نے پھر اٹھانا چاہا۔ لیکن وہ نہ اٹھا سکی پھر چلی گئی۔ اور اُن کو ساتھ لے آئی۔ میں نے وہ ٹکڑا پھر اٹھالیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ بھال کر واپس چلی گئیں میں نے کئی دفعہ اسی طرح کیا آخر یہ ہوا کہ اُن چوٹیوں نے ایک حلقہ باندھا اور اُس کو حلقے میں لاکر اُس کا ایک ایک عضو الگ کر دیا۔ میں نے اس حکایت کو جب اپنے استاد سے ذکر کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ دوسری چوٹیوں نے اُس چوٹی کو اس لئے مار ڈالا کہ اللہ سبحانہ نے اُنکی فطرت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ جھوٹ بڑا ہے اور جھوٹے کو نرا دینی چاہئے۔ اور وہ چوٹی اُن کے نزدیک جھوٹی ثابت ہوئی تھی۔

چوٹی سب حیوانات سے زیادہ حریص ہے۔ اسی لئے اس کی حرص ضرب المثل ہے ذکر ہے کہ جب سیمائے بن آدم نے معلوم کیا کہ چوٹی بڑی حریص ہے اور یہ اپنی خوراک کے لئے بہت سا ذخیرہ جمع کر سکتی ہے تو اُنہوں نے ایک چوٹی کو بلا کر پوچھا کہ ایک چوٹی سال بھر میں کتنا غلہ کھا سکتی ہے۔ اُس نے کہا گیارہ

کے تین دانے انہوں نے حکم دیا کہ اس کو ایک شیخے میں بند کر کے تین دانے اس کے ساتھ چھوڑ دو۔ وہ شیخے کاٹنے بند کر دیا۔ اس روز سنا یکے سال ایک سے بند رکھا۔ سال ختم ہوتے پر اسے نکالا تو ٹوٹا ٹھوڑا دانہ اس کے پاس موجود پایا اس سے پوچھا تو نے لیا تھا کہ ایک بیوی بیٹی سال بھر میں تین دانے کھا سکتی ہے۔ تو نے ٹوٹا ٹھوڑا دانہ ہی کھا پایا ہے۔ اس نے جواب دیا میں نے جو کچھ کھا تھا وہ غلط نہیں لیکن میں نے جب آپ کو ترسیوں کے مصالح کے اندھا دھیر میں صرف دیکھا۔ اور اپنی بقیہ عمر پر خیال کیا کہ شاید ایک سال سے زیادہ ہو اس لمحے میں نے اپنی خوراک کو آٹا کر دیا اور آدھی لپٹے سے بچا رکھی۔ ایسا نہ ہو کہ سال ختم ہونے پر کثرت مشاغل کی وجہ سے اب کبھی خیال نہیں ہے اور میں بھوک سے مرجاؤں۔ سیدیاں اس کی کمال درجہ کی حرص سے نہایت متوجہ تھیں۔ یہ باتیں انکی کہاں ہو چھ اور دلنشیں پر دلالت کرتی ہیں۔ شہزادہ ان کی عجیب باتوں سے ایک بات سے کہ تمام موسم گرما میں سخت مشقت اٹھائیں اور موسم مٹی کے سخت اپنی خوراک کا ذخیرہ کر لیتی ہیں کیونکہ یہ جانتی ہیں کہ موسم سرما میں خوراک بہت کم ملتی ہے۔ اور اس کے محال کرنے میں دقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور باوجودیکہ چوٹی ایک کمزور جانور ہے مگر اس کے قومی منابت مضبوط ہیں۔ یہ اپنے وزن سے کئی گنے زیادہ بوجھ بھارتی اور اسے کھینچ کر اپنے بل میں لے آتی ہے۔ اس کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر آدمی کسی بیج کا خشک ٹکڑا ایک سو گھنٹے تو اس میں کوئی بوجھ نہ ہوگی۔ مگر جسے میں پر رکھ دوں گا جھٹ چوٹی موجود ہو جائیگی۔ اور اسے اٹھانے کیلئے تو جا کر چوٹیوں کی ایک قطار کو بلا لائیگی۔ جو سب ٹکڑے اٹھا لے گی۔ قابل خود ہے کہ اپنے بل کے اندر اس کی بونہ کو کیسے محسوس کر لیا۔ جھٹ دیاں موجود ہو گئی۔ چوٹی کی قوت شامیسی تیز ہے کہ اس کے ذریعہ دُور سے اُن چیزوں کو محسوس کر لیتی ہے جن کو اور حیوانات قوت باصرہ یا سامعہ سے محسوس کرتے ہیں۔ جہاں آدمی کھانا کھائے اور وہاں کھانے کے گڑے گرائے کچھ ٹکڑے رہ جائیں تو اُن کی بوجھ محسوس کر کے دُور دراز جگہ سے آجاتی اور انکو اٹھا کر لیجاتی ہے اور اگر وہ ٹکڑے بڑے ہوں اور انہیں اُٹھانے کے قابل جا کر اپنی ساتھ کی چوٹیوں کی ایک جماعت کو بلاتی ہے جو ایک دوسرے کے پیچھے ہٹ کر باز ہوتی ہیں۔ کہ ایک سیاہ تاگا معلوم ہوتا ہے اور اُن کو سب لکڑا اٹھاتی اور بلوں میں لیجاتی ہیں۔ چوٹی کی یہ عادت ہے کہ نارج کے بال کو کھینچتی ہے۔ اگر گھوٹ کا ہو تو اسے کاٹ پھاڑ کر اٹھا لیجاتی اور اگر گھوٹ کا ہو تو اس سے چھوٹی دیتی ہے اور چوٹیوں میں کوئی ایسا حاکم و رئیس مقرر نہیں ہوتا جیسا کہ شہد کی مکھڑوں کا بادشاہ مقرر ہوتا ہے۔ ہاں ان میں چند ہی چوٹیاں ہوتی ہیں۔ جو لین دین کے طور پر خوراک کی تلاش میں آگے آگے ملتے ہیں۔

اور جب خوراک کا پتہ لگتا ہے تو سب کو خبر کر دیتی ہیں۔ پس جب سب اکٹھی نکلنے میں اور ہر ایک چوٹی دوسری بہنوں کی خبر خواہی اور بہتری میں پوری کوشش کرتی ہے۔ اور جو ذرا نہ ڈھکی سے اسے مل جل کر کھاتی ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے۔ ملے وہی ہر چہ کر چکے۔ اور ان کی ایک عجیب مانتا ہے کہ اگر آدمی چاہے کہ کسی چیز شہید و خیر کو ذراں طرح محفوظ رکھے کہ یہیں چوٹی یاں نہ گرنے پائیں اور وہ ایک گڑھا لکھو کر اسے پانی سے بھر دے یا ایک بڑا برتن پانی سے بھر کر کے تند و تیز کے برتن کو اس میں رکھے تو چوٹی اس کے ارد گرد پھرتی ہے جب دھتی ہے کہ ان تانہیں پہنچ سکتی تو دیوار سے چپٹ کر چھت میں اس چیز کے بالتحال آکر اپنے آپ کو پیٹے گرا دیتی۔ ہم نے اس بات کا بارہا تجربہ کیا ہے +

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک لومار نے ایک حلقہ گرم کر کے ٹھنڈا کرنے کے لئے زمین پر ڈالا۔ اتفاق سے ایک چوٹی اس کے بیچ آئی۔ اور وہ نکلنے کے لئے ہر طرف دوڑی۔ مگر ہر طرف سے آگ کی لپٹ محسوس ہوئی۔ پس وہ اس حلقے کے عین مرکز میں بیٹھ گئی۔ جو ہر طرف سے محیط یعنی اس حلقے سے زیادہ دور تھا +

فصل - مذکورہ یعنی کھٹ بڑھی بھی نہایت بھلا جانور ہے۔ اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ زمین کی تہ میں غلے جگہ یا نزدیک اور غلے جگہ ہے اور اس کام میں جیسی کچھ اس کو بصیرت حاصل ہے اور کس جانور کو حاصل نہیں۔ منجملہ اس کی سوجھ بوجھ کی وہ بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ اس نے سلیمان سے جب انہوں نے اسے غیر حاضر پایا اور یہ کہا کہ جب حاضر ہوگا تو اسے سزا دی جائیگی۔ تو کہا کہ آتے ہی سلیمان کے درمیان سے چلے جلدی سے اپنا عذر پیش کیا اور اس خوبی عذری سے کلام شروع کیا کہ سلیمان خلع محاذ اس کے سننے کی طرف متوجہ ہوں اور اسے قبول فرمائیں یعنی یہ کہا کہ مجھ کو ایک ایسا حال معلوم ہوا جو داب تک حضور کو معلوم نہیں ہوا نیز اسی جگہ میں یہ مضمون بھی ادا کیا۔ کہ میں اسی بات کی خبر لایا ہوں جس سے میں پوری طرح سے واقف اور مبطل علم اس کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ اور اس کے بعد دوسرے جملے میں بیان کیا کہ میں کوئی معمولی خبر نہیں لایا بلکہ ایک عظیم الشان خیال لایا ہوں۔ چنانچہ کہا کہ قضاات میں سنا ہے کہ بتایا کہ یقیناً (اور میں حضور میں رہتا ہوں) ایک تحقیق خبر دیکھ حاضر ہوا ہوں اور اول تو لفظ بتا سے بتا اسی خبر کو کہتے ہیں جو عظیم الشان ہے اور انہیں (شریم) اس کے معلوم کرنے کے مشتاق ہیں۔ دوم لفظ یقین کے ساتھ موصوف کرنے سے یعنی وہ ایک ایسی یقینی خبر ہے جس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں۔ یہ سب کچھ خدا کے سامنے اس خبر کے بیان کرنے

سے پہلے توطیہ و تمہید کے طور پر بیان کیا اس طرح کرنے سے کانٹہ کار دل خبر کے شے کی طرف پھرا پڑا
 سوجہ اور اس کی معرفت و علم کا از حد شوق ہو جاتا ہے۔ یہ ایک طرح کی براۓ ستہلال و خطاب
 الشیخ۔ ہوتے۔ اس کے بعد حقیقت خبر کو اس طرز سے ادا کیا جس میں کئی طرح سے دہرہ تاکیر موجود ہیں
 فقہنا سچہ کہا رانی وحیدۃ اللہ امراءۃ اللہ کلمۃ اللہ (میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ دلائل کے
 لوگوں کی ملک ہے) بعد ازیں اس حکم کے حالات بیان کئے کہ وہ عظیم الشان بادشاہوں سے ہے۔
 چنانچہ اُس کے پاس وہ تمام سامان ہتھیار اور موجود ہیں جو بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس ہٹا
 کر بستے ہیں پھر اُس کے تحت کے حالات بیان کرنے سے کہ وہ ایک پیش بہا تحت ہے اُس
 کی عظمت شان کو اور بڑھایا۔ اس کے بعد اُس امر کو بیان کیا جو یلیان کے لشکروں کے اس ملک
 میں بنانے اور دعوت توحید کرنے کے بعد اگر توحید کو قبول نہ کرے اُس سے جہاد کرنے کا باعث
 ہو چنانچہ کہا رانی وحیدۃ اللہ او کو تمہما کیسب دافون للشہیدین میون ذون اللہ (میں نے ملک اور
 اُس کے لوگوں کو دیکھا کہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں، اس جملے سے پہلے حرف عطف کو
 حذف کرنے اور اس کو مستقل طور پر ذکر کرنے اور قابل موقوف نہ کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہاں
 اصل مقصد یہی جہاد ہے۔ اور اُس کا ماقبل اُس کی تمہید ہے۔ اس کے بعد ان کے اس فعل شیع کا
 سبب اور باعث بیان کیا کہ یہ شیطان کے دھوکا میں آ گئے ہیں کہ اُس نے اُن کے مجھے کام
 اُن کو مرتین اور اچھے کر دکھائے۔ اور صراط مستقیم یعنی عبادت خدا سے اُن کو روک دیا ہے۔ اور
 یہی رکاوٹ ہدایت و عبادت خدا سے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ انہیں مانع ہو گئی ہے
 اس کے بعد اللہ سبحانہ کے افعال میں سے اس بات کا ذکر کیا۔ کہ وہ آسمان زمین کی پوشیدہ چیز نکالتا
 ہے۔ یعنی بارش۔ نباتات۔ معدنیات اور اُن کے علاوہ جو کچھ آسمان سے اترتا اور جو کچھ زمین کے
 پیدا ہوتا ہے سب وہی نکالتا ہے۔ منجملہ افعال اللہ سبحانہ کے خاص اس فعل کے ذکر کرنے میں یہ نکتہ
 ہے کہ ہندو کو بھی اللہ نے اسی قسم کی صفت سے ممتاز کیا ہے کہ اُسے وہ پانی جو زمین کے اندر
 پوشیدہ ہو معلوم ہو جاتا ہے۔ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ خارج خب کے ذکر کرنے سے
 معلوم ہوتا ہے کہ ہندو کا کلام ہے کیونکہ اسے بھی وہ پانی جو زمین کی تہ میں پوشیدہ ہو معلوم ہو جاتا
 ہے اور یہ اسی اللہ تعالیٰ کے الہام کرنے سے معلوم ہوتا ہے جو آسمان زمین کی پوشیدہ چیزیں
 ظاہر کرتا ہے اُس کی قدرت کا کوئی انتہا نہیں اور اُس کے علم کا کوئی انداز نہیں۔ اور جو شخص صاحب
 فرست ہو اور اللہ نے اُسے عیناتی اور نور بخشا ہو وہ ہر ایک شخص کے پاس کے اشارہ طرز گفتگو۔

اور عادات و اطوار سے اُس کے علم۔ فن یا صنعت کا پتہ لگا لینا ہے۔ پس آدمی جو کوئی کام کرتا ہے
 اللہ تعالیٰ اُس کے آثار اُس میں ظاہر کر دیتا ہے +

فصل۔ کبوتر بچی بڑی سوچہ والا جانور ہے۔ امام شافعی کا مقلد ہے کہ کبوتر تمام پرندوں کو زیادہ
 سوچہ والا ہے۔ وہ کبوتر جو فائدوں کا کام دیتے یعنی چٹیاں اور خطوط پہنچاتے ہیں۔ بعض غصہ
 اُن کی قیمت مملوک اور غلام سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو کام وہ دیتے ہیں۔ وہ نہ تو غلام
 سے ہو سکتا ہے اور نہ کسی اور جانور سے۔ اسلئے کہ ایسے کبوتر خط لکھ کر ہزار میل کے فاصلے پر چلے
 جاتے اور پھر اپنے ٹھکانے پر واپس آ جاتے ہیں اور سب سے نہیں بچتے۔ کبوتر سطوتوں کے ضروری
 کاروبار اور اہم معاملات کے متعلق خبریں پہنچا کر دیتے ہیں جو لوگ کبوتر پالتے ہیں وہ اُن کی حفاظت
 نسل کا نہایت اہتمام کرتے ہیں انکی کوڑوں میں انکے اپنی مادیوں سے دوسری مادیوں کی مرمت اور
 مادیوں کے دوسرے زردن کی مرمت جاتے تھے وقت نسل کی خرابی اور دوسرے مملکتوں کے اندیشہ سے
 نردن اور مادیوں کو الگ الگ کر دیتے ہیں۔ مادہ کی اسی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ کہ کہیں نہ راستے
 میں یا اپنے ٹھکانے پر کسی حملی کتور کے ساتھ ٹھٹھکی کرنے سے خراب نہ ہو جائے۔ اور کبوتر پالنے
 والے اس بارے میں کبوتریوں کی اس قدر حفاظت کرتے ہیں کہ اس قدر اپنی عورتوں کی بھی حفاظت
 نہیں کرتے۔ اور اُن کو ایسے قواعد اور رستے معلوم ہیں جن کا وہ نہایت خیال لیتے ہیں جب کسی
 کبوتر کو دیکھ لیں تو جھٹ اُس کا حسب و نسب اور اس ادیس معلوم کر لیتے ہیں۔ تجربہ کار اور واقفکار
 کبوتر کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ اُس کے خریدنے میں بہت سے دام خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔
 خطوط اور چٹیاں پہنچانے کے لئے نردن کو اس وجہ سے زیادہ پسند کرتے ہیں کہ اُسے اپنی مادہ کے
 سبب اپنے مکان کا زیادہ شوق اور خیال ہوتا ہے اور نیز یہ قوت و طاقت میں مادہ سے زیادہ مضبوط
 اور نیز بہتہ پہنچانے میں خوب ہا ہر ہوتا ہے۔ بعض کبوتر پالنے والے اس کام کے لئے کبوتریوں
 کو زیادہ پسند کرتے ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ زکو جب بچوں میں گئے ہوئے زیادہ عرصہ گزر جائے تو
 وہ غلبہ شہوت کی وجہ سے مادہ کا نہایت شائق ہو جاتا ہے۔ پس کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اسے راستہ
 میں کوئی مادہ نظر آتی اور یہ صبر نہ کر سکا اور سفر چھوڑ کر وہیں ٹھہر گیا۔ اور اُس سے اپنی حاجت پوری
 کرنے لگا۔

کبوتر کو جس قدر تعلیم دی جائے اور اسے سکھایا جائے اسی قدر اسکی سوچ بڑھتی جاتی ہے۔ اس
 کی نسبت مشہور ہے کہ یہ چین و برکت والا جانور ہے اور آدمیوں سے نہایت ہنساری اور محبت کرتا ہے

اور آدمیوں کو پیارا لگتا ہے۔

اپنے ٹھکانے میں اسے کمال لگت ہے۔ اپنے مالک سے کسی وقت تکلیف بھی پہنچے گا اس کا پورا دیاوار ہے اور روز دراز مسافرتیں طے کر کے اس کے پاس لاسٹ آتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض کبوتروں کو رستے میں کسی نہ بچہ لیا اور برابر دس سال تک اس سے وطن کو لوٹنے کا موقع نہیں ملا مگر وہ اس پر بھی اپنی وفاداری پر قائم رہا۔ اور جس وقت فرصت اور موقع ملا اپنے مالک کے پاس آیا۔ کبوتر جس وقت اپنی ماہرے غنچے ہونا چاہتا ہے تو اس کے ذرا ریت ملا طفت اور جیل سے کام لگاتا ہے۔ دم کو چنٹاتا اور بروں کو نیچے چھوڑ دیتا ہے پھر اوہ کے فریب ہو کر نواز کرنے لگتا اور اس کے سامنے سے آتا اور اس کے سر میں پڑکا ڈالتا پر جھکاڑتا اور سینہ اٹھاتا ہے اور اس وقت یہ خود ہوتا ہے۔ اس وقت کبوتری اپنے پرواز و نیچے زمین کی طرف چھوڑ دیتی ہے۔ اور جب کبوتر اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے تو کبوتری اس پر سوار ہو جاتی ہے۔ یہ بات کبوتر کے سوا کسی حیوان میں نہیں پائی جاتی۔ اور جب کبوتر معلوم کرنا ہے کہ کبوتری حاملہ ہو گئی ہے تو وہ دونوں جاڑے کے گھاس اور چھوٹی چھوٹی کھڑیاں جمع کرتے اور ان سے ایک گھونسا بناتے ہیں اور اس کو اس ترتیب سے تیار کرتے ہیں کہ اس میں کبوتری آسانی سے بیٹھ سکے۔ اور اس کے کنارے اس خیال سے بلند اور اونچے کر دیتے ہیں کہ اس میں سے اٹھے باہر نہ گریں۔ پھر باری باری اس گھونسلے میں بیٹھتے اور اسے پاک و صاف کرتے اور اس میں اپنے بدن کی حرارت پہنچاتے اور ان میں جدید کیفیت جو ان کی طبع کے موافق ہو پیدا کرتے ہیں تاکہ جب انڈے نکلیں تو ایسی جگہ میں پڑیں جو کبوتری کے جم کے مشابہ ہو اور اس میں گرمی۔ سردی اور نرمی اور سختی ایک مناسب مقدار کی ہو۔ پھر جب کبوتری کے انڈے دینے کا وقت آجاتا ہے تو وہ جلدی سے اکڑ کر گھونسلے میں انڈے دیتی ہے۔ اور ایسے وقت میں اگر گھونسلے میں پہنچنے سے پہلے بادل کی گرج یا اور کوئی ہولناک آواز اس کے کان میں پہنچ جائے تو حاملہ عورت کی طرح کہ جب اسے گھبراہٹ ہو تو اس کا عمل گر جاتا ہے۔ یہ بھی گھونسلے کے باہر ہی ہٹے کر دیتی ہے۔ جب انڈے دے چکی ہے تو دونوں باری باری انڈے بیٹے ہیں جب انڈے بیٹے کی مدت پوری ہو جاتی ہے۔ تو انڈا چھٹ کر اس سے بچہ نمودار ہوتا ہے یہ دونوں بکر اسے کالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب باہر نکل آتا ہے۔ تو پہلے اس کے گلے میں دس لے سانس چھوٹتے ہیں کاش کا پوٹا فراخ ہو جائے۔ ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر پوٹا تنگ ہو گا تو اس میں خوراک نہ سما سکیگی۔ ان کے سانس دینے سے اس کا پوٹا جو پہلے ملا ہوا اور بند تھا کھلتا ہوتا اور فراخ

سوجاتا ہے۔ چونکہ ان کو معلوم ہے کہ اگر چائوس کا پوٹا کسی قدر ذرا خ ہو گیا ہے۔ لیکن روہنی کا تھل نہیں سکتا اس لئے اس کے منہ میں پھلے اپنا دو لعاب ڈالتے ہیں جو غذا کے ساتھ مخلوط اور اس میں انارج کے اجزا ہوں۔ کچھ روز بھی لعاب اس کی حواک کھاتی ہے۔ چند دنوں کے بعد کھیتولا میں سے نہایت ملائم اور نرم دانے اٹھا لاتے اور اس کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ اور غلام اور نرم دانے اس سے لفظ قے ہیں۔ کہ ان کو معلوم ہے کہ غذا کے مضام کے لئے قوت و کار ہے۔ اور ابھی اس کا پوٹا اور قدر کمزور ہے کہ قوی غذا ہضم نہیں کر سکتا۔ اور چند روز کے بعد ذرا مہوئی اور کھیتولا دانے لاکر اس کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ اسی طرح اس کی قوت کے مطابق بتدریج پانی اور دانے سے چوگا پیتے رہتے ہیں۔ اور وہ ان سے چوگا مانگتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب بشتے ہیں کہ اب وہ خود دانہ چکھنے کے قابل ہو گیا ہے تو کسی قدر چوگا دینا کم کر دیتے ہیں تاکہ اسے دانہ چکھنے کی عادت پیدا ہو۔ اور جب سمجھتے ہیں کہ اب اس کا پوٹا خوب مضبوط ہو گیا ہے اور اگر وہ اس کو چوگا دینا بالکل موقوف کر دینگے تو وہ خود اپنا پیٹ پال لیگا۔ تو اس کو چھینا۔ مار کر علیحدہ کر دیتے ہیں اور چوگا مانگے تو نہیں دیتے۔ اور وہ عجیب شفقت اور محبت جو ان کے دلوں میں بھری ہوئی تھی دور ہو جاتی ہے اور جب وہ خود بخود اپنا پیٹ پالنے لگتا ہے تو یہ اپنے سب پیار بھولا بیٹے اور نئے سرے سے لٹکے دینے کی تیاری کرتے ہیں۔

کبوتر طبیعت اور عادت میں انسان سے ملتا جلتا ہے۔ کبوتر کو بڑیوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے جوڑے کے سوا کسی دوسرے سے جھتی نہیں کرتیں۔ اور بعض ایسی ہیں کہ کسی کبوتر کو بھی جھتی کرنے سے منع نہیں کرتیں۔ اور بعض کی یہ عادت ہے کہ بہت سی خاطر و خوشامد اور اصرار کے بعد اپنے پاس نہ دیتی ہیں۔ اور بعض جھٹ کہنے میں آ جاتی ہیں۔ اور بعض کی یہ عادت ہے کہ ان کا ایک معین جوڑا ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ بوڑھن ہو تو دوسرے کبوتروں سے بھی جھتی کر لیتی ہیں اور جو کبوتر ان سے جھتی کرنا چاہے اسے منع نہیں کرتیں۔ اور بعض کی یہ عادت ہے کہ جب انہیں ایسا کبوتر مل جائے جو انکے جوڑے سے اچھا ہو تو اپنے جوڑے کی موجودگی میں اس سے جھتی کر لیتی ہیں۔ اور وہ دونوں کو دیکھتا رہتا ہے مگر وہ اس کی پروا نہیں کرتیں۔ اور بعض ایسی ہیں جن کی خواہش نہیں بھتی جو اور نر کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی اور جھتی کے لئے اپنی طرف بلاتی ہیں۔ اور بعض کبوتریاں ایسی ہیں کہ ایک مادہ دوسری مادہ سے جھتی ہوتی ہے۔ اور بعض کبوتر ایسے ہیں کہ وہ بچلے مادہ کے دوسرے نر سے جھتی کرتے ہیں۔ غرض اس قسم کی جو جوماتیں نر انسان کیا

مردوں اور گھیا غور۔ نخل میں پائی جاتی ہیں۔ وہ سب کبوتریں موجود ہیں۔ اور بعض کبوتریاں ایسی ہیں جو انٹے نہیں دیتیں۔ اگر انہیں میرا تو ان کو خراب کر دیتی ہیں سب سے بعض خدوئوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اس خیال سے حمل نہیں بٹھیر لے دیتیں کہ بچہ پیدا ہونے سے ان کی شہوت پرستی میں خلل آجیگا۔ بعض کبوتریاں ایسی بھی ہیں کہ جب کوئی کبوتر ان سے بھتی کر چاہے خواہ وہ کیسا ہی خمد ہو تو فوراً اس کے پاس سے بھاگ جاتی ہیں اور جیسے کشریٹ بنی بیروں کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے بغیر کسی پر نظر نہیں رکھتیں۔ اسی طرح وہ بھی اپنے جوڑے کے سوا کسی کے ساتھ تعلق نہیں رکھتیں۔ اور بعض کبوتریاں کی یہ عادت ہے کہ کبھی ایک دوسرے بھتی کرتے ہیں۔ پھر اس کو چھوڑ کر دوسری سے کر لے لگتے ہیں اسی طرح بعض کبوتریوں کی بھی اسی عادت ہوتی ہے کہ کبھی ایک کبوتر سے ملتی ہیں۔ پھر اسے چھوڑ کر دوسرے کے پاس چلی جاتی ہیں۔ بعض کبوتروں کی یہ عادت کہ کئی ایک کبوتر لڑ کر ایک کبوتری سے تعلق پیدا کرتے ہیں اور جب ان میں ایک زور آور اور غالب ہو تو وہ دوسروں کو چھوڑ کر اس کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کبوتری کو دوسری کبوتری کا پیچھا کرتے دیکھا تو فرمایا کہ ایک شیرطان دوسرے شیرطان کا پیچھا کر رہا ہے۔ بعض کبوتروں کی یہ عادت ہے کہ وہ صرف اپنے بچوں کو چوگا دیتے ہیں اور بعضوں کی طبیعت میں کمال درجہ کی شغقت اور رمت ہوتی ہے وہ اپنے اور بیگ نے بچوں سب کو چوگا کھلاتے ہیں۔

اور اس کی سوجھ کی ایک عجیب بات ہے کہ جب یہ خط لیکر چلتا ہے۔ تو ایسے راستوں میں چلتا ہے جو بیتوں اور آدمیوں کی آبادیوں سے دور ہوں تاکہ کوئی پکار کر اسے روک نہ دے اور پانی پینے کے لئے بھی ایسے پانی پر نہیں آتا جہاں آدمیوں کی آمد و رفت ہو۔ اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب آدمیوں کو ہوا میں دیکھتا ہے و مسدوم کر لیتا ہے۔ کو فلاں شخص اس کو پکارتا چاہتا ہے اور فلاں شخص اس کا مخالف اور دشمن ہے۔ پھر ایسی چرائی لگاتا ہے کہ اس کے دائرے سے بچ نکلتا ہے۔ اور اس کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب پہلے اڑنے لگتا ہے تو اسے کچھ تمیز نہیں ہوتی۔ اور عقاب۔ گدھ۔ باز۔ چرغ۔ کہتے وغیرہ جانوروں کے پاس جا گدھتا ہے۔ مگر دیکھتے ہی اپنے مخالفین اور دشمنوں کو پہچان لیتا ہے۔ اور شاہین کا دیکھنا تو اس کے لئے ایسا ہے جیسے زہر قاتل۔ اور اس کے دیکھنے سے ایسا دب جاتا ہے جیسے بکری بھیڑیے اور گدھا شیر کے دیکھنے سے دب جاتا ہے۔ اور اس کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ نہ وہ دودھ بچوں کی پرورش

کے کاموں کو آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ زندہ توانکی حفاظت۔ خبر گیری اور کھلانے پلانے کا انتظام کرتی ہے۔ اور نر کے ذمہ یہ ہوتا ہے کہ وہ باہر سے روزی اور خوراک جمع کر لے۔ یہ جس طرح آدمیوں میں روزی کھاتا اور عیالی کے خرچ کا تکفل ہوتا ہے۔ اور عورتیں بچے بنتی اور ان کو دودھ پلاتی اور ان کی تربیت کرتی ہے۔

جاخط نے بوتر کی ایک عجیب حکایت بیان کی ہے کہ ایک آدمی کے پاس کبوتروں کے دو جوڑے تھے۔ ایک جوڑے کے پر گٹے ہوئے تھے جو انہیں سناٹھا سا درود سرا بھیج دے۔ سلامت اڑتا پھرتا تھا۔ اور اُس کے دوپٹے بھی تھے۔ کبوتر کے مالک کا بیان ہے کہ میں نے ان کے پر کے نیچے بالافانہ کے اوپر کے تھیلے میں ایک طاق بنا دیا۔ کہ وہ اُس میں آیا جاتا اور اپنے بچوں کو چوگا دیا کریں۔ اتفاق سے اچانک بادشاہ نے مجھے قید کر دیا تو مجھے کبوتروں کے اُس جوڑے کا پس کے پر گٹے ہوئے تھے نہایت فکر پیدا ہوا کہ وہ ضرور مر جائے گا۔ کہو کہ وہ طاق سے باہر نہیں جاسکتا اور اس کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہیں۔ جب میں نے قید سے رہائی پائی۔ تو مجھے اُن ہی کی فکر لگا رہی تھی۔ اسی فکر میں میں نے دروازہ کھولا تو کبار کھینچا بول کہ وہ اچھے بھلے ہیں۔ اور دوسرے جوڑے کے بچے بھی جوان ہو گئے ہیں۔ میں اس بات سے نہایت متعجب ہوا۔ پتھوری دیر ہوئی تو وہ دروازہ کھولا پھر مانتا آگیا۔ اور یہ پرکھا جوڑا اُس کے پاس جا کر منہ سے منہ ملا کر اس طرح چوگا مانگنے لگا۔ جس طرح پرندوں کا بچہ اپنے ماں باپ سے چوگا مانگتا ہے۔ اور اُس نے اس کو چوگا کھلادیا۔ اُن کی یہ سوجھ بوجھ قابل غور ہے۔ پر گٹے جوڑے نے دیکھا کہ جب بچوں کو بھوک اور پیاس ہوتی ہے تو وہ کس جیلے اور چالوسی کے ساتھ اپنے ماں باپ سے چوگا مانگتے ہیں۔ اُن کو دیکھ کر یہ بھی دہرایا کرنے لگے۔ اس پر پرندوں کے جوڑے کو اُن کے حال پر دم آیا۔ اور اپنے بچوں کی طرح ان کو بھی چوگا دیتے رہے۔ یہ حکایت ایسی ہے۔ جیسے جاخط وغیرہ نے ایک کتیا کی حکایت بیان کی ہے۔

جاخط کہتے ہیں کہ میں ایک اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جب بصرے میں سخت طاعون پڑا۔ تو ایک گھر میں ایک بچے کے سوا سب آدمی مر گئے۔ محلے والوں نے یہی سمجھا کہ ان میں سے کوئی آدمی باقی نہیں رہا۔ اُنہوں نے مکان کا دروازہ بند کر دیا۔ اور اُس کے اندر ایک چھوٹا سا شیرخوار بچہ رہ گیا۔ جس کو لوگوں نے معلوم نہ کیا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ جب کچھ عرصہ گزرا۔ تو کہیں سے اُس گھر والوں کا کوئی رشتہ دار آیا۔ اور اُس نے مکان کا دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ مکان کے انگوٹھے میں کتیا

کئے تھیں کے ساتھ ایک بچہ کھیل رہا ہے۔ وہ کہتا جس کے وہ بیٹے۔ تھے اس گھروالوں نے پاؤں کچی مٹی
 بچے کے زکینے سے اس ناؤ کی کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ مگر جھوٹی دیر ہوئی کہ وہ کتیا آگئی۔ بچہ آست
 دیکھ کر گھٹنوں کے بل چلک جا پہنچا۔ کتیا نے اپنے بستان اس کے منہ میں دیوے۔ اس نے ان سے
 دودھ چوس لیا۔ اس کو دودھ پڑھوئی۔ کہ جب بچے کو سخت بھوک لگی۔ اور پوچھا کہ دیکھا کہ کتیا کے
 پستانوں کو چوس سکتے ہیں۔ تو وہ بھی گھٹنوں کے بل چلک اس کے پاس جا پہنچا۔ اس سے کتیا اس کے
 حال پر رحم آیا۔ اور اسے دودھ پلا دیا۔ پھر ہر روز اسی طرح اس کو دودھ پلاتی رہی۔ اور وہ بڑھتا
 اس سے اٹھارہ۔ اور یہ بارہا کوئی بے پرواہ نہیں اور نہ اس سے زیادہ عجیب۔ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
 پرستش کی۔ وہ پڑھتا ہے۔ تھے پچا۔ پتہ پتہ کئے کو چوس سکتا ہے۔ اور کچھ دیر رہا کہ
 پوتہ رہتا ہے۔ اس نے جدید تہذیب سے کہ وہ دودھ پلاتی ہے۔ پستان کو منہ میں لے لیتا ہے۔
 اس سے چمٹے اس نے پستانوں کی شکل بھی نہیں دیکھی ہوتی۔ گویا اس سے یہ سب بھاتا ہے کہ یہ تیرے
 کھانے پینے کا ہی خزانہ ہے جو پھلے سے تمہیں معلوم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے حیوانات کو اپنے
 مصالح معاش کے سرانجام میں جو جو سوچ عطا فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ بحالہ ان
 کی سوچ کے یہ بات ہے کہ جو ان مرغے کو جو دانے اس کو کھڑے کھڑے کر کے کھاتا ہے اور جب
 بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہے تو ثابت دانے نکل جاتا ہے ان کو کھڑے کھڑے نہیں کرتا۔ چنانچہ
 مائیں نے کہا ہے کہ ایسا بن معاویہ نے ایک مرغے کو دیکھا کہ وہ دانے چاک رہے۔ گرائیں کہ
 کھڑے کھڑے کر کے نہیں کھاتا دیکھ کر کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرغہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ کیونکہ
 جو ان مرغے کی یہ عادت ہے کہ وہ دانوں کو کھڑے کھڑے کر دیتا ہے کہ اس کی آواز سن کر اس کے
 اس پاس مرغیاں جمع ہو جاتیں۔ اور یہ ان سے اپنی شہوت پوری کرے اور بوڑھے مرغے کی نجات
 چونکہ زائل ہو جاتی ہے اس لئے اسے صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے۔ ایسا ہے۔ نہ یہ بھی کہا ہے کہ
 جو ان مرغے کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ دانہ اٹھا کر مرغی کو دکھلاتا پھر اسے اپنے منہ سے نیچے ڈالتا
 ہے کہ مرغی اسے اٹھائے۔ اور بوڑھا دانے کو یوں کا توڑ لگھاتا ہے۔ اور مرغی کے لئے نہیں لگتا۔
 ابن الاعرابی نے ذکر کیا ہے کہ ایک سانپ نے ایک چڑیا۔ دانے کھائے۔ وہ چڑیا اس کے سر پر
 سنبھلنے۔ چلانے اور اس سے نزدیک ہونے لگی۔ اس تک کہ جب سانپ نے اس کے پوٹے
 کے پچھلے کھولا۔ تو اس نے کاٹا ڈال دیا۔ اس نے اس کے گلے کو پکڑ لیا۔ اور اسی سے وہ مر گیا۔
 چنانچہ ابو عمر و شیبانی نے اسی کے متعلق ہمدی کے اس کہنا

اِنْ كُنْتُمْ اٰیْضًا تَحِبُّوْنَ غٰیْلًا وَّمُضْطَلَمًا قَدْ بَعَا فُلٌ اَلْمَسْكُوْرَ لَعَسَا اَرٰنَا

ترجمہ (اگر تو نے مجھے تنگ دست اور جڑ سے اکٹھا ہوا یہ سرد سالانہ لکھنا ہے تو اس پر ضرور مدد ہونا چاہئے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ چڑیا نے مار ڈاکو مار ڈالا ہے)۔

صالح حاش کے فنون حیوانات کی۔ رچھ کا بیان ایک بجز بے پایاں ہے۔ جسے بخاری چھ بیان کرتے جاؤ اور یہ ختم نہ ہو گا۔ ان کی سوجھ کی ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ بوڑھا کو جب بست سے پتو پٹ جلتے ہیں۔ تو وہ بھڑکی سی آواز دے رہے ہوتے ہیں اور کسی کم تر سے پانی پر جا کر اٹھتے ہیں۔ اُس میں نیچے اترنا شروع کرتے ہیں۔ اس طرح۔ پتو اُس کو چھوڑ کر اُن دن میں جمع ہو جاتے ہیں پس اُس دن کو پانی میں چھوڑ کر آب باہر نکل آتی ہے۔ اور پتو پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔ لڑکی کی ایک عجیب حکایت یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک بھیڑیہ نے اُس کے بچے کھائے اور اُس بھیڑیہ کے بھی چند بچے تھے اور وہاں ایک گٹھان تھا۔ لڑکی اُس میں گھس گئی۔ اور اُس کو بچے سے ایک ایسی سڑنگ لگائی۔ کہ جس سے باہر نکل سکے۔ اس کے بعد بھیڑیہ کے بچوں کو مار کر اُس کے انتظار میں ایک کولے میں بیٹھ رہی۔ جب بھیڑیا آیا۔ اور اُس نے معاملہ کر لیا۔ لڑکی بھی اُس کے پاؤں کو مار ڈالا ہے۔ تو یہ اُس کے سامنے سے بھاگ نکلی۔ وہ اُس کے پیچھے دوڑا۔ بیان گڑھے میں کود پڑی اور سڑنگ کی راہ سے باہر نکل گئی۔ بھیڑیا بھی اُس میں کود پڑا۔ مگر لڑکی کو اُس میں پایا اور نہ وہاں سے باہر نکل سکا۔ گرد نواح کے لوگ آئے۔ اور اُنہوں نے اُسے مار ڈالا۔

لڑکی کی ایک اور عجیب حکایت بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک آدمی کے پاس وہ مرغیاں تھیں۔ لڑکی کسی جگہ میں چھپ رہی اور موقع پاؤں میں سے جھٹ ایک مرغی پکڑ کر بھاگ گئی۔ اور دوسری کے پکڑنے کی فکر میں ہوئی اور یہ جیلہ کیا پرندے کے متابہ کوئی چیز نہ میں لیکر مرغی والے کو دوسرے دکھائی دی۔ اور اُسے یہ لالچ دیا۔ کہ وہ پہلی مرغی کو اُس سے واپس کر لے گا۔ کہ اُس چیز کو چھوڑ کر خود بھاگ گئی مرغی والے نے سمجھا کہ میری مرغی کو چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔ وہ جھٹ اُس کی طرف دوڑا۔ لڑکی نے دوسرے رستے سے اگر دوسری مرغی بھی پکڑ لی اور بھاگ گئی۔

لڑکی کی ایک اور عجیب حکایت مذکور ہے۔ کہ وہ ایک ایسے جزیرے میں پہنچی۔ جس میں بہت سے پرندے تھے تو اُن کے پکڑنے کے لئے کئی جیلے کئے۔ مگر کامیاب نہ ہوئی۔ آخر یہ تدبیر کی۔ کہ گھاس یا ایک گٹھان بنا یا اور پانی کے بہاؤ میں اُسے چھوڑ دیا کہ وہ پرندوں کے پاس جا کر رہے جب وہ گٹھان پرندوں کے پاس پہنچا۔ تو پہلے تو پرندے کھڑے لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ گھاس کا گٹھا۔

سب سے بڑا خطرہ ہو کر اپنے اپنے گھر کے لئے رہائی گئے۔ موٹری نے تین پارہ رتبہ اسی طرح کہا یہ بیان نہ کہ سب پر شہسے خوب سمجھ گئے کہ باقی میں جو چیزیں پاس سے گزرتی ہیں وہ گھاس کا گٹھا ہو تو بے تلوٹھ جانے ایک بہت بڑا گٹھا بنایا۔ اور خود اس میں چھپ کر ٹھیکہ لئی در تیرنی بوٹی پر ندوں تک جا پہنچی۔ پر ندوں نے یہی سمجھا کہ یہ گھاس کا گٹھا ہے وہ اپنی جگہ سے اُدھر اُدھر نہ ہوئے۔ موٹری نے جتنی شکر ایک پرندے کو کھلایا۔

اور جیسے کی ایک۔ سب حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک بچہ نے ایک آدمی پر حملہ کرنا چاہا مگر اس کے پاس تیرکان و بکھر کر تھپتھپتا۔ اور اونٹ کے سر پر ہدی ہتی کھوید ہی اپنے سنہ میں اٹھایا اور اس آدمی کی طرف سے بڑھا اور وہ آدمی اس پر تیر چلائے لگا۔ مگر وہ بچہ چلا پاتا بیٹھ کر ڈھال کھینچ اس ڈھال کو اٹکے کر کے اس سے بچ جاتا۔ یہاں تک کہ اس آدمی کے تیر ختم ہو گئے اور وہ تنگ آگیا۔ اتفاق سے وہاں دوسرا آدمی آگیا جس نے بھڑکیے کو دھتکارا اور اس کی مدد سے وہ بچ گیا اور نہ بھڑکیا اس کو پھاڑ ڈالتا۔

بندروں کا ایک عجیب قصہ ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں عمرو بن میمون ادوی کی روایت سے ذکر کیا ہے۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں میں نے دیکھا۔ کہ ایک بندہ اور بندہ ریلنے زنا کیا۔ تو چند بندروں نے جمع ہو کر ان دونوں کو سنگسار کیا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں مر گئے۔ دیکھو بندہ ریلنے جانور تو عدد و الہی کو قائم رکھیں اور سنی قوم ان کی پرواہ نہ کرے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے۔

بیل کی بیوقوفی اسی مشہور ہے کہ وہ ضرب المثل ہو گئی ہے۔ مگر اس کی نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ایک شخص گائے کو مانگ لے جا رہا تھا۔ کہ وہ اس پر سوار ہو گیا گائے بولی کہ خالق نے مجھے سواری کے لئے نہیں پیدا کیا۔ لوگوں نے آنحضرت سے یہ خبر سن کر کہا۔ سبحان اللہ! گائے بھی باتیں کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس بات کو ماننا ہوں۔ اور ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ دونوں صاحب اس وقت وہاں موجود تھے۔

پہلے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک آدمی بکریاں چرا رہا تھا۔ اچانک بھڑکیے نے اس کی ایک بکری پر حمل کیا۔ اس نے وہ بکری فوراً بھڑکیے سے چھڑائی۔ بھڑکیا بولا آج تو اس بکری کو تو نے مجھ سے چھوڑ لیا۔ یہ بتلاؤ کہ درندوں کی کثرت کے وقت جب ہم ہی ان کے گڈ بٹے ہونگے ان کو کون چھڑائیگا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ۔ جیسا بھی باتیں کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میرا

بدن کرنا اور غرق کا تو اس پر ایمان ہے۔ اور اس وقت یہ درو معاذیب ان پر جو نہ سمجھے
 نہ دیکھے کو بے زیادہ بیوقوف شمار کرتے ہیں گراؤں کی سمجھ و بوجھ نہ کرنا ہی اس کو
 کئی کس کے فاصلے سے اندھیری رات میں لینے لگا کر دے آئے تو وہ اس گنگہ ابدراستے کو چھان
 پاتا نہ دیکھتا کہ اسے باہر بچھڑوایا جاسکے تو پھر سیدھا گھر کو چلا آتا ہے۔ اور جیلائے اور قہر لینے
 کی آواز میں تمیز کرتا ہے۔

چوہوں کی شوجھ ریچھو کہ جب بارش ہوتی ہے تو غائب ہو جاتا ہے اور اس کے پتہ چھپا ہوا
 لیتے ہیں اور کم بہ چلنے کی وجہ سے وہ پیچھے اتر جاتا اور وہ اس تک اُن کا منہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔
 کیا کرتے ہیں کہ اپنے منہ میں پانی لاکر اس برتن میں ڈال دیتے ہیں کہ نہیں اور پھر آجاسکے اور
 اسے پی لیں۔

بیسویں کا قول ہے کہ حقے اور پکھاری کا ٹل ایک ہی چرچ داسے پر نہ بے کا ایجاد کیا ہوا
 ہے۔ درحکات اس سے اس طرح بیکھا ہے۔ کہ ایک دن سیٹ نکلتے ہیں اسے خلیف محسوس
 ہو جاتا ہے۔ تو اس نے زیادہ شور کے کما سے برا کر اپنی چرچ میں پانی لیا۔ اور اس سے حقہ کیا۔
 فو آٹھ بار آئی۔

دھڑکی یہ عادت ہے کہ جب بہت ٹھوکی ہو تو اپنی کھوکھلیں چپا کر ٹگل میں مڑنے کی طرح
 پتر رہتی ہے دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ مری پڑی ہے۔ دیکھ کر اس کے اس پاس آگئے
 ہیں۔ یہ پہلے تو کچھ جلتی جلتی نہیں۔ بلکہ سانس بھی بند کر لیتی ہے۔ مگر جب وہ چرچ مارتے ہیں تو جھپٹ
 کر پڑ جاتی اور اُن کا کام کام کر دیتی ہے۔

نیولے اور جنگلی چوہے کو دیکھ کر جب زہریلے سانپ کھا جاتے ہیں۔ تو اس پر تزیاق کے
 طور پر شہترہ نہری کو لکھا لیتے ہیں۔

لوڑی کی شوجھ غنیمت کی ہے جب جنگلی چوہے کو پکڑتی ہے۔ تو کانٹوں کے سبب پٹھ کے
 بل سے لٹا کر دیتی ہے۔ یہ وہ سکڑا کر اس طرح ہو جاتا ہے۔ کہ گویا کانٹوں کی ایک گیند رکھی ہے
 تو لوڑی کیا کرتی ہے کہ اس کے دم سے لیکر اس کے جڑوں تک اس پر مشاب کرتی ہے۔ پشاپ کے
 پڑنے سے وہ ٹھنڈا کر چھینچھیناتا ہے۔ پس لوڑی اس کا چھڑا مار کر اسے نوش کراتی ہے۔

بہت سے عقائدوں نے حیوانات سے کئی باتیں سیکھی ہیں جو ماشاء اللہ صنعتِ حُرف
 اور جنگ و غزو میں کارآمد و مفید ہوں۔ اور ان سے ہوشیاری اور صبر کا سبق حاصل کیا ہے۔ بلکہ

عام وقت :۔ انا ہے تو بیٹے اچھے ہو جیسے شیر پر سنا کر پر چلا گئے زنا ہوتا ہے اس طرح اپنے طبیعت کا سیلاب ہو جاتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ عادت ملی ہے۔ دیکھو کہ وہ چرتے کے بل پر حرف ناک لگائے رہی اور اسی جیسے چارپائی بھی ہے۔ کہ ذرا نہیں ملتی۔ کیا یہ سنا بھی بند کرتی اور ایسی معلوم ہوتی ہے کہ بی بی پڑی ہے۔ اور جس کو کوئی چوڑا ہوتا ہے تو شیر لے کر جاکر اس پر بھیسٹ پڑتی ہے۔

بار :۔ اور شخص سے کسی نے پوچھا کہ میری طبیعت :۔ برو باری اور تکالیف کو برداشت کرنا میں تپ نے کس سے سیکھی ہیں۔ اس نے جواب دیا آؤٹ سے کہ وہ بھاری بھاری بوجھ اٹھا سکتا :۔ مکان :۔ باربان کی آپٹ وغیرہ طرح طرح کی تکالیف سمجھتا ہے۔ رادھ پتھوہ بوجھ نہا ہے اور ادھر بھوک :۔ پیاس :۔ مکان اور کٹی طرح کی تکالیف میں اس پر سوار ہیں۔ مگر کیا خیال کہ ممبر سے منہ پھیر جائے اور ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ سخاوت :۔ مروت اور دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا آپ نے کس سے سیکھا ہے اس نے جواب دیا کہ یہ باتیں میں نے مرغ سے سیکھی ہیں۔ دیکھو کہ جب اسے کوئی دانہ ملتا ہے۔ اور وہ خود اس کا محتاج بھی ہوتا ہے۔ مگر وہ اسے نہیں کھاتا۔ بلکہ غریبوں کو بلاتا اور زور سے ان کو پکارتا ہے۔ اور جب کوئی مرغی آجھتی ہے۔ تو خوش ہو کر طیب خاطر سے وہ دانہ اس کو کھلا دیتا ہے۔ اور اگر بہت سے دانے اس کے سامنے رکھے جائیں تو اگرچہ کوئی مرغی اس کے پاس موجود نہ ہو مگر ان کو ادھر ادھر پھیل دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی طبیعت :۔ سخاوت :۔ اور ایثار کی عادی ہو رہی ہے۔ اکیلے اپنا پیٹ بھرنے کو وہ شرم اور شرافت مروت سمجھتا ہے۔

ایک اور شخص سے کسی نے پوچھا کہ روزی کمانے اور اس کے حاصل کرنے کے ذرائع بہیمانہ میں یہ تدابیر آپ نے کس سے سیکھی ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ تدابیر میں اور حیلے میں نے لوٹری سے سیکھے ہیں۔ وہ ایسی ہی تدابیر میں اور حیلے کرتی ہے جو بڑے بڑے عقلمندوں سے نہیں ہو سکتے اور وہ اس قدر حیلے کرتی ہے۔ کہ ان سب کا بیان کرنا دشوار ہے۔

شیر کو اللہ نے یہ سوجھ بوجھ عطا فرمائی ہے۔ کہ جب اسے اندیشہ ہو کہ کوئی اس کا پیچھا کرے گا۔ تو وہ دم سے اپنے پاؤں کے کھوج کو مٹاتا چلا جاتا ہے۔ اور اسے یہ بھی سوجھ دی ہے۔ کہ بچے کے پیدا ہونے کے بعد تیسرے روز اس کے نتھنوں میں اپنا سانس بچھاتا ہے۔ جب مادہ اسے جنتی ہے تو وہ بالکل بے جان سا پلا ہوتا ہے۔ اس کے باپ کے آنے تک مادہ اس کی حفاظت کرتی ہے۔ جب شیر آتا

سے تودہ اُس کے غنوں میں سانس نہ لے سکتا ہے۔ دھڑلہ اور تیز شیراز کا یہ کستور ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے
 ہاتھ سے نیکہ کر کے رکھتا ہے۔ دوسرے دباؤ کے ماسے جیسے شکار کو گوبیسے ہی بھوکے ہوں
 ہرگز نہیں چھوڑتے۔ شیر کو یہ بھی سوچ دی ہے کہ اگر کہیں افلاق سے مونی شیر اور شیر پرستہ ہوجائیں۔ تو
 وہ برائی سلاخی، تازہ تازہ اُس کے سامنے اپنی طاعت کا اظہار کرنا ہے۔ اور جب کوئی جانور۔ اُس کی
 نافرانی کرے تو وہ شیر کو بلا بھیجتا ہے۔ تودہ ہر طرح جاہل ہو جا آہے جس طرح کوئی غلام اپنے مالک
 کے بانے پر حاضر ہو جب حاضر ہو جاتا ہے۔ تو اُسے اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیتا ہے اور اس
 کے بعد اُس کے کانوں میں پیشاب کر دیتا ہے جب درندے جانور اس بات کو دیکھتے ہیں۔ تودہ
 سب کے سب اُس کے مطیع ہو جاتے ہیں +

دبیری کی سوچ کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب اسے کوئی چرٹ لگے اور بدن میں زخم ہو جائے
 مرم کے طور پر ایک گوند کو جو اسے معلوم ہے پتے زخم پر لگاتی ہے۔ اندیکھ بھی ایسا ہی کرتا ہے
 کہ جب اسے کوئی زخم ہو جاتے تو ایک بوٹی سے (جو اس کو معلوم ہے اور بوٹیوں کی شناخت
 کرنا بے سیاسی اُسے نہیں جانتے) اپنا علاج کرتا اور فوراً اچھا ہو جاتا ہے +

اور تہنی کو اللہ نے یہ سوچ دی ہے۔ کہ جب اس کی ولادت کا وقت قریب آ جاتا ہے۔
 تودہ کسی پانی پر آ جاتی اور اُس کے اندر بچہ جنتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ حیوانات
 تو بیٹھ کر بچہ جنتے ہیں اور یہ اس لئے کھڑے ہو کر بچہ جنتی ہے۔ کہ اس کے اعضاء کی بناوٹ
 اور حیوانات کے اعضاء سے جدا ہے پس اس انیشے سے کہ بچہ زمین پر گرنے سے زخمی نہ ہو ایک
 مناسب مقدار پانی میں آکر بچہ جنتی ہے۔ جو اُس کے لئے نرم بستر اور ملائم فرش کے قائم مقام ہو جاتا
 ہے +

اور کتھی کو یہ سوچ دی ہے کہ جب وہ کسی سیال چیز میں گرتی ہے۔ تو اُس پہ کے فیصلے سے
 اپنا بچاؤ کرتی ہے جس میں زہر کا اثر ہے +

گتے کہ یہ سوچ دی ہے۔ کہ جب وہ ہرنیوں کو دیکھتا ہے۔ تو دیکھتے ہی معلوم کر لیتا ہے کہ
 کونسی ان میں بیمار اور کونسی تندرست اور کونسی نر اور کونسی مادہ ہیں۔ پھر یاد جو دیکھ جانتا ہے۔
 کہ زہریلی ہڈی پھلانگیں ہر تازہ اور تیز دوتار ہے۔ اور مادہ ایسی نہیں دوتار سکتی۔ مگر مادہ کو چھوڑ کر نرے
 پیچھے دوتار ہے۔ اس کا یہ سبب ہے کہ گتے کو معلوم ہے کہ جب نر زور کی ایک چوڑیاں دوڑ چکا
 تو اُس کا مشانہ پیشاب سے بھر جائیگا۔ تمام حیوانات میں ہی کستور ہے کہ جب اُنہیں گلبرہٹ ہو۔ تو

اُن کا منہ پشیاپ سے بھرا جاتا ہے۔ اور چونکہ نہ کھڑے ہوئے بغیر پشیاپ نہیں کر سکتا۔ اس لئے پشیاپ کی رکاوٹ اُسے نہایت تنگ کرتی ہے اور دشمن کے خوف کے باعث گھبراہٹا نہیں۔ مگر ڈرنے میں کمزور ہو جاتا اور اس طرح گتہا۔ سے پکڑ لیتا ہے۔ اور وہ۔ کے پشیاپ کا راستہ چونکہ فراخ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ برابر دوڑتی جاتی اور پشیاپ بھی کرتی جاتی ہے۔ اس لئے اُس کی رفتاریں کی نہیں آتی +

کہتے کہ یہ بھی سوچہ بخشی ہے کہ جب برف پڑتی ہے تو ایسی جگہ کو تلاش کرتا ہے جہاں برف کے ٹکڑے پھیلے ہوئے اور رقیق ہوں۔ جہاں ایسی جگہ دیکھتا ہے تو خام کر دیتا ہے۔ کہ اس کے نیچے خرگوش کا پل ہے۔ پس اُس برف کو ہٹا کر خرگوش کو پکڑ لیتا ہے۔ یہ نشانہ اور علامت اس قیاس سے اس نے پھراتی ہے جہاں خرگوش ہوگا۔ تو اُس کے سانس کی حرارت سے برف کے ٹکڑے رقیق اور پھیلے ہوئے ہونگے +

بھیرے کو یہ سوچہ دی ہے کہ جب وہ سوتا ہے تو ایک آنکھ سے سوتا ہے۔ اور دوسری آنکھ کھلی رکھتا ہے۔ چنانچہ عرب کے ایک شاعر نے اس مضمون کو بیان کیا ہے

يَتَأَمُّ بِأَحَدِیْ مُقْلَتَيْهِ وَ يَشْتَقِي
بِأُخْرَى الْمَنَآ يَا فَهْوَ يَقْظَانُ مَنَامًا

ایک آنکھ سے سوتا ہے اور دوسرے کے ذریعے (سبب موت سے بچتا ہے۔ تو وہ جاگنے اور سونے دونوں صفوں کے ساتھ مصروف ہے) +

چڑیا کو یہ سوچہ بخشی ہے کہ جب اُس کا بچہ زمین پر گر جاتا ہے۔ تو وہ شور مچاتی ہے اُس کی آواز سن کر اُس پاس کی سب چڑیاں جمع ہو جاتی اور بچے کے ارد گرد اڑنے لگتی ہیں اور اُسے اپنے ان افعال سے اڑنا سکھاتی اور اُس کی طبیعت میں قوت۔ ہمت اور جوش پیدا کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اُن کے ساتھ اڑنے لگتا ہے۔ ایک شکاری کا قول ہے کہ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ میں نے چڑیا کو دیوار پر بیٹھ دیکھ کر اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا۔ کہ گویا میں اُس کی طرف تیر پھینکتا یا پتھر ڈالتا ہوں۔ مگر وہ اس طرح کرنے سے اپنی جگہ پر بیٹھی رہی اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ میں زمین کی طرف ٹھکا کہ گویا میں اُس کے مارنے کے لئے کوئی چیز پکڑتا ہوں مگر وہ ذرا نہ ہلے۔ اور اگر چھوٹے سے سنگ پڑے یا گٹھلی کو ہاتھ سے چھو اور اُسے اچھی طرح پکڑ لیا بھی نہیں تو جھٹ اڑ گئی +

کیہ تر وہ سوچ بختی ہے جسکی نسبت پہلے بیان ہو چکا ہے مگر یہاں شہ اور زیادہ بیان کر دیتے ہیں۔ اہم کو تر کیونوں سے بختی کرنی چاہتا ہے تو وہ اُسے بلاتا ہے۔ مگر وہ کسی تندر اس کے آگے نہ بڑھے۔ اس لئے بھانپتی ہے کہ جو رسال طلب کے بعد حاصل ہو۔ اُس میں اور اطفال اور حفاظت ہے۔ پھر اُس کا کہنا مان جاتی ہے۔ اور دوبارہ پھر اسی طرح کرتی کہ کہہ نہ دے اپنے آپ سے۔ مثلاً تمہارے تاکہ اُس کی طلب اور محنت زیادہ ہو۔ پھر بنے یوں کو نیچے چھوڑ کر ناز و انداز سے جاتی اور اُس سے اپنے خست کے کرشمے دکھاتی ہے۔ اس کے بعد اُن (دونوں) کے درمیان وہ محبت آمیز باتیں اور یوں و کنا جو تا ہے جو وہ کیونوں کو دیکھنے والوں نے مستاء دیکھا۔ وہ کیونوں جو خط و اور پیچیدہ لیا کر است کو چلتے ہیں۔ اگر کہیں استہ بچوں جائیں تو سورق کے طلوع و غروب۔ مذہب۔ نالوں۔ ہماروں۔ پانی کے بہاؤ اور ہوا کی رفتار سے راستے کا پتہ لگاتے ہیں۔ اور یہ راستہ معلوم ہو جائے۔ تو ہوا کی طرح اُن کو منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔

ایک قسم کی کڑی ہے۔ اُس کو یہ سوچ بختی ہے کہ جب اُسے بھوک لگتی ہے تو زمین سے چمٹ جاتی اور دباک اس طرح بیٹھ رہتی ہے کہ کھینوں کو معلوم ہو کہ اُسے اُنکی طرف مطلقاً خیال نہیں۔ مگر جب کھین اُس کی آئی تو یہ جھٹ شیر کی طرح اچھلی اور اُسے دلوں لیا۔ اور کڑی کو یہ بھی۔ جہ دی سے کہ وہ اُس نم کی سے اپنا جال بنتی۔ اور اُس کے اوپر چنایے تار لگاتی ہے کہ خود اُسک ساتھ لٹکتی رہتی اور جب مکھیاں جال میں پھنس جائیں تو یہ نیچے اتر کر اُن کو شکار کر لیتی ہے۔

ہرنی کو یہ سوچ دی ہے۔ کہ جب وہ اپنے کھوہ میں بیٹھنے لگتی ہے۔ تو پہلے اُسے دیکھ بھال لیتی ہے کہ کہیں اُس میں ایسی چیز نہ ہو جو اُس کو یا اُس کے بچے کو ایذا دے۔ پھر اُس کو یہ سوچ دی ہے کہ جب وہ چھت میں چوہے کو دیکھتی ہے۔ تو اپنے سر سے اس طرح اشارہ کرتی ہے کہ گویا وہ واپس جاتی ہے۔ پھر اس طرح اشارہ کرتی ہے کہ گویا لوٹ آتی ہے اس طرح کرنے سے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ چوہا بیوقوف ہو کر پھسلا۔ اور نیچے گر پڑے۔

اور بنگلی جو ہے کہ یہ سوچ دی ہے کہ وہ اپنا بل نڈی یا نالے کے کنارے پر ایسی اُونچی اور مناسب جگہ بناتا ہے۔ کہ پانی اور پھنے دیوں کے گھرن سے محفوظ رہے۔ اور اُسے ہمیشہ

گرا کر سٹے اس کے متعدد گوشوں کی طرف کئی ایک استے بننا اور ان رختوں کو مڑا کر مینا پر پہلی
تہ سے بند کر دیتا ہے تاکہ اگر کوئی غلطہ پیش آئے۔ تو جس راستہ سے چاہے جلدی ہستہ سے گھومکر
بازرنگ لکھا ہے۔ اور چونکہ اس کا و افکار اچھا نہیں ہوتا۔ اس نے اپنا ایک کسی ٹیٹلے یا چٹان کے پاس
بناتا ہے کہ اگر کہیں قبول جائے تو اس نشانی سے اپنے گھر کو گھونڈھ سکے۔

اور چھتے کو یہ درجہ و درجہ ہے کہ جب وہ غریب موٹا ہو جاتا اور زبانی کی وجہ سے اسے چلنا
پھر نادشوار ہو جاتا ہے۔ تو کسی غار یا کدو میں چھپ کر بیٹھ رہتا اور باہر نہیں نکلتا۔ یہاں تک
کہ جب غذا کے نہ کھاسنے سے وہ فریبی چلی جاتی ہے تب باہر نکلتا ہے۔

اور بارہ سٹلھے کو یہ سمجھ دی ہے کہ جب اس کا سینک ٹوٹ جائے تو وہ ٹھپ ٹھپا کر
گزارہ کرتا اور زیادہ دوڑ دھوپ نہیں کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرا اختیار جاتا رہا ہے۔
دوڑ دھوپ کم کیونکہ سے وہ خوب موٹا تازہ ہو جاتا اور اس کا سینک برابر ہو جاتا ہے۔ اس
کے بعد دھوپ اور ہوا میں ٹھٹھٹا اور دوڑ دھوپ کی درخشش کو بڑھا دیتا ہے۔ کہ وہ موٹا پن
جو دوڑنے سے مارج رہا ہے جاتا ہے اور بدن چست و چالاک ہو جائے۔ کہ ضرورت کے وقت
خوب دوڑ سکے۔

حیوانات کی سوجھ کے متعلق کہاں تک بیان کیا جائے۔ اس باب میں مینا پر سوجھ
اور اس کی نسبت اللہ بجاؤ کا یہ قول کافی ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ
يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمِّرَ أَمَّا لَكُمْ مَا قَرَضْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ فَلْتَذَرُوهُ
وَلْيَحْشَرُوا الْآلَاءَ الْكُبْرَىٰ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُفِّدُوا وَبُكَتُمْ فِي الْعُلَمَاتِ مَنْ
يَشَاءُ اللَّهُ يَفْضِلْهُ وَمَنْ يَفْضِلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (اور جتنے حیوانات
زمین میں (چلتے پھرتے) ہیں اور جتنے پرند اپنے دو پروں پر اڑے اڑے پھرتے ہیں۔
یہ سب بھی تم لوگوں کی مخلوقات ہیں۔ لوح محفوظ میں (سب لکھے ہوئے موجود ہیں)
ہم نے (لکھنے) سے کوئی چیز فرو گذاشت نہیں کی پھر قیامت کے دن سب کے سب اپنے
پروردگار کے حضور میں امامہ کے بجائیں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں (انکی مثال
یسی ہے جیسے اذھیروں میں بہرے اور گنگے ہوتے ہیں۔ خدا جسے چاہے اُسے گمراہ کرے اور
جسے چاہے اُسے راہ راست پر لگاوے اور وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے فرمایا ہے اگر کتنے منہلہ مخلوقات الہی کے ایک مخلوق نہ . . .

ہوتے تو یہ لکھ مار ڈالنے کا حکم دیتا۔ اس حدیث کا مطلب دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ اول یہ کہ آپ نے ایک ناممکن امر سے خبر دی ہو۔ یعنی کئے ایک ایسی مخلوق ہے۔ جو رستے زمین پر بکھرتا ہو۔ پتے۔ اور اسکو بالکل مسموم کر دیتا۔ ایک ناممکن امر ہے۔ اور اگر آٹھ مسموم کر دیتا مکن ہوتا تو اس ان کے مار ڈالنے کا حکم دیتا۔ پس چونکہ اسکا مسموم کرنا ممکن نہیں۔ اسلئے جسے لکھ مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا۔ دوم یہ کہ یہ کلام اس کلام کے مطابق ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر بھی فرمایا کہ تو نے ایک چوٹی کے پتے کے سبب میری ایک ایسی مخلوق کو پیدا دیا ہے۔ جو میری تسبیح کیا کرتی تھی۔ یعنی کہنے بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ جو اس نے کسی حکمت و مصلحت کے لئے بنائی ہے۔ یہی مسکوفا کرنا اللہ کی اس حکمت و مصلحت کے خلاف ہے۔ جسکے لئے یہ پیدائی گئی ہے۔ اللہ علم آپ نے کیا اور کیا

اَلَا اِنَّكُمْ اَنْتُمْ لَكُمْ كِتَابٌ كِی تَفْسِرُ مِیْنُ رِبُو اِیْمَنُ عَطَا اِبْنِ عَبَّاسٍ نَفَرَا یَا هُوَ كَ اَللّٰہِ نَفَرَا
 کا یہ مطلب ہے کہ یہ تمام جانور میری معرفت اور توحید کے قائل اور میری تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ اِنْ قَدْ شِئْنِیْ اَلَا یُسَبِّحُنِیْ بِحَمْدِیْ (اور جتنی چیزیں ہیں سب اس کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح و تقدیس کر رہی ہیں اور فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُہُ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ مَنْ فِی السَّجٰتِ صَافَا تٌ حَمْدًا قَدْ عَلِمَ صَلَاتُہُ وَ کِتَابُہُ اِلٰی مَخَاطِبٍ (اس بات پر نظر نہیں کی کہ جتنی مخلوقات آسمان اور زمین میں ہے (سب) اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں اور پروردگار بھی جو) پھیلایا ہے (اڑتے پھرتے ہیں سب کو اپنی (اپنی) ناز اور اپنی (اپنی) تسبیح و کا طریق معلوم ہے) +

اور اللہ تعالیٰ کا قول اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُہُ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ مِنَ الشَّمْسِ وَ النُّجُومِ وَ الْجِبَالِ وَ الشَّجَرِ وَ الدَّابِّ (اے مخاطب کیا تو نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ جو مخلوق آسمان میں ہے اور جو مخلوق زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چار پائے (سب ہی تو خدا کے آگے سرنگوں ہیں) +

اور اللہ تعالیٰ کا قول وَ لِلّٰہِ یُسَبِّحُہُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنَ الدَّابِّ (اور جتنی چیزیں ہیں آسمان میں اور جتنی زمین میں ایسے جہاندار سب اللہ کے آگے سرسجود میں آتے ہیں) یَا جِبَالُ اَوِّیْ مَعَنَا وَ النُّجُومُ (پہاڑ و تسبیح و تلاوت میں داؤد کے ساتھ انکے جہاں ہمارے)

انسان چاندیوں کو بھی دیا اور دھاتی سرباتی الی الامتنان (اور اسے نہیں رہا ہے پروردگار نے
شہد کی کچھ ہر کے دل میں یہ بات ڈالی اور قائم کیا لکھا القلم (ایک سے چھوٹی) نے کہا
کہ یہ یقیناً اور عیناً منطبق الطائر رحمہ اللہ کی طرف سے ہے پروردگار نے کہا کہ جو بولی
سکھا فی کئی ہے) یہ سب اس مطلب پر دلالت کرتے ہیں :

امثالاً لکھ کی تفسیر میں مجاہد نے کہا ہے کہ یہ مخلوق ہے کہ الگ الگ نام
ہیں جو تمہاری طرح اپنے اپنے نام سے معروف ہیں۔ تمہارے کہ اس کے تمہارے طرح ان کا
بھی حشر و نشر ہو گا۔ بن قتیبہ کا قول ہے کہ یہ بھی تمہاری طرح اپنا رزق اور روزی
تمہارے آتے اور خطرے کی چیزوں سے بچتے ہیں :

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ روئے زمین پر چلتے آدمی ہیں ہر ایک میں بہائم کی
کوئی نہ کوئی صفت پائی جاتی ہے بعض تو شیر کی طرح بہادر ہوتے ہیں۔ اور بعض بھیرے کی
طرح تیز رفتار اور بعض گتے کی طرح جھونکتے اور بعض مور کی طرح ناچتے اور بعض اس بات
میں خشنیر سے مشابہ ہوتے ہیں۔ کہ اگر اس کے سامنے اچھا کھانا رکھا جائے تو اس سے
نفرت کرتا اور جب آدمی کا پانا نہ دیکھتا ہے تو اسے چلٹنے لگتا ہے۔ بعض آدمی بھی ایسی ہم
کے ہوتے ہیں کہ اگر چاس عمدہ باتیں نہیں۔ تو ان میں سے ایک بھی ٹکے گئے سے بچے
ناترے۔ اور نہ کسی کو یاد رکھیں۔ اور اگر کوئی آدمی ایک جھوٹی بات سنا لے۔ تو اس سے
ان کا دل ٹھنڈا ہو جائے اور اسے خوب محفوظ رکھیں :

خطابی کہتے ہیں کہ سفیان نے اس آیت کے یہ بہت عمدہ معنی کئے اور اس سے یہ
عجیب نمک لکھا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب کلام کے ظاہری معنی بن سکیں تو ضرور باطنی معنی
لے جاتے ہیں۔ اور یہاں بھی ظاہری معنی صحیح نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان اور
پرندوں۔ چار پاؤں وغیرہ کے درمیان مماثلت کو بیان فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان
اور دوسرے حیوانات کی خلقت اور صورت میں کوئی مماثلت نہیں۔ اور نہ انسان کی صفت
نطق اور علم کے لحاظ سے ان میں کوئی مماثلت ہے۔ تو ضرور ہوا کہ عادات و اخلاق میں
مماثلت مراد ہو جب یہ ثابت معلوم ہو گئی۔ تو اب یہ سمجھنا چاہئے کہ انسان جن لوگوں کے
بہیمانہ معاشرت اور زندگی بسر کرتا ہے وہ لحاظ اخلاق چار پاؤں اور پرندوں سے مشابہ ہیں تو
ان سے ایسا ہی پکارا اور ان سے برکنار رہے جیسا ان سے بچ کر رہتا ہے۔ انتہی کلامہ۔

اللہ سبحانہ نے بعض جانوروں کو ایسے بنائے ہیں جو اپنی خوراک کمانے میں بڑے مخفی اور حیلہ ساز ہیں اور بعض ایسے بنائے ہیں جو متوکل اور حیلوں سے ناواقف ہیں۔ اور بعض حشرات الارض سال بھر کے لئے اپنی خوراک جمع کر رکھتے ہیں اور بعض جانور اس بات پر متوکل ہوتے ہیں کہ ان کو ہر روز بقدر کفایت معطرہ روزی مل جاتی ہے۔ اور بعض خیر و کار رکھتے ہیں۔ اور بعض سلاطین و رزوی کمانا نہیں جانتے۔ بعض زلیخہ بچوں کی خبر گیری کرتے اور بعض ان کو بچاتے رکھتے ہیں۔ ان میں بعضی مادہ بھی ایسی ہیں۔ جو اپنی معرفت و اولاد کی کفالت و تربیت کرتی ہیں۔ اور بعضی ایسی ہیں کہ بچہ جن کو اس سے پھر کر دیتی اور دوسری کے بچوں کو پالتی ہیں۔ اور بعضی ایسی ہیں کہ برب سچہ خود بخود کھانے پینے لگے۔ تو پھر اسے شناخت بھی نہیں کرتیں۔ اور بعض ہمیشہ اپنے بچے کو بچاتی اور اس سے پیار کرتی رہتی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے بعض حیوانات ایسے بنائے ہیں۔ کہ ان میں ماں کے نہ ہونے سے بچے تیمم و بکیر ہو جاتے ہیں۔ اور بعض میں باپ کے نہ ہونے سے ابو جنس ہر سے کر اولاد کے خواہشمند ہی نہیں ہوتے۔ اور بعض اولاد کی طلب میں پورے کو شاں ہوتے ہیں اور بعض احسان کو بچاتے اور اس کے شکار گزار ہوتے ہیں۔ اور بعض اس بات کو نہیں سمجھتے اور بعض ایسی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو مقدم سمجھتے اور ایثار شعار ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہی ہیں۔ کہ جب انہیں اس قدر بھی خوراک مل جائے جو ان کے ساتھ دوائے تمام اہلے جنس کو کافی ہو۔ مگر کسی کو پاس نہیں بٹھلنے دیتے۔ اور بعض اپنی مادہ سے مخفی کرنے کے بڑے خواہاں اور اکثر وہ اس کام میں مصروف رہتے ہیں اور بعض سال میں صرف ایک دفعہ کرتے ہیں اور بعض صرف اپنے جوڑے سے جنم کرتے ہیں اور بعض کوئی جوڑا نہیں ہوتا وہ ماں بہن خواہ کوئی مادہ ہو اس جنت ہو جاتے ہیں بعض مادہ بھی ایسی ہیں جو صرف اپنے جوڑے کو ملتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو باپ مادہ جنت کے کسی نہیں کہیں بعض طوئیر کو آدمیوں کی الفت و پیار و توجہ سے بعض بچہ انفرنگت ہو کر کھانا کھا کر پیو کر باپ چیزیں کھاتے اور بعضوں کی خوراک گندہ اور ناپاک چیزیں ہوتی ہیں۔ اور بعض بی بی خلی پاک اور ناپاک سب چیزیں کھا لیتے ہیں۔ بعض جانور صرف اس شخص کو ایذا دیتے ہیں جو ان کو ستائے اور بعض ایسے موزی ہیں کہ خواہ ان کو کوئی دستاؤں مگر ہر ایک کو ایذا دیتے ہیں اور بعض ایسے کینہ ور ہوتے ہیں کہ اگر ان کو کوئی ستائے تو اس کو کبھی نہیں بھڑکتے۔ اور موقع ملنے پر اپنا ارمان نکال لیتے ہیں اور بعض بھول جاتے ہیں۔ اور بعض نہایت بردبار

ہوتے ہیں کہ انکو غصہ نہیں آتا۔ اور بیٹھے بنایت۔ غصہ تلک ہوتے ہیں۔ اگر بڑھ جائیں تو ہست شکل سے رہتی ہوتے ہیں۔ اور بعضوں کو کوئی ایسی قوتی امور کا علم و معرفت حاصل ہوتا ہے۔ اکثر ایسا بچہ خیر نہیں۔ اور بعض کو ایسی باتوں کی کوئی خبر نہیں۔ اور بچہ بڑا کام سمجھ سکتے ہیں اور اس سے متفر رہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک۔ اچھا اور برا یکساں ہے۔ بعض سکا۔ بٹے۔ سے جلدی سیکھ جاتے اور بعض دیر سے سیکھتے ہیں۔ اور بعض بالکل نہیں سیکھتے۔

یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ سبحانہ کی ہستی۔ اس کی صفت کی درستی اور اس کی عجیب تدبیر اور طیف حکمت کی بڑی بھاری دلیل ہیں۔ اللہ سبحانہ نے ان میں وہ عجیب علوم و فنی حیلے عمدہ تدبیریں سوچائے اور انکے ذرا دور میں وہ استقلال دیوت رکھا ہے۔ جن کے علوم کرنے سے بے ساختہ زبان سے اللہ کی تسبیح نکلتی ہے اور اس کی معرفت۔ اور حکمت و قدرت کے علم سے دل بھر جاتے ہیں۔ اور اس سے ہر ایک عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ چیزیں بقاء و اور بیکار نہیں بنائی گئیں۔ اللہ سبحانہ کی ہر مخلوق میں ظاہر حکمت۔ کھلم کھلی نشانی اور قطعی دلیل موجود ہے۔ کہ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اور وہی اکیلا تمام کمالات کے ساتھ موصوف ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر اور ہر ایک چیز کو جانتے والا ہے +

فصل۔ اب ہم اپنے اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی اس ہدایت عامہ کو بیان کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت۔ خالقیت کی طرح اس کی ہستی۔ اسماء و صفات اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام پاک میں فرعون کے قول کو نقل فرمایا ہے کہ اس نے یوں کہا کہ اَمَّا اَنْتَ فَاَنْتَ لَنْ تَنْصُرُنِي بِشَيْءٍ اَنْتَ لَنْ تَنْصُرُنِي بِشَيْءٍ اَنْتَ لَنْ تَنْصُرُنِي بِشَيْءٍ (موسیٰ) اَمَّا اَنْتَ فَاَنْتَ لَنْ تَنْصُرُنِي بِشَيْءٍ اَنْتَ لَنْ تَنْصُرُنِي بِشَيْءٍ اَنْتَ لَنْ تَنْصُرُنِي بِشَيْءٍ (موسیٰ نے) کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی (خاص طرح کی) بناوٹ عطا فرمائی ہے۔ پھر اس کو (اُن اغراض خاص کے پورا کرنے کی) راہ دکھائی جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے (حجاء نے) کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو وہ خلقت دی ہے جو دوسری کو نہیں دی۔ مثلاً جو خلقت انسان کو عطا فرمائی ہے وہ چار پائیوں کو نہیں دی۔ اور جو چار پائیوں کو بخشی ہے وہ انسان کو نہیں دی۔ اکثر مفسرین کے اقوال کا خلاصہ یہی ہے۔ علیہ اور مقاتل کا قول ہے کہ ہر ایک چیز کو اس کی صورت عطا فرمائی۔ حسن احمد قاضی

سے یہ بات بالکل صاف معلوم ہوتی ہے کہ اس کو ان معنی پر قبول کرنا صحیح نہیں۔ اخطائی حملہ تبتیہ
 خالق کے ضمایک نے معنی بیان کئے ہیں کہ اچھڑ کو کپڑے۔ پاؤں کو پہننے۔ زبان کو بولنے۔
 آنکھوں کو دیکھنے اور کانوں کو سنانے کی قورینہ اور طاعتی بخشی۔ یعنی ہر ایک عضو میں اس نام کی قور
 رکھ دی جس کے لئے وہ مخلوق بنی۔ از سر مور سنت میں لفظ خلقت بمعنی مخلوق ہو گا۔ اور جو معنی اگر
 بجائے خود صحیح ہیں۔ لیکن آمیت کا ضمون ان سے عام ہے۔ اور جو چیزوں کو بھی شامل ہے اور
 پہلا ہی قول صحیح ہے یعنی یہ نہ اللہ سبحانہ۔ نہ ہر ایک چیز کو۔ نہ اس کے خلقتی بخشی۔ نہ ہر ایک نام کے
 لئے اسے پیدا کیا اس کی سبب عطا فرمائی۔ وہ جو خالق اور دہی آدمی۔ ہوتے۔ اور اس کی پوری
 صفیں یعنی خالق اور مادی ہوتا اس کی ربوبیت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لئے
 موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے ان کو ذکر کیا کہ اللہ سبحانہ کی اور یہ تو ہمہ پرست
 قائم کیا۔ جب فرعون نے سمجھا کہ وہ اس طبعی دلیل کو کسی طرح توڑ نہیں سکا۔ تو اس کے جواب کو
 چھوڑ کر ایک اور فضول سوال پیش کر دیا یعنی تینہ لقا لقا بالانصر وناکان فی الدھر پہلے
 لوگوں کا کیا حال گذرا یعنی اس کا کیا سبب ہے کہ پہلے بھی بہت سے لوگ تمہارے مذہب کی
 ربوبیت کے قابل نہیں سمجھتے۔ اور اس کی پرستش چھوڑ کر بت پرستی کرتے رہے ہیں اگر تمہاری
 بات ٹھیک ہوتی۔ تو پہلے لوگ بھی ضرور اس کے قابل ہوتے اور اسے کبھی نہ چھوڑتے۔
 موسیٰ علیہ السلام نے تو ان آثار پر بہت سے اس کے سامنے استدلال پیش کیا جس سے وہ حیرت
 اور دوسرے تمام آدمی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور اس دشمن خدا نے کافروں۔ کفر اور
 مشرکین کی شرک کو پیش کر کے ان سے حارصہ کیا۔ ہر ایک جھوٹے کا یہی شیوہ ہے۔ بلکہ فرعون
 کے ہم غیاں لوگوں نے حق و باطل کی تمیز و شناخت کی یہی میزان ٹھیک رہی ہے کہ انبیاء علیہم
 السلام کے مخصوص کارنامہ محمدین۔ فلاسفہ۔ دہریہ۔ مجاہدوں۔ مبتدعین اور گمراہ لوگوں
 کے اقوال سے مقابلہ کرتے اور پھر ان کو ان کے مخصوص پر ترجیح دیتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے
 اس کے باطل حارصہ کا کس خوبی سے جواب دیا۔ فرمایا علیہا یعدتہ سرتی فی کتاب۔
 لان کاظم میرے پروردگار کے یہاں کتاب میں لکھا ہوا موجود ہے یعنی گذشتہ لوگوں کے اعمال
 اور ان کا کفر و شرک میرے پروردگار کو سب معلوم ہے اس نے ایک کتاب میں لکھ رکھا ہے اور
 اس نے نہیں لکھ رکھا کہ وہ مجھ کو جانتا ہے۔ بلکہ اس نے ان کو قیامت کے دن اس کی سزا د
 بدل دیگا۔ اس معنی کے بناء پر کتاب نامہ اعمال اور ہو گا۔ اور غلطی سمجھتے ہیں کہ کتاب

سے روح محفوظ ملا رہے اور اس بنا پر اعمال وغیرہ کے لکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ سبحانہ نے تقدیر سابق میں سب کچھ لکھ دیا۔ اور ان کے اعمال کے وقوع سے پہلے وہ ان سب امور کو جانتا ہے۔
قصہ اول - اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں اکثر جگہ خلق اور ہدایت کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے چنانچہ اُس سورہ میں جو سب سے پہلے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے فرمایا ہے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي
 الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ فَابْنُ الْكَوْمِ وَالْكَافِي
 عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (سورہ نملہ) قرآن جو تم پر وقتاً فوقتاً نازل ہوگا اُس کو اپنے پروردگار کا نام لیکر پڑھ چلو جس نے مخلوقات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو گویا شب کے پتھر سے بے بسایا (قرآن) پڑھ چلو اور (خدا پر بھروسہ رکھو کہ تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے آدمی کو) قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اُس نے (وحی کے ذریعے سے بھی) انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اُس کو معلوم نہ تھیں)۔

اور سورہ الرحمن میں فرمایا ہے الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (خدا ہے) رحمن ہی نے قرآن پڑھایا اُسی نے انسان کو پید کیا۔ پھر اُس کو بونا سکھایا اور نیز فرمایا ہے أَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلَيْسَا نَا وَنُفْثَيْنِ وَهَدَىٰ نَهْلَهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا أُفْكَكُ الْعُقَبَاءَ (کیا ہم نے اُس کو) (ایک چھوڑ دو) آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹیں دیں (بیشک) دیں اور اُس کو (نیکی اور بدی کے) دو درختے بھی دکھائی دیے۔ پھر ابھی وہ ان نعمتوں کے شکر میں گھائی سے ہو کر نہ نکلا)۔

وقال تَبٰرَكَ اَنَا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشٰجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَا كَامِيزًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنَاكَ السَّبِيْلَ اِنَّا شَاكِرًا وَاِمَّا كَفُوْا لَئِيْنَّا لَكٰفُوْرًا (ہم نے آدمی کو مرکبِ نطفے سے پیدا کیا (اور غرض یہ تھی) کہ اُس کی نیکی بدی کو آزمائیں۔ پھر اسی سے ہم نے اس کو سنتا دیکھا (مخلوق) بنایا۔ (پھر ہم نے) اُس کو دین کا راستہ بھی دکھایا (پھر اب وہ) رسم کے آدمی ہیں یا تو شکر گزار ہیں یعنی مسلمان یا ناشکر یعنی کافر)۔

وقال تَبٰرَكَ اَنَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلْ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا بِهِ حَبًّا اَوْ ثَقْبًا لَّهْجَةً الْاٰيَاتِ (بھلا آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا اور کس نے تم لوگوں کے لئے کس نے) پانی برسا یا (ہم ہی نے برسا یا) پھر پانی کے ذریعے سے ہم نے گیہوں نے خوشناباغ اگائے) آخر آیات تک +

اَتَمَّ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّيْلٍ مُّبِينٍ (بھلاؤ کون رہے جو تم نہ تون کو خشکی
اور نہ ہی کی تاریکیوں میں راہ دکھائے) +

خلق سے وجود خارجی اور ہدایت سے وجود علمی۔ ذہنی عطا فرمانا سرا ہے۔ خلق اور
ہدایت و تعلیم کا یہی مطلب ہے +

فصل میں مراتب ہدایت میں۔ سے دوسرے مرتبہ یعنی ہدایت ارشاد و تعلیم کا بیان یہ ہدایت
نہ امر مستطین یعنی جن و انس کے لئے ہے اور یہ اگرچہ ہدایت پانے اور حق کی پیروی کرنے کی
شرط یا ذریعہ ہے مگر اس بات کو مستلزم نہیں کہ جن کو ہدایت کی جائے انکو ضرور توفیق خیر حاصل
ہو۔ اور وہ حق کے مستحق ہو جائیں۔ بلکہ اس اوقات ایسا ہوا ہے۔ کہ جن لوگوں کے سامنے بیان و
اظهار حق کیا گیا وہ اتباع حق سے باز رہے۔ اور اس کی وجہ یہی یا تو اظہار حق میں کچھ کمی ہو یا
وہاں کوئی اور مان موجود ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ اَمَّا شِمُودُ فَاُفٍّ اَنَّهُ سَمِرَ
فَاَسْتَجَبْنَا لِنَادِيهِ (اور ہے شموہ تو ہم نے اُن کو سیدھا، رستہ دکھایا تھا مگر انہوں
نے بدھارستہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی) +

اور مقام میں فرمایا ہے وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى سَمِعُوْا
لَهٗمَّ مَا يَتَّقُوْنَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دے تبھی گمراہ کر دے
اور وقتیکہ اُن کو وہ چیزیں نہ بتائے جن سے وہ بچتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے اُن پر پہلے
احکام ظاہر فرمائے اور نیک و بد سب کچھ بتلادیا مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور راہ راست پر نہ آئے
اس لئے انہیں یہ سزا دی کہ اُن کو راہ حق سے دور ڈال دیا۔ کیونکہ وہ پہلے ویدہ و انتہا سے
منکر ہو گئے۔ اور ہر ایک قوم میں عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انکو
کوئی نعمت عطا فرمائے اور وہ اس کی قدر شناسی نہ کریں تو اللہ تعالیٰ وہ نعمت جو انکے فیض
حصے میں تھی اُن سے سلب کر لیتا ہے +

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ذٰلِكَ يَآتِ اللهُ لَكُمْ يٰۤاَكْفَرُ اِنَّهٗ يَكْفُرُ عَنْكُمْ
قَوْمٌ حٰثِيٌ يُغَيِّرُ وَاَمَّا يٰۤاَنفُسُہٗمْ (یہ سزا اُن لوگوں کو) اس وجہ سے دی گئی کہ جو نعمت خدا
نے کسی قوم کو دی ہو جب تک وہ لوگ آپ ہی اپنی مصلحت کو نہ بدلیں خدا کی عادت) نہیں کہ
(اُس میں کچھ) رد و بدل کرے) +

اور اللہ تعالیٰ نے فرعون کی قوم کی نسبت فرمایا ہے وَجَعَلْنَا دَابَّكُمُوهٗمْ

اِنَّهُ مُدْرِ قَلَمًا وَحَمْلًا (اور باوجود کمال کے دل ان معجزوں کا یقین کر چکے تھے کہ انہوں نے ہیکڑی کوشیخی کے سامنے من کو نہ مانا یعنی اللہ کی آیات کی صحت کا یقین جو سنے کے بعد ان سے منکر ہو گئے) ۴

ایک اور مقام میں فرمایا ہے کَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ مَنَ كَفَرَ وَابْعَدَ اِيْمَانِهٖ وَنَهَىٰ قَادَةَ الرَّسُولِ حَتَّىٰ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (اے ایسے لوگوں کو کیوں ہدایت دیتے ہو کہ جو کفر سے پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لائے پیچھے لے کر گئے اور وہ اقرار کر چکے تھے کہ پیغمبر آخر الزمان کا آیا، برحق ہے۔ اور ان کے پاس راہ کے کھلے ثبوت بھی آچکے اور اللہ (ایسے) ہٹ دھرم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا رہا) ۵

اور یہی ہدایت نبی ارشاد و تعظیم رسولوں کا کام ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے : اِنَّكَ اَنْتَ اِلٰهِي اِلٰهِي مَرْتَبَةً مُّتَعَدِّدَةً (اے پیغمبر! اس میں شکر نہیں کہ تم دو لوگوں کو) سیدھا ہی رستہ دکھاتے ہو) ۶

اپنے رسول کی نسبت فرمایا ہے اور اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَشَاءُ (اے پیغمبر! اپنی خواہش کے مطابق) تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے اس میں اس ہدایت کی نفی فرمائی ہے جو مستلزم توفیق ہو یعنی اس سے ہدایت پانا ضروری ہو۔ اور اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف مبلغ و پیغام رساں (اور داعی الحق کی طرف بلا نبی) بنا کر بھیجا ہے۔ ہدایت مکرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ارشاد شیطان کو مراء کرنے اور لوگوں کی نظروں میں مجھے کام اچھے کر دکھانے کے لئے مقرر کیا ہے ورنہ مگر ابھی کچھ اس کے ہاتھ میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : وَاللَّهُ يُدْخِلُكَ رَحْمَةً سَلَامًا وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر یعنی بہشت کی طرف بلاتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے) ۷

اس آیت میں اللہ سبحانہ نے ہدایت عامہ و خاصہ دو نو کو جمع فرمایا ہے۔ ہدایت عامہ سے ان جن پر اپنی حق کو قائم اور اپنے عدل کو ظاہر فرمایا۔ اور ہدایت خاصہ سے اپنے نبی و پیغمبروں پر ہمت و فضل کا مہر برسا یا۔ اور ہدایت کا یہ دو امر تو اس مرتبے سے خاص ہے جو کہ ان فیصل سے پہلے متعدد فضول میں مباین ہو چکا ہے۔ اور یہ ہدایت متکلفین کے ساتھ خاص اور مخلوق

۱۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اس حجت کے قائم کرنے سے پہلے وہ کسی کو عذاب نہیں فرماتا چنانچہ فرمایا ہے وَمَا كُنَّا نَعِدُّ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّىٰ تَبْلُغَ سُرْمُوكَ (اور جب تک ہم رسول بھیج کر تمام حجت نہ کر لیں کسی کو اس کے گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے) *

اور نیز فرمایا ہے مُسَلِّمًا لِّمَنْ يُشِيعُ وَمُسْتَذِرِّينَ لِيَلَا يَكُونُوا يَلْتَابِسَ حُجَّتَهُ بَعْدَ الرُّسُلِ (یہ سب پیغمبر نیکیوں کو حجت کی خوشخبری دینے والے اور اباؤں کو عذاب خدا سے ڈرانے والے تھے) تاکہ پیغمبروں کے (آئے) پیچھے لوگوں کو خدا پر کسی طرح کا اچھڑا (الزام رکھنے کا موقع باقی نہ رہے) *

وَقَالَ تَعَالَىٰ اَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يُحْسِنُ ثِيَّ عَلَىٰ مَا ذَرَّبْتُ فِي حَنْبِ اللَّهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّآخِرِينَ اَوْ تَقُولَ لَوْ اَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُهْتَدِينَ (کہیں آپ نہ ہو کہ آخر کار تم میں سے کوئی کہنے لگے کہ اے فوس! میری اس کوتاہی پر جو میں نے پاس خدا (مٹھو) رکھنے ہیں کی اور میں تو (ان باتوں پر ہنستا ہی ہوں۔ یا لگے کہنے کہ اگر خدا مجھ کو دیکھا ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا) *

وَقَالَ تَعَالَىٰ نَعْلَمَا اَلْفِي فِيْهَا فَوَجَّحَ سَالِمُهُمْ خَزَنَتُنَا اَلَمْ يَأْنِيْكُمْ كَذٰلِكَ قَالُوْا اِنَّا قَدْ جَاءَنَا نَذِيْرٌ فَكُنَّا بَنًا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ (جب اس میں (کافروں کا) کوئی گردہ ڈالا جائیگا تو جو (فرشتے) اس پر تعینات ہیں ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس (عذاب خدا سے) ڈرانے والا (کوئی پیغمبر) نہیں آیا۔ وہ کہیں گے۔ ہاں ڈرانے والا تو ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے اس کو جھٹلایا اور کہا کہ خدا نے تو (کتاب وغیرہ) کوئی چیز اتاری نہیں بلاشبہ تم (اور تمہارے پیرو سب کے سب) بڑے غلطی میں ہو) *

اگر کوئی پیشہ پیش کرے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مخلوق پر کیسے قائم ہو سکتی ہے حالانکہ خود اسی نے ان کو ہدایت سے باز رکھا اور ان کے اور ہدایت کے درمیان حائل ڈال دیا ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مخلوق پر ایسے قائم ہو گئی کہ اس نے ان کے اور ہدایت یعنی انبیاء علیہم السلام کے ارشاد و بیان حق اور راہ نمائی کے درمیان سے سب مانع اٹھا دیے۔ یہاں تک کہ انہیں نہ راہ حق و صواب کو گویا آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور ہدایت کے ظاہری اور باطنی سب اسباب ان کے لئے مہیا کر دیے۔ اور ان کے اور ان اسباب کے درمیان کسی قسم کی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رکھی۔ البتہ جن لوگوں کو کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیش آئی۔ مثلاً کسی کو

پوری طرح عقل نہیں ملی۔ مجنون اور دیوانہ ہو گیا یا کوئی بچپن میں مر گیا یا کسی شخص نے اسی جگہ زندگی بسر کی جہاں انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور منادی نہیں پہنچی۔ تو ان کو ان پر حجت قائم کر سنے سے پہلے عذاب نہ فرمایا گیا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے خارق کو ہدایت پانے سے مانع اور حال نہیں ہوا۔ اُن سے اپنی توفیق و اعانت کو ہٹا رکھا اور اُن کے دلوں کو ہدایت کی طرف اٹل نہ فرمایا۔ سو وہ مخلوق اور اُس بات کے درمیان جو ان کی قدرت میں ہے حائل نہیں ہوا۔ گو ان کے اور اُس چیز کے درمیان جو ان کی قدرت سے باہر ہے یعنی اپنے فعل مثبت اور توفیق کے درمیان حائل ہو گیا۔ سو یہ تو اُن کی قدرت ہی میں نہیں اور اللہ نے اُسی کو ان سے ہٹا رکھا۔ اور اُن کے درمیان اور اس نعمت کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس مقام میں غور کرنا اور اس تحقیق کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔ واللہ المستعان *

فصل۔ ہدایت کے مراتب میں سے تیسرے مرتبہ کے بیان میں یہ ہدایت یعنی توفیق والہام اور ہدایت پانے والے کے دل میں ایسی مشیت دارا وہ پیدا کرنے کی ہے۔ جس سے وہ افعال خیر کو ضرور کرنے لگے۔ اور یہ مرتبہ مذکورہ بالا مرتبہ ہدایت سے خاص ہے۔ اور قدر پلہ سی کے انکار سے گراہ سمجھے۔ اور سلف صالحین اہل سنت ہر زمانے میں اُنکی تردید پر کمر بستہ ہے۔ اور جبریہ نے ان کے بظلاف یہ کہجے۔ وہی اختیار کی۔ کہ وہ اسباب۔ قوی۔ بندے کے فعل قدرت اور فعل میں اس کے اثر کے بالکل منکر ہو گئے۔ اور کہا ہی میں چاہا۔ قدم آگے بڑھ گئے۔ جھوٹے لوگوں کا یہی دستور ہے۔ کہ جب کسی دوسرے جھوٹے کی تردید و مخالفت کرتے ہیں۔ تو اُس کے مقابل خود جھوٹی اور باطل باتیں گھڑھتے ہیں جیسے کوئی نصرانی بیوہ کی تردید کرے اور اُسے تثلیث صلیب پرستی۔ اور یہ سکھائے کہ مسیح علیہ السلام متقل خدا ہیں۔ اللہ کے مخلوق نہیں وغیرہ لک۔ اپنے باطل عقائد بتلائے۔ ہدایت کے اس مرتبے میں دو باتیں ضروری ہیں ایک اللہ تعالیٰ کا فعل یعنی ہدایت کرنا۔ دوسرا سمجھنے کا فعل یعنی ہدایت پانا۔ جو اللہ سبحانہ کے فعل کا اثر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہدایت کرنے والا اور بندہ ہدایت پانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (جس کو خدا ہدایت دے وہی راہِ راست پر ہے) چونکہ اثر اُسی وقت پایا جاتا ہے جب موثر تام موجود ہو لہذا اگر اللہ سبحانہ کا فعل موجود نہ ہو گا تو بندے کے فعل کا وجود ہرگز ممکن نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ خَيْرَ مَن عَلَىٰ هَذِهِ بِهٖ حَيَاتٍ اللّٰهُ لَا يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ (اِسے خیر اگم کو ان لوگوں کے

بایں کسے کہ وہ سید مرتضیٰ ہے

وَقَالَ تِلْكَ آيَاتُ الْكُفْرِ الَّتِي كُفِّرَتْ عَنْ قُلُوبِهِمْ لَعَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ
(تو کیا دیکھی؟ ایسا نور بھی نہیں آیا کہ اگر خدا چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کرتا) +

وَقَالَ قَتْلُ قَوْمٍ فِي حَرْبٍ إِنَّ يَدَيْ يَدَيَّ إِشْرَاجُ صَبَدٍ مَرَّةً لِلدِّسْلَامِ وَمَنْ يَرِدْ
 أَنْ يُضَيِّعَهُ يَجْعَلُ نَسْلَهُ فِي بَيْتِهِمْ نَسْلًا يَدْعُوهُ فِي السَّمَاءِ (تو جس شخص کو
 خدا چاہتا ہے کہ اسے اور وارث دے گا، اس کے سپینے کو رہتوں، اسلام کے شے کھول
 دیتا ہے (اور جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اسے اور کرے تو اس کے سپینے کو تنگ اور بچھا
 ہو کر دیتا ہے گویا اس کو آسمان پر چڑھنا پڑتا ہے) ۱۰

اور از چہ جنت کے قول کو بیان فرمایا ہے کہ وہ اسی طرح کہینگے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ
ہَدَانَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنُؤْتِیْہِٗٓ اِنْ ہَدَانَا لِلّٰہِ لَوْلَا اَنْ ہَدَانَا لِلّٰہِ لَکَانَ شَرًّا مِّنْ ہٰذَا
اس وجہ شرف میں آنے کا رستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم دسی طرح چہ جنت
کا رستہ ڈھونڈ سکتے نہ ہوتے۔

بلجست کے قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض ہدایت اللہ تو سنے کی طرف متوجہ
اور بعض خود اختیار میں تھی۔ بلکہ سب کی سب ہدایت اللہ تو سنے کی طرف سے ہے۔
اگر وہ ہدایت فرماتا۔ تو وہ کبھی ہدایت یا پ نہ ہوتے +

[illegible]

وقال الله تعالى وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومهم ليبين لهم قصص الله عز وجل ويصدق من ينشأه كقول العزيز الحكيم (اور جب کبھی تم نے کوئی پیغمبر بھیجا تو اس کو اسی کی قوم کی زبان میں ربات چیت کرتا ہوا بھیجا تاکہ وہ ان کو (اچھی طرح) سمجھا سکے اس پر بھی خدا جس کو چاہتا کرے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زیر دست

اور حکمت والا ہے) +

وَقَالَ تَعَالَى وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا
الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَن هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَن حَقَّتْ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّ
ہم ہر ایک امت میں (کوئی نہ کوئی) پیغمبر اس بات کے بھانے کے لئے بھیجتے رہے ہیں کہ
(لوگو! خدا کی عبادت کرو اور شیطان، شرک، رے، لغو، سے بچتے رہو تو ان میں سے بعض
کو تو خود نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض (کے سر) پر گمراہی سوار ہوئی) +

وَقَالَ تَعَالَى يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا يَا لِقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
فِي الْأَخْيَارِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ (جو لوگ ایمان لائے ہیں
اُن کو کئی بات (یعنی کلمہ توحید) کی برکت سے اللہ دنیا میں بھی (ایمان پر) ثابت (قدم) رکھتا
ہے اور آخرت میں بھی (ثابت قدم رکھیں گے) یعنی سوالی و جواب کے وقت ان کو کسی طرح کی لغزش
نہ ہوگی) اور اللہ نافرمان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے کہ گمراہ کر دیتا ہے) +

وَقَالَ تَعَالَى كَذَآلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ وَمَا
يَعْتَصِدُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (لے پیغمبر! یہی (تو) خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے
اور جس کو چاہتا ہے راہ راست دکھاتا ہے اور تمہارے پروردگار (کی مخلوقات) کے شکلوں کا
حال اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا) +

وَقَالَ تَعَالَى يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ سُبُلَ السَّلَامِ وَحُجِّي جِهَنَّمَ
مِنَ الظَّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ تَهْتَدُ يَهْدِي اللَّهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (جو لوگ خدا تعالیٰ
کی رضا مندی کے طلب گار ہیں۔ اُن کو اللہ قرآن کے فیصلے سے سلامتی کے رستے دکھاتا ہے اور
اپنے فضل و کرم سے اُن کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے اور
اُن کو راہ راست دکھاتا ہے) +

وَقَالَ تَعَالَى يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ سُبُلَ السَّلَامِ وَحُجِّي جِهَنَّمَ
مِنَ الظَّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ تَهْتَدُ يَهْدِي اللَّهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (جو لوگ خدا تعالیٰ
کی رضا مندی کے طلب گار ہیں۔ اُن کو اللہ قرآن کے فیصلے سے سلامتی کے رستے دکھاتا ہے اور
اپنے فضل و کرم سے اُن کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے اور
اُن کو راہ راست دکھاتا ہے) +

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر روز پانچ نمازوں میں صراطِ مستقیم
کی ہدایت کا اسرار سے سوال کریں۔ یہ سوال صراطِ مستقیم کی ہدایت اور اس کی طرف ہدایت

دو نہ صورتوں کو شامل ہے کہ جس طرح کہ گمراہی دو قسم یعنی ایک راستے سے دوسرے ہونا بالکل اسکو
 نہ پہچانتا دوسرا راستہ بھول جانا یعنی اُس کی پوری کیفیت سے واقف نہ ہونا۔ اسی طرح بدایت
 بھی دو قسم ہے۔ ہمارے اشتاؤ نے کہا ہے چونکہ بندہ برمال میں نام اور میں جن کو کرنا یا جن
 کو چھوڑنا ہے اس پر ہدایت کا محتاج ہے یعنی ایسے کاموں میں جن کو بغیر ہدایت خداوندی
 نہ کر سکتا ہے تو بہ کا محتاج اور ایسے امور میں جن کے اصل کی طرف تو اسے ہدایت ہوتی ہے
 لیکن انکی تفصیل کی ہدایت سے محروم ہے یا اسے بعض وجہ سے ہدایت حاصل ہوتی۔ اور
 بعض وجہ سے پہل میں ہوتی۔ پورے دہے کی ہدایت کا محتاج ہے تاکہ اس کی ہدایت کمال
 کو پہنچے۔ اور بعض امور ایسے کہ اُن کی نسبت اسے یہ ضرورت ہے کہ ان کے متعلق آئندہ زمانے
 میں اسے ویسی ہی ہدایت نہیہ ب ہو جیسی گذشتہ زمانے میں نصیب ہوتی تھی۔ اور بعض امور
 ایسے ہیں کہ جن کی نسبت ابھی تک اس کا کوئی عقیدہ قائم نہ ہوا۔ اُن کے متعلق اسے یہ ضرورت
 ہے کہ اُن کی ہدایت صحیح عقیدے کی طرف ہدایت ہو اور کئی کام ایسے ہیں جو ابھی تک اُس
 نے کئے ہی نہیں۔ اُن کے متعلق یہ ضرورت ہے کہ اُن کو مطابق ہدایت لائی کرے۔ اس کے
 سوا ہدایت کی کئی صورتیں ہیں۔ اور بندہ اُن کا محتاج ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے
 اُس پر فرض کر دیا ہے کہ وہ اپنی بہترین حالت یعنی نماز کے اندر ہر روز کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ سے
 ہدایت کا سوال کرے۔ انتہی کلام ہے۔ اور جب تک رستے کی طرف اور رستے کے بیچ بدایت
 حاصل نہ ہو۔ آدمی منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ آدمی منزل مقصود
 کا استہانتہ جانتا ہو لیکن اُس کی پوری کیفیت اور اس بات سے ناواقف ہو کہ اُس میں کس
 طرح اور کس وقت چل سکتا ہے۔ اور وہاں چلنے کے لئے کیا کچھ زاد اور خرچ درکار ہے۔ اور
 اس میں کیا کیا مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ اسی لئے ابن عباسؓ نے یٰکُلِّ جَعَلْنَا مَشْکَدَ مِثْرَ عِلَّةٍ
 وَمِثْقَالَ جَاہِمٍ نے (وقتاً فوقتاً) تم میں سے ہر ایک (ذوق) کے لئے ایک شریعت تعبیراتی اور
 طریقہ (انما) میں لفظ شریعت اور منہاج کی تفسیر سبیل اور سنت سے کی ہے ابن عباسؓ کے
 قول کا مطلب یہ ہے کہ منہاج یعنی سبیل سے مراد رستہ شریعت یعنی سنت سے اُس کا فراز و
 نشیب۔ اُس کی تکالیف اور اُس میں چلنے کی کیفیت اور اوقات مراد ہیں۔

فصل۔ اللہ سبحانہ کا یہ بیان فرمانا۔ کہ اُس نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور
 اُن کو حق کے سمجھنے سے بہرہ اور انکی آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے اندھا کر دیا ہے مگر خدا

ضمیمہ کا مشتبہ چنانچہ فرمایا۔ بے اللہ الذین کفروا سواہ علیہمہ آندرتھمہ آندرتھمہ
تُنْزِلُ رَحْمَتَنَا رِجَالًا مِّنْ مِّنْهُمْ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ (اے پیغمبر) جن
لوگوں نے (قبولِ اسلام سے) انکار کیا ان کے حق میں کیساں ہیں کہ تم ان کو نذابِ الہی سے
ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ ان کے دلوں پر ان کے کانوں پر اللہ نے مہر
لگا دی ہے (لفظ علی اسمعہم پڑھتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے۔ وَعَلَى ابْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ
(اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے) چنانچہ اور مقام میں فرمایا ہے اَفْرَأَيْتَ مَنِ اخْتَذَ
الْهَدْيَ هَؤُلَاءِ رَاٰهُمْ يَوْمَئِذٍ يَخْلَعُونَ عَلَىٰ اُذُنِهِمْ فَتَسْمِعُ لَهُمْ وَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ
غِشَاوَةٌ (اے پیغمبر) بھلا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے اپنی خواہش نفسانی کو
اپنا محبوب بنا رکھا ہے اور علم ہوتے ساتے اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا ہے اور اس کے
کانوں پر اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے) وقال
تَعَالٰی وَتَوَلَّوْا لِهَيْمٍ قُلُوبُكُمْ بَنَاطِلٌ بَلَّ طَلْحٌ اَللّٰهُ سَيَكْفِيْكُمْ هَيْمٌ (اور نیز ان کے اس کہنے
کی وجہ سے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں (اور کسی کی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی محفوظ نہیں) بلکہ ان
کے کفر کی وجہ سے خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے) وقال تَعَالٰی كَذٰلِكَ يَفْتِنُ
اَللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِيْنَ (کافروں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر لگا دیا کرتا
ہے) وقال تَعَالٰی كَذٰلِكَ يَفْتِنُ اَللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُتَعَتِّيْنَ (ان لوگوں کے دلوں پر
جو عجب ویت سے قدم باہر رکھتے ہیں خدا اسی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے) وقال تَعَالٰی وَ
كُتِبَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَتَذَكَّرُوْنَ (اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں تو یہ لوگ
نصیحت کی بات سننے ہی نہیں) اللہ سبحانہ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے۔ کہ بعض دلوں پر
ایسے قفل لگے ہیں جو ان کو ہدایت کے داخل ہونے کے لئے کبھی کھلنے نہیں دیتے چنانچہ
فرمایا ہے۔ قُلْ هُوَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَشَفَاعَةُ الْغَايِبِ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْ اٰذَا رَٰهُمْ
وَقَرُّا وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے
لئے تو یہ (قرآن سزتا پناہ دیت اور راضی ردعانی یعنی شرک و بد اخلاقی کی) شفا ہے اور جو
ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں (کے حق) میں گرائی اور جو اُمّی آنکھوں (کے حق) میں نابینائی ہے
یہ بہرہ بین اور نابینائی ان کو ہدایت اور شفا پانے سے مانع ہو گئی ہے۔ وقال تَعَالٰی وَجَعَلْنَا
عَلٰی قُلُوبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْ اٰذَا رَٰهُمْ كَذٰلِكَ (اور ان کے دلوں پر ہم نے

مخلت نوریت دھرتی کے اپنے ڈال دئے ہیں اور انکے کانوں میں ٹیٹ تاکہ تماری بات نہ سمجھ سکیں) وقال تعالى وَكَذَلِكَ يَتَّبِعُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اُس کو بھلی کر دکھائی گئی تھیں اور اس کو راہ راست سے روک دیا گیا تھا) کوئیوں نے لفظ صد کو زین پر قیاس کر کے بضم صاد پڑھا ہے۔ وقال تعالى اِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا) اُن کا کذاب (اور بیشاک جو شخص حد سے بڑا ہوا زادہ جھوٹا ہو خدا اُس کو (دنیا) ہدایت نہیں دیا کرتا) وقال تعالى وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت بمعنی بیان و ارشاد کو جسے اپنے بندوں پر حجت ٹھہرایا ہے نفی نہیں فرمایا۔

فرقہ قدر یہ ان سب آیات کو منتشر قرار دیتے اور ان کے ایسے معنی ٹھہرتے ہیں جو بالکل قطعاً غلط اور ارادہ منکمل کے خلاف ہیں۔ بعضے کہتے ہیں۔ ان آیات کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کو ہدایت یاب یا گمراہ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ پس اُنکے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہدایت کرنے اور ضلال کرنے سے مراد ہے کہ ہدایت یاب یا گمراہ کے نام سے موسوم کرنا۔ ان آیات کو اس معنی پر محمول کرنا یقیناً صحیح نہیں اور نہ یہی بذات سے ثابت ہوتا ہے۔ سب کوئی شخص کسی نام سے موسوم نہ ہو سکتا ہے۔ تو کیا یہ کہ صحیحہ۔ مسکتا ہے کہ اس شخص نے کسی کو حانا یا مجلس سے ہرگز نہیں۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کے قول دیتے۔ عَلَيْكَ هَذَا فَهَذَا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَقْضِي مَوْتَ نَبَاؤُہ۔ (پہنچے ان لوگوں کو) راہ راست پر۔ لانا تھا سے دئے نہیں۔ بلکہ اللہ ہی کو چاہتا ہے راہ راست پر لانا جو اس طرح درست ہو سکتے ہیں قدر کے سوا کسی ایک کے معنی نہیں سمجھ کر لے جو صلعم تکفیر نہیں ہے کہ آپ کو متنبہ ہدایت یا گمراہ کے نام سے موسوم کریں بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہدایت یاب یا گمراہ کے نام سے موسوم کرنا۔ لاکھدی میں احببت۔ واللہ خبر تہی تو مشرک علیہا جب ہدایت نہیں کر سکتے اسے کس معنی میں سمجھ کر آپ کو چاہتے ہیں کسی نام سے موسوم کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا نام مستحق درود و عطا ہا۔ تَالْفَرَّاطِ الْمُسْتَجِیْمِ اور اَللّٰهُمَّ اِهْدِنِي صِرَاطَكَ وَخَيْرًا۔ (یہ سب جملوں کا کسی نے یہی نہیں سمجھا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کے نام سے موسوم فرمایا۔ فرقہ قدر یہ قرآن کریم پر ایسی ہی دست درازی کی ہے (یعنی ایسے ایسے غلط معنی فراہم کر کے) جس میں جہیہ نے نصوص صفحات باری نقل کر دیے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ہر قسم کی ہر قسم کی تاویلین کر کے ان کے معانی بالکل بدل دیے۔ اور زیادہ اذہم محمدین کے لئے تاویل تحریف کا دروازہ کھول دیا ہے۔ انہوں نے نصوص حاد کے وہ معنی گھڑے جو انکی تاویلات بالغلطی سے کچھ کم نہیں اور

اُن سے فرقہ قراصلہ اور باطنیہ نے امر نبی کے نصوص کی تاویل کا سیت سیکھ لیا۔ ان فریق باطل کی من گھڑت تاویلیں بگڑے خریف نصوص و تائیلوں کی خرابی اور جہاں کی بربادی کی جڑ ہے فرقہ قدر یہ جمیہ رافضیہ کی تاویلات باطلہ اور نمبرین و زمانہ قریبی قراصلہ و باطنیہ وغیرہ کی تاویلات ناسرہ کے زیر بیان کچھ بڑا فرق نہیں۔ تاویل باطل اختیار کرنے والوں کا مطلب ہے کہ کلام الہی و حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیکار ٹھہریں۔ اور اللہ و رسول پر یافتہ باندھتے ہیں۔ کہ انہوں نے فلاں معنی جو اُن کے زعم باطل میں صحیح ہوں، ارادہ کئے ہیں۔ حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دیتے ہیں۔ اللہ و رسول کی طرف سے ایسی واهیات باقی نسبت کرتے ہیں۔ جو اُن کے شان سے پیدا ہیں مستلاً کہتے ہیں کہ اللہ و رسول نے اس مطلب کو مخفی رکھا۔ اس کو صاف طور پر بیان نہیں فرمایا اور اُن کی تسلاں کلام چوٹی اور حیثیت ان کی طرز پر ہے اور ساتھ ہی یہ جھوٹا دعوے کہ فلاں معنی ارادہ کئے ہیں۔ تاویل کر لیا کہ اسے کو سند و دلیل امور و شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی منقو و ہو تو تاویل درست نہیں۔ اول یہ کہ لفظ اُس معنی کا صالح ہو جس کو وہ ارادہ کرنا چاہتا ہے۔ دوم یہ کہ متکلم نے اپنے کلام کے اکثر مواقع میں اُس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہو۔ گو اس معنی کے سوا دوسرے معنوں میں بھی اس کا استعمال ثابت ہو۔ تاکہ جہاں وہم معنوں کا احتمال ہو متکلم کے استعمال کے قریب سے ایک معنی کی تعیین ہو سکے۔ سوم یہ کہ تاویل کرنے والا ایسی دلیل قائم کرے کہ لفظ کے ظاہری اور حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی ارادہ کرنے کا کیا موجب ہے اور وہ دلیل ایسی ہو کہ کوئی دوسری دلیل اُس کی معارض نہ ہو۔ اگر یہ باتیں نہ پائی جائیں تو نصوص کی تاویل کرنا محض زانی دعوئے ہے جو قابل سماعت نہیں بعض قدر یہ نے ان نصوص کی یہ تاویل کی ہے۔ کہ یہاں ہدایت بمعنی بیان و ارشاد و تعلیم ہے۔ بندے کے دل میں ہدایت پیدا کرنا مراد نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اللہ سبحانہ اس بات پر مت اور نہیں ہے۔ انکی یہ تاویل نہایت باطل اور بالکل غلط ہے۔ اللہ سبحانہ نے بتلادیا ہے کہ اُس نے ہدایت عباد کے دو قسم ٹھہرائے ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو اُس پر قدرت نہیں۔ اور دوسرا قسم بندوں کی قدرت و اختیار میں ہے۔ اور اسی قسم کی نسبت فرمایا ہے **وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** اور پہلے قسم کی نسبت فرمایا ہے **إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ** اور نیز فرمایا ہے **وَمَنْ يَضِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ** اور ظاہر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے سوا انبیاء علماء وغیرہ ہدایت بمعنی بیان و ارشاد کرتے ہیں۔ اور اُس کی نفی اُن سے صحیح نہیں معلوم ہوا کہ یہاں ہدایت بمعنی خلق ہدایت ہے جو

ان کی قدرت سے باہر ہے اور نیز قَاتِ اللّٰہُ لَا یَقْدِرُ عَلَیْہِ مَنٌ یَّضِلُّ ذُرِّیَّتَہُ خدا جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کو ہدایت نہیں دیا کرتا) کو ہدایت بخشنے و دعوت و بیان پر مہمبول کرنا صحیح نہیں کیونکہ اگر اچوں کو بھی دعوت ارشاد اور راہ صواب کی طابقت ہدایت نہ ہوتی ہے گو وہ اُسے قبول نہ کریں۔ اور گمراہی میں پھنسنے نہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول۔ اَعْمَلْہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَخَتَمَ عَلَیْہِ سَمْعِہٖ وَفَلْسِہٖ وَجَعَلَ بَیْنَہُمْ بَحْرًا مِّنْ غَیْثٍ وَكَانَ مِّنْ یَّہْدِیْہِ مَنٌ یَّضِلُّ اللّٰہُ رَادُّہٗ اَدْبَارِہُمْ عَلٰی عِلْمِہٖ کے ہوتے سائنے اللہ نے اُسے گمراہ کر دیا ہے اور اُس کے کانوں اور دل پر مهر لگا دی ہے۔ اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے تو خدا کے دگرہ (کٹ) پیچھے اُس کو کون ہدایت دے (سکتا ہے) اس معنی پر مہمبول کرنا صحیح نہیں کہ کون ہے جو ایسے شخص کو اللہ کے ہدایت کی طرف بلائے اور اُس کے سامنے وہ کام ظاہر کرے جن سے اس پر ان تھانے کی حجت قائم ہے۔ تعجب ہے کہ قدیرہ ان نصوص کے کیا معنی ظہیر اُٹھتے جن میں آیا ہے کہ اللہ سبحانہ ہی نے جنہوں کو گمراہ کیا ہے کیا یہ معنی کر سکتے ہیں۔ کہ اللہ نے اُن کو گمراہی کی طرف بلا دیا ہے۔ اگر کہیں کو ان نصوص کے یہ معنی ہیں۔ کہ اُن کو گمراہی کے ساتھ موصوف پایا اپنے غامد اور انبیاء کو ان کی گمراہی سے آگاہ فرمایا۔ ان کے دلوں پر ایسی علامت و نشانی عظیمیاتی۔ جس سے علامت معلوم کر لیں کہ غلاباں لوگ گمراہ ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدانی بھی ویسے ہی غلط ہیں جیسے ہدایت و اضلال کے معنی ہدایت یاب اور گمراہ کے نام سے موسوم کرنا تینے گھڑ لٹے تھے۔ یہ چارے معنی جو تم نے اپنی طرف سے تراش لئے ہیں ان میں سے ہدایت و اضلال سے آگاہ کرنا اور گمراہ یا ہدایت یاب کے نام سے موسوم کرنا دونوں ایک ہیں۔ اور ان کا لغت میں کہیں پتہ نہیں۔ اور آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معنی بالکل نئے خلاف ہیں۔ رہا علامت مقرر کرنا۔ سو یہ بھی کسی لغت اور محاورے کی ثابت نہیں ہوتے۔ محض من گھڑت ہیں۔ اور اِنَّكَ لَا تَقْدِرُ عَلٰی مَنٌ یَّضِلُّ اللّٰہُ میں یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اے رسول آپ سچ۔ چاہیں اُسے علامت ہدایت سے موسوم نہیں کر سکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اُسے علامت ہدایت سے موسوم کرتا ہے۔ اور وہی یَضِلُّ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیْ لَہٗ کہے یہ معنی کہ اللہ تعالیٰ جسے علامت گمراہی سے موسوم کرے تو کوئی اُس کو علامت ہدایت سے موسوم نہیں کر سکتا۔ ہرگز صحیح نہیں۔ اور وَكَوْنِیْ شَیْئًا لَا نَبِیْنَ کُنْ نَفْسِیْ ہٰذَا کے معنی اگر چاہتے تو ہر جی کو اُس ہدایت کی علامت سے

موسم کرتے ہیں۔ کادو خود خالق و موجد ہر قسم کی طرح و دستیاں بنا دیا اور اِھْدِ قَا الْقِسْمَ
 الْمُسْتَقِیْمَ کا یہ معنی کہ اللہ تو ہمیں ایسی علامت سے موسوم کر جس سے فرشتے علوم کر لیں کہ ہم
 ہدایت یافتہ ہیں۔ لغت کے کس قاعدہ سے درست ہو۔ کتاب ہے۔ اور سَرَّیْنَا کَلَّا تَرْخِ
 قُلُوْبُنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰی نَمَّا (اسے ہمارے پروردگار ہم کو راہ راست پر لائے تھے چٹ ہمارے
 دلوں کو وافاں ڈول نہ کر) کے معنی کہ ہمارے دلوں کو اہل زنج کی عبادت سے علامت بنا کر
 نہ فرما۔ اور یَا مُقْلِبُ الثُّلُوبِ ثَلِثْتُ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ . یَا مُصْرِتِ الْقُلُوْبِ صَرَفْتَ قَلْبِیْ
 عَلٰی طَاعَتِکَ وغیرہ اس قسم کے نصوص کے یہ معنی کہ اللہ نبات اور شجرہ علی الطاعت کی
 علامت سے ہمارے دلوں کو نشانہ فرما۔ لغت کے رو سے ہرگز بھیج نہیں اور یہی طرح
 وَبَجَلْنَا قُلُوْبُنَا قَاسِیَةً کے یہ معنی کہ ہم نے اُنکے دلوں کو علامت قسوت کے
 ساتھ موسوم کیا یا ان کو قاسی القلوب (سخت دل) پایا۔ کسی لغت سے ثابت نہیں ہوتے البتہ
 اگر قرآن کریم فرقہ قدریہ۔ جہمیہ اور دیگر فرقہ مبتدعہ کے لغت اور محاورے میں نازل ہوتا۔ تو وہ
 قرآن کو اپنی خواہش کے مطابق جس معنی پر چاہتے تحمل کر سکتے تھے یا اگر حق ان کی ہوا راہ بخاں
 کے تابع ہوتا اور نصوص قرآن مبتدعین کے بدعات اور نہ اہواں کے آرا کے مطابق ہوتیں
 تو پھر ان کا استدلال ممکن تھا۔ جتنے گمراہ فرقے ہیں سب کے سب قرآن کو اپنے مذاہب
 بدعات اور آرا کے مطابق قرار دیتے ہیں۔ تو گو باقرآن جہمیہ کے نزدیک بھی معتزلہ کے
 نزدیک معتزلی۔ قدریہ کے نزدیک قدری۔ رافضیہ کے نزدیک رافضی ہے۔ سنی اہل اقلیاء
 جمیع اہل باطل یہی کہتے ہیں۔ کہ قرآن ان کے مذہب کے مطابق نازل ہوا۔ مگر بات یہ ہے
 کہ ان کو قرآن کریم سے کچھ سروکار نہیں۔ قرآن کے متبع اور پیروں متبعین یعنی اہل سنت والجماعہ ہیں
 اور ان نصوص کا یہ معنی کہ اللہ نے بندوں کو ہدایت و ضلالت سے مودرت پایا۔ یہی لغت
 کے بالکل خلاف ہے دیکھو هَدٰیثُ الْمَوْثِقِ کا یہ معنی ہرگز بھیج نہیں۔ کہ میں نے اُس کو ہدایت
 کے ساتھ موصوف پایا۔ اور اسی طرح حَسَنَہُ اللہ عَلٰی ذَلِکَ وَ سَدَّیْہِ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِہِ
 غِشَاوًۃً کا معنی کہ اللہ نے اُس کو ان صفات کے ساتھ موصوف پایا کسی طرح درست نہیں۔ ایسے
 معنی ٹھٹھ لینے قرآن کریم اور لغت پر محض افترا باندھنا ہے۔ اگر قدریہ یہ کہیں۔ کہ اس قسم کے مواقع
 میں ہم اس معنی کے قائل نہیں بلکہ یہ اَصْلُہُ اللہ اور اس کے مشابہ فقرات میں یہ کہتے ہیں
 کہ اللہ نے اس کو موصوف بضالۃ پایا۔ اور محاورہ عرب میں نظیر موجود ہے۔ چنانچہ جب کسی

آئی کہ محمد بن غنم ابیمن سے۔ ماحمد موصوف پائیں تو یہ لیتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَنْجَلَنَا مِنْ
 اَجْبَسَتْهُ تَوَانِ عَرَفِينِ قَرَّانِ کو یہ جواب دیا جائیگا۔ کہ اس معنی میں چند معدود الفاظ آئے
 ہیں دوسرے یہ بھی اس معنی کا منبہ ہو تہا کہ فاعل نے مفعول کے اندر صہرا پر لینی مصدحجر
 کے معنی پیدا کر دئے ہیں۔ یا خصوصاً جب باب فاعل کے اندر صہرا کو تخری کرے، کا فائدہ دے
 تو اُس وقت ہی معنی ہرگز ہوتے ہیں قَامَ وَاقْتَضَتْ وہ کھڑا ہوا اور میں نے اسے کھڑا کر دیا۔
 قَعَدَ وَاقْتَضَتْ وہ بیٹھا اور میں نے اسے بٹھا دیا۔ ذَهَبَ وَاقْتَضَتْ وہ گیا اور میں
 اس کو لے گیا۔ سَمِعَ وَاقْتَضَتْ اُس نے سنا میں نے اس کو سنا دیا۔ نَامَ وَاقْتَضَتْ
 وہ سویا میں نے اُس کو ملا دیا۔ هَمَلَ وَاقْتَضَتْ وہ گراہ ہوا اللہ نے اُس کو گزہ کر دیا۔
 اَسْعَدَ اللہ نے اُس کو سعادت مند کیا۔ اَشْقَا اللہ نے اُس کو بد بخت بھجوا دیا۔ اَعْطَا
 اللہ نے اُس کو عطا فرمائی۔ اخْرَا اللہ نے اس کو غار کیا۔ اَمَاتَ اللہ نے اُسے مار دیا
 اَحْيَا اللہ نے اُس کو جلایا۔ اَزَاعَ قَلْبَهُ اس کے دل کو ٹھٹھا کیا۔ اَتَمَّ عَلَى طَاعَتِهِ
 اس کو اپنی اطاعت پر قائم کیا۔ اَيْتَقَنَ مِنْ عَقْلِهِ اس کو غفلت سے بیدار کیا۔ اَزَاةُ
 اَيَّا نَبْ اس کو اپنے آیات دکھلائے۔ اَزَلَّكَ مُنْزِلًا بِنَا سَگاس اس کو برکت والی جگہ میں
 اُتَارا۔ اَسْكَنَهُ جَنَّتَهُ اُس کو جنت میں بسایا۔ وغیرہ۔ اس قسم کے سینکڑوں الفاظ ہیں۔
 جن میں سے ایک کبھی تو اس معنی میں نہیں آیا۔ کہ اللہ نے اُس کو ظاہر لغت کے ساتھ موصوف
 پایا۔ اللہ تعالیٰ محرفین کے ہتھان سے برتر و بالا ہے۔ یا جو دیکھ کر اَفْعَلَ یعنی فعل ثلاثی مجرد لازم
 اور اس کا متعدی فعل باب فاعل لغت عرب میں کثیر الاستعمال ہے۔ مَرْدُو تِنْدُو لفظوں کے
 سوا اَلْغَت سے کسی لفظ کے یہ معنی منقول نہیں جئے۔ اس کے علاوہ کسی اَلْغَت سے یہ
 بات منقول نہیں ہے کہ اَضَلَّهُ اللہ۔ هَدَاہُ اللہ۔ نَحَسَّهُ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ۔ اَزَاةُ
 قَلْبِهِ۔ هَمَلَہُ عَنْ طَاعَتِهِ اس کی اپنی طاعت سے بھیر دیا۔ وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ
 کو عرب نے اس معنی کے لئے وضع کیا ہے۔ جس کے یہ محرفین قائل ہیں۔ بلکہ اس معنی کو اللہ
 دوسرے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ نَزَّاباً ہے۔ وَوَجَدَكَ ذَا فَهْلًا
 (اور تم کو دیکھا کہ راہ حق کی تلاش میں بیٹھے بیٹھے پھر کو تم کو دین اسلام کی سیدار تہ دکھا دیا) اللہ کا اَضَلَّ
 نہیں آیا اور رسول اللہ صلوٰۃ و سلام کے مخالفین اور قرآن کریم کے منکرین کے حق میں اللہ سبحانہ نے فرمایا
 ہے وَ اَضَلَّهُ اللہُ عَلَى عِلْمِهِ رَاہُ اللہ نے اُس کو علم ہوتے گمراہ کر دیا) اور وَجَدَكَ اللہُ

ضلک نہیں فرمایا۔ یہ دونوں محسن کو ائمہ مجاز نے جدا جدا الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے پس اَصلہ اللہ اور دَیْکَہ صَیْکَہ کا معنی ذنوب ایک نہیں۔ اس کے علاوہ اس قول کے بجائے کہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور اس کے کارخانے میں کسی کو کچھ دخل نہیں۔ اس طرح کہنے میں کہ بندوں کے نام رکھنے اور ان کی ملاست مقرر کرنے اور ہدایت گمراہی وغیرہ صفات کے ساتھ موصوف پانے میں بدوں اس کے کہ اس میں اللہ کی معذرت۔ خلق و مشیت کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اللہ کا اختیار ہے۔ اس میں کسی کو کچھ دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی توجید تعریف اور مدح ہے۔ کیا آدمی کسی شخص کو گمراہ یا ہدایت یافتہ نہیں کہہ سکتے۔ یا کسی کو ان صفات کے ساتھ موصوف نہیں دیکھ سکتے۔ قدریہ اور جبریہ۔ دونوں گروہ ان صفات کمال اور لغت طلال کے ساتھ جن کا اللہ تم مستحق و شایاں ہے اس کی مدح و ثنا نہیں کرتے۔ اور نہ انہوں نے اس کے قدر کو پوری طرح سمجھا ہے۔ مستعین بریل لیتی اہل سنت دونوں فریق کی لغو ادب پروردہ باتوں سے بنیاد برکنا رہیں۔ اور حق بات جہاں ہو اس کے پیرو اور ردگار ہیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور کتاب مجید کو چھوڑ کر زبرد و عمر کے اقوال دارا کے پیچھے نہیں پڑتے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے خطا فرمائے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ابن سعد کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی نادر کا تنہا اور ضرورت کے وقت اس طرح خطب پڑھنا تعلیم فرمایا۔ اِنَّا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَسْتَجِیْبُنَاہُ وَ تَسْتَجِیْبُنَاہُ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْطِ اَنْفُسِنَا مِّنْ اَیْمٰنِہٖ ؕ اَللّٰہُ فَلَامِیْضٌ لَّہٗ وَ مِّنْ یُّضِلُّ فَلَہَادِیْ لَہٗ وَ اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ رَسُوْلٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ اللہ کے لئے ہے ہم اسی سے مدد اور اسکی گناہوں کی معافی مانگتے اور اپنی جانوں کی برائیوں سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو وہ ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جسے وہ بہکا دے اسے کوئی راستے پر لایندہ والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اس کے بعد مندرجہ ذیل تین آیات کا پڑھنا فرمایا۔

(۱) اَتَقُوْا اللّٰہَ حَقَّ تَقَاتِہٖ اَلَا بِہٖ اللّٰہُ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے

(۲) اَتَقُوْا اللّٰہَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَہٗ سَبَیْہٖ وَ اَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ اِنَّا اللّٰہُ کَانَ عَلَیْکُمْ

رَقِیْبًا (اور جس خدا کا واسطہ دے دے کر تم اپنے) کئے کام کاتے ہو اس کا اور شتوں کا پاس

مخوف رکھو کیونکہ اللہ تمہارا نگراں حال ہے۔ ﴿۳۱﴾
 ﴿۳۱﴾ اِنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِّنْ ذٰلِكَ فَسَيُغْفِرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
 کو دور تو راہ کی اور سیدھی رہیگی! ﴿۳۱﴾

ترجمہ می نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابو داؤد سند نہایت ہے ہم سے حدیث بنی
 کثیر نے بیان کیا۔ کہا ہم سے سفیان۔ ثوبیان کیا۔ انہوں نے خالد بن اسمعہ۔ انہوں نے
 عبد اللہ علی سے انہوں نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
 خطبہ پڑھا۔ اللہ کی وحدانیت اور شہادت بیان کی جس کے واسطے وہ شایاں ہے۔ اُنکے پاس ایک کتاب
 موجود تھی جو آپ کے کلام کو وہاں کے لوگوں کی زبان میں ترجمہ کرتا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے
 جب یہ جملہ پڑھا تو بہت ہی اذیت اُٹھائی کہ قُلْ لِّمَنۢ بَدَّلَ قُلُوبَہٗ فَاِنَّہٗ لَیَّاسٍ ۚ اِنَّہٗ لَیَّاسٌ
 اس کا انکار کیا اور نیز اس طرح ہاتھ ہلاتے ہیں سے معاذ اللہ داتا تھا کہ وہ اس کا منہ بہت
 اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ کیا کرتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ اے امیر المؤمنین یہ کہتا ہے
 کہ اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ آپ نے اُسے فرمایا۔ اے اللہ کے دشمن تم جھوٹے ہو بلکہ اللہ ہی نے
 تجھ کو پیدا کیا۔ اور اُسی نے تجھ کو گمراہ کیا۔ پھر یہی تم کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ خبردار
 اللہ کی قسم اگر تجھ سے میرا عہدہ نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ بیشک اللہ عزوجل نے اہل
 جنت و اہل دوزخ اور ہر ایک کے اعمال کو پتہ کر کے فرما دیا ہے۔ کہ یہ لوگ جنت میں جائیں گے
 اور یہ دوزخ میں۔ مگر لوگوں کے مختلف فرقے ہو گئے اور تقدیر کے باب اختلاف کرنے لگے۔

فصل۔ ہدایت کے مراتب میں سے چوتھے مرتبہ کا بیان۔ یعنی وہ ہدایت اور اہتمام جو
 قیامت میں اہل جنت کو جنت کی طرف اور اہل دوزخ کو دوزخ کی طرف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے
 فرمایا ہے اَحْسِرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَرُوْا اَیُّکُمْ اَعْمٰی ۚ وَنَادٰی اِلَیْہِمْ مِّنۡ دُوْنِ
 اللہ یٰۤاٰہٰذِیْنَ اَھٰذِیْ صِرَاطٌ اَلْحٰیْمِیْمِ (اور ہم فرشتوں کو حکم دیں گے کہ جو لوگ دنیا میں
 نافرمانیاں کرتے تھے وہیں اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو اور خدا کے سوا جن محبوبوں کو
 پوجتے تھے وہیں ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کرو اور) پھر اُن کو دوزخ کے رستے لے چلاؤ۔ ﴿۳۲﴾

وقال تعالیٰ وَالَّذِیْنَ تَتَّبِعُوْا فِیۡ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَلَنۢ یَّغْفِرَ لَہُمْ ذُنُوْبَہُمْ ۚ اَعْمٰی اَھٰذِیْنَ سَبِیْلِہُمْ
 وَیُضِلِّہُمْ یٰۤاٰھٰذِیْنَ (اور جو لوگ خدا کی راہ میں لے گئے۔ اُن کے عملوں کو خدا بر گزراں گان نہیں
 پہلے دیکھا۔ بلکہ انہیں دوزخ میں مبتلا کر دیکھا۔ اور اُن کو خوشحال کر دیکھا) اس آیت سے معلوم

ہوتا ہے۔ کہ یہ ہدایت مرنے اور شہید ہونے کے بعد حاصل ہوگی۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کی طرف راہ نائی فرمائیگا۔ اور آخرت میں ان کے اعمال قبول فرمائے اور دشمنوں پر راضی کرنے سے انکی حالت درست فرمائیگا۔ اور ابن عباس کا قول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت سیدھے اور باصواب کام کی طرف ہدایت فرمائیگا۔ اور دنیا کی زندگی میں ان کو کمائی و منہ سے بچائیگا۔ اس قول پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کا مالی بہانہ فرمایا ہے۔ جو اس کی راہ میں شہید ہو چکے ہیں۔ کہ وہ غنیمتیں انکو ہدایت کر چکا۔ پہنچانے ابن عباس کے قول کو اختیار کیا۔ اور کہا ہے کہ سواش اور احیاء مڈیا میں اس کی حالت درست فرمائیگا۔ مطلب یہ کہ ان کو دنیا و آخرت دونوں کی بہتری نصیب فرمائیگا۔ اب اس قول کی بنا پر قتل فی سبیل اللہ کے مجاہدہ نفس یا اور کچھ ایسے معنی لئے جائیں جن کے ساتھ ہدایت کا ثبوت اور اصلاح مال دنیا میں ممکن ہو۔

پندرھواں باب

طبع ختم قفل غل سد غث وہ اور ان خبروں کے بیان میں کچھ فرماؤ
ایمان کو دینا ملتی ہیں اور نیز اس امر کو بیان میں کہ یہ کب اللہ تعالیٰ کرتا ہے

قال تعالى ان الذين كفروا ساءَ عَلَيْهِمْ اَٰمَنَّا ذَرْتَهُمْ اَمَ لَمْ يَشْذَوْهُمْ
كَافِرُونَ ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة
راے پیغمبر جن لوگوں نے (قبول سلام سے) انکار کیا ان کے حق میں کبھی ہے کہ تم ان کو (خدا
انی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔ وہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ انکے دلوں پر اور ان کے کانوں
پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے) *

وقال الله تعالى ان الذين كفروا ساءَ عَلَيْهِمْ اَٰمَنَّا ذَرْتَهُمْ اَمَ لَمْ يَشْذَوْهُمْ
كَافِرُونَ ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة
انك لا تجد كفرة (راے پیغمبر بھلا تو نے اس شخص کے حال پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش

النسانی، کہ اپنا مسجد دینار کھا اور عظم ہوتے ہوئے اللہ نے اُس کو گمراہ کر دیا ہے۔ اور اُس کے کانوں پر اور اُس کے دل پر مہر لگا دی ہے۔ اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دینا ہے۔ تو خدا کے (گمراہ کشتہ) پیچھے کرنا اس کو ہر ایت سے دستبرد ہے، کیا تم لوگ غور (فکر) کو کام میں نہیں لاتے؟
 وَقَالَ تَمَّ وَتَوَلَّيْنَا قُلُوبَهُمْ بِمَا عَمِلُوا فَلَيْسَ يَكْفِيهِمْ (اور نیز اُس کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں (اور کسی کی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی محفوظ نہیں) بلکہ اُن کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی ہے)؛
 وَقَالَ تَمَّ كَذَلِكَ يُلْغِيهِمُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمُ الْكَافِرِينَ (بہانوں کے دلوں پر خدا اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے)؛

وَقَالَ تَمَّ وَكَلَّمَهُمْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں تو یہ لوگ نصیحت کی بات سنتے ہی نہیں)؛
 قَالَ تَمَّ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبِهِمْ أَفْقَالًا (کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تارے لگے ہیں)؛

وَقَالَ تَمَّ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَى الَّذِينَ هُمْ لَا يُؤْمِنُونَ إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْيُنِهِمْ غَشَاةً لَا تَرَوْنَ بِهَا قُلُوبَهُمْ مُقْتَضُونَ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ مَسَدًا وَخَلْفَهُمْ مَسَدًا فَأَعْيُنُهُمْ هُمْ لَا يَبْصُرُونَ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَمَرْنَا رَبَّهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (ان میں سے اکثر پر تو فرمودہ (خدا) پورا ہو چکا ہے۔ تو یہ کسی طرح) ماننے والے نہیں ہم نے انکی گردنوں میں (بھاری بھاری) طوق ڈال دیئے ہیں۔ اور وہ ٹھوڑیوں تک پھنسے ہوئے ہیں۔ تو ان کے سر (ایسے) اُلل کر رہ گئے ہیں کہ ان کو راستہ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اور ہم نے ایک دیوار (تو) ان کے آگے بنائی اور ایک دیوار ان کے پیچھے اور ان پر سے اُن کو دیا ڈھانک تو یہ دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اور (لے پیچھا) ان کے لئے یکساں ہے کہ تم ان کو (عذاب خدا سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ تو ایمان لانے والے نہیں)؛

تیسری جبریہ دو گروہ نے ان آیات کی مراد و مطلب کو نہیں سمجھا۔ قدر یہ نے تو انکی طرح طعنے کی باطل تاویلیں پھیرائیں۔ بلکہ اُن کو اپنے پہلی معانی سے تعریف کیا۔ جبر یا اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو جبراً و قہراً کافر بنایا ہے۔ اس میں اُن کے کسی فعل۔ ارادہ۔ اختیار اور کسب کو کوئی دخل نہیں بلکہ کافر کے کسی گناہ اور جرم کے بدوں اُس نے ہدایت کو اُس سے روک دیا۔

کی سرکشی کی حالت میں رہنے دیجئے کہ ٹپسے بھٹکا کریں) +

وَقَالَ تَعَالَى نَسْتَعِظُكَ أَنْ تَقُولَ قَوْلًا مِثْلَ قَوْلِهِمْ (پھر اٹھ کر چل بیٹھتے ہیں یہ لوگ پیغمبر کی مجلس سے کیا پھرے) اللہ نے انکے دلوں کو (دین حق سے) بھیڑ دیا :-

بعض قدر یہ اس بات کو مانتے ہیں کہ یہ پیغمبریں اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور کفار کے کفر اور اعراض سابق کی سزا ہیں۔ کیونکہ جب بندہ اپنی مرضی اور اختیار سے گمراہی پسند کرے۔ تو اللہ تعالیٰ (دنیا ہی میں) اُس کی سزائیں آتے گمراہی نصیب کرتا ہے اور اگر ہدایت اختیار کرے تو اُس کے انعام میں ہدایت عطا فرماتا ہے جس طرح اقیامت کو بدی کیا یا بدی یعنی عذاب اور نیکی کا بدلہ نیکی یعنی نعمتیں ملیں گی۔ اسی طرح دنیا میں بھی تہ اور اعراض کے عوض گمراہی اور قبول حق کے بدلہ ہدایت ملتی ہے +

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (ان کو خدا اس قرآن کی برکت سے اور زیادہ ہدایت دیتا اور دنیا ان کو پرہیزگاری کی توفیق عطا فرماتا ہے) +
وَقَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا قَوْلًا سِدًّا إِنَّا نَعْلَمُ خَائِفًا فَظًّا (اے ایمان والو! تم کہو کہ تم کو اعمال صالحہ کی توفیق دیگا) +

وَقَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ (مسلمانو! اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کر دیگا اور تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا) +

منجملہ فرقان وہ ہدایت ہے جو حق و باطل کے درمیان فرق کرے اور منافقین اور کفار کے حق میں فرمایا ہے فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئْتَيْنِ ۚ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمُ لِلْكَافِرِينَ (سو مسلمانو! تمہارا کیا حال ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو رہے ہو حالانکہ اللہ نے اُن کی کرتوتوں کی سزائیں اُن کی عقلوں کو اوندھا کر دیا ہے) +

وَقَالَ تَعَالَى فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ۖ قُرْءَانَهُمْ أَعْلَسَ لَهُمْ (اُن کے دلوں میں رسیلے ہی سے کفر کا مرض بھابہ قرآن نازل کر کے) اللہ نے اُن کا مرض اور بھی بڑھا دیا) +
وَقَالَ تَعَالَى نَسْتَعِظُكَ أَنْ تَقُولَ قَوْلًا مِثْلَ قَوْلِهِمْ (پھر اٹھ کر چل بیٹھتے ہیں

زیر لوگ سپیر کی مجلس سے کیا پھرے، اللہ نے ان کے دلوں کو (دین حق سے) پھیر دیا) +
 مذکورہ بالا قول قدریہ کا صحیح قرآن کریم سے ثابت اور مقتضائے عدل الہی ہے اور
 بندے کی نسبت اللہ کا حکم جاری اور اُس کی قضا عدل کے موافق نافذ ہے۔ جب وہ
 اپنے بھٹے کو اپنی معرفت، محبت، ذکر اور شکر کی طرف بلائے اور بندہ اُس سے روگردانی
 اور نگران کر سہ۔ تو اُس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرماتا ہے کہ اُس کے دل کو اپنے
 ذکر سے غافل اور ایمان سے روک دیتا اور قبولِ ہدایت اور اُس کے درمیان حائل ہو جاتا
 ہے۔ اور یہ اس کا عین انصاف ہے۔ اور دنیا میں اس کی سزا ختم، طبع اور استدلال ایمان
 ایمان سے روکنا کے ساتھ یہی ہے جیسے قیامت میں مع اس سزا کے دوزخ میں داخل
 کیا جائیگا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: كَذٰلِكَ اَنۡفَكۡ عَنْ سِعۡرۡكَ فَمِنۡ يَّوۡمَئِذٍ لَّيۡجۡزِيۡنَكَ اَلۡلّٰهُ لَصٰلُوۡا لِحٰجِبِہٖ (سجری ہی: لوگ ہیں جو اس دن اپنے پروردگار کے سامنے نہیں لے
 پائینگے۔ پھر یہ لوگ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے) +

قیامت میں اللہ تعالیٰ سے مجبور ہونے کا یہ مطلب ہے جیسے کہ کفار دنیا میں دولت
 ایمان سے بے بہرہ تھے اسی طرح قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے دیدار اور
 کمالِ عزت سے محروم رکھ دیا، قیامت میں یہی گمراہی ہو گی۔ اور اسی طرح چونکہ دنیا میں وہ خدا
 کے آگے سر نہ جھکاتے تھے تو قیامت میں بھی سزا ملیگی۔ کہ جب اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ
 یہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو اُن کو سجدہ کرنے سے روک دیا۔ وہ اُن کے سامنے سجدہ نہیں کر سکیں گے
 اور قیامت میں یہ بھی سزا ملیگی کہ جیتے دنیا میں اندھے تھے اسی طرح وہاں بھی ہدایت سے
 اندھے ہوں گے۔ دنیا میں ان گناہوں کے اسباب ان کی قدرت میں تھے اور اُن کو اختیار
 ارادہ اور فعل سے وقوع میں آئے تھے اور جب یہ جرائم سزا کے طور پر واقع ہوئے۔ تو
 اُن کی قدرت میں نہ رہے۔ بلکہ عدل کے مطابق قضا الہی اُن پر جاری ہوئی +

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَنۡ كَانَ فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَآخِیۡۃً فَلَہٗ فِیۡ الْآخِرَۃِ وَاَصۡلُ سَبۡیِلَہٗ (اور جو اس دنیا میں (دیدہ و دانستہ) اندھا بنا) ارادہ آخرت میں بھی
 اندھا ہو گا اور (نجات کے راستے سے بہت دور بھٹکا ہو گا) یہاں سے یہ مسئلہ (جو نہایت
 مفید اور عظیم الشان مسئلہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ بندے کے حق میں کفر اور معاصی کو بھی مقدر فرماتا ہے

ظن ہو گیا۔ کہ کھر معاصی کا مقدر کرنا محض عدل انصاف پر مبنی ہے۔ عدل سے جیسا کہ پہلے
 کاغذ ہے، اس چیز کا مقدر کرنا نہیں چاہیے۔ کہ نہ۔ اے ہونے کے یعنی اُن کو یہ خیال ہے
 کہ جو چیز بندہ کے ذریعے ہو سکے، اس کا حکم دیا جائے۔ مگر مقدر کرنا تو عدلی ہے۔ اور جو نہ ہو سکے
 اس کا مقدر کرنا ظلم ہے۔ اس فرقہ نے اشیاء کے اسباب اور ان کی حکمتوں میں کلام
 کرنے کے دروازہ کو اپنے اند پر بند کر دیا۔ نہ۔ اور نہ عدلی سے وہ مراد ہے جس کے
 ذریعہ فائز ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت کہ بندوں کے اعمال اُن کی ہدایت و
 استدلال میں کوئی دخل نہیں۔ اور نہ اُس کی مشیت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اور بندوں کے
 سب کام انکے اپنے اختیار میں ہیں اللہ تعالیٰ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ۛ

بسم اللہ علیہ وسلم فی اس کلام میں غور کرو ماضی فی تَخْلُقِ اَمَلِكُمْ عَدَلًا
 قَضَاءُ لَ (اے اللہ میرے حق میں تیرا حکم نافذ اور تیری قضا انصاف کے ساتھ
 جاری ہے) اپنے کو نافذ کے ساتھ قضا کے عدل انصاف کو کیسے ذکر فرمایا ہے۔ اس سید
 میں قدریہ اور جبریہ دونوں کی تردید موجود ہے کیونکہ جس عدل کو قدریہ ثابت کرتے ہیں وہ
 توحید کے مخالف ہے۔ اور پروردگار کے کمال قدریت اور عموم مشیت کو بیکار ٹھہراتا ہے
 اور جس کے جبریہ قائل ہیں وہ حکمت و رحمت اور حقیقت عدل کے منافی ہے۔ وہ عدل جو اللہ
 سبحان کی صفات اور اُس کا اسم پاک ہے۔ ان دونوں کے عدل کے علاوہ ایک اور چیز
 ہے اور اُس کو اُس کے رسول اور اُن کے پیروں کو ہی جانتے ہیں۔ اسی واسطے ہو علیہ الصلوٰۃ
 والسلام نے اپنی قوم سے کہا اِنِّیْ نَزَّلْتُ عَلَیْکُمْ اَمْرًا مِّنْکُمْ مَّا مِیْنَ کَا دَیْنَا
 اَکَاھُ اِغْدُ بِنَا صِیْتِہَا اِنَّ رَبِّیْ عَلَیْہَا اِجَابٌ مُّسْتَجِیْبٌ (میں تو اللہ ہی پر جبر و سارکتا
 ہوں کہ وہ میرا بھی پروردگار ہے۔ اور تمہارا بھی) پروردگار (ہے) جتنے جاندار
 ہیں سب ہی کی تو چوٹی اُس کے ہاتھ میں ہے۔ بیشک میرا پروردگار (عدل انصاف کے)
 سیدھے راستے پر ہے ۛ

ہو علیہ السلام نے پہلے یہ بیان فرمایا۔ کہ اللہ سبحانہ کی قدرت تمام چیزوں کو شامل
 اور اُس کی مشیت ہر ایک چیز میں نافذ ہے اور جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا
 ہے۔ اس کے بعد بیان فرمایا۔ کہ وہ اس تصرف اور حکم میں صراطِ مستقیم پر ہے ۛ
 ابو اسحاق نے اس کی تفسیر میں کہا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کو چاہیے کہ قدرت ہے کہ وہ اپنی

مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ مگر وہ جو کچھ کرتا ہے انصاف کے ساتھ کرتا ہے ابن ابی ہریرہ کا قول ہے کہ ہود علیہ السلام نے جب جملہ قوم کو اس میں نصیب کیا تو اس سے یہ بھی گیا کہ ہر ایک جائز اس کے قبضے میں ہے۔ اور وہ اپنے کمال قوت اور زور کے ساتھ ہر ایک پر قہر اور غلبہ کرتا ہے۔ اور اس کی عقلی اختیار اور مستحقیت کو اس کے بعد نہ کر اس کے مطلب کو ضائع کر دیا۔ کہ نہ کسی پر بیجا غلبہ ظاہر نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ نہایت انصاف سے برتاؤ کرتا ہے۔ اور یہ جملہ عرب کے اس عقول سے انداز پر واقع ہوا ہے۔ جس کو نبی کسی کی خوش خلقی۔ عدل و انصاف کے ساتھ تعریف کرنے کی نظر ہے۔ از عرب لوگ بولتے ہیں ذلالت علی طریقہ حقیقت یعنی فلاں شخص اچھے راستے پر ہے۔ درحقیقت کوئی راستہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ عدل و انصاف مراد ہوتا ہے +

ابن ابی ہریرہ نے اس کی ایک اور وجہ بھی ذکر کی ہے۔ کہ جب ہود علیہ السلام نے یہ بیان کیا۔ کہ اس کی قوت و سلطان ہر ایک جائز اور پر قہر ہے۔ تو اس کے بعد ان کی عقلی صراط مستقیم کو اس لئے ذکر کیا۔ کہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہر ایک کو دیکھتا ہے اور کسی جواز کی چال اس سے مخفی نہیں۔ اور نہ کوئی اس سے بھاگ سکتا ہے۔ صراط مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں جس پر ہر ایک کو چلنا پڑے۔ اس بنا پر یہ جملہ ان کے لئے تیار تھا (بیشک تمہارا پروردگار نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا ہے) سے مضمون میں موافق ہو گا۔ پہلے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے ملک میں عدل و انصاف کے ساتھ تصرف کرتا ہے۔ نیو کار کو نیکی کا بدلہ اور بدکار کو برائی کی سزا دیتا ہے۔ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ کسی کو بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا۔ اور کسی کے نیک عمل کو عمل نہیں جانے دیتا۔ ایک کا گناہ دوسرے کے سر پر نہیں ڈالتا کسی کو دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑتا۔ اور نہ کسی کو اپنے کام کی تکلیف دیتا ہے۔ جو اس کی وسعت اور طاقت سے باہر ہو اور اس بنا پر یہ جملہ ان کے لئے تیار تھا (بیشک تمہارا پروردگار نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا ہے) سے مضمون میں موافق ہو گا۔ الحمد للہ رب العالمین کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ سبحانہ اپنی قدرت و مشیت کے ساتھ تمام جہان میں تصرف کرتا ہے اسی طرح وہ اپنے ان تمام تصرفات میں مجبور ہے کہ نہ اس کا ہر ایک تصرف انصاف پر مبنی ہے اور دوسرے قول کے مطابق اس جملہ میں اس بات کی دھمکی اور تنبیہ ہے۔ کہ سب کو اس کے

پاس لوٹ کر نہ پاس اور سب کا راستہ یہی ہے کہ ایک دن اُس کے پاس پہنچیں گے۔ اُس نے
 مذہب سے کوئی نیک نہیں سکتا۔ چنانچہ اور مقام میں فرمایا ہے ہَذَا اَيْضًا عَلَيَّ وَنُفِيتُ
 (میں یہی و خاص بندگی کی) ایک سیدھی سڑک ہے (جو) ہم تک (آپہنچتی ہے)۔

فرما کا قول ہے۔ کہ سب کا طریق مبرری طرف ہے۔ یہ میں ہر ایک کو اُس کے مطابق
 مطابق بدلہ دوں گا۔ چنانچہ اور مقام میں ہے اِنَّ سَرَاتِي لِيَاكِلِي صَادِقٌ۔ یہ بلکہ عرب کے ان
 کے مطابق ہے۔ جسے دوسری کو دھکی بیٹھے۔ عموماً وقت یوں بولتے ہیں سَطْرًا يَفْلُكُ عَلَيَّ وَ اَنَا
 عَلَيَّ يَفْلُكُ عَلَيَّ۔ بھئی اور کسائی کا یہی قول ہے۔ اور نیز یہ جملہ ایک قول کی بنا پر وَ عَلَيَّ اَللّٰهُ
 قَضَدُ السَّبِيلِ اور (ایمان کے رستے و قسم کے میں ایک سیدھا راستہ) جو دھم بھٹا تک پہنچتا
 ہے، کے موافق ہے۔

جہاں کہتے ہیں کہ حق کا طریق اللہ کی طرف ہے۔ اور حق کا راستہ اس کی طرف جاتا ہے۔ اَنْطَلَقَ
 وَمِنْهَا جَارَتْ (اور بس نہر سے (یہ نہر) کا یہ طلب ہے کہ بعض راستے حق سے ادھر ادھر ہیں۔
 وَلَوْ شَاءَ لَقَدْ سَكَّدَ اَجْمَعِينَ اور خدا چاہتا تو تم سب کو سیدھا راستہ دکھا دیتا میں اللہ سبحانہ کی
 تلاپا ہے کہ اُس کی مشیت ہر ایک چیز کو حاوی ہے اور حق کا راستہ اُس کی طرف پہنچانے والا
 ہے جو اُس پر چلیگا وہ اُس کے پاس جا پہنچے گا۔ اور جو اس سے ادھر ادھر ہو گا وہ ہٹا جائیگا۔
 خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان آیات سے اللہ سبحانہ کی توحید اور اُس کا عدل ثابت ہوتا ہے۔
 اور نیز یہ کہ وہ اپنی مخلوق میں مملکت، محمودیت، عدل اور احسان کے ساتھ تصرف کرتا ہے پس
 وہ اپنے قول فعل، شرع، قدر، ثواب و عقاب میں انصاف کی راہ پر ہے۔ مثلاً بیان فرماتا اور عدل
 سے کام لے کر ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے وَ اِنَّكَ يَرْشُدُ لَ الْخَوَافِ وَيَهْدِي السَّبِيلَ اور اللہ تو حق بات
 فرماتا اور وہی لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے یہ عدل اور توحید جن پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے
 اِس میں متناقض نہیں۔ البتہ وہ توحید اور عدل جس کے قدر یہ وجہ یہ قائل ہیں۔ باہم متناقض

ہیں۔
فصل۔ قدر میں۔ جس لوگوں نے اس طریق کو اختیار کیا ہے وہ نہ تو پورے قدر یہ کے
 موافق ہیں۔ اور نہ باطل اہست کے ہم خیال ہیں۔ بلکہ ان کا عقیدہ مبین بین ہے۔ لیکن ان کو قائلین
 تقدیر کی بات ضرور مانتی پڑیگی۔ ورنہ انکی کلام باہم سخت متناقض ہوگی۔ کیونکہ جب وہ اس بات کو
 تسلیم کرتے ہیں کہ گمراہی، طبع، ختم، قفل، دفتر اور جو کچھ ایمان اور بخشے کے درمیان حائل ہوتا ہے

وہ سب اللہ کے مخلوق اور اس کی قدرت و مشیت سے واقع ہیں تو اس نے اس بات کو مان لیا۔ کہ
افعال عباد اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور اس کی مشیت سے واقع ہیں خواہ وہ پہلی دفعہ و قریع میں آئیں یا
کسی پہلے فعل کی جزائر سزا کے طور پر واقع ہوں۔ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ اگر ایک قسم اللہ تعالیٰ نے
کی قدرت میں داخل اور اس کی مشیت سے واقع ہے تو دوسرا بھی اسی طرح ہو گا۔ اور جو ایک
قسم قدرت میں داخل نہیں۔ تو دوسرا قسم بھی داخل قدرت و مشیت نہ ہو گا۔ دو قسم میں فرق یہاں
دو متناقض باتوں کا قول کرنا ہے۔

ابوالقاسم انصاری نے شرع ارشاد میں بعض فقہاء سے اس فرق کو بیان کیا ہے چنانچہ
کہا ہے کہ بعض فقہاء اس بات سے معترف ہیں۔ کہ ختم اور البیع اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھربھری کے
پہلے افعال کی سزا ہیں۔ اور عبد الواحد بن زید بصری اور بحر اس کا بھانجا اسی مذہب کے لوگوں میں
سے ہیں۔ اور یہ سزا اسی قسم کی ہے۔ جیسے قیامت میں کٹنا ہنگاموں کو عذاب دوزخ کی سزا ملے گی۔
یہ لوگ اہل سنت کے مذہب کے قریب قریب ہیں صرف تھوڑا سا فرق ہے۔

فصل بعض قدر یہ کا قول ہے۔ کہ حقیقت کا فر نے خود ہی اپنے دل پر مہر لگا دی اور اُسے
قبول ہدایت سے بند کر دیا۔ اور شیطان کا بھی یہی کام ہے۔ کہ وہ کفار کے دلوں پر مہر لگا تا ہے
لیکن چونکہ بندے اور نیز شیطان کو اللہ سبحانہ نے اس فعل پر قدرت دی ہے۔ لہذا اس لحاظ
سے کہ فاعل کو اس فعل پر اس نے قدرت دی ہے۔ فیعل اللہ کی طرف منسوب ہوا۔ نہ اس وجہ
سے کہ اللہ تعالیٰ خود اس فعل کا فاعل ہے۔ اہل سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ کلام کچھ
صحیح اور کچھ غلط ہے۔ اس لئے ہم نہ تو سب کو قبول اور نہ سب کو رد کرتے ہیں۔ یہ قول کہ اللہ سبحانہ
نے کافر اور شیطان کو ختم اور طبع پر قادر کیا بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو صرف
برے کام اچھا کر دکھانے، دوسرے دلوں کو کفر کی طرف بلائے پر قادر کیا ہے۔ بندے کے
دل میں کفر پیدا کرنے پر اُسے ہرگز قدرت نہیں دی۔ اور شیطان کی کیا ہستی ہے کہ یہ کام
اُس سے ہو سکے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں صرف خدا کی طرف بڑھنے اور اُس کے
احکام پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ ہدایت میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اور شیطان برے
کاموں کو مزید کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ گمراہی اُس کے ہاتھ میں نہیں غرض شیطان کو تو
صرف اتنی ہی قدرت ہے کہ وہ اپنے کو ان کاموں اور سبب کے کرنے کی طرف بلائے۔

کہ جن کو جب بندہ کہ لیتا ہے تو اللہ اُس کے لئے اور کان پر صبر لگا دیتا اور قبول سے اُسے بند
 کر دیتا ہے یہی شیطان کو یہ قدرت ہے کہ جسے کہ چاہے کاموں اور عبادت کی طرف سے
 کہ جب بندہ اُن کا ترک کرے ہر گز تو اللہ تعالیٰ اُس کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کرے گا۔ دوزخ
 کا عذاب اور عذاب طبع کا عذاب۔ دوزخ جو ہے میں ایساں ہیں۔ اور سزا کا سبب بندہ سے کفر
 اور ان کی طرف ترغیب و تشویق شیطان کا فعل ہے اور سب کے سب اللہ تعالیٰ نے۔ کہ مخلوق میں
 ہیں یہ کہتا تھا اچھا صحیح ہے تو اللہ سبحانہ نے بندہ کو یہ فعل کرے۔ یہ قدرت دیکھو اُس کے
 دل پر صبر لگا۔ نہ اور اُس کے بندہ کو نہ لگا۔ اگر اللہ اس کی قدرت نہ دیتا تو دیکھو
 اس کو نہ کہتا۔ انہی بات تو چاہے۔ یہ قدرت یہ اس کے ساتھ یہ لکھا ہے۔ کہ اللہ نے
 کو ایسی قدرت دیتا ہے جو وہ خود دل کی صلاحیت سے نہیں کر سکتا۔ کہ وہ تو بالوں
 کی اُس کی قدرت ہوتی ہے پھر وہ اپنے ارادے سے اور اُس مشیت سے جو اللہ کی قدرت سے
 باہر ہے ایک بات اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ بندہ سے کی قدرت جو وہ تو بالوں کی صلاحیت ہے۔
 اللہ کی قدرت میں داخل ہے۔ لیکن اُس کی مشیت اختیار اور فعل اللہ کی قدرت سے باہر ہے۔ قہر
 کی یہ بات سراسر غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سوا تمام چیزیں اس کی طاقت سے ہی قدرت میں
 داخل اور اُس کی مشیت سے اور قہر میں اُس کی مشیت بجز کوئی چیز تو اس میں نہیں رہتی۔
 قدر یہ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات دینی میں تدبیر اور غور و فکر کرنے سے اعراس کیا
 اور اُن سے عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور اُن کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے اُن پر
 محنت قائم کرنے کے ساتھ مقارن تھا۔ تو اس نسبت اور مقارنت کی وجہ سے اُن کے افعال اللہ
 کی طرف منسوب ہوئے۔ اہل سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں یہ بات غلط ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ
 صرف مقارنت کی وجہ سے اپنی ذات کی طرف ایسی چیز منسوب کرے۔ جو درحقیقت اُس کی طرف
 منسوب نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ کوئی ایک چیز کے ساتھ اُس کی ضد بھی نہ کہ ہوتی ہے مثلاً خیر کے ساتھ
 شر جن کے ساتھ باطل۔ صدق کے ساتھ کذب۔ مقارن نہ کہ ہوتے ہیں۔ اور اس مقارنت کی
 وجہ سے یہ چاہئے نہیں ہوتا۔ کہ ایک چیز کو وہ سری چیز کی طرف نسبت کر لیں۔ کوئی شخص یہ نہ کہتا ہے
 کہ کفر جنت اور عسیاں اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پسندیدہ چیزیں ہیں۔ کیونکہ وہ ایمان اور طاعت کے
 ساتھ نہ کہ اور بیان میں مقارن ہیں۔ اور کوئی یہ نہ کہتا ہے کہ شیطان بھی اللہ کا محبوب پیارا
 ہے کیونکہ وہ بھی فرشتوں کے ساتھ ہی پیدا ہوا تھا۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ کوئی ایسا ہوتا ہے

کو عبث نہیں آیا بلکہ خدا چاہتا تھا کہ سب لوگوں کو ہدایت کر دیتا، غرض تھا کہ یہ کتنا کہ جبراً مومن بنانے کے
 سوا ایمان کی طرہ سے ان کے لئے کوئی رستہ نہ رہا، بالکل غلط ہے بلکہ ایمان کی طرہ سے ان کے لئے یہ رستہ موجود
 تھا کہ انہوں نے اس کے دلوں کو ہدایت کی طرہ سے لے کر دیتا اور ان میں ایمان کی نشیمن دہانہ اور ہر
 دیتا اور اپنی توفیق و انعام سے سرخیز کر کے صراطِ مستقیم پر لگا دیتا۔ رب العالمین! کتنا ہر
 سب کچھ کر سکتا ہے جیسے اس سے بہ قدرت ہے کہ ان کی ذہانت و صفات و ذخیرہ و حالات کو پیدا کیا
 ہے اسی طرح اس کو یہ بھی قدرت ہے کہ ان کو ارادہ و مستی پر لگا دیتا۔ ان کو اس لئے محدود کیا
 کہ ان کو مومن بنانا اس کی حکمت و عدل کے خلاف تھا اور وہ اس نعمت و فضل کے اہل مستحق نہ تھے
 اسکی مثال ایسی ہے کہ ہر ایک چیز کی پھٹ میں وہ خاصیتیں و خواہشیں رکھے جو اس کے عطر و
 خلاصہ میں دلچسپیت رکھتے ہیں۔ یا گرم چیز میں ٹھنڈی کے خواص اور پییدہ میں پاک چیز کے سناخ پیدا
 نہیں کئے گئے۔ اگر کوئی شے پیش کرے کہ کسی چیز کو کچھ ٹھنڈی اور کسی کو غدا کسی کو گرم اور کسی کو سرد۔
 کسی کو پاک اور کسی کو ناپاک کیوں بنایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے اسما و صفات اور اس کی
 مالکیت و ربوبیت کا یہی مقتضی ہے کہ مختلف مراتب و متخالف احوال پر شیار پیدا کرے اور
 پاک اور ناپاک جن و قبیح۔ جید و رذی۔ بھلی اور بُری چیزیں مساوات کرنا اس کی حکمت کے خلاف
 ہے۔ حیوانات میں نر و مادہ بنانا اور مختلف حالات۔ اطوار اور متباہین اخلاق و عادات کی کوئٹان
 گوں مخلوقات کو پیدا کرنا یہ سب اس کی ربوبیت کے آثار و لوازم ہیں۔ پس یہ سوال کرنا کہ اللہ نے
 ناپاک۔ رذی اور بُری چیزوں کو کیوں پیدا کیا۔ اس کے اسما و صفات۔ ملک و ربوبیت سے
 نادانی اور نادانانہ کیفیت پر مبنی ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو مختلف حالات و مراتب پر
 پیدا کیا ہے۔ اور یہ اس کی کمال قدرت اور ربوبیت کی نشانی ہے۔ بعض مخلوق تو ایسی بنائی
 ہے کہ وہ تمام نعمت و کمالات کی قابل و صلح ہے۔ اور بعض بالکل کسی کمال کی قابلیت نہیں رکھتی۔
 اور ان دونوں مرتبوں کے بیچ میں بہت مختلف مراتب ہیں۔ جن کو خلاقِ علیم کے سوا اور
 کوئی نہیں جانتا۔ اور ہر ایک مختلف کائنات کی چیزوں کے حصول کی طرف راہ نمائی کی ہے۔ جن کے
 وہ صلح و قابل ہے۔ اور جمالی۔ مقبول۔ قبول سب اس کے مقول۔ مخلوق اور اس کے فعل و
 خلق کا اثر ہے۔ یہی مسئلہ ہے جس کو جبر یہ و قدر یہ نے نہیں سمجھا اور راہ حق سے دور ہو گئے۔
 توفیقِ خدا ہی کے ماتحت ہے۔ قدر یہ۔ کہ جس میں کہ ختمِ بیج سے یہ مراد ہے کہ اللہ سبحانہ سے خود
 انکی نسبت اور نیز ان کے کالوں اور دونوں کی نسبت یہ تہادہ و یہ کہ یہ ایمان نہیں لائینگے۔ اور یہ حق

بات سنیگے۔ اور نہ اُسے قبول کریں گے :

انہی باتوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بات تمہاری سی ڈی ہی جیسے پہلے کہہ چکے ہو کہ کائنات کے ربوں اور کائناتوں پر اللہ تعالیٰ کے قسم و طبع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی خبر دینا ہے کہ ان پر ختم و طبع ہو چکا ہے اور نہ در حقیقت ختم و طبع کا فاعل اللہ نہیں۔ اور اس کا جواب کافی طور پر ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیا لنت کے روستہ کسی محامہ میں بیویوں پر لنت نہیں۔ کہ میں نے فانی شخص کے دل پر ضرر لگائی اور اس کا یہ منی ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے جہنم شدہ ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ فانی کو تعین بتلایا۔ ہرگز کسی محامہ میں ایسا نہیں آیا۔ لنت اور قرآن کریم پر قہر افراتہ ہوتے ہوئے :

بعض قدر یہ کہتے ہیں کہ کفار کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے کئے ہر لگائے۔ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ولی بانوں یعنی کفر وغیرہ سے واقف و آگاہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ولی باتوں کو لکھ رہا ہے تاکہ قیامت میں انکو سزا دے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی نشانی اور علامت رکھ دی ہے۔ کہ جس سے ملانہ معلوم کر لیں کہ فلاں لوگ کافر ہیں۔ اور ان سب خرافات کا جواب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ قدر یہ کہتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ختم۔ صبر اور قفل ایمان لانے سے بے رغبت ہوں۔ بلکہ یہ ایک گویا غفلت اور بلاوت اور گہری نظر سے نہ دیکھنے کے قسم سے ہیں۔ جو حق سے اعراض اور روگردانی کا موجب بنتے ہیں۔ یہ غفلت۔ بلاوت وغیرہ جیسا کہ قدر یہ کہتے ہیں جائز ہے کہ شرع اور ایسا دوسرا ہو۔ اگر کفار جتنی اتنی حانت میں نظر غور دیکھتے اور تہذیب کرتے تو ضرور ایمان کو اختیار کرتے۔ اور جب یہ چیزیں دل میں مستحکم اور مضبوط طور سے متمکن ہو جائیں۔ تو پھر ایمان لانا محال ہے۔ اور یہ ختم۔ طبع وغیرہ بند سے کے فعل اور اس کے اعراض غفلت اور حق و ہدایت کے مقابل شہوات نفسانی کو اختیار کرنا اور نتیجہ ہیں۔ یہی غفلت جب دل میں تثان مستحکم ہوگئی تو ایک صفت راستہ طبع ختم۔ قفل اور ران بن گئی ایندنی حالت میں کفار اور ایمان کے درمیان حائل نہ تھی اور اس کے سلسلہ ایمان لانا ممکن تھا۔ ابتدائی حالت میں اگر ایمان لانا ارادہ کرتے تو ان موانع کے موجود ہوتے بھی ایمان اختیار کر لیتے۔ مگر جب یہ موانع خوب مستحکم ہو گئے۔ تو پھر ایمان لانے کی کوئی صورت نہ رہی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ آدمی کو جس چیز کی محبت ہوتی ہے۔ اول اہل اس کی خوبی دیکھتی اس کے دل میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ جس سے اس کے دل میں اس میں کثرت کشش اور میلان پیدا ہوتا ہے۔ پس اگر اس

اس حالت میں اُس کشتی اور میلان کو روک دے تو وہ رُک سکتا ہے۔ کیونکہ الٰہی تمکُن اُس کے
اسبابِ تخیل مضبوط نہیں ہوئے اور اگر وہ اُس میلان کو بند نہ کرے تو رفتہ رفتہ اُس کے
اسباب قوی ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اس قدر زور پکڑ جاتا ہے کہ پھر اُس کا ہٹنا اور دُور کرنا
ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور اُس چیز کی محبت اور عشقِ دل میں ایسا گھر بنالیتے ہیں۔ کہ اس کا
دل صرف اسی چیز کی طرف لگا رہتا ہے۔ اور مجبُوب کے سوا اور کسی چیز کی اُس پر
مطلقاً گنجائش نہیں رہتی۔ اور اب اس سے باز آنا اُس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ اور شروع
شروع میں اس کام سے باز آنا اُس کے اختیار میں تھا۔ چنانچہ اس مضمون کو ایک
شاعر نے نہایت خوبی سے باندھا ہے۔

تَوَلَّوْا بِالْعِشْقِ حَتَّى عَشِقَ فَلَمَّا اسْتَقَلَّ بِهِ لَمْ يُطِيقْ
رَأَى لِحَبَّة طَلْعِهَا مَوْجَةً فَلَمَّا تَمَكَّنَ مِنْهَا عَرَّتَا

ترجمہ پہلے تو نے عشق کو اپنی حرص اور خواہش سے اختیار کیا یہاں تک کہ جب اُس
نے اپنے پاؤں جمائے اور اُس کو اُس کا بوجھ اٹھانا پڑا تو برداشت نہ کر سکا۔ دیا
کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ پانی کی ایک معمولی لہر ہے مگر جب اُس کے بیچ پہنچا تو اس میں ڈوب ملا
اسی طرح کفار بھی اگر ابتدائی حالت میں اُن امور اور اسباب کی مخالفت کرتے جو ہدایت
سے مانع تھے تو آسانی کے ساتھ اُن کو ہٹا سکتے اور ایمان لاتا اُن پر دشوار نہ ہوتا جیسے کہ
اگر بیماری کے شروع ہوتے ہی اُس کے علاج کی فکر کی جائے تو وہ آسانی کے ساتھ دُور
ہو سکتی ہے۔ اور اگر علاج میں سستی اور غفلت روا رکھیں اور بیماری اپنا زور پکڑ باتے
تو پھر طبیب پر اس کا علاج نہایت دشوار ہو جاتا ہے اور اس کی مثال یوں ہے۔ کہ
کوئی شخص کچھ میں گھٹنا شروع کرے تو وہ جب اُس کی گہرائی میں نہ پہنچے اُس سے
بچل سکتا۔ اور اپنی جان بچا سکتا ہے اور جب گہرائی میں پہنچ جائے۔ تو پھر اُس سے بچنا مشکل
اور دشوار ہو جاتا ہے۔ غرض ابتدائی حالت میں بندے کو قدرت اور اختیار ہوتا ہے اور
جب کسی چیز کے اسباب مضبوط ہو جائیں۔ اور وہ چیز زور پکڑے۔ تو پھر آدمی بے بس
ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ تقدیر کے باب میں اس کا سمجھنا نہایت
ضروری اور مفید ہے۔ اور بہتری کی توفیق اللہ کے اختیار میں ہے۔ کفر ایمان کا جاعل
اور خالق اللہ سبحانہ ہے اور اُن کے اسباب بندوں سے وقوع میں آتے ہیں۔ یہ اسباب

کبھی تو عدنی امور ہوتے ہیں اور ان کے لئے ان کی اصداد کے پیدا کرنے کی مشیت کا ہونا کافی ہے یعنی اسباب ہدایت کے پیدا کرنے سے اللہ سبحانہ کی مشیت متعلق نہیں ہوتی اور بندہ صلی عدم اور پہلی حالت میں رہتا ہے۔ اور اگر اللہ سبحانہ کسی بندے کو ہدایت کرنی چاہے تو اپنی طرف سے اُسی سے اعانت اور توفیق دیتا ہے جب تک اُس کی اعانت و توفیق نہ ہو ہدایت کبھی محال نہیں ہو سکتی ۞

فصل۔ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ طبع۔ ختم از فیصل کے ساتھ ایمان کا محال ہونا محال اور ممکن نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ اس بات پر قادر ہے کہ جس دل پر طبع۔ ختم اور قفل لگا ہے۔ ان کو کھول کر اُسے ضلال کی بجائے ہدایت۔ جہل کے بدل علم اور غی کے عوض رشد عطا کر لے۔ اور اپنی توفیق کی کنجیوں سے جو اُس کے ہاتھ میں ہیں اُس کے دل کے تمام قفل کھول دے۔ اگر اُس کی پیشانی پر شقاوت اور کفر لکھا گیا ہے۔ تو اللہ سبحانہ کو یہ قدرت ہے کہ اُسے مثلاً اُس کی جا سعادۃ اور ایمان لکھ دے۔ اور اللہ کی قدرت کے سامنے یہیر کوئی محال نہیں حضرت عمرؓ کبھی خطاب کے پاس ایک قاری نے اس آیت کو پڑھا اَخْلَا يَتَكَ بَرُّوْا اَنْفُسَكُمْ عَلٰى قُلُوْبِ اَقْضَا لَهَا (کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب کو نہیں سوچتے یا دونوں پر تائید دے گئے ہیں) اس وقت آپ کی مجلس میں ایک جوان بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا اے اللہ ان پر تائید دے میں تمہارے کنجیاں بھی تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اُن کو تو یہی کھول سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ اُس کی اس بات کو سمجھ گئے اور اس سبب سے اُس کی قدر افزائی فرمائی ۞

اور حضرت عمرؓ اپنی دعائیں کیا کرتے تھے۔ اے اللہ اگر تو نے مجھ کو شقی لکھا یا ہے تو اس کو مٹا کر مجھے سعید لکھ دے۔ بیشک۔ تو جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے۔ غرض اللہ سبحانہ جو چاہے کر سکتا ہے اُسے کوئی رکاوٹ نہیں۔ اور اس مسئلہ میں یعنی دو نوگروہ تقدیر و جبر یہ راہِ صواب سے دور جا پڑے ہیں ۞ تقدیر یہ کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر اور اُس کے نفس و اختیار سے خارج ہے کیونکہ اگر اللہ کی قدرت میں ہو اور بندہ اُنکے تو اللہ کے جوہر و لطف و کرم کے تحت ایمان لے سکتا تھا اُس کو اس نعمت سے محروم رکھا۔

اور جبر یہ کہ یہ تبدیل و تغیر اللہ تعالیٰ نہیں کرتا کیونکہ جب وہ کوئی چیز مقرر کر دے تو پھر اس میں تغیر و تبدیل نہیں کرتا۔ اور نہ اپنے علم و تقدیر کے برخلاف اس میں کوئی تصرف کرتا ہے۔ دو نوگروہ نے جس بات پر صرف و قدرت کو محدود و محدود کر دیا ہے

جس پر کسی کی رکاوٹ اور بندش نہیں۔ اور تمام مخلوق شرعاً و قدراً اُس کے حکم کے تابع ہے۔ یہ سنو بھی تقدیر کا بڑا اہم اور ضروری مسئلہ ہے انشاء اللہ باب الحود والاثبات میں کماحقہ بیان ہو گا۔ یہاں مطلب اتنا ہے۔ کہ اگر کوئی بندہ طبع۔ ختم اور قفل لگنے کے بعد بھی ان کے کھلنے کے لئے کوشش کرے۔ تو اس ختم۔ طبع اور قفل کو وہ اللہ جس کے ہاتھ میں سب چیزوں کی کنجیاں ہیں کھول سکتا ہے۔ اگرچہ ان چیزوں کو کھولنا بندے کے اختیار میں نہیں۔ لیکن اس کے اسباب بندے کی قدرت و اختیار میں ہیں۔ جیسے دوا کا پی لینا تو بندے کے اختیار میں ہے گوی بیمار جی کا دور ہونا اور صحت کا حاصل ہونا اس کے اختیار میں نہیں۔ اور جب مرض زور پکڑ جائے۔ تو پھر اسباب و تدابیر صحت کے عمل میں نہ لانے کی نسبت اُس کا کوئی عذر مستوع نہیں کیونکہ اگرچہ صحت اُس کے اختیار میں نہ تھی لیکن اسباب کا عمل میں لانا تو اُس کے قدرت میں تھا۔ جب مرض سے اس کو تنفر نہ ہوا اور اس کے دور ہونے اور حصول صحت کے لئے کوشش نہ کی حالانکہ اُسے دونوں فوائد بھی معلوم تھا۔ تو اُس نے دیدہ و دانستہ اپنے آپ پر صحت کا دروازہ بالکل بند کر دیا۔ اللہ سبحانہ نے بعض اپنے گمراہ بندوں کو جو یہ سمجھے ہوتے ہیں کہ دوا راہ راست پر نہیں راہ حق پر لگا دیتا ہے۔ اور جب ایسے لوگوں کو اسلی، ہدایت کا پر تو نظر آتا ہے تو چونکہ اُن کے نفس کو اُس سے کمال مناسبت اور محبت ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ اور جب کوئی بندہ ہدایت کو سمجھ کر اُسے پسند نہ کرے اور ہدایت کے منافع اور خوبی اور گمراہی کے نقصان اور برائی معلوم ہونے کے بعد گمراہی کو اختیار کرے تو اس نے جان بوجھ کر اپنے آپ پر ہدایت کا دروازہ بند کر دیا۔ اس حالت میں بھی اگر ہدایت کا طلب گار ہو اور اُس پر در و درکار کی بارگاہ میں اپنی محتاجی ظاہر کرے۔ جس کے سوا کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ اور یہ سمجھے کہ اگر اللہ ہدایت نہ کرے تو وہ خود بخود کبھی ہدایت نہیں پاسکتا۔ ہمینہ گمراہی میں مبتلا رہیگا۔ اور اللہ سے یہ سوال کرے کہ اللہ اُس کے دل کو پھیر دے۔ اور اُسے نفس کے شر سے بچائے۔ تو اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت عطا فرماتا اور اپنی توفیق رفیق کر دیتا ہے۔ بلکہ اگر اتنا بھی کرے۔ نہ گمراہی کو بُرا اور ایسا فہمک مرض سمجھے کہ اگر اللہ اُس کو شفا نہ دیگا۔ تو یہ مرض اُس کو ہلاک کر ڈالے گا تو یہ متفراور کراہت ہی اُس کی شفا اور ہدایت کا ذریعہ ہو جائیگا۔ شفا و ت اور گمراہی کا بڑا سبب یہ ہے کہ آدمی کو اُس سے محبت ہو اور اُس سے اچھا جانے۔ اور ہدایت اور حق کو بُرا سمجھے۔ غرض اگر کوئی گم گشتہ جس کے دل پر کفر کی مہر لگی ہے اُس کو بُرا سمجھ کر خدا تعالیٰ کی طرف اُغیب ہو۔ اور حق الوجل

کفر سے نکلنے کی کوشش کرے تو ہدایت اُس سے دور نہیں اور تب طبع اور ختم اُس کے دل پر مضبوط ہو جائے تو پھر اسے کفر سے نفرت نہیں دیتی اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنے سے مانع ہو جاتی ہیں ۔ *

فصل - اگر کوئی یہ شبہ پیدا کرے کہ طبع ختم اور فضل تو تمہارے بیان کے موافق لگتا ہوں کی سزا ہے اور کفر و اعراض عن الحق تو لگتا ہوں سے سابق اور پہلے ہے۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہت سے لوگ غلطی میں پڑے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی نسبت اُس کے اسرار و صفات کے متعلق کے خلاف گمان کرتے ہیں۔ قرآن اول سے آخر تک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ پہلے پہل جب بندے کو ایمان کا حکم دیتا اور اس پر ایمان ظاہر کرتا ہے تو اسی وقت طبع ختم اور غش وہ میں مبتلا نہیں کرتا۔ بلکہ بار بار بیان اور دعوت الی الانبیاء کرنے اور بندے کی طرف سے مکر و گردانی اور کفر و عناد میں مبتلا کرنے کے بعد اللہ اُس کے دل کو بند کر دیتا اور اُس پر قہر لگا دیتا ہے جس سے ہدایت کو قبول نہیں کرتا۔ اور وہ کفر و اعراض جو اس سے پہلے تھا وہ ختم طبع سے خالی تھا۔ بلکہ وہ ایک اختیار پر موقوف تھا۔ لیکن جب بندہ اس پر جم گیا تو اُس کے لئے جبلی اور فطری چیز کی طرح لازم ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَآءَ عَلَیْہِمْ اَٰیٰتُ نَارٍ تَظہَرُ کَیۡدُ شَیْطٰنٍ رَّهْمًاۙ کَاِیۡوُمُنُوْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَ عَلٰی سَمْعِہِمْ وَ عَلٰیۤ اَبْصَارِہِمْ غَشَاوًاۙ وَ لَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (سے) پیغمبر جن لوگوں نے قبول اسلام سے انکار کیا اُن کے حق میں کیساں ہے کہ تم انکو عذاب الہی سے ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ تو ایمان لانے والے ہیں ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اللہ نے ہر لگا دی ہے اور انکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہونے والا ہے) ظاہر ہے کہ یہ حکم تمام کفار کے حق میں نہیں۔ بلکہ جو لوگ ایماندار اور رسولوں کے مسلمان گذرے ہیں وہ اکثر ایمان لانے سے پہلے کافر تھے۔ اور اللہ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر غش نہیں لگائی تھی۔ بلکہ یہ آیات کفار کے ایک خاص گروہ کے حق میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے لئے دنیا میں اس قسم کے عذاب میں مبتلا کیا جیسے کہ بعض لوگوں کی صورتیں بدل کر انکو بندہ اور مشور بنا دیا۔ اور بعض کی آنکھیں بند کر دیں۔ غرض اللہ سبحانہ جس طرح آنکھیں بند کر دینے کے ساتھ سڑ دیتا ہے اسی طرح کبھی دلوں کے بند کر دینے سے عذاب کرتا ہے۔ اور یہ سزا یعنی حق سے دور رکھنا کبھی دائمی اور ستر ہوتی ہے اور کبھی ایک وقت تک بند ہے تو اس میں مبتلا نہ کر

پھر اُسے اس سے نجات بخشا اور ہدایت نصیب فرماتا ہے۔ جیسا کہ اوردھم کے عذاب میں بھی یہی دستور جاری ہے +

فصل۔ اُن چیزوں کے بیان میں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کفار کو معصوب کرتا اور اُنکے بسبب اُن کو ایمان سے باز رکھتا ہے۔ وہ چند چیزیں ہیں یعنی ختم۔ طبع۔ اکنہ۔ غلط۔ غلات۔ حجاب۔ دقرا۔ غشاوہ۔ رین۔ غل۔ سند قفل۔ ضم۔ کچم۔ عقی۔ صمد۔ صرف۔ شتہ علی القلب۔ قسلاں۔ اغفال۔ مرقض۔ کلقیب افدہ۔ ردوں کا پھیرنا، قول بین المرء وقلبه (اُدنی اور اُس کے دل کے بیچ حائل ہونا) از غلہ القلبوب۔ ردوں کا میوہ کرنا، خذلان۔ ارکاس۔ تیشیط۔ ترہین۔ ہدایت اور تظہیر کا ارادہ نہ کرنا۔ ماتتہ القلبوب یعنی دلوں میں جیاتی پیدا کرنے کے بعد اُن کو بارڈ الٹا جس سے وہ اپنی اصلی موت پر رہائش۔ ذر کو اُن سے روک دینا جس سے ظلمت اصلی میں پھنسے رہیں۔ تولی کو ایسا سخت کر دینا کہ اُس میں ہدایت کی صورت نہ جم سکے۔ اور بیٹنے کو ایسا تنگ کر دینا جو ایمان کو قبول نہ کر سکے +

مندرجہ بالا چیزیں دل میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق دل سے ہے جیسے ختم۔ طبع۔ قفل۔ اکنہ۔ غل۔ غفال۔ مرض وغیرہ اور بعض ایسی ہیں جنہوں کے قاصد اور ہدایت تو اس سے بچانے والے بعض گناہ متعلق ہیں جیسے صمم۔ دقرا۔ بعض وہ ہیں جن کو دل کے پامبان سورج کیدار یعنی آنکھ سے تعلق ہے جیسے عی اور غشاوہ اور بعض وہ ہیں جو دل کے ترجمان قاصد اور اس کی حالت سے پیغام پہنچانے والے یعنی زبان سے متعلق ہیں جیسے زبان کا گونگا ہونا جو دل کے گونگا ہونے کا نتیجہ ہے۔ کہ جب دل گونگا ہو جائے تو زبان بھی گونگی ہو جاتی ہے۔ اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ختم۔ طبع۔ خیرہ یہ تمام الفاظ استعارہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ اور ان کے مجازی معنی مرد ہیں۔ انکی بات قابل التفات نہیں۔ یہ اللہ و رسول کے شان کو نہیں سمجھتے۔ بس اُن کی کجہ اور علم اس قدر ہے کہ قفل نوپے کا ہوتا ہے اور رکنا کر بند کرنا صمم۔ لاکھ یا سٹی سے ہوتا ہے۔ اور بیماری اُن کے نزدیک تپ جائزے قلع و غیرہ امراض بدن میں سمجھ ہے۔ اور موت روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے۔ اور نامیانی یہ ہے کہ آنکھ کی وہ روشنی جاتی ہے جس سے انسان محسوسات کو دیکھتا ہے۔ یہ فرق بھی گراہی کے چاہ میں پڑا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں جس شے کی علامت منسوب ہو گئی۔ اُسی کے مناسب آنکھ صغیرا ہونگے بشلا دل کا قفل دل کے اور دروازے کا قفل دروازے کے مناسب اور اسی طرح دل کو بند کرنا اور اُس پر رکنا دینا اُس کے موافق اور صندوق اور دروازے وغیرہ کو بند کر کے اُن پر

نہ کرنا اُن نے حسب حال چوگا۔ اور اسی طرح کان کا بہرہ اور آنکھوں کا اندھا ہونا بھی حسب حال ملو
ہوگا۔ دل کی موت اور زندگی بدن کی موت اور زندگی سے جدا اور اُس کے موافق ہوگی۔ بلکہ
ان امور کو بدن کی نسبت دل سے زیادہ لگاؤ ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ امور دل کی نسبت
حقیقت اور حاسم محسوسہ کی نسبت مجاز ہیں۔ تو اُس کا قول بھی صحیح نہیں۔ غرض عموماً یہ کہم۔ موت
تقل۔ حقیقت دل کے لئے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **قَالَتْهَا لَا تَعْمَىٰ إِلَّا بَصَاصًا وَكَانَ**
تَعْمَىٰ الْقُلُوبُ الْيَتِيمَ فِي الظُّلُمَاتِ (بات یہ ہے کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہو اگر قیاس بلکہ دل جو
سینہ میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ نابینائی کی جدا اور اصل دل کا نابین
ہے۔ اور یہ آنکھوں کے اندھا پن سے اور زیادہ سخت ہے۔ یہ آیت ان احادیث کے طرز پر ہے
سرور کائنات نے فرمایا ہے **إِنَّمَا الزَّبَانِي الْمَشِينَةُ** یعنی بھاری سودنیا اور ادھار میں ہے
وَأَيُّهَا الْمَاءُ صَيِّدٌ (الما یعنی خواب کی صورت میں نہانا ضروری تب ہوتا ہے۔ جب منی نکلے
وَلَيْسَ الْغَنَاءُ عَنْ كَثَرَةِ الْعَرَضِ إِنَّمَا الْغِنَى عَنِ النَّفْسِ یعنی مال و سبب کے بہت ہونے
سے آدمی پُر اغنی نہیں ہوتا پُر اغنی وہی ہے۔ جس کا جی بھر جائے۔ اور نیز فرمایا ہے پُر سکین
وہ نہیں جو در بدر بھیک مانگ کر ایک دو گھنٹے یا ایک دو گھنٹوں لیتا پھر تا ہے کال سکین وہی
ہے جو محتاج ہو اور سوال نہ کرے کہ کوئی اُس کی حالت معلوم کرے اُس کو کچھ دیدے۔ اور فرمایا
ہے وہ شخص جو دوسروں کو پچھا دے کہ کوئی بڑا پہلوان وزور آور نہیں۔ بڑا پہلوان اور شاہ زور
دمی ہے جسے غضب کے وقت اپنے نفس پر قابو ہو۔ ان سب جملوں میں جن جن چیزوں سے
اُنکے اسماء کو اپنے نفسی فرمایا ہے۔ تو نفی بالکلیہ اور نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بالمقابل
ذکر فرمائی ہیں وہ ان سے بڑی زیادہ مستحق اور وہ اس معنی میں کال ہیں۔ اسی طرح **لَا تَعْمَىٰ إِلَّا بَصَاصًا**
وَلَكِنْ تَعْمَىٰ الْقُلُوبُ الْيَتِيمَ فِي الظُّلُمَاتِ یہاں بھی مطلب ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول **لَيْسَ الْيَتِيمَ**
أَنْ كَوْنُوا وَيُؤْتِيَكُمُ قِيلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ **وَلَيْسَ الْيَتِيمَ** **أَنْ كَوْنُوا** **وَلَيْسَ الْيَتِيمَ**
أَنْ كَوْنُوا (یہی نہیں کہ نماز میں اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف کر لو۔
بلکہ اصل یہی نواہی کی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں اور پیغمبروں
پر ایمان لائے) آخر آیت تک اسی طرز پر وارد ہے۔ غرض بہر حال نابینائی وغیرہ جو صفیہ دل
کی طرف نسبت کی گئی ہیں وہ دل کے لئے حقیقتہً ثابت ہیں۔ اور چونکہ دل تمام اعضاء بدن کا
بادشاہ ہے اور وہ سب اس کا لشکر ہیں اور اُسی کی اجازت سے وہ ہلتے چلتے اور تمام کاروبار کرتے

ہیں۔ نیز ارادہ توی اور حرکت اختیار یہ سب دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے سعی۔ بکرم وغیرہ صفات میں بھی دل اصل اور متبوع ہے اور دوسرے اعضاء فرح اور اُس کے تابع ہیں۔ اب ہم ان سب امور کو تفصیلاً بیان کرتے اور بتلا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کس کس موقع پر ان کو ذکر کیا ہے۔ ختم تو ایت **خَتَمَ اللَّهُ الْأَلْیَہِ** میں مذکور ہو چکا ہے۔ ازہری نے اُس کے معنی کی نسبت کہا ہے کہ ختم کا اصلی معنی ڈھانپ دینا ہے۔ چنانچہ عرب کو محاورہ ہے **خَتَمَ الْبَدُنَ فِي الْأَرْضِ** یعنی بچ کو زمین میں ڈھانپ دیا ہے۔

عطاء کا قول ہے کہ ختم اور طبع کا معنی لغت میں ایک ہی ہے یعنی کسی چیز کو ڈھانپ دینا اور اس طرح بند کر دینا کہ کوئی اُس کے اندر نہ جاسکے۔ لکن اقل تم **تَلَوْنِیْ اَقْلَمَ لَهَا** و قولہ تعالیٰ **طَبَعَ اللَّهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ** (اللہ نے ان کے دلوں پر تھر لگا دی ہے) میں کتابوں کو ختم اور طبع اس معنی میں جو اوپر ذکر ہوا ہے دو نوشر ایک ہیں۔ لیکن ایک اور معنی کے لحاظ سے دو نوں میں فرق ہے۔ یعنی طبع در بند کرنا ہے جو نلری اور طبی کی مانند لایم ہو جائے اور کبھی سفارح نہ ہو۔ اور ختم مطلق بند کرنا ہے **اَلْکُتٰہُ اٰیٰتِ وَیَجْعَلُنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکْثَ اَنْ یَّفْقَهُوْا وَفِیْ اٰذَانِهِمْ وَقَرًا** (ان کے دونوں پر ہم نے غفلت اور ہٹ دھرمی کے پردے ڈال دیئے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں غیٹہ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں) میں مذکور ہے۔ لفظ اَکْثَ کناس کی جمع ہے جیسے اعنہ عنان کی جمع ہے اس کے مادہ کے معنی بھی پوشیدہ کرنے اور ڈھانپ دینے کے ہیں۔ مجرد اور مزید کے معنوں میں ایک ہی معنی ہیں۔ میں کتابوں بلکہ ان دو نوں میں فرق ہے مزید کے معنی ہیں پوشیدہ اور مخفی کرنا۔ **اَقْلَمَ** تعالیٰ **اَوْ اَلْکُتْمَ فِیْ اَنْفُسِہُمْ** دیکھ اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھو اور مجرد کے معنی ہیں محفوظ اور نگاہ رکھنا۔ **اَقْلَمَ** **یَبْقٰی مَکْنُوْنٌ** اور پوشیدہ کرنے میں دو نوں شریک ہیں۔ لیکن اس چیز کو کہتے ہیں جو غلاف کی طرح ہر طرف سے چھپا دے۔ کفار نے خود اس بات کا اقرار کیا تھا کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول بیان فرمایا ہے **وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْ اَکْثَ فَمَا تَدْعُوْنَا اِلَیْہِ وَفِیْ اٰذَانِنَا وَقَرًا** **مِنْ بَیْنِنَا** **یٰۤاٰیٰہِیْ** (اور اے پیغمبر لو! یہ بھی کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو۔ ہمارے دل تو اُس سے پردوں میں ہیں کہ تمہاری بات دل کو نہیں گنتی) اور ہمارے کانوں میں (ایک طرح کا پردہ) **رَاحِلٌ** (ہے) کفار نے دل۔ کان اور آنکھ تینوں کے پردوں میں کرکٹ۔ **وَقَرًا** اور حجاب کو ذکر کیا

ان کا مطلب یہ تھا کہ اسے پیغمبرِ تیری بات کو سمجھنے۔ سننے اور سمجھنے نہ دیکھتے تھے یعنی تیری بات قبول نہ کرنے میں اسے ہر جیسے کوئی شخص تیری بات نہ سمجھتا اور نہ سمجھنے کی طاقت تھی۔ ابن عباس نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل ایسے پھیلوں میں بند ہوئے۔ جو تیرے دل کے ترکش کی مانند ہیں۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ ہمارے دلوں پر یہ دھبہ پڑا ہے۔ سو اس لیے ہم تیری بات کو سمجھ نہیں سکتے۔

فصل غلطی کا ذکر اس آیت میں ہے وَ عَصَيْنَاكَ يَا يَهُودُ ابْنِ عَصَىٰ لَكَ فَإِنَّ عَصَاكَ لَأُولَىٰ لَئِنْ كُنَّا إِلَّا نَعْتَدُ لَكُمْ فِي بَنِي إِسْرَٰءِيلَ مَا يَكُونُ لَكُمْ عِلْمٌ بِمَا يُكَلِّمُكُم بَيْنَ يَدَيْهِ فَذِكْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا لِيَتَذَكَّرُوا بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَفِيٌّ اسی دن دوزخ کو (بھی) کافروں کے سامنے لائیش کریں گے جن کی آنکھیں ہمارے ذکر (یعنی قرآن کی طرف) سے (غفلت کے) پرے میں تھیں اور حق کی طرف سے اُن کے کانوں میں گرائی تھی (کہ وہ اس کو سن نہ سکتے تھے) *

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ قرآن کریم کی آیات۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کی باتیں اور عجائبات قدرت کے دیکھنے سے انکی ظاہری آنکھوں پر پردہ پڑا ہے۔ دوم یہ کہ قرآن کریم کے سمجھنے۔ اس میں تدبیر فکر کرنے اور اس کے ذریعہ ہدایت پانے سے اُن کے دلوں کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ یہ پردہ پہلے دل پر پڑا اور اسی کا اثر آنکھ میں بھی پہنچا۔

فصل غلاف و قَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ هُمْ (اور کہتے ہیں ہمارے دل محفوظ ہیں (نہیں) بلکہ اُن کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن کو پھنکار دیا ہے) میں مذکور ہے۔ کفار کے قول قَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ کفار کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل علم و حکمت کے خزانے اور محل ہیں باوجود اس کے جب تیری بات کو نہیں سمجھتے (نہ معلوم ہوا) تیرا دین علم و حکمت کے اصول پر قائم نہیں) یا یہ مطلب ہے کہ چونکہ ہم خود علم و حکمت میں ماہر ہیں۔ اس لیے ہمارے دل تیری آیات کے محتاج نہیں۔ اس قول کے مطابق غُلْف لفظ غلاف کی جمع ہوگی۔ اور اکثر مفسرین کا یہ قول ہے اور یہی صحیح ہے کہ اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل تیری بات سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور اس صورت میں لفظ غُلْف لفظ غلاف کی جمع ہوگی۔ جیسے اکثر کی جمع حشر ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ جو چیز غلاف میں ہو۔ اُس کو غلف کہتے ہیں جیسے سینٹ اُغلف وہ تلوار جو نیام میں بند ہو تو اُس اُغلف وہ کمال جس پر غلاف چڑھا ہوا ہو۔ سَجَل اُغلف وہ آدمی جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ ابن عباس قتادہ اور مجاہد نے کہا ہے۔

معنی یہ ہے کہ ہمارے دلوں پر پردہ ہے یعنی تفصیلات میں بند ہیں۔ اس لئے تیری بات کو سمجھ
 بوجھ نہیں سکتے۔ اس آیت کا یہی معنی صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں کثرت سے اس کے نظائر
 موجود ہیں جیسے تَقْلُوْا حِجَابًا اِنَّکُمْ وَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی کَا تَمَّ اَعْمَلُہٗ فِی عِظَاۃِ عَنِّ ذِکْرِی۔
 (جن کی آنکھیں ہمارے ذکر یعنی قرآن کی عزت) سے غفلت کے پردے میں تھیں ان کے
 علاوہ اور بھی بہت سے نظائر موجود ہیں۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ غلف کے معنی علوم و حکمت
 کے نرانا ہے۔ انکے قول پر عبارت میں کوئی قرینہ موجود نہیں اور نہ قرآن میں اس کی کوئی
 نظیر ملتی ہے۔ جو اس معنی پر معمول ہو۔ اس کے علاوہ علم و حکمت کے ساتھ اپنی تعریف کرنے
 کے موقع پر انسان ایسا لفظ نہیں بولتا۔ کسی محاورے یا استعمال میں یہ نہیں دیکھا۔ کہ کسی اہل علم
 نے کہا ہو کہ میرا دل غلاف ہے یا مومنین عالمین کے دل غلف یعنی علم کے خزانے ہیں غلاف
 ہر چیز کے لئے ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ اچھی اور عمدہ یا بدی اور خراب ہو۔ پس دل کے غلاف
 ہونے سے یہ ضروری نہیں۔ کہ وہ علم و حکمت ہی کا غلاف ہو۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے
 اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ پہلے قول کے مطابق تو لفظ دل کے ساتھ اضطراب و تردید صحیح ہے
 کیونکہ اس کے مطابق مطلب یہ ہو گا۔ کہ تمہارے دل علم و حکمت کے خزانے نہیں۔ بلکہ ان پر
 ضرر کا ٹکائی گئی ہے۔ اور صحیح قول کی بناء پر اضطراب و تردید کیسے صحیح ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے
 کہ اضطراب و تردید کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ وہ یہ کہ کفار نے یہ حجت پیش کی تھی۔ کہ اللہ نے رسول
 کا کلام سمجھنے کے لئے ان کے واسطے کوئی سبیل نہیں بنایا۔ بلکہ ان کے دلوں کو غلا فوں
 میں بند کر دیا ہے۔ اس لئے وہ قرآن کے سمجھنے سے قاصر ہیں یعنی انہوں نے یہ دعوئے کیا کہ
 ان کے دل خلقت ہی غلا فوں میں ڈالے گئے ہیں۔ اس لئے وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہیں
 اور رسول کی تبلیغ ان پر حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوئے کی تردید کے لئے
 فرمایا بَلْ لَّتَنْہٰکُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِہُمْ (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی
 ہے) ایک اور آیت میں ہے بَلْ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی بِکُفْرِہُمْ (بلکہ اللہ بات یہ ہے کہ اللہ نے
 ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر ضرر لگا دی ہے) غرض اللہ سبحانہ نے یہ جواب دیا۔ کہ
 لعنت یعنی اپنے فضل و توفیق سے محروم رکھنا اور ان کے دلوں کو بند کر دینا ان کے اس کفر کی
 سزا ہے جس کو انہوں نے پہلے اپنے لئے پسند کیا۔ اور ایمان پر اسے ترجیح دی۔ یعنی یہ طبع
 اور لعنت بطور سزا کے کفر سابق ہے نہ یہ کہ ان کے دل خلقت غلاف میں ڈالے گئے ہیں جو کچھ

سمجھ بوجھ سکیں پھر اللہ ان کو ایمان لانے کا حکم دے۔ اور ان میں اس کے سمجھنے کا مادہ نہ ہو بلکہ کفار۔ نہ تو وہ اپنے کفر اختیار کر کے ایسے اعمال کئے جس سے طبع اور ختم علی القلوب کی سزا میں مبتلا ہو سکتے۔

فصل۔ حجاب۔ ایت وَ مِنْ مَّيْمَنَاتِ بَيْنِيْكَ وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ (اور ہم میں اور تم میں دائرہ۔ طرح کا پردہ ملا ہے) اور اللہ تعالیٰ کے قول فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَجَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُوْمِنُوْنَ بَارًا اَخْرَجْنَا مِنْ حِجَابٍ مَّا مَسْتُوْا (اور) (پچھیر) جب تم قرآن پڑھتے ہو۔ تم ہو۔ تو ہم تم میں اور ان لوگوں میں جن کو آخرت کا یقین نہیں ایک گاڑ دیا۔ پردہ (مائل) لڑھکتے ہیں) میں نہ گذرے۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اسے پچھیر جب آپ قرآن پڑھتے ہیں۔ تو ہم کفار اور قرآن کے درمیان ایک حجاب ڈال دیتے ہیں۔ جو ان کو اس کے سمجھنے اس میں غور و فکر کرنے اور اس پر ایمان لانے سے روک دیتا ہے۔ اور یہ آیت وَ جَعَلْنَا عَلٰی اَصْلُوْهُمْ اَنۡتَاهُ اَنۡتَ يَكْفُرُوۡا وَّ اَنۡتَ اِذَا نَهَيْتُمُوۡهُمْ وَّ قُرۡاٰ (اور ان کے دلوں پر ہم نے غفلت اور ہٹ دھرمی کے پرستار ڈال دیے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ٹینٹ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں) اس کی مراد زمین ہے۔ اور یہ تینوں یعنی اکتہ۔ وقر اور حجاب دہی ہیں جو آیت وَ قَالُوۡا اَقْلُوۡا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمۡ لَیۡسَ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَنَا اَلَبَہُ وَ قَیۡ اِذَا نَبَاۡنَا وَ فَرَقَیۡ مِنْ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ حِجَابٌ (اور اسے پیغمبر یہ لوگ یہ بھی) کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو ہمارے دل تو اس سے پردوں میں ہیں رک تمہارے دل کو نہیں لگتی) اور ہمارے کانوں میں (ایک طرح کی گرانی ہے) کہ تم جو کہتے ہو سننا ہی نہیں دیتا، اور ہم میں اور تم میں (ایک طرح کا پردہ دھال) ہے، میں مذکور ہے اللہ سبحانہ نے نبیایات میں بتلایا کہ یہ سب چیزیں اسی نے بنائی ہیں۔ سو حجاب حق کے دیکھنے سے۔ اور اگر نہ اس کے سمجھنے سے اور وقر اس کے سننے سے مانع ہے۔ کلہی کا قول ہے۔ کہ یہاں حجاب سے رعب وغیرہ ایسی چیزیں مراد ہیں جو کفار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا اور تکلیف۔ ساقی سے مانع ہوتی ہیں۔ اور مستور بمعنی ستر ہے یا نبی معنی مراد ہیں یعنی صاحب ستر اور صحیح یہ ہے کہ مستور اپنے اصلی معنی پر ہے ایسا پردہ جو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتا اور اسے کوئی دیکھ نہ سکتا تھا۔ اسم مفعول کا اسم فاعل کے معنی میں آنا اہل لعنت سے ثابت نہیں۔ البتہ معنی اس اسم مفعول کا آتا ہے جو اپنے فعل سے مشتق ہو جیسے مکان مفعول دہوناک مکان، ریل ریل ریل و مرطوب ریل آدمی، اس کے سوا چھنے اسم مفعول ہیں وہ اپنے اصلی معنی مفعولیت

میں تسلیم ہیں جیسے مَقْرُوبٌ (دبا ہوا) مَجْرُوحٌ (دخم کیا ہوا) سَتُورٌ (چھپایا ہوا) *
 فصل ۱۱۔ رین کا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَعْلَا بَلْ سَرَاتٍ عَلٰی ذٰلِکَ مِیْثَاقٌ مَّا کَانَ ذٰلِکَ
 یُکْرَمُ لَکُمْ (میں نہیں بلکہ ربات یہ ہے کہ، ان کے دلوں پر ان (وہی) کے اعمال دہرے رنگ بٹھ گئے
 ہیں، یہ بیدہ کا قول ہے کہ کفار کے اعمال اُن کے دلوں پر ایسے ڈالے گئے جیسے شراب
 ستوانوں کی عقل پر اور موت آدمی کی زندگی پر غالب جاتی اور اُسے نابود کر دیتی ہے۔ ایضاً جہینہ
 کی حدیث اور حضرت عمرؓ کا یہ قول مَکَا مِیْثَاقٌ قَدْ رِیْتُ یَہُ یعنی وہ مغلوب ہو گیا اور رین
 نے ہر طرف سے اُس کو گھیر لیا اسی قبیل سے ہے۔ ابو معاذ نخوی کا قول ہے کہ رین یہ ہے
 کہ دل گناہوں سے سیاہ ہو جائے۔ اور طبع یہ کہ دل پر مہر لگا دی جائے اور صبح بہ نسبت رین
 کے سخت ہے اور اِقْفَال یعنی دل قفل لگایا جاتا طبع سے بھی زیادہ سخت ہے۔ فرانسے
 کہلے رین کا یہ مطلب ہے کہ کفار سے اس قدر گناہ اور معاصی سرزد ہوئے۔ کہ انہوں نے
 اُن کے دلوں کو گھیر لیا۔ ابو اسحاق نے کہا ہے ران کا معنی ہے ڈھانپ لیا۔ محاوروں میں
 بولتے ہیں فلاں شخص کے دل کو گناہ نے ڈھانپ لیا۔ رین اور غین وہ پردہ ہے جو دل کو
 ڈھانپ لیتا ہے۔ میں کہتا ہوں ابو اسحاق نے غلطی کی ہے کیونکہ غین تو ایک نہایت
 لطیف اور رقیق چیز ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میرے دل پر رین
 آجاتا ہے اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ ران اور رین تو دل کے
 نہایت غلیظ اور کثیف پردے ہیں۔ مجاہد نے کہا ہے رین یہ ہے کہ بندہ گناہ پر گناہ کرتا چلا
 جائے یہاں تک کہ گناہ اُس کے دل کو ہر طرف سے گھیر کر ڈھانپ دیں اور وہ مردہ ہو
 جائے۔ سقائل کا قول ہے کہ کفار کے اعمال جیشہ نے اُن کے دلوں کو ڈھانپ لیا۔ سنن
 نسائی اور ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
 کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک سیاہ
 نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اُس گناہ سے باز آجائے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل
 صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر گناہ میں ترقی کرے تو وہ نکتہ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ
 وہ اس کے دل پر غالب آجاتا ہے اور یہی ران ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے
 مَعْلَا بَلْ سَرَاتٍ عَلٰی ذٰلِکَ مِیْثَاقٌ مَّا کَانَ ذٰلِکَ یُکْرَمُ لَکُمْ۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے
 عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے۔ کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ

پیدا ہو جاتا ہے اور گناہ میں مشغول رہنے سے وہ اس قدر مڑبڑھ جاتا ہے کہ اس سے تمام دل سہا ہو جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بتلادیا ہے کہ کفار کے وہ گناہ جو انہوں نے کیا تھے۔ ان کے دلوں کے زین کے موجب ہوئے۔ اور زمین کے سبب سے یعنی ان گناہوں کا خالق تو بیشک اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کا صدور ان سے ہوا۔ پس سبب اور سببہ دونوں کا خالق اللہ ہے۔ مگر فرق اتنا ہے کہ سبب بندہ سے ہے کی قدرت ذاتی یا سببہ ظہری یا سببہ۔ اور سبب کا وجود اس کی قدرت اختیار سے باہر ہے۔

فصل نخل کا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے نَقَدْ حَتَّى الْقَوْلِ عَلَى الْكَرْهَةِ فَهَمْ كَالْ
يَوْمِئِذٍ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلًا لَاْ يَفْقَهُوْنَ اِلَّا اَلَاذْقَانِ فَهَمْ مُّقَمَّقُونَ وَجَعَلْنَا
مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اَقَاغَشَيْنَا هُمْ فَهَمْ كَالْاَيْبُسِ وَتَد
ان میں سے اکثر پر تو فروودہ رخصا پورا ہو چکا ہے تو یہ کسی طرح ماننے والے نہیں ہم نے
ان کی گردنوں میں (جھاری بھاری) طوق ڈال دیے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک دپھنسے ہوئے ہیں
تو ان کے سر (ایسے) الٹ کر رہ گئے ہیں کہ ان کو رستہ دکھائی ہی نہیں دیتا، اور ہم نے ایک دیوار (تو)
انہیں آگے بنائی اور ایک دیوار ان کے پیچھے اور اوپر سے ان کو دیا ڈھکانا، تو کچھ ہی نہیں
سکتے، اس کی تفسیر کے متعلق فرمائے کہا ہے کہ ہم نے ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روک
دیا۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ ہم نے کئی ایک عوانع کے ساتھ ان کو ایمان سے روک دیا۔ اگر
کوئی شخص اس پر یہ شبہ کرے کہ جو طوق ایمان سے مانع ہے۔ اس کا تعلق اور لگاؤ تو دل سے
سے ہیں یہاں گردن کا طوق کیسے مذکور ہوا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ دستورِ حق طوق
گردن میں ڈالا جاتا ہے۔ اس لئے تشبیہاً قلاب (دل) کو عنق (گردن) کے لفظ سے تعبیر کیا ورنہ
مراہ لفظ عنق (گردن) سے قلب ہے اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود ہے۔ وَكَلَّمَ النَّاسِ
الْمُتَمَنِّئِينَ طَارِدًا فِيْ عُنُقِهِمْ اور ہم نے ہر ایک کی بُرائی بھلائی کو اس کے ساتھ لازم کر کے
اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے اور محاسن میں بولتے ہیں میرا گناہ تیری گردن پہ ہے اور یہ گناہ تیری
گردن پہ ہے۔ ایک اور مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَجْعَلْ لِّدِينِكَ مَغْلُوبًا اِلَّا
عُنُقُكَ (اور اپنا مانتہ نہ تو اتنا سیکڑو کہ (گو یا) گردن سے بندھا ہے) اس آیت میں نخل اور خرچ
نہ کرنے کو بائعہ کے گردن کے ساتھ جابدا ہوا ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی لئے
اِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلًا کی تفسیر میں فرمائے کہا ہے ہم نے ان کو خرچ کرنے سے

روک دیا۔ ابو اسحاق کا قول ہے کہ جب کوئی چیز شیخس کے لازم حال ہوتا رہاں ہستہ میں کہ چیز
 فلاں شہر کی گردن میں سے بھی گئے۔ کہ ہر چیز اس کو لازم ہے۔ ابو علی نے کہا ہے کہ یہ جملہ عرب
 کے اس نام کے مشتاق ہیں۔ **عَلَيْهِ قَاتِلُ كَذَا** (میں نے فلاں چیر تر سے لگے کا طوق ہرادی) اور
قَدْ أَتَيْتُ كَذَا (میں نے فلاں چیر تر سے لگے کا ہر بنا دی) اور اسی تہا ورد کہ موقوف پر فقرہ بھی
 سے یعنی **عَلَيْهِ كَذَا** (اللہ کا فلاں کذا) (یعنی بادشاہ نے ہمدوم کو بھی گئے مار یا گردن کے طوق کی
 طرح اسے لازم کر دیا اور عرب کا مقولہ **قَدْ أَتَيْتُ كَذَا** (میں نے کذا ایسی میں نے یکم فلاں
 شخص پر گردن کے طوق کی طرح لازم کر دیا اور ثقیانی نے تالیف شائقہ کو انفلال سے تعبیر
مُرَابِطَةٍ وَيَصْنَعُ عَنْهُمْ رَضْمًا هَهُمَّةً وَأَلَا خِلَالًا أَلَيْتُ کے **أَشْتُ تَحْلِيصُهُ** (اور اس کا حکم سخت
 کے) بوجہ جو ان لوگوں (کہ سروں) پر دلائے ہوئے تھے اور چنڈے جو ان پر اڑا دیئے تھے
 پتھر ان سب کو ان پر سے دور کرنے ہیں) اللہ تعالیٰ نے کیا عیاف کی نسبت اور دشواری کے
 لحاظ سے ان کو انفلال سے تشبیہ دی ہے۔ حسن نے کہا۔ ہر حال سے تہا عیاف مراد ہیں۔ جو
 پانی آنتوں کی بناوت میں رہیں۔ مثلاً جیسے جو کچرا یا ثیاب سے ناباک ہو جائے اس کے ناباک
 ہونے کو نکال دینا۔ تو ہر حال میں جان کو مار دینا۔ جن اعضاؤں سے گناہ سرزد ہو ان کو قطع
 کرنا۔ اور کھانے کے گوشت میں سے رگوں اور بھجوں کو نکال دینا۔ اس تشبیہ کا قول سے
 انفلال سے یہ مراد ہے کہ لفظ شجاعت نے ان پر بہت سی وہ چیزیں جو آیت حضرت محمد مصطفیٰ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال فرمائی ہیں حرام کر دی تھیں۔ اور یہ بات ان کے واسطے طوق
 کے قائم مقام تھی کیونکہ جیسے طوق زنجیر ہاتھ کو روک دیتے ہیں اسی طرح حرام کر دینا استعمال
 کو روک دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول **فَهِيَ أَيْ كَذِبُ قَانٍ** کی تفسیر کے متعلق ایک جامعہ
 نے کہا ہے کہ ضمیر بھی لفظ ایذائی دیا فقہ کی طرف راجع ہوتا ہے گو وہ لفظ میں مذکور نہیں۔ مگر
 سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس لی وجہ یہ بیان کی ہے کہ طوق گردن میں ہونا ہے اور
 ہاتھ کو گردن کے ساتھ جکڑ دیتا ہے۔ اسی واسطے اس کو جامہ بھی کہتے ہیں۔ اس صورت میں
 اس کا منہ یہ ہو گا کہ ان کے ہاتھ یا دائیں ہاتھ ان کی تھوڑیوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔
 قرا اور جاج کا یہی قول ہے۔ ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ ضمیر مذکور لفظ انفلال کی طرف راجع
 ہوتا ہے اور یہی ظاہر بھی ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہو گا کہ وہ طوق ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے
 اور ان سے چوستہ اس معنی اس قدر چوڑے ہیں کہ گردن کو گھیر کر ٹھوڑی تک پہنچ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ

کے قول: **نَبِيٌّ مِّنْكُمْ** کا تفسیر کے متعلق فرما اور زجاج نے کہا ہے: **مُفْتَحٌ** وہ شخص ہے جو انھانے کے بعد اپنی بجائے کو پہنچ کرے۔ **اِقْرَاجُ** کا معنی لغت میں یہی ہے۔ سر اٹھانا اور نظر کو لپیٹ کر نہ بھاؤ۔ سے میں **لَوْ لَمْ يَكُنْ** میں **لَوْ لَمْ يَكُنْ** یعنی اونٹ نے سر اٹھایا۔ صحیحی۔ نہ کہا ہے۔ **تَعْلِقُ** تار بٹہ وہ اونٹ جو جس سے سر اٹھا ہے اور پانی نہ پئے۔ اور ہری نے کہا ہے۔ جب کفار کے ہاتھ گردنوں کی وجہ سے جکڑے گئے۔ فوطیوں کی وجہ سے ان کے سر اور ٹھوڑیاں سر اٹھانے والے اونٹوں کی طرح اوپر کی طرف اٹھنے لگیں۔ جو پہنچے ہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی شخص۔ یہ کہے کہ دل کو ہدایت اور ایمان سے روکنے اور گردن میں خنق ڈالنے میں کونسا مشرک موصیٰ ہے جس کی وجہ سے یہ تشبیہ دی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وجہ تشبیہ بنائیت ظاہر اور مناسب چیز ہے۔ کیونکہ جب بطریق گداز میں اور ہاتھ اس کے ساتھ جکڑا ہوا ہو تو ہاتھ اپنے کام یعنی چیزوں کے پکڑنے سے رکنا۔ وہاں سے اور جب طوق اس قدر چوڑا ہو کہ گردن سے بڑھ کر ٹھوڑی تک پہنچ جائے تو وہ سر کو پیچ نہ ہونے دیگا۔ اور ایسے شخص کا سر اوپر کاٹا اٹھا رہے گا۔ اس کو اور دھڑکے نہیں ہاں سیکھا۔ پھر اس ضمنوں میں بندش و رکاوٹ کا ذکر نہ تھا۔ نہ **وَجَعَلْنَا مَوْجِبَ قُلُوبِهِمْ** کہ یہ ہندوستان **اَقْدَمَ مِنْ خَلْقِهِ** نہ سداً انوار اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے۔ تاہم عباس نے کہا ہے انھانے نے ان کو ہدایت سے اس لئے روکنا یا۔ کہ اس کے علم باقی میں وہ ہدایت سے بے بہرہ تھے۔ اور وہ دیوار جو ان کے آگے اور پیچھے آڑ کر دی اس نے ان پر ہتھ کا رستہ بند کر دیا۔ اللہ سبحانہ نے وہ موانع جن کے ساتھ منزل کے طہر پر کفار کو ایمان سے روکا۔ بیان فرمائیے ہیں اور اسی ضمنوں کو نہایت عمدہ اور طبع مشائ کے پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ ان لوگوں کی بعینہ یہی حالت ہے جن کی گردنوں میں اس قدر چوڑے طوق ڈالے گئے جو ٹھوڑیوں تک پہنچتے ہوں۔ امان کے ہاتھ ان کے ساتھ جکڑ دئے گئے۔ اور وہ دیواروں کے درمیان رکھے گئے ہوں کہ اور ہر اوجہ آجائے سکیں اور ان کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ کہ ان کو کوئی چیز نظر نہ آئے۔ جب اس کافر کے حال پر غور کیا جائے۔ جس نے حق کو سمجھ کر دیدہ و دانستہ اس سے کفر و انکار کیا اور اس کی مخالفت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ تو یہ مثال بالکل اس کے حال کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس کافر اور ایمان کے درمیان ایسی ہی بندش و رکاوٹ کی گئی ہے۔ جیسے مذکورہ اصول بطریق ڈالے ہوئے شخص اور اس کے کام و کالج میں رکاوٹ کی گئی ہے +

اللہ تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں پر قفل لگے ہیں۔ متقابل کا تزلزل ہے کہ ان کے دل بند کئے گئے ہیں گویا کہ ان کے دل اس بند کئے ہوئے دروازے کی مانند ہیں جس پر قفل لگا ہوا کہ جب تک قفل نہ کھولا جائے اس دروازے کے اندر جانا اور چیزیں اس کے اندر رکھی ہوں۔ ان تکس یہ نہ پتا لیکن اور شواہد ہیں۔ اسی طرح جب تک دل کی مہر اور اس کا قفل نہ توڑ دے جائیں۔ تو اس میں ایمان اور قرآن داخل نہیں ہو سکتے۔ لفظ قلب کے لئے نکرہ اور لفظ افعال کے معنی دینے میں جو کتب مکتوب رکھا گیا ہے۔ وہ قابل غور ہے لفظ قلب اس لئے نکرہ لایا گیا ہے کہ اس زمانے کے کفار اور دیگر تمام ایسے کفار جن کے دل اس میں داخل ہوئے نہ جہاں ان کی چال پر ہوں۔ اگر نہایت کے ساتھ علی قلب کہا جاتا تو اس زمانے کے کفار کے علاوہ باقی کفار کے دل اس میں داخل نہ ہوتے اور لفظ افعال اس لئے معرکہ لایا گیا ہے۔ کہ اضافت سے یہ بات سمجھی جائے کہ افعال سے وہ قفل مراد ہیں جو دل کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ اور اس میں ایک گونہ مناسبت پائی باقی ہے۔ افعال پر مکرہ ہوتا تو تعارف و مشہور قفل کی طرف دہم چلا جاتا۔ اضافت سے اس دہم کو دور کر دیا۔

فصل یہ تم اور قفر کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے صُحُّدْ بِنُكْحِمْ وَنُكْحِمْ دِهْرَے گونے۔ اندھے ایک اور مقام میں فرمایا ہے اَذْلٰىكَ الَّذِيْنَ نَصَّوْهُمْ اللّٰهُ فَاَصْحٰهُمْ وَاعْمٰى اَبْصَارَہُمْ (یہی لوگ ہیں جن رسول نے لعنت کی اور ان کو وحی بات کے سننے سے بہرہ اور راہ راست کے دیکھنے سے) ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے)۔

وقال تعالى وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنْ اِنۡجِيْتٍ وَّالْاِنۡسَ لَہُمۡ قُلُوْبٌ لَاۤیَعْقِلُوْنَ بِہَا وَلَہُمۡ اَعۡیُنٌ لَاۤیُبۡصِرُوْنَ بِہَا وَلَہُمۡ اُذۡنٰنٌ لَاۤیَسْمَعُوْنَ بِہَا اَذٰلَکَ صَدَّاۗءٌ لِّمَاۤیۡمَنَ بَنٰی ہُمۡ اَصۡلًا وَّاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اور ہم نے بیہوش اور انسان جنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل تو ہیں مگر ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کی آنکھیں بھی ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور ان کے کان بھی ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ غرض) یہ لوگ چار پایوں کی طرح کے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی نئے نئے لوگ ہیں جو (دین سے بالکل) بے خبر ہیں)۔

وقال اللہ تعالیٰ وَالَّذِیۡنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ فَاِذَا ذُرِّعُوْهُمۡ قُرۡءَ وَّہُوۡعًا یَّہْمُوۡہُمۡ عَمَّاۤیۡمَنَ لَّوۡلِیَّتٌ مِّمَّا دُوۡنَہُمۡ بَعِیۡدٍ (اور جو ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں کے کتب میں غرائی اور وہ ان کی آنکھوں کے حق میں ناہمیاں ہیں۔ یہ لوگ (قرآن سے ایسی ہنسنے والی ظاہر کرتے ہیں

دادوں میں داخل ہوں۔ واللہ تعالیٰ نے اُن کو اس طرح قرآن میں سنا دیا۔ کہ ۔ سبحانک اے
 خدائے مہیلتے۔ گو وہ بے لکھنوں سے کہن لیا اللہ اُن پر اللہ کی جست و خیز ہو گئی۔ نگار مسند کہ جس طرح
 ایمان والوں نے سنا وہ کچھ ان کو نصیب نہ ہوا۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے بائیس دوسرے سبب
 زبان کے دروں کو قبول ایمان سے مانع ہوا ایمان فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کو اس طرح قرآن سنا
 دیتا جس سے وہ سمجھ بھی لیتے۔ تب بھی وہ اپنے تکبر و نفرت اور اعراض کی وجہ سے ایمان نہ
 لاتے۔ سر پہلا اس قرآن کے سمجھنے سے اور دوسرا امتیاز اور پیروی سے مانع ہوا۔ غرض انکی
 عقلیں خراب اور اندر سے گند سے اور مٹی میں۔ اور یہی گمراہی کا نسخہ۔ بدیہی کی سلامت
 ہے۔ چنانچہ ہدایت کا نسخہ اور سوادت کی یہ نشانی ہے۔ کہ تم تجھ پر ارادہ حال ہو واللہ
 المستعان۔ ثُمَّ لَمَّا أَصْرَحَ ۖ اذَّٰہُ قُلُوْہُمْ فَمِنْہُمْ مَّنْ سَمِعَ ۚ کہ دوسرا جملہ پہلے
 سمجھے کے ساتھ کیسا برعل واقع ہوا۔ سزاہ نفس الامری سے جبر ہوا اللہ نے اُنکی سزا کو بیان فرمایا
 ہو یعنی چونکہ وہ خود پھر گئے۔ اس لئے اللہ نے ان کے دلوں کو غی۔ سمجھ پھر شیت کی سزا میں مبتلا کیا۔
 پہلے ان کا پھرنا اس لئے ہوا۔ کہ اُن کو عدم قیامت اور نا اہل سمجھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا
 ارادہ و مشیت اُنکے قبول حق اور ایمان اختیار کرنے سے متعلق نہ ہوا۔ پس جب اُنکے دل اپنی جہالت
 اور ظلم کی وجہ سے قرآن سے غور ہو گئے۔ تو اللہ نے سزا کے طور پر اُن کو قبول حق سے دور کر دیا
 جیسے کہ دلوں کی کچی کے بد ڈیرھا کر سینے کی سزا میں انکو مبتلا کر اچھا سمجھ فرمایا ہے ثُمَّ اَنۡزَلۡنَا
 اِلَیْہِمْ اِلۡہٗمۡ ۖ قُلُوْہُمْ فَمِنْہُمْ ۚ اور اسی طرح جب سزا اللہ تعالیٰ نے اسے اعراض کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ
 یہ سزا دیتا ہے کہ اس کو اپنی طرف سے روگردان کر دیتا ہے پھر اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا
 شیطان کا قصد قابل عبرت ہے دیکھو جب اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کا حکم نہ مانا
 اور عدول علمی پر اصرار کیا۔ تو اللہ نے اسے یہ سزا دی کہ لوگوں کو ہر ایک گناہ اور بدی کی طرف
 بلانے والا اسے بھیجا۔ پس پہلی نافرمانی کی یہ سزا پائی۔ کہ تمام گناہوں میں صفا ثر اور کبار کی طرف
 داعی بھیرا۔ اور یہ سرکشی اور کفر پہلے کفر و اعراض کی مراد ہے۔ پس کی سزا دی ہے۔ دُنیا
 ایسی ہی ہے جیسے نیکی کی جوا نیکی سے اُن کو کوئی غصہ۔ شیش۔ شیش۔ شیش۔ کی جب خبر نہ لگتا
 نے انکو پھر چلا اور انکے اعراض کرنے والے اور روگردان بنا دیا۔ تو پھر انکے اعراض اور پھر جانے
 پر انکار کیسے ظاہر فرمایا۔ نہ چارٹ لیس ہے فَاٰتٰی بَعْثَۃً مِّنۡہُمْ ۚ پھر گناہ بھیرتے جاتے ہیں۔
 اور نیز اٰتٰی بَعْثَۃً مِّنۡہُمْ ۚ (پھر کبھی بھیرے ہوئے جاتے ہیں۔ اور نیز بھیرے ہوئے جاتے ہیں۔)

مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم (اگرچہ اسے اب ان لوگوں کو کیا (بہا کیجئے) ہے کہ انہیں یہ سب اس طرح اور گردانی کرتے ہیں) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ ایسا نہ کیا اور ان پر اپنی جنت کو قائم کیا ہے۔ سو پہلے ان کو تو جنت اور قدر سے بچنی ہے۔ ان کے لئے سب دروازے کھول دیئے۔ تمام انہیں آسان کر دیں اور سب سامان دیا کر دیئے۔ انہیں علیہم السلام کو چھوڑ کر بدینا زل فرمائیں۔ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ایمان کی طرف بلایا اور ایسی عقلیں بنائیں جو نیر و شہادۃ و نفع و ضرر۔ ہلکت اور کامیابی کے اسباب میں تمیز کر سکیں۔ سنت کو کان اور دیکھنے کے لئے آنکھیں عنایت فرمائیں۔ ان سب باتوں کے ہوتے جب تقویٰ کو چھوڑ کر پہلے نفس کو اختیار کیا اور ہر ایسے کے بجائے گمراہی کو اچھا سمجھا۔ اور کہنے لگے۔ کہ اللہ تیری طاعت سے ہم کو تیری نافرمانی بجلی معلوم ہوتی ہے اور توحید سے ہمیں شرک پر پار لگے۔ اور تیرے غیر کی پرستش تیری عبادت سے دنیا میں ہمیں زیادہ مفید ہے۔ پس انکے دل اپنے پروردگار۔ خالق اور مالک کی طرف سے ہٹ گئے۔ اور اس کی طاعت اور محبت سے پھر گئے۔ یہی اللہ کا عدل اور ان پر رحمت کو پورا کرنا ہے۔ بس کھانے پہلے ارادۂ جان بوجھ کر اپنی مرضی و اختیار سے اپنے اوپر ہدایت کا دروازہ بند کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو ان کو ہدایت سے روک دیا اور انکو امن کے لئے پسندیدہ کام میں بے ہوش کر دیا۔ اور جس چیز کو انہوں نے چاہا تھا۔ اسی کی حکومت میں انکو چھوڑ دیا اور ان کی مرضی مطابق چیز میں ان کو برقرار رکھا اور جس دروازے کی طرف پہلے خود دوڑ گئے تھے اس میں ان کو داخل کر دیا۔ اور جس سے منہ پھیر کر چلے گئے تھے وہ ان پر بند کر دیا۔ ان کا فیصلہ ایسا بڑا ہے کہ کوئی چیز اس سے بڑھ کر برتری نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ نہایت عمدہ اور اچھا ہے۔ اگر وہ چاہتا۔ تو ان کو اس صفت کے سوا کسی اور صفت پر پیدا کرتا اور اس خلقت کے سوا اپنی سری خلقت میں نہ ہر کرتا۔ لیکن وہ اللہ سبحانہ جو بلندی و پستی۔ نور و ظلمت۔ نافع و ضار۔ طیب و منیث۔ ناکلہ و شیطانیں۔ بگری اور بھرپوریت۔ وغیرہ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس کے سب کام حکمت سے ہیں۔ اس نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے موافق۔ سامان و آلات۔ صفات اور قوی۔ دئے ہیں۔ اور جس چیز کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے اس سے وہی کام لیتا ہے۔ بعض چیزیں تو فطرۃً اس کام میں لگی ہیں اور بعض ارادے اور مشیت سے اپنے کام کو پورا کرتی ہیں۔ اور جو کچھ ہوتا ہے۔ اس کی حکمت کے موافق ہو رہا ہے۔ جو اسکی حمد کا موجب اور اس کے مقدس کمال اور ملک تمام کا مقتضی ہے۔ اس کی حکمتوں کے متعلق مخلوق کو جس قدر علم حاصل ہے اس۔

کو اس سے کچھ نسبت نہیں جو انکو صاف نہیں ہوا۔ اُس کو مثال ایسی ہے جیسے چڑیا ایک بار اپنی بیچ میں سے سر سے پانی اٹھا لے :

فصل - اغفال کا بیان - اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : **لَا تَطْعَمُونَ اَعْمَلْنَا قُلُوبَكُمْ سِنًا ذِكْرًا قَاتِلَكُمْ هُوَاكَا وَكَانَ اَمْرًا كَظَرٍ عَالَا** اور ایسے شخص کے کہا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑے اور اُس کی دنیا داری اور سے بڑھتی ہے۔ اُسی نے ابو العباس اعقاب سے **مَنْ اَعْمَلْنَا قُلُوبَهُ كَامِطَلَبٍ يُوْجِبُ اَوَّاهُونَ** نے کہا اُس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اُس کو اپنے دُرس سے غافل کر دیا۔ اغفلتہ کا معنی محاذ سے مٹا دیا۔ اُس کا نام غافل رکھا میں نے اُسکو غافل پایا میں ہے میں کہتا ہوں غفلت سے چیز کو کہنے پر یہ جو غافل اور فارغ ہو۔ میں غفلت میں کوئی نشان نہ ہو اور محض غفلت و دروغ ہے۔ ہر کوئی جتن نہ ہو نہ بنا پر **اَعْمَلْنَا قُلُوبَهُ سِنًا ذِكْرًا** کا یہ معنی ہوگا۔ کہ ہم نے اُس کے دل کو اپنے ذکر سے فارغ اور خالی رکھا یعنی وہ اپنے عدم جسمی اور اپنی محالیت پر قائم رہا۔ اس کے ذکر کو اختیار کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق نہ ہوئی۔ اس لئے وہ غافل کا غافل رہ گیا۔ پس غفلت بندے کی صفت اور غافل کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو اللہ کے ارادے اور اُس کے حق میں قبول ذکر کی مشیت سے ظہور میں آیا۔ اللہ تعالیٰ کا اُس کے لئے غفلت کا ارادہ ہونا یا اُس کے قبول ذکر کا ارادہ نہ کرنا۔ لہذا اُس کی غفلت کا موجب ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ غفلت کفر۔ اعراض وغیرہ اس قسم کی چیزیں اللہ تعالیٰ کے اُنکے و توخ کا ارادہ کرنے کی طرف مشوبہ ہوتی ہیں یا انکی ضد اور اپنی ذکر۔ قبول حق ایمان وغیرہ کا ارادہ نہ ہونے کی طرقت مضائقہ ہوتی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے قرآن کریم سے دو نوبتیں ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **اُولَئِكَ كَذَبَتْ اَنْفُسُهُمْ فُلُوبُهُمْ** (یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا بھی انکے دلوں کو دھوکہ دیتا ہے) پس ہر ایک کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے **يُؤْتِ اِلَهُهُ فِتْنَةً** **فَلَنْ تَمْلِكُ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ** (اور دے پھر جس کو اللہ بے دینی کی بلا میں مبتلا رکھنا چاہے تو اُس کیلئے خدا پر تارا کچھ بھی نہیں چل سکتا اور وہ تو ان کی فتنہ داور جس کو اللہ بڑا کرنا چاہے) **سوال** - ایک چیز کی ضرورت کے سبب موجب کا نہ ہونا اُس چیز میں کیسے اثر پیدا کر سکتا ہے یعنی ایک بندہ۔ سبب کا عدم دوسری کے وجود میں کیونکر اثر اور اس کا مقتضی ہو سکتا ہے ۔

جواب - اگر اثر وجودی حتم ہے۔ تب تو ضرور ہے۔ کہ اُس کا سبب مؤثر وجودی ہوگا

اور اگر عدمی چیز ہے تو اس کے لئے اس کی ضد سبب موجب کا نہ ہونا کافی ہے۔ وہ اپنے عدم
 پہلی پر باقی رہی۔ اور اگر عدم سبب کی طرف متضاد ہوگی۔ تو یہ تضاد متالی الیل ہوگی۔ سبب کا نہ
 ہونا سبب کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔ پس اگر عدم سبب کو اس لحاظ و اعتبار سے ٹوٹا دیا جائے کہ
 تو اس میں کوئی خرابی نہیں۔ یہ بات بیشک صحیح ہے کہ عدم فی حد ذاتہ اثر و ثمر کچھ نہیں ہو سکتا۔
 اور اسے غافل کر دینے کے سبب کا فراہمی خواہش نفس کا نتیجہ اور حق کے قبول کرنے سے ظاہر
 رہا۔ مجاہد نے دکان اکثرہ فراطر اور اس کی دنیا داری حد سے بڑھ گئی ہے۔ اس کی تفسیر میں کہا ہے
 ضیاعا یعنی اس کا کام بربادہ ضائع ہوا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس نے اپنا کام نہایت تباہ و برباد
 کر دیا۔ سدی نے کہا ہلاک ہوا۔ ابوالہشیم کا قول ہے امرضا اس کام کو کتنے میں جیسے لا پر وہی
 سے ضائع کر دیا جائے لغت میں کنز لفظ کا معنی ہے عاجزی پیش کرنا۔ اسی بنا پر ابوالسحاق نے
 کہا ہے۔ کافر نے اس کام میں عاجزی پیش کی جس کو ضائع اور برباد کر دیا تھا۔ تبث کا قول
 ہے فوطہ وہ کام ہے جس میں کوتاہی کی جائے۔ عرب عاوریے میں کہتے ہیں کل امر فلان فوطہ
 یعنی فلان شخص کے سب کام ناتقص ہیں۔ فراطر کہتے ہیں فراطر کا معنی ہے ترک کیا ہوا۔ یعنی کافر کا یہ
 حال ہے کہ جس بات میں کوتاہی کرنی روانہ تھی۔ اس میں کوتاہی اختیار کی۔ اور جس کام کے
 پیچھے چڑنا جائز نہ تھا۔ اس کے پیچھے ہو گیا۔ اور جس چیز سے غفلت و درت نہ تھی۔ اس سے غافل

فصل مرض کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فِي ثَلَاثِينَ مَرَضًا** فَرَادَهُمُ اللَّهُ
مَرَضًا (اُن کے دلوں میں (پچیس ہی سے کفر کا) مرض تھا اب قرآن نازل کر کے اللہ نے اُن
 کا مرض (اور بھی) بڑھا دیا) و تعالیٰ نے **فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ**
 (تو فوجی زبان سے کسی کے ساتھ بات نہ کیا کرو کہ ایسا کرو گے) تو جس کے دل میں کسی طرح کا
 کھوٹ ہے (وہ نہ مانے) تم سے کسی طرح کی توقعات پیدا کر بیگا) و قال التالی و لا یز کتاب
 التین اذ لولا الکتاب و المؤمنون و لیقولن الذین فی ثلثین مریض و انکا فرقت
 ما تاسرا و الله یفعل ما یشاء و اور اہل کتاب اور مسلمان رن باتوں میں کسی طرح کا شبہ
 نہ لائیں اور جن لوگوں کے دلوں میں رنفاق کا مرض ہے اور ہمد کھلا کافر ہیں رن کر
 بول نہیں۔ کہ ایسی باتوں کے کہنے سے مذاکی کی غرض ہے۔ (دل کا مرض یہ ہے۔ کہ وہ اپنی
 صحت اور حالت اعتدال سے باہر ہو جائے۔ اور سبب یہ ہے کہ اپنے رب کا عارف۔ اس کا

محب اور سب معبودوں کو چھوڑ کر اسی کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہو۔ سو جب اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں شک کیا یا اس کے سوا کہ کوئی اور وجود دیکھ لیا۔ تو بہا یک مرض میں مبتلا ہو۔ منافق تو شک اور ریب کے مرض میں مبتلا۔ مجھے۔ اور ہر کارنگ شہوت پرستی اور سرکشی کے مرض میں گرفتار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شک اور شہوت پرستی دونوں کو مرض کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ابن ابیاری کا قول ہے کہ لغت میں مرض کا اصلی معنی فساد ہے۔ عرب بولتے ہیں۔ مَرَضٌ فَلَانٌ یعنی فلاں شخص کا جسم بگڑ گیا۔ اس کی حالت دیگر گوں ہو گئی۔ اسی طرح بَرَضٌ بِالْمَرْضِ کا معنی ہے کہ وہ بگڑ گئی اور اس کی حالت متغیر ہو گئی۔ عرب کی ایک شاعر عورت لیلیٰ خلیبہ نے کہا ہے۔

أَذْهَبْتَ الْحَاجَّ أَرْضًا مَرِيضَةً تَلْبَغُ أَقْدَى دَائِهَا خَشْفًا هَا

(یعنی حجاج جب کسی بیمار زمین پر اترتا ہے۔ تو اس کی بیماری کی حد معلوم کر کے اس کو درست کر دیتا ہے)۔ ایک اور شاعر نے حضرت امام حسینؑ کے غم میں کہا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْأَرْضَ مِنْ أَفْحَبِ مَرِيضَةٍ لَقَدْ الْخَسِينُ وَالْمِلَادُ أَفْشَعَتْ

(کیا تمہیں معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے سبب تمام بھے زمین بیمار اور سب شہر مصیبت کے مارے پریشان ہیں۔ مرض میں پادبائیں باقی باقی ہیں۔ فساد و نصف نقصان۔ اظلمت۔ عرب بولتے ہیں غداں شخص اس کام میں مریض یعنی کمزور ہو گیا اور اس میں کوشش نہیں کر سکا اور کما کما مریض النظر یعنی سست نظر ہے اور ہوا مریض یعنی آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے

سَلَحْتُ لَأَمْرِ بَعْدِكَ الزَّيْجُ مَرِيضَةٌ

ترجمہ (یعنی تیری منازل پر دوسری دوسری ہوائیں چلیں جو ان کے نشان کو نہ ملائیں)

ابن الاعرابی کا قول ہے کہ عرض کا اصلی معنی ہے نقصان بدون مریض وہ بدن ہے جس میں توت کم ہو اور جل مریض وہ جس کے دین میں نقصان ہو۔ اور محاورے میں آتا ہے میرے کام میں مرض ہے یعنی اچھی طرح نہیں چلتا۔

انہری نے مندی سے نقل کیا ہے کہ وہ اپنے کسی دوست سے نقل کرتے تھے مرض یہ ہے کہ طبیعت صفائی کے بعد سیاہ تاریک اور خراب ہو جائے اور کما کما مرض ظلمت کو کہتے ہیں چنانچہ شعر پڑھا۔

وَلَيْلَةٌ مَرِيضَةٌ مِنْ كُلِّ نَاجِيَةٍ فَمَا يُضِيئُ لَهَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ

ترجمہ (مجھ پر کئی ایسی باتیں بھی گزری ہیں۔ جو ہر طرف سے تیرہ تاریک تھیں ان میں سورج اور چاند

فروزشنی دکھائی نہ دیتی تھی :-

نظر میں کے لغوی معنی ہیں اور جو کسی پرانے اور بھیجے ہوئے کسی خوب قرینہ بدیں جیسا بچہ شکستہ۔ جس نے یہ وہاں سرگرمی و شہوت پرستی کے خیال کا دل میں ہونا اور جس کے قریب سے۔ سبب بندہ ایسا۔ بہر حال کوئی اختیار کر کے مزین بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ سے بہرہ فراویا۔ ہے کہ اس کا مرض بڑھا دیتا ہے۔ یہ کہ اس نے دیدہ و دانستہ اس باب میں کو پسند اور اختیار کیا تھا۔

فصل فی نقلیبات فائدہ دیوں کے پھیر لینے کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ نُقَلِّبُ الْقُلُوبَ فِی مَنَازِلِہَا لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُونَ اور ہم ان کے دلوں اور انکی آنکھوں کو اٹھائیں گے اور ہم ان کی سرکشی و کجی حالت میں رہنے دینگے کہ بڑے ہٹکے کریں۔ یہ آیت انشاء اذاعت کَلَّا یُؤْمِنُونَ (یہ لوگ جیسے پہلی دفعہ ان پر ایمان نہیں لائے تھے آئے پر بھی ایمان نہیں لینگے) پر موقوف ہے یعنی ہم کفار اور ایمان کے درمیان سائل ہو جاتے ہیں اگرچہ ان کے پاس ایک ایسا آئینہ مگر وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور کہنا کہ یُؤْمِنُونَ یہ اذن ہر وقت کے معنی میں مفسرین کا اجماع ہے۔ بہت سے مفسرین کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر کفار کے پاس آیات آئیں تو ہم ان کے اور ایمان کے درمیان اسی طرح جاہل ہو جاتے جس طرح پہلے ان کے اور ایمان کے درمیان ہم جاہل ہو چکے ہیں اور آبن ہمارے کا قول جسے عطا نے روایت کیا ہے کہ ہم کفار کے دل اور انکی آنکھیں پھرتے رہتے ہیں میان تک کہ وہ اس چیز کی طرف آجاتے ہیں جو پہلے سے یہ علم میں ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول ہے اِنَّ اللہَ یَنۡحُوۡلُ بَیۡنَ الْمَرْحِیۡ وَ قَلۡبِہٖ (اور جانے رہے کہ اللہ کو اپنی قدرت ہے کہ وہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان آکر آجائے) کے موافق ہے بعض نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے دل اور آنکھیں ایسے راہ حق سے پھیرتے ہیں کہ انہوں نے پہلے قرآن کو نہ مانا۔ اس لئے ہمیں انکو یہ نرا دی کہ ان کے دل اور آنکھوں کو حق سے پھیر دیا اور یہ نہایت اچھے معنی کیونکہ کافی تشبیہی قلیل رہی ان علت کا مفید ہونا چاہئے جن کو اللہ تعالیٰ اور جلیل اللہ نے جو شاہد کیا تو یہی درو کے ہم احسان کر رہا کہ اَللّٰہُ یَنۡحُوۡلُ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَ مَا کُنۡتُمْ تَعۡمَلُوۡنَ (جیسا کہ ہم نے تم میں تم ہی میں کے ایک رسول جیسے جواری آئیں تم کو بڑھ کر سناتے ہیں۔ اور تماری اصلاح کرتے ہیں۔ اور تم کو کتاب مینی قرآن اور عقل کی باتیں سکھاتے اور تم کو ایسی ایسی باتیں بتاتے ہیں جو پہلے سے تم کو معلوم نہیں

مومن بندوں کی دعا کو بیان فرمایا ہے کہ وہ یوں کہہ کر تے ہیں سَرَّيْنَاكَ لَا تَزُغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ
هَمَّائِنَا رَاسًا مَسَايَے پروردگار ہم کو راہِ راست پر لائے، پیچھے ہٹائے، دلوں کو ڈواڑوں ڈول
نہ کر لغت میں نہ بٹھائے سبیل ہے۔ محاسن میں بدلتے ہیں۔ زَاغَتِ الشَّمْسُ دُورِج ڈھل گیا
پس زَاغَةُ الْقَلْبِ کا معنی ہے دل کو ہدایت سے گمراہی کی طرف مائل کر دینا۔ اور زَلْجِ قَلْبِ کا معنی
ہے اس کا مائل ہو جانا۔ زَلْجِ کے ساتھ جس طرح دل موصوف ہوتا ہے۔ اسی طرح آنکھیں بھی اس کے
ساتھ موصوف ہوتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَإِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ
بَلَغَتِ الْاَفْئِدَةُ الْحَتَّارَ (اور تمہاری آنکھیں پھرنی لگی پھری رہ گئیں تھیں۔ اور کلیجے موصوفوں کو آگئے
تھے) اس آیت کی تفسیر کے متعلق قتادہ اور مقاتل نے کہا ہے۔ کہ ڈر کے مارے آنکھیں اوپر کو
ٹپکنے لگیں۔ اُنہوں نے یہ محال مطلب بیان کیا ہے۔ ورنہ شخص اور زَلْجِ میں فرق ہے۔ شخص کا یہ
معنی ہے۔ نہ آنکھیں کھول کر ایک چیز کی طرف ٹپکنی لگائے۔ نگاہ کو پیچھے نہ کرے۔ محاورے میں بولتے ہیں
نرے کی آنکھیں اوپر کی طرف بھلی رہ گئیں۔ چونکہ جنگ کے موقع پر مسلمانوں کو صرف اپنی مخالف جماعت
یعنی کفار کی طرف خیال تھا۔ اور نگاہ ہر طرف سے اٹھ کر اُنہی کی طرف متوجہ ہو رہی تھی۔ اس لئے وہ
سب چیزوں سے اُبل ہو کر شکر کفار کی طرف منتقل تھی +

کبھی کا قول ہے کہ مسلمانوں کی آنکھیں ہر ایک چیز سے مائل ہو کر صرف لشکر کفار کی طرف متوجہ
تھیں۔ فراء کا قول ہے۔ کہ ہر ایک چیز سے مائل ہو کر حیرت کے ساتھ اپنے دشمن کو دیکھ رہی تھیں میں
کہتا ہوں کہ سب دل میں کسی چیز کا رعب یا خوف پیدا ہو تو وہ اُس چیز کے خیال کے سوا تمام چیزوں کے
خیالات کو مٹا دیتا ہے پس اُنکے اُس چیز کے دیکھنے سے حالانکہ وہ سامنے موجود ہو پھر جاتی ہے +
فصل۔ خذلان (ترکِ اعانت) کا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنْ يَنْصَرِكُمْ دَاوُدُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ
وَ اِنْ يَخِذْكُمْ مَعَكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصَرِكُمْ مِنْ بَعْدِ + (مسلمانوں! اگر خدا تمہاری مدد پر سے تو پھر کوئی
بھی تم پر غالب آئیو الا نہیں۔ اور اگر وہ تم کو چھوڑ دیتے تو اُس کے (چھوڑے) پیچھے (دوسرا) کون ہے۔ جو
تمہاری مدد کو کھڑا ہو) +

خذلان کا لغوی معنی ترک اور چھوڑنا ہے وہ گامے یا بکری جو اپنے ساتھ والوں کو چھوڑ کر اپنی بچہ بکرت
چاہا وہ میں پیچھے رہ جائے۔ اس کو فُذُول کہتے ہیں +

محمد بن اسحاق نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے یعنی اے پیغمبر اگر اللہ آپ کی مدد کرے۔ تو کوئی آدمی آپ
پر غالب نہیں ہو سکتا۔ اور جو لوگ آپ کی مدد چھوڑ دیں۔ اُن کے مدد چھوڑ دینے سے آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچ سکے اور اگر اللہ

تپ کی مدد نہ کرے تو پھر کسی آدمی کی مدد کچھ کام نہیں آتی۔ یہ مطلب یہ کہ کسی آدمی کی خدا پرستی اس کے دوسرے سیرے احکام کی تابلیغ و تعمیل میں کچھ فرق نہ آئے اور میرے احکام کے مقابل کسی کی ذرا پرداؤ نہ کر دو۔ غذالان سے یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ بنیے کو اس کے نفس کے سپرد کر دے۔ اور اپنی طرف سے اس کی مدد نہ فرمائے۔ اور توفیق اس کی ضد ہے یعنی اس کو اس کے نفس کے سپرد نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ نطف و احسان فرمائے اور اس کی اعانت فرما کر اس سے مکر و ہات کو دفع کر دے اور اس کی اسلحہ حفاظت فرمائے۔ جس طرح ہرنان باپ اپنے صغیرالن اور کمزور بچے کی خبر گیری کرتا ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ اس کے نفس کے سپرد کر دے وہ ضرور ہلاک اور تباہ ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے یا خیر یا قیوم یا مدد یا قیوم استغوا لی و اکر من یأذ الجملی و اکر آم لا الہ الا انت سبحانک استغینک اصرلنی فی شأنی مکلف و لا تکلنی الی نفسی ظرفہ عینک لا الہ الا انت اصرلنی فی شأنی (اے حق)۔ اے قیوم۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے۔ اے بزرگی و اکرام کے مالک تیری ذات کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ میں تیری رحمت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ تو میرے تمام کام درست کر دے۔ اور ایک لمحہ بھی مجھے میرے نفس یا اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد نہ کر۔ سو بندہ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور دشمن و شیطاں کے اغوا کے بیچ میں ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے تو شیطان اس پر قابو نہیں پاسکتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اعانت نہ فرمائے تو شیطان بندے کو اس طرح شکار کر لیتا ہے جس طرح بھیڑ یا بکری کو۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ جب گدڑ یا بکری کو بھیڑیے سے نہ بچائے تو اس بھاری کا اس میں کیا تصور ہے۔ بکری میں یہ طاقت نہیں کہ وہ بھیڑیے کا مقابلہ کر سکے اور اس سے اپنی جان بچائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک شیطان آدمی کا ایسا ہی دشمن ہے جیسا بھیڑ یا بکری کا دشمن ہے چنانچہ حضور صادق و مسدوق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ملعون بھیڑیے یعنی شیطان کو اس کمزور بکری یعنی انسان سے غالب اور زبردست نہیں بنایا۔ ہاں جب وہ بکری خود بخود اپنا ہاتھ اُسے دیدے۔ اس سے دقتی پیدا کرنے لگے۔ جب وہ بلائے جھٹ بات ماننے کے لئے حاضر ہو اس کا حکم بجالائے۔ کچھ انکار نہ کرے۔ دوڑ کر اس کے پاس آئے۔ ہر طرح سے اطاعت اختیار کرے۔ اور اس محفوظ چراگاہ کو جہاں بھیڑیے پھٹکنا نہیں پاتے چھوڑ کر بھیڑیوں کے بیچ جا گئے اور ایسی جگہ چاہنے لگے کہ وہاں جو چائے ان کا شکار بن جائے۔ تو اس صورت میں سب قصور بکری کا ہے۔ خاص کر جب جگہ ان نے بھیڑیوں سے آسے ڈرا دیا۔ ان کی طرف سے جو کس کر دیا۔ اور ان بکریوں کے امان جانے کی جگہ دکھلا دی ہوں۔ جو جگہ ان سے الگ ہو کر بھیڑیوں کے بیچ میں جا گھسی تھیں +

احمد بن محمد ان مکی سنی کتاب المجلد میں لکھا ہے کہ بنی نے ابن ابی الدنیا سے یہ سننا کہ اللہ سبحانہ کو وہ علم حاصل ہے جن کو کوئی لحاظ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی مخلوق میں سے ہر ایک چیز کو وہ علم بخشا ہے۔ جو دوسرے کو نہیں بخشا۔ ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبلہ نے ہم سے بیان کیا کہ ہم سے عبد اللہ بن بکر بھی نے بیان کیا۔ وہ اپنے باپ کے روایت کرتے ہیں۔ کہ چند لوگ سفر میں تھے۔ ان میں ایک شخص ایسا بھی تھا۔ کہ جب وہ کسی پرندوں کو بوسنتے سنتا۔ تو اپنے ساتھیوں سے کہتا کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ پرندے کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ کہتے کہ ہم تو ان کی بولی نہیں سمجھتے۔ پھر وہ ہر ایک پرندے کی باتیں بتلاتا کہ فلاں یہ بات کہہ رہا ہے اور فلاں وہ بات کہتا ہے۔ اُس کے ہمراہی کہتے ہیں۔ وہ ایسی باتیں بتلاتا جن کی تصدیق کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس لئے ہم اس کو سچا یا جھوٹا کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ اتفاقاً بکریوں کے ایک روٹ کے پاس سے اُن کا گزرتا ہوا۔ ایک بکری اپنے بچے سمیت اُس روٹ سے پیچھے رہ گئی تھی۔ اُس بکری کو دیکھا کہ اپنے بچے کی طرف گردن جھکائے چلا رہی ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کیا تم جانتے ہو کہ یہ بکری کیا کہتی ہے۔ اُس کے ہمراہی کہتے ہیں ہم نے کہا ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ اُس نے کہا اپنے بچے سے یہ کہتی ہے اٹھو روڑ سے چل ملو۔ ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں وہ بھیڑ یا نہ کھا جائے جس نے گذشتہ سال تیرے بھائی کو اسی جگہ کھا ڈالا تھا۔ اتنے میں اُس روٹ کا ایسا ہی ہمارے پاس آجیگلا۔ اُس سے ہم نے پوچھا۔ کیا تیری اس بکری نے گذشتہ سال بھی بچہ جتنا کھا اُس نے کہا ہاں گذشتہ سال یہ بچہ جتنی کھتی۔ اور اسی جگہ پر اُس کو بھیڑ یا کھا گیا تھا۔ اس کے بعد چند آدمیوں کا گروہ ہیں اسے میں ملا۔ اُن میں ایک عورت اونٹ پر سوار تھی۔ اونٹ زور سے چلاتا اور اپنی گردن اُس عورت کی طرف بڑھاتا تھا۔ اُس شخص نے کہا تم جانتے ہو یہ اونٹ کیا کہہ رہا ہے۔ ہم نے کہا ہم تو کچھ نہیں سمجھتے۔ اُس نے کہا یہ اپنی سواری کو گالیاں مے رہا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اُس کے کوہان میں ایک سوئی چھپی ہوئی ہے اور یہ عورت اس پر بیٹھی ہے۔ راوی کہتا ہے لوگوں نے اسی وقت اُس اونٹ کو بٹھا کر اس کا پالان اُتار کر دیکھا۔ تو واقعی اُس کے کوہان میں سوئی چھپی ہوئی تھی۔ دیکھو کہ اُس بکری نے اپنے بچے کو صرف ایک بار بھیڑیے سے قتل کیا اور وہ چوکس ہو گیا۔ مگر ابن آدم کی یہ حالت ہے۔ کہ اللہ سبحانہ نے اُس کو اس کے بھیڑیے یعنی شیطان سے بارہا ڈرایا مگر یہ باز نہیں آتا۔ اور شیطان جب بلائے۔ اُس کی اطاعت کے لئے حاضر ہے۔ اور رات دن اسی کے ساتھ سرگردا رہتا ہے ۛ

قرآن کریم میں ہے وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ حَقَّ ذِكْرِهِ

لِيُفْلِتُوا مِنْهُ دَخِلُوا فِي الْفِتَنِ هَآءَا أَنَا مُصْبِرٌ كَسَدُ مَا أَنَسَدُ بِمُصِيبٍ مِّنْهُ لِيُفْلِتُوا
 يَسْأَلُونَكَ مَن فِي هَٰؤُلَاءِ قُلْ إِنَّ الْفَلْسَفِينَ لَأَشَدُّ كُفْرًا إِنَّ لِي فِي هَٰؤُلَاءِ لَعَلَّةً (اور جب راخبر فیصلہ چکا
 اور لوگ شیطان کو الزام دینگے) تو شیطان کہیگا کہ خدا نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا سو اس نے پورا کیا
 اور وعدہ تم سے میں نے بھی کیا تھا۔ مگر میں نے تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کی۔ اور تم پر میری زبردستی تو
 متقم نہیں بات تو اتنی حق کہ میں نے تم کو اپنی طرف بلایا اور تم نے میرا کھانا ان لیا۔ تو اب مجھے الزام
 دو بلکہ پیٹھ پر لانا دو تو میں تمہاری فریاد کو سنبھال سکتا ہوں ورنہ تم میری فریاد کو سنبھال سکتے ہو میں تو (سرسے سے)
 جانتا ہی نہیں کہ تم مجھ کو اس سے پہلے دنیا میں سرکب (خدا) بناتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ
 جو لوگ نافرمان ہیں ان کو قیامت کے دن جہنم کا عذاب ہو گا۔

فصل ۷۰ از کاس کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَمَا أَكْثَرُ فِي الْأَنْفَعَيْنِ فِتْنَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَمُ
 بِمَا كَسَبُوا زَيْدًا ذَا أَنْ تَهْتَفُؤَا مِنَ الْأَهْلِ الْأَنْدَ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ يَهْدِيَهُ
 (سو مسلمانو تمہارا کیا حال ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو رہے ہو حالانکہ اللہ نے ان کو کر تو بلا
 کی سزا میں ان (کی غفلتوں) کو اون صاف کر دیا ہے۔ پس سے وہ مرتد ہو گئے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس کو خدا
 نے گمراہ کر دیا اس کو راہ راست چوسے اور جس کو اللہ گمراہ کرے ممکن نہیں کہ تم اس کے لئے رستہ
 نکال سکو)۔ قرآن نے کہا ہے اَذْكُهُمْ كَايَ مَعْنَى هِيَ كَانِ كَالِغَيْنِ مَنَافِقِينَ كَوَافِرٍ كِي طَرَفِ لَوْثَا دِيَا۔ ابو عبیدہ
 کا قول ہے کہ رکس مجرد اور از کاس مرید و دو کا ایک ہی معنی ہے یعنی لوثا حاصل میں رکس کسی چیز کو سر کے
 بل اٹھانے یا اس کے اول کو آخر کی طرف لوثانے کو کہتے ہیں۔ اور از کاس اس کا لازم ہے یعنی لوثا
 یا اٹھا ہونا امیٹنے کہا ہے۔

فَاذْكُورُنِي حَتَّىٰ تَكُونُوا لِي كَالْأَهْلِ الْأَنْدَ كَالْأَهْلِ الْأَنْدَ وَالْأَهْلِ الْأَنْدَ
 ترجمہ یعنی کفار و زنجائے گرم پانی میں اٹھائے یا لوثائے جائیگے کیونکہ یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے
 نافرمان تھے اور چھوٹ ان کا پیشہ تھا۔

گو کہ یہی لئے رکس کہتے ہیں کہ وہ نجاست کی طرف لوثا یا گیلے۔ اور اسی واسطے اسکو ترجیح
 بھی کہتے ہیں۔ رکس۔ بکس۔ رکس اور نکس چاروں لغتوں کا ایک ہی معنی ہے۔ یعنی وہ چیز جو لوثائی
 جلتے۔

زید بن جہل نے کہا ہے کہ ہم کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اونڈھا اور اٹھ کر دیا۔ یعنی کفار کی
 حالت کو لوثت۔ خدائی کی طرف لوثا دیا۔ سو اللہ سبحانہ نے انکے بارے میں اپنے حکم۔ قضا اور عدل کو بیان فرمایا۔

اس لئے اللہ سبحانہ نے اس کو روک دیا۔ تاکہ جہاد میں اس کا جانا جواز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے دوزخ میں آئے اور قہر میں اس کے دل دیا کہ وہ اپنے اپنے لوگوں کے لئے جہاد میں شریک نہ ہو بلکہ سب سے پہلے ان کو روک دینے کی وجہ صحت اور حکمت۔ بیان فرمائی ہے۔ جو مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: **يَا خُسْرُ جُؤْزُكُمُ مَّا زَادَكُمْ مِّنَ الْكُفَرَاءِ لَا يَنْفَعُكُمْ وَلَا يَضُرُّكُمْ اِذَا اَلَكُمُ الْمَاجِدُ يُجُودُ كُفَرُكُمْ فَفُتِنَكُمُ** (اگر یہ لوگ تم (مسلمانوں) میں (بکڑ) بیٹھتے بھی تو ہر تم میں اور زیادہ خرابیاں ہی ڈالتے اور تم میں فساد پھیلانے کی غرض سے تمہارے درمیان راہ دھر کے اور دھر اور او دھر کے اور دھر دوڑے دوڑے پڑے پھرتے) خیال نہ بنے فساد اضطراب ہے۔ یعنی اگر منافقین مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں جاتے تو ان کو خرابی میں ڈالتے اور ان کے درمیان اختلاف و اضطراب پیدا کر دیتے + ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ وہ مسلمانوں کی عاجزی اور بزدلی بڑھاتے یعنی مسلمانوں کے سامنے منافقین کی عظمت و شوکت بیان کر کے ان کے دلوں میں ان کا رعب بٹھادیتے۔ اور اس طرح وہ ان کے مقابلے سے بزدل ہو جاتے۔ پھر کہا ہے **يَا خُسْرُ اِذَا اَلَكُمُ الْكُفَرَاءُ لَا يَنْفَعُكُمْ وَلَا يَضُرُّكُمْ** (اے مسلمانو! منافقین تمہارے درمیان تفرقہ اور فساد ڈالنے کی غرض سے تمہارے بیچ جلدی جلدی اور دھر دھر گھومتے۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ وہ تمہارے درمیان اختلاف و تفرقہ اندازی سے تمہاری قوت و شجاعت کو کمزور کر دیتے۔ جس سے مسلمان دشمن کے مقابلہ سے بھی ہار دیتے حسن نے کہا ہے کہ تمہارے معاملے کو بگاڑنے کے لئے تمہاری جماعت میں نمیت اور چٹاخوری کے ساتھ دوڑتے۔ کئی کا قول ہے کہ تمہاری عیب جوئی کے لئے تمہارے مجمع میں گھومتے پھرتے۔ کہیہ نے کہا ہے **اَرَاْنَا مَوْضِعَيْنِ لِحَسَدٍ عِيبٍ + وَبِصْحَىٰ بِالطَّامِ وَبِالشَّرَابِ +** یعنی موضعین کا معنی یہاں مبصرین (تیز دڑنے والے) ہے۔ عمرو بن ابی ربیعہ کے اس شعر میں بھی ایضاً معنی اسرار ہے۔

يَا لَعَنَ قَاتِلَ الْعَاصِ قُتْنِي قُلْنَ امْرُؤٌ بَلَغَ اَكْلَ دَاوُصَعَا
یعنی میری پہچان دالی عورتیں ہلاک ہوں جب انہوں نے مجھے پہچان لیا تو کہنے لگیں یہ شخص کسی چیز کی تلاش میں ہے۔ اور اس نے تیز رفتاری سے اپنی سواری کو تھکا اور ماندہ کر دیا ہے) +
وَفِيكُمْ مَسْمَاعُونَ لَكُمْ (اور تم میں ایسے بھی ہیں جو انکی سن لیتے ہیں) +
قتادہ کا قول ہے۔ کہ اے مسلمانو! تمہارے بیچ ایسے شخص بھی ہیں جو منافقین کی بات کو سنتے اور جو کچھ کہیں اس کو مان لیتے ہیں۔ ابن اسحاقؓ کا قول ہے کہ تم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو منافقین سے محبت رکھتے اور انکی بات اس لئے مان لیتے ہیں کہ وہ ان کو شریف سمجھتے ہیں۔

اس قول کے مطابق مطلب یہ ہو گا کہ تمہارے پیچ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کفار کی بات کو مانتے ہیں اگر یہ منافق ساتھ ہوتے تو اب لوگوں کو تم سے بگاڑ دیتے۔ میں کہتا ہوں، سن! تم لفظ "ما یؤمن" قبول کرنے کے معنی کو تفہیم کرنا۔ مجاہد۔ آیت زید اور کلبی نے کہا ہے کہ منافق یہ ہے کہ تمہارے درمیان ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو منافقین کے جاسوس ہیں جو باتیں تم سے سن جاتے ہیں وہ جا کر ان کے پاس بیان کرتے ہیں۔ مگر یہ قول صحیح ہے۔ پینا پنج قرأت کریم سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ *عَلَّمَ أَخُوْنَ لِّلْکَلْبِیِّ* یعنی بعض مسلمان ایسے ہیں جو منافقوں کی چھوٹی باتیں قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے درمیان منافقوں کے کوئی جاسوس نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ منافقین خود مسلمانوں کے ساتھ ہر وقت ملے جُلے رہتے تھے۔ سفر میں ساتھ ہوتے۔ نمازیں مل کر پڑھا کرتے۔ اور مجلسوں میں شریک ہوتے۔ اور وہ کوئی علیحدہ نہیں رہتے تھے تاکہ مسلمانوں کے پیچ اپنے جاسوس بھیج دیتے ہو انکی باتیں ان کے پاس اکبر بیان کرتے۔ جاسوس چھوڑنے کی اس شخص کو ضرورت پڑتی ہے جو خود کسی جماعت سے علیحدہ رہتا اس سے میل جول نہ رکھتا ہو۔ اور اس کے معاملات و حالات دریافت کرنے اُسے مطلوب ہوں اغرض قتادہ اور ابن اسحاق کا قول سچ ہے واللہ اعلم۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ منافقین کا اللہ کی طاعت کے لئے جانا تو اس کی فرمانبرداری عطا تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسے ناپسند فرمایا۔ اور جب اس کو ناپسند کیا تو اس کی ہند ضرور اس کو محبوب و پسندیدہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ جب کوئی چیز کسی کو ناپسند اور مکروہ معلوم ہو تو اس کی ضد ضرور اُسے مرغوب و پسند ہوتی ہے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ منافقین کا جہاد سے بیٹھ رہنا اللہ تعالیٰ کو محبوب و پسند تھا پس اللہ تعالیٰ ان کے اس کام پر انہیں کیونکر مغذ کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال بیشک بہت بڑا سوال ہے اور ہر ایک گروہ اپنے اصول کے مطابق اس کے جواب دیتے ہیں :

جبر یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکمتوں اور مصالح پر مبنی نہیں ہیں۔ اور ہر ممکن کام کو وہ کر سکتا ہے۔ وہ چاہے تو پسندیدہ و محبوب کام بجالانے اور ناپسند اور مکروہ افعال کے ترک کرنے پر بھی بنے کو عذاب میں گرفتار کرے سب کچھ اُس کے نزدیک یکساں ہے اس فرقے نے حکمت اور تقییل کا دروازہ اپنے اوپر بند کر دیا ہے :

قدر یہ اپنے اصول کے مطابق یہ جواب دیتے ہیں کہ درحقیقت اللہ سبحانہ نے انکو نہیں

رو کر اور دُعا کو جہاد میں جانے سے بند کیا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو جہاد میں جانے سے روک دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ کے خلاف کام کیا۔ چونکہ اُن کے جانے میں وہ فساد تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اِس لئے اُن کے دلوں میں رسول کے ساتھ جہاد میں جانے کی کراہت، ڈال دی تھی۔ اور اِسی القادری کراہت خروج کو کراہتِ مشیت قرار دیا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں جہاد کے لئے اُن کا جانا ناپسند تھا۔ ورنہ درحقیقت اللہ نے اُن کے جانے کو ناپسند نہیں رکھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن کو اس کام کا حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو سکی بجا آوری کا حکم نہیں فرماتا۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت، روشن عقل فرمائی ہے وہ خوب سمجھتا ہے۔ کہ یہ دونو جواب یہ کیسے بیہودہ اور کلامِ الہی کی دلالت ہے یا کُل بعید اور مخالف ہیں ؟

صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنی طاعت اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت اور نصرت اور مومنین کی امداد کے لئے اُن کو جہاد میں جانے کا حکم دیا۔ اور اُن کا یہ کام اللہ کو محبوب پسند تھا اور ساتھ ہی اُس کے اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر وہ جائینگے۔ تو اُن کا جانا نصرت و امداد کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمراہ رسول صلعم کے اُن کا جانا آپ کے بدو مومنین کے حق میں مضر ہوگا۔ اور اُن سے ایسے حرکات سرزد ہونگے جو اللہ کو ناپسند و مبغوض اور مکروہ ہونگی۔ اِس لئے اِس طور پر اُن کا جانا اللہ کو ناپسند تھا۔ گو جس لئے امداد کے لئے مسلمان جائینگے اُن کا جانا اللہ کو محبوب و پسند تھا۔ لیکن چونکہ اُسے معلوم تھا کہ منافقین اُس کام و ارادے کے لئے نہیں جائینگے جس کے لئے مسلمان جاتے تھے۔ اِس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا جانا ناپسند رکھا۔ اور مسلمانوں کے موفق شامل جہاد نہ ہونے پر اُن کو سختی عذاب ٹھیرایا۔ یہ نہیں کہ جس طور پر اُن کا جانا اللہ کو ناپسند تھا اُس کے ترک کرنے پر عذاب میں گرفتار کیسے گا۔ غرض فساد کی نیت سے جہاد میں شامل ہونا اللہ کی طاعت نہیں ہے اور شمس کی بجا آوری میں وہ ثواب کے مستحق ہو سکتے تھے اور نہ ہی یہ اللہ کو پسند و محبوب تھا۔ اور اِس طہ پر جہاد میں جانا جو اللہ کو ناپسند ہے اُس کی دو ضدیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی اطاعت اور دین کی نصرت و حمایت کے لئے جانا جو اللہ کو محبوب پسند ہے۔ دوسرا یہ کہ جہاد میں شامل نہ ہونا اور گھر میں بیٹھ رہنا یہ کام بھی اللہ کو ناپسند و مبغوض ہے اور خروج بنیتِ فساد کا مکروہ و مبغوض خدا ہوتا اس کی مکروہ و مبغوض ہونے کے منافی نہیں ہے۔ تو ہم سائل سے کہتے ہیں۔ لکھروں میں اُن کا بیٹھ رہنا اللہ کو ناپسند ہے۔ لیکن یہاں دو چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ لیکن ایک اُن میں سے اُسے اِس لئے زیادہ ناپسند ہے کہ اُس میں زیادہ خرابی ہے۔ یعنی گھروں میں بیٹھ رہنا بھی

کی وجہ سے اچھا کر دیا یا بے اور وہ رحمت اللہ تعالیٰ کی پیروی کر کے اس کو اچھا سمجھتا ہے۔ کیا زیادہ
 نیکو کار کے برابر ہو سکتا۔ ہے، بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہے تاکہ گمراہ کرنا ہے اور جس کو چاہے تباہ
 رسیدھا رہتا ہے (وَمَا تَعَالَىٰ ذِكْرُكَ لِكُلِّ الْعَالَمِ مَا كَانَ لَكَ الْيَقِينُ) اور اللہ تعالیٰ نے
 اس کے درجے کا نام اس کو اچھے کر دکھایا ہے، اللہ سبحانہ نے کبھی اس لحاظ سے کہ زمین اس کی مشیت
 وخلق سے ہے اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے جیسا کہ پہلی آیت میں ہے اور کبھی اس کے
 حاصل کو ذکر نہیں کیا جیسا کہ دوسری آیت میں اور ہی اس کے سبب اور اس شخص کی طرف منسوب کر دیا۔
 جس کے ذریعہ اس کا ظہور ہوا تزمین اللہ ہی کی طرف سے نہایت حسن اور عمدہ چیز ہے۔ کہ اس طرح
 بندوں کا امتحان اور ان کی آزمائشیں ٹھیک طرح ہو جاتی ہے۔ مطہر۔ صافی۔ مومن اور کافر میں امتیاز ہو جاتا
 ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلٰی اَرْضٍ زَيْنَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ
 عَمَلًا (جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کو (دوسرے زمین کی رونق (کا موجب) بنایا ہے تاکہ
 لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون اپنے عمل کو تباہ کرے اور سی زمینیں اللہ تعالیٰ کے قریب ہے۔ اس کے عہدہ
 اللہ سبحانہ کا اپنے بندے کو کوئی عجز کام اچھا کر دینا۔ اس کے توفیق و ہدایت سے اعراض کرنے اور
 نیک کام چھوڑ کر برا کام پسند کرنے کی سزا ہوتی ہے نیز درسی ہے کہ اللہ سبحانہ پہلے بندے کو نیک و بد
 بتلا دیتا ہے اس کے بعد جب وہ خود برے کام کو پسند اور اختیار کرے اور وہی اسے بھلا معلوم ہو۔
 تو اللہ تعالیٰ اس کی نظر میں اس کام کو مزین کر دیتا۔ اور بعد اس کے کہ اس کی قباحت اس کو بتا دی تھی
 اس کی بُرائی پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ ہر ایک ظالم۔ غابور اور فاسق کی نسبت اللہ کا یہی دستور جاری ہے
 کہ پہلے اس کو اس کے ظلم۔ فجور اور فسق کی بُرائی بتا دیتا ہے۔ مگر جب وہ سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا
 ہے۔ تو ان کی بُرائی اس کی نظر سے اٹھ جاتی ہے۔ اور سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ اس کی نظر میں ان
 کو مزین و خوبصورت کر دیتا ہے۔ ظلم وغیرہ کی بُرائی اس کو عقل کے ذریعہ اس پر ظاہر کرتا ہے جو اس کے
 دل میں رکھائی۔ بندے پر اللہ کی محبت ہے لیکن جب بندہ سرکشی اور ظلم میں حد سے بڑھ جائے۔ تو وہ نور
 چلا جاتا ہے اور بندہ جمالتِ فوق اور ظلم کی تباہیوں میں پڑ کر اس کی بُرائی کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور باوجود
 اس کے انبیا علیہم السلام کے مبعوث کرنے اور نور عقل کے ذریعہ نیک و بد پر آگاہی بخشنے سے اللہ تعالیٰ
 کی محبت بندے پر قائم ہو چکی ہے پس اللہ تعالیٰ کا برے کاموں کو مزین کرنا عین عدل اور اس سے
 بندے کو سزا دینا سراپا حکمت ہے۔ اور شیطان کا برے کاموں کو مزین کر دیکھنا نا انصافی اور ظلم ہے۔
 اور شیطان کا فیصل ایک ایسا سبب ہے جو خود بندے کی ذوات سے خارج اور باہر ہے اور ایک سبب

ایسا بھی موجود ہے جو بندہ کی ذات میں داخل ہے یعنی غصے کا اپنی مرضی سے کسی کام کو پسند نہ پائے اور اس کے ساتھ جنت یا اس سے عرصہ کو نہ اور سب کا خالق وہی اللہ سبحانہ ہے اور سب کچھ اس کی مشیت اور قدرت سے ہے۔ وہ فرما رہا ہے کہ اگرچہ اس کا سب مخلوق کو ہدایت کر دیتا ہے مگر وہی ہے جو ہے۔ اللہ مصمم ہے اور خود دل و تباہ کا وہی ہے جس کی اللہ اعانت نہ کرے۔ غفلت۔ اس کا وہی مالک ہے۔ اس کی ذات بابرکت ہے۔ اور وہ سب جہان کا پروردگار ہے۔

فصل بعض بندوں کی ہدایت کی نسبت اللہ سبحانہ کی مشیت و ارادہ نہ ہونے کے بیان میں۔
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَلَا لَيْتَ اَنَّ يَنْ كَذِبُ يَرْدِ اللّٰهُ اَنْ يُّبْكَرُ قُلُوْبُهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا بھی ان کے دلوں کو مصیبت کی گندگی سے پاک کرنا نہیں چاہتا) فقال تعالیٰ وَ لَوْ شِئْنَا لَافْتَنَّا كُلَّ نَفْسٍ هَذَا مَقَادِمَ يَوْمٍ (و دنیا ہی میں) ہر شخص کو (ایسی) سوجھ بوجھ عیاں کرتے کہ وہ سیدھے رستے پر آجائے وقال تعالیٰ وَ لَوْ شِئْنَا لَنَبْلِغَنَّ اَمْرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ جَزَعًا (اور اسے پیچھے تھما کر پسند گا) چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے اور کسی چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی عدم مشیت اس کے عدم وجود کو مستلزم ہے جیسا کہ کسی چیز کی مشیت اس کے اس کے وجود کو مستلزم ہے پس جس چیز کا وجود اللہ کی مشیت میں ہے وہ ضرور موجود ہوگی۔ اور جس کا وجود اس کی مشیت میں نہیں اس کا وجود ہوتا محال ہے۔ اللہ سبحانہ نے یہ بھی بتلادیا ہے کہ بندے جس چیز کی مشیت و ارادہ کرتے ہیں یا کوئی کام ان سے سرزد ہوتا ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بعد ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا تَشَاؤُنَ اَلَا اَنْ يَخُفَّ اللّٰهُ (اور تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے) وقال تعالیٰ وَ مَا يَذْكُرُوْنَ اَلَا اَنْ يَخُفَّ اللّٰهُ (اور بے مشیت الہی تو یہ لوگ) سوچنے (سمجھنے) اسے نہیں ہیں) اگر کوئی یہ حال کرے کہ بننے کے کسی کام کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی مشیت و ہدایت کو یاد کرے اس کا کرنا بننے کی قدرت میں ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بننے کی قدرت سے مراد ہو کہ اس کے وہ آلات جن کے ذریعے وہ کام کر سکتا ہے سالم اس کے اعضا صحیح اور اس کے تمام قویٰ برقرار ہوں اور نیز اس کام کے اسباب ہم پہنچانے پر وہ قادر ہو اور اس کے سرانجام کی راہیں اس کے لئے سہل آسان ہوں۔ تو اس اعتبار سے اس کام کا کرنا بندے کی قدرت میں ہے اور اگر قدرت سے مراد قدرت مراد ہو جو مقارن فعل اور اس کی موجب ہوتی ہے۔ اور جب وہ موجود ہو تو فعل کا وقوع میں آنا ضروری ہو جاتا ہے۔ تو اس اعتبار سے وہ کام بندے کی قدرت میں نہیں ہے۔ اس اجمال کی تحصیل یہ ہے کہ قدرت افعال دو قسم ہے۔ ایک قدرت بمعنی افعال کے اسباب

شروط اور آلات کا صحیح وسالم ہونا اور احکامِ ربانی کے مکلف ہونے کی مدار اس کی قدرت پر ہے۔ اور بفضلِ پہلے ہوتی اور اُس سے فعل کا وقوع میں آنا ضروری نہیں ہوتا۔ دُوم وہ قدرت جو فعل کے متعارف اور اُس کو مستلزم ہوتی ہے اُس کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وقوع ضروری ہو جاتا ہے۔ اور یہ قدرت احکامِ ربانی کے ساتھ مکلف ہونے کی شرط نہیں اور نہ تکلیف کی صحت اور سن اس پر موقوف ہے پس اُس شخص کا ایمان اور اُس شخص کی طاقت کہ جن کا ایمان و طاعت اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہ ہوں۔ قدرت کے پہلے معنی کے لحاظ سے بندے کی قدرت و اختیاریں ہیں۔ اور دوسرے معنی کے اعتبار سے بندے کی قدرت میں نہیں۔ امید کہ اس تحقیق سے وہ شبہ جو تکلیفِ مالِ ابطاق کے متعلق پیدا ہوتا ہے دور ہو جائیگا اور انشاء اللہ اپنے موقع پر وہ بیان ہو گا۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جس شخص کی نسبت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیگا۔ اُس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کی قدرت پیدا کی ہے یا نہیں تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے واسطے قدرتِ مصححہ جو فعل سے متقدم اور امر و نہی کے ساتھ مکلف ہونے کی مدار ہے پیدا فرمائی ہے اور اس کے واسطے وہ قدرت پیدا نہیں فرمائی جو فعل کی موجب اور تسلیم ہوتی ہے اور جس سے فعل کا تخلف درست نہیں۔ پس یہ دوسرے قسم کی قدرت بخشا محض اُس کا فضل ہے۔ جسے چاہے عنایت کرے اور وہ پہلی قدرت عطا کرنا اس کا عدل ہے جس سے بندوں پر اُس کی محبت قائم ہوتی ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب کسی بندے کے لئے یہ قدرت اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ فرمائی ہو تو وہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ تو کہا جائیگا کہ یہ وہی پہلا سوال ہے اور اس کا جواب بیان ہو چکا ہے +

فصل۔ امانتِ قلوب رکفار کے دلوں کو مردہ کر دینے کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّكَ لَا تُمِتُّ الْمَوْتٰی (بے شک تم مردوں کو اپنی باتیں نہیں سنا سکتے) وقال تعالیٰ اَوْ مَوْتٌ كَانَ مِیْتًا فَاجِیْنَاہُ وَجَعَلْنَاکَ لَوُحًا یَتْلُوْہُ فِی النَّارِ مِمَّنْ مَّتَّلٰہُ فِی الْمَظَلٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْہَا (کیا ایک شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اُس میں جان ڈالی اور اُس کو ایک لوح عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں (خاصی طرح) چلتا پھرتا ہے دیکھا، وہ اُس جیسا ہو سکتا ہے۔ جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں دھمڑا ہے وہاں سے کل نہیں سکتا، وقال تعالیٰ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْہَا حَیًّا (کہ جو زندہ دل ہو) اُن کو (عذابِ خدا) سے ڈرائے) وقال تعالیٰ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (اور اے پیغمبر جو لوگ قبروں میں (مدفن) ہیں تم اُن کو اپنی باتیں نہ سنا

نہیں سکتے، سو اللہ تعالیٰ نے کافری صیفت بیان کی بستہ کردہ مردہ اور مصحابہ مجبور کی مانند ہے۔ اور دل زندہ وہی ہے جو حق کو پہچاننے اور اسے قبول کرے۔ اُس سے اُس کو محبت ہوتی ہے۔ اور اس کے مقابل تمام چیزیں جیسے ٹکڑے لکڑی یا کھال کے جیسے بے حیات اور بے حسی ہیں۔ تو اس میں کسی قسم کا حق و باطل کو محسوس کرنے سے اور ان کے درمیان امتیاز کرنے کا مادہ نہیں رہتا۔ اس لئے وہ حق کا ارادہ اور باطل سے نفرت نہیں کرتا جس طرح ہمد مردہ کہ وہ کھانے پینے کی لذت اور اُن کے نہ مٹنے کی تکلیف کو محسوس نہیں کرتا۔ اور اس کے باقی اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب اور وحی کی نسبت یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ وہ روح ہے جس سے دل کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ ہر ایک دل خطۂ زندہ ہوتا ہے جس سے نور وحی کو قبول کیا تو روح وحی سے اُس کی حیاتی اور زیادہ ہو جاتی اور حیاتی پر حیاتی اور نور پر نور حاصل ہو جاتے ہیں یعنی پہلے ایک تو نور فطرت حاصل تھا۔ اور اُس کے ساتھ نور وحی ملکر نور علی نور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یُلْقِی الْمَوْحِ مِنْ أَمْرِ عَنِ امْرِئٍ وَكِتَابٍ مِّنْ عِبَادٍ ۖ ذَٰلِکَ اُوْحٰی اِلَیْكَ اَوْ حٰیثَ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِ ۚ کَا مَا کُنْتَ تَدْرِی مَا الْکِتَابُ وَکَا اِلَیْہِمْ وَلٰکِنْ یَعْلَمُنَا ۚ لَوْ سِرَّا لَّہِیْ فِیْہِ مِّنْ نِّسَاۃٍ مِّنْ عِبَادِنَا (اور اسے پیغمبر اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے زمین کی جان یعنی یہ کتاب تمہاری طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہے تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان دہیں کو کہتے ہیں) مگر ہم نے قرآن کو ایک نور بنا دیا ہے۔ کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں (دین کا) واسطہ دکھائی دیتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو روح اس لئے فرمایا ہے۔ کہ اس سے دل کو حیاتی حاصل ہوتی ہے۔ اور نور اس لئے فرمایا ہے کہ اُس کے ذریعہ ہدایت اور روشنی ملتی ہے۔ یہ نور اور حیات فطرت کے علاوہ ہیں۔ پس یہ نور علی نور اور حیات بعد حیات ہیں۔ اسی لئے اللہ سبحانہ نے اُس شخص کی نسبت جو نور و حیات وحی سے محروم ہو مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے کہ یہ اُس شخص کی طرح ہے جو آگ کو روشن کئے جب آگ سے اُس پاس کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ تو وہ آگ سمجھ جائے یا اُس شخص کی مانند ہے جس کو بارش کے منافع کے بجائے کوک۔ اندھیرے۔ گرج اور بجلی جیسے آتے۔ آگ جلانے والے نے آگ سے روشنی حاصل کر کے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اور دوسرا شخص پانی کی خاصیت حیات سے مستفید نہ ہوا۔ اسی واسطے سورہ رعد میں ان دونوں مثالوں کو بیان فرمایا کہ بھلا یا ہے۔ کہ جس نے قرآن کو مان لیا اُس کو زندگی اور نور حاصل ہو گئے۔ اور جس نے نہ مانا وہ تاریکی میں پڑا۔ ہا۔ اور وہ

فصل بعض دلوں کو سخت کر دینے کا بیان - اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فِي سَائِفِهِمْ مُّبْتَلٰتٌ لِّمَنَ دَرَمُوْهُ وَبَعَثْنَا تَقٰلِيْدًا فِیْهِمْ وَاٰیٰتٍ مُّحٰجِرًا قُوْنْ اٰمُرُكُمْ عَلٰی مَا رَاضٍ بِهٖمْ وَلَسُوْا حٰفِظًا لِّمَا كُوْنُوْا** یہاں آپس اُن ہی لوگوں کے لئے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن کو چھڑکا رو دیا اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا کہ تو راستہ کے انفلٹوں کو اُن کی جگہ یعنی اسی منزل سے بھرتے ہیں اور اُن کو جو نصیحت کی تھی۔ اُس میں ایک (بڑا حصہ یعنی پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لانا) چھلایا بیٹھے،

قوت بخیر شریعت و صلاحت ہے۔ حرب کہا کرتے ہیں۔ حجر قاس (سخت پتھر۔ ارض قاریہ) وہ زمین جس میں کوئی روئیدگی پیدا نہ ہو۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کو ایسا سخت کر دیا کہ وہ ایمان قبول نہیں کر سکتے۔ حق کا قول ہے کہ وہ بند کر دئے گئے ہیں۔ دلتین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک خشک اور سخت جو حق کی صورت سن کر قبول نہیں کرتا اور نہ وہ اس میں متعش ہو سکتی ہے۔ اور دوسرا اُس کی ضد ہے جو نرم محفوظ رکھنے والا اور مرض سے سالم ہو۔ یہ اپنی ملائمت اور نرمی کی وجہ سے حق کی صورت قبول کر لیتا اور تماسک کی وجہ سے اُسے محفوظ رکھتا ہے۔ تیسرا وہ جو بیمار ہو۔ وہ اپنی سستی کی وجہ سے جو کچھ اُس میں متعش ہو۔ اُسے سنو یا نہیں دیکھتا۔ یہ نہ نام سیال ہے چوں کہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنی نرمی کی وجہ سے دوسری چیز کی صورت قبول کر لیتا ہے۔ لیکن سیال ہونے کی وجہ سے اُس کو محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ بہترین دل وہ ہے جو مضبوط و صفا اور نرم ہو کیونکہ وہ اپنی صفائی کی وجہ سے حق کو دیکھتا اور نرمی کی وجہ سے اُسے قبول کر لیتا اور قوت کے سبب اُسے محفوظ رکھتا ہے۔

منہ وغیرہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کے برحق ہیں جو اُس کی زمین میں رکھے ہیں۔ ان میں بڑا دل کہ زیادہ مضبوط۔ رقیق اور صفا ہو وہ اللہ کو بہت پیارا ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے دل کی تمام قسمیں اپنے حق قول میں ذکر فرمائی ہیں۔ **لِيَجْعَلَ مِمَّا يَلْفِي السَّيْطَانَ فَيُدْخِلُهُمْ قَوْلَهُمُ مَّرْءٌ وَالْقَاسِيَةُ فُلُوْهُمْ هُمْ وَاِنَّ الظَّالِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ لَّعِيْبٍ وَّلَيَعْنَكُمُ الْاَلِيْمَةُ اُولٰٓئِكَ اَلَعَلَّمَكُمُ الْاَحْقَ مِنْ رَبِّكُمْ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَلَمَّحْتُ لَكُمْ فُلُوْكُمْ هُمْ** (یہ معاملات میں ظور خدا یہ رہا ہے کہ اُس دوسرے) کو جو شیطان نے ڈالا ہے اُن لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ گردانے جن کے دلوں میں دہ عقیدتی کا مرض ہے اور اُن کے دل سخت ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ دینا ظالم (یعنی کافر) تو پرے درجے کی مخالفت میں دپڑے ہیں اور (میں پیغمبر خیر آئے معاملات میں خدا کو منظور رہا) ہے کہ جن لوگوں کو

قلب حبیب قلب مریض اور تاسی کی ضد ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ جن دلوں کو چاہے حبیب بنا دے۔ اور جن کو چاہے قاسی کر دے اور اسی نے قسوت اور اخبات کی علامتیں اور آثار بنائے ہیں قسوت قلب کی ایک ہی نشانی ہے کہ کلمات الہی کو اپنے معانی سے پھیرنا جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ غلط فہمی و درجہ ارادے کو کھینچتے ہیں اور ان دونوں کا اعشاء و دل کی سختی ہے۔ قدرت قلب کی ایک ہی نشانی ہے کہ وعظ و نصیحت اور احکام الہی کو کھول جانا یعنی عمل و عملاً ان کو ترک کر دینا۔ راجبات کے علامات سے یہ چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی نیو کے دنت و لعل کہا کہ انہیں کھانا۔ تقدیر الہی پر دعا برہنہ۔ اخلاص عبودیت۔ احسان الی الخلق یہ سب پہلے مذکور ہو چکی ہیں ۛ

فصل۔ پیسنے کے تنگ اور مضیق کرنے کا بیان۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے سینوں کو ایسا تنگ کر دیا ہے۔ کہ وہ ایمان کو قبول نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **فَمَنْ يَرِدْهُ اللَّهُ أَنْ يَكْفُرَ بِهِ أَلَبَسَهُ اللَّهُ تَبَشُّرًا بِقِسْفٍ مِنَ اللَّهِ يُغْلِبُ أَكْبَادَهُ وَيَجْعَلُ صَدْرَهُ حَصِيصًا وَحِرْجًا كَأَنَّهُ كَيْفَ يُعَدُّ فِي السَّمَاءِ** (تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اسے راہ راستی دکھائے اس کے پیسنے کو قبول اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کر دے اس کے پیسنے کو تنگ کر دیتا ہے)۔ گویا اس کو آسمان میں چڑھنا پھنسا ہے تمام اہل لعنت کا یہی قول ہے کہ حجج اس چیز کو کہتے ہیں جو نہایت تنگ ہو۔ **بَعْضُ حَنْجٍ** وہ آدمی جس کا سینہ نہایت تنگ ہو ایک شاعر نے کہا ہے **لَا حَرْجَ الصَّدْرِ دَكَاةً وَخَفِيفٌ** یعنی وہ شخص تنگ سینہ اور سخت طبع نہیں۔ **سید بن عیر کا** قول ہے کہ ایک بن عباس نے اس آیت کو پڑھا **وَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السَّبِيلَ** بلکہ کا کوئی آدمی موجود ہے ایک آدمی جو نہایت عاقل ہو۔ بن عباس نے پوچھا تمہاری بولی میں حرجہ کس کو کہتے ہیں۔ اس نے کہا حرجہ اس آدمی کو کہتے ہیں جس میں اس قدر ٹھنڈے درخت ہوں کہ اس میں چلنے کا راستہ نہ ہو۔ بن عباس نے کہا کافر کا دل بھی ایسا ہی ہے تو اسے اس میں ایمان کا راستہ نہیں ہوتا۔ اور ایک دن عمر بن خطاب نے اس آیت کو پڑھا تو فرمے **لَمْ يَكُنْ كُنْ** کہ کوئی ایسا شخص میرے پاس لاؤ جس نے کبھی گمراہی کی ہو لوگ ایک آدمی کو بلا لائے **امیر المؤمنین** نے اس سے دریافت کیا اسے جو ان تمہاری زبان میں حرجہ کس کو کہتے ہیں اس نے کہا حرجہ اس درخت کو کہتے ہیں جس کے پاس اس کے درخت اسے اس طرح گھیر لیں۔ کہ اس تک کوئی چرند و وحش نہ جا سکے حضرت عمر نے فرمایا۔ کافر کا دل بھی اسی طرح ہوتا ہے کہ اس تک کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ **يَجْعَلُ صَدْرَهُ حَصِيصًا وَحِرْجًا** کی تفسیر میں بن عباس نے کہا ہے کہ کافر جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا دل مضیق اور تنگ ہوتا ہے۔ اور جب بتو کی عبادت کا

ذکر مستحب ہے تو شاد اور خوش ہو جاتا ہے اور چونکہ دل عزت علم - محبت اور اخلاقیات کا گنج ہے اور یہ چیزیں
 اُس میں تب داخل ہوتی ہیں کہ وہ اُن کے لئے فراخ و کشادہ ہو۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ جسے کسی شخص کے دل میں
 کرنی چاہتا ہے تو اُس کے سینے کو فراخ اور کشادہ کر دیتا ہے اور یہ چیزیں اُنہیں دے دے کہ اُس میں شادمانی
 ہیں۔ اور جب کسی کو کراہ کرنا چاہتا ہے۔ تو اُس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے۔ اور جب کسی کو
 وجہ کوٹ جاتی ہیں اور اُس کے دل میں کون نہیں پکڑتیں۔ ہر ایک بات کو بکارت دیتا ہے۔ اور پچھلے حالات
 ہو پھر اُس میں کوئی چیز ڈالی جائے تو اُس کے مقدور کے موافق وہ چیز اُس میں آجائے۔ اور اُس میں زیادہ سے
 زیادہ ڈالی جائے تو برتن کی تنگی کی وجہ سے وہ چیز اُس میں نہیں سما سکتی۔ ثابت ہے کہ ہر ایک
 مومن کے نرم دل کا یہ حال ہے کہ اُس میں جس قدر ایمان اور علم ڈالا جائے۔ تو وہ اس قدر وسیع اور فراخ
 ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔ خاص کر مومن و مہربان نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 سے مروی ہے کہ جب مومن کے دل میں نور ایمان داخل ہوتا ہے تو وہ وسیع و کشادہ ہو جاتا ہے۔
 صحابہ نے عرض کیا ہے رسول خدا اُس کی کیا نشانی ہے۔ اس کے فرمایا کہ: اُن کی طرف متوجہ ہونا۔ دنیا
 سے پیوستہ کرنا اور موت کے آنے سے پہلے اُس کے لئے آمادہ ہونا اور اُن کی عبادت سے
 سینے کا کشادہ ہونا ہدایت کا بڑا سبب اور اُس کا تنگ ہونا گمراہی کا سبب ہے۔ اِس لئے صدر
 اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے اور اُن کی ننگی نہایت سخت ہے۔ ہر ایک کو دنیا میں جو کچھ مستحب
 و تکالیف پیش آئیں وہ دل تنگ نہیں ہوتا بلکہ ہر حال میں وہ خوش و فرحان رہتا ہے۔ اِس کا سبب کشادہ ہونا ہے۔ اور
 جب ایمان قوی ہو جائے اور اُس کی چاشنی دلوں کے اندر پوری طرح اچھا گھڑ جائے۔ تو مومن دنیا سے منسلک
 نہیں اس قدر خوش و شاد ہوتا کہ وہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ کہ شہوات نفس سے پرہیز ہونے
 اور دنیا کی مرغوب چیزیں حاصل ہونے میں روح خدا اور لذت نفس آتی ہے۔ اور یہ سبب دنیا سے جدا ہونا
 ہے تو اُس جدائی پر اُسے وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو دنیا سے غائب ہے۔ ہر درجہ از زیادہ ہوتی ہے۔ مومن کے
 دنیا سے حلیت کرنے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک نہایت تنگ قید خانے سے نکل کر ایک
 فضا وسیع اور سبب منشا و کان میں جا کر آرام کرے۔ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ
 قیامت میں مومن کو مٹھائیگا۔ تو اُس وقت وہ خوشیاں حاصل ہوں گی جو پہلے سے کہیں نہ ہونگی۔ بلکہ پہلی
 خوشی کو اسے کچھ نسبت ہی نہ ہوگی۔ غرض شرح صدر جیسے کہ وہ ہدایت کا بڑا سبب ہے اسی طرح وہ تمام نعمتوں
 کی جڑ اور ہر ایک خیر و خوبی کی بنیاد ہے۔ حضرت مولیٰ کاظم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ
 اُن کے سینے کو کشادہ نہ کرے تو وہ تبلیغ رسالت کے فیضانِ شانِ نصب کے فرائض کو بجا نہیں لے سکتے۔

اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ میرے سینے کو کشادہ کر دے۔ اللہ تبارک نے شرح صدر کو سجدہ آن
 حاصل فرماتے ہوئے ذکر فرمایا ہے جو خاتم النبیین والمرسلین پر انعام فرمائی ہیں۔ اور آپ کے متبعین کی نسبت فرمایا ہے
 کہ اُس نے لکھنے کے سینے کا مقام کے لئے کشادہ کر دئے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہر یا فست کو کسے کہ کون سے
 اشیاء میں جو سینوں کو کشادہ یا ان کو تنگ کر دیتے ہیں۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ سب سے کشادہ کو کسے کا سبب
 وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ اُس کے اندر ڈال دیتا ہے۔ جب وہ نور سینے کے اندر داخل ہوتا ہے تو
 اُس کی قوت اور ضعف کے ذاتی سبب سے کشادہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ نور نہ ملے تو سینہ تنگ اور تاریک
 رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھ لے کہ وہ نور اپنی کوشش سے حاصل ہو سکتا یا محض اللہ کی دین ہے
 جیسے چاہے عطا فرمائے۔ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ کوشش سے بھی حاصل نہیں کھا ہے۔ اور کبھی بغیر
 کوشش کے بھی اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے مگر کوشش سے حاصل کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور حرمانی ہے
 غرض سب کام اللہ تعالیٰ کے غنیا ہیں۔ وہی سب قریبوں کے لائق ہے اور سب غریبوں
 اسی کے ہاتھ میں ہیں بندہ بذات خود کچھ نہیں کر سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سبب الہی بات کو پیدا کرتا
 اور پسے چاہتا عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا محروم رکھتا ہے۔ جب وہ بندے کے ساتھ بہتری کا
 اظہار کرتا ہے۔ تو اُسے اس بات کی توفیق بخشتا ہے کہ وہ اس کی نعمتوں کی طرف متوجہ اور
 رغبہ ہونے اور اُس کے عذاب سے ڈرنے میں ہستی الوبح پوری کوشش کرتا ہے۔ اور یہی وہ نو
 یعنی رغبت اور توفیق کی جڑ ہیں۔ جس قدر رغبت اور خوف دل میں موجود ہوں گے۔ اسی قدر توفیق
 خیرات حاصل ہوئی۔ اگر سائل یہ کہے کہ رغبت اور خوف کا پیدا کرنا بھی تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے بندے
 کا اُس میں کیا دخل ہے تو ہم کہیں گے بیشک محض اللہ کا فضل و منت سے حاصل ہوتی ہیں۔ بندے کا
 اس میں کوئی دخل نہیں۔ لیکن اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اُس عمل میں رکھتا ہے۔ جو اُن کے
 لائق و سزاوار ہو۔ اور جو اُن کے صالح و قابل نہ ہوں۔ سزاوار ملک دیتا ہے۔ اگر سائل کو شبہ
 پیدا ہو کہ جو عمل ان کے صالح و قابل نہیں ہے صالح و قابل ہونے میں اُس کا کیا قصور ہے۔ تو اُس
 کا یہ جواب ہے کہ صالح و قابل نہ ہونا ہی اُس کا بڑا گناہ ہے۔ کہونکہ اُس کی عدم قابلیت کا سبب
 اُس کی وہ گمراہی ہے جس کو اُس نے ویدہ دانستہ پسند یا اختیار کیا۔ اللہ کی مدعا مندی اور اُس
 کے حکم کے بجائے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔ اور گمراہی کو ہدایت سے اچھا سمجھا۔ اس
 منعم کی ناشکرانہ جس نے طرح طرح کی نعمتیں انعم فرمائی تھیں اس کی الوہیت کا انکار اس کے ساتھ
 شرک کرنا۔ اس کی خلاف ورزی کاموں میں کوشش کرنا۔ شک۔ توحید۔ اور اُس کے مرضیات میں

کوشش کرنے کے بجائے یہ باتیں اسے بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ انہی باتوں سے وہ اپنے خالق و مالک کی توفیق کے قائل نہ ہوا۔ اس سے زیادہ اور کیا گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مالک و عادل کا ایسے شخص کو توفیق خیر سے محروم رکھنا اس کا میں انصاف سمجھتا ہوں۔ اور جب اس پر ہدایت کے دروازے اور راہ حق پانے کے راستے بند ہو گئے تو اس کا دل ایمان و اسلام کے داخل ہونے سے تنگ۔ دنیا ریک ہو گیا۔ ایسا شخص ہزار جہنم سے اور صد اقرت اسلام کی ٹانگوں نشانیاں دیکھنے سے کبھی ہایہ نہیں ہوتی بلکہ اس کا کفر اور کراہی تہی کرتے ہیں۔ اور جب وہ مومن جس کے سینے کو اللہ نے ایمان و اسلام کے لئے کشادہ کر دیا ہے اس آیت کو اور جو کچھ اس میں توحید و تمام جہت۔ عدل اور شان ربوبیت کی عظمت کے سرار بیان ہیں ان پر غور کرے گا تو اس کے دل میں ایک خاص معرفت اور اس کے قلب میں کمال درجہ کی عبودیت پیدا ہو جائیگی اور وہ یقین کر لیگا کہ وہ بر جہت اور ہر اعتبار سے خدا کا محتاج اور اس کا بندہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کا رب بعض اس کا مالک ہے۔ اشیاء کے ذوات و صفات اور افعال سب کا خالق و جاعل وہی ہے جملہ امور اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ سب تعریف و ستیج اسی کی ذات پاک ہے۔ تمام کاموں کی باگلس کے ہاتھ میں اور سب کا مرجع اسی کی طرف ہے اس آیت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ہماری ناقص عقلوں کی سمجھ اور ہمارے عاجز ذہنوں کے ادراک سے بالا اور برتر ہے اور ہر ظالم لوگ اس کے معنی کو بگاڑتے ہیں۔ انکی خرافات سے یہ آیت نبرد و پاک ہے۔ مگر ابھی کے پردوں اور ان اصول و قواعد نے جن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا تھا۔ اس آیت کا مطلب سمجھنے سے انکو روک دیا۔ یہ آیت اس توحید اور عدل کی مثبت ہے۔ جس کے واسطے اللہ سبحانہ انبیاء علیہ السلام کے مبعوث کرنے اور ان پر اپنی کتابیں نازل فرمانے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ عدل اس چیز کا نام نہیں ہے جس کے نجات اور تقدیر کے منکر لوگ قائل ہیں۔ نیز یہ آیت اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت و شریعت و تقدیر۔ اسباب اور احکام۔ گناہ اور منزل کے ثبوت کو متضمن ہے۔ اس آیت نے قلب سلیم کے لئے اللہ تعالیٰ اس کے اسماء و صفات کمال و نعمت جلال۔ شریعت و تقدیر کی حکمت۔ سزائیں اللہ تعالیٰ کے عدل۔ ثواب و عطا فرماتے ہیں اس کے فضل کی معرفت کا ایک وسیع دروازہ کھول دیا ہے۔ نیز یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کمال توحید و ربوبیت کی توثیق اور الحاقیت کو متضمن ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام امور کا سبط اور شریعہ اس کے ارادے سے ہے اور سب کا انجام اس کی محال حکمت کی طرف ہے۔ اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو اللہ اپنی ہدایت سے خاص کرے اور اس کے سینہ کو اپنے دین و شریعت کے لئے

کھول دے۔ اور گزہ دی ہوتا ہے جس کا سینہ اپنی معرفت و محبت کے قبول کرنے سے ایسا تنگ کر دے کہ گویا وہ آسان کی طرف چٹھا ہے اور یہ اس کی قدرت سے باہر ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت نہ سمجھے۔ اس کی کمال بوسیت کو نہ مانے۔ اس کی نعمت کا انفران کرے اور اس کی حرارت نہ کہے بجا ہے شیطان کی پریشانی نہ دیکھے۔ تو ایسے شخص کو یہ سزا پناہی گوارہ کر دینا اللہ تعالیٰ کا کمال انصاف ہے۔ چونکہ اس نے پہلے خود ایسے ناشائستہ کام کئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر تو نیک اور ہدایت کا دروازہ بند کر دیا۔ اور اس پر گراہی اور سرکشی کے دروازے کھول دیئے جس سے اس کا سینہ تنگ اور دل سخت ہو گیا اور اپنے رب کی پرستش کرنے سے اس نے تمام اعضاء و جملہ بھاری ہو گئے۔ اور اس کا تمام اندرون ظلمت اور تاریکی سے بھر گیا۔ اور سب گناہ اور قصود اسی کا ہونے لگے اس نے ایمان اور طاعت کے اعراض کر کے اس کے بچائے کفر۔ فسق اور عصیان کو اختیار کیا۔ شیطان کی دوستی اسے بھلی معلوم ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی دوستی کو اس نے نفی کر دیا۔ اپنے سولی کی طرف رجوع کرنے اور اپنی خواہش سے باز آئی کا خیال کبھی اس کے جی میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کا خلاف کیا۔ کہ جو چیزیں اللہ کو ناپسند ہیں ان سے نیت و دوستی اور جو اس کی محبوب و پسندیدہ ان سے بغض و عداوت رکھا۔ اللہ کے دشمنوں سے دوستی اور اس کے دوستوں سے دشمنی کا برتاؤ کیا۔ اللہ کی نماندگی میں ناخوش اور اس کے غضب میں خوش و خرم ہوا۔ ان سب باتوں کے ساتھ رات دن اللہ تعالیٰ کا احسان اس پر جاری ہے اس کے عطا کئے ہوئے کھانے پینے اور گناہ اس کی وی ہوئی۔ روزی کھاتا اور اس کی نعمتیں کھا کر اس کی نافرمانی پر حسرت و چالاک ہوتا ہے۔ پس اللہ سے زیادہ عادل اور بنصف کون ہے کہ ایسے منکروں اور کافروں کو بھی اپنے احکام بھیج دیتا ہے ؟

فصل جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سینے کو اس نور سے منور اور کشادہ کر دیتا ہے۔ جو اس کے دل میں ڈالتا ہے تو اس نور کے پرتو اور روشنی میں اپنے اسماء و صفات کے وہ حقائق اسے دکھلاتا ہے جن میں علم و ادراک کم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ بندے کا انکی نفس الامر حقیقت سے یوری طرح واقف ہونا ناممکن باہر ہے۔ اور اسی نور کے پرتو میں حارث ایمان اور عبادت کے حقائق اور اس کی دوست کریمہ اللہ بظاہر والی چیزیں۔ اسماء و صفات کی معرفت۔ ایمان و اخلاص اور احکام عبادت میں جو اسی نور کی وجہ سے تفاوت ہوتا ہے یہ سب اس پر ظاہر فرماتا ہے ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَوَمَنْ كَانَ مَبْتَغًا فَحُتِّبَ وَّجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا (کیا ایک شخص جو چلے، مژدہ

تھا پھر ہم نے اس میں جان ڈالی اور اس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں (جانی طرح) چلتا پھرتا، ہنسنے دیکھا، وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں دیکھ رہا تھا۔
ہے یہاں۔ سے کل نہیں سکتا۔

وَقَالَ تَعَالَىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا اللَّهُ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
مِنْ رَحْمَتِهِ ۖ وَبِحُكْمِهِ يُقَدِّرُ لَكُمْ أَسْمَاءَ الْوَحْدَانِ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
(دل سے) اس کے پیغمبر محمد پر ایمان لاؤ کہ خدا اپنی رحمت میں۔ ست نام کو وہ ہر طرح سے اور تم کو ایک نور عطا فرمائے کہ جسے (جس پر) روشنی میں چلو۔ اللہ سبحانہ اسی نام کے پر تو میں اپنے مومن بندہ کے دل پر مثل اللہ کی عینیت متکشف فرمادیتا ہے جو اس کے قاصد میں تیار نہ۔ کہ تشریف مستی ہوتی ہے۔ پس وہ اپنے دل کی آنکھوں کے ساتھ اس رب کو شاہدہ کرنا ہے جو نظیر۔ قاہر۔ قادر۔ اور اپنی ذات۔ صفات اور افعال میں تمام چیزوں سے بالا و بزرگ تر۔ ہے۔ اور ساتوں آسمان اس کی ایک سطح میں اور ساتوں زمینیں اس کی دوسری سطح میں آسکتی ہیں۔ اور جو ساتوں آسمان ایک لنگی سے ساتوں زمینیں ایک لنگی سے تمام درختا یا کسا لنگی سے اور خاک تر جو زمین کی تہ میں ہے اور کوا لنگی سے پر دریاں کو ہلانیکا اور فرمایا گیا کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ ساتوں آسمان اس کی ایک سطح میں ہیں آجے ہیں۔ نیچے آدمی کے ہاتھ میں راٹی کا دانہ ہو۔ وہ سب چیزوں کو محیط ہے۔ اور اس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ تمام مخلوق اس کے تصرف و شمار میں ہے اور اس کے صفات کسی کے حصر میں نہیں آسکتے۔ وہ تمام اشیاء کا مدرک ہے اور اس کا ادراک کوئی نہیں کر سکتا۔ آدم سے لیکر تمام تک جتنے آدمی پیدا ہونگے۔ اگر سب ملکر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا احاطہ کرنا چاہیں۔ تو اس کی ذات و صفات کا ہرگز احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد وہ بندہ اپنے پروردگار کو صفت علم میں عظیم سے فائق صفت قدرت میں ہر قدرت والے سے بالاتر صفت جود میں ہر جواد سے بڑھ کر۔ صفت رحمت میں ہر رحیم سے زیادہ اور صفت جمال میں ہر جمیل سے خالادیکھتا ہے۔ اللہ کے جمال کی کیفیت ہے نہ اگر تمام مخلوق کا جمال، خوبصورتی ایک شخص کو دی جائے۔ اور پھر اسی قدر جمال ہر ایک مخلوق میں پایا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے جمال سے اس کی یہی نسبت بھی نہیں ہو سکتی جیسے ایک مہم چراغ کو آفتاب کی روشنی سے ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر تمام مخلوق کی قوتیں ایک شخص میں جمع ہوں۔ اور پھر ہر ایک کو اتنی قوت حاصل ہو۔ تو بھی اللہ تعالیٰ کی قوت سے اس کی وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو ایک چھوٹی قوت کو حاملین عرش کی قوت سے نسبت ہے۔ اور اگر تمام آدمیوں کی

جود و سخاوت ایک آدمی میں موجود ہو۔۔۔ پھر سب میں ایسی قدر سخاوت پائی جاسکے تو اللہ تعالیٰ کی جزا و نجات سے بہ نسبت بھی نہیں جو ایک قطرہ پانی کو سمندر سے ہے اور سب طرح تمام مخلوق کو علم اس کے علم کی نسبت ایسا ہے جیسا کہ سمندر میں سے چھڑیا ایک بلہ اپنی چوڑی میں پانی اٹھا کر دیکھ کر بہ نسبت بھی نہیں ہے اور اس کے تمام صفات حیات۔ سمجھ۔ بصر اور ارادہ وغیرہ کی یہ کیفیت ہے۔ اگر بحر محیط کو اپنے ساتھ سمندر محیط ہوں اور ان سب کو روشنائی فرمائی کریں۔ اور تمام روئے زمین کے درختوں کو قلعیں نصیب کریں اور یہ اس کے صفات کو لکھنے قلمیں۔ تو یہ روشنائی اور یہ قلعیں سب فناء اور ختم ہو جائیں گی۔ اور اس کے صفات و کلمات کا پتہ نہ لگیگا۔ غرض وہ اپنے علم میں ہر عالم سے اپنی قدرت میں ہر قدرت والے سے۔ اپنے جوش میں ہر جواد سے۔ اپنے غنا میں ہر غنی سے۔ اپنے علو اور بلندی میں ہر عالی بلند سے۔ اپنی محنت میں ہر محنت سے فائق اور بالاتر ہے۔ وہ اپنے عرش پرستی پرستی پنی مخلوق پر مستولی و غالب اور اپنی مملکت کی تدبیر میں متفرد و بیگانہ ہے۔ روزی کا تنگ یا زیادہ کرنا۔ عطا کرنا۔ غم جو رکھنا۔ ہلاکت۔ گمراہی۔ سعادت۔ شقاوت۔ موت۔ حیات۔ نفع و ضرر سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے اس کے سوا کوئی مالک اور نہ ہی کوئی مددگار ہے۔ آسمان زمین میں ایک ذرہ بھر بھی کوئی شخص تنہا طور پر اس کے ساتھ اختیار نہیں رکھتا۔ اور نہ اس کے ملک میں کسی کو شرکت اور حصہ داری ہے۔ وہ کسی وزیر معاون و مددگار کا محتاج نہیں۔ وہ کسی غائب نہیں ہوتا۔ کہ کوئی شخص اس کا جانشین ہو۔ اور نہ شک ہے کہ دوسرا شخص اس کی اعانت کرے۔ اور کوئی شخص اس کی اجازت بغیر اس کے سامنے سفارش نہیں کر سکتا۔ معرفت کا یہ پہلا مقام ہے اس کے طے کرنے کے بعد بندہ ترقی کر کے مقام الہیت میں پہنچتا اور اللہ سبحانہ کو اپنے کمال میں امر و نہی۔ وعدہ و وعید۔ ثواب و عقاب اور فضل کے ساتھ کلامتہ و یکھتا ہے پس وہ اپنے پروردگار کو ان صفات کے ساتھ موصوف پاتا ہے قیوم۔ متکلم۔ آمر و ناہی۔ اور محبت و بغض۔ رضا و غضب بھی اس کے صفات میں مشاہدہ کرتا ہے۔ نیز یہ دیکھتا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو بھیجا۔ ان پر کتنا میں نازل فرمائیں۔ بندوں پر اپنی محبت کو قائم کیا۔ اور ان پر اپنی رحمت کاملہ کو پورا فرمایا ہے۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے ہدایت کرنے۔ اور جسے چاہے عدل و حکمت کے تقاضا سے اسے گمراہ کرے۔ وہ اپنے بندوں کی طرف اپنے حکم نازل فرماتا ہے۔ اور اس کے سامنے ان کے اعمال پیش کئے جاتے۔ انکو عثت اور بیکار نہیں بنایا۔ بلکہ ہر حال۔ حرکت و سکون۔ ظاہر و باطن میں ان پر اس کا حکم جاری ہے۔ غرض کسی لحظہ و لمحہ میں اور کسی بات یا حرکت و سکون میں جسے اللہ تعالیٰ کے حکم و امر سے باہر نہیں اور اسی لور کے پر تو میں بندے پر اس کا م شروع

کے شروع کرنے میں اللہ تعالیٰ کا عدل و حکمت۔ رحمت و لطف۔ احسان و پرہیزگاری ہو تے ہیں۔ اور جو بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کام اس رب رحیم۔ محسن۔ لطیف۔ حکیم و قدیر کے احکام ہیں جس کی حکمت کے اور اک سے عقول قاصر ہیں۔ اور یہ وہ احکام ہیں کہ نظرت انکی نظر اور ان کے نازل کرنے والے کی وحدت اور انکے ملنے والے کی رسالت اور نبوت کی شاہد ہے۔ اور اسی نور کے برتوں میں پیشے پر باری تعالیٰ کے صفات کمال کا اثبات۔ اور ہر ایک قسم کے نقص اور زلیلہ و مثال سے اس کا منہ ہر ناظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ کہ پہلے ہی میں چنے کمالات ہیں۔ سب کا خالق اور مدبّر ہے۔ اور اسی کی ذات انکی سزاوار و زیادہ تھی ہے۔ اور تمام عیوب و نقائص سے اسکی ذات منزه و پاک ہے۔ اور اسی نور کے برتوں میں بندے پر مودت و آخرت اور اس کے متعلق جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ اس کے متعلق اس طرح مشکف ہو جاتے ہیں کہ گویا بندہ ان کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور اسکی طرح کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اسماء و صفات۔ امر و نہی۔ وعدہ و وعید کے متعلق جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ در سب کچھ مشاہدہ و معاہدہ کر رہا ہے۔ پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے تو اس کا سینہ ان چیزوں کے لئے کھل دیتا ہے وہ ان سب کے سامنے کے لئے وسیع اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ اور جس کو گمراہ کرنا چاہے تو اس کا سینہ ان چیزوں کے داخل ہونے سے تنگ کر دیتا ہے کہ ان چیزوں کو اس کے اندر جانے کے لئے کوئی راستہ اور سوراخ نہیں ملتا۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ عقلمند کے لئے مسئلہ تقدیر و حکمت سمجھنے کے لئے اور اس عدول و توحید پر مطلع ہونے کے لئے جو آیت ذیل میں مذکور ہیں یہ باب کافی ہے۔ **مَنْ شَهِدَ اللَّهَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأَوَّلُ الْعِلْمِ قَائِمًا يَأْتِي الْقِسْطَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ** (و خود اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی دگواہی دیتے ہیں اور نیز یہ کہ اللہ عدل و انصاف کے ساتھ (کار خاں عالم کو) منہا لے جوتے ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں زیر دست اور حکمت والا ہے۔

سوال و جواب

ان احادیث کے بیان میں اس باب میں وارد ہوئی ہیں کہ جسطح اللہ تعالیٰ کیلئے بندہ کے ذوات و صفات کا خالق ہے اسی طرح صرف ہی اپنے فعال کا بھی خالق ہے اللہ تعالیٰ نے کن بخلق فعال العباد میں کہا ہے کہ ہم سے علی بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ ہم سے

روان بن معاویہ نے بیان کیا کہ ہم سے ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے ربیع بن خراش سے کہا
 نے حدیث سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک صنعت گزار اور اس کی
 صنعت کا صلہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں بعض اہل علم میں حدیث کے اسناد کے لئے
 وَأَذِّنْ لَكُمْ هَذِهِ الْأُمُورَ (اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے) پڑھا کرتے تھے۔ اور
 نیز امام بخاری نے کہا ہے کہ ہم سے محمد بن معاویہ نے بیان کیا۔ انہوں نے اعمش سے انہوں نے
 شفیق انہوں نے حدیث سے روایت کیا۔ اور دلائل تَحْقِيقُكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ
 میں لفظ مَا کو معصوم قرار دیکر اس سے اسناد کا ظاہر کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ ظاہر
 یہ ہے کہ لفظ کیا یہاں موصولہ ہے اور منسلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان بتوں کا خالق ہے
 جن کو تم بناتے ہو پس یہ آیت اللہ تعالیٰ کے خالق اعمال عباد ہونے پر اذکار دلالت کرتی ہے
 کیونکہ مبتدئ ایسی چیز کا نام ہے جس میں صنعت انسانی کو بھی دخل ہوتا ہے اور جب مبتدئ کا مفعول
 تھیما تودہ اپنے مادہ اور صورت ہر بہت سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہوگا۔ اور اس سے لزوم ثابت
 نہو کہ صنعت انسانی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور نیز امام بخاری نے کہا ہے کہ ہم سے عمرو بن محمد
 نے بیان کیا کہ ہم سے ابن عیینہ نے بیان کیا انہوں نے عمرو سے انہوں نے طاؤس سے انہوں
 نے ابن عمر سے روایت کیا کہ ہر ایک چیز (پہلے سے) مقدر ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کا اپنے
 رخصا سے ہر ماہ بھی مقدر ہو چکا ہے۔ نیز امام بخاری نے کہا ہے کہ ہم سے اسماعیل نے بیان کیا
 کہ ہم سے مالک نے بیان کیا انہوں نے زیاد بن سعد سے انہوں نے عمرو بن مسلم سے انہوں نے
 طاؤس سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہؓ کو دیکھا وہ سب
 یہی کہتے تھے کہ ہر ایک چیز پہلے سے مقدر ہو چکی ہے یہاں تک کہ عاجزی اور عقلمندی اور
 امام سے اس حدیث کو اپنی تصحیح میں طاؤس سے اس طرح روایت کیا ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمرؓ
 کو یہ کہنے سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک چیز (پہلے سے) مقدر ہو چکی
 ہے یہاں تک کہ عاجزی اور عقلمندی۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ لیث نے طاؤس سے انہوں نے ابن
 عباس سے یوں روایت کیا ہے اِنَّا كُنَّا نَسْتَشِيرُ خَلْقَنَا وَبَلَدُ سِرَاجٍ فِي هَذِهِ الْأُمُورِ
 سے پیدا کیا ہے یہاں تک عاجزی اور عقلمندی۔ امام بخاری نے کہا ہے میں نے عبد اللہ بن سعید
 سے سنا وہ کہتے کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے اپنے اصحاب سے یہی سنا ہے۔ وہ کہا
 کرتے تھے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں امام بخاری نے کہا ہے کہ بندوں کے

حرکات۔ السموات کسب یعنی کما جنت وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں جابر بن عبد اللہ نے کہا کہ
 کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام کاموں میں میری مانند تیار تھے کہ تم اس ہنگام سے رہتے تھے جیسے کہ
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ہنگام فرماتے تھے۔ آپ فرماتے جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے
 تو اس سے چہلے کہ پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
 اَسْتَعِیْزُ بِكَ بِعَمَلِكَ وَاسْتَغْفِرُكَ بِاَمْرِكَ اِنَّكَ سَمِیعٌ عَلِیْمٌ وَ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ۔
 فَ اِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ
 كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَبَشِّرْ
 لِیْ وَ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا الْاَمْرُ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ
 وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَ اَصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَ اَقْدِرْ لِیْ الْخَيْرَ حِیْثُ مَتَّانٌ
 شَعْرَتِیْ بِیْ۔ آپ نے فرمایا کہ اِنَّ هَذَا الْاَمْرَ کے بجائے مسائل اپنی حاجت کا نام لے۔
 ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث سن صحیح ہے آپ کے یہ ارشاد کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے
 اس بات پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ وہ کام بندے کا اختیار فی جمل ہے جس سے اس کا ارادہ تعلق ہے۔ اور
 بامداد استغفار کے بقدر پناہ طلب یہ ہے کہ اسے اللہ میں سہ سے یہ سوال کرنا ہوں۔ کہ تو اپنی قدرت
 سے مجھے اس کام پر قدرت دے اور ظاہر ہے کہ سائل اس قدرت کا سوال نہیں کرتا جو کہ باری تعالیٰ
 اور یعنی سلامت اعضا اور دستی خلقت ہے بلکہ یہاں قدرت سے وہ قدرت مراد ہے جو موجب فعل جرتی
 ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ وہ قدرت اللہ تعالیٰ کی مقدر اور اس کی مخلوق ہے اور جملہ خانات
 تقدیر و الاقدار سے اس منعمون کو مرکہ کیا ہے یعنی اسے اس بات پر قدرت ہے کہ تو مجھے قادر و فاعل
 بنائے اور میں بذات خود کسی کام کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی کام کو کر سکتا ہوں۔ اور جملہ تعلیم و
 اعلمہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام امور کا انجام و مال تجھی کو معلوم ہے اور میری توہی جانتا ہے کہ کوئی کام
 میرے حق میں نافع اور کوئی مضر ہے۔ اور میں ان باتوں کی حقیقت سے بے خبر ہوں۔ اور سائل کے
 قول بَشِّرْ لِیْ یَا اَصْرِفْهُ عَنِّیْ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ اللہ سے اس بات کا طلبگار ہے۔ کہ اگر
 اس کام میں کوئی مصلحت ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پر ایمان فرمائے اور اگر اس میں اس کا نقصان ہے تو
 اس کام سے اس کو ہٹائے۔ اسان کرنے یا نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اس کام
 کے کرنے یا نہ کرنے کا موجب و سبب ڈال دیتا ہے۔ اور جب اس کام کے کرنے کا سبب موجود ہوتا ہے
 تو وہ کام بھی موجود ہو جاتا ہے اور اگر اس کے نہ کرنے کا سبب موجود ہوتا ہے تو وہ کام نہ ہوتا ہے اور اس کا

اور قدرت یہ کا عینیدہ ہے کہ بندہ کے کسی کام کے فاعل جو نے کو ترک پڑنے سے جسے میں اللہ تعالیٰ نے کا کوئی دخل و
تاثیر نہیں پس اللہ تعالیٰ سے کسی کام کے آسان کر دینے کا سوال کرنا ان کے خیال میں لہو و فصول ہے کیونکہ
یہ اسباب کا تیار کیا کرنا جو بندہ کی قدرت سے باہر ہیں موجود ہے اور بندہ سے اسے اس کا رال نہ کیا۔
اور جملہ بندہ تضرعی یہ اس بات پر والمالت کرنا ہے کہ رضا مندی کا حاصل ہونا جو کہ بندے کا اختیار فی فعل
اور اس کے دل کا کام ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور وہی اپنے بندے کو کسی کام پر راضی
کرنا ہے اور جملہ فاعل تضرعی و اندر فاعل متکثر سے صراحت ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے
بندے کو اس کے اختیاری فعل سے جب چاہے ہٹا دیتا ہے +

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ صلیق ۲ کے حق میں فرمایا ہے کَذٰلِكَ لِيُتَصَرَّفَ عَنْهُ
الْمَلِكُ وَالْخُشَّاعِ (اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو ثابت قدم رکھا تاکہ ہم پر کاری اور بے حیائی کے کام
ان سے دور رکھیں) برائی وعدہ تیبائی کے ہٹانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دل کے سیلان
اور خواہش کو ان سے ہٹا دیا۔ جب بُرائی اور تیبائی کی طرف خواہش اور سیلان ولی نہ رہیگی تو وہ بھی دور ہو
جائیں گے۔ اور جملہ و اقل تضرعی الخئیروں میں لفظ غیر عام اور شامل ہے۔ ہر چیز کو خواہ وہ خیر و طاعت بندے کی
فصلت میں جو یا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندے کا خیر و طاعت کو کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے
اگر اللہ تعالیٰ بندے کو اس پر قدرت نہ بخشے تو وہ اس سے کبھی وقوع میں نہ آئے۔ غرض اس حدیث
میں مسئلہ تقدیر پر پوری بحث ہے +

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے استخارہ کرنے والے کو یہ حکم دیا ہے۔ کہ وہ اس دعا سے
پہلے اور اپنی مناجات کے قبل ظہار عبودیت کے لئے دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ اور جو نفل اختیاری
علم، تدبیر اور ارادے پر موقوف ہوتا ہے۔ اور ان کے بعد وہ محال نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دعا استخارہ
کرنے والے کو ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم، تدبیر اور ارادہ کو وسیلہ بنائے۔ کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا
ہے اپنے فعل سے اپنے علم، تدبیر اور ارادے سے عطا فرماتا ہے۔ اور اس مطلب کی تاکید کیلئے
بندہ اپنے علم، قدرت سے خالی اور بری ہونا ظاہر کرے اور یوں کہے اِنَّكَ فَتَكُنْ وَلَا اَعْلَمُ وَ
تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ (اے اللہ یہ بھی ارشاد ہوا کہ یوں کہے کہ اگر اس کام میں بھلائی ہو تو اے اللہ اس کو
میرے لئے آسان فرما اور اگر بُرائی ہو تو مجھے اس سے ہٹا دے تاکہ بندہ اپنے کام کو پوری طرح
اللہ کے سپرد کرے۔ اور مال کار سے اپنی لاٹھی کا ایسا ہی محترف ہو جیسا کہ اس نے اپنی عاجزی کا
اقرار کیا ہے غرض کہ دعائے استخارہ میں عبودیت کا مقام اور عبودیت کا شان پوری طرح بیان ہے +

یہی دلالت اور کار سازی مراد ہو۔ تو اس لاینت و کار سازی کے لحاظ سے تو اللہ تعالیٰ جیسا بموجب کمال ہے ویسا ہی کافروں کا بھی ولی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے مومن بندوں کے ایسے امیر کا متولی ہے جن میں کفار کو کچھ حصہ نہیں اور وہ ان سے بچ رہے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کو توفیق اور الہام عنایت فرماتا اور ان کو ہدایت یاب اور اپنا مطیع بناتا ہے اور جملہ ان کے کلائیڈ لے مٹ و الیکٹرس پر لٹ کرتا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ جس شخص کا ممتولی اور کار ساز ہو تو وہ میری کار سازی کے سبب منہ صہر عزیز اور غالب ہو جاتا ہے۔ اور اس جملہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو شخص لوگوں میں دلیل ہو۔ تو اس کا باعث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے طور پر اس کی کار سازی نہیں فرمائی۔ ورنہ خدا تعالیٰ کی کمال لاینت اور کار سازی کے ہوتے ذلت کا نام و نشان نہ رہتا۔ گو تمام روئے زمین کے لوگ اس کی ذلت میں کوٹھاں ہوتے۔ مگر وہ عزیز اور غالب ہی رہتا اور جملہ کو فنی مٹ مٹا قنیت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شری بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے۔ اور وہی اس سے بچاتا ہے۔

اور سند وغیرہ میں مرقی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل سے فرمایا۔ اے معاذ اللہ کی قسم مجھے تجھ سے محبت ہے پس تمہیں چاہئے کہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنِيْ عَمَلِيْ ذِكْرَكَ وَ شُكْرَكَ وَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ (اے اللہ اپنے ذکر۔ شکر اور حسن عبادت پر میری مدد فرما اور میری اس وصیت کو کبھی نہ بھولنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام کام بندے کے اختیاری فعل ہیں اور انہی کی نسبت یہ سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کرنے پر مدد فرمائے۔ اور قہر کے نزدیک یہ سوال ماحصل ہے۔ کیونکہ ان کے زعم میں اعانت بخنے سلامت آلات و رفعا و خلق قدرت ہے۔ اور یہ کفار اور مومنین سب کے لئے یکساں حاصل ہے۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعانت کا اللہ تم سے سوال اس طرح کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو ذکر و شکر اور حسن للعبادة بنا دے۔

چنانچہ آپ کی شہر و عایشیں جس کو ابن عباس نے آپ کی روایت کیا ہے یہ کلمات وارد ہیں۔ رَبِّ اٰرِنِيْ عَمَلِيْ ذِكْرَكَ وَ شُكْرَكَ وَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ (اے اللہ اپنے ذکر۔ شکر اور حسن عبادت پر میری مدد فرما اور میری اس وصیت کو کبھی نہ بھولنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام کام بندے کے اختیاری فعل ہیں اور انہی کی نسبت یہ سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کرنے پر مدد فرمائے۔ اور قہر کے نزدیک یہ سوال ماحصل ہے۔ کیونکہ ان کے زعم میں اعانت بخنے سلامت آلات و رفعا و خلق قدرت ہے۔ اور یہ کفار اور مومنین سب کے لئے یکساں حاصل ہے۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعانت کا اللہ تم سے سوال اس طرح کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو ذکر و شکر اور حسن للعبادة بنا دے۔

بخش اور ہدایت کو میرے لئے آسانی فرماؤ۔ شخص نے پھر پڑ باوقی کرے اس کے یہ خلاف مہربانی ہو کر۔ اے اللہ مجھے اپنا اعلیٰ وجہ کا شاگرد بنا کر اور نہایت ڈرنے والا۔ پورا مطیع۔ تیرے سامنے کم نال عاجزی کرنے والا اور میری طرف سے کمال توہمہ اور رجوع کرنے والا بنا۔ اے۔ اے اللہ میری تائید قبول فرما۔ اور میرے گناہوں کو دھو ڈال۔ میری دعا کو قبول اور میری محبت کو قائم فرما۔ میرے ریل کو ہر ایک وجہ اور میری زبان کو سیدھا رکھ اور میرے سینے کے کینے کو دور کر دے۔ اس کی ہر شے کو امام احمد نے اپنی سند میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں اکیس روایات موجود ہیں جو غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

صحیحین میں آیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْجَلَدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لَنَا مِنْكَ وَلَا مَعْطِي لَنَا مَنَحَتَكَ وَلَا يَنْفَعُكَ الْجَدُّ مِنْكَ الْجَدُّ اللَّهُمَّ كَيْفَ يَكُونُ عَبْدٌ لَكَ وَكَيفَ يَكُونُ شَرِيكٌ لَكَ أَمَّا هَذِهِ بَادِشَاهُتِ بے ادبائی کے لئے سب قہر عین ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جس چیز کو تو عطا فرمائے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو روک دے وہ کوئی دے نہیں سکتا۔ اور کسی نسب والے کو تیرے عذاب سے اُس کی نسب چھوڑا نہیں سکتی اور نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو رکوع کے بعد قہر میں بھی پڑھا کرتے تھے۔ اِس دُعَا میں شریک باری کی ہر وجہ سے نفی اور باری تعالیٰ کی بادشاہت کا ثبوت اور نیز اُس کی حمد اور اُس کی قدرت کا عزم پائے جاتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ سبحانہ کسی بندے کو کوئی چیز عطا فرمائے تو اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جب وہ محروم رکھے تو پھر کوئی دوسرا دے نہیں سکتا۔ قدر یہ کا یہ اعتقاد ہے کہ بندے کو یہ قدرت ہے کہ مثلاً کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا کرے تو یہ اُس سے روک دے۔ اور جس سے اللہ تعالیٰ کوئی چیز روکے تو یہ اُس کو عطا کر دے۔ کیونکہ بندہ باختیار خود عطا اور منہ کا فاعل ہے۔ بندے کے یہ فعل مشیت الہی پر موقوف نہیں اور نہ یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ معطی اور مانع بناتا ہے پس ممکن ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے اس کا کوئی مانع اور جس کو محروم رکھے اُس کے لئے کوئی معطی ہو مگر اللہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ آپ مجھے ایسا عمل بتلائیں جس کے سبب میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس پر یہ کام آسان کرے اُس کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ حدیث اس بابت پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اللہ سبحانہ جس کام کو آسان کرے۔ وہ آسان ہو جاتا ہے اور اگر وہ آسان نہ کرے تو وہ کام ہو نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے کسی کام کو آسان کرنے

کا یہ طبع نہیں ہے کہ کوئی صحیح وسلاست اور اعضا تشدد مت ہوں۔ اور اُس کے کرنے پر بندے کو قہر مت حاصل ہو۔ اور اُس سے جو کوئی چیز مانع نہ ہو کیونکہ یہ بات تو ہمن اور کافر و فوس کے لئے یکساں حاصل ہے۔ بلکہ جو تیسرا آسان کرنا ہم حدیث میں مذکور ہے وہ اس کے علاوہ ایک اور چیز ہے۔ اور توفیق اور تیسرا تہ تھا اسی سے کیا تیار ہوا ہے :

حدیث صحیح میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ابو موسیٰ سے فرمایا کہ کیا میں تجھے نہ بتاؤں کہ غزائوں میں سے ایک غزائے نہ بتاؤں کہ یہی کلا حوّل و کلا حوّل و کلا حوّل (اگرنا ہو۔ سے) ہذا نا اور اطاعت کے بجا لانے کی قوت اللہ کی توفیق بغیر حاصل نہیں ہو سکتے ان کلمات کے تسلیم اور قبول کرنے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور تقدیر کے اثبات اور ندر کے قول کے ابطال کے لئے یہ کلمہ کافی شافی ہے۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ جب یہ دین کلمات کو نہ مانا ہے۔ تو ان کو مانے فرماتا ہے کہ میرے بندے نے مان لیا اور قبول کیا۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میرے بندے نے اپنے تمام کام میں میرے پروکروئے بعض قدریں نے (اس حدیث کی توجہ میں یہ کہا ہے کہ جب فعل اور ترک درو کے اسباب حاصل ہوں۔ تو بندے کو ان دونوں پر کمال قدرت حاصل ہوئی اور اسی حالت میں فعل کا صدور محال ہوتا ہے۔ اور جب جانب فعل اپنے اسباب کے حصول اور موافق کے عدم سے راجع اور غالب ہو جائے تو اس وقت فعل موجود ہو جاتا ہے۔ اور اسی غلبہ اور ترجیح کا نام قوت ہے جس کی طرف ان کلمات میں اشارہ ہو یعنی کلا حوّل و کلا حوّل و کلا حوّل انا بادلہ تعالیٰ انا بادلہ۔ مگر جو کچھ اس قدری نے کہا ہے وہ اُس کا اہانتیا ہے جس قوت کی طرف حدیث میں اشارہ ہے وہ اور ہی چیز ہے عالم مادی اور فنی غرض تمام کائنات ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف متبدل اور تغیر ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تبدل اور تغیر کسی نوع کے بغیر واقع نہیں ہوتا یہ قوت تحوّل و تبدل کے علاوہ اللہ وحدہ کی ذات میں موجود ہے غرض عالم مادی اور فنی کی تمام سوکات عام اس سے کہ وہ قسری۔ ارادی طبعی ہوں یا مرکز عالم سے محیط یا مرکز عالم یا مجید سے مرکز کی طرف یا مرکز کے گرد ہوں اور نیز عام اس سے کہ عقولہ لم یالیف یا اس میں واقع ہوں جیسے حرکت نباتات۔ حرکت طبعیت۔ حرکت حیوانات۔ حرکت فلک۔ حرکت نفس اور حرکت قلب اور ان حرکات کی قوتیں سب اُس قوت کے تابع ہیں۔ اور کائنات میں ان حرکات کی قوت کا نام حوّل ہے۔ پس اللہ کی توفیق کے سوا حوّل اور قوت حاصل نہیں ہو سکتے اور چونکہ کنز یعنی خزانہ اُس نفیس اور جمع شدہ مال کو کہتے ہیں۔ جو اکثر لوگوں پر مخفی ہو اور ان کلمات کی بھی یہی شان ہے۔ اس لئے یہ ایک کنز من کنز الجنتہ ہوئے اور انھیں صلی اللہ علیہ وسلم کو

عزیز ہیں۔ کہ خزانہ سے عطا ہوتے ہیں۔ اور ان کا قائل اس وقت معلوم کی تھا وہ قدر کہ مان لیتا
اور تسلیم کر لیتا ہے جس کے ہاتھ میں تمام امور کی باگیں ہیں۔ اور اپنے تمام کلام اس کے سپرد کر دیتا
ہے۔ مستند اور سن میں ابوالاعلیٰ سے مروی ہے کہ میں نے ابوبکر بن کعبہ کی خدمت میں ہاضمہ ذکر
عزیز کیا۔ کہ میرے دل میں تقدیر کی نسبت جو کچھ شہادت ہیں۔ آپ اس مسئلہ کے بیان فرمائیے شاید
اللہ تعالیٰ ان شکوک کو میرے دل سے نکال دے تو ابوبکر بن کعبہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان شکوک
اور ذہن کی تمام مخلوق کو عذاب میں گرفتار کرے۔ تو یہ آپس کا کوئی ظلم نہیں۔ اور اگر ان پر عذاب
نہیں کی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال کے ہدایت کی نسبت بدسترس ہے۔ اور اگر تو کہہ
کے برابر ان کی راہ میں ہونا خرچ کر ڈالے تو وہ تجھ سے اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائیگا تا کہ تہذیب
ایمان نہ لائے اور اس بات کا یقین نہ کرے کہ بے معصیت میں پتہ آئی ہوتی تھی۔ اس لئے والی نہ
نہی۔ اور جس سے تو بچ گیا ہے وہ جسی تجھ پر آنے والی نہ تھی۔ نہ اگر تو راہ عقیقہ نہ لے۔ سو کسی دوسرے
معتقد پر موقوفہ رہی ہو گا۔ ابوالدین نے کہا۔ اس کے بعد ابوبکر عبد اللہ بن مسعود اور خلفین بیان
احمد بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو یہ ایک نے رسول خدا علیہ السلام سے روایت کر کے
ایسا ہی مجھ سے بیان کیا یہ حدیث صحیح ہے۔ حال میں اسے صحیح روایت کیا ہے۔ اور یہ
بڑے پایہ کی حدیث ہے۔ یہ اس شخص یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام ہے تو تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ
کے زیادہ عارف اور سب سے بڑھ کر اس کے موحد اور اس کی تعظیم کرنیوالے ہیں۔ اور اس حدیث میں
عمل و توحید کے مسئلہ کے متعلق پوری تفسیر ہے۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ دوسرا رہتا ہے
کہ تعنا و قدر اور امر و نہی کس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔ اور نیز عدل کے روبرو یہ کس طرح درست ہو سکتا
ہے۔ کہ جسے کو ایسے کام پر مزا دی جائے جو اس کے حق میں مقدم ہو چکا ہے اور جس کے کرنے
سے بندے کو کوئی چارہ نہیں۔ پھر ہر ایک گرد و نے اس مسئلہ کے متعلق ایک راہ اختیار کی ہے۔
پس جبر نے جبر اور اس شیت محض کا مسلک اختیار کیا ہے جو بغیر کسی سبب۔ علیت و غایت اور حکمت
کے ایک جیسی دو چیزوں میں سے ایک کو راجح ٹھہراتی ہے اور انہوں نے یہ کہا کہ ہر ایک ممکن فعل
اور جو اللہ تعالیٰ سے صادر ہو۔ میں عدل ہے اور ظلم لہذا ہم اس سے محال ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اس کو
اور زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں گرفتار کرے تو یہ اس کی اپنی ملک چندیوں میں تصرف ہے۔ اور ظلم یہ
ہوتا ہے کہ صاحب قدرت اپنے غیر ملک میں تصرف کرے اور یہ اللہ سبحانہ کی نسبت محال ہے
کہیونکہ جب آپس کی ملک میں جبر کا یہ بھی قول ہے کہ چونکہ جملہ امور اللہ تعالیٰ کی مقرر شدہ

پر موقوف نہ ہیں۔ راستے اعمال نجات کا سبب نہیں بلکہ بخشش اللہ کی رحمت سے بندوں کی نجات ہوگی۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کی رحمت بندوں کے حق میں اُنکے اعمال کو نسبت بہتر ہے۔ جبر یہ سنے اللہ تعالیٰ کے ملک یعنی ہر شاہدیت کے بعد کو تو پھر ملاحظہ کیا۔ لیکن اسکی جو حدیں گئے ہیں کو نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جاننا ملک اور رحمہ دونوں کا مالک و صاحب ہے۔ اور قدر پر عمل و حکمت پسند ہے۔ اور بندوں کی اگر کوئی گنہگار ہو تو پھر بھی پھر کوئی باطل چھوڑ دیا۔ اور اس حدیث کے سمجھنے میں حیران ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے گنہگاروں کے لئے اس حدیث کا ایک قدر یہ ہے کہ اس حدیث کا ایک کلمہ اور اس کی ترویج کی ہے کہ رسول اللہ نے یہ بات نہیں فرمائی۔ اُن کا قول ہے کہ اس ظلم سے اور زیادہ کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے شخص کو معذب کیا جائے جس نے اپنی تمام عمر کے سبب بوقت اور اپنی ساری طاقتیں اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اُن کا سول کی بجا آوری میں جو اسے محبوب ہیں خرچ کر دی ہوں۔ اور اُس نے ایک لمحہ بھڑک کر اللہ کی نافرمانی نہ کی ہو۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا رہا ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح فرما سکتے ہیں۔ کہ ایسے شخص کو معذب کرنا عدل ہے ظلم نہیں۔ قدر یہ کہ یہ بھی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو بند عدل پر حق ہے اور جس چیز کا وہ سزاوار ہے کہ بندے اُسے بجا لائیں۔ وہ بندوں کی طاعت سے بڑا اور زیادہ نہیں۔ پس یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کی فتنیں بندوں کی طاعات کا عوض اور پاداش نہیں بلکہ محض اس کی رحمت کا اثر ہیں اور اگر سب بندہ نیکو عذاب کرے تو بھی ناحق نہیں۔ کیونکہ جب بندے اور اپنے مقدور کے موافق طاعت بجالائے اور مقدور سے زیادہ کسی کو نقد جہنم بھی نہیں پائی۔ تو پھر ان کو اُس چیز کے ترک کرنے پر جو ان کی قدرت سے باہر تھی ایسے عذاب ہو سکتا ہے۔ اگر ایسی صورت میں بھی عذاب ہو تو اُس کی بالکل مثال ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس بات پر عذاب کرے کہ اُس نے آسمان وزمین کو کیوں پیدا نہیں کیا یا اور ایسے کام کیوں نہیں کئے جو ان کی قدرت سے باہر ہیں۔ قدر یہ کہتے ہیں اس حدیث کے ظاہری معنی کی سمجھت۔ کہ لئے کوئی بندہ نہیں پس یا تو اس کو رد کیا جائے یا تاویل کر کے کسی صحیح معنی پر لے کر لیا جائے اور وہ صحیح معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معذب کرنا چاہتا۔ تو وہ سب کو ایک آنست کا فرہ بنا دیتا۔ یہ اس کے بعد اگر وہ بندہ کرتا تو وہ ظالم نہ ہوتا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو باوجود ان کے مطیع اور عابد ہونے کے معذب کرے تو وہ ظالم نہ ہوگا۔ اُس کے بعد آپ نے بتلایا ہے کہ اگر وہ سب پر اپنی رحمت فرمائے۔ تو اُس کی رحمت اُن کے حق میں اُنکے اعمال کی نسبت بہتر ہے۔ اُس کے بعد آپ نے بیان فرمایا

ہے کہ جسے کاکڑی میں مقبول نہیں ہے وہ تاجہ یہ تاکہ۔ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے۔ یہ اور تقدیر اللہ تعالیٰ کے اس
 علم اور حکم کو کہتے ہیں جو کائنات سے سے متعلق ہیں۔ اور ایک جماعت قدر اور امر و نہی و عقاب
 سے وہ ایمان جو ہر شے پر مستلزم ہے بھی ان پر شہود و ملاحظہ اندر بنا کر یہ آجاتا ہے۔ تو امر ہے۔ یہ خبر ہو جاتا
 ہیں۔ اور کچھ ہشامیہ امر غالب آتا ہے تو قدر سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ حیرت مند اور گراہی میں آتے ہیں
 جو توحید جانتے ہیں مگر نہیں سمجھتے۔ ان تمام فرقوں کے اقوال مختلفہ داران فرقہ کا سبب ان کے وہ اصول و قیام
 اور قواعد باطلہ ہیں جن کو انہوں نے قائم کر رکھا ہے۔ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صبح سدا۔ نہ کمال کو ملحوظ
 رکھتے اور یہ سمجھتے کہ وہ ملک۔ حمد۔ ربوبیت۔ الہیت۔ حکمت۔ اور قدرت کا جامع ہے۔ اور
 اس کی پائل ذات کے لئے کمال مطلق ثابت کرتے اور اس کو قدرت نامہ نشانہ اور اس مشیت
 عامہ نافذہ کے ساتھ موصوف جانتے کہ اس کے بدوں کسی چیز کا وجود نہیں ہوتا۔ اور نیز اُسے
 اس حکمت کے ساتھ نصف سمجھتے جس کے آثار ہر ایک چیز میں نمایاں ہیں۔ تو ان پر تمام حقیقت ظاہر
 ہو جاتی اور یہ حیرت نہیں رہتا جاتیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسے دروازے۔ سے پہنچ جاتے
 جو سات آسمانوں سے زیادہ وسیع ہے اور زمین کر لیتے کہ وہ انہی صفات کے لائق ہے۔ بن کو اپنے
 رسولوں کی زبانی اپنی ذات کے لئے بیان فرمایا ہے اور ان کے برخلاف ظنون کا ذہ اور اوہام
 باطلہ ہیں۔ جو باطل فکروں اور وہابی تباہی آرا کا نتیجہ ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کے بعض صفات کمال
 بیان کرتے ہیں اور اسی سے توفیق اور مدد چاہتے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ و لا حول و لا
 قوۃ الا باللہ۔ پروردگار عالمین کا اہم مبارک اور اس کا شان بلند ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود
 رقی نہیں ہے۔ وہی نعم حقیقی ہے جو اپنی مخلوق کو کونا گون نعمتیں عطا فرماتا ہے بن کو آسمان و زمین
 کی تمام مخلوق (مگر شاد کرے تو بھی ہمارے نہیں کر سکتی۔ مخلوق کو پیدا کرنا اس کی ایک نعمت ہے اور انکو زندہ
 مابق بنا کر اس کی دوسری نعمت ہے۔ کان۔ آنکھیں عقل عطا فرمانا اس کی تیسری نعمت ہے کھانے
 کی رنگارنگ چیزیں بخشنے رہنا یہ ایک اور نعمت ہے اور اپنے اسماء صفا۔ اور افعال کے ذریعے
 اپنی ذات کی معرفت عنایت کرنا یہ ایک جدا گانہ نعمت ہے۔ اور انکی زبانوں پر اپنا ذکر جاری کرنا یہ
 ایک علیحدہ نعمت اور ان کے دلوں میں اپنی محبت، معرفت و التایہ ایک اور نعمت ہے اور ایجاد کے بعد انکو
 اپنی حفاظت میں رکھنا یہ ایک اور نعمت ہے اور ان کے چھوٹے بڑے جملہ امور اور مصالح کا انتظام
 فرمانا یہ ایک اور نعمت ہے۔ اور ان کو ان کے مصالح و معیشت کے اسباب کی طرف راہ نائی کرنا یہ ایک
 اور نعمت ہے واللہ تعالیٰ کی بے انتہا نعمتوں کو تفصیلاً ذکر کرنا قدرت بشری سے باہر اور ناممکن امر ہے

اسکی بیٹیاں نعمتوں کے بیان کیلئے آنا ذکر کرنا کافی ہے۔ کہ سانس لینا اسکی ایک اونٹنی نعمت ہے اور چوپایں
 گھنٹوں یعنی ایکسٹن راست میں بندہ چوبیس ہزار سانس لینا ہے پس دوسری طرح کی نعمتیں تو برکات
 ہر روز میں صرف سانس لینے کی چوبیس ہزار نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو عطا ہوتی ہیں۔ ہر ایک
 نعمت کے عوض شکر ضروری ہے۔ پس اگر بندے کی تمام طاعات ان نعمتوں پر تقسیم کی جائیں۔ تو ہر ایک
 نعمت سے متقابل بہت بڑا سا حصہ نکلیگا۔ پس کوئی نعمتوں کے مقدار سے کسی طرح کی کچھ نسبت نہ ہوگی
 انشربین اکث نے فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے دن بندے کے سامنے تین دفتر پیش کئے جائیں گے ایک
 دفتر میں تو اس کے گناہ لکھے ہوئے اور ایک دفتر میں اس کے اعمال صالحہ درج ہونگے۔ پھر اللہ تعالیٰ
 اپنی نعمتوں میں۔ سے ایک چھوٹی سی نسبت کو حکم دیکر تو دو کھڑے ہو کر اس کے تمام اعمال صالحہ کو گھیر لیں۔ پھر
 عرض کریں کہ اے رب میں نے جی اپنا بدلہ پورا نہیں پایا حالانکہ بندے کے گناہ اور تیرے دوسری نعمتیں ابھی باقی
 ہیں۔ پھر حسب اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرمائیگا تو اسے یوں ارشاد کریگا۔ کہ اے
 ابن آدم میں نے تیری نیکیوں کو معذرت کر دیا۔ اور تیری بدیوں سے درگزر کیا ہے اور اپنی
 نعمتیں تجھے نہ بخش دی ہیں ۛ

صحیح حاکم میں ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص نے پانسو سال اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار
 دیئے۔ وہ ہر روز اتنا رکا ایک دانہ جو ایک درخت سے نکلتا کھا لیتا اور پھر نماز پڑھنے میں صرف
 ہو جاتا تھا۔ اور اس نے موت کے قریب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ میری روح سجدہ
 کی حالت میں قبض ہو اور زمین میں میرا جسم سمجھ و سلامت موجود رہے اور قیامت میں وہ سجدہ کی حالت میں
 بہوٹ ہو۔ پس جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا جائیگا اور اللہ تعالیٰ فرمائیگا
 کہ میرے اس بندے کو میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو وہ عرض کریگا اے اللہ تیری رحمت سے
 نہیں بلکہ میں اپنے عمل کے سبب جنت میں داخل ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ جنت میں نے اپنے
 بندے پر عطا کی تھیں انکا اور اسکے عمل کا مقابلہ کر دو تو صرف مینائی کی نعمت پانسو سال کی عبادت
 کے مقابل برابر آئیگی اور باقی بدن میں جتنی نعمتیں تھیں وہ تمام زائد ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ میرے
 بندے کو دوزخ میں ڈال دو پس فرشتے اسکو دوزخ کی طرف گھسیٹینگے تو وہ کہارے گا کہ اے رب مجھے اپنی رحمت
 سے جنت میں داخل فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا اسے واپس لاؤ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائیگا۔
 تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا اے میرے بندے تجھے کس نے پیدا کیا حالانکہ تو کوئی چیز نہ تھا وہ عرض کریگا اے میرے
 رب تو ہی نے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا یہ (تو بلاؤ) کہ پانسو سال کی عبادت کی قوت تجھے کس نے دی تھی۔

و عرض کرچکا ہے پر وہ دگھارتا ہی نہ سطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: گارہ تبتلاؤ کہ نہ نہ۔ درمیان پہاڑ
 اس بجھے کس نے اتارا اور کھاری پانی میں سے ترے لئے میٹھا پانی کس نے نکالا اور تیرا مار کر سال بھر
 میں ایک بار نکلا کرتا تھا ہرہ زاس کا ایک سے انہ ترے۔ ایسے کس۔ یہ یہ کیا کیا اور تو۔ نے مجھ سے یہ سوال
 کیا تھا کہ میں تیری روح کو سجود کی حالت میں قبض کر دوں۔ تو میں نے ایسا ہی کیا وہ بند و عرض کرچکا
 ہے پر وہ دگھار سب کچھ تو نے ہی کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب کام میں نے اپنی رحمت سے
 کئے تھے اور اب بھی اپنی رحمت ہی سے میں جنت میں داخل کرتا ہوں۔ اس حدیث کو بھی ابن
 کثیر کے طریق سے اس طرح روایت کیا ہے کہ ہم نے لیث بن سعد نے بیان کیا کہ انہوں نے
 سلیمان بن ہرم سے انہوں نے محمد بن زکریا سے روایت کیا ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا
 صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اس حدیث کا اسناد اور اگرچہ مصدق بن ابی شیبہ صحیح ہے
 کیونکہ ہم یہ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی شخص
 نے عمل کے سبب نجات نہیں پاسکتا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ تم میں سے کوئی
 شخص ایسے عمل کے سبب جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم آپ بھی نہیں داخل ہو سکتے۔ آپ نے فرمایا میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کے
 سوا اپنا کز د اہل جنت نہیں ہو سکتا۔ پس اس حدیث کا اس حدیث سے تباہ کیا ہے۔ کہ اولین اور
 آخرین ہیں۔ یہ کسی شخص سے لئے اس کا عمل موجب نجات نہیں ہو سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ اس
 پر اپنی رحمت نہ کرے اسی واسطے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے حق میں اس کے عمل سے بہتر ہے کیونکہ
 اس کی رحمت باعث نجات ہے اور بند کے کا عمل موجب نجات نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ
 اگر اللہ سبحانہ آسمان وزمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں مبتلا کرے تو یہ اس کے اس حق کے بدلے
 ہوگا۔ جو کہ بندوں پر لازم تھا (اور وہ جو خدا نڈا سکے تھے) اور اس معنوں کی توجہ اس طرح ہو سکتی ہے۔
 کہ جس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمت بے پناہ ہے پر زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کا حق بھی اس پر زیادہ
 ہو جاتا ہے اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان لوگوں کی نسبت جن کو وہ نعمت عطا نہیں ہوتی
 اللہ تعالیٰ کا شکر زیادہ بجالائے غرض اللہ تعالیٰ کا حق اس پر زیادہ ہو جاتا ہے اور اس کے
 اعمال اس کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہوتے۔ ان باتوں کو دوری طرح دہی شخص سمجھ سکتا
 ہے جس کو ذات باری اور اپنے آپ کے آگاہی حاصل ہو۔ اعمال صالحہ اور نیکوئی کا مقابلہ تو اس وقت
 ہو سکتا ہے کہ غفلت۔ اعراض اور گناہ اس کی طاعات کے مقابل وقوع میں نہ آئے۔

اور جب اُس نے اس نذر گناہ سرزد ہوں جو اُس کی طاعات کے برابر یا اُس سے زیادہ ہوں تو پھر طاعت اور نفا۔ اے اپنی کامتعالیٰ و مقالیٰ۔ کس طرح ہو سکتا ہے۔ بندے پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ تمنا کی عبادت کرے۔ یہ کسی چیز کو اُس کا ساتھی نہ بنائے۔ اُس کا ذکر کرے اور اُس کا بھی نہ بھولے۔ اس کا شکر بجالائے۔ اور اُس کی ناسکری نہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہو۔ رضا مندی کچھ اس کا نام نہیں ہے کہ زبانی نوراں باتوں کا اقرار کرے اور اُسکی حالت کی تردید و تکذیب کرے اور اُس کے مخالف ہو۔ وہ شخص اللہ نے رب جب نے پر کیسے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ جب اللہ کی قضاء اُس کے ارادے سے اور خواہش کے خلاف ہو تو وہ دل سے ناخوش ہر نفس اور اُس پر اسے طلال پیدا ہو۔ اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ زانوش ہو تو جن میں راضی ہو اور جن سے بدراضی ہو اُنکے بجالانے میں دیک بنگاہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں شخص اللہ تعالیٰ کے رب نے پر راضی نہیں ہے بلکہ اُس سے مال و نعمت لینے پر رہی ہے۔ اور وہ شخص اسلام کے دین ہونے پر اپنی رضا مندی یا اُس سے مدعی ہو سکتا ہے۔ جو کہ اصول اسلام کو جب وہ اُس کی بدعت و ہوا کے خلاف ہوں اپنی پیٹھے پیچھے ڈال دے اور فروع اسلام جب اُس کی غرض اور خواہش کے موافق نہ ہوں تو پس پشت پھینک دے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر اُس شخص کی رضا مندی کیسے صحیح ہو سکتی ہے جو ظاہر و باطن آپ کو حاکم نہ بنائے۔ اور دین کے ہول و فروع میں صرف تان باتوں پر کاربند نہ ہو جو آپ کے سینہ مبارک سے ظاہر ہوئی ہیں وہ شخص آپ کے رسول ہونے پر کیسے راضی ہو سکتا ہے جو آپ کے قول کو چھوڑ کر غیروں کے اقوال پر پیچھے اور آپ کے قول کے مقابل اُنکے اقوال کہ ترک کرے اور آپ کے قول پاک کو حاکم نہ سمجھے اور جب آپ کا قول اُس کے نزدیک اور عقیدہ کے مباحث ہو تو اُسے جنت جانے ورنہ اُس کی طرف انتقام ہی نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا ہر ایک بندے پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہو اور کسی سے محبت رکھے تو اللہ کے لئے اور بغض رکھے تو اللہ کی خاطر اور کسی سے کوئی بات کہے تو جی اللہ کے لئے اور نہ کہے تو نبی اللہ کے لئے اور ہمیشہ اُس کا ذکر کرے اور اُسے کبھی بھولے نہیں۔ اُس کی طاعت بجالائے اُس کی نافرمانی نہ کرے اُس کی شکر بجالائے اور اُسکی ناشکری نہ کرے۔ اور جب یہ سب کام پورے کر لیا تو اُس کے اعمال صالحہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اُس پر زیادہ ہو جائیں گی بلکہ ان کاموں کا پورا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں

میں۔ سے ایک نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی توفیق دی۔ اور اس پرانے کے مول کو اس کا بنایا
اور اس کی انانیت و باطنی اور اس کو ان کا دل کا بل بنایا اور دوسرے لگوں میں۔ سے ان کا اس
سے سے اسے خاص کر لیا۔ پس یہ نعمت ایک اور شکر کی مستحق ہے بندہ اس شکر کو بوالہ کبریا
سے اس پر واجب ہے کچھ بجا نہیں لاسکتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کی شکر کا مطالعہ کرتی ہیں۔ خود
اس کے اعمال صالحہ ان کا مقابلہ و بڑھتی نہیں کر سکتے۔ اور کچھ بندے کی منفعت تہجد بزرگ اس
کے گناہ اس قدر ہو۔ نہ میں کلاس کے اعمال صالحہ سے بڑھ جاتے ہیں۔ غرض نعمتوں اور گناہوں
کے دفتر بننے کی تمام طلعات۔ سے زیادہ اور بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بندے کے
اعمال صالحہ اور طاعات بندہ کے حلوک ہونے کی حیثیت سے اس پر لازم ہیں۔ اس کے آواز کے اعمال
احکام بجالانا اس کا فرض ہے۔ غرض بندے کی جان اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔ اس کے اعمال
بندہ ہونے کی حیثیت سے اس پر لازم ہیں۔ پس اس کے کسی کام میں اس کا کوئی حصہ نہیں
ہے جیسے کہ وہ اپنی جان میں سے ایک ذرے کا مالک نہیں۔ پس بندہ حقیقت اپنی جان و
مال اور اپنے صفات و اعمال میں سے کسی چیز کا مالک نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے
اور اس کے اعمال اس ملک کی طرف سے بندے پر لازم اور ضروری ہیں جس کا استحقاق اس آقا سے کہیں
زیادہ ہے جو ایک غلام اپنے خالص مال سے مزید کرے پھر اسے غلام مال لے کر اپنے لاد اور تیرے
لئے تیری اپنی جان و تیرے اپنے کسب میں کوئی حق نہیں پھر اگر یہ غلام کوئی کام کرے تو یہ کام اس کے
آقا کی طرف سے اسے لازم ہو چکا تھا۔ اور اس کے حقوق میں سے ایک حق اس کے ذمہ قرار دیا تھا۔ یہ
ایسے آقا کا اس قدر حق ہو سکتا ہے، تو اس نعم اور مالک حقیقی کے حقوق کس قدر ہونے جس کی نعمتیں
حقوق و لائق تھی اور بندے کی طاعت کسی طرح انکی برابری نہیں کر سکتی۔ پس اگر اللہ تعالیٰ بندے
کو عذاب میں گرفتار کرے تو اس کا ظلم نہیں ہو گا اور اگر اس پر اپنی رحمت دے تو اس کی رحمت
بندے کے حق میں اس کے اعمال کی نسبت بہتر ہے اور بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عرض
اور بدلہ نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ سبحانہ کا فضل اور اس کی رحمت و مغفرت نہ ہو تو کبھی کسی کو زندگانی گوارا نہ
ہو سکے۔ اور کوئی شخص اپنے خالق کا عارف اور نہ ذاکر اور نہ مومن اور نہ ہی مطیع ہو سکتا۔ پس یہ طرح
کہ بندہ کا وجود اور ہستی محض اللہ تعالیٰ کے جو فضل و برکت سے ہے۔ اور اس کے ایجاد پر اس
کی ذات قابل حمد ہے اسی طرح وجود کے سوا بھی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہیں بندے
کا ان میں کچھ ذل نہیں جیسا کہ اپنی امتی میں اس کا کوئی تصرف نہیں۔ پس تمام حمد و فضل انعام اللہ تعالیٰ کے

سفر کو روانہ ہوا۔ جب وہ ایک جنگل میں پہنچا تو وہاں دو پہر کے وقت اُسے نیند آگئی۔ اُس نے سواری سے اتر کر ایک درخت کے نیچے قیلولہ کیا اور وہ سو گیا۔ اتنے میں اُونٹ بھاگ کر چلا گیا پس جب وہ بیدار ہوا۔ تو اُسکی تلاش میں سرپٹ، وڑا۔ مگر کیس ورنہ نہ آیا۔ پھر دوبارہ وڑا۔ تو بھی سواری کا پتہ نہ لگا۔ سر بلبلہ وڑا تو بھی اُس کا کوئی نشان نہ پایا۔ نا اُمید ہو کر جہاں اُس نے قیلولہ کیا تھا وہاں آکر بیٹھ رہا وہ بیٹھا ہی تھا کہ اُس کا اُونٹ آگیا اور اپنی چھار اُٹس کے ہاتھ میں دیدی پس بیشک اللہ تعالیٰ کو اس شخص کی خوشی سے جو اُس کو اپنا اُونٹ بیٹے پر محال ہوئی تھی اپنے بچنے کے توبہ کرنے پر کہیں زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ پس غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس طاعت یعنی توبہ کے ساتھ جو تمام طاعات کی جڑ اور اساس ہے کیسی محبت ہے۔ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ بعض خدا رسیدہ آدمیوں کو توبہ کی ضرورت نہیں اور وہ اس سے مستغنی ہیں۔ اُس نے ربوبیت کے حق و عبودیت کے مرتبہ کو نہیں سمجھا اور جن لوگوں کو اپنے خیال کے مطابق توبہ سے مستغنی ٹھہرایا ہے اُنکی ایسی بجا تعظیم کی ہے کہ یہ تعظیم اُنکی مذمت کا باعث ہے۔ کیونکہ اُن کو ایسی عظیم الشان طاعت سے جو تمام طاعات سے برتر اور اُس قرمت سے جو جمیع قربات سے اعلیٰ ہے معطل قرار دیا اور انکو یہ کہا ہے کہ تم اس طاعت کے اہل نہیں۔ اور نہ تم کو اس کی حاجت ہے غرض اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی قدر اور عبودیت کے درجہ کو نہیں سمجھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اُس کے عفو اور اُس کی طرف توبہ کرنے سے مستغنی ٹھہرایا۔ اور خیال کیا ہے کہ وہ توبہ کے لئے اپنے رب کی طرف محتاج نہیں۔ صحیحین میں اُن بن مالک کی حدیث میں آیا ہے۔ کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے توبہ کرنے پر جب وہ توبہ کرتا ہے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کہ جنگل میں اپنی سواری پر سوار تھا پس وہ سواری اُس سے بھاگ گئی اور اُس کا کھانا اور پانی اُسی پر رکھا تھا۔ تلاش کونے کے بعد وہ اُس کے مٹنے سے نا اُمید ہوا۔ اور مایوسی کی حالت میں ایک درخت کے نیچے آکر لیٹ رہا۔ اُسی حالت میں لیٹا ہوا تھا کہ اُس کی سواری اُس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ پس خوشی کے جوش میں غلطی سے اُس کے منہ سے یہ کلمات نکلے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ اور اکمل خلق یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توبہ کرنے میں سب سے زیادہ کمال اور سب سے زیادہ استغفار کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

اور نوبہ بطور کہ حضرت آدم کے لئے باعث کمال اور غایت قبولیت ہوئی تھی اسی طرح ہر ایک آدم کے لئے غایت قبولیت اور باعث کمال ہے غرض سطح کو بندے کا موجب و سبب توبہ یعنی گناہ و غفلت سے منکف ہونا کمال ہے ہی طرح توبہ کے بدوں اُس کے لئے کمال کا حاصل ہونا بھی ناممکن ہے ایک اللہ سبحانہ و بروجہ اور باعث ہر سبب غنی اور حمد کے ساتھ منحصر ہے اور بندہ ہر ایک لحاظ و اعتبار سے اُس کی بندہ محتاج فقیر اور مضطر ہے پس اللہ تعالیٰ کی رحمت بندے کے حق میں ایک عمل سے بہتر بہت ہے لہذا اس کے اعمال اُس کی نجات و سعادت کے بلا متقابل باعث نہیں ہو سکتے۔ اگر بندے کی نجات اس کے اعمال پر موقوف ہو تو اُسکی نجات کی ہرگز کوئی صورت نہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول را اللہ سبحانہ و تعالیٰ فی زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں گرفتار کرے گا تو وہ اس کلام میں ظالم نہیں ہوگا کے متعلق بعض ضروری مسائل اللہ کے نفس سے بیان ہو چکے ہیں۔

اور اس کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ کا شکر اُس کی ربوبیت اور بندوں کے اُس کے مملوک و عبید ہونے کی حیثیت سے اُن پر لازم ہے۔ اور یہ اس بات کا موجب ہے کہ بندے اُس کی معرفت حاصل کریں۔ اُس کی تعظیم بجالائیں۔ اُس کی توحید کا اقرار کریں اور اس عاشق غلام کی طرح اُس کا قرب حاصل کریں جو کہ رات دن اپنے آقا کی نعمتوں میں بسر کرتا ہے اور ایک لمحہ بھر بھی اُس نے بے نیاز و متغنی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اُس کا قرب حاصل کرنے میں اپنی تمام کوششیں اور ساری طاقتیں صرف کر دیتا ہے اور اُس کی کسی چیز میں کسی دوسرے کو اُس کے برابر نہیں ٹھہراتا اور اپنے ارادہ اور خواہش پر اپنے مالک کی رضا مندی کو مقدم سمجھتا ہے بلکہ اپنے مالک کے ارادہ اور مرضی کے بغیر اُس کی کوئی خواہش اور ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ اور یہ امر ایسے علوم۔ اعمال۔ اداوات اور عزائم کو مستلزم ہے کہ کوئی چیز اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور انکے ہوتے ہوئے اپنے مالک کے سوا کسی چیز کی طرف کسی قسم کی کوئی توجہ و التفات باقی نہیں رہتی۔ اور ظاہر ہے کہ بندہ بشریت کی وجہ سے ان تمام چیزوں کو چار نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے احسان کے علاوہ لذاتہ اور الہ و معبود ہونے کے لحاظ سے جس عبادت و تعظیم کا مستحق ہے۔ وہ بندے کی طاعات سے بدرجہا زیادہ ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان و انعام کے لحاظ سے اس بات کا مستحق ہے کہ بندہ نہایت درجہ کی اُسکی عبادت بجالائے اور اُس کے سامنے اپنی اعلا درجہ کی عاجزی و خضوع اور ذلت ظاہر کرے۔

بغیر آقا میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر میں بہشت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ تو بھی میں پرستش کا مستحق تھا۔ اس لئے تمام مخلوق سے زیادہ عبادت کرنے والے یعنی ملائکہ قیامت کے

تاکہ تم اس فتح کے شکر یہ بین، امین حق کی ترقی کے لئے اور زیادہ کوشش کرو اور خدا کے صلے میں تمہارا یہ کئے اور نیک عمل کتنا و معاف کرے اور تم پر ایسے احسانات پورے کرے۔ یہ اور تم کو دین میں رہتے، چہنہ اور نیکیت عدل کی دعا، کتنا بارے میں امین مباحث کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ایک استاد نے کہا کہ تھے کہ اس پر رخصت ہو کر میری دوزخ میں رہے پھر حدیث کی مدد سے اس میں رہے کہ اسے چھوڑ دیا۔ قبول فرما دے کہ میں کو دھو ڈال۔ آخر حدیث تک۔ اور اللہ سبحانہ نے اعراب البشر و آدم کی نسبت فرمایا ہے **وَاَسْتَغْفِرُ سَابِقَةَ** وَخَرَجَ كَالْعَاقِ وَأَنَا بَدَأْتُ أَنْهَوْنَ نے اپنے پروردگار کے آگے توبہ کر رہا ہے کھارہی اور سجدہ سے میرے گھر سے اور خدا کی طرف رجوع ہو گئے۔
وَقَالَ تَعَالَى تَعَفَّرْنَا لَهُ ذَلِكْ (قرہم نے انکی وہ خطا معاف کر دی) اور اپنے نبی سلیمان کی نسبت فرمایا ہے **وَلَقَدْ قَتَلْنَا سَلِيمَانَ وَالْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا أَنَا بَدَأْتُ** سَابِغَ اعْظَمَ لِي وَهَبَ لِي مَلَكًا لَا يُتَبَعِي وَلَا حَيْدٌ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْكَوْهَابُ (اور ہم نے سلیمان کو ایک اور طرح پر بھی آزمایا اور ان کے تخت پر ایک وحش لا ڈالا پھر سلیمان نے خدا کی جناب میں رجوع کیا اور دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار یہ تصویر معاف فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے پیچھے کسی کو نہ ملے اور نہ ہو بیشک تو بڑا قیاض ہے)۔
اور اپنے نبی دینس علیہ السلام کی نسبت فرمایا ہے کہ انہوں نے اندھیروں کے نیچے کلمات کہے **يَا إِلَهَ الْاَلَا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** (اے خدا میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ذات ہے میں نے برا ظلم کیا)۔

اور صدیق الامانہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت سے افضل بڑے نیکو کار اور نہایت پرہیزگار میں یعنی اگر کچھ اللہ عنہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھے وہ دعا بتائیں جس کو میں نماز میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا **يَا عَاظِمُ كَرَمِ اللَّهِمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا أَكْبَرُ أَوْ لَا يَعْقِلُ الَّذِي تَوْبَ أَكَ أَنْتَ فَاعْظُرْنِي مَعْصِيَةً مِّنْ عَمَلِكَ وَأَمْرِي بِمَنْتِي إِنَّكَ أَنْتَ الْعَفْوُ مِنَ الرَّحِيمَةِ** اپنے ہونے کلام کو حریف تاکید سے شروع کیا جو اپنے مابعد کی معصیوں اور تقویٰ کو چاہتا ہے۔ اس کے بعد اپنی جان کے ظلم کو بیان کیا پھر اس کو بڑا جو نے سے موصوف کیا۔ اس کے بعد اپنے رب سے ال کیا کہ اپنی بارگاہ سے مغفرت بخشے۔ یعنی وہ مغفرت اپنے علم اور کوشش سے حاصل ہونے والی نہیں بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے رحمت و احسان سے ہے اور ان کے عمل سے بدرجہا زیادہ ہے جب

اُس شخص کا یہ حال ہے جس کا ایمان تمام امت کے ایمان سے وزن میں زیادہ ہے۔۔۔ تو اُن سے کم ہے
و اُسے لوگوں کا کیا حال ہے ؟

۱۷ شعر صوال باب

کسب و جبر اُن کے لغوی و اصطلاحی معنی ثقیلاً و اثباتاً

ان کے استعمال اور ان کے متعلق اوقاف و عقلیہ کی بنا میں

کسب کا اصلی معنی لغت میں جمع کرنا ہے۔ جوہری کا قول ہے کہ کسب معنی طلب رزق ہے
محلوسے میں کَسَبْتُ شَيْئًا اور اَلْكَسْبُ شَيْئًا دونوں مستعمل ہیں اور دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔
محاورے میں یوں بھی بولتے ہیں کَسَبْتُ أَهْلِي خَيْرًا۔ کَسَبْتُ الزَّجَلَ مَا لَا فَكْسَبَهُ۔
جیسے کہ بعض دیگر افعال (جیسے کَسَرْتُه فَاَنكَسَرُ وغیرہ) کا استعمال اس طریق پر ہوتا ہے۔ کہ اسب و جراح
دشکاری جانوروں کو کہتے ہیں تَنَكَّبَ کے یہ معنی ہیں کہ کسب میں تکلیف کیا۔ جوہری کا کلام ختم ہوا
لفظ کسب قرآن کریم میں تین معنوں میں تامل ہے۔ اول بمعنی عقد قلب یعنی عزم۔ لغوی لفظ
لَا يُوَاجِدُكُمْ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُّوَاجِدُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ فَاَنْتُمْ بِكُمْ رَقَبًا
قسموں میں جو لا یعنی ہیں اُن پر تو خدا تم سے کچھ مواخذہ نہیں کرتا۔ ہاں کئی قسم کھا لو اور پھر اُس کے
خلاف کرو تو خدا تم سے راس کا مواخذہ کرے گا یعنی مواخذہ اُس میں سو گند پر ہے۔ جس کا تم نے عزم
اور قصد کیا۔ زجاج کا قول ہے کہ اللہ تمہارے تم کو اس بات پر مواخذہ کرے گا کہ تم یہ ارادہ کرو کہ تم بے
تقویٰ اختیار نہ کرو گے۔ اور اس بات پر بھی مائے لگو۔ کہ ہم تمہارے تو ایسے کاموں کے پاس جانے کی سو گند
اٹھالی ہے۔ زجاج نے شاید لفظ مواخذہ کو اور نیز اس بات کو کہ مواخذہ تعذیب کا مقتضی ہے۔
مخوفہ کر کے اس جہد کا یہ طلب بیان کیا ہے یعنی کسب قلوب کا یہ معنی قرار دیا ہے کہ قلوب سو گند کے
روسے پر تقویٰ کے ترک کا عزم مسم کر لیں۔ مگر پہلا قیل نہایت درست اور صحیح ہے اور جہوہ اول
تفسیر اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ کسب قلوب میں لغو کے مقابل ہے اور میں لغویہ ہے کہ میں یعنی سو گند

لغوی نے اپنے اہل کو مال جمع کر دیا ۱۷ میں نے فلاں آدمی کو مال جمع کر دیا ساس نے جمع کر لیا ۱۸

اے مٹروگوں کے بادشاہ خدا تجھے بائیس کمرے تو نے آگے کمانے ۱۔ اے کوتاہ رو گھڑے میں ڈال دیا ہے
پس ازراہ کرم اُس کا قصور معاف کر دے :

میں کہتا ہوں کہ کتاب باب فتح الہ کا مصدر ہے اور باب افعال کا خاصہ ہے کہ اہتمام۔
سعی و کوشش کے معنی کا ادا وہ دیتا ہے۔ اور کسب میں اس نے ساعلم محنت نسبت کے لئے کافی
ہے۔ اللہ سبحانہ نے جانب فضل میں نفس کے اُن اعمال کا بھی اعجاز فرمایا ہے جس میں اُس نے
او۔ نے سعی سعی کی موارد بانی عدل میں صرف اُس کے اُن گناہوں کو مسترد رکھا ہے جو اُس نے نہایت
کوشش اور اہتمام سے کئے ہوں۔ اور لفظ جبر لغت میں جبر محنت حاصل ہے۔ اول یہ کہ آدمی فقر و فاقہ نے یہ
غنی ہو جائے یا اپنی ہڈی کو ٹوٹ جانے کے بعد ویت کرے۔ ان دونوں باتوں میں جبر یعنی اصلاح
ہے اور اسی سعی میں دو نواح یعنی لازم و مستغنی متعلیٰ ہوتا ہے محاورے میں دلتے ہیں جَبَرُ سَتِ
الْعَظْمِ وَ جَبَرُ یُسُ نَے ہڈی کو درست کیا اور وہ ہڈی درست ہو گئی۔ عیلاج نے اپنے اس قول
میں ان دونوں معنی کو جمع کر دیا ہے **قَدْ جَبَرَ الدَّيْنُ الْاِلَهَ تَجَبَّرَ** اللہ نے
دین کو درست کیا۔ وہ درست ہو گیا :

دوم یعنی قہر واکراہ اور اس سعی میں اکثر باب افعال میں اگر متعلیٰ ہوتا ہے محاصے میں دلتے
ہیں **اَجْبَرْتُكَ عَلَى كَذَا** میں نے فلاں شخص کو اس کام پر مجبور کیا۔ اور **جَبَرْتُكَ عَلَى كَذَا** اس معنی میں
ہست کم آتا ہے :

سوم بمعنی عزت و رفعت۔ چنانچہ **مِنْ غُلَّةِ جَبَّارٍ** (ادنیٰ کھجور جو ہری نے کہا ہے جبارہ
نبی کھجور ہے جس پر ہاتھ نہ پونچ سکے۔ اسی نے کہا ہے :

طریق و جباری و اء اصولہ علیہ ایامی من الطیر تنعجب
انحش نے اللہ تعالیٰ کے قول **اِنَّ فِيْهَا لَوْ مَا جَبَّارٍ** (اُس ملک میں تو بڑے زبردست
ہاگ بہتے ہیں) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ طوں۔ قوت اور عظمت مراد ہے۔ یہ معنی اُس نے لفظ جبار سے
سیکھے ہیں کہ جبار اس لیے کہتے ہیں جس پر ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ سرجبل **جَبَّارٌ** اس آدمی کو کہتے ہیں جو
دراز و قد۔ حظیم الجثہ۔ وقوی ہو۔ چونکہ یہ نبی کھجور سے مشابہ ہوتا ہے اس لئے ایسے آدمی کو بھی جبار کہتے
ہیں۔ تبادو کا قول ہے کہ قوم مخالف کے بدن اور اُملی عادات عجیب طرح کی تھیں کہ وہ مخلوق سے
متنازعے بعض کا قول ہے کہ اس آیت میں لفظ جبار **جَبَّارٌ** (اُس نے اُس کو فلاں کام پر مجبور کیا)
سے ماخوذ ہے۔ ازہری نے کہا ہے کہ یہ شہود لغت سے لہجہ حجاز کے اکثر باشندے اُس کو اس معنی

جس کو ہمال کہتے ہیں۔ نام شامی کہا کرتے تھے ببرک الشلطان ریادشاہ۔ نے اُس کو مجبور کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ جبار برکتی آج بے تعلیٰ اللہ برکتی فعل متعدی سے ماخوذ ہو۔ فراء کا قول۔ ہے کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ کھوں جبار دوزاک۔ کہ سدا کوئی کلمہ قتال کے وزن پر فعال سے مشتق نہیں جتنا کہ اجبر سے اور دوزاک اللہ کے سے مشتق ہے۔ زجاج نے اِس کو اختیار کیا ہے کہا ہے کہ جبار وہ سرکش آدمی ہے جو لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق کاموں پر مجبور کرے۔ لفظ جبار جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اُسی تفسیر کی ہے کہ جبار وہ ہے جو انسانہ حالوں کو دست کرتا اور نزاجوں کو غنی بنا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ برکت ہے۔ لیکن اُس کے رسم جبار کا یہ معنی نہیں ہے۔ اسی سے ہم جبار کے ساتھ اپنے اہم متبرک مقدور فرمایا ہے۔ بجا یہ سنی ناس کی مشنہ جبروت کا ہے۔ مغیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ کماست کہا کرتے تھے۔ سبحان الذی یذی الجبار مومن و الملکوت و الارباب و اللغات پس لفظ جبار مجنون اسماء کے ہے جو اللہ تعالیٰ کی خلقت پر دلائل کرتے ہیں جیسے متبرک۔ ملک۔ عظیم۔ قہار وغیرہ۔ ابن جبار نے اللہ تعالیٰ کے قول الجبار المتکبر کی تفسیر میں کہا ہے جو العظیم اور جبار شہادت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا جبروت اسکی عظمت ہے۔ اور جبار بادشاہوں کا بھی نام ہے۔ جبر ایک بادشاہ اور جبار بہت سے بادشاہ۔ ایک شاعر نے کہا ہے۔ لا اجد صبا نانا ایھا الجبار اسے بادشاہ تو صبح کے وقت خوش میسر ہے۔ سندی کا قول ہے کہ جبار اس کو کہتے ہیں۔ جو نواں ہو اسی صلی کے مطابق کاموں پر مجبور و مقید کرے اس بنا پر جبار جتنے عمارتے محمد بن کعب کا قول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا نام جبار اس لئے پھیرا ہے کہ اُس نے مخلوق کو اپنے ارادے پر مجبور کیا ہے۔ اور بخلاف اُس کی مشیت بغیر ایک لمحہ جبر اس کی نافرمانی نہیں کر سکتی۔ زجاج نے کہا ہے جبار وہ ہے جو حقوق کو اپنے ارادے پر مجبور کرے۔ ابن جبار ہی کا قول ہے کہ جبار اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اُس کا یہ مطلب ہے کہ اُس پر کسی قانور اور قابو نہیں۔ عرب لوگ کہتے ہیں شلخ جبار وہ کچھو جس پر ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ اللہ سبحانہ کی صفت میں لفظ جبار کے تین معنی ثابت ہوئے ہیں۔ مملکت۔ قہر اور علو۔ کچھو جب لمبی اور بلند ہو جائے اور ہاتھ اُس پر نہ پہنچ سکے۔ تو اُس کو جبار کہتے ہیں۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنے اہم جبار کو عزیز اور متبرک کے ساتھ مقرون فرمایا ہے۔ دران تینوں اسموں میں سے ہر ایک اہم دو دوسرے اسموں کو تضمن ہے اور یہ تینوں اسم ان میں اسامی یعنی خالق۔ باری و مصور کے مشابہ ہیں۔ اہم جبار و متبرک اسم عزیز کی تفصیل کے قائم مقام ہیں جیسے کہ باری مصور اہم خالق کے معنی کی تفصیل ہے۔ غرض بتبار اللہ سبحانہ کے اوصاف ہیں۔ تین معانی یعنی کمال۔ قدس۔ عزت اور

و کس کی طرف راجح ہے۔ یہی اسلئے یہ اسم اللہ سبحانہ کے اسماء حسنی میں سے ہے۔ اور مخلوق کا صفت جباریت کے ساتھ موصوف ہونا انکی نسبت اور نقصان کا مرتبہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُّثَلًا زَجَّارًا (یعنی غرور اور سرکش ہیں اللہ ان کے دلوں پر یہی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا ہے وَ بَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ جَبَّارًا (اور تم ان پر داکم جابر (توہم نہیں) لیکن آپ ان پر ایسے مسلط نہیں ہیں کہ آپ ان کو ایمان پر مجبور و مقہور کریں۔ نزدیکی بغیر میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مرئی ہے کہ قیامت کے دن جابروں اور متکبروں کا حشر چوٹیوں کی شکلوں میں ہوگا لوگ ان کو پامال کریں گے)۔

فصل جب یہ معلوم ہو چکا تو اب باننا چاہیے کہ لفظ کسب کو قدر یہ جبر یہ اور اہل سنت و حدیث الگ الگ معانی پر اطلاق کرتے ہیں۔ پس قدر یہ کے نزدیک کسب کا یہی معنی ہے کہ بندے کے افعال اس کے ایجاد و مشیت سے واقع ہوتے ہیں۔ اور ان میں اللہ تعالیٰ کی مشیت و ایجاد کا کوئی دخل نہیں۔ اور جبر یہ کے نزدیک کسب ایک ایسا لفظ ہے کہ اس کا کوئی معنی نہیں اور نہ اس کا کوئی حال مطلب ہے۔ اور اس کے معنی کی تشریح میں ان کی عبارات مختلف ہیں۔ انہوں نے اسکی کئی مثالیں بیان کی ہیں اور اس میں کلام کو طول دیا ہے۔ قاضی ابوبکر کا قول ہے کہ کسب وہ چیز ہے جس پر بندہ کو قدرت محدثہ حاصل ہو۔ بعض کا قول ہے کہ کسب قادر سے متعلق ہے مگر علی وجہ الحدوث نہیں۔ بعض کا قول ہے کہ کسب وہ چیز ہے جو قدرت حادثہ کے ساتھ محدود ہو۔ جبر یہ کہتے ہیں ہمارے قول کسب وہ چیز ہے جس پر بندوں کو قدرت محدثہ حاصل ہو۔ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس چیز کے وجود پر ان کو قدرت ہے کیونکہ اس کے وجود پر تو صرف اللہ ہی قادر ہے۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ کسب کو حدوث اور وجود کے سوا قدرت حادثہ سے ایک گونہ تعلق ہے۔ سبب ایشی کا قول ہے کہ حقیقت خلق یہ ہے کہ کسی چیز کا خالق کی قدرت سے نہیں وہ لگانہ ہے وقوع میں آنا اور حقیقت فعل یہ ہے کہ فعل کا اس کی قدرت سے واقع ہونا۔ اور حقیقت کسب یہ ہے کہ کسب کی قدرت کے ساتھ جس میں وہ مقہور ہے کسی کام کا واقع ہونا۔ اور خلق ایند تعالیٰ قیوم کے ساتھ خاص ہے۔ اور افعال کے وقوع میں قیوم و محدث یعنی خالق و مخلوق دونوں شریک ہیں اور کسب محدث یعنی مخلوق کے ساتھ خاص ہے۔ میں کہتا ہوں اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ لفظ مخلوق کا اطلاق صرف اللہ صمد کی نسبت صحیح ہے۔ اور لفظ کسب کا اطلاق مخلوق کے ساتھ خاص ہے۔ ۱۱۔ لفظ تعالیٰ کا اطلاق اللہ سبحانہ

قدرت حادثہ اپنے مقدر میں موثر نہیں ہوتی۔ اور مقدر اور اس کی کسی صفت کو واقع نہیں کرتی۔ بلکہ مقدر اپنے جہج صفات کے ساتھ قدرتِ قدیمہ سے واقع ہوتا ہے۔ اور اس میں قدرت حادثہ کی کوئی تاثیر نہیں۔ اشعری کے اکثر اصحاب اس پر اُن کے تالیف ہیں۔ اور قاضی ابوبکر کبھی تو اشعری کے مُطابق ہو جاتا ہے اور کبھی کہتا ہے کہ قدرت حادثہ ذات کے اثبات و احداث میں موثر نہیں ہوتی۔ لیکن مقدر میں ایک ایسے وصف کی مقتضی ہوتی ہے جو اس کی ذات پر نہ تھا اور اس کا حال ہوتا ہے۔ پھر کبھی کہتا ہے کہ یہ وصف جو قدرت حادثہ کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدر ہے۔ اور اس طور پر ایک مقدر کا دو قدرتوں سے متعلق ہونا اس کے نزدیک محال نہیں۔ ابوالحسن اشعری کے متبعین کے آراء و عبارات کتب کے باب میں نہایت مضطرب اور باہم بہت مختلف ہیں۔ ابنِ بکیر ابوالقاسم سلیمان بن ناصر انصاری نے شرح ارشاد میں ذکر کیا ہے۔ اور ان کے طریقوں کا اختلاف واضطراب بھی بیان کیا ہے۔ اور اس سب کے بعد کہا ہے کہ ہمارے اُستاد نے مختصر میں کہا ہے۔ کہ کتب کے باب میں اہل حق کے قول کا مائل یہ ہے کہ وہ بنیے کے لئے (فعل پر) کسی قدرت کو ثابت نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہ فعل سے جس طرح بندے کا علم متعلق ہے اور وہ اس کا معلوم ہے اس طرح قدرت بھی اس سے متعلق ہے اور وہ اس کا مقدر ہے۔ مگر امام نے استفاد کی نسبت یہ کہا ہے کہ وہ قدرت حادثہ کے حدوث میں موثر ہونے کے قائل ہیں کیونکہ جب اُستاد احوال کی نفی کرتے اور قدرت حادثہ کے لئے اثر ثابت کرتے ہیں تو اس کا مطلب اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ قدرت حادثہ حدوثِ افعال میں موثر ہو۔ اس کے بعد امام نے اپنا مذہب بیان کیا ہے جس کو اس نے کتابِ نہامیہ میں ذکر کیا ہے اور وہ مذہب میں ہے میں اپنے اصحاب سے ملحدہ ہے۔ اور اس کا یہ مذہب معتزلہ مذہب کے قریب ہے معتزلہ اور اس کے درمیان صرف نام کا اختلاف ہے۔ ابوالقاسم نے کہا ہے۔ کتب کے باب میں یہ عقدہ جس میں بڑے بڑے عقلمند چکرائے گئے ہیں۔ اُس عقدہ کے مشابہ ہے۔ جو ائمہ کے درمیان قرائت اور مقروء کے باب میں واقع ہے۔ اور امام نے جو کچھ اپنی کتابِ نظامیہ میں ذکر کیا ہے وہ بے دلیل نہیں لیکن وہ اس قول میں اور لوگوں سے متغیر ہے۔ ہر شخص کی اپنی اپنی رائے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اور اس پر رحم فرمائے میں کہتا ہوں امام نے جو کچھ نظامیہ میں ذکر کیا ہے وہ ابوالحسن اشعری ابنِ الباقلائی اور ان کے متبعین کے اقوال کی

نسبت اقرب الی الحق ہے۔ اور ہم اُس کے کلام کو لفظ بلفظ ذکر کرتے ہیں۔ نام کا قول ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عقل سے بہرہ دیا ہے اور دہ تعلیم کے درجہ سے لنگر قواعد توحید پر نظر ڈالے تو اس سے صاف معلوم ہو جائیگا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں پر انکی حیاتی دنیا کے اعمال اور ان کے اسباب کی مابستہ مطالبہ فرمائیگا اور آخرت میں ان پر ان کو ثواب یا عذاب دیگا۔ اور ان نصہ ص سے سمجھیں تاویل کی گنجائش نہیں یہ بات ثابت کہ اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو ان افعال پر قدرت دے رکھی ہے۔ جنکی مابست وہ ان سے مطالبہ کریگا اور اپنے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے لئے انکے واسطے اسباب پیدا کر دئے ہیں اور اگر میں اس مضمون کی آیات کو ذکر کرنے لگوں۔ تو یہ مضمون طویل ہو جائیگا۔ چونکہ سمجھدار اور منصف آدمی کو اس مسئلہ کا یقین حاصل ہوتا ہے لہذا ان آیات کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور جو شخص کلیات شریعہ پر نظر ڈالے۔ وہ امر کی بجا آوری کی طرف ترغیب دلانے والے اور مملکت گناہوں کو اجتناب سے باز رکھنے والے کلمات پر غور کرے۔ اور ان حدود اور شرعی سزاؤں کو دیکھے جو بعض گناہوں کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ پھر وعدہ وعید کی طرف توجہ کرے اور سرکش نافرمانوں کے مال کار کے متعلق جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے حساب۔ عذاب رسوائی وغیرہ بیان فرمایا ہے اُس کو یقین کرے اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن فرمایگا تم نے صدمہ سے تجاوز کیوں کیا تم نے میری نافرمانی کیوں اختیار کی۔ تم نے میرے احکام کا کس لئے انکار کیا۔ میں نے تو تمہاری رسی کو ڈھیلا کر دیا تھا۔ اور تمہیں مہلت دیدی تھی۔ تمہارے پاس اپنے رسول بھیجے تھے اور تم پر حق کا راستہ بالکل واضح اور روشن کر دیا تھا۔ تاکہ لوگوں کے لئے مجھ پر حجت قائم کرنے کا موقع نہ رہے۔ اور ان سب باتوں کو سمجھ کر پھر بندوں کے فعل ان کے ارادہ۔ قدرت اختیار سے صادر ہونے میں شک کرے تو وہ ضرور محبوط الحاح اس فائر العتاب سے یا تعلیم کے جال میں پھنسا ہو اور اپنی جمالت پر اڑا ہوا ہوتے۔ غرض اس بات کا قول کرنے میں کہ بندے کے فعل میں اُس کی قدرت کا کچھ دخل نہیں شریعہ کے مقاصد کی بنیاد کرنا اور ان احکام کی تکذیب کرنا ہے جن کو انبیاء علیہم السلام اللہ جل شانہ کی طرف سے لائے ہیں جو لوگ توفیق و شاد سے بے بہرہ ہیں اگر وہ یہ کہیں کہ بندے کی قدرت کو اُس کے فعل ہر مقدور میں کوئی دخل نہیں اور جب ان سے پوچھا جائے کہ جب بندے کو کسی فعل پر قدرت نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر بعض فعل حرام اور بعض فرض کس لئے کئے ہیں تو بے چارے

جواب پیش کر رہا اور کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جو چاہے وہ کسے کوئی اس پر اثر داخل نہیں کر سکتا
 لَا يَمْلِكُ عَمَّا يَفْعَلُ فَعَمَّا يَشَاءُ ۚ (۱) وہ جو کسے کس سے بہا نہیں کیا جاتا اور بندوں سے ان کے
 اعمال کے بابت باہر پس ہو گی تو ان کو یہ جواب دیا جائیگا کہ تمہاری تمام تہذیب و تمدن اس سے ہے۔
 جو آیت تم نے پیش کی ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی اس سے کریم غلط سمجھتا ہے۔ یہ بیشک
 صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اور جس کام سے اُس کا ارادہ متعلق ہو اُس کا حکم
 صادر فرماتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اُس کی یہ بھی صفت ہے کہ خلاف وعدہ اور جو جوٹ کہنے سے
 متبرک و خدا پاک ہے۔ یہ بات ہم کو شریع کی قطعی دلیلوں سے معلوم ہو چکی ہے کہ اللہ جل شانہ نے
 اپنے بندوں کو ایسے افعال ۱۰ اعمال کی بجا آوری کا حکم دیا ہے جن کو وہ بجا لا سکتے ہیں اور ان
 کو احکام شریع سے بارے میں ایسی بات کی تکلیف نہیں دی جو ان کی طاقت اور کمزوری
 سے باہر ہو۔ اور بن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قدرت حادثہ کا اپنے مقدر میں کوئی اثر نہیں
 جیسا کہ علم کا اپنے معلوم میں کوئی اثر نہیں تو ان کے نزدیک بندے سے اُس کے
 افعال کی بجا آوری کا مطالبہ کرنا بالکل ایسا ہے جیسا کہ اُس سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ
 اپنے نفس میں مختلف ممالک و ادراکات پیدا کرے۔ یہ لوگ درحقیقت اللہ سے ٹھکانے باطل
 اور محال کے قائل ہوئے ہیں۔ اس سے شریعت کا ابطال اور احکام الہی کی تردید لازم آتی
 ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس امر کا اقرار کیا جائے کہ قدرت حادثہ اپنے مقدر میں کچھ اثر
 پیدا کرتی ہے اور نیز یہ کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں اس کا خلاف کرنا ساف امت کے
 مسلک سے باہر نکلنا اور اگر اسی کے گرداب میں پڑنا ہے۔ اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ
 بنے کا فعل اُس کی قدرت حادثہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت قدیمہ دونوں سے وقوع میں آتا
 ہے کیونکہ ایک فعل کا دو قدرت والوں سے صادر ہونا محال ہے۔ اس لئے کہ ایک فعل
 میں انقسام تو ہو نہیں سکتا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وقوع میں آئیگا۔ تو صرف اللہ تعالیٰ
 کی قدرت اُس کے صدور کے لئے کافی ہے اور بندے کی قدرت کا اس میں کوئی اثر ہوگا
 اور یہ بھی محال ہے کہ کچھ حصہ اُس کا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہو کیونکہ ایک فعل کے
 لئے حصہ اور بخش نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک نیا بت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس کو صحیح طور پر وہی سمجھ
 سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رشد اور توفیق عنایت ہو۔ بنے کو ان دو باتوں کے
 بیچ میں ہٹا چاہیے۔ نہ تو اپنے آپ کو اپنے افعال پر قادر مطلق سمجھے اور نہ اپنے آپ کو ایسا

جسے جس نظیر بنائے جس۔ یہ احکام شرعیہ اس سے ملا لیا کرنا بھیکار پھیر سہ اور نہ بیاہنا بھی مسلم
کی دعوت کا بطلان لازم آئے اور نہ یہ کہ ایک فعل کے پھیل کر سننے میں۔ یہ آپ کہ اللہ تعالیٰ نے
شریک بنائے۔ کیونکہ یہ سب سے بڑی بات اہل اور اسی گرداب سے نکلتے تھے۔ اپنے محفوظ نقطہ اور عزت
مادہ ذکر کر دینا کافی نہیں۔ اور قبائلیہ اور مذہبی اور خفیہ طور پر میان رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے بوجہ
یوں کہہ سکتے کہ بندہ کا۔ بندہ ہے اور اس کی تہمت کو اثر کرتا ہے۔ اسلئے کرنا چاہتے اور نہ بخانا
بندہ۔ کے مکتبہ فعل کا خالق ہونے تو اس سے پوچھا جائیگا۔ کہ سب کیا چیز ہے اور اس کی کیا معنی
ہے اور پھر سب کا مقام اس قائل کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اور اس کو اس سے بھاگنے
کے لئے کوئی رستہ نہ دیا گیا اس کلام کے بعد امام نے کہا ہے کہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ
خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں وہ سب اس بندہ پر متفق ہیں کہ جسے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور
ہوئے۔ اسے فعل خود اس کی قدرت حادثہ سے وقوع میں آتے ہیں لیکن وہ مخلوق اور مقدر ہونے
کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں۔ اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی
پیدا کی ہوئی قدرت سے جو بندے میں کھی گئی ہے وقوع میں آتے ہیں۔ بنا کے فعل
کہلاتے ہیں۔ اور وہ قدرت بندے کی صفت اور وہ اللہ کی مملوک اور مخلوق ہے۔ اور جب
فعل اس قدرت سے جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے وقوع میں آتے ہیں۔ لہذا وہ فعل بھی اللہ
تعالیٰ کے مخلوق اور مقدر کئے ہوئے ثابت ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا
کہ وہ اس کے مطابق اپنی قدرت میں تصرف کرتا ہے۔ سو جب وہ کسی فعل کو اپنی قدرت سے پیدا
کرتا ہے تو وہ فعل اللہ تعالیٰ کے حکم سے واقع ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی
قدرت کے ذریعہ سے وقوع میں آتا ہے اگر گمراہ فرقہ اس بات کو پالیتا تو انکے اور ہمارے
درمیان کچھ اختلاف باقی نہ رہتا لیکن چونکہ وہ افعال کے پیدا کرنے میں بندے کو مستقل اور مستفرد
سمجھتے ہیں اسلئے وہ خود بھی راہ راست سے دور ہو گئے۔ اور اپنے معجزین کو بھی گمراہ کیا۔
دو فائدہ ہوں کے عقائد میں اختلاف معلوم ہونے سے ہمارے اور انکے درمیان امتیاز محال
ہو گیا۔ کیونکہ ہم نے جب بندے کے فعل کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف منسوب کیا۔ اس لئے ہم
نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر کے مطابق جس کو وہی جانتا ہے بندے میں قدرت
پیدا کی ہے اور اس کے افعال کے لئے اسے اسباب مہیا کئے ہیں جن کی تفصیل سے بندہ
بے خبر ہے۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سے افعال کے صادر کرنے کا ارادہ کیا ہے

اس وجہ سے اس میں وہ داعی و اسباب جو اس کو ان فضائل کی طرف کشش کریں اور ارادہ اور اختیار پیدا کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ افعال ایک معلوم انداز پر واقع ہونگے۔ سو جب وقوع میں آتے ہیں تو وہ اس قدرت سے پیدا ہوتے ہیں جس کو بندہ اپنے علم اور ارادے کے مطابق ظاہر کرتا ہے اس طرح سے بندہ اختیار اور قدرت رکھنے کے ساتھ موموف ہوتے ہیں اور اس قدرت کو پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اور اس قدرت کے تمام مقدر و راستہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و علم تھا اور خلق سے صادر ہوتے ہیں اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس قدرت کا نتیجہ ہیں جس کا خالق وہی ایک اللہ سبحانہ ہے۔ اور اگر اللہ سبحانہ اس قدرت کے مقدر و راستہ کے وقوع کا ارادہ نہ فرماتا تو بننے کو ان پر قدرت نہ دیتا اور نہ انکے پیدا ہونے کے اسباب کو مہیا کرتا۔ بجز شخص اس بات کو سمجھ لیگا وہ بندہ جسے اپنے پرہیزگار غرض بندہ فاعل مختار ہے۔ افعال کے صادر کرنے کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہے بعض کاموں کی بجا آوری اور بعض سے باندھنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے فعل اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے واقعہ ہوتے ہیں۔ اور یہ منجملہ اولہ خلق بالقضا سے ہے۔ اور ہم اس مضمون کی توضیح کے لئے ایک سی شریعی مثال بیان کرتے ہیں جس کو صاحب نظر سمجھ کر خوش ہو گا۔ یعنی ہم کہتے ہیں کہ غلام اپنے مالک کے مال میں تصرف کرنے کا مالک نہیں ہوتا اور اگر وہ بدول اجازت اپنے مالک کے بذات خود تصرف کرے تو اس کا تصرف نافذ نہیں ہوتا۔ اور اگر مالک اس کو تصرف کرنے کی اجازت دیدے تو اس کا تصرف نافذ ہو جاتا اور اس کا یہ تصرف مثلاً بیع مثلاً اس کے مالک کی طرف منسوب ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تصرف کا سبب مالک کی اجازت اور اس کا فاعل ہے کیونکہ اگر اس کی اجازت نہ ہوتی تو یہ تصرف نافذ نہ ہوتا لیکن غلام کو باوجود اس کے تصرف کر لے کا ارادہ اس سے ممانعت کی جاتی ہے۔ اور اس کی مخالفت کرنے پر سزا ملے اور سزا کا مستحق ہوتا ہے پس اللہ سبحانہ اور اس کے بننے کے افعال کے متعلق بعینہ یہی حال ہے۔ اس میں کوئی شک شبہ نہیں اور جو اس مثال کو پوری طرح سمجھ لے اس پر یہ بات بالکل واضح ہو جائیگی مگر اگر فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ بندہ مستقل طور پر اپنے افعال کا خالق ہے پھر جب فرامی کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ بننے نے مستقل طور پر اپنا فعل کیا اور پروردگار اس فعل پر اس سے ناخوش تھا۔ اس لئے وہ نافرمان ٹھیرا۔ گو یا کہ بندہ انکی رائے فاسد کے مطابق اپنی تدبیر میں اپنے پروردگار کا نرا ہم اور مقابل ہوتا ہے اور پروردگار کی مشیت ہو یا نہ ہو وہ اپنے ارادہ کے موافق اپنے فعل کو پیدا کرتا

ہیں کیا ہم اس شخص کی نسبت جو طبع اور ختم کے پہنچنے پر قادر و نیاز ہے کہ در لوگ اپنی کفایت و نیازت کے کرنے سے
 جبراً مقرب و مستحق ہو گئے۔ اور اپنے زعم میں تکالیف و مشق کے بغیر ان سے ہے راہ و مسرت و نہیں اور برا
 قول اس کے قول سے صحیح نہیں ہے ضرور صحیح ہے۔ اس مسئلہ میں لوگوں کے کئی کئی خدو و خصلت اور متعدد فرسٹے
 ہیں۔ بعض فوج کہتے ہیں کہ کفار ایمان لائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبراً و کرہ لائے گئے ہیں۔
 وہ ایمان حق کی بات سننے پر قادر نہ نہیں رکھتے۔ اور جو اس کے معلوم نہیں۔ انہوں نے بہت
 بری اور مذمومہ غلط بات کہی ہے۔ شریعت الہی پر طعن اور دعوائے انبیاء کا ابطال کیا ہے۔ حالانکہ
 اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا ہے وَمَا مَنَعَهُمُ الْقَارُونَ أَن يَتُوبُوا وَإِذَا جَاءَهُمْ عِلْمٌ مِّنَ الْغَايَةِ
 لَكَيدٍ اور عیسایوں کو۔ کہ پاس (خدا کی طرف سے) ہدایت آپ کی قرآن کریم ان کے لئے سے اس کے
 سوا اور کوئی بات مانع نہیں ہوئی۔ آخر آیت مکہ اور اہلس سے فرمایا تھا وَمَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ
 (تجھ کو سجدہ کرے۔ سے کس چیز نے باز رکھا) خطرات کے مقام میں اللہ تعالیٰ کی نسبت سبب و سبب سے
 سے ہم اس کی پناہ مانگتے ہیں اور گئی گمراہ لوگ اس طرف گئے ہیں۔ کہ بندہ نافرمانی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ
 اس سے ناخوش ہوتا ہے مگر بندہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ گو خدا کی مشیت نہ ہو۔ یہ بات بھی ثابت
 غلط اور بیکار الہی میں خط کرنا ہے۔ اور پروردگار کے ساتھ مقابلہ اور مزاحمت کی صورت ہے
 کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کفار و فجار سے ان افعال کے صدور کا ارادہ نہ کرتا جن کو وہ ازل میں جانتا
 تھا۔ تو سرے سے انکو پیدا ہی نہ کرتا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ پیدا ہو کر میرے حکم کے
 برخلاف ایسے افعال کریں گے۔ پس جب اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کر کے ان کے قوی کو کامل بنایا۔ اور
 ہر قسم کے سامان و اسباب ان کاموں کے واسطے ان کے لئے مہیا کئے اور ان پر ان کاموں کے
 کرنے اور حق سے دور رہنے کے راستے آسان کر دیے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے
 کے برخلاف ان سے یہ کام کیسے صادر ہوئے۔ اگر کوئی یہ کہے۔ کہ ایسے لوگوں کو اس لئے
 پیدا کیا اور ان کے قوی کامل بنائے۔ کہ وہ اسکی اطاعت کریں گے۔ ہم کہتے ہیں یہ بات ہرگز کسی طرح صحیح
 نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسے تو پہلے معلوم تھا کہ یہ لوگ پیدا ہونے کے بعد میری نافرمانی کریں گے۔ اپنے
 آپ کو ہلاکت میں ڈالیں گے۔ میرے انبیاء و اولیاء کی مخالفت کریں گے۔ اور ایسے شقی ہوں گے۔ جو کبھی
 راہ راست پر آئیں گے۔ اگر کسی آقا اور مالک کو کسی نبی کے بتلانے یا وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو
 کہ اگر وہ اپنے غلام کی مال سے، دیکھا تو دوسرے ہو جائیگا اور بھاگ کر رہزنی کرنے لگیگا۔ یا بڑے
 اس کے وہ اپنے غلام کو اس ارادے سے بہت سال دیکھے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا غلام اس

مال سے مسجدیں اور پل بنوادے اور ساتھ ہی یہ بھی کہے۔ کہ مجھے معلوم ہے کہ میرا غلام کوئی نیک کام نہیں کر گیا۔ بلکہ مال کو ترے کاموں میں بہا کر گیا۔ تو کوئی عتدالہ نہ رہیں گے کہہ سکتا۔ کہ یہ مالک اپنے غلام کی اصلاح چاہتا ہے بلکہ وہ اس کو بگاڑنا چاہتا ہے۔ یہ وہ لوگ وہ حق سے دور اور اوصواب سے ہٹ کر گئے ہیں۔ ایک نے تو قواعد شرعیہ پر اعتراض کیا دوسرے نے احکام خدا کی کامقابلہ کیا۔ اور جن لوگوں کی توفیق ازودی نے دستگیری کی انہوں نے میانہ روی اختیار کی۔ اور کہا کہ جو افعال بد بندوں سے صادر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم ہیں۔ اور وہ اس کے ارادے و مشیت سے وقوع میں آتے ہیں۔ لیکن باوجود اسکے انکو قدرت دی ہے کہ ان کو چھوڑ کر نیک کاموں کو اختیار کریں۔ اس طرح کہنے میں شریعت بھی قائم رہتی ہے۔ اور احکام اللہ کے متعلق عقیدہ بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ جو حکم ہے وہ کیسے بیودہ اور لعلو کاموں کا ارادہ کس طرح کر سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نفس افعال اس شخص کی نسبت جو ان سے منتفع و متضرر نہیں ہوتا کیساں ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے بتلادیا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو مکلف بنایا اور ان سے بجا آوری احکام کا سہا لیا کیا اور ان کے عذروں کو ڈور کر دیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان بجا اور اس کا کلام برحق ہے۔ اور ان لوگوں کی نہایت قوی ذیل جس سے معارضہ کرتے ہیں یہ ہے کہ اگر کوئی دانا آدمی اپنی لوٹری غلاموں کو دیکھے۔ کہ وہ آپس میں غلط ملط ہوتے ہیں اور وہ انکی ناشائستہ حرکات کو پچھم خود دیکھ رہا ہے۔ تو وہ ان کو اس حالت پر چھوڑ دینا پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ سبحانہ بدکاروں کی عام بدکاریوں پر مطلع ہو کر ان کو ان سے باز نہیں رکھتا۔ بلکہ ان کو دن بدن ترقی اور استدراج حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد امام نے کہا ہے۔ کہ اپنے فہم کے مطابق جو کچھ معلوم ہوا احتیاطی نے ظاہر کر دیا ہے۔ اور اگر مجھے اس علم کے حاصل کرنے میں کوئی ایسا شخص مل جائے جو اس باب کو تفصیل سے سمجھا دے۔ تو مجھے اس اللہ کی قسم ہے جو نفس کے اعمال پر حافظ ہے۔ کہ وہ شخص تمام دنیا کی سلطنت سے میرے نزدیک زیادہ محبوب ہو گا امام کا کلام بالغہ لفظ ختم ہوا۔ امام کا مسلک وہ توفیق کے مسلک کے مابین ہے اور یہ بہت اچھا مسلک ہے۔ مگر اس کے اکثر شاگردوں نے اس مذہب کو ناپسند کیا ہے۔ جن میں سے انصاری شایع ارشاد وغیرہ بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام کا مذہب معتزلہ کے مذہب کے قریب قریب ہے معتزلہ کے مذہب اور امام کے مذہب میں صرف لفظی فرق ہے۔ اور یہ مذہب صرف امام کا مذہب ہے اس کے ساتھ اور کوئی شخص موافق نہیں۔ امام کے مذہب کے متعلق چند امور قابل ذکر ہیں۔ اول یہ کہ

اُس نے اپنے اس فاعلہ کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ اُس کی محبوب ہوتی ہے۔ اور نیز اگر اُس نے کفر فسق اور عصیان کو مقدر کیا ہے تو یہ بھی اُس کے ارادہ محبوب ہیں اور ان کو وہ ناپسند نہیں کرتا گو بننے کی اپنی قدرت اور اختیار جبکہ اللہ سبحانہ اُس کو قدرت دیدے۔ اُس کے فعل کے ایجاد میں مؤثر ہیں) یہ کہا ہے کہ اللہ سبحانہ نے جن معاصی کو مقدر کیا ہے ان کو وہ ناپسند نہیں رکھتا اس فاعلہ سے یہ بات تو صحیح ہے کہ بننے کی قدرت اور اُس کا اختیار جب اللہ اُسے قدرت دیدے اُس کے فعل کے ایجاد میں مؤثر ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ اللہ سبحانہ کفر فسق اور عصیان کو جب وہ واقع ہوں محبوب رکھتا ہے اور یہ اُسے ناپسند نہیں نہایت باطل اور بالکل غلط اور صریح عقل اور نقل کے خلاف ہے اور امام کے اس امر کے قائل ہونے کا باعث یہ ہے کہ اُس نے محبت اور ارادہ اور مشیت کو ایک سمجھا ہے اندیشہ خیال کیا ہے کہ جس چیز سے اللہ سبحانہ کی مشیت متعلق ہو وہ اس کی مراد محبوب ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص محبت اور مشیت میں فرق نہ بھیگا وہ باطل اور غلط باتوں میں سے ایک بات کا وہ ضرور قائل ہو گا یا تو یہ کہیگا اللہ سبحانہ کفر فسق اور عصیان کو محبوب رکھتا ہے یا یہ کہیگا کہ جو کفر فسق اور معاصی وقوع میں آتے ہیں۔ یہ اللہ کی مشیت اور قدرت سے باہر ہیں۔ چنانچہ ان دونوں باتوں میں سے ہر ایک بات کا ایک گروہ قائل ہے ایک گروہ تو کہتا ہے کہ اللہ سبحانہ ان امور کو محبوب و پسند نہیں رکھتا۔ اور نہ اُس نے ان کو مقدر کیا ہے اور نہ اُن سے اُس کی مشیت متعلق ہے۔ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ اُس کی مشیت اور ارادہ سے واقع ہوتے ہیں۔ اور وہ اُن کو محبوب و پسند رکھتا ہے۔ اس فاعلہ میں کہ مشیت ارادہ اور محبت ایک چیز ہیں۔ یہ دونوں گروہ متفق ہیں۔ لیکن اس کے ثمرہ اور لازم میں باہم مختلف ہیں۔ حالانکہ اللہ سبحانہ نے اُن لوگوں پر جو اُس کی مشیت سے اُس کی محبت پر متماثل کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ جس چیز سے اُس کی مشیت متعلق ہو وہ اُس کی محبوب ہوتی ہے۔ اسی کتاب میں تین جگہ زور فرمایا ہے یعنی سورہ انعام۔ نحل اور زخرف میں فرمایا ہے مَبِیْقُولِ الدِّینِ اَشْرَکُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَکْنَا وَ لَا اٰبَاؤُنَا وَ لَا اَحْوَمْنَا مِنْ دُوْنِهِ مِنْ شَیْءٍ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی قَاوُا بِاَسْنَادِیْ هَلْ عِندَکُمْ دِیْنٌ عَلَیْہِمْ فَلَیْسَ جَوْزٌ لِّتٰنِیْنِ مَقْبُحُوْنَ اِلَّا اَلظُّلْمَ وَاِنْ اِنتُمْ اِلَّا اَخْسَرُ سَوْنٍ (مشرکین سے کچھ بے نیہ نہیں کہ یہ محبت پیش کریں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ (دلائل دیکھ کر) نہ ہم کسی ضلال چیز کو (از خود اپنے اوپر) حرام کرنے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گئے ہیں انہیں دیکھ کر ہنستا ہے

نہیں بتایا ہے۔ کہ انکو نہیں کی بار صرف ظن پر بہت اور ظن کا کہ باطل پرست ہے۔ اس لئے کہ کاذب اور کمال سے بے یاقین پہلے دے لے ہیں۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے بتلایا ہے کہ میری محبت ان پر مودع سے ثابت ہے۔ اول اس لئے کہ میں نے انکو وہ تکوینی عطا کیا ہے جس سے وہ کھنی بری چیز جھوٹ اور سوچ کے وسیلے سے تیز کر سکتے ہیں پھر انکو۔ کان سب قویٰ ہے جس سے وہ کھنی بری چیز اور اک کا اکر اور درجہ ہیں اور جن سے۔ سے حق و باطل کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔ مودع اس لئے کہ میں نے انکو پانچ پانچ دھڑلے دیے۔ اپنی کتاب میں نازل میں اور ان کو ایمان دلائے اور اسلام اختیار کرنے کی توفیق دی۔ اللہ سبحانہ صرف انکو وجہ سے ان کو سخت مواخذہ و عذاب میں ٹھیکر یا بلکہ اپنے بحال بدل اور ان کے ہر طرح کے عقد و کر کے لئے دو ذوق قسم کے ذریعہ ہوتا کرنے کے بعد ان کو معذرت بنا یا اور اسی لئے اللہ سبحانہ نے اپنی محبت کا کام محبت با اور کھا ہے۔ یعنی وہ بیان اور وضاحت کے منتہی کو پہنچ گئی ہے جس کے ہوتے کسی شخص کے لئے کوئی باون کرنے کی گنجائش اور کسی عذر کرنے دے کے لئے کوئی عذر پیش کرنے کا حق نہیں ہا۔ اور جو شخص اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں اپنا واقعی اور سچا عذر پیش کرے۔ اللہ سبحانہ اس کو قبول فرماتا ہے۔ پھر اللہ سبحانہ نے آخری آیت کو جملہ مخلوقشاء تھلا مکہ اجماعین (اگر وہ چاہتا۔ تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا) پر ختم کر دیا ہے۔ کہ کوئی شے اس کی مشیت بغیر وقوع میں نہیں آتی۔ اور یہ بھی اس کی محبت بالغہ کا تتمہ ہے کیونکہ جب کوئی چیز اس کی مشیت نہ ہونے کے سبب ظہور میں نہ آئی۔ یعنی مشیت کے عدم سے اس کا عدم ہوا تو اس کی مشیت کے وجود سے اس کا وجود ضروری ہو گا۔ پس جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق ہوگی۔ وہ ظہور میں آئے گی اور جس سے اس کی مشیت متعلق نہ ہوگی وہ ظہور میں نہ آئے گی۔ یہ دلیل توحید کے اثبات اور شرک اور بت پرستی کے ابطال کی بڑی بھاری اور کھلی دلیل ہے۔ پس شرکین نے جس دلیل سے اللہ کی مشیت سے اپنے شرک کرنے پر استدلال قائم کیا تھا۔ وہی دلیل ان کے استدلال کے بطلان اور فساد کو کھلے طور پر ظاہر کرتی ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کو اس کی توحید ماننے اور اس کی بارگاہ میں اپنا احتیاج اور التجا اور اپنی طاقت و قوت سے براءت اقداس کی طرف اس بات کی رغبت ظاہر کرنے کے طور پر ذکر کرتے کہ وہ ان سے وہ تصور معاف کر دے۔ جن کے وقوع سے اگر اس کی مشیت متعلق نہ ہوتی تو وہ کبھی وقوع میں نہ آتے تو علم ان کے لئے نافع ہوتا اور ان کے واسطے ہدایت کا دروازہ

کھول دیتا۔ لیکن مشرکین نے تو اللہ کی تقدیرِ مشیت کو اُس کے گمراہ کا مقابلہ کرنے اور اُنبیاء علیہم السلام کی دعوت کے ابطال کی غرض سے ذکر کیا۔ جس سے وہ اور زیادہ گمراہ ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنی محبت اور مشیت میں فرق بتلادیا ہے۔ ابوالحسن اشعری نے اس امر پر کہ اللہ سبحانہ کی محبت اور مشیت میں فرق ہے۔ اپنے مقالات میں اہل سنت اور حدیث کا اتفاق نقل کیا ہے۔ اور ابنِ فورك نے اپنی کتاب تجرید میں ابوالحسن اشعری سے نقل کیا ہے کہ وہ محبت اور مشیت میں فرق بتلاتے تھے۔ اور دؤ۔ حجت۔ رادہ۔ مشیت۔ اور رضا میں کچھ فرق نہیں کرتے تھے اور وہ اس بات کے قائل نہ تھے۔ ان میں سے کوئی صفت کسی کام سے متعلق ہو۔ اور دوسری اُس سے متعلق نہ ہو بلکہ یہ سب ایک ہی ہیں۔ اور ایک دوسری کی ہم معنی و مراد ہیں مگر ان کے کسی چیز سے متعلق ہونے کے ساتھ ایک ایسی قید ہوتی ہے جس سے پہلے دور ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ مومن اللہ کا محبوب ہے جبکہ اُس کے علم میں اُس کا مومن اور اہلِ خیر سے ہونا ہے اور اسی طرح جب کافر کا اُس کے علم میں کفار اور اہلِ شہر سے ہونا ہے۔ تو اُس کا کفر ہی مراد ہے۔ غرض ہر ایک چیز کو وہ یہی چاہتا ہے کہ جس طرح وہ اُس کے علم میں ہے اسی طرح وقوع میں آئے۔ رضا۔ اصطفا۔ اور اختیار کے متعلق جی ابوالحسن کی یہی رائے تھی کہ ان میں کچھ فرق نہیں۔ مگر قید مذکور کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مطلب میں غلطی واقع نہ ہو۔ صاحبِ تجرید مقالات اشعری کا کلام ختم ہوا۔

تمام اہل سنت۔ محدثین۔ فقہاء۔ جمہور متکلمین اور صوفیہ کا یہ مذہب ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک بعض افعال۔ صفات۔ کرد و ناپسندیدہ ہیں۔ گو وہ اسکی مشیت ہی سے وقوع میں آتے ہیں۔ مگر وہ اُس کی بارگاہ میں مغضوب و ناپسندیدہ ہیں جیسے ابلیس اور اُس کے لشکر اللہ تعالیٰ کو عداوت اور دشمنی ہے۔ اور نیران کے اعمال سے بغض و نفرت ہے۔ گو وہ اُس کی مشیت سے وقوع میں آتے ہیں مگر وہ انکو پسند نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
 وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ (اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا) اور فرمایا ہے وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ (اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا) وقال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ (اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترانے اور بڑائی مارنے والے ہیں) وقال تعالیٰ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْلَ بِالشُّرُوْعِ مِنَ الْقَوْلِ (اللہ من ظنہم اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی کسی کو مہم پھوڑ کر کہے مگر جس پر کسی طرح کیا ظلم ہوا) اور وقال تعالیٰ وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّ اللّٰهَ

لَا يَحِبُّ الْمُتَعَدِّينَ (اور نیکوئی نہ کرنا، اللہ کی طرح زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) وقال لَقَدْ
 اَتَىٰ تَكْفُؤًا وَاٰتَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا عَنْكَ وَلَا يَرْضٰى لِحٰبَادٍ ۝۱۰۱ الْكُفْرَ (اگر تم خدا کی ناشکری کرو تو
 اللہ تم سے بے نیاز (مطلق) ہے اور اپنے بندوں کے لئے ناشکری کو پسند نہیں کرتا) ۝

اللہ سبحانہ نے ان آیات میں بتلادیا ہے کہ وہ ان اشیاء و صفات و افعال کو پسند نہیں رکھتا۔
 اور نہ ان کے وقوع کے بعد وہ ان سے خوش و راضی ہوتا ہے۔ اور ان آیات سے اس شخص کے
 قول کا صریح ابطال ہو جاتا ہے۔ جو ان آیات کا یہ معنی قرار دیتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ ان چیزوں کے ضد
 کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ جو چیزیں پسند نہیں کرتا اور یہی چیزیں جب وقوع میں آجائیں تو اسی محبوب و پسندیدہ
 ہو جاتی ہیں۔ یہی چیزیں جس شخص سے وقوع میں آجائیں تو اللہ کی محبوب و پسندیدہ ہیں۔ جس شخص سے
 وقوع میں آتی ہیں تو قبل وقوع اللہ ان کو محبوب و پسندیدہ نہیں سمجھتا۔ اس شخص کا قول باطل اور اللہ تعالیٰ پر فخر ہے بلکہ یہ چیزیں
 قبل وقوع بعد وقوع ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض و ناپسندیدہ ہیں۔ کیونکہ یہ اشیاء
 قبائح و خباثت ہیں۔ اور اللہ سبحانہ قبیح اور خبیث کی محبت سے منزه و پاک ہے بلکہ قبیح و خبیث اللہ تعالیٰ
 کو نہایت ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ كُنْ ذٰلِكَ كَانَتْ نَسِيكَةً يٰعِزُّ رَبَّنَا مَا كُنْ
 (اے پیغمبر! ان سب باتوں میں جو جو بری ہیں سب ہی تو تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہیں) اللہ سبحانہ
 نے تو یہ بھی بتلادیا ہے کہ وہ منافقین کی طاعت بھی پسند نہیں رکھتا۔ اسی لئے ان کو ان سے باز رکھتا
 ہے۔ پس وہ ان کے نفاق کو کیسے پسند رکھیگا۔ اور منافقین اس کے محبوب و برگزیدہ کیسے ہونگے
 اسی باطل قاعدہ کی بنا پر اس شخص نے یہ کہا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک سب افعال یکساں
 ہیں اور افعال سچائے خود حسن اور قبیح کی طرف منقسم نہیں۔ پس اللہ سبحانہ کے نزدیک شکر اور کفر ان میں
 کوئی فرق نہیں۔ اسی واسطے اس خیال کے لوگوں نے کہا ہے کہ عقل کے رعب سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں
 کا شکر واجب نہیں۔ اور اسی قاعدہ کی بنا پر کہا ہے کہ اس کی مشیت میں محبت ہے اور جس چیز سے اس
 کی مشیت متعلق ہو تو وہ اس کی محبوب و پسندیدہ ہے۔ اس قاعدہ کے گھڑنے کے بعد وہ یہ نہیں کہہ سکتے
 کہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء و افعال کو جو اس نے پیدا کئے ہیں مبغوض و ناپسند رکھتا ہے اور بعض چیزوں
 کو پسند و محبوب۔ بلکہ جو چیز اس نے بنائی اور پیدا کی ہے وہ اس کی محبوب و پسندیدہ ہے۔ اور جس چیز
 سے اس کی مشیت متعلق نہیں ہوئے اور نہ اس کو پیدا کیا ہے۔ تو وہ اس کے نزدیک مبغوض و
 ناپسندیدہ ہے۔ یہ قاعدہ ان لوگوں نے اس لئے گھڑا ہے کہ وہ اپنے زعم میں اس قاعدہ کے
 رعب سے تقدیر کی محافظت کرتے ہیں اس کے ماننے میں ہر موقوف نہیں کرتے۔ مگر انہوں نے اس

قاعدہ سے شریعہ اور تقدیر دونوں پر بالکل عامت کیا۔ اور اس کے دو حصے ایسے امور کا التزام کیا کہ جس سے تقدیر اور حکمت دونوں کے ایک اور ٹکڑا بہت بڑا ہو اور ہر طرح عقل کا خلاف نہ کیا۔ سب سے بڑے اور سب سے اچھے کام کی فی الواقع مساوات۔ لہذا قائل ہوئے اور کہا کہ ان دونوں میں سے ایک اس کے ایک کے گئے کا حکم ہے اور دوسرے کے۔ مگر بازرم نے کہا امر ہے کہ شی فرق نہیں۔ ہر ان کے نزدیک جھوٹ۔ ظلم۔ تعدی اور بغاوت فی الواقع صدق۔ عدل اور احسان کے مساوی ہیں۔ صدق عدل اور احسان میں کوئی ایسی بات نہیں۔ ہے جس کی وجہ سے ان کو حسن کہا جائے۔ اور ظلم۔ جھوٹ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لئے انکو قبیح قرار دیا جائے۔ اور اس مذہب کو اہل سنت کی علامت ٹھہرایا ہے۔ اور جو لوگ اس کے برخلاف قائل ہیں انکو اہل بدعت قرار دیا ہے۔ جیسے فرقہ معتزلہ وغیرہ مگر حق یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ قول تمام اقوال سے زیادہ باطل اور عقل۔ شرع اور فطرۃ اللہ سے جس پر اللہ قائل ہے۔ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے نہایت سخت مخالف ہے اور میں نے اپنی کتاب مفتاح میں قریباً پچاس نیلوں سے اسے باطل کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب اس قاعدہ کے ساتھ مشورہ ہو۔ ذیل سویشال ہو گئے (د) اللہ سبحانہ کسی چیز کو بغرض و محبوب نہیں رکھتا۔ بلکہ اُس کے نزدیک ہر وجود محبوب اور ہر مہم کمزور ہے (ب) اللہ سبحانہ کے اقوال کے لئے نہ کوئی ضابطہ مطلوب ہے۔ اور نہ وہ کسی حکمت پر مبنی ہیں۔ (ج) اللہ سبحانہ نے کسی چیز کو کسی چیز کا سبب نہیں بنایا۔ اور نہ اشیاء و افعال کے لئے کوئی اسباب بنائے ہیں (د) قوی طبائع۔ عزائز کوئی چیز نہیں اور نہ ہی کسی شے کے واسطے سبب ہوتے ہیں۔ اور نہ ان کا کوئی اثر و فعل ہے۔ تو ان لوگوں پر مسائل تقدیر میں صواب تک پہنچنے کا راستہ بند ہو گیا۔ اور ان اصول باطلہ کی بنا پر ایسی صریح۔ باطل اور ظاہر الفساد امور کو مانا اور اقرار کیا کہ یہی امور ان اصول کے غلط اور فاسد ہونے کی نہایت زبردست دلیل ہیں۔ کیونکہ لازم کا فساد ملزوم کے فساد کو تسلیم ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے۔ کہ کراہت اور محبت کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز سے طبیعت کو نفرت یا کسی چیز سے موافقت اور الفت ہو پس یہ صفات اللہ سبحانہ کے حق میں جو طبع اور نفرت اور موافقت طبع سے منفرہ ہے کس طرح تصور ہو سکتے ہیں۔ و اُس کا جواب یہ ہے کہ نصوص صریح میں چکام ہے کہ بعض اشیاء سے محبت رکھنا اور بعض چیزوں کو نہ جاننا اللہ سبحانہ کے صفات میں سے ہے۔ پس ان آیات کے حقیقی معنی کو منافرت طبع یا لامحبت یعنی موافقت طبع کے ساتھ تعبیر کرنا باطل ہے اور یہ تعبیر درحقیقت اُسکی صفت محبت و کراہت کا انکار کرنا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے

حقائق سے منکر ہیں۔ ارمان کو ایسی عبارات اصطلاحی سے تعبیر کرتے ہیں جن سے ان صفات کی
 نفی لازم آتی ہے۔ جیسے ساتھ اللہ سبحانہ نے اپنی ذات مقدس کو موصوف فرمایا ہے۔ جیسے مطلقہ نے
 کلمہ تعالیٰ ہے۔ کہ صفات کا نام اعراض رکھا۔ اور پھر انکے اعراض ہونے کی وجہ سے انکا انکار کیا۔
 اور جیسے اس کلمہ تعالیٰ قائم بالذات کا نام حروف قرار دیا اور پھر اس خیال کو کہ اللہ تعالیٰ جس حروف میں ہو سکتا اسکے افعال کے
 منکر ہوئے مطلقہ اس خیال کو کہ اعراض اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں کئے اللہ تعالیٰ کے صفات کے منکر ہوئے صفات
 علو علی الخلق بہستوا علی العرش۔ اور پھر صفات مذکورہ یعنی علو علی الخلق بہستوا علی العرش کا انکار کیا۔ اور
 اللہ سبحانہ نے جو الفاظ اپنی ذات مقدس کی نسبت جیسے وجہ۔ یون۔ اویع۔ چہرہ۔ ہاتھ۔ انگلی۔ بیان
 فرمائے ہیں ان کا نام اعضا اور جوارح ٹھہرایا۔ پھر ان صفات کا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے
 ثابت فرمائے ہیں۔ ایسا نام پھیرانے کی وجہ سے جو حقیقت ان کا یہ نام نہیں ہے۔ انکار کیا۔ اِنَّ
 هِيَ اَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا اَنْتُمْ وَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمْ اِلَيْهَا مِنْ سُلْطَانٍ اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا
 الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ رَبِّهِمْ الْهُدَىٰ (یہ تو نرسے نام دیا نام)
 ہیں جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے (اپنی طرف سے) رکھ لئے ہیں خدا نے تو ان کے معبود ہونے
 کی کوئی سند اُناری نہیں۔ یہ لوگ تو بس اھل اور (اپنی) نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔ اور طرہ یہ
 ہے کہ ان کے پروردگار کی طرف سے انکے پاس ہدایت بھی آچکی ہے اس پر بھی نہیں مانتے۔
 غرض تشبیہ تجسم ترکیب۔ حوادث۔ اعراض اور تخیل کی وجہ سے اُسکے صفات کمال و نفوت جلال
 کے منکر ہوئے اور کہا کہ ایسے الفاظ جو اللہ کے صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کا کوئی معنی نہیں۔
 اور انکے مفہوم کی کوئی حقیقت ہے۔ پس ہم اُس شخص سے جو اہل اور نفرت طبع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ
 کی صفت بھت و کراہت کا انکار کرتا ہے یہ پوچھتے ہیں کہ تمہارے مذہب اور منکرین صفاتِ الہی
 کے مذہب میں کیا فرق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے صفت ارادہ نہیں ہے
 کیونکہ ارادہ دفع ضرر یا حصول نفع کے لئے نفس کے متحرک ہونے کو مستلزم ہے علیٰ ہذا القیاس اُنکی
 صفت سمیع اور بصیر کا انکار کرتے ہیں۔ کہ صفت سمیع اور بصیر کے لئے ضروری ہے کہ سمیع اور بصیر
 سے سامع متاثر ہو اور نیز بصیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ مرئی کی صورت رائی کے جو اسی میں منتقل ہو۔
 اور سمیع کے لئے لازم ہے کہ ہوا صوت کو سامع کے کان تک پہنچائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کے
 اس لئے منکر ہیں۔ کہ علم کے لئے ضروری ہے کہ عالم کے نفس ناطقہ میں معلوم کی صورت حاصل ہو۔ اور

اُس کے غضب اور رضا کا واسطے انکار کیا ہے کہ وہ نہ حرکت قلب اور ناخوش کرنے والی یا خوشی پہنچا کرنے والی چیز سے بل کے متاثر ہونے کو چاہتے ہیں۔ اور اُس۔ کہ صفت کلام کا واسطے انکار کیا کہ کلام ایسے محل کو چاہتا ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہو۔ اور ہونٹ اور زبان اور لہوات (کوتہ) سے اُس کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ اور چونکہ ان لوگوں کے لئے جو رب العالمین کے وجود کے قائل ہیں۔ ان شبہات کا دفع کرنا سوائے اسکے ممکن نہ تھا۔ کہ منکرین صفات جو ان الفاظ کے معانی ٹھہراتے ہیں ان کا انکار کیا جائے۔ اور یہی ضروری تھا کیونکہ اگر ان معانی کو تسلیم کیا جائے۔ تو جس صفت کا ثبوت مانا جائیگا۔ تو اُس کے لازم ضرور ناتنے پڑینگے۔ جیسے کہ منکرین صفات کہتے ہیں۔ اور اُس میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ اسی واسطے امام احمد وغیرہ آئمہ اہل سنت نے فرمایا ہے کہ ہم طعن و تشنیع کرنے والوں کے طعن و تشنیع کے خوف سے اللہ سبحانہ کی کسی صفت کا انکار نہیں کرتے۔ غرض ہم اللہ تعالیٰ کی صفت محبت ذکر اہست کو اس خیال سے کہ منکرین اس کو الفطرت طبع یا فطرت طبع نام کہتے ہیں انکار نہیں کرتے۔ اس مقام کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ صفات الہی کا انکار اگر ایسی مضبوط جز اور ایسے قوی اسباب میں سے ہے پس ہم عرش کا نام چیز (ذکان) اور استوا کا نام تجر نہیں رکھتے۔ اور نہ اُس کے صفات کو اعراض اور نہ اسکے افعال کو حوادث اور نہ وجہ۔ بدیں۔ احوال کو اعضاء و جوارح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور نہ اُس کے صفات کمال کے ثبات کو تجسیم و تشبیہ کہتے ہیں۔ اگر ہم بھی ایسا کریں گے تو دو بڑے بھاری گناہوں کے ہم بھی ترک ہو گئے۔ ایک لفظ کے معنی کو بگاڑنا دوسرا حق کو معطل و بیکا۔ قرار دینا اور یہ بالکل ویسا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کے افعال و جوارح کو پیدا کرنے اور اُس کے قضائے سابق کو جبر کہا جائے۔ اسی لئے آئمہ اہل سنت جیسے اوزاعی۔ سفیان ثوری۔ عبد الرحمن بن ہمدی۔ امام احمد و غیرہ نے لفظ جبر کا انکار کیا ہے۔ اوزاعی اور زبیدی کہتے ہیں۔ کہ کتاب اور حدیث میں کہیں لفظ جبر نہیں آیا۔ البتہ لفظ جبر حدیث میں آیا ہے۔ چنانچہ صحیح میں مروی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبد القیس کو فرمایا۔ کہ تجھ میں دو اچھے خلق ہیں جنکو اللہ سبحانہ پسند رکھتا ہے۔ ایک علم اور دوسرا کام آئیں ہستی کرنا عبد القیس نے عرض کیا۔ کہ دونو خلق میری سرشت میں رکھے گئے تھے یا بعد میں حاصل ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیری فطرت اور جبلت میں رکھے گئے تھے۔ اُس نے کہا اللہ کا شکر ہے۔ کہ اُس نے مجھ ان اخلاق پر پیدا کیا۔ جو اُس کو محبوب ہیں۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلادیا ہے کہ اللہ نے عبد القیس کو علم اور نازقہ پر پیدا کیا اور یہ دونو افعال اختیار سے ہیں۔ گو یہ ایسے خلق ہیں جو نبی کے ساتھ قائم ہیں۔ کیونکہ اخلاق دو قسم ہوتے ہیں بعض کسی یعنی کوشش کے

سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور بعض فطرتی جو کسب اور کوشش سے حاصل نہیں ہوتے۔ اور اخلاقی کے مدد تو قسم نہیں کسی فطرتی کو اللہ سبحانہ بندے میں پیدا کرتا ہے۔ جو نیک اور عمدہ اخلاق بندے کی فطرت میں اللہ سبحانہ نے پیدا کئے ہیں وہ اُسے محبوب و پسندیدہ ہیں۔ اور جو بُرے اور گندہ عادات اُس میں پیدا کئے ہیں۔ اُن سے ناخوش و بیزار ہوتا ہے۔ مگر مخلوق سب اسی کے ہیں۔ گو ایک قسم کے اُسے محبوب اور دوسرے قسم کے مبغض ہیں۔ جیسے جبرائیل علیہ السلام بھی اللہ کے مخلوق ہیں۔ اور ابلیس علیہ لعنتہ بھی اسی کا مخلوق اور پیدا کیا ہوا ہے۔ مگر جبرائیل اللہ کے محبوب و برگزیدہ ہیں۔ ابلیس تمام مخلوق میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ مبغض ہے۔ اس امر کی وضاحت اس طرح ہو سکتی ہے کہ لفظ جبرائیل محض لفظ ہے۔ کیونکہ محاصی میں لڑتے ہیں۔ کہ باپ نے اپنی بیٹی کو نکاح پر مجبور کیا۔ اور حاکم نے فلاں شخص کو بیچ کرنے پر مجبور کیا۔ ان صورتوں میں جبر کا یہ معنی ہے کہ زبردستی سے لڑکی کا نکاح کیا گیا۔ اور حاکم نے خلاف مرضی اُس شخص کے اُس سے بیچ کرادی۔ اور یہاں یہ معنی یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ لڑکی کو نکاح کرنے پر زبردستی کر دیا۔ اور اُس کی محبت اُس کے دل میں ڈال دی۔ جس سے وہ بالاختیار و رضا اُس پر آمادہ ہو گئی۔ اور اسی طرح حاکم کی نسبت بھی یہ معنی متصور نہیں ہو سکتا۔ کہ اُس نے اس شخص کو بیچ کر اپنی کر دیا۔ اور اسکی محبت اُس کے دل میں ڈال کر اُسکو بیچ کرنے پر مستعد بنا دیا۔

خلافت اسکے اللہ سبحانہ جب کسی شخص کے کوئی فعل پیدا کرتا ہے۔ تو وہ اُس کو اس فعل کا مختار بنا تا و اُس کے دل میں اسکی محبت ڈال دیتا ہے۔ جس سے وہ اپنی خوشی و رضا اور اختیار سے اُس فعل کو وقوع میں لاتا اور اُسکی ضد کو پس نہ کرتا ہے۔ پس اللہ سبحانہ کی نسبت لفظ جبر استعمال کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل کی شان اس حد سے اعلیٰ ہے کہ وہ کسی بندے سے کوئی فعل اسکی مرضی کے خلاف صادر کرے ایک کام تو وہ کرے۔ جو اس بات سے عاجز ہو کہ وہ جس فعل پر چاہتا ہو وہ اُسکو نہیں پاتا کہ جب اللہ تعالیٰ کا فعل ہو گا تو وہ اختیار و صلاح و صلاح و صلاح کی نسبت یہ کہنا صحیح نہیں کہ اللہ سبحانہ اپنے بندے کو کسی کام پر مجبور کرتا ہے۔ یعنی اس کو زبردستی کر لے گا بلکہ جب بندے کی فعل اسکی مشیت متعلق ہوتی ہے تو وہ اپنے بندے کو اُس پر قسمت دے دیتا اور اُس کے دل میں اسکی محبت ڈال دیتا ہے۔ جس سے وہ اس کام کو اپنے ارادے اور اختیار سے صادر کرتا ہے۔ اور اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ اُس کام کو اپنے بندے سے اُس کے اختیار و ارادہ سے صادر کرے گو وہ اُس کام سے ناخوش اور متغیر ہو۔ پس بعدوں سے جس قدر افعال ان کے ارادہ اور مشیت سے صادر ہوتے ہیں سب کا خالق اللہ ہے۔ اور اُس نے اپنے بندوں کو ان افعال کا فاعل بالارادہ بنا دیا ہے۔ گو وہ بندے ان افعال کے صدور پر خوش ہوں یا ناخوش۔ مگر اللہ سبحانہ

نے دونوں صورتوں میں یہ گناہ ان سے اس طرح زبردستی صادر نہیں کر لے۔ بقیہ باپ اپنی بیٹی کو نکاح پر مجبور کرے یا حاکم کسی شخص سے زبردستی بیچ کر لے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ لفظ جبر اس معنی کے سوا ایک اور معنی میں بھی متعلیٰ ہوتا ہے جو اسی معنی سے عام۔ یہ۔ اور وہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ کوئی شخص کسی شخص سے کوئی کام زبردستی صادر کر لے۔ اور اس سے اس بات کی بھی تذر نہ ہمارا ہو کہ وہ جس کام کو صادر کرنا چاہتا ہے۔ اس کام کا اس کو فاعل بالارادہ بنا سکتا ہے۔ اور جس کام سے منع کرنا چاہتا ہے اس کو اس کے ارادہ کے ساتھ روک سکتا ہے۔ اور اس عام معنی کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کی نسبت لفظ جبر کا استعمال صحیح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندے کے ارادہ و قدرت کو اس کام پر پیدا کرنے والا ہے۔ محمد بن کعب فرمیں نے اللہ تعالیٰ کے اسم جبار کی معنی میں کہا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو ان احوال پر مجبور کیا ہے۔ جن سے اس کی مشیت و ارادہ متعلق ہوا۔ یعنی وہ کام ان کے ارادہ سے صادر کر لے ہیں۔ نہ کہ زبردستی۔ دعائے معروف میں حضرت علیؑ سے مروی ہے۔

اللَّهُمَّ ذَا جِئِ الْمَدْحَ حَقًّا وَبَارِعِ الْمُسَوِّ كَاتِ جَبَّارِ الْقَادِرِ عَلَى نِظَرِ تَهَا حَقِّبًا وَسَجَّارًا (اے اللہ زمینوں کو بچھانے والے اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے دلوں کو انکی فطرت یعنی شقاوت یا سعادت پر مجبور کرنے والے) یہاں لفظ جبر بمعنی قہر و قدرت ہے۔ اور اللہ سبحانہ کو قدرت ہے۔ کہ وہ اپنے بندے کے ساتھ جو چاہے کرے۔ اور جب یہی مشیت کسی چیز کے وقوع سے متعلق ہو جاتی ہے۔ تو وہ چیز ضرور واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس کی مشیت کسی چیز کے وقوع سے متعلق نہ ہو تو وہ ہرگز وقوع میں نہیں آتی۔ اللہ سبحانہ کی ذات بجز سے منزہ و پاک ہے۔ لہذا یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ کسی چیز کے وقوع سے اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق ہو۔ مگر وہ وقوع میں نہ آئے۔ اور جس چیز کا وقوع وہ نہ چاہے۔ وہ وقوع میں آجائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت جبر اور مخلوق کے جبر یعنی کسی سے کوئی کام اس کے خلاف مرضی و ارادے کے نہ زبردستی صادر کر لینے میں کئی وجہ سے فرق ہے (۱) اسی مخلوق کو یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی کو کسی فعل کا مجبور و مبرور بنائے جس سے وہ شخص اس فعل کو اپنے ارادہ و محبت سے کرے۔ اور اللہ سبحانہ کو ان سب باتوں پر قدرت ہے (۲) مخلوق اپنے جبر کرنے میں کبھی ظالم اور متعدي ہوتی ہے۔ اور پروردگار ظلم سے پاک و منزہ ہے اور اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی تخلیق و اسان کے ساتھ اُن کو دین فز ہے۔ بلکہ اس کا عدل بھی اس کا احسان ہے اور یہ مومن عنقریب بیان ہو گا (۳) مخلوق جابر ہونے کی صورت میں سخیہ معیوب اور نادان و جاہل ہوتی ہے۔ اور اللہ سبحانہ جب کسی شے کو کسی کام پر مجبور کرتا ہے۔ تو وہ سراسر حکمت۔ عدل۔ احسان۔

اور رحمت پر مبنی ہوتا ہے جس سے من کل الوجوہ اللہ سبحانہ محمود ہوتا ہے (۱) مخلوق میں سے کوئی شخص دوسرے کو پسندے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کام کی طرف محتاج اور اس سے منتفع ہوتا ہے۔ کینکہ بندہ محتاج بالذات ہے اور اللہ سبحانہ کو کسی کام کی حاجت نہیں بلکہ سب اس کے محتاج ہیں۔ اور وہ بڑا رحیم خود ہر چیز سے غنی ہے (۵) مخلوق میں سے کوئی شخص دوسرے کو اسلئے مجبور کرتا ہے کہ اس میں کوئی نقصان ہوتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اس فعل سے اس کا وہ نقصان جاتا ہے اور درجہ کمال کو پہنچ جائے اور اللہ سبحانہ جمیع وجوہ سے کمال مطلق ہے اور اس کا کمال اسکی ذات سے لازم ہے۔ اس نے اپنے کمال کو مخلوق کے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا بلکہ اس نے ہر ایک کو اس کے مناسب حال کمال عطا کیا ہے۔ غرض مخلوق صبر کرتی ہے کہ اسے کمال حاصل ہو۔ اور اللہ سبحانہ ہر قسم کے نقص سے منزہ اور پاک ہے پس اس کا کمال ولایت کرتا ہے کہ وہ کسی پر جبر بزموم نہیں کرتا (۲) مخلوق میں سے کوئی شخص دوسرے کو کسی فعل پر مجبور کرتا ہے تو وہ اسے ایسے فعل پر مجبور کرتا ہے کہ مجبور اس فعل کے ذریعہ جابجہ کے حصول مطلب میں اس کا معاون ہو کیونکہ وہ اس کی معاونت کے بغیر اپنے مطلب تک پہنچنے سے عاجز ہوتا ہے۔ اور مجبور کا فعل اور جابر کا جبر واکراہ دونوں ملکر جابجہ کے حصول مطلب کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور اس شرکت سے یہی صورت ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص اپنے اختیار سے کسی کام میں دوسرے کی مدد کرتے ہے۔ اور اللہ سبحانہ من کل الوجوہ اپنے غیبی مدد اور کسی کام کے حصول میں اوروں کی شرکت سے مستغنی ہے۔ پس اللہ سبحانہ کی ذات کی نسبت اس قسم کا جبر محال ہے (۳) جو شخص کسی کام پر مجبور کیا جائے تو اس کام کے کرنے اور اپنے اختیاری کام کے کرنے میں اسے ضرور فرق معلوم ہوتا ہے اور ان دونوں میں مساوات ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ایک شخص کا بدن مرض رعشہ کے سبب کانپتا اور متحرک ہوتا ہے اور اسکے علاوہ وہ اپنے کام وکاج کے وقت بھی ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے۔ تو ان دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ اور یہ دونوں حرکتیں یکساں نہیں ہوتیں۔ اور ان افعال کے درمیان جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جبراً صادر کر لے ہیں۔ اور بندوں کے اپنے اختیاری افعال میں فرق ہرگز محسوس نہیں ہوتا (۴) اللہ سبحانہ نے بندوں کی خطرات میں یہ پلٹ رکھ دی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جس شخص کو کسی کام پر مجبور کیا جائے تو وہ ایسے معذور ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے صادر کرنے میں کسی ذمت یا عذاب اور سزا کا مستحق نہیں ہوتا اور وہ لوگ جن کو مجبور کیا جائے اپنی عذرت میں یہی کہتے ہیں۔ کہ یہ کام ہم سے جبراً کرایا گیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص سب بادشاہ نے جبراً وہ کام کرایا ہے اور اس کے ساتھ یہ بات بھی انکی فطرت میں گھدی ہے۔ کہ جو شخص اپنے اختیار سے برے

کہا کرتا ہے اُس کی بندست کرتے اور اُسے بکروار کہتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی شریعت اس امر میں عین فطرت کے مطابق ہے۔ پس جو شخص افعالِ انتہائی پر مجبور یہ کہ ایک ماں خیال کرتا ہے وہ طفل۔ فطرت اور شریعت کا خلاف کرتا ہے (۹) جو شخص کسی دوسرے کو ایسا کام کرنے کا امر کرے جس میں امور کی مصلحت ہو اور وہ اس کا محتاج ہو اھلِ سعادت و فلاح کی مدار اسی کام پر ہو۔ تو ایسا کام بتسلل لانے والے کو جاہر نہیں کہا جاتا بلکہ اُس کو ناصح۔ ہادی۔ مرشد وغیرہ ایسے صفات کے ساتھ ہر صوف کیا جاتا ہے۔ اور اگر مامور ایسے کام کو اپنے اختیار اور مرضی سے بجانہ لائے۔ تو جس شخص کو اُس پر جبر کرنے کا اختیار ہو چونکہ وہ اُس کا ناصح ہوتا ہے۔ تو وہ اُسے اُس کام پر مجبور کرتا ہے۔ مگر یہ جبر بیجا اور ناحق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قسم کا جبر شریعت میں جائز اور ثابت ہے اور اللہ سبحانہ کی قدرت۔ حکمت۔ رحمت۔ اور احسان اس کے مانع نہیں۔

(۱۰) اللہ سبحانہ کی ذات۔ صفات اور افعال میں کوئی اُس کا شریک و ہمتا نہیں۔ پس بندے کو اُس کی قدرت۔ مشیت اور ارادہ سے اُس کے افعال کا اُسے فاعل بنانا خاص اسی کا کام ہے۔ مخلوق میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کو کسی فعل کا فاعل بنائے جبر و اکراہ کے ہرگز نہیں بنا سکتا۔ اگر جبر کرے گا۔ تو وہ بنائے گا کہ جس کا کام کسی دوسرے کو کسی کام کا امر کرے۔ یا اُسے اُس کام کی ترغیب دے اور اس طرح وہ اُس کا جاہر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کے جبر کی صورت یہی ہے کہ زبردستی سے اُس سے وہ کام کرے۔ پس اللہ سبحانہ کی طرف جبر کی نسبت کرنا اُس کے افعال میں مخلوق کے تشبیہ دینا ہے۔

چونکہ جبر کی یہی صورت ہے کہ کسی سے کوئی کام زبردستی کرایا جائے۔ غرض اللہ سبحانہ کی قدرت۔ علم۔ مشیت۔ عدل۔ احسان۔ عطا اور ملک کمال اور اس کی حجت کا انتہا دے کر کو پہنچنا۔ اُس کے جاہر ہونے کے خلاف ہیں۔ اسلئے اُس کی ذات پاک کی طرف جبر کی نسبت کرنی درست نہیں۔

فصل۔ تمام مذاہب بندے کے کسب افعال پہنچنے پر متفق ہیں۔ لیکن کسب افعال کی حقیقت میں اختلاف ہے۔ قدر یہ کہتے ہیں کہ کسب کا یہ معنی ہے کہ بندہ مستقل طور پر اپنی قدرت و ارادہ سے اپنے فعل کو پیدا کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ کو بندے کے افعال میں کوئی دخل نہیں۔ نہ وہ بندے کے افعال کا خالق ہے اور نہ یہ اس کے مخلوق ہیں اور نہ یہ اُس کے ارادے سے صادر ہوتے ہیں۔ جبر یہ کہتے ہیں کہ کسب کا یہ معنی ہے کہ خداوندِ قہر کے وقت اللہ تعالیٰ بندے میں ایک قدرت پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے افعال اور ہونے ہیں۔ اور اس میں بندے کو کوئی دخل نہیں۔ نہ وہ نوگر وہ کسب اور خالق میں فرق مانتے ہیں۔ مگر وہ فرق میں باہمی دو کا اختلاف ہے۔ شعری نے اپنی اکثر تصانیف میں لکھا ہے کہ

کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ اسی مقام میں کئی ایک الفاظ ہیں۔ جیسے فاعل۔ عامل۔ مکتب۔ کاسب۔ صانع۔
محدث۔ جال۔ مؤثر۔ منشی۔ موجد۔ خالق۔ باری۔ مقتدر۔ قادر۔ مرید وغیرہ اور یہ الفاظ تین قسم کے ہیں۔
۱۔ وہ کہ صرف اللہ سبحانہ پر بولے جاتے ہیں جیسے باری۔ بدیع۔ متبہ۔ ۲۔ وہ جو کہ صرف بندے پر بولے
جاتے ہیں۔ جیسے کاسب۔ مکتب۔ ۳۔ وہ جن کا اطلاق اللہ سبحانہ پر اور نیز بعضے پر آیا ہے۔ جیسے صانع
فاعل۔ عامل۔ منشی۔ مرید اور قادر۔ باقی لفظ خالق اور موجد اگر مطلق ہوں۔ تو وہ صرف اللہ سبحانہ
پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ اور اگر متعین طور
پر متعل ہوں۔ تو بندے پر بھی بولے جاتے ہیں چنانچہ اس شخص کی نسبت جو اپنے ہی میں کوئی بات
پھیرائے۔ عرب کہتے ہیں۔ اِنَّهُ خَلَقَهُ دینی اُس نے فلاں بات کو جو میں ٹھکان لیا۔ شعی

وَلَا تَنْتَ لِعَرِيٍّ مَا خَلَقْتَ وَبَعْضُ الْفَوْعِ يَخْلُقُ شَيْءًا لَا يَخْلُقُ

یعنی تجھے ایسی قدرت اور طاقت حاصل ہے کہ جو بات تو اپنے ہی میں پھیرائے اُس کو پورا کرتا ہے
اور دوسرے لوگ کئی امور کے ارادے اور منصوبے کرتے ہیں۔ مگر ان کے پورا کرنے سے ناکام
رہتے ہیں اور اسی لحاظ سے لفظ خالق کو بعضے پر اطلاق کرتا اللہ تعالیٰ کے قول فَتَبَارَكَ اللَّهُ
اَحْسَنُ الْخَالِقِينَ میں صبح اور درست ہے یعنی خالقین یعنی مصدقین اور مقتدرین ہے۔ عرب اپنے
محاصیے میں کہتے ہیں قدرت اکابرہ و خلقتہ یعنی میں نے چمڑے کو مشکیزہ وغیرہ بنانے کے
لئے اندازہ کیا۔ مجاہد کا قول ہے بندے بھی صنعت کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ بھی صنعت کرتا ہے اور
اللہ تعالیٰ خیر الصانعین ہے۔ لیکن کا قول ہے کہ جملہ خالق کا معنی ہے صانع آدمی اور اسی طرح چند
عورتوں کو خانات یعنی صانات کہتے ہیں۔ متاقل کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ احسن الخالقین اُن لوگوں
سے جو ایسی تصاویر وغیرہ بناتے ہیں۔ جو بے حس و حرکت ہوتی ہیں فرمایا گیا۔ اور لفظ باری کا اطلاق
سوائے اللہ سبحانہ کے کسی پر درست نہیں۔ کیونکہ اسی نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور ہستی سے ہستی میں اُس کو
لایا ہے۔ اور بندے کی قدرت کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بندہ زیادہ سے زیادہ اتنا کر سکتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کی موجودات کی کسی صفت میں تصرف کرے اور اپنی قدرت کے مطابق ایک خاص
طور پر ہی مخلوق کو ایک سال سے دوسرے سال کی طرف منتقل کر دے۔ اور لفظ باری بَرِّئْتُ اَلْعَمَلِ
میں نے قلم کو قماش کر بنایا، شے شقی نہیں ہے کیونکہ یہ متعل ہے اور لفظ باری مہموز ہے اور بَرِّئْتُ
مِنْ اَلْعَمَلِ (میں مرض سے بچا ہوں) سے بھی اخذ نہیں کیونکہ یہ فعل لازم ہے اور لفظ باری متعدي
ہے اور ایسا ہی لفظ بدیع اور موجد کا اطلاق بھی اللہ سبحانہ کے سوا کسی پر درست نہیں کہ تو اللہ تعالیٰ

بَلَدِ يَوْمِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا) ابدل کا معنی یہ ہے کہ سوہنے
 مثال سابق کے کسی چیز کو پیدا کرنا اور بننے کو جبکہ وہ دین میں ایسی بات پیدا کرے کہ جو سنت کے
 خلاف ہو مسترد کیا جاتا ہے پھر جو اُس کا پیرو ہو اُس کو بھی مسترد کر دیتے ہیں۔ اور لفظ موجود اللہ سبحانہ
 کے اسماء میں ثابت ہے۔ اگرچہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا وہی ہے مگر اس لفظ کا اطلاق شرعاً ثابت
 نہیں ہوا البتہ واحد بمعنی غنی اللہ سبحانہ کے اسماء میں ثابت ہے اور لفظ موجود باب افعال کا اہم فاعل
 ہے۔ اُس کے معنی میں ایک شے کو موجود کرنا والا دوسرے کسی کو ٹپنی کرنے والا پس یہ جائز ہے۔ کہ جو شخص
 اپنا قدرت محمد کے ساتھ کوئی کام کرے تو اُسے کہا جائے کہ اُس نے اپنے مقصد پر کام کیا۔

بسیبہ صحابہ کے کہہ اپنے فعل کا فاعل اپنے عمل کا مائل اور اپنی صنعت کا صانع اور اپنے کام کا
 متجرب پیدا کنندہ ہے۔ گو یہ صفت متقل طور پر اسے حاصل نہیں ہے۔ اور اسی طرح لفظ مؤثر کا اطلاق
 اللہ سبحانہ کے اسماء میں ثابت نہیں ہوا۔ بندے کے فعل پر اثر اور تاثیر کا اطلاق پایا جاتا ہے لقولہ تعالیٰ
 اِنَّا خَلَقْنَاهُ حَبْلًا مَّوَدًّا وَنَكْتَبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ (بیشک ہم ہی مڑھوں کو بلا ٹینگے اور
 جو عمل اُنکے پیچھے ہیں اور جو آثار اُنکے درے پیچھے دیکھائیں) باقی رد جلتے ہیں ہم دسب کو لکھ رہے
 ہیں، ابن عباس کا قول ہے جو کچھ ضرورت کے آثار انہوں نے چھوڑے چونکہ بندوں کے اعمال اُنکی پیچھے
 سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا یہ اُنکے آثار ہوئے۔ حجب کی بات ہے۔ کہ متکلیف تاثیر اور مؤثر کا اطلاق
 اُس شخص کی نسبت تو ناجائز سمجھتے ہیں جبکہ نسبت قرآن کریم اور حدیث میں آچکا ہے۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ
 علیہ وسلم نے نبی سلمہ سے فرمایا کہ تم اپنے گدوں کو مست بدلو تمہارے آثار قدم لکھے جاتے ہیں۔ اور اُس
 ذات کے ساتھ اسکو خاص کرتے ہیں۔ پس پراس کا اطلاق کتاب اور سنت سے ثابت نہیں ہوتا۔ گو اللہ
 سبحانہ کی نسبت ایثار اور استیثار کا استعمال پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یوسف علی کے بھائیوں نے کہا لَقَدْ
 اٰتٰىكَ اللّٰهُ عِلْمًا وَكَيْدًا شَكَّ نَحْنُ كَوْمًا كَوْمًا لِّمَنْ يُّنْفِقُ لَكَ مِمَّا يَكْنِزُ لَكَ مِمَّا يَكْنِزُ لَكَ مِمَّا يَكْنِزُ لَكَ
 اللہ تعالیٰ کس چیز کا استیثار کرتا یعنی اُس کو پسند کرتا ہے اور کسی شاعر کا قول ہے

اِسْتَنْاَ اللّٰهُ بِالْاِنْبَاءِ وَرَبَّانِيْهِ وَوَلَّى الْمَلَامَةَ التَّوْحِيدَ

یعنی اللہ سبحانہ نے تمام انبیاء کو پسند کیا ہے اور جبکہ عافیر با تعبیل کا مصدر ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں
 اثرت فی کذا (جیسے فلاں چیز میں تاثیر کی) انا مؤثر (میں تاثیر کرنے والا ہوں) تو اس کا اطلاق شے
 پر بھی جائز ہے صحاح میں کہا ہے تاثیر کسی شے میں اثر کو باقی رکھنے کو کہتے ہیں۔ اور لفظ صانع اللہ
 سبحانہ کے اسماء میں ثابت نہیں ہوا۔ اور نہ اس کا اطلاق اللہ سبحانہ کی ذات پر درست ہو سکتا ہے کیونکہ

کیونکہ صانع کا معنی ہے کوئی چیز بنانے والا خواہ اس کے بنانے میں عامل ہو یا ظالم۔ سفیہ ہو حکیم اور اسی طرح جو حافظ
ایسے میں کہ اس کے معنی صرح اور ذمہ دو ہو سکتے ہیں۔ تو بغیر کز قید روح کے ائمہ سبحانہ پر وہ اطلاق نہیں کئے جاتے۔
جیسے فاعل۔ عامل صانع۔ مرید اور مستحکم کیونکہ ان کے معانی روح اور ذمہ دو ہو سکتے ہیں بخلاف ظالم۔
قادر۔ حی۔ سمیع۔ اور بصیر کے کہ ان میں ضرورت کا احتمال نہیں ہے۔ پھر غیر خدا جسے ائمہ علیہ وسلم نے بندہ سے
کو صانع ٹھہرا ہوا ہے۔ چنانچہ بخاری۔ سند کے ساتھ حدیث سے روایت کرتے ہیں۔ کہ پھر غیر خدا جسے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک صانع اور اس کی معصیت کو بناتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے
خود اپنے فعل پر صفت کا اطلاق فرمایا ہے۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى صُنْعُ اللَّهِ الْكَافِي الْقَوْلُ كُلُّ شَيْءٍ رُبَّ
بِشْرٍ اَللّٰهُ كَارِي كَرِي اِذَا هِيَ اِسْمٌ مَرِيضٌ كَوْسٌ بِحَسْبِ طَوْرٍ بِنَايَا هِيَ اِسْمٌ اَيْتٌ فِي لَفْظِ صُنْعٍ تَكْسِبُ
نَحْوِي كَيْ مَحَافِظُ مَنَعْنِي صُنْعٌ هِيَ۔ کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا قول دُرِّ الْيَمَانِ تَحْسَبُهَا
جَنَابًا وَدَّيْهَا تَحْمِلُ مَرْكَبًا لَهَا (اور اسے مخاطب) تو پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ ابھی
مگر جسے جوئے ہیں۔ (اور ہل نہیں سکتے مگر یہ قیامت کے دن یا دل کی طرح اڑے اڑے پھر بیٹھے)۔
صنعت پر دلالت کرتا ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ فعل محذوف کا مفعول یہ ہے یعنی انظر و استرشد
رضاء کی صفت کو دیکھو پہلی صورت میں لفظ صُنْعُ بمعنی مصدر ہو گا۔ اور دوسری صورت میں بمعنی صُنْعُ یعنی
اِم مفعول ہو گا۔ کیونکہ صنوع ہی کی طواف نظر کر سکتے اور اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور لفظ انشاء کے افعال پر
اطلاق اللہ سبحانہ کی ذات پر ثابت ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَبَدَّلْنِيُ الثَّغَابَ اِثْقَالَ
اِوَرٍ وَجَعَلْ بَابِلَونَ كَوْبَحَارٍ مَّا هِيَ (و قولہ تعالیٰ فَاَنْشَاْنَا كَا لَكُمُ يَوْمَ جَنَاتٍ (پھر اس بانی کے فیض
سے تمہارے باغ بنا کر ڈے گئے۔ و قولہ تعالیٰ وَنَشَأْنَا كُمْ فِیْمَا لَكُمْ اَنْفُسُوتِ (اور ایک اور مقام میں
جس کو تم نہیں جانتے تم کو بنا کر اکر رہے) اور قرآن مجید میں کہ جس کے انکی مثالیں موجود ہیں۔ اور اس کے ہم عامل۔
یعنی منشی کا اطلاق اللہ سبحانہ پر ثابت نہیں ہوتا۔ اور لفظ یعنی انشاء بندے پر ایک دوسرے لحاظ سے
بولا جاتا ہے یعنی کسی کام کے شروع کرنے کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ کہ بندے نے فلاں کام کو انشاء
یعنی شروع کیا جیسے اَنْشَاْنَا مُحَمَّدًا رَّسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِنا (اور اَنْشَاْنَا السَّيْرَةَ (سیر شروع کیا) اور
یوں بھی کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس کام کا منشی یعنی شروع کرنے والا ہے۔ مونس جو اللہ بندے کی صفت ذات
ہوتا ہے۔ کہ کسی فعل کے ساتھ متعید اور مخصوص ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ مطلق اور یہ لفظ
بے نیاز یعنی از سر زمید کرنا آتا ہے جیسے اَنْشَاْنَاكَ اللَّهُ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت کو پہلایا۔ اور
اَنْشَاْنَا يَفْعَلُ كَذَا۔ اس شخص نے فلاں کام کو نئے سرے سے شروع کیا۔ اور فَلَانٌ يَنْشِئُ الْاَكْحَادَ وَنِيقَ۔

یعنی فلاں شخص سترے سے حدیثیں لیا باتیں بنا رہا ہے۔ ناشی اس بادل کو کہتے ہیں۔ جو پہلے
 پیدا اور نمودار ہو۔ جو ہری نے کہا ہے ناشئہ اللیل رات کی چلی ساعت کو کہتے ہیں۔ جس کو تپوں بہت سے
 سلف سے یہی معنی ہے میں ناشئہ اللیل اول شب کہتے ہیں۔ کہ جس سے۔ یہ رات پیدا ہوتی ہے اور صبح معنی یہ
 ہیں۔ ناشئہ اللیل رات کی پہلی ساعت کے ساتھ خاص ہیں۔ بلکہ ایک ساعت کو ناشئہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ
 نیکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔ جب ایک گزر جاتی ہے تو دوسری پیدا ہوتی ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے
 کہ ناشئہ اللیل رات کی تمام ساعات اور اس کے جملہ اوقات کو کہتے ہیں۔ کہ یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔ ترحاج
 کا قول ہے کہ ناشئہ اللیل رات کے ہر ایک حصہ کو جو پیدا ہو چکا ہو کہہ سکتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے ناشئہ لیل
 رات کے اوقات اور ساعتیں ہیں۔ اور یہ لفظ ناشئہ بمعنی یکے بعد دیگرے پیدا ہونے سے لیا گیا ہے صاحب
 صحاح کا قول بہت سے سلف سے منقول ہے۔ علی بن جمین کا قول ہے کہ ناشئہ لیل وہ وقت ہے
 جو مرتبے عشائک ہے۔ اور انس بن ثابت۔ سعید بن جبیر۔ ضحاک کا بھی یہی قول ہے اور کسائی نے بھی
 اسی کو پسند کیا ہے ان لوگوں نے ناشئہ میں تولیت کے معنی کو ملحوظ رکھا ہے اور بعض کا یہ قول ہے۔ کہ
 تمام رات ناشئہ ہے۔ عکرمہ۔ ابو جہلو۔ مجاہد۔ سعدی۔ ابن الزبیر اور ایک روایت میں ابن عباس کا بھی یہی
 قول ہے ابن ابی ملیکہ نے کہا ہے میں نے ابن الزبیر اور ابن عباس سے ناشئہ اللیل کے معنی کی بہت
 سال کیا۔ تو ان دونوں نے کہا کہ ناشئہ اللیل تمام رات کو کہتے غرض یہ ان لوگوں کے اقوال ہیں۔ جو
 ناشئہ لیل کو زمان اور ظرف کہتے ہیں۔ اور جو لوگ ناشئہ اللیل اس کام کہتے ہیں۔ جو رات میں
 پیدا ہو نہیں لفظ ناشئہ قرآن کریم میں ہے۔ ان کے نزدیک بمعنی قیام شب ہے۔ ابن سعد و معاویہ بن قزو
 اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ اور ایک دوسری جماعت جس میں حضرت عائشہ بھی ہیں یہ کہتی ہے
 کہ ناشئہ اللیل خاص اس قیام شب کا نام ہے۔ جس کے پہلے آدمی سو چکا ہو۔ ابن اعرابی کا بھی یہی قول ہے
 پہلے وہ قول کے مطابق ناشئہ لیل میں اضافت بیانہ یعنی اضافت نوع بسوئے جنس ہوگی۔ اور آخری
 قول پر اضافت بمعنی فی ہوگی۔ اور ناشئہ اللیل بمعنی عبادت شب ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ انشاء بمعنی پیدا
 کرنا ہے۔ خود اس کے لئے پہلے مثال موجود ہو جیسے نشاء ثانیہ یا اس کے لئے مثال سابق و جود نہ ہو
 جیسے نشاء لیل۔ اور لفظ جعل اللہ جہاد پر دہش کے ساتھ اطلاق کیا گیا ہے۔ اہل یعنی ایجاد و خلق۔
 دم بمعنی تخریب یعنی کسی چیز کو کسی صفت کے ساتھ موصوف کرنا۔ پہلے معنی کی صحت میں ایک مفعول کی
 طرف متعدی ہوتا ہے کقولہ تعالیٰ وَجَعَلَ الْفُلُكُمَاتِ وَالْكَوْمَرِ (اور اندھیرے بنائے وہ نیز جہان نام
 اور دوسرے معنی کی صورت میں اکثر مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ لفظ لعل لای ایا جَعَلْنَا قُرْآنًا

عَمَّ يَتَّبِعُوا اِمْ اِهْم۔ ہم نے اس کو صاف اس میں عرفی زبان کا، قرآن بتایا ہے اور یہ لفظ غیبی ہے ہر طرف سے مسمیٰ
 کے لفظ سے بول گیا ہے کہ لہذا وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِثْلَ خَلْقِهِ سُبْحَانَ الَّذِي اَعْلَمُ نَصِيْبًا (اور
 یہ کافر خدا کی پیدا کی، قیامتی اور اسی کے پیدا کئے ہوئے) چہ پادیں اس اند کا جس ایک حصہ
 ٹھیکہ تھے ہیں اور کفر تمام ٹھیکہ کرنے یا اعتقاد کرنے کے موقع میں بننے پر بول گیا ہے جہاں عجول کے
 پیدا کرنے میں اس کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کفر تو نے رَجَعُوا الْمَدَّةَ لِكَلِّهِ الْاَيُّنْ هُمْ عِبَادُكَ خَلْقُونَ
 اِنَّمَا ثَمَّ اَوْبَانِ وگوں نے فرستیں کہ وہ (بھی اور مخلوقات کی طرح خدا سے) رحمن کے بننے ہیں۔
 عورت ذات قرار سے رکھا ہے۔ وَقَدْ قَرَأْتُمْ قُلُوبُكُمْ مَا اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّزْقٍ
 فَيُخَالِطُهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِغَيْرِ اِذْنٍ اَلَمْ تَرَ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ رِجَالًا مِّنْ قَبْلُ
 تَنبَأُ رِی۔ اہم تم نے انہیں سے (بعض کو) حرام اور بعض کو حلال ٹھیکہ کیا اور یہ ایک مفعول کی طرف اشارہ
 ہوتا ہے اور اس کو جعل اعتقاد اور سمیہ کہتے ہیں۔ اور انہوں نے عمل کا اطلاق بننے پر کثرت سے ثابت ہو
 جیسے بَشَرٌ مَّا كَانُوا يَلْعَلُونَ (البتہ بنے جو کچھ وہ نہ تھے تھے) اور بَشَرٌ مَّا كَانُوا يَلْعَلُونَ۔
 (البتہ بنے جو کچھ وہ نہ تھے) اور بَشَرٌ مَّا كَانُوا يَلْعَلُونَ (بیشیہ) جیسے عمل تم کرتے تھے اور یہ لفظ اللہ
 سبحانہ پر فعل اور اسم دو صورتوں میں اطلاق کئے گئے ہیں۔ اِنل جیسے وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ (خدا
 چاہتا ہے کرتا ہے) دوم جیسے قُلْ اَلَمْ يَرْسِدْ رَجُلًا مَّا كَانُوا يَلْعَلُونَ (اور وَكُنَّا فَا عِلِّينَ جو قرآن کریم
 میں دو جگہ فرمایا ہے۔ ایک تو آیت وَنَحْنُ ذَاوُ الْعِجَالِ يَسْتَعْجِلْنَ الْاُطْيُو وَكُنَّا فَا عِلِّينَ۔
 (اور ہم نے پہاڑوں کو دو دو کے تابع کر دیا تھا۔ دُنَا كَسْرًا رَسَاةً رَسَاةً فَذَا اِلَیْهِمْ وَتَقْدِیْسٍ) کرتے اور وہی
 طرح پرندوں کو بھی اُن کا تابع کر دیا تھا) اور ہم تمام مطلق ہیں ایسے ایسے عجائبات کیا ہی کرتے ہیں ہیں
 اور دوسری آیت بَوْمَ نَقُودِ السَّمَاءَ كُفًی السَّجْدِ لِمَا بَیْ اَنَا اَوَّلُ خَلْقٍ نَّعِيدُكُمْ وَنَعْلَمُ اَعْلَمُ
 اِنَّا كُنَّا فَا عِلِّیْنَ (یہ وہ دن ہو گا جب کہ ہم آسمان کو طرح پلٹیں گے جیسے خطوں کا کتب لپیٹ لیا جاتا
 ہے۔ اور جس طرح ہم نے اول ربا مخلوقات کو پیدا کیا تھا۔ اسی طرح ان کو دوبارہ بھی پیدا کریں گے) یہ ایک
 وعدہ ہے جس کا پورا کرنا ہم نے اپنی ذات پر لازم کر لیا ہے اور ہم اس کو ضرور کے رہیں گے) میں۔ اِنَّا كُنَّا
 کے قول وَكُنَّا فَا عِلِّیْنَ کو ان دونوں مقام میں سوچنا چاہئے کہ ان دونوں مقام میں اس صفت عجیب کا بیان
 ہے جو طاعت بطور سے خارج ہے اور یہ جملہ اس کی دلیل ہے اور نیز اس۔ عین ملام ہوتا ہے۔ کہ
 اس فاعل حقیقی کے نزدیک کوئی کام دشوار نہیں۔ جیسے کہ اس عالم الغیب پر کوئی گھٹی اور بھی بات غیبی نہیں
 اور نیز اس فاعل الغیب کی بارگاہ میں گناہوں کا بخشا کوئی بڑی بات نہیں۔ جیسے کہ اس رزاق عباد پر ہر چیز

کو روزی پہنچانا کوئی شکل نہیں۔ زجاج نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے کہ کُنَّا فاعِلین کا یہ معنی ہے کہ ہم جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں +

اٹھارہ حوالہ باب

قضا و قدر اور کس کے بارے میں ضمیوع اور اس فعل کے بیان اور اس فعل کے ذکر میں

اس بات کی پوری تشریح اور اس کے معنی کی تحقیق نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے قدر و جبر کے بہت سے وہ شے حل ہو جاتے ہیں۔ جو اٹھو بے بھی کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ معلوم کرنا چاہئے کہ اللہ سبحانہ کی ذات فاعل ہے اور وہ منفعِل نہیں ہو سکتی۔ اور بندہ فاعل اور منفعِل یعنی ان دونوں صفتوں کے ساتھ وصف ہو سکتا ہے۔ مگر وہ فاعل ہونے کی حالت میں بھی اس فاعل حقیقی سے منفعِل ہوتا ہے۔ جو ہر طرح انفعال کی صفت سے پاک ہے۔ پس فرقہ جبر یہ نے بندے کی حالت انفعال کو لحاظ کر کے اس کو فاعلیت سے خارج کر دیا۔ اور ایک آلہ اور واسطہ فعل کے قائم مقام ٹھہرایا اور بندے کی حرکت کو درختوں کی حرکت کے مشابہ بنایا۔ اور بندے کو محض مجاز کے طور پر فاعل شمار کیا ہے۔ اور اس کے خیال میں کھانا پینے اٹھنے بیٹھنے نماز و روزہ ادا کرنے اور بیماریا پڑنے اور مرنے میں کوئی فرق نہیں بلکہ سب یکساں ہیں۔ کہ بندہ ان میں محض منفعِل ہے۔ اس کے خلاف قدریہ نے بندے کی صفت فاعلیت کو لحاظ کیا۔ اور اس کے منفعِل ہونے کی وصف کو نظر انداز کر دیا۔ ان دونوں گروہ نے ایک ایک کو بند کر لیا۔ اور صرف ایک ایک سے دیکھا۔ پس بندے کی دو صفتوں فاعلیت و منفعلیت میں سے ایک کو تو دیکھ لیا۔ اور دوسری سے غافل رہا اور اہل علم و اعتدال یعنی اہل سنت نے دونوں صفتوں کو لحاظ کیا۔ اور ایک کی وجہ سے دوسری کا انکار نہیں کیا۔ پس انکی نظر صحیح ہوئی اور تقدیر اور شریعت کو انہوں نے اپنے موقع پر رکھا اور بندے کو ثواب و عقاب کا حق ٹھہرایا۔ مثلاً بندے کے لئے صفت نطق حقیقہ ثابت ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے لئے صفت انطاق حقیقہ ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَقَالُوا لِمَ لَا يَنْزِلُ إِلَيْنَا آيَاتٌ ۚ لَقَدْ عَلِمْنَا أَنَّا لَا نُفْقِدُ إِلَهُ الَّذِي أَتَيْنَاكَ مِنْ شَيْءٍ (اور یہ لوگ اپنے دگشت پرست سے پوچھیں گے کہ بھلا تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی ہوگی۔ وہ جواب دینگے کہ جس (مذہب) نے ہر چیز کو گویا کیا ہے اسی نے ہم کو بھی اپنی قدرت سے گویا کیا، پس انطاق اللہ سبحانہ کا وہ فعل ہے جس کو معطل قرار دینا جائز نہیں۔ اور نطق

بنسے کا فعل ہے جس کا انکار درست نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے دُورِیْبُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ
 اِنَّكَ لَمِّنْ مِّنْ مَّالِكِمْ دَنِّیْلَقُوْن (تو آسمان و زمین کے پروردگار کی تمام کیمہ و قرآن) بحق و کلام الہی
 ہے یہی طرح کہ تم کلام کہتے ہو، اس سے معلوم ہوا کہ ناطق ہونا بندوں کی حقیقی صفت ہے۔ یہاں تک کہ
 اللہ سبحانہ نے دوسری چیز کے وقوع کے حقیقت کو اس سے تشبیہ دی ہے اور اس کا وقوع حقیقی ہے نہ مجازی
 اور جو شخص دیکھے کہ بھانڈا ناطق قرار دیتا ہے تو اس کے نزدیک اس تشبیہ سے شبہ کا وجود حقیقی ثابت نہ ہوگا۔
 بلکہ جیسا کہ نطق مجازی ہے اسی طرح اس چیز کا وقوع بھی مجازی ہوگا اور یہ باطل ہے کیونکہ اس کا وقوع حقیقی
 ہے۔ اور اس آیت کے موافق اور مودیدہ دوسری آیت ہے اِنَّكَ هُوَ اَقْنٰی لَكَ وَ اَنْبٰی (اور یہ کہ وہی ہدایت
 اور دلالت ہے) پس اللہ سبحانہ حقیقتہً بندے کو ہنسٹانے اور دولاٹنے والا ہے اور بندہ حقیقتہً ہنسٹانے اور دولاٹنے
 کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَذُكِّرْتُمْ كَوْنًا قَلْبًا وَ اَلْبَسْتُكُمْ اَلْبَاسًا
 وَ اَوَّلَیْكُمْ هُوَ كَالْمِیْءِ الْغَیْرِ (تو کیا تم لوگ) اس بات سے تعجب کرتے ہو اور دنیا مت کا ذکر سن
 کر چستے ہو اور تم کو رونانا نہیں آتا پس اگر اللہ تعالیٰ جو ناطق کرنے اور ہنسٹانے اور دولاٹنے کی صفت سے
 موصوف ہے اگر حقیقتہً منطق یا حیوانک اور بیک نہ ہو تو بندہ ضاحک بالی اور ناطق نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی
 بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے تو اسے اللہ سبحانہ اُن باتوں کے نطق پر قادر کرتا ہے۔ جو اس کو پسند اور محبوب
 ہیں۔ اور پھر اُن پر ہنسٹانے کا عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی بندہ اس کی بارگاہ میں مغضوب ہوتا ہے۔ تو
 اسے اُن باتوں کے کرنے پر قدرت ہوتی ہے۔ جو اللہ سبحانہ کو ناپسند ہیں۔ اور پھر اُن پر ہنسٹانے کا عذاب ہوتا
 ہے۔ مگر اس میں کچھ فرق نہیں کہ وہ نہ کو گویا نے والا اللہ سبحانہ ہے اور نہ وہ نہیں سے ہر ایک کی زبان
 پر جو کلمات پسندیدہ یا ناپسندیدہ جاری کئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی نے جاری کئے ہیں۔ جیسے کسی کے دل
 پر اللہ سبحانہ وہ باتیں جاری کرتا ہے۔ جو اس کے پسند کا باعث ہوتی ہیں۔ اور کسی کے قلب پر وہ باتیں
 لاتا ہے۔ جو اس کے رونے کا سبب بنتی ہیں۔ اور آیت اَلَّذِیْ یَسْتَبِیْہُ کُمِّنِ الْاَلْبَیْہِ الْبَیْہِ (وہی
 خدا تو ہے جو تم لوگوں کو غفلت اور تری میں لئے لئے پھرتا ہے) اور قُلْ یٰسَیِّدُوْا فِی الْاَلَمٰیْنِ (اے سربراہین
 ان دو گوں سے) کہہ کہ تم میں چلو پھرو اسی مضمون پر دلالت کرتی ہیں۔ تیسرے جملے اللہ سبحانہ کا فعل
 حقیقی ہے۔ اور سب سے پہلے کا فعل اور اس کی صفت حقیقی ہے تیسرے تو محض فعل ہے اور یہ میں فعل اور انفعال
 دونوں سے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول فَکَلِمًا قَضٰی زَیْنًا وَ مَنَہَا ظُہْرًا وَ جَنَّا کَلِمًا (پھر جب زین
 عورت سے بے تعلقی کر چکا یعنی طلاق سے دی اور جدت کی مدت پوری ہو گئی۔ تو ہم نے تمہارے ساتھ

اس دعوت کا نکاح کر دیا، اسی کا موید ہے۔ اللہ سبحانہ مزوج نکاح کرینے والا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
 متزوج نکاح کنندہ ہیں۔ اور اسی طرح قَدْ وَجَّاهُمْ لِحُورٍ عَجَوبٍ (ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کو
 انکی زوجیت میں دینگے) بھی اُس کے موافق ہے۔ یعنی اللہ تو مزوج اور عجبوں مزوج ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے
 اپنے اس قول قَدْ وَجَّاهُمْ لِحُورٍ عَجَوبٍ کو تفسیر فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو عجبوں کو نکاح کرے گا وہ انکی
 زوجیت میں دے گا۔ اور اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کا فعل ان کے فعل کے بعد
 ہوتا ہے یعنی جب کفار کے دل پہلے ٹیڑھے ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انکو ٹیڑھا کر دیا۔ اور اس سے یہ
 سمجھا جاتا ہے کہ از اغت یا ٹیڑھا کرنے کے بعد میں متعلق نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ
 اللہ تعالیٰ انکے دلوں کے ٹیڑھا ہونے کا حکم کر دیا۔ یہ کہ انکو ٹیڑھا کر دیا کیونکہ ٹیڑھے تو وہ خود ہو گئے تھے
 علیٰ ہذا القیاس اَلْطَّعْنَانِ اللہ کا یہ منی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آئے نطق پید کیا اور اسی طرح اَلْطَّعْنَانِ
 اور آجی کا مطلب بھی یہی ہو گا۔ کہ ہمارے واسطے اگر شک و شکا بنایا تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ
 وہ از اغت ہو کفار کے فعل زین کے بعد وقوع میں آئی ہے۔ یہ اس از اغت کے علاوہ ہے جس پر اُن کا
 فعل زین مترقیب اور مضار ہوا۔ اور یہ دوسری از اغت اُن کے فعل زین کی سزا و عقوبت کے طور پر ظہور
 میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے بدیہی سزا اُنسی کی مثل سے دینا اور نیکی یا بدیہی عطا فرماتا ہے پس اس
 از اغت ثانیہ سے کفار کے دلوں میں زمین اول کے سوا ایک دوسرا نفع پیدا ہو گیا۔ غرض اُن کے
 دل ٹیڑھے ہوئے ہیں اور نے اُن کو انکے زین کی سزا دی کہ انکی کجی پر امد کجی بڑھا دی۔ پھر اگر کوئی
 یہ شبہ پیش کرے کہ زین اول کفار کا فعل ہے۔ اور فعل اللہ تعالیٰ نے بدوں سزائے انکے فعل سابق کے
 اُن میں پیدا کیا ہے۔ اور نہ اگر ہر فعل کا سزا و عقوبت اور سزا کے بعد پیدا کرنا سمجھا جائے۔ تو اس طرح تسلسل
 لازم آئے گا۔ جو محال ہے۔ تو اس سبب کا جواب یہ ہے کہ زین اول انکے ایمان اور تصدیق کے ترک کرنے
 کی سزا میں واقع ہوا۔ یہ ترک ایک مدعی امر ہے۔ جو تاثیر فاعل کو نہیں چاہتا۔ کیونکہ تاثیر فاعل وجود میں آتا
 کرتی ہے نہ عدم میں۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اس ترک مدعی کا بھی کوئی سبب ہوتا ہے یا اُس کا کوئی
 سبب نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُس کی جند کے سبب کا نہ ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے۔ پس اپنے

ملنے ایک سبب یا سبب ہی ہو جائیگا جس کی کوئی نارت نہ ہوگی۔ جبکہ سبب کی اصطلاح میں وجہ اور غیر مشابہت بالفضل وغیرہ ہوتے ہیں۔

اسی عزم پر رہی۔ اور اللہ تعالیٰ نے کا قوس نہ لکھو کہ اَلَّذِينَ سَوَّاهُ اللَّهُ وَآتَاهُمُ الْفَتْحَ هُمْ اَوَّلُ الْوَسْلِ
 جیسے نبردیں جنہوں نے خدا کو بچھا دیا۔ تو خدا نے انکی ایسی ہیست ماری کہ بچنے آپ کو بھی بھول گئے،
 اسی کے مشابہت سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھولا یا تھا۔ انکو خود انکی
 ذات اور جو تک بھی بھولا دیا۔ پس وہ اپنے مصائب کو عمل میں لانا اور محاسب کی دوستی اور مدارج کا حاصل
 کرنا بھول گئے۔ سب سے زیادہ نافع اور مفید کام انکے لئے یہ تھا کہ وہ اپنے رب اور خالق کو یاد کرتے۔ نہ تہ
 ناسخ کی یاد۔ اسکی محبت۔ اطاعت اور اسکی طرف توجہ کرنے اور اسو سے منہ پھیرنے جیسی کوئی نعمت
 اور نفوس کے لئے اس بے بسی کوئی چیز باعث خوشی نہیں ہو سکتی۔ اور صلاح و فلاح اور نجات کا دار و مدار ہی
 پر ہے۔ مگر کفار جب خدا کو بھول گئے۔ تو اس نے یہ سب چیزیں انہیں نبھلا دیں۔ اور پہلے نیاں لے
 باعث ان کے لئے ایک وہ سرانیاں پیدا ہو گیا۔ اور جو لوگ خدا کو نہ بخو۔ لے بلکہ اس کو یاد کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے
 نے ان کو ان کے مصائب یاد دلادے۔ سو وہ انکو عمل میں لائے۔ اور انکے معائب پر انکو مطلع کر دیا۔ پس
 انہوں نے انکی اصلاح کر لی۔ اور ان کو اپنے مدارج و خطوط حاصل کرنے کی طرف راہ نائی فرمائی۔ سو
 انہوں نے انکے حاصل کرنے میں کوشش اور سعی کی غرض کفار کو تو انکے نسیان کی یہ سزا دی کہ انکو ایمان
 اپنی محبت۔ ذکر و شکر سب کچھ بھولا دیا۔ اور جب انکے دل ان چیزوں سے خالی ہو گئے۔ تو انکی بجائے
 انکی ضداد کفر و غیرہ انکے دلوں میں جاگزین ہوئے۔ اور اس سے انکے لئے کفر اور ذنوب کے مقدر
 کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کمال عدل نظر ہوتا ہے۔ اور جب انکے لئے کفر و ذنوب کا عدل ہوتا۔ تو
 ان کے واسطے عذاب کا مقدر کرنا تو نہایت کمال درجہ کا عدل ثابت ہوا۔ اسی واسطے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ
 کے بلے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ اور اسکی قضاء اس کے حق میں عادل ہے۔ اور بندے کی نسبت اللہ تعالیٰ
 کی قضاء و تقدیر دو قسم پہ ہے ایک سبب کا مقدر کرنا۔ دوسرے سبب کا۔ اور ہر ایک میں اللہ تعالیٰ کا کمال
 عدل پایا جاتا ہے۔ مثلاً جب بندے نے خدا کی یاد اور ان کاموں کو چھوڑ دیا۔ جو اس کو محبوب و پسندیدہ
 ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے بندے کو یہ سزا دی کہ اس کی ہاں کا نفع و نقصان بھولا دیا۔ اور یہ نسیان
 اس کے لئے ان نگاہوں بھولائیوں کے کرنے کا سبب بنا جو اس کے لئے مقدر ہو چکے تھے۔ اور
 وہ تقدیر عین انصاف ثابت ہوئے۔ اور جب وہ معاصی اور ذنوب کا مرتکب ہوا تو اس پر اس کے
 لئے طبع طرح کے عذاب کی تکلیفیں قرار پائیں۔ مگر ان تکالیف کا سبب وہی اس کے گناہ اور معاصی ہیں۔
 پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ محض عدل ہے۔ غرض جتنے کی نسبت اول اور آخر یہاں میں اللہ تعالیٰ
 کا کمال عدل پایا جاتا ہے۔ اور یہ عدل اس کا احسان ہے اور اس کی وجہ سے محمود ہے۔ اور ہر شخص

سمجھانا اللہ سبحانہ کا فعل ہے اور فہم یعنی سمجھنا اس آیت میں اللہ کے نبی علیہ السلام کا کام اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا قول وَعَلَّمْنَاکَ مِمَّنْ لَدُنَّا عَلَیْمًا یعنی ہم نے اسکو اپنے پاس سے علم سکھلایا پس تعلیم اسی طرح تیسیر یعنی چلانا اللہ سبحانہ کی صفت ہے اور سیکھنا اور چلنا بندے کا کام ہے۔ اور مطب اور فہوم کے لحاظ سے نام افعال کی نسبت یہ انداز صحیح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو فعل جملہ افعال بتاتے ہیں۔ کہ بعض افعال کی نسبت لغت کے دوسرے ایسا صحیح نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَجَعَلْنَاھُمْ آئِمَّةً یُّہْدَوْنَ بِکَیْمُونَا (اور ہم نے ان کو (دلوں) کا پیشوا بنایا کہ ہم سے حکم ہے) (انکو ہدایت کرتے تھے) (دوسرے مقام میں فرمایا ہے) وَجَعَلْنَاھُمْ آئِمَّةً یُّدْعَوْنَ اِلَی النَّارِ (اور ہم نے ان کو سردار (تو) کیا دیگر ایسے سے سردار کہ) (جبہ) نکس دنیا میں ہے (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں) پس اللہ سبحانہ نے آئمہ ہدایت بنائے ہیں۔ جو اس کے نام سے لوگوں کو خیر اور برکت کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ اور اسی نے آئمہ ضلال بنائے ہیں۔ جو لوگوں کو گمراہی اور بدعات اور دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ غرض بعض افعال کی نسبت تو لغت کے دوسرے ایسا کہنا صحیح نہیں جیسے: وَجَعَلْنَاکَ کَلِمَةً یُنْفَخُ بِہَا دُھَانٌ (اور بعض کی نسبت صحیح ہے۔ جیسے اَنْطَقَ فَنُطْقًا اور اسی طرح اھْدَاکَ بِاَمْرٍ اور اَدْعَاکَ اِلَی النَّارِ کہنا صحیح نہیں۔ اور یوں کہنا صحیح ہے وَجَعَلْنَاکَ یٰھٰدِیْ یَا مِرَّةً اَوْ یَبْنَ عَوَالِی النَّارِ یعنی اللہ نے تجھے کو ہادی الی الخیر یا اُسے داعی الی النار بنا دیا اگر کوئی پیشبر پیش کرے۔ کہ تمہارے نزدیک یہ کہنا درست ہے کہ مرد و عورت جو آپس میں زنا کرتے ہیں۔ تو یہ کام ان سے اللہ تعالیٰ نے کراتا ہے۔ اور دہی اذیہ دو نور کو اس کام کے لئے اٹھا کرتا اور ایک کو دوسرے کی طرف پہنچاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر و کثرت ایسے الفاظ جملہ کی و بہ سے جن کا مطلب حق و باطل دونوں طرح ہو سکتا ہے غلطی میں پڑے ہیں۔ پس جو شخص ان کا صحیح مطلب ارادہ کرتا ہے تو وہ شخص یقیناً ان کا غلط اور باطل مطلب جنی سمجھتا ہے۔ اس پر انکار کرتا اور اس کی نزدیک کرنے لگتا ہے۔ اگر سمجھدار آدمی اس امر کو غور سے دیکھیں گا۔ تو اس کو عجیب و غریب امر علمی معلوم ہو جائیگا۔ اور جس بلا میں اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ اس سے بچ جائیگا۔ خاصہ جواب یہ ہے کہ یَحْتَلُّ جَوَالِقَہُ کی طرف منسوب و قوم پر ہے۔ ایک پندیدہ اور محبوب چیزوں کا جھٹل اور بنا نا ہے اور دوسرا وہ جعل ہے یعنی قصاص و قہر ہے جعل اول کی مثال یہ ہے مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ خَیْرِ شَیْءٍ وَ لَا سَآئِیَۃٍ وَ لَا کَآفٍ وَ صِیْلَۃٍ وَ لَا حَیْۃٍ (خود تو) بھیر اور نہ ساتیہ اور نہ وہیلہ اور نہ حام (ان میں سے) کوئی چیز خدا نے نہیں بنائی) پس اس مقام میں جعل شرعی اور دینی کی نفی فرمائی ہے یعنی اللہ سبحانہ نے ان چیزوں

کہ مشروع نہیں کیا اور نہ ان کا حکم دیا اور نہ یہ چیزیں اُسے محبوب و پسندیدہ ہیں چبل و دم کی مثال یہ ہے۔
 وَجَعَلْنَا هَذِهِ آيَةً لِلَّذِينَ يَتَذَكَّرُونَ إِلَى النَّارِ (اور ہم نے ان کو سردار و توحید کیا دگر ایسے بڑے سردار)
 کہ وجہ تک دنیا میں ہے لوگوں کو دور رخ کی طرف بلا تے رہے اس آیت میں چبل کوئی اور تفسیری
 مراد ہے یعنی ہم نے کفار کے لئے آئے ضلال ہونا کہ لوگوں کو دور رخ کی طرف بلائیے سفید کیا۔ اور قضا و قضا
 میں اُن کے لئے یہ ثابت ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کس بندے کو امام و ملامت بنانا کہ وہ لوگوں کو دور رخ
 کی طرف بلائے۔ زانی۔ سارق۔ قاتل وغیرہ جتنے سے کچھ کم نہیں۔ بلکہ اُس سے زیادہ ہے۔ غرض لفظ
 چبل جو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے یہ ایک نیک لفظ ہے۔ اگر اس سے یہ مراد لیا جائے۔
 کہ اللہ تھا۔ بے بندے کو کسی فعل کا فاعل یہی معنی بناتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس کا ہم پر اُس بندے کو
 بے درگزر ہے جس سے وہ فعل بلا اختیار اضطرار اُس بندے کے لئے صادر ہوتا ہے۔ تو یہ معنی تو بالکل
 غلط ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کی نسبت ایسا خیال کرنا محال اور باطل ہے اور جیسا کہ پہلے
 بیان ہو چکا ہے اُس کے صفات کمال کے مخالف ہے اور اگر یہ مطلب ہو کہ اللہ سبحانہ نے بندے کو
 اس کے افعال پر بدوں کسی قسم کے اکراہ و اجبار کے تیار کرتا اور ہر اُس کے صدور کے لئے وہی
 قوت و قدرت دیتا ہے تو یہ صحیح اور درست ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ ہم یہ پوچھتے ہیں۔
 کہ گناہوں اور معاصی کا موجد اور انکو عدم سے وجود میں لانے والا کون ہے۔ بندہ یا کہ اللہ سبحانہ۔
 تو اس شخص کا جواب یہ ہے کہ معاصی کا موجد اور انکو عدم سے وجود میں لانے والا وہی شخص ہے۔
 جو ان کا فاعل ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو اُن کے سادہ کرنے پر بغیر کسی قسم کے اکراہ و اجبار کے
 قوت دیتا ہے۔ اب یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ معاصی کا خالق کون ہے۔ خود بندہ ہے یا کہ اللہ تعالیٰ
 تو ہم اس پر یہ سوال کریں گے۔ کہ تم یہ بتاؤ۔ کہ ان کا فاعل کون ہے۔ اگر تم معاصی اور گناہوں کا فاعل اللہ سبحانہ
 تو قرار دیتے ہو۔ تو یہ بات عقل فطرت اور تمام آسمانی کتابوں اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت اور تعلیم کے خلاف
 اور تیز اللہ سبحانہ کی صفت اور حمد اور دیگر صفات کمال کے مخالف ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کے تمام افعال خیر ہیں
 اور وہ کسی قسم کے شر کا فاعل ہرگز نہیں۔ اسکی ذات شر سے پاک اور منزہ ہے پس شر اس کی طرف منسوب
 نہیں ہو سکتی۔ اور اسکی طرف نفس غیر منسوب ہے۔ وہ خیر ہی کا ارادہ کرتا اور خیر ہی کو ظہور میں لاتا ہے
 اگر وہ چاہے تو شر کو بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اُس کی ذات پاک شر کے کرنے بلکہ اس کے ارادے اور نیت
 سے بھی منزہ و مقدس ہے جیسے کہ وہ شر کے وصف کے ساتھ موصوف ہونے اور ایسے اسما کے ساتھ موسوم
 ہونے سے پاک و منزہ ہے۔ اسی طرح وہ شر کے کرنے سے بھی پاک اور منزہ ہے۔

اور اگر تم یہ کہو کہ معاصی اور گناہوں کا قائل بندہ ہے۔ مگر اللہ نے انکے گناہ پر اسے قدرت دی ہے۔ اور ان نے گناہ کرنے کا ارادہ اور مشیت اسی میں پیدا کیا ہے۔ تو ہم یہ جواب دینگے۔ کہ اس طور پر بندے کے افعال کا خالق اللہ سبحانہ ہے۔ اور اگر فرقہ جبر یہ اپنے مقابل فرقہ قدریہ کے جواب کے لئے اس طرز کو اختیار کرتا تو اس کو یہی آرام ہوتا اور دوسرے کو بھی راحت پہنچتی اور ہر طرح فرقہ قدریہ جبر یہ کے جواب کے لئے اگر اس پہلو کو نیتا تو دونوں کو دولت ہوتی۔ لیکن دونوں فرقوں نے سیدھے راستے کو چھوڑ دیا۔ اور دونوں میں بہت بڑا اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور شاعر کے اس شعر کا مصداق سمجھئے۔

مَنَارَاتُ مَسْئَرٍ قَلْبًا ذَرَّتْ مَغْرِبًا مَقْشَاتُ بَيْنِ مَسْئَرِي وَ مَغْرِبِ

یعنی میری محبوبہ شرق کی طرف۔ وہ نہ ہوئی اور میں مغرب کو چلا۔ سو شرق اور مغرب (دو مختلف جہتوں) کی طرف چلنے والوں کے درمیان بہت بعد اور نہایت دوری واقع ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی یہ تفہار کرے کہ بند گناہوں اور معاصی کے کرنے سے جبکہ وہ گناہ یا انکے اسباب موجب یعنی جن کے وجود سے موجب کا وجود ضروری ہوتا ہے اس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں نہ ہو سکتا۔ اور ان سے باز آسکتا ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سوال کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ سائل کا مطلب یہ ہو کہ بندہ اس صورت میں کہ جب گناہ یا انکے اسباب موجب اس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں گناہوں کے کرنے میں مجبور اور مضطر ہو جاتا ہے۔ اور انکے صدور میں اس لئے کوئی اختیار و ارادہ باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ اس کی حرکت کو حرکت بالارادہ نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ اس کی حرکت اس وقت حرکت قسہ یہ ہو جاتی ہے۔ دوم یہ کہ بندے کے ارادہ اختیار اور قدرت کو اس کے صدور میں کچھ دخل ہوتا ہے۔ یا محض اللہ تعالیٰ قدرت و مشیت سے ان کا صدور ہوتا ہے۔ اور وہی ان کا سبب موجب ہوتا ہے۔ پس اگر پہلی صورت کی بنا پر سوال کیا جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بندے کو گناہ ہونے کرنے اور نہ کرنے دونوں پر قدرت ہے اور وہ انکے یا ان کے اسباب کے غلو ق ہونے کی وجہ سے انکے کرنے پر مجبور و مضطر نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ وہ ایسے طور پر پیدا کئے جاتے ہیں۔ کہ بندہ اپنے افعال کے کرنے اور نہ کرنے دو فرق درمیان ہے۔ اور اگر ان کے نہ کرنے پر بندے کو قدرت نہ ہو۔ تو اجتماع تقضین لازم آئیگا۔ یعنی یہ لازم آئیگا۔ کہ بندہ ارادہ کرنے والا اور ارادہ نہ کرنے والا۔ فاعل اور غیر فاعل مجبور اور غیر مجبور ہو۔ اور یہ اجابڑ ہے۔ اور اگر دوسری صورت کے مطابق سوال کیا جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خاص کے صدور میں بندے کے ارادہ قدرت اور اختیار کو کسی قدر دخل ہے۔ اور یہی چیزیں انکے صدور کا سبب ہیں جن کی وجہ سے انکو اللہ تعالیٰ نے بندے

بدل سکتے۔ اسی طرح وہ اپنے ارادہ کو بھی نہیں بدل سکتا۔ غرض بندہ اپنے ارادہ میں مجبور محض ہے یعنی جس چیز کا ارادہ اللہ نے اس میں پیدا کر دیا ہے اس کو وہ بنانا نہیں اور نہ ہی اس کے تمام ارادے اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت پر موقوف ہیں جن کی طرح کہ اس کے تمام ارادے اللہ تعالیٰ کو معلوم اور اس کی قدرت میں ہیں۔ اس لیے اس کے ارادے اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت پر موقوف ہیں۔ پس ایک تو اس وجہ سے کہ وہ جبریت کے قائل ہوتے۔ اور دوسرے اس وجہ سے کہ بننے کے ارادہ و قدرت کو اس کے افعال کے صادر ہونے میں کوئی دخل نہیں۔ پس اس مقام میں اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ زین و نوز فریق کے مسلک کے علاوہ تمہارا کیا مسلک ہے۔ چونکہ دونوں سے جدا اور علیحدہ ہے۔ تو اس کو یہ جواب دیا جائیگا کہ یہاں ایک تیسرا مسلک ہے جس کو نوز فریق نے اختیار نہیں کیا۔ اور نہ ان کو اس کی رسائی ہوئی ہے۔ اور اگر یہ ایک فریق حق کی پیروی کرتا اور اس کے لوازم پر ثابت قائم رہتا۔ تو وہ اس سے بدستے راستے کو ضرور پہنچ جاتا۔ اب ہم اللہ تعالیٰ نے کوئی تفریق اور اس کی اعانت سے وہ تیسرا مسلک بیان کرتے ہیں۔ پس کہتے ہیں کہ بندہ کے کاہنم۔ روح۔ صفات۔ افعال اور احوال سب کچھ اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے۔ غرض کہ بندہ صحیح وجہ سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے۔ اور اس قدر ہی یہ بات ہے کہ اس کی خلقت ایسی بنائی گئی ہے۔ اور اس کے صفات ایسے ہیں کہ وہ اپنے ارادہ اور افعال کے صادر کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اس کی خلقت کا اس طور پر ہونا اللہ سبحانہ کی مشیت۔ قدرت اور اس کی تکوین یعنی اس کے بنانے سے ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ ہی نے اس کو ایسا بنایا اور پیدا کیا ہے۔ اور بندہ کا اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ارادہ و افعال کا محدث و صادر کر نوالا بنایا ہے۔ اور اسی واسطے اس کو امر و نہی سے مخاطب بنایا اور اس پر اپنی جھٹ کو قائم کیا۔ اور ثواب و عقاب کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ پس ان کا عمل کو کرنا کہ حکم فرمایا جن کو وہ کر سکتا ہے۔ اور ایسے امور سے منع فرمایا جن سے وہ باز آ سکتا ہے۔ اور انہی احوال مادرہ کے بجا آوری اور ممنوع کاموں کی ترک پر ثواب و عقاب کا مرتب فرمایا۔ جن کے کرنے اور نہ کرنے پر اس کے کو قدرت ہے۔ اور یہ بات اپنی مخلوقات کی فطرت میں لکھی ہے کہ جو شخص اس کے احکام کو بجالاتا اور نہیات سے باز رہتا ہے۔ اس کی ہر شخص مومن شریعت کا ماننے والا اور کافر و منکر (بیعت) غرض سب کوئی تعریف اور مدح کرتا ہے اور جو اس کے احکام کا خلاف کرتا ہے۔ ہر کوئی اس کی مذمت و ملامت کرتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کو اپنے ارادہ و مشیت سے کرتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہوتی۔ تو وہ بذات خود ارادہ نہیں کر سکتا۔ غرض اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی مشیت ارادہ اور قدرت سب کچھ دیا ہے۔ اور اس کے نفع انداز سے آگاہ فرمایا ہے۔ اور اسے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ارادہ و مشیت اور قدرت

و اختیار سے ایسے راستے کو اختیار کر دے۔ اور اُس طرف پر چلے جس سے وہ اپنی بہتری کے لیے
دریغ کو محال کرے۔ اور اپنی غلامی سے فلاح اور ہیبت کو پہنچ جائے۔ اور بندے کے ان اشیاء یعنی
ارادہ و سیت اور قدر و صفات سے اپنے سے پہلے نہ کہنے۔ کہ راستے میں چلنے کی یہ مثال ہے۔ کہ
کوئی شخص اپنے غلام کو ایک گھوڑا سوار ہونے کے لئے دے اور ساتھ ہی یہ بتا دے کہ اگر فلاں راستے
سے جاؤ گے تو سلامتی رہو گے۔ اور اگر فلاں راستے سے جاؤ گے تو ہلاکت میں پڑو گے۔ اور یہ
بھی غلام کو دے کہ اسی راستے سے جانا۔ جس میں سلامتی رہو۔ مگر وہ غلام اُس سلامتی کے راستے کو چھوڑ کر
دوسرے راستے میں اسی گھوڑے کے چلاتا ہے اور وہ گھوڑا اپنی قوت اور تیز رفتاری کے واسطے غالب جاتا
اور اُس کو اس راستے سے ہٹا دیتا ہے۔ ورنہ وہ جاتا ہے اور اُس کو دوسری طرف پھیر دیتا ہے۔ پس اگر اُس مقام میں یہ آجائے کہ اُس گھوڑے
کو اُس راستے سے ہٹا دیا جائے۔ یا غلام کی قدرت اختیار میں نہ آئے۔ یا اس کو اس کے جانتے میں اس کو اُس راستے سے ہٹا دیا جائے۔ کوئی قدرت
و اختیار نہیں ہے۔ تو یہ بھی صحیح ہے بلکہ یہ کہا جائے گا۔ کہ اس فعل سے غلام کو اُس ذات پاک نے روک دیا
ہے۔ جو شے اور اُس کے دل کے ارادوں میں عامل ہوتی اور حاذین کے قلوب اور ابصار کو پھیر
دیتی ہے۔ اگر حقیقت حال کو پوری طرح سمجھنا چاہتے ہو تو اُس شخص کی حالت پر غور کرو کہ جو ایک نہایت مست
و بلیغ اجمال خوبصورت شکل کو اور اس کا شن اپنے عشق و محبت کی طرف اُسے کشش کرے۔ مگر اُس کی
عقل اس سے اس طور مانع رہے۔ کہ اُس کو عشق کے انجام و نتیجہ پر نگاہ کرے کہ اس کا انجام۔ ہلاکت۔ بربادی اور
تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اور پہلے عاشقوں کے علامات کو اُس کے سامنے پیش کر کے سمجھا دے کہ دیکھو
تہا سے۔ وائیں بامیں۔ آگے اور پیچھے اس ظالم کے کئی شہیدہ دفون ہیں۔ مگر وہ شخص بار بار اُس شکل کی طرف
اپنی نگاہ ہٹاتا اور اپنے نفس کو اُس کے ساتھ تعلق پڑنے پر اُٹھاتا اور اپنے ارادہ کو مضبوط کرتا
اور اسباب محبت کو بڑھاتا اور ایندھن کو آگ کے نزدیک کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب عشق کی آگ بھڑک
اٹھتی اور شعلہ زن ہو جاتی اور دھوا دھوا اپنی چنگاریاں ڈالتی اور ہر طرف سے اُسے محیط ہو جاتی ہے
تو اُس وقت اُس سے اپنی خلاصی چاہتا ہے۔ پس ایسے وقت میں اس کا دل اور اُس کی عقل یہ کہتے ہیں
کہ اب خلاصی پانا محال ہے۔ اور اُسے یہ شعر ملتے ہیں

تو کم بالعنی حتی عشق فلما استقل بذا لم یطق
رای لجة ظنا موجبة فلما تمكن منها عرق

یعنی پہلے تو عشق کو اپنی حرص سے بے ایک۔ یہاں تک کہ جب پوری طرح عاشق ہو گیا اور عشق کے بوجھ
کو سر پر اٹھالیا۔ تو اُس کی برداشت نہ رہ سکی۔ اور دیرانیے عشق کو دیکر کہ اُس کو ایک سوچ بھا۔ مگر بس

سبوح میں پاؤں کھانے تو اس میں ثواب بڑھتا۔ غرض ایسی حالت میں چونکہ اسباب نامہ اور ارادہ صحیح موجب فعل ہے موجود نہیں ہوتے۔ لہذا اس سے باز جانا اور اس کو چھوڑ دینا بندہ کے کی قدرت و اختیار میں ہوتا۔ مگر جب اسباب کمال اور ارادہ متکلم ہو جائے۔ تو اس وقت اس کو چھوڑنا محال ہو جاتا اور ماضق زرا پسے طاعت کرنے والے کو یہ شعر سناتا ہے :-

يَا عَاذِي وَآلَا مُوَفِّي يَدٍ ۚ هَلَّا عَدَلْتُ وَفِي يَدِي الْاَمْرُ

یعنی نہ مجھے طاعت کرنے والے راب تو مجھے طاعت کرتا ہے حالانکہ اب تو یہ معاملہ مشق کے ہاتھ میں ہے جبکہ یہ سوال میرے اختیار میں تھا اس وقت تو نے کیوں نہ سمجھا یا مشق کے مین حالات میں بتدایں تو ارادہ و اختیار اور محبت سے ہوتا ہے۔ درمیان میں اضطراب اور مجبوری پیدا ہو جاتی ہے اور آخر کار غدا اب و بلا بن جاتا ہے۔ حافظ شیرازی نے کہا ہے :-

کہ عشق آسماں نمود اول دہلے افتاد مشکلم

اور بعینہ ہی مثال اس آدمی کی ہے جو ایک ایسے سرکش گھوڑے پر سوار ہو جسے وہ اس راستے سے ہٹانے کے جو اس کو ہلاکت کی جگہ میں پہنچا نہ۔ کہ سوار ہونے سے پہلے اس آدمی کو اختیار تھا کہ اس پر سوار نہ ہوتا۔ مگر جب سوار ہو کر اس کو میدان میں موٹا یا۔ تو اب اس کے قابو سے باہر ہو گیا۔ اور اسے کچھ اختیار نہ رہا۔ اور وہ ضرور اس کو ہلاکت کی جگہ میں پہنچا بیگا۔ اور اسی طرح اس مست و مدہوش کا حال ہے جس کی عقل زائل ہو گئی ہو۔ اگر وہ اس حالت میں اپنا کوئی نقصان کر ڈالے۔ تو وہ اس صورت میں محذور نہیں سمجھا جائیگا۔ کیونکہ جب اس نے اس نے سبب کو جان بوجھ کر اختیار کیا۔ تو اس پر جو کچھ مرتب ہو گا گو وہ اس کے خلاف مرضی اور اس کے اختیار سے باہر ہو، اس میں وہ محذور نہ ہو گا مگر اس وقت اس کے اسباب کے مرکب کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ جو علما۔ کہ ان دستہ کا طلاق کو نافذ قرار دیتے ہیں انکی دلیل یہی ہے اسی واسطے وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ اگر کسی کی عقل ایسے سبب سے زائل ہو گئی ہے جو اس کے اختیار سے باہر ہو تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور دستہ کی طلاق کو بدلتے نمانہ کہتے ہیں کہ اس کو پوری طرح سے سزا ہو جائے اور جو یہ کہتے ہیں۔ کہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔ انکی دلیل دیر سے خیال میں زیادہ پختہ ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی پر فتویٰ دیا اور صحابہ میں سے کسی شخص نے ان کا خلاف نہ کیا۔ امام احمد نے ہی قول کی طرف رجوع کیا۔ اور کہا ہے کہ طلاق خواہش نہ دیا اور اسے طلاق ہوتی ہے اور دستہ کوئی ارادہ اور خواہش سے خلل ہوتا ہے لہذا اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام شافعی نے اسے اس کے حکم یا ہے کہ بستی عقل اور مجبوری کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر وہ

بشر کی صورت پر طلاق ترقی نہیں ہوتی۔ اسی طرح حوالہ دینے میں بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام احمد اور ابو حنیفہ
 دو انفرادیت پر بھی تصریح کو ہی پسند کرتے تھے۔ جی۔ طلاق کے لغوی معنی اس سے زیادہ ہیں۔ جو وہ نسبت
 میں امام احمد سے لفظ طلاق کی تفسیر میں کہا ہے یہی ہے۔ اس بات سے عاقل ہر شخص کہ نام احمد کا
 نہ ہے۔ یہ ہے کہ حق کے ساتھ نہ ہیں۔ اور طلاق واقعی رہتی۔ اور یہی ہے۔ اسی پر تہذیبی ہے۔ اگر
 خلع نہ کیا جائے پھر یہ کہ کوئی کہہ کر تہذیب اور اراک و فقہاء ہوں۔ تہذیب اور تہذیبی ہے۔ اس کی طلاق واقع
 نہ ہوگی۔ بلکہ تہذیبی کی واقع نہ ہوگی۔ چاہئے۔ یہ کہ شدت غصہ کی حالت میں یہ ہی ایسے کام کرنا ہے
 اور وہ باتیں کہہ کرنا ہے جو سب سے وقوع میں ہیں۔ اسے نہ تہذیب کا نام ہے۔ کہ وہ اس حالت میں اس
 کی بارگاہی ہے۔ آپ پر یہی اور یاد رکھئے۔ یہ منظر نہیں فرماتا۔ اگر اس کی بددعا قبول ہو جائے تو اس کا تہذیب
 ہو جائے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اس شخص کے عذر کو قبول فرمایا ہے۔ جو ایک مہلک
 زبان اس سواری کے سامنے سے نکلا ہے۔ ہونے کے بعد اس کے پاس پلینے پر نہایت خوش ہوا اور خوشی کی وجہ
 میں یہ کلام کہہ دے۔ اے اللہ! یہ میرا منظر ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
 کا نام نہ کیا۔ کہ یہ اس کو کار نہیں کیا بلکہ اس کا عذر بیان کیا ہے۔ اہل کمال غشی کی وجہ سے اس سے
 نہ تو تہذیبی ہے نہ ہی تہذیب کے کمال محبت۔ احسان ہوتا ہے۔ کہ جو دیکھا یہ مقتضی ہے۔ کہ تہذیب و تہذیب
 کی حالت میں یہی بات کہ یہ یا ہے۔ ہل اور دیر ہوا کو منظر۔ ہر تہذیبی اور اس طرح بیانی کو طلاق بھی واقع
 نہ ہو۔ اور تہذیب کہہ کر سب سے باطن خارج جاتی ہے تو اس وقت میں تہذیب کا اتفاق ہے کہ یہ علی التام
 طلاق یا تہذیبی تہذیبی ہے۔ اور زبان کا معنی کو کفر ہے۔ یہ سے جو ایسی حالت میں اس کی زبان پر جاری
 ہو۔ یہ طلاق اور یہ تہذیبی ہے۔

اپنی سنی اور شیعہ کے

سنی اور شیعہ کے اس مناظرہ کے بیان میں جو ایک مجلس علمی میں واقع ہوا تھا

تہذیبی نے کہا کہ تہذیب کے نام سے یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ ہندو اپنے تمام افعال میں جو تہذیبی
 میں تہذیبی ہوں۔ کمال اور دست نہیں ہر سنی کیونکہ جب ہندو مجبور نہیں رہ سکا جائے۔ بلکہ اس کو کمال
 انشا کہہ چکاتے۔ تو اس وقت تہذیب کے ساکنی ایک شیعہ کی فاعل حوالہ دیتے۔ جو اپنے تہذیبی

چاہیں تو ان حادثات کو صادر کریں اور اگر نہ چاہیں تو نہ صادر کریں اور بدصاف شرک ہے۔ قول یا بھرتے۔
 اس سے پہلے ہی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ سب جواب دیا کہ تو یا بھرتے جس کے مخالف ہے۔ اور توحید کے
 مخالف ہے۔ سب کے خلاف تمام آسمانی شرائع اور اذیان۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت و ذواب و عقاب کے
 خلاف ہے۔ اگر تو یا بھرتے جو تو تمام شرائع لغو اور بیکار ہو گئے۔ اور کس نے یہی سب سے شروع اور قبول تھی۔ یہی
 اور اس سے لازم آتا ہے کہ تو اب دعوت بے بھی کوئی چیز نہ ہو۔ تہری سب سے جواب دیا کہ تیر کو اور وہی اور تو اب
 و عقاب سے مخالف کہتا تو کوئی عجب۔ اور نہ ہی بات نہیں کیونکہ ہم کہہ رہے تھے کہ تو یا بھرتے جو تو اب دعوت بے
 تمہارا یہ دعویٰ کہ ناگزیر توحید کے ہی مخالف ہے۔ ایک عجیب بات ہے کہ تو کہہ رہے تھے کہ توحید کی نیاک
 نہایت زبردست اور قوی دلیل ہے جس سے چیز کسی چیز کے اثبات کے لئے قوی دلیل ہو۔ وہ اس کے
 منافی اور مخالف ہے۔ ہو سکتی ہے۔ تسمیہ۔ تسمیہ جواب دیا کہ جب کچا تیر کے مخالف ہو نا خواست تھا
 اور روشن ہے۔ بلکہ مراد تھی۔ سے مخالف ہونے کی نہایت توحید سے اس کا مخالف ہونا زیادہ واضح
 ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ توحید کا ان احصاء ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
 کا اقرار کیا جائے۔ اور اعتقاد تیرانہ اور جھوٹوں کے خلاف ہے کہ لا الہ الا اللہ اس ذات محمد کی اسم
 پاک ہے جو تمام صفات کمال اور لغت بجلال سے موصوف ہے۔ اور تلوپ عباد اس پر فریفتہ۔
 اس کے شیدائی۔ وہ اس کے خوف و جاہیں ہلساں اور میاں دار ہیں۔ وہ توحید جس کو انبیاء علیہم السلام
 نے تعلیم فرمایا وہ یہی ہے کہ ایک اللہ ہے۔ اس لئے کہ کمال نہ جہ کی مابہرہ۔ نہ است اور نہ تسمیہ
 کی جائے۔ اور نہایت محبت۔ توحید اور پوری کوشش کے ساتھ اس کے احکام کی پیروی کی ہے۔ اور
 اس کی اطاعت اور رضا جوئی اور کمال ہے۔ اور کمال ہے کہ کسی ذوق کے لئے کمال ہے۔ اور کمال ہے
 اور ان کاموں کو کیا اور یہی میں نے اس سے پسندیدہ اور محبت میں تسمیہ تسمیہ کی محبت اور تسمیہ
 سید راہ نہ ہو۔ غرض اس کی طاعت میں کسی فی راہ نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا معنہ یہی
 ہے۔ اور اسی کی طرف انہوں نے تمام امتوں کو ہدایت کی۔ اور یہی وہ توحید ہے جس کے سوا
 اللہ تعالیٰ کسی شخص سے کوئی دین قبول نہیں فرماتا۔ اسی توحید کا پنے انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا۔
 اور اسی توحید کے لئے اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اسی کی طرف اپنے بندوں کو بلایا۔ اور اسی توحید
 کی وجہ سے دوزخ و بہشت بنائے کہ جو لوگ اس کو قبول کریں گے ان کو بہشت میں جلائیگی۔ اور جو بکار
 کریں گے۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہو گا۔ اور اسی توحید کی تکمیل و تحصیل کے لئے مختلف شریعتیں بنائیں
 اور لے جبری تمہارا یہ خیال ہے۔ کہ سب سے کام میں کوئی دخل نہیں اور نہ وہ کچھ کر سکتے ہیں اور نہ لے

کہیں ایک لمحہ بھی اُس کی نافرمانی نہ کی ہو۔ اور اُنکی عظمت اور رحمت اُسے مخالف نہیں۔ اور نہ وہ اُس سے
 مانع ہو سکتی ہیں۔ بلکہ ایسا کرنا اللہ سبحانہ کے نزدیک (تمہارے خیال میں) حیاتِ مرتبہ ہے۔ اور تم یہ بھی کہتے
 ہو کہ اگر اللہ سبحانہ یہ بیان نہ فرماتا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ تو ہم اُس کو اس سے منکر نہ ٹھہراتے اور تم بھی یہ
 کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ کے اپنے بندوں کو تکلیف احکام دینے کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ صے کو بھینے کی
 تکلیف دی جاتی ہے لیکن کُڑھنے کے لئے کہا جائے۔ پس جس شخص کو تم نے یہ اعتقاد سکھلادیا۔ تو
 اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفرت اور اُس کی بغض و عداوت کو خوب بھردیا۔
 باوجود اس کے تمہارا یہ گمان ہے کہ تم اس طور سے توحید کو ثابت کر سکتے ہو اور یہ نہیں سمجھتے ہو
 کہ تم نے تو شجرہ توحید کو بیٹے اُکھاڑ دیا ہے۔ جبر کا ادیان اور شریعت کے مخالف ہونا تو بالکل ظاہر
 ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی مستتبہ اور خفا نہیں کیونکہ ترائے کا دار امر و نہی پر ہے۔ اور
 ظاہر ہے کہ اگر ظاہر اور نہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اگر امر اور نہی کے افعال سے غفلت نہ ہو۔ بلکہ وہ امر
 اور نہی خود امر اور نہی کے افعال ہی کے متعلق ہیں تو ایسے امر اور نہی بالکل لغو و فوٹے اور حریف
 ہیں بحقیقت الامر یہ ہے کہ امر و نہی بنیئے معزز۔ اُس کی طاعت و معصیت سے متعلق ہیں پس جب
 تمہارے خیال کے مطابق (مجازاً) کسی عمل کے صادر کرنے پر قیاد نہ ہو تو وہ طاقت یا مصیبت کس
 طرح ہو سکتا ہے۔ جبر طاعت و معصیت کا وجود نہ رہا۔ تو تا اب حقیقت یہی باطل ہوا۔ اور اُس کا
 لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ سبحانہ قیامت کے دن اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے جہنم میں داخل
 فرما کر طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال کرے گا۔ اور بعض کو دوزخ میں ڈال کر گونا گون عذاب میں مبتلا
 کرے گا۔ تو یہ جنس اُس کی نیست و قرار ہے۔ ورنہ جو گناہ و گناہیں جو کسی نے قیامت میں عمر گزارے
 اور کوئی نافرمانی پر گزرتا رہا۔ تو ان امر کو بہشت و دوزخ میں داخل ہونے سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں
 ہو گا۔ اور نیز ہر کمال اعتقاد و گمان میں طرح طرح کے امر و نہی کے مخالف ہے یہی طرح اللہ تعالیٰ کی نہت خلق
 کے خلاف ہے۔ اور نہ سبحانہ خلق و امر و نہتوں سے موصوف ہے کیونکہ آسمان و زمین کا قیام
 محض اُس کے عدل سے ہے پس خلق کا خلوع و قیام اللہ تعالیٰ کے عدل سے ہے جیسے کہ امر کا وجود
 اور ظہور بھی اُس کے عدل ہی سے ہے۔ غرض خلق اور امر و نہی کا سبب اور انکی علت غائی عدل
 ہے۔ اور جبر عدل کے شرع اور توحید سب کے خلاف ہے۔ خبری بولا کہ بھائی تم نے بہت بڑی بات
 بیان کی ہے۔ اور تم نے دو موافق چیزیں کو باہم متناقض قرار دیا اور دو متضاد ہونے کو آپس میں مخالف
 ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ اولہ عقلیہ اور نقیضہ اور شرعاً یہ سب جبر کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں نہیں جس چیز

کے جوہر، پختل فعل والہ کر کے توحقل اثر کے مخالف کیسے ہو سکتی ہے۔ نیز کے جوہر کی ایک
 نظر ہر باہر میں بیان کرنا ہوں، اس کو کان کا کھنڈہ اس کے بعد میں چند مثالیں بیان کروں گا۔
 وہ ریل یہ ہے کہ اسباب قدرت کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود اسباب اور ضروری
 یا نہیں اگر جب اور نہ ورنہ ہے تو بیشک کے فعل کا صدور اضطراری ہوا اور جبر کا یہی معنی ہے کیونکہ
 قدرت اور اسباب کا وجود بیشک کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے ورنہ تسلسل لازم آئیگا اور تسلسل کا محال
 ہونا جیسا اور ظاہر ہے۔ در تب قدرت اور اسباب کا وجود بندہ کے اختیار اور قدرت سے باہر
 ہے اور ان کے محال ہونے کے وقت فعل کا صدور اور وجود ضروری اور ان کے موجود نہ ہونے کے وقت
 اس کا صدور محال ہے تو لازم آیا کہ بندہ افعال کے صدور میں مجبور محض ہے۔ اور اگر قدرت اور اسباب
 کے موجود ہونے سے فعل کا وجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں یکساں ہیں۔ تو
 اب فعل کے وجود کے لئے کسی مرجع کا ہونا ضروری ہے یا نہیں اگر مرجع کا ہونا ضروری ہے تو جب وہ
 مرجع موجود ہو گا۔ مرجع تسلسل کا وجود ضروری ہو گا ورنہ تسلسل لازم آئیگا۔ اور تسلسل محال ہے پس جب
 مرجع کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوا۔ تو لازم آیا کہ اس کا صدور اضطراری ہے اور
 جبر کا یہی معنی ہے۔ اور اگر اس کے وجود کے لئے کسی مرجع کی ضرورت نہیں تو اس کا موجود ہونا اور
 نہ ہونا دو جہاں ہو گا۔ اور جب بدول کسی مرجع کے موجود ہو گا تو لازم آئیگا۔ کہ اکثر بدولوں کو اس کے موجود
 ہونا اور یہ محال ہے۔ اور اگر تم یہ جواب پیش کرو کہ فعل کے وجود کے لئے بندے کا ارادہ مرجع ہوتا ہے
 تو ہم یہ کہیں گے کہ بندے کا ارادہ بھی تو حادث ہے۔ اس کے پیدا ہونے کے لئے بھی کسی مرجع کا ہونا
 ضروری ہے اور اس طرح تسلسل لازم آئیگا اور وہ محال ہے *

نئی سند جواب دینا کہ تمہاری تیرہ یعنی تمہاری بڑی دلیل یہی ہے کہ محمد اللہ تعالیٰ یہ تیرہ دلیل اور
 پر سے خالی ہے اور اس کے ساتھ ہی میرا اور غیر مستقیم ہے اور ہم بتھ سے ان الفاظ مجملہ کے معانی
 دریافت کرتے ہیں جن کو تم نے اپنی اس دلیل میں استعمال کیا ہے۔ اور اس کے بعد اس دلیل کا مستقیم ظاہر
 کریں گے۔ تسلسل اس کلام کا کیا مطلب ہے کہ اگر قدرت اور اسباب کے موجود ہونے کے وقت فعل کا
 وجود ضروری ہے۔ تو بندے کے فعل کا صدور اضطراری ہے۔ اور
 جبر کا یہی معنی ہے۔ آیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ قدرت اور اسباب کے موجود ہونے کے وقت صدور
 خیال میں بندہ ویسا مضطر ہو جاتا ہے جیسا وہ شخص بدول اختیار حرکت کرتا ہے جسے مرض عارض ہو
 یا وہ شخص جب کو تپ لڑا آئے یا وہ شخص جو اونچی جگہ سے نیچے کو گرا دیا جائے یا تمہارا یہ مطلب ہے کہ

تقدیرت امداد بابت کے موجب دہونے کے وقت فعل کا سچا ہونا ضروری ہوگا۔ مگر یہ بندہ سے کے اختیار اور امداد سے جدا رہتا ہے۔ اگر پہلا معنی ارادہ کرے۔ تو یہ بات عقلی نظر سے جس اور شاہد اور تجربہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ کوئی نادان نہ مانا دن یہ بات نہیں کہ کتا کہ بھین چھاڑے سے بیچے گرا دیا جائے اور جو اپنے ارادہ سے اس کے اوپر چڑھ رہا ہو۔ وہ تو کی حرکت بکساں ہے۔ اور کوئی بے وقوف سے بے وقوف یہ بات نہیں کہ اگر بریلش رشتہ اور اپنی مرضی زانی بچا نے واسنے کی حرکت میں کچھ فرق نہیں اور اسی طرح یہ بھی کوئی نہیں کہ زانی۔ سارق۔ مجاہد۔ دہلی کے اتنا مل و حرکات اور اس شخص کی حرکت جس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر گھسٹا جائے۔ وہ تو اس کچھ فرق نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ نے بندوں کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ ہر شخص اپنی فطرت سے ان چیزوں کے درمیان بین تفاوت اور ظاہر فرق ظاہر پاتا ہے پس جو شخص ان چیزوں کی مساوات کا قائل ہو۔ تو وہ شریعت کے خلاف ہونے کے علاوہ عقل اور فطرت کا مخالف اور مشاہدہ اور تجربہ کا منکر ہے۔ اور اگر وہ سراسر معنی مراد ہے۔ تو یہ معنی منطقی کے مختار ہونے کے منافی اور مخالف نہیں اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بندہ صدور افعال میں مجبور اور غلام ہے۔ بلکہ یہ کہتا ہے کہ اگر تمہاری دلیل صحیح ہو تو لاۓ کہ کتا کہ بھین چھاڑے کے صدور میں مجبور مضطرب ہو کہ دلیل صحیح شدتاً باہمی کی بہت سی ہو سکتی ہو کہ کتا کہ بھین چھاڑے میں مجبور مضطرب ہونا محال ہے کیونکہ وہ تو اپنی قدرت ارادہ اور مشیت سے اپنے افعال صادر کرتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے۔ کہ بعض تمہارے ہم خیال لوگ اس ازام کو مان کر اس کا جواب بھی بیان کرتے ہیں۔ مگر ان کا جواب بالکل بیحدہ و افراط ہے۔ چنانچہ اس خطیب نے اس شبہ کے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اگر کوئی یا اعتراض کرے۔ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے قائل مختار ہونے کا بطلان لازم آتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے ارادہ کے درمیان یہ فرق ہے کہ بندے کا ارادہ تو حادث ہے۔ اس لئے وہ اپنے صدور اور صدور میں اور سرے ارادہ کا محتاج ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور حادث کہنا پڑیگا۔ ورنہ تسلسل لازم آئیگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ تو قیہ ہے وہ ہر قسم کا ارادہ کا محتاج نہیں ہوگا۔ اور اس فرق اور تفاوت کو صاحب تحصیل نے اس طرح بہت خوبصورت کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس فرق کرنے سے وہ تقسیم جو دلیل مذکور میں بیان کی گئی ہے مستدفع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس تقسیم کا حاصل یہ ہے کہ قدرت اور اسباب کے وجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہے۔ اور مانگے نہ ہونے کے وقت اس کا عدم ضروری ہے۔ پس یہ تقسیم منطقی اور اللہ تعالیٰ کے مدد کو نسبت یکساں جاری ہو سکتی ہے۔ اور یہ تقسیم کے ارادہ کا قدیم غیر مخلوق اور ذات باری کے لوازم سے ہونا اس سے مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ

یہاں بھی یہ کہا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ جس چیز سے متعلق ہو گا۔ اُس کا وجود ضروری ہو گا۔ اور جس سے متعلق نہیں ہو گا۔ اُس کا عدم ضروری ہو گا۔ اور باوجود اُس کے اللہ سبحانہ فاعل مختار ہے۔ تو بندے کی نسبت کیسا کہتے ہو گا۔ وہ مجبور اور مضطر ہے۔ اس کے بعد ہم یہ کہنے ہیں کہ سب کے معنی جو تم سمجھتے ہو یہ غلط ہے۔ جبر کا یہی معنی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اُس کے اختیار و ارادہ اور اُس کی رضا و مجتہد کے سوا کسی فعل کے کرنے پر مجبور کرے۔ اور بندے کے معاملہ فعل کی نسبت یہ معنی ہرگز موجود نہیں کیونکہ اللہ سبحانہ تو بندے کے دل میں اُس کے فعل کا ارادہ اور محنت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ اپنی خوشی اور رضامندی سے اس فعل کو صادر کرتا ہے پس ایسی حالت میں غصے کو مجبور کہنا لغت و عقل اور شرع کے مخالف ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ تم نے اپنی دلیل میں یہ بیان کیا ہے کہ قدرت اور سبب کے موجود ہونے کے سبب بندے کے فعل کا وجود ضروری ہے۔ حالانکہ تمہارے خیال میں نہ ان کے سبب فعل کا وجود ہوتا ہے اور نہ یہ فعل جو موجود ہوا بندے کا فعل ہے۔ بلکہ فعل تو عین اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ جس کا وجود نہ اس کی قدرت اور اسباب حادثہ سے متعلق نہیں اور نہ اُن پر موقوف ہے بلکہ بندے کی قدرت اور اسباب حادثہ سے اللہ تعالیٰ کے فعل کا صدور کے لئے دونوں یکساں ہیں۔ غرض جب تمہارے نزدیک بندے کا فعل عین اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ تو اُس کے صدور کے لئے بندے کی طرف سے کسی مرجع کی ضرورت نہیں۔ اور نہ بندے کی تاثیر کو اس میں کچھ دخل ہے۔ فرقہ قدریہ نے تمہاری اس دلیل کے کئی ایک جواب دئے ہیں۔ چنانچہ ابو ہاشم اور اس کے متبعین نے یہ جواب دیا ہے کہ صاحب قدرت کے افعال اسباب پر موقوف نہیں ہوتے بلکہ محض اُس کی قدرت اُن کے لئے کافی ہے پس تمہارا یہ کہنا کہ اسباب کے وجود کے وقت فعل کا وجود ضروری ہو گا نہیں اس کا جواب ہم قدریہ یہ دینگے کہ اسباب کے وجود سے افعال کا وجود ضروری نہیں اور نہ وہ ان پر موقوف ہیں۔ اور تم ان لوگوں (قدریہ) پر مذہب نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تمہارے نزدیک بھی تو اسباب کا صدور افعال میں کوئی دخل نہیں مگر وہ اسباب پر موقوف ہیں۔ بلکہ تمہارے نزدیک تو قدرت بجا پر بھی وہ موقوف نہیں۔ پس جب تمہارا یہ خیال ہے کہ قدرت حادثہ کا مقدمات یعنی افعال میں کوئی دخل نہیں تو اسباب ان میں کیسے مؤثر ہونگے۔ غرض یہ دلیل تو تمہارے اپنے اصول کے مطابق بھی صحیح نہیں۔ ہاں اگر بعض کو بعض الزام دینا مقصود ہے تو یہ دوسری بات ہے۔ اور ابو الحسین بصری اور ان کے اصحاب کا یہ جواب ہے کہ غصے کے افعال اسباب پر موقوف ہیں۔ اور سبب اسباب موجود ہونگے تو افعال کا وجود ضروری ہو گا۔ لیکن اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ افعال اختیاری نہ ہوں۔ اور محمد خوارزمی نے کہا ہے کہ اسباب سے افعال

کا وجود ضروری تو نہیں لیکن انکی وجہ سے ان کا وجود واقعی ضروری ہو جاتا ہے۔ قدر یہ ان دونوں چیزوں کے مطابق تمہاری اس دلیل کا جواب بیان کرتے ہیں۔ پس ابو بکر کا یہ کہہ سب کو بتا رہے ہیں کہ نہیں کہ بندے کے افعال کے صدور کے لئے کسی مرجع کی ضرورت نہیں بلکہ صاحب قدرت کے شان سے یہ بات ہے کہ وہ کسی کام کو بغیر کسی مرجع کے پیدا کر سکتا ہے اور عقل کے روبرو سے اس میں کوئی احتمال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو افعال کے کرنے پر قدرت ہو اور ان کے لئے کوئی مرجع نہ ہو جبکہ ناظم (سوسنہ و لام اور ساہی) بھول کر کام کرنے والا بغیر کسی داعی مرجع اور ارادہ کے حرکت کرتے ہیں۔ اگر تم یہ جواب دو کہ ناظم اور ساہی کے اندر ارادہ موجود ہے۔ لیکن اُس وقت ان کے خیال میں نہیں ہوتا۔ تو یہ بدایت کا انکار ہے۔ اور اس قول کے تابعین یوں کہتے ہیں کہ قادر وہ ہوتا ہے جو کام کر سکے اور نہ کرنا بھی ممکن ہو۔ اور پہلے قول دالے یہ کہتے ہیں کہ قادر وہ ہے جو کام کر سکے اور اُس کا کرنا ضروری ہو اور محمود و خوارزمی کا کہ ہے ان دونوں چیزوں کے بیچ بیچ میں ہے یعنی قادر وہ ہے جو کام کر سکے اور اُس کا کرنا واقعی اور بہتر ہو۔ مگر اُس کی اولویت ایسی نہ ہو کہ اُس کا کرنا ضروری ہو غرض اس بابے میں پانچ اقوال ہیں دائرہ کہ بندے کے افعال کا صدور اسباب پر موقوف ہے اور جب اسباب کے ساتھ قدرت علی الفعل بھی حاصل ہو۔ تو ان دونوں چیزوں کی وجہ سے فعل کا صدور ضروری ہو جاتا ہے۔ جمہور عقلا کا یہی قول ہے۔ اور ابن خطیب نے اس قول کو خلا سفا اور ابو حنین بصری معتزلی کی طرف نسبت کرنے میں غلطی کی ہے۔ (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ اور نیر بندے کی قدرت سے افعال کا صدور ضروری ہے۔ اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو کہ بندے کی قدرت کے اُس کے مقدور میں موثر ہونے کے قائل ہیں۔ اور جن چیزوں پر بندے کو قدرت ہے ان پر اللہ تعالیٰ کو قادر جانتے ہیں۔ ابو اسحاق کا یہی قول ہے اور نیز جوینی نے نظا بیہ میں اسی کو رائج ٹھہرایا ہے۔ (۳) یہ کہ افعال عباد کا صدور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ضروری ہے اور اشعری اور قاضی ابوبکر کا یہی قول ہے مگر ان کے درمیان باہم ایسا اختلاف ہے کہ قاضی ابوبکر کا یہ قول ہے کہ مطلق فعل کا صدور تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ضروری ہوتا ہے لیکن اُس کی خصوصیات مثلاً اُس کا حج ہونا یا نماز ہونا نہ نایا چوری ہونا بندے کی قدرت سے واقع ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تاثیر و نفس فعل میں ہے اور بندے کی قدرت کی تاثیر فعل کی صفت میں ہے اور اشعری کا قول ہے کہ اصل فعل اور اُس کا وصف دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ اور بندے کی قدرت کے لئے نفس فعل یا اس کے وصف میں کوئی تاثیر اور دخل نہیں (۴) ان لوگوں کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں

کہ صاحبِ قدرت سے فعل کا صدور ضروری نہیں بلکہ قادر وہ ہے جو کام کر سکے اور اُس کو نہ کرنا بھی جائز
 و ممکن ہو۔ اُن کے نزدیک قادر نہ اس کے فعل کا۔ و نہ کسی بنا پر ہے نہ ضروری نہیں۔ نہ ہوا قائم نہ اس کے
 ہم خیال لوگوں کا یہی قول ہے۔ یہ کہ اسباب کے مبرور و مبرور نے کئے۔ وہ انفعال کا صدور دلائی اور
 بہتر ہو تا ہے۔ لیکن ضروری نہیں ہوتا۔ خواہ زور کا یہی قول ہے۔ اور زور کہیں اسباب کا قائل ہے
 کہ اسباب کے وجود کے وقت انفعال کا صدور ضروری ہو چکا ہے۔ اور اسباب اللہ تعالیٰ کے مخلوق کو
 پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور نہ یہ کہ اسباب نہ صدور پس اتحال کے ایجاد میں تنقل طور پر قدرت کہتا ہے
 ان۔ اور انہیں کا دعویٰ ہے کہ جب کچھ ہیں کہتا ہوں یہ بڑا اور ظاہر ہے۔ اس خطیب نے کہا ہے
 کہ اب بھیرے نے فتنہ برپا کیا۔ اور اب یہ کہتا کہ افعال کا صدور اسباب پر موقوف ہے۔ اور
 اسباب ان تھانے نے مخلوق ہیں۔ جس میں خلوت ہے۔ پس ابو الحسین خبر اور زور دونوں کا قائل اور ان میں
 خلوت کرنے والا ہے۔ مگر ان خطیب نے انہماک سے کام نہیں لیا۔ انہیں کا مذہب اسباب ہے۔ کہ نہ
 تو اس نے قدرت میں خلوت کیا ہے۔ نہ بھیرے۔ انحال کا اسباب پر موقوف ہونا اور ان کے وجود کے
 وقت بندے کی قدرت سے ان کا وجود ہی ہوتا اس میں ہرگز کوئی جبر نہیں پھر جبر میں غلبہ کیا۔ اور
 بننے کا پس اتحال کا اُس قدرت اور اختیار سے موجد ہونا جو اللہ تعالیٰ نے اُس میں پیدا کر دئے
 ہیں۔ قدر یہ کہ قول کے موافق نہیں۔ چہ جائیکہ ابو الحسین نے اس میں خلوت کیا ہے ؟

فصل - بھیرے نے کہا۔ جب ہمارے افعال کے اسباب ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ اور وہ
 اسباب یہ ہیں۔ کہ ہم جانتے ہیں۔ کہ مثلاً فلاں کام کرنے میں ہمارا انفع ہے۔ اور فلاں کام نہ کرنے میں
 ہمارا نقصان ہے۔ اور یہ بات ہماری طبیعت اور فطرت میں پیدا کی گئی ہے۔ اور خالق نے ہمارا
 خلقت ایسی بنائی ہے۔ کہ یہ اسباب اُس میں پیدا کرتے ہیں۔ اور اُن کے وجود سے افعال کا صدور
 ضروری ہے تو یہ جبر نہیں تو اور کیا ہے۔ جبر کا یہو یعنی ہے ؟

سنی نے کہا کہ فرقہ قدریہ اُن کا جواب یوں دے سکتے ہیں۔ کہ ایسے اسباب بھی جمالت اور
 غفلت بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ وہ امور ہیں جن کو انسان اپنے دل میں خود بخود پیدا کرتا اور اپنے
 خیال کے مطابق جس کام میں مصلحت سمجھتا اُس کو کر گزرتا ہے۔ گو واقع میں اُس کام میں اُسکی مصلحت
 ہو یا نہ ہو۔ پس افعال کے اسباب صرف علم مصالح اور منافع میں منحصر نہیں ؟

جبری بولے کہ یہ جواب تو بالکل لغو اور بے اثر ہے۔ دیکھو پیاسے کو پانی پینے کی طرف یا مردی
 اور حرکت ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے میری سیاس بچ جائیگی۔ اور میں میں یہ انفع ہے۔ اور میں میں

اس بات کو جاننا اور پانی پینے کی طرف اس کا میلان ہونا اللہ تعالیٰ کے خلوت میں ہے۔ پس قدری کو ظاہر ہے کہ ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ذہن سے بازار آجائے۔ اور دوسرا یہ کہ اعتدال کرے کہ بندہ کے لیے افعال اسی ذات کی طرقت سے سبب ہیں۔ پس نے غنیمت میں اُس کے باب و داعی پیدا کئے ہیں۔ قدری نے جو دنیا کا یہ سبب اگرچہ اللہ تعالیٰ کے پروردگار نے جو عین مگر یہ سبب بیکار کے افعال کے شبہ ہیں۔ وہ ان کے افعال کے بدلے بدلے ہوتا ہے۔ اس کے خیال سے کہ وہ داعی اور غرض الیٰ فی اللہ کر سکتا ہے یا نہ پانی پینے سے اس کا تو بیکار خیال سے بیکار جاننا کہ وہی اور اگرچہ اسے جو بیکار داعی اور غرض کے معارض الیٰ فی اللہ ہے۔ پس زندہ شخص اس سے جعل کرنے اور داعی اول کو بدستور باقی رکھنے پر قادر ہے۔ پس داعی اول کو بدستور باقی رکھنا اور اس کے معارض کو موجود نہ کرنا داعی کے اختیار میں ہے۔ اور جب تک ایسا نہ کرے پانی کا پینا ممکن نہیں ہے۔ پس اس سے پانی کا پینا بندہ کے کافعل ہوا۔ کیونکہ وہ ایسا مختلف اسباب کے جعل کرنے پر قادر ہے جن سے افعال آثار ظہور میں آتے ہیں۔ اور اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص نے کسی کو بھڑکتی ہوئی آگ میں دیکھا۔ اور وہ اس آگ کو کسی آسان تدبیر سے بجھا سکتا ہو اور اسکو کوئی مرنے بھی پیش نہ ہوتا۔ پس حالت میں اگر وہ اس آگ کو نہ بجھا بگا تو گویا نا آگ کا کام ہے مگر وہ ضرور قدرت کا مستحق ٹھہرے گا۔

اور ابن ابی الحدید نے ایک اور طریق سے جواب دیا ہے یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب سبب کے وجود سے افعال کا وجود ضروری ہو جیسا کہ تم فرقہ جبر یہ پیا سے کی حدیث میں بیان کرنے ہو تو لازم آئے گا کہ انسان بعض افعال کے کرنے اور بعض کے نہ کرنے کے ساتھ تکلیف نہ ہو۔ کیونکہ اگر صورت میں تو وہ قہر سے بھی بدتر حالت میں ہے۔ اور تمام اہل رب کے اصول کے لحاظ سے یہ جواب نہایت رذی اور خراب ہے کیونکہ تکلیف احکام کا انتشار موجود ہے پس عقل اور قدرت کے موجود ہونے تکلیف کے ساقط ہو سکتی ہے۔

اور اس قدری نے یہ ایک اور بھی قسم ان لوگوں کی ثابت کر دی ہے جو مرفوع القلم اور غیر ہیں۔ اور یہ جماع امت کے خلاف ہے۔ اور اگر صرف اسباب کے موجود ہونے سے تکلیف ساقط ہو جائے۔ تو بعض کی نسبت یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اس سے اسے اس کام کے اسباب موجود ہو جائیں۔ جسکی سبب آوری کا اسے حکم یا گیا ہو۔ تو اس سے تکلیف ساقط ہو جائے۔ اور یہ تو ان تکلیف بالایطاق کے قول سے بھی زیادہ بیجا اور بڑبڑ ہے۔ اس سے تکلیف بالایطاق کے قول سے بھی زیادہ بیجا اور بڑبڑ ہے۔ اور تکلیف کے ساقط ہونے کا صرف ابن ابی الحدید نے ما قابل ہے اور قائلین تکلیف بالایطاق

کا قول کتابوں میں منتقل بھی ہے اور اس پر بحث کی گئی ہے ۔

جبریہ واجب داعی اور محرک کا وجود ؛ شہد قعسا سے لے کر کسی طرف سے ہے ۔ اور یہی فعل کا سبب ہے اور اس کے وجود جو نہ کے وقت فعل کا وجود ضروری ہے ۔ تو فی الواقع بھی اسے فعل ہوا ۔ جو داعی اور محرک یعنی سبب کا خالق ہے ۔

مٹی ۔ مٹی جواب دیا یہ بات صحیح ہے کہ داعی اور محرک اندر تعلیل کا مخلوق ہے اور یہی فعل ہے ۔ وجود کا سبب ہے ۔ مگر فعل اپنے فاعل یعنی بندے کی طرف سے متوجہ ہو گا کہ چونکہ فعل کا وجود در بندہ سے مگر قدرت مشیت اور اختیار سے ہوتا ہے اور مجاز کے طور پر اس کی بندت اللہ تعالیٰ نے کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے ۔ جو تمام اشیا کا خالق اور ہر چیز پر قادر ہے ۔ اس کے علاوہ داعی اور محرک فعل کی علت نہیں اور مؤثر نہیں ۔ بلکہ وہ فعل میں بندے کی تاثیر کی شرط ہے ، جسے اپنے مقدر پر قدرت مہمل ہے ۔ اور شرط کے خارج از اختیار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بندہ اپنے فعل کا فاعل نہ ہو زیادہ سے زیادہ اتنا ہو گا کہ بندہ کے کار ارادہ معلوم جو فعل کا محرک ہے اس کی شرط یا جزو سبب ہو گا ۔ اور اس کا فعل کئی ایک ایسے شروط و اسباب پر موقوف ہے جو بندے کے اختیار سے بالکل باہر ہیں ۔ مثلاً سبب زیادہ آسان اور چھوٹا کام کسی چیز کے دیکھنے کے لئے آنکھ کا اٹھانا ہے پس فرض کیا کہ آنکھ کا کھولنا بندے کا فعل ہے ۔ مگر اس چیز کے دیکھنے اور اس کے ادراک کرنے میں بندہ فاعل متعلق نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ اس چیز کا ادراک کئی ایک شروط پر موقوف ہے ۔ اول یہ کہ بندے کے اندر خالق نے قدرت در کہ پیدا کی ہو ۔ دوم یہ کہ وہ چیز ایسی ہو جس کو آنکھ سے دیکھ سکے ۔ سوم یہ کہ آلہ ادراک یعنی آنکھ صحیح و سالم موجود ہو ۔ چہارم یہ کہ اس چیز کے دیکھنے سے کوئی شے مانع اور حاجب نہ ہو وغیرہ ذالک ۔

غرض جن اسباب و شروط پر رویت موقوف ہے ۔ اور وہ بندے کے اختیار اور قدرت سے باہر ہیں ۔ بندے کے فعل آنکھ کے کھولنے سے کئی گتے زیادہ ہیں ۔ پس کوئی صاحب عقل کس طرح کہہ سکتا ہے کہ سبب کا جزو یا شرط فعل کے وجود کے لئے علت مستقلہ اور مؤثر تام ہیں ۔ اور اسی مقام میں دو نو گروہ یعنی قدریہ اور جبریہ راہ حق سے بھٹک گئے ہیں ۔ قدریہ نے یہ کہہ دیا کہ شرط اور جزو سبب فعل کے وجود کے لئے مؤثر تام اور علت مستقلہ ہیں ۔ اور جبریہ نے یہ کہا کہ سبب اور شرط کو فعل کے حدود میں کوئی دخل نہیں پس دو ذوق نے صریح عقل اور نقل کا خلاف کیا ۔ اور اولہ تعلیل اور عقلیہ کو پس پشت ڈال دیا ۔ حقیقتہً الامر یہ ہے کہ بندے کی قدرت ۔ ارادہ اور دوسرے داعی اور محرک فعل کے سبب تام کی جزو ہیں ۔ اور سبب تام کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوتا ہے ۔ پس جو شخص

یہ کتاب ہے کہ بندہ باوجود دیگر اس کے فعل کے اکثر اسباب اس کے اختیار اور قدرت سے باہر ہیں۔ مگر وہ اپنے
افعال کا خالق مستقل ہے۔ وہ قوتی اور شرع کے مخالف ہے۔ فرض کیا کہ فعل ضرب کے داعی میں بندہ مشغول ہے
تو کیا ضارب کے اعضاء و آلات کا صحیح و سالم ہونا۔ اور محل ضرب کا قابل ضرب ہونا۔ اور اس کا فعل ضرب
کو قبول کرنا اور مضروب اور ضارب کے درمیان فضا خالی کا موجود ہونا۔ اور وہاں کسی مانع کا موجود ہونا
اور مضرب سے اس قوت اور طاقت کا مساوی ہونا جس سے وہ مضارب سے متقاومت کر سکے۔ اور ضارب
کا اس پر غالب آنا اور ضارب کے ہاتھ۔ رگوں اور پٹھوں میں قوت کا موجود ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب
اشیا بندہ کے اختیار میں ہیں۔ مگر زمین اور ہوا وغیرہ کے بندے کیلئے صدور فعل کی قسم کا کوئی دخل نہیں۔ صدور فعل کی
اسکی قدرت اور ارادہ کا ہونا اور ہونا دونوں یکساں ہیں تو شخص عقل و حس کا انکار کرتا ہے جبریہوں کا کہ صدور افعال کیلئے کسی
مرج کا ہونا ضروری ہے پس اگر یہ مرج بندے کی طرف سے ہو تو ضرور ممکن ہو گا۔ پھر اس مرج میں کلام
کیلئے کہ اسے وجود کا کوئی مرج ہے یا نہیں۔ اگر اس کا وجود بدوں مرج ہوا تو اس قاعدہ کی وجہ سے کہ
ممکن کی ایک جانب یعنی وجود یا عدم کو بغیر کسی مرج کے ترجیح ہو سکتی ہے۔ اثبات حاکم کی دلیل کی اساس
منہم ہو جائیگی۔ کیونکہ اس کا دار و مدار اس مقدمہ پر ہے کہ ممکن کی ایک جانب یعنی وجود یا عدم کو بغیر کسی علت
مرج کے ترجیح نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اس کا وجود کسی اور مرج پر موقوف ہے تو اس کا وجود بھی کسی اور
مرج پر موقوف ہو گا اس طرح تسلسل لازم آئیگا۔ چونکہ تسلسل محال اور باطل ہے۔ لہذا یہ کہنا پڑیگا
کہ بندے کے فعل کے صدور کا مرج اللہ تعالیٰ کا موقوف ہے اور بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں۔
مستی نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی قدیر تو اس کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ بندہ قادر اور مختار ہے وہ
اپنا ارادہ جو محرک افعال ہوتا ہے بغیر کسی مرج کے خود بخود پیدا کر سکتا ہے۔ اور فطرت کو اس کا شاہد
بتلاتے ہیں کہ دیکھو جس کلام کا ہم ارادہ نہ کریں اس کو وجود میں نہیں لاتے۔ اور جب تک کہ کسی کلام کا نفع اور
اس کا ضرر نہ سمجھ لیں اس کا ارادہ نہیں کرتے اور اس ارادہ سے پہلے ایک دوسرا ارادہ جو اس ارادہ کا حلیہ
ہو۔ اور اس علم سے پہلے ایک اور علم جو اس کا باعث ہو مگر موجود نہیں ہوتا۔ پس مرج بندے کا اپنا ارادہ
اور اس کی وہ صفات جو خالق نے اس کی فطرت میں پیدا کر دی ہیں۔ غرض اللہ سبحانہ نے بندے
کی خلقت اس طرز پر بنائی ہے کہ وہ بالطبع حرکت کر سکتا ہے پس اپنے ارادہ اور مشیت سے جو حرکت
کرنا چاہے تو یہ اس کے خلقت اور ذی روح اور حیوان ہونے کے لوازم سے ہے اور اسی طرح ارادہ
اور میلان قلب بھی دیکھئے زمانہ اور ذی روح ہونے کے لوازم سے ہیں۔ اور بندے کے افعال خاص ہی
اس کے ارادات اور محرکات افعال ہیں اور جو افعال ان کے ذریعہ سے صادر ہوتے ہیں وہ ان کے

ساتھ صرف اس بات میں مشابہت ہے کہ دونوں بندہ۔۔۔ کی طرف سے جو یہ ہیں کہ ارادہ اور اس کے بموجب
ہیں اور وہ کسی قدر انہی ارادہ کے واسطے سے منسوب ہیں۔ یعنی نہ کہا کہ قدرت یہ کہ جو اب بالکل غلط
اور باطل ہے۔ معاذ اللہ کیا قدر یہ خدا کا نشان ہی سمجھتے ہیں کہ بندے کے بڑے اور کوئی ایسی چیز ہو سکتی
ہے جو اللہ تعالیٰ نے کی مخلوق نہ ہو اور اس کی قدرت، مشیت میں داخل ہو۔ اللہ اکبر۔ اللہ سبحانہ کی شان
کو وہ ہرگز میں سمجھتے۔ اور سب کو جیسا چاہتا ہے۔ ایسا نہیں چاہتا۔ اور نہ اس کی تعظیم کا پورا حق ادا کیا۔
حقیقتہً ارادہ یہ ہے کہ بندے کو اس طرح سے جو صفتیں۔ افعال۔ ارادہات۔ غرض کہ بندہ کے ہر ذرہ اور ہر
کے مخلوق ہے اور اس میں اللہ سبحانہ کا توہم ہے۔ جہاں ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بندے کی
قدرت ارادہ اور دیگر وہی وہ محکات صد و فیصل کے سبب نام کے اجزا ہیں اور نہ وہ کو فعل صادر کرنے
میں مستقل طور پر اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور باوجود اسکے کہ یہ سب اجزاء اللہ سبحانہ کے مخلوق ہیں۔ غرض بندہ
نہ اس کو جوہر اترام اعتبارات کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کا محذوق ہے۔ اور اپنے خالق کی طرف محتاج
ہوتا ہے۔ اس کے لازم سے ہے۔ اور اس کی قلب اپنے سائق کے ہاتھ اور اس کی دو انگلیوں کے بیچ میں
وہ جس پر غلبہ چاہے اس کو بھیر دیتا ہے۔ پس اس کو ایسے کام ارادہ کرنے والا بنا دیتا ہے کہ جس کے وقت
کے ساتھ اس کی مشیت متعلق ہو اور اس کو ایسے کام سے منصرف کر دیتا ہے کہ جس کے وقوع کے ساتھ
اس کی مشیت متعلق نہ ہو۔ غرض یہ کام کو اللہ سبحانہ چاہتا ہے وہ وقت میں آتا ہے اور جس کو نہیں
چاہتا وہ ہرگز واقع نہیں ہوتا۔ اور بیشک مرجحات کا سلسلہ اللہ سبحانہ کے امر کوئی اور اس کی اس
مشیت پر ختم ہوتا ہے جو تمام مخلوق میں نافذ ہے اور کسی کو اس سے بچنے کی مجال نہیں لیکن لفظ
بجبر جبریا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ایک مکمل لفظ ہے۔ حق اور باطل دونوں اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔
پس اگر تمہارا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال میں ایسا مضطر اور مجبور ہے کہ اپنی جہتی سے سیٹھی پر
جبریت اور اس سے بڑوں اختیار سے بچ کر نادو کیاں ہیں۔ تو یہ قتل اور فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ اور
اگر تمہارا مطلب یہ ہے کہ بندہ کسی کام کو اللہ تعالیٰ کی توفیق بغیر نہیں کر سکتا۔ تو یہ بیشک صحیح ہے۔ اور یہ عام
قاعدہ ہے کہ بندہ مستقل طور پر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ قوت۔ قدرت سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ہے۔ بنفسہ بدست خود کسی کام پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق بغیر کوئی کام کر سکتا
ہے۔ ہم اس قاعدہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس خیال سے کہ فرقہ قدریہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس کا انکار
نہیں کرتے۔ بلکہ اس قسم کے اسما کے تعلق ہم ان کے کہیں گے ان ہی اسماء سے تعبیر ہو گا ان شاء اللہ
اباؤ کہ ما انزل اللہ بقا من مطاوع (یہ ثبت) اس نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے

بڑوں نے اپنی طرف سے رکھے تھے ہیں۔ خدا نے تو ان کے مجتہد بننے کی کوئی سزا نہ دی تھی۔ یعنی
 جس طرح کھانا اپنی طرف سے نام تجویز کر لے۔ تھے۔ اسی طرح قدریہ نے بھی ایک تجویز کرنا ہے۔ نہیں
 اس کے اس قاعدہ کو جس کے ساتھ مومن کر سنے کی۔ یہ۔ جتنے درمیاں نے مستثنیٰ نہ مانا وہیں کر سنے
 سے بڑی خرابی کی بات یہ ہے۔ اجماع اس بات کے قائل ہو جائے۔ کہ اندر کمانہ بندے کو ان کے سر پر
 عذاب کرے گا۔ جن میں اس کا کوئی ذل نہیں۔ اور نہ اس کے کہ نہ پروردگار سے اور نہ ان کے عہد در
 میں کسی طرح کی اس کی کوئی تاثیر ہے۔ بلکہ اگر تبتحان اس کو خود اپنے افعال پر سزا کرے گا۔ اور نیز
 اس کو ایسے حرکات پر سزا کرے گا۔ اس سے بلا اختیار صادر ہو۔ سے میں جیسا کہ اوپر سے بغیر
 قصد و ارادہ کے پہنچے گر جانا وغیرہ وغیرہ۔ ہاں یہ جائز ہے کہ اگر بندہ سے ایسے حرکات کے
 اسباب کو اپنی مرضی اور خواہش سے مہیا کیا اور اس سے کہ بعد غیر اختیاری حرکت کا متعدد ہوا۔ تو یہی
 حرکت پر بھی جو خلاف شرع ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معذب ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ کسی شخص
 سے لائے تھی اور فتنہ میں کوئی حرکت خلاف شرع بغیر اختیار صادر ہو۔ تو چونکہ اس لئے مستحق اور فتنہ کو
 باختیار خود پیدا کیا اور اس کا ارتکاب ہوا تھا۔ نہ ارادہ اس غیر اختیاری حرکت پر بھی عذاب ہو گا اور
 جس طرح کہ اس عاشق کو کہ جس کے صبر اور عقل پر عشق غالب آگیا۔ اور وہ اپنے اختیار میں نہ رہا ہو۔
 اس وجہ سے عذاب ہو گا۔ کہ پہنچے اس نے اپنے ارادہ اور خواہش سے عشق کو اختیار کیا۔ اور اس
 کے اسباب کو عمل میں لایا اور جی طرح اس شخص کو عذاب ہو گا جو پہلے باختیار خود تھی سے پھرا۔ اور اسے
 اس کو برا سمجھا۔ یہاں تک کہ اس کے دل پر مہر اور قفل لگا دئے گئے۔ اور اس کے قلب پر پردہ غفلت
 ڈال دیا۔ پس اس کے اور ہدایت اور حق کے درمیان یہ پیڑیاں بالکل ہوئیں اور ہدایت کا پانا اس کے اختیار
 میں نہ رہا۔ اور اسی ہدایت کے حال

نہ کرنے پر جو کہ اس کے اختیار اور قدرت سے باہر نہ کہ وہ اس سے روکا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس
 کو معذب کرے گا۔ کیونکہ پہلے اس نے خود بخود ہدایت سے اعراض کیا۔ اور ایسے شخص کو معذب کرنا
 محض عدل ہے کسی طرح کا ظلم نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ایسا شخص جو اس وجہ سے سزا لائے
 اور ہدایت کے پانے سے روک دیا گیا ہے۔ تو ایسی حالت میں وہ مکلف احکام کیسے ہو سکتا ہے
 وہ تو مجبور ہے۔ تو اس کو یہ کہا جائے گا کہ تمہارا سوال بدینک ٹھیک ہے اور اس کا جواب ثانی انشاء اللہ
 بات تکلیف بالایطاق میں عنقریب مذکور ہو گا۔ یہاں صرف نطق جبر اور اس کے معنی کے متعلق کہ کہنا
 صحیح اور کوئی غلط ہے کلام کرنا مقصود ہے۔

مقتضی کا یہی قول ہے، مگر اس قول کے قائلین میں باہم اتنا اختلاف ہے۔ کہ ان میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ بندے کے افعال میں اگرچہ اسی کی قدرت شہود ہوتی ہے۔ لیکن اُس کے افعال پر اللہ تعالیٰ نے کوئی اثر نہیں کیا۔ اور قدرت کا یہی قول ہے کہ تمام مقدمات پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اور انہیں بھری اور اس کے مقتضی فرقہ جینیہ کا یہی خیال ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ بندے کے افعال میں اسی کی قدرت کو اثر ہے اور جن کا سونے کے کسے پر بندہ قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن سب کے کسے پر قادر نہیں۔ مثلاً خدیجہ ابی علی اور ابی ہاشم کے پرورداسی کے قائل ہیں۔ ابن خطیب اور جمہور متکلمین انہی اقوال کو بیان کرتے ہیں مگر ان سے کسی غالب حقیق کو سیرالی محال نہیں ہو سکتی۔ یہ اقوال آپس میں باہم متناقض ہیں۔ اور انہیں کے بعض اصحاب نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس دلیل میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مقدر کا دو قادر سے صادر ہونا لازم آئیگا۔ یہ اُس صورت میں محال ہے۔ جب وہ دو سے معاً صادر ہوا اور جبکہ اُن دو نوے کے بعد دیگرے صادر ہو تو یہ محال نہیں جس طرح کہ ایک وقت میں ایک مکان کے اندر دو جسم کا موجود ہونا محال ہے۔ مگر یہ جواب بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ ان دو نوے سے ہر ایک کو اُس پر اُس وقت قدرت حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ سر اُسے چھوڑ دے اور استدلال کا یہ مطلب ہے کہ جب اُس فعل کو بندہ اپنی قدرت اور ارادہ سے کرتا ہے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کو اُس پر قدرت ہے اور اُس کی قدرت اُس میں موثر ہے یا نہیں۔ اگر موثر ہے تو لازم آئیگا۔ کہ ایک مقدر کا دو قادر سے صدور ہوا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت نہیں۔ تو لازم آیا۔ کہ بعض ممکنات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہیں۔ اگر کوئی شخص یوں جواب دے کہ اللہ تعالیٰ اس فعل کے کرنے پر قادر ہے بشرطیکہ بندہ اپنی قدرت سے اُس کو صادر نہ کرے۔ تو اس کو یہ کہا جائیگا۔ کہ تم نے تو صراحتاً مان لیا۔ کہ بندے کی قدرت کے وقت اللہ تعالیٰ اُس کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ پس یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اور بندہ یکے بعد دیگرے اُس کام کے کرنے پر قادر ہوتے ہیں کچھ عقیدہ اور نافع نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ جب اللہ تعالیٰ کی قدرت بندے کی عدمی قدرت کے ساتھ مشروط ہوئی۔ تو جس وقت یہ شرط نہ پائی جائیگی۔ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی نہ پائی جائیگی اور اِس بابت کا کوئی اہل توحید ہرگز قائل نہیں۔ بلکہ سب کے سب اسی قول میں تہمتیں مخالف اور تم پر حضرت ہیں۔ اور تمہارا یہ قول محض اہل سنت کے لئے دھوکا دہی ہے۔ ورنہ حقیقت اِس کا

مطلب یہ ہے کہ بندہ ان اشیاء اور امور پر قادر ہے جن پر اللہ تعالیٰ قادر نہیں۔ اور اس باطل خیال کی خرابی بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی خرابی اظہار من الشمس ہے۔ اگر کوئی شخص یہ جواب دے کہ جس طرح ایک تیز و عالم کی معلوم اور دو ارادہ کرنے والوں کی راہ ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک چیز دو قادر کی قدرت میں داخل ہو سکتی ہے۔ تو اس کو یہ کہا جائیگا کہ تمہارا یہ فیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ تیز و عالم اور ماد میں عالم اور مادہ کوئی واسطہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے اس میں ذیہر کا اثر آتا ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک چیز کو دو دھوکے دیکھ سکتے یا ایک آواز کو دو شخص سن سکتے ہیں۔ اور ایک مقدور چیز دو قادر کی قدرت میں اس جتنی سے آسکتی ہے کہ اس کو دو ذویکے بعد دیکھ کر سکیں اور اس جتنی سے کہ دو ذوی کی قدرت اس کے وجود کی موجب اور اس کے مقارن ہو یہ حال ہے۔ ہاں یہ ہر ممکن ہے کہ ایک کی قدرت کی تاثیر دوسرے کی تاثیر کے لئے شرط ہو۔ البتہ اس میں شبہ کو سمجھا تو کہتے گئے کہ تیس یہ نہیں سنا نہ اس کی نسبت ہو ایک کی طرف ہے۔ یہی بعینہ دوسرے کی طرف ہے جیسا کہ ایک تیز و عالم کا معلوم ہوتی ہے اور ایک کا علم بعینہ دوسرے کا علم نہیں ہوتا اور ایک مفعول جو جمع فاعل سے صادر ہو۔ تو یہ نہیں کہا جاتا کہ ایک کا فعل بعینہ دوسرے کا فعل ہے۔ پس اسی طرح ایک مقدور جو دو قادر سے خلق ہوا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس پر جو ایک کو قدرت کامل ہے وہی بعینہ دوسرے کی قدرت ہے۔ بلکہ میرے اس قول کا کہ یاس کا فعل ہے اور اس میں اس کی تاثیر کو دخل ہے۔ یہ مطلب ہے۔ کہ اس کی قدرت اور ارادہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور اس کا یہ معنی نہیں کہ ایک کی قدرت بعینہ دوسرے کی قدرت ہے اور ایک چیز کو دو شے کی طرف نسبت کرنا عقلاً کوئی محال نہیں۔ ہاں یہ محال ہے۔ کہ جو ایک کی طرف نسبت ہو وہی بعینہ دوسرے کی طرف نسبت ہو۔ مگر ابی الحسین کی اس تقریر نے کچھ کام نہیں چلتا۔ کیونکہ تقسیم اس صورت میں بھی جاری ہو سکتی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں۔ کہ اولہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کی قدرت تمام ممکن اشیاء ذوات۔ صفات اور افعال کو مادی ہے کوئی محدود چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اور نیزہ امر بھی اولہ سے ثابت ہے کہ بندہ اپنے ارادہ اور قدرت سے اپنے افعال کا فاعل ہے۔ اور اس کے افعال حقیقت اسی کے افعال ہیں۔ جن پر وہ عقل۔ شرع۔ عرف اور فطرت کے رُوسے قابل مدح یا ذم ہو تا ہے۔ بندے تو بجائے خود حیوانات کی فطرت میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے کہ بندے کے نیک افعال پر اس کو قابل تحسین اور بُرے افعال پر اس کو قابل مذمت سمجھتے ہیں۔ اور نیزہ بات بھی اولہ سے ثابت ہوتی ہے کہ ایک معین فعل جو متقل فاعل اور ایک خاص اثر جو مستقل اثر سے صادر ہونا محال ہے۔ اور نیزہ امر بھی دلیل

وہ محمود ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خالق قرار دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ ایسی مخلوق کو مانا جائے جو بغیر خالق کے پیدا ہو۔ کیونکہ جب شے کا فعل اللہ تعالیٰ کے کا مخلوق ہو۔ تو تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو بندہ مختلف طور پر اس کا خالق ہو یا اللہ تعالیٰ اور وہ دونوں کے خالق ہوں۔ یا ان دونوں سے کہی جاتی ہیں اس کا خالق نہ ہو تو ضروریہ نشا پڑیگا کہ یا تو اللہ کے سوا ایک دوسرا خالق ہے یا یہ کہ نشا پڑیگا کہ بعض اشیاء بغیر خالق کے پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ دونوں صورتیں نا جائز اور محال ہیں۔ اور جو شخص افعالِ عباد کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے خارج قرار دے گا وہ اس عزائی سے ہرگز بچ نہیں سکتا۔ جب یہ معلوم ہو چکا۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ پختہ کے افعال اس لحاظ سے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں کہ وہ ان کا خالق اور مکون ہے جس طرح کہ تمام مخلوقات ایسی قدرت اور توفیق اور خلق سے درویش آتی ہیں۔ اسی طرح پختہ کے افعال بھی اسی کی قدرت و خلق اور توفیق سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور نہ اس کی قدرت سے اس کا خالق واقع ہوتے ہیں کہ وہ ان کے صدور کا سبب اور بندہ ان کا مبادیہ شر ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ خالق افعال اور بندہ ان کا فاعل اور بشار ہے۔ اور پختہ کی قدرت حادثہ اور اس کا حادثہ و فاعل اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے پیدا ہوتے ہیں +

فصل۔ جبری نے کہا۔ اگر انسان اپنے افعال کا فاعل ہو۔ تو وہ انکی تفصیل سے ضرور واقف ہو گا اور نہ یہ ممکن ہو گا کہ جو کام وہ کرے اور جس مقدار پر کرے کبھی اُس سے زائد اور کبھی اُس سے کم ہو جایا کرے اور جب ایسا نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ وہ ضرور انکی تفصیل سے واقف ہونا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ناہم اور ناقل کبھی کام کرتے ہیں اور انکو کام کی کیفیت اور مقدار سے خبر نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح سترک سازت کو کہہ کر تلبہ اور اسے تفصیل حرکت اور اجزائے مسافت کی مطلقاً خبر نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح اٹھنے لانے والا انکی ہلاتا ہے۔ اور اسکو اُسکے اجزاء اور انکے اجزاء و مکانات کا شعور نہیں ہوتا اور اسی طرح سانس لینے والا سانس لیتا ہے۔ تو اکثر اوقات اُس کو اپنے سانس لینے کا پتہ بھی نہیں ہوتا پھر اُس کی کیفیت کیفیت اور منتہی کا علم کیسے چلے گا۔ علیٰ ہذا القیاس غافل شخص کبھی کوئی بات کہنا یا کوئی کام کر چکتا ہے اور بعد میں یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اس کا قصد اور ارادہ نہیں کیا تھا۔ غرض ہم کو اتنی معلوم ہے کہ ہم کو نشست۔ برخاست۔ چلنے۔ پھرنے میں اپنے بہت سے حرکات اور مکانات کی خبر نہ ہوتی۔ اور اگر ہم چلنے پھرنے اور تیز رفتاری کی حالت میں اجوائے حرکت کو ایک دوسرے سے علیحدہ اور مستباز اور بکرم کرنا چاہیں۔ تو یہ ہر ممکن نہیں۔ بلکہ جو شخص سب سے زیادہ عقلمند ہو اُس سے بھی یہ بات نہیں ہو سکتی۔ پس دوسرے حیوانات پرندے وغیرہ اپنے چلنے۔ اڑنے یا

تینے کے وقت اپنے حرکات و سکنات کی تفصیل کو کس طرح معلوم کر سکتے ہیں۔ چوٹی اور چہرہ تک یہی
 قاعدہ جاری ہے کہ کسی چیز کو اپنی حرکات و افعال کی تفصیل کا علم نہیں۔ چنانچہ جو شخص نشہ یا غصہ کی
 حالت میں ہوں۔ اُن کی نسبت دیکھا جاتا ہے کہ انکو اپنے حرکات و افعال کی بالکل خبر نہیں ہوتی
 اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَءُوا الصَّلَاةَ وَ أَنْتُمْ سُكَارَىٰ**
حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (مسلمانو) جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے پاس بھی نہ جانا۔
 یہاں تک کہ نشہ اُتر جائے اور جو کچھ تمہارے کہتے ہو اس کو سمجھنے لگو۔ اس آیت سے
 صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحت آدمی نہیں جو شخص نشہ کی حالت میں ہو اس کو اپنے اقوال کا علم نہیں
 ہوتا۔ اور جب اس کو اُن اقوال کا علم نہیں ہو اُس سے دبدول اختیار صادر ہوتے ہیں تو
 ان کا موجد اور ارادہ سے پیدا کرنے والا کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ ارادہ شعور اور علم پر موقوف
 ہے۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ فتویٰ ہے کہ سکران یعنی وہ شخص جو نشہ کی حالت
 میں ہو اُس کی طلاق واقع نہیں ہوتی یعنی صحابہؓ نے اُس کی حرکت اِسانی کو ایسا سمجھا کہ گویا اُسکی
 زبان کو اُسکے ارادہ و اختیار کے بغیر کوئی دوسرا شخص بولتا ہے۔ اور اُسے رسول خدا صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غلاق یعنی دباؤ لگی اور جنون کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی
 کیونکہ غلاق کی حالت میں علم اور ارادہ موجود نہیں ہوتے اور اسی واسطے جمہور فقہاء کا یہ قول
 ہے کہ ناسی (بھول کر کوئی کام کرنے والے) پر مواخذہ نہیں ہے کیونکہ اس کا فعل اس کے اختیار
 سے یا ہر ہوتا ہے۔ اور اسی واسطے اسکی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ گو اس کے اختیار سے
 صادر ہوتا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں کہ جو شخص بھول کر کوئی چیز
 کھائے یا کوئی چیز پی لے۔ تو اُس کو اپنا روزہ پورا کرنا چاہیئے (یعنی بھول کر کھا لینے یا پی لینے
 سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ بدستور قائم رہتا ہے) کیونکہ اُس نے اپنے اختیار سے یہ کام نہیں
 کیا۔ بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا یا پلا دیا ہے۔ اسی ضمن میں کی طرف اشارہ فرمایا ہے **وَيُخَفِّضُ**
صَلَّىٰ اللہ علیہ وسلم نے اُسکے فعل کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اُس شخص کی طرف منسوب
 نہیں کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ کھانا یا پینا اُس کا فعل نہیں۔ اسی واسطے اس کا روزہ
 نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ بدستور قائم رہا۔ حتیٰ نے جواب دیا کہ اس مقام میں تفصیل کی ضرورت ہے۔
 یہاں اجمال مناسب نہیں۔ لہذا ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ جو افعال بندوں سے صادر ہوتے
 ہیں۔ وہ قدرتِ علم اسباب۔ ارادہ کے لحاظ سے کئی اقسام میں تقسیم ہیں۔ پس کبھی تو ایسا

ہونا ہے۔ کہ انسان اپنے فعل میں مجبور محض ہوتا ہے۔ اور اس کے ارادہ کو اس کے صدور میں کسی طرح کا کوئی دخل نہیں ہونا۔ بیسہ کہ کسی کے ہاتھ کو پکڑ کر اس سے کسی دوسرے کو پیٹ دیا یا اس کی بھگلی کو پکڑ کر اس کے پیچھے کسی کی آنکھ پھوڑ دی تو ایسے افعال و خستوں کی اس حرکت کے قائم مقام ہیں۔ جو ہوا کے چلنے سے ہوا کرتی ہے۔ اسی واسطے ان پر کوئی حکم مترتب نہیں ہوتا اور نہ ان کا فاعل صرح یا ذم اور نہ ثواب یا عذاب کا مستحق سمجھا جاتا۔ اور ایسے شخص کو قاتل شرع اور عرف میں قاتل نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ صورت ہوتی ہے کہ وہ کسی کام کے کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور نہ اس میں کوئی شخص اس کا فاعل ہے اس صورت میں یہ شخص نہیں کہلاتا۔ صورت میں اتنا اختلاف ہے۔ کہ ایسے شخص کو فاعل بالا اختیار کرنا صحیح ہے یا نہیں اور حق بات یہ ہے کہ یہ ایک لفظی نزاع ہے۔ کیونکہ یہ شخص ایسے ارادہ سے فعل کرتا ہے۔ جس پر وہ مجبور کیا گیا ہے پس یہ شخص ایک لحاظ سے فاعل بالا اختیار ہے۔ اور ایک لحاظ سے فاعل بالا منتظر ہے۔ پس اگر فاعل مختار کا صرف یہی معنی ہے کہ فاعل اپنے ارادہ سے حل کرے تو اس لحاظ سے تو یہ شخص فاعل مختار ہے۔ گونا غوشی سے اس فعل کو کرتا ہے۔ اور نیز اس لحاظ سے وہ مختار ہے کہ وہ جس کام پر اکراہ کیا گیا ہے۔ اس کو اسلئے کرتا ہے تاکہ وہ خرابی سے بچے جو اس سے زیادہ بری ہے۔ یعنی اس کو دکر وہ باتیں پیش آتی ہیں۔ ان میں سے وہ اسکو پسند کرتا ہے جو آسان ہوتی ہے تاکہ زیادہ مشکل میں نہ پڑے۔ اور اسی وجہ سے اگر کسی کو حالت اکراہ میں مارا جائے تو مہر و علماء کے نزدیک قاتل سے قصاص لیا جائیگا یعنی چونکہ اس نے اپنے اختیار سے دوسرے کو مار ڈالا۔ لہذا اس سے مواخذہ شرعی ہوگا۔ اور مجبور محض ہے بالاتفاق قصاص نہیں لیا جاتا۔ اور اس بات کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ جس شخص کو کسی بات کے کرنے پر اکراہ کیا جاتا ہے۔ تو وہ بات اس کے ارادہ و اختیار کے بغیر کی زبان سے نکل نہیں سکتی۔ اس واسطے بعض علماء کے نزدیک اس کی طلاق و عتاق فاسد ہے۔ کیونکہ یہ نہایت مذکورہ کی طلاق و عتاق نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے کلمات کو جو کلمات کہہ کر زبان سے نکالنے پر اکراہ کیا ہو معاف فرمایا ہے۔ اور ان پر کوئی اثر مترتب نہیں۔ کیونکہ اس نے اگرچہ اپنے بچاؤ کے لئے ایسے کلمات زبان سے نکالے ہیں۔ مگر ان کے معانی اس کے نزدیک مقصود و مراد نہیں۔ لہذا وہ معاف سمجھے گئے ہیں۔ بعض فقہاء کا قول ہے کہ اگر اکراہ کی حالت میں دل سے بھی طلاق کا قصد اور ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کے اقوال اللہ تعالیٰ کے نزدیک نحو اور بے معنی ہیں۔ لہذا شرعاً ان کا وجود کالعدم ہے۔ اور جب اس کے الفاظ کا اعتبار نہ ہوا۔ تو اب صرف ارادہ قلبی باقی رہا۔ اور محض ارادہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ

انہ سجاد نے کمرہ کے اقوال کو اُس وقت لغو اور بے معنی قرار دیا ہے جب وہ ارادہ اور قصد سے خالی ہوں اور اس کا دل انکی ضد اور انکے خلاف پہ قائم ہو اور مطمئن ہو۔ اور حسب الفاظ کے ساتھ ارادہ بھی شامل ہو گیا اور ریل اور زبان متفق ہو گئے۔ تو ایسی حالت میں وہ شخص مسدود نہیں سمجھا جائیگا۔
 از نوئی یہ تفسار کرے کہ کسی شخص کا یہ خیال ہو کہ اگر وہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔
 اور اسی حالت میں اُس نے طلاق کا ارادہ کیا۔ اور اُسے یہ مسئلہ محال نہیں کہ اگر وہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ تو ایسے شخص کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں تو اس کو یہ جواب دیا جائیگا کہ ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُس کا جب یہ خیال ہے کہ اگر وہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور پھر اُس کو زبان سے نکالا۔ تو اس کا ارادہ اُس کے الفاظ کے قائم مقام ہوگا۔ کہ اپنے بچاؤ کے لئے اس کا ارادہ کیا اُس نے یہ سمجھا کہ ارادہ طلاق کے بغیر خلاسی نہیں ہو سکتی اور وہ یہ جانتا ہے کہ الفاظ بدول ارادہ کے حالات اگر وہ میں لغو اور بے معنی ہوتے ہیں۔ غرض اُس نے بے کھبی سے ارادہ کیا دیکھتے ہوئے اُسے طلاق واقع کرنا مقصود نہ تھا لہذا اسکی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور پہلے شخص کی طلاق پہلے واقع ہو جائیگی۔ کہ جب اُس کو طلاق دینے پر اکراہ کیا گیا۔ تو اُس کے دل میں ارادہ پیدا ہوا کہ میں عورت نے طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ہوں۔ اُس کے پاس کھنے سے کیا فائدہ ہے۔ ایسی کو طلاق ہی دینا اچھا ہے۔ لہذا اُس نے اپنے ارادہ سے طلاق دی۔ اگرچہ وہ جبر نہ کیا جاتا تو وہ اُس کو طلاق نہ دیتا۔ غرض یہ کہ کمرہ پہلے فعل کو اپنے ارادہ سے کر سکتا ہے۔

فصل۔ اس میں شک نہیں کہ نام رسو نے والا اسے بھی بعض افعال اور بعض کلام ایسے صادر ہوتے ہیں جو مفید مطلب ہو سکتے ہیں۔ اس امر بر تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ ایسے افعال و اقوال پر مواخذہ اور تہذیف نہیں ملے گی اس میں اختلاف ہے کہ یہ افعال و اقوال اُس کی قدرت اور کسب صادر ہوتے ہیں یا کہ قدرت اور کسب خارج ہیں معتزلہ اور بعض اشعریہ کا قول ہے کہ یہ افعال نام کی قدرت میں داخل ہیں اور رسو نے سے قدرت زائل نہیں ہو جاتی کلام اور ادراک اس حالت میں موجود نہیں ہوتے ابواسحاق وغیرہ کا قول ہے کہ یہ افعال اُس کی قدرت میں داخل نہیں ہوتے۔ کیونکہ فہم کی حالت میں حیطہ علم اندر ادراک نہیں پلے جاتے اسی طرح قدرت بھی نہیں باقی باقی۔ قاضی ابوبکر اور بہت سے اشعریہ کا یہ قول ہے کہ نام کی حرکت اور فعل کی نسبت کوئی قطع حکم نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کی قدرت میں اصل اور اُس کا منسوب ہے یا اُس کی قدرت سے خارج اور اضطراری ہے بلکہ دونوں باتیں ہو سکتی ہیں قائلین قدرت یہ کہتے ہیں کہ نام میں اس کے وقت قدرت موجود تھی۔ اور اب بھی اُس کی قدرت

باقی سے سونے کی وجہ سے قدرت زائل نہیں ہوتی۔ لہذا یہ کہا جائیگا کہ نام کا فعل بدستور اسکی قدرت سے واقع ہوتا ہے۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ نام بیدار ہوتا ہے اور اس میں سونے کا ثبوت ہے اور سونے کے اور سونے کے اور کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوتی اور بیدار ہونے پر اس میں قدرت موجود ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نائم کی حالت میں بھی قدرت موجود ہوتی ہے۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ نام سے کبھی ایسے افعال صادر ہوتے ہیں کہ اگر وہ حالت بیداری میں موجود ہوں تو اختیار اور ارادہ کے بغیر موجود نہیں ہو سکتے۔ غرض نوم گذار اور قدرت کے مساوی اور مخالف ہے مگر قدرت کے مساوی نہیں۔ منکرین قدرت جواب میں یہ کہتے ہیں کہ تمہارا یہ دعوے کہ نوم قدرت کے مساوی نہیں ہے کتنا نام منفعیل اور متاثر ہوتا ہے۔ اسی لئے جو شخص اسکو کچھ تکلیف پہنچائے اس کو ہٹا نہیں سکتا اور مؤثر کا اثر قبول کرنے سے وہ رکت نہیں سکتا۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ بیدار ہونے پر نائم کے دوسرے ہونے کے سوا کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوتی یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ قدرت کے افعالی نائم کا وجود ہونا ہی نئی چیز کا پیدا ہونا ہے۔ پس افعالی دوسرے سے قدرت بدستور سابق موجود ہوجاتی ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے کو اسی سے باندھ کر اس کو حرکت سے روک دے۔ پھر جب رسی کو کھول لیگا۔ تو زوال مان پیدا ہو گیا اور وہ بدستور حرکت کرنے لگیگا۔ قائلین قدرت یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ نام۔ اور متعش اور مفلوج کی حرکت میں ظاہر فرق معدوم ہوتا ہے۔ اور اس فرق کی یہی وجہ ہے کہ نام میں قدرت موجود ہوتی ہے اور اس کی حرکت قدرت سے واقع ہوتی ہے اور متعش اور مفلوج کی حرکت اسکی قدرت اور اختیار کے بدون صادر ہوتی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ نام کی حرکت منطاری اس کے کسب اور قدرت سے واقع نہیں ہوتی۔ اور بطور کہ اپنے اختیار سے تالی بجانے اور مرض رعشہ سے ہاتھوں کے حرکت کرنے میں ظاہر فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح نام اور بیدار کی حرکت میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

فصل۔ وہ شخص جس کی عقل جنون یا نشہ پینے سے زائل ہوگئی ہو اس کے افعال نہ تو ایسے اضطراری ہیں۔ جیسے مجبور اور مکرہ شخص کے ہوتے ہیں۔ اور نہ ایسے اختیاری ہیں کہ ان کو اپنے غم و اداہ سے کرتا ہے بلکہ اس کے افعال منطاری افعال کا ایک دوسرا قسم ہے اور یا افعال حیوانات اور بعض چیزیں اپنے افعال کی مانند ہوتا ہے۔ اور ان مذکورہ اشخاص میں سے ہر ایک شخص کے فعل کے لئے ایک داعی اور باعث ہوتا ہے جس کو وہ پہلے تصور کرتا اور سوچتا ہے اور نیز ان میں سے ہر ایک شخص کے لئے ارادہ اور قدرت موجود ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے اس فعل کو صادر کرتا ہے۔ گو ان کے افعال کے داعی عاقل اور عالم کے افعال داعی و اسباب کے علیحدہ اور دوسرے قسم کے ہیں۔ غرض یہ

اشخاص اپنے افعال کی غرض کو پہنچے سوچتے۔ اور اسکے بعد ان افعال کے صادر کرنے کا ارادہ کرتے اور ارادہ کے چند انکوصاد کر کے ہیں۔ اور یہ افعال طبعی افعال میں جو دو داعی اسباب - ارادہ اور قدرت سے صادر ہوتے ہیں۔ گو دو داعی اور اسباب یکساں نہ ہوں۔ چونکہ ان کے دو داعی ایک دوسرے سے ہم کے ہوتے ہیں۔ ان کو فی شخص یہ نہیں کہتا۔ کہ ایسے اشخاص ان افعال پر ناخود و معذب ہو سکتے۔ بلکہ ان کے افعال ان کے بکلیت سے خارج ہیں۔ اور نیز یہ افعال مکرر کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ نہیں ہو سکتے۔ اور ان افعال پر اپنے نامعین کی طرف شعور ہونے کی حیثیت سے اور انہوں نے نہ کسی طرف جو خالق ذات وضع نہ ہوتے۔ نہ کسی کے لحاظ سے متعصب کرتے ہیں۔ اور نہ یہی بھول کر کام کرنے والا جو غفلت اور ذہل سے کسی کام کو کرتا ہے اس میں بھی اس کام کی قدرت موجود ہوتی ہے اگر اس میں اس کام کی قدرت نہ ہوتی تو وہ کام۔ گزرا اس سے صادر نہ ہو سکتے۔ اور نیز اس میں ارادہ بھی موجود ہوتا ہے گو وہ اپنے ارادہ سے اس وقت غافل ہوتا ہے۔ کیونکہ ارادہ کا وجود اور اس کا علم دونوں ایک چیز نہیں بلکہ ہر دونوں مختلف چیزیں ہیں پس ایک کے نہ ہونے سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کے جی میں کسی کام کا ارادہ ہو مگر وہ اس وجہ سے اسکے علم سے غافل ہو کہ اس کی قوت مدد کہ کسی دوسری طرف متوجہ ہو اور دوسری جانب کے ارادہ کے شعور سے مانع ہو۔ اور اسی حالت میں وہ شخص اس کام کو اپنے ارادہ سے باوجودیکہ اسے اس کا شعور نہیں صادر کر سکتا ہے۔ اگرچہ فعل کے ہر ایک جزو کے صدور کے لئے شعور کا ہونا ضروری ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک جزو کا شعور تفصیلاً حاصل ہو بلکہ ان کا اجمالی علم اور شعور بھی صدور کے لئے کافی ہے۔

فصل۔ جبری بولاکہ قدریہ کے نزدیک کافر کی گمراہی اور اس کا آخر اور جہل بھی اسکے اختیار سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر صحیح ہو تو لازم آئیگا۔ کہ وہ انکو اپنے ارادہ اور قصد سے پیدا کرتا ہے کیونکہ افعال اختیار سے لئے قصد اور ارادہ ضروری ہے اور یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ ان چیزوں کو اپنے ارادہ اور قصد سے اپنے لئے پیدا کرے۔ کیونکہ کوئی صاحب اختیار اپنے قصد اور ارادہ سے اپنے لئے جمالت اور گمراہی پس نہ نہیں کرتا لہذا یہ ضروری ہوا کہ وہ ان اشیاء کو اپنے اختیار سے نہیں کرتا۔ اور یہی جبر کا معنی ہے۔

سنی نے جواب دیا کہ تمہاری عقل پر نہایت تعجب آتا ہے۔ کہ بندوں کو تو اس عیب سے منزہ ٹھہراتے ہو کہ وہ اپنے لئے گمراہی اور جمالت کو پیدا نہیں کرتے اور انہوں نے ان کی نسبت یہ جابر رکھتے ہو کہ وہ ان سب اشیاء کا قائل و زود ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ کوئی صاحب عقل اپنے لئے گمراہی اور جمالت

پسند اور پیدا نہیں کرتا مگر اس غلط ہے تم بہت سے ایسے لوگ دیکھتے ہو گئے جو محض عناد و ضد مہم و جھڑی اور حسد کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے باوجودیکہ ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہدایت اور حق کے وہ فلاں ہیں مگر اپنی نفسانی خواہش اور کجروی کے باعث اسکو اختیار نہیں کرتے اور ہدایت اور رشد کے بہار کی مخالفت اور گمراہی کے راستہ پر چلنا اور دیدہ و دوستہ دیکھ بوجھ کو ہدایت سے کنارہ کشی کرنا۔ اچھا سمجھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے ایسے اشخاص کی نسبت فرمایا ہے مَا صَرَفَ عَنْ آيَاتِنَا الَّذِينَ يَتْلُونَ فِي الْأَرْضِ بغيرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كَلِمَةً أَنَاءً لِّأَعْيُنِنَا فَيَلْبِسُونَ قَوْلًا كَثِيرًا لَّيْسَ لَهُمْ صَبِيلٌ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُنْفِخُوا فِي أَوْتَارٍ مِّمَّنْهُمْ وَكَيْفَ يُصْلِحُ عَلَيْهِمْ سَبِيلَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَبَصِيرٌ أَلِيمٌ (اور جو لوگ ناحق (دار واد) ملک میں اترتے دپڑے) پھرتے ہیں۔ یعنی فرعون و مدبر اس کی قوم کے لوگ ہم ان کو اپنے احکام سے برگشتہ کئے رہیں گے اور ان کے دلوں کو ایسا سخت کر دیں گے کہ اگر دنیا جہان کے سب معجزے بھی دیکھیں تاہم ان پر ایمان نہ لائیں۔ اور اگر سب سحر راستہ دیکھ پائیں تو اس کو اپنا مسلک بنالیں یہ کجروی ان میں مفسس سے پیدا ہوئی کہ انہوں نے ہماری آیاتوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پرواہی کرتے رہے) *

ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَّيْنَاهُمْ فَأَسْتَحَبُّوا الْعَنَى عَلَى الْهُدَى (اور ہے ثمود تو ہم نے ان کو سیدھا راستہ دکھا دیا تھا۔ مگر انہوں نے سیدھا راستہ چھوڑ کر گراہی اختیار کی) اور قوم فرعون کی نسبت فرمایا ہے فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَاهُ أَيْمَانًا مِّنْهُم مِّنْهُمْ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ وَبِحَدِّ وَابِلًا قَدْ اسْتَيْقَضَتْهَا أَنْفُسُهُمْ فُلُومًا وَعَلَقُوا (تو جب ان کے پاس ہمارے معجزے آئے انکھیں کھول دینے والے تو نگہ کرنے یہ تو صرف جادو ہے۔ اور باوجودیکہ ان کے دل ان معجزوں کا یقین رکھ چکے تھے مگر انہوں نے ہیکڑی اور شیخی کے طعنے ان کو نہ مانا) *

اور نیز فرمایا ہے۔ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَضَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ (اور شیطان نے انہیں انکے عملوں کو اچھا کر دکھایا تھا۔ اور اسی مذہب سے ان کو راہِ راست کے اختیار کرنے سے روکا بھی تھا اور وہ شامت اعمال سے شیطان کے ہرکات میں آگئے ورنہ یوں تو وہ بڑی اسوجھ بوجھ کے لوگ تھے) *

ایک اور جگہ فرمایا ہے وَلَقَدْ عَلِمُوا الْمَنَاسِكُ الْأَمَّالَةَ فِي الْأَخْيَرِ قَوْمٍ خَلَائِقٍ (باوجودیکہ جان چکے تھے کہ جو شخص ان باتوں کا خریدار ہو وہ آخرت میں بے نصیب ہے) *

اور نیز فرمایا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ الَّتِي تَنفِرُ فِيهَا مِنْ دُونِ أَمْرِ اللَّهِ** (یہ سب سبیلوں سے بچو جو تم نے اللہ کے حکم کے بغیر اختیار کی ہیں)۔
 ان لوگوں نے اپنے نزدیک اپنی مائیں کو خرید لیا کہ زانیہ بن جائیں۔ یہ سب سبیلوں سے بچو جو تم نے اللہ کے حکم کے بغیر اختیار کی ہیں۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ الَّتِي تَنفِرُ فِيهَا مِنْ دُونِ أَمْرِ اللَّهِ (یہ سب سبیلوں سے بچو جو تم نے اللہ کے حکم کے بغیر اختیار کی ہیں)۔
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (اے کتاب کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم اس کی آیتوں سے واقف ہو)۔
 اور نیز فرمایا ہے: **يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَقْصِدُونَ سَبِيلَ اللَّهِ مِنْ أَمْنٍ يَنْفَعُ نَفْسًا** (اے کتاب کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم اس کی آیتوں سے واقف ہو)۔
 اور نیز فرمایا ہے: **يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَقْصِدُونَ سَبِيلَ اللَّهِ مِنْ أَمْنٍ يَنْفَعُ نَفْسًا** (اے کتاب کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم اس کی آیتوں سے واقف ہو)۔
 اور نیز فرمایا ہے: **يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَقْصِدُونَ سَبِيلَ اللَّهِ مِنْ أَمْنٍ يَنْفَعُ نَفْسًا** (اے کتاب کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم اس کی آیتوں سے واقف ہو)۔

انکے علاوہ قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار نے دیدہ و دانستہ اپنے اختیار سے کفر اور گمراہی کو پسند کیا ہے۔ اور بہت سے آدمی ایسے ہیں جو کسی بات کو ہدایت اور رشد سمجھتے ہیں مگر وہ درحقیقت گمراہی ہوتی ہے۔
فصل۔ جبری نے کہا اگر بندے کی قدرت اپنے اقوال اور افعال کے ایجاد کرنے میں مؤثر ہو سکے تو انکے علاوہ دوسری اشیا کے پیدا کرنے میں بھی مؤثر ہو سکے گی۔ کیونکہ تمام ممکنات اپنے ممکنان میں یکساں اور جملہ موجودات ممکنہ اپنے وجود میں برابر ہیں۔ گو ان کے محل اور جمات متفاوت اور مختلف ہیں۔ پس جب بننے کی قدرت بعض اشیا میں مؤثر ہے تو تمام اشیا میں بھی مؤثر ہو سکتی ہے۔ راستے کہ وہ سب یکساں اور برابر ہیں اور جو چیزیں یکساں اور برابر ہوں۔ ان میں سے بعض کے لئے جو صفت ثابت ہو وہ باقی کے لئے بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ غرض بننے کی قدرت کے مؤثر ہونے کے دائرہ ممکنات کے امکان پر ہے پس جب تمام ممکنات صفت امکان میں شریک ہیں۔ تو ضرور ہوا کہ اس کی قدرت سب میں مؤثر ہو سکے۔ مگر یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کی قدرت کو ارجام اور اکثر اعراض کے ایجاد اور پیدا کرنے میں ہرگز کوئی دخل نہیں بلکہ اس کی قدرت تمہارے نزدیک بھی صرف بعض اعراض میں مؤثر ہے۔ جو اسکے محل قدرت سے قائم ہوتے ہیں۔

سنی نے جواب دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مذہب کی بُرائی کو ظاہر کر دیا۔ تمہارا مذہب ایسی

ہی و اہیات اور خرافات دلیلوں پر مبنی ہے۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر آدمی کو زمین میں سے ایک سنگ نکالے گا تو اس نے قدرت پر تو لازم نہیں کہ وہ پہاڑ کے انکار ڈالنے پر بھی قادر ہو اور نیز اگر وہ ایک پر جو آٹھائیس کے قوسہ رہے کہ وہ لاکھ سیر اٹھائیس پر بھی قادر ہو گا۔ اور اگر وہ اپنے ان افعال پر جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں بیٹے کھانا پینا نماز چمنا وغیرہ پر قادر مانتا جائے تو ضرور ہو گا کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے پر بھی اس کی قدرت مانتی پڑے گی۔ ایسی لچر اور بھودہ ہیں کبھی کسی نے نہ مانی ہوگی اور تمام موجودات کے وجود میں شریک ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ جو اس ایک موجود اور ممکن چیز کی ثابت جائز وقوع ہو وہ تمام موجودات اور ممکنات کی نسبت جائز ہو جائے۔ اور یہ مقدمہ دلیل کے پہلے مقدمہ سے بھی زیادہ غریب اور بھودہ ہے۔ اگر اس مقدمہ کو صحیح کہا جائے تو لازم آئے گا کہ کچھ اور باقی اور نیز اعراض اور اجسام یکساں اور برابر ہوں۔

اور فرقہ چہ ہیں سے جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ بندے کی قدرت حادثہ کو اس کے نخل سے ایک گونہ تعلق ہوتا ہے۔ وہ اجسام اور اعراض کے درمیان تفاوت اور فرق مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندے کی قدرت بعض اعراض سے تعلق رکھتی ہے اور اجسام سے ہرگز اسے کوئی تعلق نہیں اور اعراض میں سے صرف بعض اعراض کے ساتھ اس کو تعلق ہے۔ تمام اعراض سے نہیں۔ اگر وہ ایسی ہی اور بھودہ دلیل یا شبہ اپنے مدعا جتنی بندے کی قدرت کی تاثیر کے ابطال پر مستلزم قائم کر چکا۔ تو اسی شبہ کے ساتھ اس کو لازمی جواب سے سادگی کیا جائیگا کہ تم جب بندے کی قدرت کے بعض اعراض میں موثر ہونے کو تسلیم کرتے ہو تو یہ شبہ بعد نہ تم پر وارد ہو گا۔

فصل۔ جبری نے جواب دیا کہ توحید باری تعالیٰ کی دلیل بندے کے فاعل افعال اور ان میں اس کی قدرت کے موثر ہونے کے منافی اور مخالف ہے۔ یعنی دلیل توحید سے جس کو برہان تملیغ کہتے ہیں۔ بندے کا فاعل افعال اور اس کی قدرت کا ان میں موثر ہونا باطل ہو جاتا ہے۔

سنی نے جواب دیا کہ توحید کی دلیل سے دوسرے کے وجود کی نفی اور بطلان لازم آتا اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ برحق کے سوا کوئی دوسرا رب موجود نہیں۔ اور اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا۔ کہ کوئی ایسی مخلوق بھی موجود نہیں جن میں خلقت نے ارادہ اور قدرت پیدا کئے ہوں جن سے وہ افعال صادر کر سکے۔ اور وہ مخلوق خدا کے افعال۔ ارادہ اور قدرت سب اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہوں۔ غرض دلیل توحید کے طول طویل مقدمات (جن پر نقض اور معارضہ بھی کیا جاتا ہے اور تھکے علماء انکے جواب دینے اور صاف طور پر اس کے بیان کرنے سے عجز اور قصور کا اعتراف کرتے ہیں) سے

سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایسے صاحب قدرت موجود نہیں ہو سکتے۔ جو قدرت میں دونوں کیساں ہوں۔ اور ہر ایک کی قدرت خود اس کی ذات کے لوازم سے ہو۔ دوسرے سے مستفاد نہ ہو۔ یہ دلیل بچائے خود بیشک صحیح ہے۔ گو تم اس کو عساف طور پر بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بندے کی قدرت اور اس کا ارادہ اس کے مقدور کے وجود کے لئے مسبب نہیں ہو سکتے۔ اور اس کے ارادہ اور قدرت کے لئے اس کے افعال میں ایسی تاثیر نہیں ہو سکتی جیسے اسباب کی اپنے مسببات میں تاثیر ہوتی ہے۔ عرض برہان تمانع کے ساتھ توحید اور جبر میں سے کسی کو بھی تم ثابت نہیں کر سکتے تمہارے متاخرین فضلا خود اس کے قائل ہیں کہ یہ دلیل متنافی اور متخالف نتائج کو مستلزم ہے اور اس پر معارضات اور مشدود ہو سکتے ہیں۔

جبری نے جواب دیا۔ ان سب امور سے قطع نظر کر کے اور ان تمام ادلہ کو چھوڑ کر یہ بتلاؤ کہ جب تم بندے کی قدرت کو اس کے افعال اور مقدورات میں موثر مانتے ہو اور یہ بھی کہتے ہو کہ اس کے افعال و مقدورات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ تو یہ ضرور لازم آئیگا کہ ایک فعل و فاعل یا ایک مقدور و چیرہ دو صاحب قدرت سے صادر ہو اور یہ دلیل کے رد سے محال اور ناجائز ہے۔ مگر جواب دیا کہ تمہارے اس قول کا کہ ایک مقدور کا دو صاحب قدرت سے صادر ہونا لازم آئیگا کیا مطلب ہے۔ اگر یہ مطلب ہے کہ ایک مقدور کا دو ایسے صاحب قدرت سے صادر ہونا لازم آتا ہے جو دونوں اپنی قدرت میں مستقل اور کیساں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دو ایسے صاحب قدرت سے صادر ہونا لازم آتا ہے کہ جن میں سے ایک یعنی اللہ تعالیٰ تو مستقل بالقدرت ہے اور دوسرے یعنی بندے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت ہے اگر پہلا معنی مراد ہے تو لازم مسلم نہیں اور اگر دوسرا معنی ارادہ کرتے ہو تو لازم کا باطل ہو نا تسلیم نہیں۔

مبشبین کسب اس کا جواب اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مقدور کا دو ایسے صاحب قدرت سے صادر ہونا جن میں سے ایک کی قدرت تو اس کے ایجاد میں موثر ہو اور دوسرے کی قدرت اس کی صفت میں تاثیر کرے کوئی محال نہیں۔ چنانچہ قاضی ابوبکر اور ان کے متبعین اسی کے قائل ہیں اور اشعری اپنے اصول کی بنا پر اس کا جواب یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مقدور کا دو صاحب قدرت سے صادر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تو اس کے ہتھدار کرنے میں موثر ہوتی ہے اور بندے کی قدرت کو صرف اس سے ایک گونہ تعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ عالم کو اپنے معلوم کے ساتھ ایک قسم کا لگاؤ ہوتا ہے۔ اور ایک مقدور کا دو صاحب قدرت سے صادر ہونا

تنبہ مہمارا ہے کہ وہ لوگ قدرت اس بندہ کو نہیں دے گا۔ اگر اشرافی کا بہرہ: یہ سمجھنا چاہئے۔ جبریت کے
 عیناً یہ ہے اس کو باہر نہیں دے گا۔

دفعہ تیسویں۔ نئے ایس کا جواب ہے کہ یہ بندہ ہے کہ ایک مقام پر کا وجود واجب قدرت ہے
 علیٰ سبب الہی یعنی سبب الہی کے ساتھ وجود واجب الہی ہے۔ بلکہ سبب الہی کے ساتھ وجود واجب الہی ہے۔
 اس کے اور کچھ اثر ہو نا محال ہے۔ اس کا جواب اور اس کے سقم اور مساو کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔
 اور فرقہ مشائخ اس کا جواب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بندے کے افعال اس کی قدرت
 سے صادر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ باہر ہیں۔

تمام جوابات سے بڑھ کر غلط اور بگڑا جواب فرقہ مشائخ کا جو ایک یہ لوگ اس بات کے
 قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کئی ایسے رکاز ارادہ کرتا ہے مگر ان کا وجہ اور ظہور نہیں ہوتا۔ اور بہت سی
 چیزیں اس کی مشیت اور ارادہ کے بغیر پیدا ہوتی ہیں۔ غرض جن کا ارادہ کرتا ہے وہ وجود میں
 نہیں آتیں اور جن کا ارادہ نہیں کرتا وہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ عقیدہ تہایت باطل و سراسر بگڑا
 اور فاسد ہے۔

جبری نے جواب دیا کہ مرجع نام کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ اور مرجع نام یعنی
 پورے طور پر ترجیح دینے والی چیز بندے کے اختیار میں نہیں ورنہ تسلسل لازم آئیگا۔ بلکہ مرجع نام سبحان اللہ
 ہوتا ہے۔ اور جب مرجع نام کے موجود ہونے پر فعل کا وجود ضروری ہے۔ اور وہ بندے کے اختیار
 میں نہیں تو یہ جبر نہیں تو اور کیا ہے۔

سنی نے جواب دیا کہ یہ دلیل اور اس کا سقم پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن جب تم نے مختصر الفاظ
 کے ساتھ اسکو دوبارہ ذکر کر دیا ہے تو ہم بھی اختصار کے ساتھ اس کے جواب دوبارہ ذکر کرتے ہیں تمہارا
 یہ کہنا کہ ایک ایسے امر کا ہونا جو فعل کو ترک پر یا ترک کو فعل پر ترجیح دے ضروری اور لازمی ہے۔
 بیشک ہم تسلیم کرتے ہیں مگر تمہارا یہ کہنا کہ ایسے امر کا وجود اگر بندے کی طرف سے ہوگا۔ تو تسلسل
 لازم آئیگا۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی جانب سے ہو تو جبر پایا جائیگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسے
 امر کا وجود بندے کے اختیار سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ تسلسل لازم آتا ہے کیونکہ اس
 کا وجود اس طور پر ہوتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے فعل کو ترک کرنا بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا۔
 اور اگر مرجع نام کے وجود کی نسبت بندے کے مصلوب اختیار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ
 تمام کاموں میں مصلوب اختیار ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امر مرجع کا وجود اللہ تعالیٰ کی

جانب سے ہو اور جبر بھی نہ پایا جائے کیونکہ جبر کا معنی اگر یہ ارادہ کر سکتے ہو کہ بندہ اس کام کے کرنے میں بے اختیار ہو یا نہ ہو۔ اور اس کے ارادہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ تو یہ لازم نہیں آتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بننے کے اختیار اور اس کے ارادہ و مشیت ہی کو فعل کا مرجع بنایا ہے۔ لہذا جبر نہ ہوتا۔ اور اگر جبر کا یہ معنی ہے کہ وہ فعل بندہ کے ایجاد کے بغیر پیدا ہوتا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے بھی جبر لازم نہیں آتا اور اگر جبر کا یہ معنی لیتے ہیں کہ مرجع کے موجود ہونے پر فعل کا وجود ضروری ہو جاتا ہے۔ تو اس کو ہم بھی تسلیم کر سکتے ہیں مگر اس کو جبر کہنا تو ماری اپنی گھر کی اصطلاح ہے یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کے افعال بھی مرجع تام کے موجود ہونے کے وقت ضروری اور واجب ہیں۔ اور اور اللہ سبحانہ کی نسبت یہ کہنا کہ مرجع کے وجود کے وقت وہ افعال اس سے جبراً صادر ہوتے ہیں سراسر غلط ہے۔ اور نیز یہ شبہ ان لوگوں پر بھی وارد ہوتا ہے جو تم میں سے کسب کے قائل ہیں۔ کیونکہ جو شبہ اصل فعل کی نسبت وہ پیش کریں گے ہم وہی شبہ کسب کی نسبت پیش کر سکتے ہیں۔ اور تم میں سے جو لوگ کسب کے قائل نہیں تو ان سے یہی کہا جائیگا کہ اس طرح تو باری تعالیٰ کے افعال بھی اس سے جبراً صادر ہونگے اور یہ بالکل غلط ہے +

اگر تم یہ فرق بیان کرو کہ اللہ سبحانہ کے افعال کا صدور تو اس کے اپنے ارادہ پر موقوف ہے اور بندے کا ارادہ محدث اور مخلوق ہے جس کو محدث اور پیدا کنندہ کی ضرورت ہے۔ پس اگر اپنے ارادہ کا محدث بندہ قرار دیا جائے۔ تو تسلسل لازم آئیگا اور چونکہ تسلسل کا محال ہے تو لامحالہ پسے کے تمام اوروں کا انتہا ایسے ارادہ پر ہو گا۔ جس کو بندے کے اختیار بغیر اللہ سبحانہ نے اس کے دل میں پیدا کر دیا ہو۔ اور جبر کا یہی معنی ہے اور اللہ سبحانہ کے ارادوں میں تسلسل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اس کا ارادہ قدیم اور دوسرے ارادہ سے متغی ہے + تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق امتیازات الزام کے دفع کرنے میں ہمیں کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ارادہ قدیم کے ہوتے ہوئے فعل اور ترک دونوں سے کسی ایک کو اختیار کرنا صحیح ہو گیا نہیں۔ اگر یہ جائز ہے کہ ارادہ قدیم کے ہوتے ہوئے باری تعالیٰ نے فعل اور ترک دونوں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتا ہے۔ تو اس کے لئے مرجع کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ارادہ قدیم تو کسی جانب کا مرجع نہ تھا اور پھر اس مرجع کے لئے دوسرے مرجع کی ضرورت ہے۔ اور اسی طرح تسلسل لازم آئیگا۔ اور اگر باری تعالیٰ کے لئے بھی ایک جانب ضروری ہو جاتی ہے تو وہ بھی مجبور ٹھیرا +

جبری بولا کہ اثبات جبر کے لئے میرے پاس ایسی قوی دلیل ہے جس کا تم کوئی

جو اپنے من سے کہے۔ اور جبر کے پائے بغیر نہیں کوئی چارہ نہیں وہ دلیل یہ ہے کہ اگر انسان اپنے افعال کا قائل ہو تو وہ ان کا محدث ہو گا۔ مگر جب محدث ہوا۔ تو وہ ان کا خالق بھر گیا۔ اور یہ بات شرعی اور عقل کے خلاف ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا النِّعْمَةَ الَّتِي كُنْتُمْ عَلَيْهَا ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنْ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۚ قَالُوا بَلَىٰ ۚ قَوْمُ الْاِسْتِغَاثَةِ (لوگو! اللہ کے احسان جو تم پر ہیں ان کو یاد کرو۔ بھلا اللہ کے سوا کوئی (اور بھی) تمہارے لئے والا ہے۔ جو آسمان زمین سے تم کو روزی دے۔ تو اس کے سوا کوئی معبود نہیں بخیر تم لوگ) یہ بھرتے چلے جا رہے ہیں:

سنی نے جواب دیا کہ عقل۔ شرع اور حس و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بندہ اپنے افعال کا قائل ہے۔ اور وہ بڑے کام کرنے پر مذمت اور لعنت کا مستحق ہو تا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر داغ دیا ہوا ہے۔ تو اس پر آپ نے فرمایا کیا مجھے اس کام سے مخالفت نہیں لگتی۔ (یعنی جانوروں کو بغیر ذبح داغ دینا سب سے) اس پر خدا کی لعنت ہو جس نے یہ کام کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَكُلُّ مَا آتَيْنَا مِنْكُمْ نَاوِيحًا وَعِلْمًا وَنَجِيَّةً مِنَ الْقُرْآنِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبَائِثَ (اور لوٹ کو بھی ہم نے پیغمبری کے اختیارات دئے اور علم بھی دیا اور ہم نے لوٹ کو اس بستی سے جہاں کے لوگ ناپاک کام کیا کرتے تھے نجات دی) : وَقَالَ تَعَالَىٰ هَلْ يَجْعَلُ لَكُمْ الْاَلَامَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (یہ جو تم کو مراد دی جا رہی ہے تمہارے اپنے ہی کرتوت کا بدلہ ہے راؤ بس) (وَقَالَ تَعَالَىٰ وَوَقَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ) (اور جس نے جیسے عمل کئے ہیں سب کو پورے پورے بھر دئے جائینگے) :

ان کے علاوہ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں اس کثرت سے موجود ہیں کہ دیہاں پر سب کا ذکر کرنا دشوار ہے اور جس بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان اپنے افعال کا قائل ہے پس ایسے شبہات جو جس کے برخلاف پیش کئے جائیں وہ قابل سماع نہیں ہو سکتے اور دراصل ایسے شبہات نکالنا بدیہات اور محسوسات کا انکار کرنا ہے اور جو شخص بدیہات اور محسوسات کا منکر ہو اس کے قول کی طرف التفات اور توجہ کرنا بھی مناسب نہیں اور عالم دین کے ذمہ یہ ضروری اور فرض نہیں کہ وہ ہر ایک شے کا جو کسی شخص کو پیش ہو جواب دیا کرے کیونکہ شبہات کا سلسلہ تو کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور تمہارا یہ کہنا کہ اگر انسان اپنے افعال کا قائل ہو تو وہ ان کا محدث ہو گا۔ محدث ہونے کا یہ مطلب ہے۔

کہ اُس سے افعال کا صدور ہو گا۔ تو اس صورت میں لازم و ملزوم دونوں ایک ہی جہتی تہذیب سے کلام
 کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ فاعل ہو گا تو فاعل ہو گا اور یہ کلام لغو ہے اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا
 اور اگر محسوس ہے خالق۔ یعنی ہو۔ تو ہم پر چھتے ہیں کہ خالق کا کیا سنی ٹھہرتے ہو خالق جسے فاعل
 ہے یا کوئی اور سنی مراد ہے۔ اگر خالق بمعنی فاعل ہے تو پھر وہی خرابی پیدا ہوئی۔ کہ لازم و ملزوم دونوں
 ایک ہو سکتے۔ اور اگر کوئی دوسرا معنی مراد ہے۔ تو اُس کو بیان کرنا چاہئے۔ پس اگر خالق کا یہ معنی
 مراد ہو کہ وہ موجود فعلی فعل کو عدم سے وجود میں لانے والا ہو گا۔ تو ہم یہ جواب دیتے۔ کہ یہی معنی فاعل
 کے ہیں نہیں اختیار ہے کہ تم اپنی زبان سے اس کو محدث موجد یا خالق کہو تمہاری زبان کہ کون
 پکڑ سکتا ہے۔ تم جو چاہو نام رکھو نام رکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ انسان کا مستقل
 طور پر موجد افعال ہو نا جائز نہیں۔ لیکن اُس کے فاعل افعال ہونے سے بالاستقلال موجد افعال
 ہونا لازم نہیں آتا۔ بسکے کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ انسان کی قدرت۔ ارادہ۔ حرکت وغیرہ زیادہ
 سے زیادہ جزو سبب ہو سکتے ہیں۔ اور اُس کا فعل کئی ایک ایسے اسباب پر موقوف ہوتا ہے جو
 اس کی قدرت سے باہر اور وہ اس سبب کے علاوہ ہیں جسکی یہ جزو واقع ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ نہیں
 کہہ سکتا کہ افعال کے اسباب اس کی قدرت سے باہر ہیں اور اگلے ایک تہذیب میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ تہذیب کے بغیر پیدا ہوتے
 ہیں اُن پر افعال کا وجود متصور ہوتا تو یہ جزو نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی قدرت اور ارادہ شامل
 میں انسان کو مجبوریت سے نکال کر یا اختیار بنادیتا ہے۔ اور چونکہ اس سبب کا وجود افعال خالق اور
 پیدا کرنے والے کی جانب سے ہے لہذا اس عقیدے والا شخص شرک اور طویل کے گرد آجے بلکہ بارگاہ
 توحید میں باریابی کا شرف حاصل کرنا ہے۔ پہلا مسئلہ یعنی انسان کو اپنے افعال میں مختار ماننے سے
 اللہ جل شانہ کے عدل اور دوسرا مسئلہ یعنی خالق اسباب اُسی کی ذات مقدس کو تسلیم کرنے سے اُس کی
 توحید کا قائل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح عقیدہ رکھنے سے نہ تو اللہ سبحانہ کے عدل کے ماننے کی
 نسبت کوئی نقص پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ اُسکی توحید کے اقرار میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے پس قدر یہ
 تو اس کی توحید کو کما حقہ نہیں مانا۔ اور جبر یہ نہ اُسکے عدل کو نہیں سمجھا۔ اور اللہ جل شانہ نے اہل سنت
 کو عدل اور توحید دونوں کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ اور ہدایت اُسی کے اختیار میں ہے جسے چاہے
 صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرمائے۔

مخصوص سوال

قدری اور منسوب کیا گئے الفاظ پر بیان کریں

قدی نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑوں کے اعمال کو اضافی معاملاً اور اضافت، خاصہ دونوں طرف سے انکی طرف مضاف اور منسوب فرمایا ہے۔ پس کسی مقام پر تو انھیں اسناد است۔ برسا ہر انکی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ لَمْ يَسْتِزِلْهُمُ وَلَمْ يَلْعَلْهُمُ وَلَمْ يَلْعَلْهُمُ وَلَمْ يَلْعَلْهُمُ وَلَمْ يَلْعَلْهُمُ وَلَمْ يَلْعَلْهُمُ (اور تم میں سے جس کو مسلمان پیچیدہ سے نکاح کرنے کا مقصد نہ ہو) اور بعد میں ثبوت کے ساتھ مضاف فرمایا ہے کہ قول تعالیٰ يَلْعَلْهُمُ وَلَمْ يَلْعَلْهُمُ وَلَمْ يَلْعَلْهُمُ وَلَمْ يَلْعَلْهُمُ وَلَمْ يَلْعَلْهُمُ (جو تم میں سے سیدھے دستے پر چلنا چاہے) اور کسی جگہ پر ارادہ کے ساتھ نسبت کیا ہے چنانچہ خضر علیہ السلام کے ذکر میں ہے فَأَوْفَى أَنْ أَعْيَبَهَا (تو میں نے چاہا کہ اس کو بیب دار کروں) اور کہیں لفظ فعل کے ساتھ اور عین کے ساتھ منسوب فرمایا ہے کہ قول تعالیٰ يَفْعَلُونَ كَيْفَ حَلَّوْنَ - أَمْ كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ (اُن اعمال کے بدلے جن کو تم کھاتے تھے) اور لَيْسَ مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ (البتہ بہت ہی بُرے فعل تھے جو وہ کرتے کیا کرتے تھے) ۛ

من وجہ بالا تمام مشاوں میں اضافت عامہ ہے۔ اور اضافت خاصہ کی مثالیں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ - صوم - حج - طہارت - زنا - سرقت - قتل - کذب - کفر - فحش وغیرہ تمام افعال کو بندوں کی طرف مضاف اور منسوب کیا ہے۔ اور اس اضافت خاصہ کے ساتھ ان افعال کو باری تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو بندوں کی طرف منسوب و مضاف کرنا جائز نہیں ہیں بندوں کے افعال کو نہ تو بندوں کے ساتھ اور نہ تنہا اللہ تعالیٰ کے افعال کی طرف مضاف کرنا جائز ہو سکتا ہے پس بندوں کے افعال انہی کی طرف مضاف ہونگے اور اللہ سبحانہ کی طرف وہ مضاف نہیں ہو سکتے ۛ

مثنیٰ نے جواب دیا کہ تمہارے بیان کا کچھ حصہ تو صحیح ہے مگر کچھ بالکل غلط ہے۔ اتنی بات کہ اللہ سبحانہ نے افعال عباد کو انکی طرف مضاف و منسوب فرمایا ہے صحیح اور درست ہے اور جبر یہ کہ مقابلہ کے لئے تمہارے پاس یہ دلیل کافی ہے۔ کہ جبر یہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ نسبت

اور اضافہ خود بخود ہوتا ہے۔ نہ چاہے انسان اس کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ لہذا مجازاً انہی طرف
منسوب اور مضافات کہتے۔ گئے۔ یہاں چتر طبع کہ پانی کا جاری ہونا اور نہ ٹھنڈا یا گرم ہونا پانی کی طرف نسبت
کیا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ پانی جاری ہوا اور نہ ٹھنڈا یا گرم ہوا۔ اور اسی طرح کئی آدمی یا حیوان کا سرنا اُس کی
طرف نسبت کیا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص یا فلاں جانور گر گیا۔ حالانکہ یہ فلاں بھی جاری ہوتا۔ ٹھنڈا
یا گرم ہونا پانی کے افعال نہیں اور اسی طرح مرنا مرنے والی چیز کا فعل نہیں۔ اور ہم بھی تمہارے ساتھ
ایسی راستہ میں منتقل ہوں۔ اگرچہ یہ کیا یہ ذاب سرسرخ طائر اور عقل شرع اور فطرت کے خلاف ہے۔ لیکن
تمہارا یہ قول کہ نہ افعال کہ اللہ سبحانہ کی طرف مضاف و منسوب نہ نادرست اور صحیح نہیں اس میں دھوکا اور
ایصال ہے۔ اللہ سبحانہ اپنے عارفان کے مضافات نہ ہو سیکے اگر یہ مطلب ہے کہ یہ نوال اللہ تعالیٰ کے ساتھ
قائم اور اس کے وسیلہ نہیں ہو سکتے اور نہ اُن کے احکام اُس پر جاری ہو سکتے ہیں۔ اور نہ اس سے اسما مشتقات
کو اللہ سبحانہ پر اطلاق کرنا اور بلانا درست ہو سکتا ہے۔ تو بیشک یہ بھی جی کہتے ہیں کہ ان اعتبارات اور وجوہ
میں سے کن لحاظ سے یہ افعال اللہ سبحانہ کی طرف مضاف اور نہ۔ ب نہیں ہو سکتے۔ اور اگر عدم اضافت سے
یہ مطلب ہے کہ اُس کے علم۔ قدرت۔ نسبت عامہ اور صفت مطلق سے ان کو تعلق نہیں تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ
یہ افعال اللہ سبحانہ کے معزم۔ مفقود اور مخلوق ہیں۔ اور ان افعال کے بندوں کی طرف مضاف ہونے سے
یہ لازم نہیں آتا۔ کہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کی طرف نہ مضاف نہ ہو سکیں۔ بلکہ انکی اضافت ایسی ہی جائز ہے جیسے
ادال کو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کرنا درست ہے۔ دیکھو اموال اللہ سبحانہ کی مخلوق چیزیں اور حقیقت اُسی
کی ملک میں گرا ہوا ہوگا۔ انکو چند درجہ کی طرف مضاف منسوب کیا ہے۔ غرض اعمال اور اموال دونوں کیساں
اُس کے مخلوق اور نہ اس کے ملک میں ہیں۔ اور وہ انکو اپنے بندوں کی طرف منسوب فرمانا اور مہی انکو مالک
اموال اور اعمال بنانا ہے۔ حالانکہ کلام یہ ہے کہ اعمال اور اموال دونوں کیساں اللہ سبحانہ اور عباد کی طرف
مذکورہ مضاف ہو سکتے ہیں اور یہی طرح کہ اموال بندوں کے اور عبادہ سے حاصل ہوتے ہیں اسی طرح اعمال بھی انکے کسب و کار وہ
موجود ہوتے ہیں۔ اموال اور ان کے کما۔ نہ ملے۔ اسی طرح اعمال اور ان کے کرتے ملے سب کے سب اللہ سبحانہ
مخلوق ہیں۔ اور نیز جملہ اموال و اعمال اللہ سبحانہ کے ملک اور اس کے قبضہ میں ہیں جیسے کہ بندوں کے
زاد حصہ۔ کان۔ آنکھ۔ ہڈا۔ انکے نفوس اللہ تعالیٰ کی ملک اور اُس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور اللہ تعالیٰ
ہی نے انکو سچ۔ بعید اور فعال افعال بنایا ہے۔ اور سننے اور دیکھنے کے لئے حواس اور قوتیں عطا فرمائی
ہیں۔ اور دوسروں کو نہانے اور دکھانے پر قدرت بخشی ہے غرض جملہ اعمال کے قلات اور اُنکے لئے
قوت اور حود اعمال۔ کچھ اسی کے مخلوق ہیں۔ اور جس طرح کہ ہاتھ سے کام کرنے کی قوت کو ہاتھ کی طرف اور

ہونے کی قوت کو زبان کی طرف نسبت کرتا اور سماع کی قوت کو کان کی طرف، اور دیکھنے کی قوت کو آنکھ کی طرف منسوب کرتا کیسا اور برابر ہیں، اسی طرح رویت اور سماع اختیار کی گونٹے عمل کی طرف منسوب کرنے اور ہونے اور پکڑنے کو آنکھ کے عمل کی طرف منسوب کرنے میں کچھ تفاوت نہیں۔ رویت اور سماع کے فاعل گو چشمے ہیں۔ لیکن آنکھ کے عمل اور آنکھ کی قوت اور وہ تمام سبب جہاں پر سمع اور رویت موقوف ہیں۔ سبب سبب اللہ سبحانہ کے مخلوق ہیں۔ جو تمام اشیا کا خالق اور واحد اور قادر ہے۔

قدی بولا کہ اگر افعال عباد کا فاعل اللہ سبحانہ کو قرار دیا جائے تو یہ جائز ہو گا کہ ان افعال کے اسماء مشتقہ کا اطلاق اور استعمال اس کی ذات پر درست ہو بلکہ بندوں کی نسبت وہ ان اسماء کا زیادہ شوق ہو گا سب لوگ خواہ وہ کسی ملک کے باشندے ہوں اور ان کا کوئی سادین ہو اور کسی طرح کے عادات و اطوار رکھتے ہوں۔ بادیہ و زبافوں اور عادات اور مذاہب و ادیان کے مختلف ہونے کے اس بات کو سمجھتے ہیں کہ قائم کسی شخص کو کہا جاتا ہے جس میں صفت قیام موجود ہو ان کو کھانے والا وہی کہا جاسکتا ہے جس میں کھانا نہ کھانے پایا جائے۔ اور چوری پر بولا جاتا ہے جو چوری کرے۔ جملہ افعال لازمی و متعدی کا یہی قاعدہ ہے کہ جس میں وہ فعل پائے جائیں۔ اسی پر آنکھ کے اسماء مشتقہ کو بولا جاتا ہے۔ مگر تم نے یہ انشاء قاعدہ نکالا اور حقیقت اس کو بدل دیا یعنی یوں کہہ دیا ہے کہ ان افعال کا جو حقیقی فاعل (یعنی اللہ سبحانہ) ہے۔ اس پر تو آنکھ کے اسماء مشتقہ کا اطلاق و استعمال درست نہیں اور ان لوگوں پر ان کے اسماء مشتقہ بولے جاتے ہیں جو حقیقت ان کے فاعل دعو پر نہیں تمہارا یہ قاعدہ لغت۔ عرف اور عقل کے خلاف ہے۔

سنی نے جواب دیا۔ کہ یہ الزام تو تمہارے ہم جنس اور دو مقابل جبر پر قائم ہو سکتا ہے کیونکہ وہ عباد کو فاعل افعال نہیں کہتے۔ مگر ہم یہی الزام ہرگز قائم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ہم تو بندوں کو اپنے افعال کا فاعل حقیقی کہتے اور اللہ سبحانہ کو ان کا اور ان کے ظاہری اور باطنی آلات کا خالق مانتے ہیں۔ اور قاعدہ یہی ہے کہ جو شخص فاعل فعل ہو۔ اسی پر اسم مشتق بولا جاتا ہے۔ لیکن قائم۔ قابض۔ مصل۔ سارق۔ زانی وغیرہ صفات کے ساتھ حقیقت کے فاعل یعنی منعم موصوفہ ہونگے۔ کیونکہ جس کے ساتھ کوئی فعل قائم ہو۔ اس کا حکم اسی کی طرف عائد ہوتا ہے۔ اور اسی پر اسم مشتق کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ اور جس کے ساتھ وہ فعل قائم ہو اس پر مشتق کا اطلاق درست نہیں۔ ان افعال کے نفی و اثبات کے متعلق چار چیزیں ہیں۔ جن میں سے دو معنی اور دو فعل ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ افعال مثلاً کھانا پینا چوری۔ زنا وغیرہ بندے کے ساتھ قائم ہوتے ہیں تو ان کے احکام بھی اسی کی طرف راجع ہونگے۔ اور اسی پر ان کے اسماء مشتقہ یعنی اکسار۔ سارق۔ زانی وغیرہ کا استعمال و اطلاق کیا جائیگا۔ اور اللہ سبحانہ کی طرف نہ تو ان کے احکام راجع ہونگے۔ اور نہ ان کے

اساتے مشتق اس پر جو بے جائی تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کیا اپنی دل اس کے مقابلے میں معلوم مخلوق بھی نہ ہوں۔ اور بندہ دل سے اس کی قدرت و کمین کے ساتھ واقع نہ ہوں۔
قدری بولا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان افعال کا خالق مانا جائے۔ تو اس کے احکام اس کی طرف عائد ہونگے اور ان کے اساتے کو اس پر اطلاق و استعمال کرنا جائز ہو گا۔

نئی نے جواب دیا کہ تمہارا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ سربراہ اس سے دیکھو کہ اعمال کے علاوہ اور تمام اشیاء کا خالق اللہ سبحانہ ہی ہے۔ اس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو مگر ان اشیاء کے اساتے مشتق کا اطلاق ان ہی چیزوں پر آتا ہے جہاں وہ اشیاء موجود و قائم ہوں۔ اور اللہ سبحانہ پر نہ تو اساتے مشتق کا اطلاق کیا جاتا ہے اور نہ ان کے احکام اس کی طرف عائد ہوتے ہیں مثلاً اللہ سبحانہ نے مختلف اقسام کے رنگ۔ ذائقے اور طرح طرح کی بوئیں اور کئی طرح کی حرکتیں اپنے اپنے محل میں پیدا کی ہیں۔ مگر ان سے کوئی اسم مشتق اس پر اطلاق نہیں کیا جاتا اور نہ ان کے احکام اس کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ افعال کے احکام کسی کی طرف راجع ہونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ ان افعال کے ساتھ اس سے نہ وہی بنتے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ دو کھانا ہے یا پیتا ہے وغیرہ ذاک +

نئی نے یہ بھی کہا کہ میرے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ معتزلہ جو قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں یہ انکی غلطی ہے۔ وہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ایک محل میں پیدا کیا اور اسی صفت نطق کی وجہ سے اس کے واسطے صیغہ متکلم مشتق ہو کر اس پر بولا گیا۔ اور اس کا حکم اس کی طرف عائد ہوا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کیساتھ حکم کیا ہو معتزلہ کی غلطی اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ یہ بات اظہار الشئ ہے کہ اللہ سبحانہ اجسام کے تمام صفات۔ اعراض اور قوی کا خالق ہے اور جب یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں۔ اور ان سے کوئی اسم مشتق اس پر اطلاق نہیں کیا جاتا۔ تو محض کلام کو غیر میں پیدا کرنے سے اس کے لئے اس سے اسم مشتق بنا کر اس پر اطلاق کرنا جس طرح درست ہو گا۔ یہی جواب ہم تم کو بھی دے سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے خود اپنے قواعد کا خلاف کیا۔ اور اپنے ایک مسئلہ سے دوسرے مسئلہ کو توڑ دیا ہے۔ یعنی جو کچھ مسئلہ کلام میں کہتے ہو۔ اس سے مسئلہ تقدیر کا خلاف کرتے ہو اور جو کچھ مسئلہ تقدیر میں کہتے ہو۔ اس سے مسئلہ کلام کا خلاف ثابت ہوتا ہے مسئلہ کلام میں تو یہ کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ اس کلام کے ساتھ جو ایسا ظہیر کے ساتھ قائم ہے۔ حکم ہے اور یہاں اس قاعدہ کو توڑ دیا کہ فاعل فعل وہی ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ فعل قائم ہو۔ اگر تم نے مسئلہ کلام میں صحیح کہا ہے تو مسئلہ تقدیر میں اس اصول کو چھوڑ دیا ہے اور اگر مسئلہ تقدیر کا قاعدہ صحیح ہے تو مسئلہ کلام میں

اُس کو اختیار کرے۔ اور اس سوال کے مختلف اور متعدد جواب جو لوگوں نے بیان کئے ہیں ہم سب کو
 ذکر کرتے ہیں۔ پس ایک جماعت نے تو یہ جواب دیا ہے کہ ہم اس سہا کو اختیار کرتے ہیں کہ خلق اور
 تکوین قدیم اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مخلوق
 اور مکون بھی قدیم ہوں دیکھو تم اور ہم سب اس بات کو مانتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا ارادہ قدیم ہے
 مگر ارادہ کے قدیم ہونے سے مراد کیا قدیم ہو نا ضروری نہیں۔ پس جو کچھ جواب تم ارادہ کی صورت میں
 بیان کرو گے وہی جواب ہم کوین اور خلق کے مشابہ میں ذکر کر دیے گئے۔ اور یہ جواب نہایت عمدہ
 ہے۔ جمہور خفییہ اور عہدہ فیہ اور متقدمین آئمہ کا بھی مذہب ہے۔ اگر تم یہ جواب بیان کر دو گے
 کہ ارادہ کے قدم سے مراد کا قدیم ہونا اس لئے لازم نہیں آتا۔ کہ ارادہ کا تعلق مراد سے اس طرح
 ہوتا ہے کہ مثلاً فلاں چیز فلاں وقت میں پیدا ہوگی۔ تو اب تعلق ارادہ کے وقت اُس چیز کا
 موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ وہ چیز اپنے وقت میں پیدا ہوگی۔ اور تکوین اور خلق کا تعلق
 مخلوق اور مکون سے اس طرح ہے کہ مخلوق اور مکون کے وجود کے بغیر خلق اور تکوین موجود
 ہی نہیں ہو سکتی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ باری تعالیٰ نے اشیاء کو انکے
 موجود ہونے کے وقت سے پہلے تکوین قدیم سے پیدا کر دیا ہے۔ بلکہ تعظیم قدیم کا یہ مقتضی ہے
 کہ وہ تمام چیزوں کو اپنے وقت پر پیدا کرے گا۔ جس طرح کہ ارادہ قدیم کا یہ مقتضی ہے۔ کہ
 فلاں چیز فلاں وقت میں پیدا ہوگی۔ اسی طرح تکوین قدیمہ کا بعینہ یہی مقتضی ہے۔ اور اگر
 تم یہ شبہ کر دو کہ خلق اور تکوین کا وجود بدون مخلوق و مکون کیونکہ ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہی
 ہے کہ جس طرح ارادہ کا وجود بغیر مراد درست ہے اسی طرح خلق اور تکوین بھی بغیر مخلوق و مکون
 ہو سکتی ہے۔ اگر تم یہ فرق بتلاؤ کہ ارادہ کا وجود تو مراد کے بغیر ہو سکتا ہے کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ
 ارادہ کفہہ کبھی کسی چیز کے وجود سے پہلے اس کا ارادہ کرے لیکن کسی چیز کو پیدا کرنا اُس کے وجود
 کے بغیر ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہم اُس ارادہ کی نسبت کلام کرتے
 اور فہم کرتے ہیں۔ جو مراد کے وجود کو مستلزم ہو۔ کہ اس کا وجود قبل وجود مراد درست ہے یا نہیں۔
 شمس ارادہ کی نسبت جو مراد کے وجود کو مستلزم نہ ہو اور اللہ سبحانہ کا ارادہ اُس کی مراد کے وجود کو
 مستلزم ہو اگر تا ہے۔ پس اگر یہ درست ہے تو تکوین کا وجود بھی قبل وجود مکون درست ہو سکتا ہے
 اس کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ تکوین قدرت۔ ارادہ اور مکون تکوین کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور یہ
 سب چیزیں قدیم ہیں۔ اور اس سے مکون کا قدم لازم نہیں آتا۔ اس بات میں اور مغول کے بلا غفل

موجود ہونے میں اگر مراد نہ لیا جائے اور عقول علیہ سے کام لیا جائے تو ظاہر ہے کہ عقول ساینہ گویں کے
تقریباً تین سو کو تسلیم کرنا اور مفعول کے بلا فعل کو ہرگز نہیں قبول کریں گے۔ جواب اول کی تقریر ختم ہوتی ہے
فرد کا یہ گائیہ جانب ہے کہ ہم اس جانب کو پہنچتے ہیں کہ خلق اور تکوین مادہ سے نہ ہوتا بلکہ
کہ خلق کے حادث ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ حوادث سے قائم ہیں۔ اور یہ
جائز نہیں بالکل غلط ہے کیونکہ ہمارا یہ خیال ہے کہ تکوین جب اس کا فعل ہے تو یہ اس کے ساتھ قائم ہو گا
اور اس کے قیام سے قیام حوادث بذات باری لازم آئیگا ہم کہتے ہیں کہ ذات باری کے ساتھ وہ حوادث
جو اس کے افعال ہیں قائم ہو سکتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہی تاہم یہی ہے کہ ہم نے ان اجزاء
تعالیٰ کے حوادث ٹھہرا کر اس کو تمام اس سے حل ہو کر دیکھا ہے۔ یہ کہ بعض لوگوں نے ان کے صفات کو
اعراض سمجھ کر ان سے انکار کر دیا ہے اور جس طرح کہ بعض لوگ اس سے بڑی بڑی اور ہست و ہستی کو تجر
د ممکن و ممکن میں موجود ہونا خیال کر کے اس سے منکر ہو گئے ہیں۔ اور ان طرح اس کے بدلے اور بدیہی
کو اعضاء اور جوارح سمجھ کر ان کا انکار کیا ہے۔ مگر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہم خالق السموات والارض و زمینہما
کے تمام افعال۔ کلام۔ تکلم۔ نزول الی السما۔ استواء علی العرش۔ قیامت۔ کے دن بندوں کے درمیان فیصلہ
اور قضا کے لئے تشریف لانا۔ البیان۔ رسل اور ملائکہ کو بکارنا وغیرہ تمام کو ثابت اور تسلیم کرتے ہیں۔ اور جو
شخص ان صفات افعال کا منکر ہے وہ در حقیقت خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا مستحکم عقل اور فطرت بھی
اس بات کو ثابت کرتے ہیں۔ کہ رب العالمین وہی ذات ہو سکتی ہے جس کے لئے افعال و صفات اختیار یہ
ثابت ہوں۔ اور وہ ذات جو محض بیکار ہو۔ ربوبیت اور ربوبیت کا بھی مستحق نہیں کہتی۔ پس ایسی جائز
عظیم اور لغو تنزیہ سے خدا تعالیٰ کی تعظیم و تزیین ضروری ہے یعنی چونکہ خدا تعالیٰ نے ہر شے کو فرار و بنا ربوبیت
اور مملکت سے بے بہرہ ٹھہرا نا ہے لہذا تنزیہ افعال سے بیجا ضروری ہے اور اس مسئلہ کی بحث پہلے سے
پاس ہزار سے زیادہ اور تعلیم جو قرآن و حدیث سے مستند ہیں موجود ہیں اور بعض دلیل کے علاوہ ہیں۔
اور خود تمہارے فیضان الدنا فرین نے اس مسئلہ کے انکار پر تمہارے نامہ شہادت کے غلط ہونے کو تسلیم کر لیا
ہے اور ایک ایک شے کو ذکر کر کے سب کا غلط ہونا ثابت کیا ہے۔ اور اس مسئلہ کو تمام فرقوں میں شاک
کہ غلام نے بھی جو کہ صفات و افعال کے انکار میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں تسلیم کر لیا ہے۔ اور سب
ذات یہ کہا ہے کہ عالم کا حادث اور باری تعالیٰ کا رب۔ خالق۔ تکلم۔ سامع۔ بصیر۔ مجیب الدعوات۔
مدبر مخلوقات۔ قادر۔ مرید وغیرہ صفات کمال کے ساتھ موصوف ہونا اس لئے ثابت نہیں
ہو سکتا اس کو ان افعال کے ساتھ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں موصوف نہ لیا جائے۔ اور اگر

اُس کی ذات کے لئے کسی کمال ہونا ناجائز اور اُس کی ذات کے ساتھ امور متجددہ، درجہ اوسط کا قیام باطل ہو نہ پھر نہ حدوث عالم ثابت ہو نہ کائنات ہو نہ باری تعالیٰ کے لئے کوئی صفت کمال پایہ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے +

قصہ اول۔ عبد العزیز بن یحییٰ کنانی نے اپنی کتاب حیدر اس جواب کی نسبت دیوں بیان کیا ہے کہ اس نے مرہبی سے یہ سوال کیا۔ بتاؤ کہ سلیسا کائنات کس طرح پیدا ہوا۔ اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت قدریر سے اسے پیدا کیا ہے پھر پوچھا کیا تو صرف یہ بات کہتے ہو کہ اُس نے قدرت قدیر سے اسے پیدا کیا ہے یا یہ بات بھی کہتے ہو کہ وہ ہمیشہ اور قدیم سے صاحبِ قدرت ہے۔ مرہبی نے جواب دیا کہ اس بات کو میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ ہمیشہ سے صاحبِ قدرت ہے۔ عبد العزیز نے پھر سوال کیا بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کو قدیم سے فاعلِ فعال سمجھتے ہو یا نہیں اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے فاعلِ قدیم ہونے کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ عبد العزیز نے کہا کہ تم کو ماننا پڑ چکا کہ اللہ تعالیٰ قدیم سے خالقِ خالق اور صاحبِ قدرت ہے۔ اور میرا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خالقِ قدیم سے تو قدیم سے خلقِ مخلوقات کرنا اطمینان سے یا فاعلِ قدیم ہے۔ تو ہمیشہ سے افعال کرتا رہا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ فعلِ اسکی ایک صفت ہے اور اسکی ذات اُس پر قائم ہے اور کوئی تنہا ہو کر اس سے روک نہیں سکتا۔

عبد العزیز کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ: جل کو اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت مانتا ہے جو اُس کی قدرت کے تحت میں دخل وغیرہ مخلوق ہے بلکہ مخلوقات کو اس کے ذریعہ سے پیدا کیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبد العزیز کا مذہب سلف صالحین اور اہل حدیث کے مذہب کے بالکل موافق ہے۔ کیونکہ خلق اور مخلوق اور فعل اور مفعول کے درمیان تمام اہل سنت بالاجماع فرق بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ بغوی نے ذکر کیا ہے اور عبد العزیز کے کلام سے بھی یہی فرق ثابت ہوتا ہے۔ اس نے صاف طور پر یہ کہا ہے کہ اللہ سبحانہ کا فعل خلق اس کے ساتھ قائم ہے اور اسکی فعل ہے اس نے مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی اپنی صحیح مصنفہ میں اس کی تصریح کی ہے اور بیچ۔ نے کتاب خلق الافعال میں یہ سنوئے اس عنوان سے ذکر کیا ہے باب ما جاء في تخليق السموات والارض وغلاھن الخلاق وذن الرب وامره فالرب سبحانه بعد ما وعدله وامره وكلامه هو خالق المكنون غير مخلوق وما يمان بفعله وامره وتعالى فقه وتكليفه فهو مفعول مخلوق فكون الامام بخاری نے تصریح کر دی کہ صفتِ خلق اللہ سبحانہ کا فعل اور اس کا امر ہوا وہ اپنے فعل اور کلام سے خالقِ مخلوقات ہے۔ اور امام ابو حنیفہ نے بھی اس کے ساتھ اس مسئلہ میں منقح و قرآن کریم میں اس کے ثبوت کے اور حجاج کثرت سے موجود اور عقلِ فطرت بھی اس کے مؤید ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیے اَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَادِرٍ

عَلَىٰ أَنَّهُ يَخْلُقُ مِثْلَهُمْ (کیا جس (خدا) نے آسمان و زمین پیدا کئے وہ اس (بات) پر قادر نہیں کہ جیسا
میرا، ان جیسے آدمیوں کو دوبارہ پیدا کرے) پھر خود ہی اس کا جواب بیان فرمایا ہے بَلَىٰ ذَٰلِكَ
أَنَّهُ لَاقِيَ الْعَالَمِينَ (ضرورتاً در سب سے اور وہ (تو) بڑا پیدا کرنے والا (اور) مہربان ہے)۔

پس اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے نفس فعل یعنی خلق پر قادر ہے اور نفس متعلیٰ اس
کا فعل ہے اور وہ اس پر قادر ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل نہیں یا فعل میں مقول ہے تو
درحقیقت یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے فعل پر جو اس کے ساتھ نہ ہو تو قادر نہیں بلکہ وہ اس مقول پر قادر ہے جو
اس کی ذات سے جدا اور اللہ تعالیٰ کے فعل کے سوا حد حادث ہے اور یہ قول سراسر غلط اور باطل ہے
بغیر قدرت کے کسی چیز کے پیدا کرنے سے بھی زیادہ محال ہے بلکہ ایسا محال ہے جیسا کسی فعل کا بدوں
فاعل یا پانچا نام محال ہے کیونکہ مقول کا وجود فاعل کی قدرت پر لزوم عقلی سے دلالت کرتا ہے۔ اور اس کے
فعل پر دلالت ضمنی سے دلالت کر رہا ہے۔ پس جب یہ شخص دلالت ضمنی کا انکار کرتا ہے۔ تو دلالت
عقلیہ کا نہ ماننا تو اس سے آسان ہے۔ اور فاعل اور فعل پر مقول کی دلالت کیسا ہے۔ اور فاعل کی
قدرت دارادہ پر دلالت کرنے سے یہ دلالت زیادہ واضح ہے۔ اور اللہ سبحانہ اپنے افعال اور کون پر قادر
ہونے کا بیان قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے۔ کہ تَوَلَّىٰ قُلُوبُ الْفَٰرِسِ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْهِ كَيْدَ عَذَابًا
مِّنْ قَوْلِكَ (دے پیغمبر ان سے) کہو کہ وہی (خدا) اس پر قادر ہے کہ تمہارے اوپر کی طرف سے
کوئی عذاب تمہارے لئے محال کھڑا کرے۔ بعث عذاب اللہ سبحانہ کا نفس فعل ہے اور عذاب اس کا
مفعول ہے جو اس کی ذات سے جدا ہے۔ و تَوَلَّىٰ قُلُوبُ الْفَٰرِسِ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْهِ كَيْدَ عَذَابًا
(کیا وہ (خدا جس نے یہ سب کچھ کیا قیامت میں) مردوں کے جلا اٹھانے پر قادر نہیں ہے؟) پس ایلہ تعالیٰ
اللہ سبحانہ کا فعل ہے اور حیات اس کا مفعول اور یہ دونوں اللہ سبحانہ کی قدرت میں داخل ہیں و قَالَ تَعَالَىٰ
بَلَىٰ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَسْتَوِيَّ بَكَ (اور ہم) اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور (اس کے مصلیٰ)
ٹھکانے سے بٹھا دیں، تو یہ بیان اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ان کا مستوی ہونا اس کا مفعول ہے بلکہ ان
افعال یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو ان پیدا کردہ چیزوں پر قدرت حاصل ہے جو اس کی ذات سے مباہلہ اور
جدا ہیں اور کسی فعل لازم یا مستعدی پر جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو برگر قدرت نہیں۔ اور اہل سنت کا
یہ قول ہے کہ اللہ سبحانہ کو افعال اور منامیل سب پر قدرت ہے۔ اور خلق اور امر سب کچھ اس کے اختیار اور
قدرت میں ہے۔ پس ہم یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت خلق اور امر کے منکر ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ خلق میں
خلق ہے اور اسی طرح اس کا امر مجمل اس کی مخلوق کے ہے پس ان کے نزدیک مخلوق کے علاوہ کوئی خلق

و اور نہیں ہے۔ اور جو شے ہوتی ہے۔ اس کے لئے صفات کلام کو جو اس کی ذات سے کے ساتھ قائم ہے مانتا ہے۔ لیکن اس کے لئے افعال قائم مال است تعلیم نہیں کرتا تو دور کرنا چاہیے۔ لیکن صفت خلق کا سر ہے اور اس بات کو کہ اس شخص میں نہیں ہوا کہ کائنات میں اس کی ذات کے ساتھ افعال تو قائم ہیں لیکن اس کے لئے صفت کلام ثابت نہیں ہوا۔ اس پر دل خلل ثابت ہو۔ اور اس پر سنت اور تمام صفات افعال خلق اس پر غیرہ ہو رہی تھیں۔ اسے اپنی ذات کے لئے ثابت اور بیاض فرماتے ہیں مگر اور ان پر بیانات سنت ہیں۔ جن خلق اس کے قائل ہے اور اس کا قول ہے اور اس کے قائل اتوال اور داخل افعال ہے۔ اور اس پر ثابت ہے کہ اس کے لئے قدرت ہے۔ کہ جسے کائنات اس طرح دبا ہے۔ کہ ہم اس میں سے کوئی ایک کھینچتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے اس کے افعال میں اس کے لئے ہے۔ اور سرعاً اور عقلاً کوئی ایسی چیز نہیں جو اس میں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس کے افعال کا وہم اور زمانہ اس میں لانی لانی ہے۔ کیے بعد دیکھتے تھے۔ اور جائز نہیں۔ جس طرح کہ زمانہ اس کے لئے ہے۔ اور دیگر سے الی غیر انہما یہ جائز ہے اسی طرح زمانہ اس میں بھی جائز ہے۔ اور عرض باری تعالیٰ کے افعال قدیم اور ازلی ہیں۔ اور افعال باری تعالیٰ کی صفت کمال ہیں۔ ظاہر ہے کہ عاجز بیکار پر صانع مبرا کہ ذات اور کمال حاصل ہے صریح عقل کا بھی یہی مقتضی ہے۔ اور حوالہ یہ خیال کرتے ہیں کہ پہلے ایک غیر متناہی زمانہ میں باری تعالیٰ سے افعال کا صدور ہونا محال تھا۔ اور اس کو کسی فعل کے صدور کرنے پر قدرت نہ تھی۔ اس کے بعد بغیر کسی سبب کے پیدا ہونے کے۔ اور مددوں کسی تغیر کے ذات باری میں افعال کا صدور جائز اور ممکن ہوا۔ نون لوگوں کی کمال حماقت و نادانی ہے۔ یہ ہے فردی عقل ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ محض حماقت ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب عقلاً ہو سکتا ہے کہ سلسلہ جام بغیر کسی فاعل اور صانع کے نیستی سے خارج ہو کر قائم وجود میں آجائے۔ تو اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ پہلے افعال کا صدور محال ہو اور بعد میں بدوں کسی سبب کے ممکن ہو جائے۔ اگر کوئی چاہے کہ عالم کا بغیر فاعل پیدا ہونا تو ممکن ہے۔ اگر افعال کا بغیر سبب ممکن ہونا جائز نہیں۔ تو وہ عقلاً اسے نقل کا خلاصہ کہنا ہے۔ ان کا یہ بھی بیان ہے۔ کہ تسلسل ایک بکال لفظ ہے۔ ایک نئی۔ اثبات میں بلداں و جواز کے متعلق قرآن اور حدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس کو اس کی کیفیت پر نہ کرنا چاہیے۔ غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تسلسل میں قسم ہے۔ واجب یعنی ضروری۔ ممتنع و محال اور ممکن و باریز تسلسل میں کی مثال یہ ہے کہ ایسے غیر متناہی مبرم موجود ہوں کہ ہر ایک اپنی صفت تا شریک و دوسرے کا علاج ہو۔ اس قسم کے مؤثر امور کا الی غیر انہما یہ موجود ہونا محال ہے۔ اور تسلسل جب وہ ہے جس پر شرع اور عقل رد و ردت کرتے ہیں مثلاً زمانہ آئندہ میں باری تعالیٰ کے

افعال کا دائم و مستمر ہونا چنانچہ اہل جنت کے لئے جب کوئی نعمت ختم ہوگی تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ دوسری نعمت پیدا کر دیگا۔ اسی طرح نعمتوں کا پیا کرنا دائم و مستمر ہوگا۔ اہل جنت کے لئے عطا کیے گئے نعمتوں کا سلسلہ کسی ختم نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح زمانہ ماضی میں بھی اس کے افعال کا سلسلہ کسی حد پر ختم نہیں ہوتا۔ اس کے ہر فن سے پہلے اس کا وہ سرفعل سابق موجود ہے۔ اور اس کے ہر کلام سے پہلے اس کا وہ سرفعل لاحق موجود ہے۔ وہ ازل سے صفت کلام کے ساتھ موصوف ہے، اس طرح نہیں ہے کہ کسی وقت میں صفت کلام موجود نہ ہو اور بعد میں موجود اور حادث ہو اور اسی طرح اس کے تمام افعال جو اس کی حیات کے لئے لازم ہیں ان میں سے موجود اور دائم ہیں۔ حتیٰ یعنی زندہ اور حیات میں فرق ہی یہ ہے کہ حیات سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جو سرد سے صادر نہیں ہوتے اور جب اللہ تعالیٰ ازل سے حیات اور موجود ہے تو اس کے افعال بھی ازل سے جاری اور غیر متناہی موجود ہیں۔ کسی حد پر ختم نہیں ہوتے۔ اسی واسطے اکثر صاف صالحین نے کہا ہے کہ باری تعالیٰ حیات افعال ہے۔ عثمان بن سعید کا قول ہے کہ ہر زندہ فاعل افعال ہوتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کسی وقت میں اپنے افعال تکالیف یعنی کلام۔ ارادہ وغیرہ سے محفل نہ تھا۔ اور وہ تسلسل چمکن اور جاری ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ زمانہ ماضی کی طرف اللہ تعالیٰ کے موجودات کا سلسلہ کسی حد پر ختم نہ ہو جس طرح کہ آئندہ کو کسی حد پر ختم نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب وہ قدیم سے حیات۔ قدرت۔ ارادہ کلام وغیرہ صفات محال کے ساتھ موصوف ہے اور یہ صفات اس کے لازم ذات سے ہیں۔ تو ان کے لازم اور جو بکے لحاظ سے افعال کا وجود بھی ممکن ہے اور صدور افعال میں ایک نکل ہے جو عدم صمد میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالیٰ کی ذات کی طرح مخلوق بھی تدریج ہو جائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کو مخلوق کے ہر فرد سے وہ تقدم حاصل ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں۔ اور ہر مخلوق سے پہلے ایک دوسری مخلوق موجود ہے اگر اللہ سبحانہ سے پہلے کوئی چیز موجود نہیں۔ اور وہ واحد خالق ہے۔ اور اس کے سوا تمام چیزیں مخلوق اور موجود بعد العدم ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ اس قول کے سوا تمام اقوال عقل کے خلاف ہیں۔ اور عقل صراحتہ انکی تردید اور ان کے بطلان کا حکم کرتی ہے جو لوگ اس بات کے معترف ہیں کہ اللہ سبحانہ ازل سے قادر علی افعال ہے انکو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ماننی پڑیگی۔ یا تو یہ کہیں گے کہ ازل سے صدور افعال ممکن ہے یا ازل سے افعال کا وجود ہے ورنہ ان کے کلام میں تناقض لازم آئے گا۔ کیونکہ اگر وہ تو یہ کہے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ ازل سے صدور افعال یہ قادر ہے اور اصر یہ کہنے ہیں۔ کہ صدور افعال محال ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ صدور افعال کا اعادہ بھی کہے تاہم ان کا وجود ممکن نہیں بلکہ ارادہ کرنا ہی محال ہے اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ افعال اس لئے مقدور ہیں۔

تو یہ صریح تناقض ہے ایک دوسری جماعت نے ایک اور ذریعہ سے جواب دیا ہے ان کا جواب یہ ہے کہ تسلسل آثار ممکن ہے یا محال۔ اگر ممکن ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی خرابی نہیں اور اگر محال اور باطل ہے تو اس کے بطلان سے اس فعل کا بطلان لازم نہیں آتا۔ جس سے مخلوق کا وجود ہوا۔ ہم کو قطعی طور پر معلوم ہے کہ مفعول کا وجود بدون فعل محال ہے اور مخلوق کا بغیر خلق پایا جاتا ناممکن ہے تسلسل کے وجود یا بطلان کا ہم کو علم ہو یا نہ ہو مگر یہ قطعاً معلوم ہے کہ مفعول بدون فعل اور مخلوق بدون خلق ہرگز موجود نہیں ہو سکتے۔ اسی واسطے بہت سے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خالق اور مخلوق اور اسی طرح فعل اور مفعول ایک چیز نہیں بلکہ وہ متضاد چیزیں ہیں۔ یہ لوگ باوجودیکہ تسلسل کو باطل کہتے ہیں مگر خلق اور مخلوق کو اور اسی طرح فعل اور مفعول کو باہم متضاد مانتے ہیں۔ آئمہ اربعہ کے متقلدین۔ اکثر اہل حدیث صوفیہ اور متکلمین کا بھی مسلک ہے۔ کہ خلق اور مخلوق اور اسی طرح فعل اور مفعول میں تضاد ہے۔ پھر ان میں سے بعض لوگ تو اس بات کے قائل ہیں کہ خلق جس کو تکوین بھی کہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ کی ایک ایسی صفت قدیمہ ہے جیسی صفت ارادہ ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ صفت خلق ایک صفت حادثہ ہے جو پہلے موجود نہ تھی اور اسی طرح کلام اور ارادہ بھی صفات حادثہ ہیں۔ اور یہ سب اللہ سبحانہ کے ساتھ قائم ہیں کرامیہ اور ان کے موافقین کا یہی مسلک ہے کہ وہ باری تعالیٰ کے صفات کو حادثہ اور انکو اس کی ذات کے ساتھ قائم مانتے ہیں۔ اور صفات کے دوام کے اس خیال کی بنا پر منکر ہوئے ہیں کہ دوام مانتے سے یہ لازم آتا ہے کہ حادث کے وجود کے لئے کوئی ابتداء ہو۔ اور یہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ صفت خلق اور تکوین اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں۔ بلکہ قدرت کی طرح مخلوق کا وجود اس کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ اور جب ان تمام لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کو ازل سے قادر علی الخلق مانتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے اُسے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ افعال کو بلا کسی مانع کے صادر کر سکتا ہے۔ تسلسل کا ماننا ضروری ہے تو اسی طرح تم کو بھی تسلسل ضرور ماننا پڑیگا جس طرح تم اپنے مخالفین کو لزوم تسلسل کا الزام دیتے ہو۔ اسی طرح خود تم پر بھی یہ الزام قائم ہوتا ہے۔ پس اس الزام کا جواب جس طرح آنکے ذمہ ہے اسی طرح تمہارے ذمہ بھی ضروری ہے اور وہ الزام جو انہوں نے تم پر قائم کیا ہے کہ مفعول کا بلا فعل اور مخلوق کا بدون خلق وجود لازم آتا ہے اس کا جواب صرف تمہارے ذمہ لازم ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ فعل ایک ایسی صفت ہے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور اس پر قادر ہے کوئی شخص اُسے رد نہیں سکتا۔ اور صفت فعل جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ عین مخلوق نہیں جو کہ اس سے منفصل اور جدا ہے۔ پس ہم پر یہ الزام ہرگز قائم نہیں ہو سکتا۔ کہ باری تعالیٰ کی مخلوق بھی ازلی اور

قدیم ہو جائے۔ البتہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ فعل لازم فعل متعدی کو مستلزم ہونا ہے اور فعل متعدی منوعات
کے فوعل کا دوام چاہتا ہے اور دوام نوع اس بات کا مقتضی ہے کہ اللہ سبحانہ کے ساتھ ازل میں مخلوق
موجود ہے تب بیشک یہ انعام ہم پر قائم ہو سکتا ہے مگر ان امور کے ثبوت پر تمہارے پاس بلکہ کسی
شخص کے پاس کوئی دلیل نہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال کے ثابنت کرنے سے جو نسا امر لازم آئے
ہیں کا تسلیم کر لینا اچھا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے افعال کی نفی کرنا اور ان کو معطایہ غیر نادرست نہیں
ہیں اگر اس کے افعال کا قیام اس طور پر ثابت ہو کہ حوادث کا قیام بھی اُسکے ساتھ نہ ہو۔ چنانچہ
بہت سے لوگ اسی کے قائل ہیں۔ تو تمہارا قول بالکل باطل ہو جائیگا۔ اور اگر اس کے افعال کا
اثبات اس طور پر کیا جائے کہ امور اختیار یہ کا قیام اُسکی ذات کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ اور
کہا جائے کہ یہ امور حادثہ ہیں۔ اور ان کے وجود کے لئے ابتدا ہے جیسا کہ کلامیہ کہتے ہیں۔
تب بھی تمہارے قول سے تو بے اربادرجہ بہتر ہے۔ اور اگر ان کا تسلسل لازم آئے اور افعال
لازم کے وجود کے لئے کوئی ابتداء ثابت نہ ہونا ہم تمہارے قول سے کئی درجہ اچھا ہے۔ اور
اور اگر تسلسل آثار اور یہ بات لازم آئے۔ کہ اللہ سبحانہ ازل سے خالق ہے جیسا کہ نص اور عقل سے
یہ بات ثابت ہوتی ہے تو یہ بھی تمہارے قول سے بہتر ہے۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے۔
کہ اللہ سبحانہ کے خالق ازل ہونے سے مخلوق بھی ازل سے اللہ سبحانہ کے ساتھ موجود اور قدیم
ہے۔ تاہم تمہارے باطل مذہب سے تو بہتر ہے۔ گو یہ بات لازم نہیں آتی۔ اور اہل اسلام بلکہ تمام
آسمانی دین رکھنے والے اقوام میں سے کوئی اس بات کا قائل نہیں۔ بلکہ سب کے سب اس
بات پر متفق ہیں کہ اللہ سبحانہ واحد خالق ہے اور ماسوا اُس کے تمام چیزیں مخلوق اور موجود
بعد العدم ہیں۔ اور مخلوقات میں سے کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جو اپنے وجود میں اللہ سبحانہ کے
ساتھ اور اُس کا وجود اللہ سبحانہ کے وجود کے مساوی ہو۔ اس کے بعد تمام امور خلق۔ اور
صفات کمال۔ لغوت جلال۔ ربوبیت وغیرہ جتنے امور لازم آتے ہیں۔ ہم سب کو مانتے اور
ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کا کمال اس کی ذات مقدس کے لوازم
سے ہے۔ جس طرح کہ ہم ان سب امور کو مانتے ہیں جو اُس کے حقیقی۔ علیم۔ قدیر۔ سمیع۔ بصیر۔
متکلم۔ آمر۔ ناہی۔ مستوی علی العرش ہونے سے اور نیز ان مسائل سے لازم آتے ہیں۔ کہ وہ
مخلوق سے اپنی ذات و صفات میں ممتاز اور جدا ہے۔ مومنین اپنی آنکھوں سے جنت میں اور
عصابت قیامت میں اُس کے دیوار سے مشرف ہونگے۔ وہ مومنین کے ساتھ کلام فرمائیگا۔ اور

سومن اُس سے باتیں اور اپنا عرض محروض کرینگے۔ کیونکہ یہ سب کچھ حق ہے اور جو کچھ حق سے لازم آوے وہ بھی حق ہوتا ہے۔ اور وہ غلط خیالات جو ناقص عقول نے تراش رکھے ہیں۔ ہم انکے منکر اور انکے مننے سے برکت راہد ہزار ہیں۔ اور توفیق فیضانہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔ قدری نے کہا کہ بندے کا اپنے افعال کا موجود اور فاعل ہونا نہایت بدیہہ اور واضح ہے۔ ہر صاحب عقل اس بات کو سمجھتا ہے۔ کہ جو افعال اُسکے ارادے اور قصد کے ساتھ اس سے صادر ہو۔ تو ہیں۔ وہ اُن کا فاعل ہوتا ہے۔ مگر جس شخص کی حرکت کے درمیان جو جبر اُکسی جانب کو حرکت اسی جاسے اور اپنی اختیار کی حرکت اور ارادی افعال میں بدایت فرق سمجھتا ہے۔ کوئی صاحب عقل انہیں شک و شبہ نہیں کر سکتا اور کوئی دلیل اُسکو توڑ نہیں سکتی۔ اس کے برخلاف استدلال قائم کرنا بدیہی چیز کے بطلان پر استدلال قائم کرنا ہے جو نامقبول اور مردود ہے۔ *

سنی نے جواب دیا۔ کہ تمہارے مقابل فریق یعنی جبریہ اس کا جواب یوں بیان کرتا ہے۔ کہ ہر صاحب عقل یہ بات سمجھتا ہے۔ کہ اُس کے افعال کا وقوع اُسکی قدرت کے مقارن ہوتا ہے یعنی وقوع افعال اور وجود قدرت مٹا پائے جلتے ہیں۔ مگر ہر شخص یہ نہیں سمجھتا۔ کہ اُس کے افعال اُس کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ اور وہ نوامیس فرق ظاہر ہے۔ اگر ہر ایک شخص کو بدہمت معلوم ہوتا کہ اُسکے افعال اُس کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ تو عقل کی ایک ایسی جماعت عظیم جن کی نسبت یہ خیال کرنا غلط ہے کہ وہ سب کے سب بدیہات کے منکر ہیں اس مسئلہ میں خلاف نہ کرتی۔ مگر یہ جواب کافی اور ثبوتی نہیں بلکہ صحیح طور پر اس کا کچھ جھل بھی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر صاحب عقل یہ بات بالبداہتہ سمجھتا ہے۔ کہ اُسکے افعال اُسکی قدرت سے۔ ارادہ اور قصد سے واقع ہوتے ہیں اور یہی امور اُسکے افعال کے صدور میں مؤثر ہیں۔ اور افعال کے ساتھ ارادہ اور قدرت کے مقارن ہونے اور اپنے دوسرے صفات مثلاً طول۔ قد۔ رنگ۔ شکل وغیرہ انکے ساتھ مقارن ہونے میں ظاہر طور پر فرق سمجھتا ہے۔ مگر جبری کے نزدیک ارادہ۔ قدرت اور دیگر صفات مثلاً رنگ۔ شکل وغیرہ سب یکساں ہیں یعنی جس طرح دوسرے صفات مثلاً رنگ وغیرہ صدور افعال کے ساتھ محض مقارن فی الوجود ہیں۔ اور ان صفات کو صدور افعال میں کوئی دخل اور تاثیر نہیں۔ اسی طرح ارادہ اور قدرت کو بھی صدور افعال میں کوئی دخل اور تاثیر نہیں۔ محض مقارن فی الوجود ہیں۔ اور جبریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ عادت اللہ اس طرح جاری ہے کہ ارادہ اور قدرت کے وقت اللہ سبحانہ افعال کو پیدا کر دیتا ہے مگر وہ افعال ارادہ اور قدرت سے واقع نہیں ہوتے۔ جبریہ کا

قول بہیات کے مخالف ہے اس قدر شک نہیں ہو سکتا کہ جو شخص عقلا کے باہمی معاملات اور کاروبار عقلاً
و تصرفات پر نظر ڈالے تو اسے یقینی طور پر معلوم ہو جائیگا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ان احوال کا
مطالعہ کرتے ہیں۔ جو ہر ایک کے حال کے موافق اور اسکے شان کی کے لائق ہیں اور قطعی طور پر اس سے
یہ نتیجہ نکلے گا کہ جس شخص سے جو کام طلب کیا جاتا ہے وہ اسکو اپنی قدرت اور ارادہ سے صادر کرتا ہے
اسی واسطے اس سے وہ کام کرنے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور قسم قسم کی تدبیریں کی جاتی ہیں
کبھی لالچ اور طمع اور رشوت سے کام لیا جاتا ہے کبھی جھکی اور دباؤ سے مطلب نکالا جاتا ہے غرض
جس تدبیر سے کام نکلے خواہ اسید دلانے یا دھکی یا غیڈ سنانے سے اس کے عمل میں لانے
میں دریغ نہیں کیا جاتا۔ کبھی اس کو یوں ابھارا جاتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص نے یہ کام کیا ہے
تم کو کیا ہوا ہے کہ اس سے گریز کرتے ہو۔ یہ باتیں شب و روز محسوس اور مشاہد ہوتی ہیں۔ اور
انہی وجود میں ہرگز شک نہیں ہو سکتا۔ غرض جملہ اہل عقل اس بات پر متفق ہیں۔ کہ افعال عبادان کی
قدرت و ارادہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اور اس میں کسی کو شک نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی انگلی ہلائے
اور دوسرا شخص انگلی ہانے والے کو گالیاں دینے لگے۔ تو وہ انگلی ہانے والا غیظ و غضب میں آجائے گا
اور کیا گارنے لے گا۔ مجھے کیوں گالیاں دینا ہے اور یوں نہیں کہیں گے کہ میرے رب کو کیوں گالیاں دیتا ہے
اس لئے کہ کیلئے پندار مثالیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ انکو زیادہ بسط کے ساتھ بیان کرنے
کی حاجت ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ نہایت واضح اور ظاہر ہے۔ اور اس کے متعلق جتنے شہادت پیدا
ہوتے ہیں وہ محض ملمع کاری اور دھوکے پر مبنی ہیں۔ تمام عقلاء فطرۃً دیکھتے ہیں کہ برے کام کرنا والا
ستحقِ مذمت اور بھلے کام کرنے والا قابلِ مدح ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دفعۃً یہ سمجھتے
ہیں۔ کہ انسان فاعلِ افعال ہے۔ کیونکہ مذمت اور مدح فاعلِ افعال ہونے پر متفرع اور موقوف ہے
اور یہ نہیں ہو سکتا کہ فرع کے متعلق تو فطرۃً اور انظاراً علم حاصل ہو اور اصل کا پتہ ہی نہ ہو۔ ہر
صاحبِ عقل سمجھتا ہے کہ کاتب جب ارادہ کتابت کرتا ہے۔ تو وہ لکھنے شروع ہو جاتا ہے۔ اور جب
چاہتا ہے تو قلم کو روک لیتا ہے۔ اور اسی طرح محار اور دوسرے اصحابِ صنعت و معرفت جب
چاہتے ہیں۔ اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں اور جب جی چاہتا ہے چھوڑ کر آرام کرتے ہیں۔ اور یہ
بھی معلوم ہے کہ سب کسی شخص کا کسی کام پر ارادہ نہ ہو یا اس میں کسی وقت اس کام کی قدرت نہ ہو۔ تو وہ
کام خود بخود یا ایسی حالت میں اس سے واقع نہیں ہوتا۔ اور جب دوبارہ قدرت حاصل ہو جائے تو
اس کے متعلق ارادہ پالا جاتے تو وہ کام پھر وقوع میں آنے لگتا ہے۔ اور تمنا یا یہ کہنا کہ اگر چاہتا ہوں

ظہر ہوتا تو کوئی صاحب عقل کو اس میں خلافت نہ ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام برہمات اور ضروریات ہیں
 انہیں تنہا ضروری نہیں۔ بہت سے اہل عقل بھی ضروری اور بدیلہ موسسے کے مسکن ہیں کہ ان کو کوئی
 شبہ پیش آگیا۔ روایت یہ ہے کہ چکر بچھے یا نہ بچھے جس کی کیا اہمیت! کوئی فیصلہ پیش کیا جائے اور ان کی تہذیب نے
 گنتی دیکھو فلاسائن ایسا جتنی یہ یہ ہو سکے خداوند باوجود ذیل کی طرحی اعتبار اور سب سے بڑی توقع نہیں اور
 نصاریٰ کوئی ایسے مسائل کے قائل ہیں جو بدہمتہ مسلم ہوتا ہے کہ غلط اور باطل ہیں مگر وہ باوجود اس کے
 ان مسائل میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مناظرہ کرنے کو تیار اور ان ہیودہ لغویات کی مدد و حمایت کے
 لئے مستعد اور کمر بستہ ہیں۔ درائن کو دیکھو محاذِ اشد یہ کہتے ہیں کہ نبی خدا و حضرت ابوبکر صدیق اور
 خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ایک مسیح بھائی اللہ و رسالت کے ساتھ ایمان نہیں لے سکتے۔ وہ ہمیشہ حضرت
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت کرتے اور آپ کے قتل کرنے کے منتظر ہے اور رسول اللہ
 سے اللہ علیہ وسلم نے نام سچا ہونے کے روبرو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر کے فرمایا کہ یہ میرا بیوی اور میرا
 بعد میرا بیوی ہے۔ تم سب کو اس کی اطاعت اور نافرمانی ضروری ہے۔ نام سچا ہے نے حضرت کی
 اس وصیت کو سنا اور اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا۔ مگر سب نے حضرت کے اس فرمان کے پوشیدہ رکھنے اور حضرت علی
 کی نافرمانی کرنے پر اتنے قیام کیا۔ نہ جس رہ افشائے جن کے مذہب کی بنا ہی جھوٹ پر ہے۔ اس قسم کی بہت
 سی بے اہل اور سرسبز جھوٹی باتیں بنا رہی ہیں۔ اور قرآن کریم اور سرتجیح احادیث کے مخالف اور منکر
 ہیں۔ اور ای طرح جہینہ دور ان کے موافقین کوئی ایک بدیلہ اور سرتجیح اور کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ
 منقول باطل اور مخلوق بلا منقول موجود ہو سکتے ہیں۔ اور لاسفہ جن کو اپنی عقلوں پر بڑا ناز ہے۔ اس
 بات کے قائل ہیں کہ صورتِ معنوی بدول ذہن ذاتِ خود قائم ہیں۔ اور وہ نہ تو عالم کے اندر حال اور
 نہ اُس سے خارج ہیں۔ اور نہ اُس کے ساتھ متصل اور نہ اُس سے منفصل ہیں۔ اور نہ اُس سے مباہلہ اور نہ
 اُس سے متحد ہیں نہ لاسفہ کی یہ ایسی بات ہے جو صرحِ عقل کے مخالف ہے۔ اور وہ جماعتِ یوحنا و
 وجود اور ہمہ دست کی قائل ہے یہ کہتی ہے کہ جبروت ایک اللہ کی ذات موجود ہے اور یہ جتنے متحد
 امور اور اشیاء و کثیرہ نظر آتی ہیں۔ محض وہ اور خیال ہے درحقیقت کوئی چیز سوائے اللہ کے نہیں
 اور وہ گروہ جس بات کا منکر ہے۔ بوں کہتے ہیں کہ آگ میں حرارت جس اشیاء کو بخلاقی ہے۔ اور پانی
 میں وہ رطوبت جن سے سیرابی حاصل ہوتی ہے ہرگز موجود نہیں۔ اور اجسام کے اندر کوئی قوت یا
 طبیعت و طبیعت نہیں کھی گئی۔ اور سلسلہ عالم میں کوئی چیز کسی دوسری چیز کے لئے سبب نہیں ہو سکتی۔
 مگر ان امور کے انکار کو ہم برہمات اور ضروریات کا انکار نہیں سمجھتے تو دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا۔

جو بدیہات کا منکر ہو۔ اور اگر ان امور کا انکار بدیہات کا انکار ہے۔ تو تمہارا یہ قول رند اگر بسندہ بہرہ ہوتا تو
 عقلیوں سے کوئی اس کا مخالفت نہ ہوتا۔ یا عقل اور غلط ثابت ہوا۔ اور وہ بدیہات جن کا تشکیل نے
 انکار کیا۔ یہ ان کو مذکورہ بالا امور سے کسی درجہ زیادہ پرستی ہے۔ زیادہ بدیہات اور ضروریات عقل کی مخالفت
 اور منکر تشکیل کی باعث بنے عقل سلیم کے نزدیک۔ پس طرح صحیح۔ ہے کہ کسب بدول سمع اور بصیرت بلا بغیر
 حتی بغیر حیات موجود ہو اور نیز یہ یہ سمجھتا ہو سکتا ہے کہ ایک مرنی حیرانگہوں کے سامنے دُعا کی جائے۔ مگر
 وہ دیکھنے والے کے اوپر۔ نیچے۔ دہسنے۔ بائیں۔ آگے۔ پیچھے۔ نہ طرف۔ ہو۔ اور نیز یہ کس طرح جائز
 ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے لئے صرف ازلی اور قدیم کا اہم ثابت کی جائے۔ حالانکہ کلام الہی کی صفت
 ہے۔ کہ اگر سحر محیط۔ کہ برابر اور ساتھ سمندر و فضا کے ہے۔ اور انکو روشنائی بنایا جائے۔ اور
 تمام درجے میں کہ درخت چھوٹے بڑے سب جمع کر کے قطبیں بنائے جائیں اور کلام الہی کو لاکھت
 شروع کیا جائے۔ تو تمام سمندر اور قطبیں ختم ہو جائیں گے اور کلام الہی ختم نہ ہوگا۔ اور تشکیل یہ بھی کہتے
 ہیں۔ کہ یہ کلام معنی واحد ہے اس میں تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس کا کوئی جز ہے۔ اس میں نہیں علیٰ امر۔
 لفظی نہیں اثبات۔ خیر عین استغفار۔ تو دواۃ میں انجیل۔ و قرآن ہے۔ اور یہ سب ایک ہی چیز ہے صرف
 مختلف اصناف اور نسبتوں اور متعدد مدلولات کی وجہ سے مختلف نام سے موسوم ہے۔ ان اسباب
 پر اہل عقل یعنی متکلمین کی ایک جماعت غلط فہم ہے۔ اور اپنے مخالفین کو کافر سمجھتی ہے۔ اور انکی ایذا
 رسائی کے لئے درجہ برتر پر غرور و تعصب ہے۔ لہذا لال جانتی ہے۔ اور جمہیت کا یہ قول ہے کہ عالم کے لئے ایک
 ایسا مانع ہے۔ جو نہ اہل قائم ہے۔ اور وہ نہ تو عالم کے اندر داخل اور نہ اس سے خارج ہے۔ اور
 نہ عالم کے اوپر اور نہ اس کے نیچے ہے۔ اور نہ آگے۔ پیچھے۔ دہسنے۔ پس۔ غرض کسی طرف بھی
 موجود نہیں۔ اور نہ عالم سے مباہلہ اور نہ اس سے متحد۔ جمہیت نے واجب الوجود کو ایسے صفات
 کے ساتھ موصوفہ قرار دیا ہے جن کا وجود ممکن نہیں اور یہ بھی اپنے مخالفین کو کافر اور انکے قتل کرنے
 کو مامور سمجھتے ہیں۔ اگر ہم ان تمام بیہودہ کا ذکر کریں جن کے کئی اہل عقل مخالف و منکر ہیں تو کتاب میں بہت
 لمبوں ہو جائیگا۔ بیشک ہے۔ نصاریٰ ہی کو دیکھو کہ تمام مرنے زمین میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور سب
 زیادہ بدیہات اور ضروریات عقل کے منکر اور مخالف ہیں۔ فلاسفہ پر نظر ڈالو جو اپنے آپ کو معقولی
 کہلاتے ہیں۔ سب بڑھ کر بدیہات اور ضروریات عقل کا انکار کرتے ہیں۔ غرض کسی جماعت کے
 کسی مسئلہ میں اختلاف کرنے سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ کہ وہ مسئلہ بدیہات اور ضروری نہ ہو۔

فصل۔ تدری۔ نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَا أَجْنَابُكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمَنْ

اَللّٰهُ وَهٖ اَمَّا بَلَدٌ مِّنْ سَيِّئَاتٍ فَمِنْ تَفْسِئَتٍ (اے بندے) تجھ کو کوئی فائدہ پہنچے تو تجھ کو اللہ کی
 طرف سے ہے اور تجھ کو کوئی نقصان پہنچے تو (تجھ کو) خیر نفس کی طرف سے ہے) اور جبر یہ ہاتھ وغیرہ
 کہہ کر بھی۔ ہر سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ بندے کی جان بچنے کوئی چیز نہیں۔ جبری نے جواب دیا۔
 کہ اس آیت میں صرف ہتھیار مذکور کیا گیا ہے اَلْعَبَاتِ اس طرح جبر سے آفِئَتِ تَفْسِئَتٍ اور استفہام
 اَلْاِبْحَارِ کے لئے۔ یعنی برائی کا پہنچنا بھی اتمداری طرف سے نہیں بلکہ وہ بھی ممکن بابت اللہ ہی
 ہے اور بعض غرائز سے تَفْسِئَتِ تَفْسِئَتٍ یعنی بھڑکنا ہم دوسروں میں پڑھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کون ہو کہ
 کسی چیز کے فاسل ہو سکو سب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس آیت کے معنی میں ضرورتاً دلیل کرنی
 پڑی کہ وہ نہ اس پہلی آیت کے مخالف اور محارض ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ اِنْ تُصِيبْهُمْ
 ذَرَّتْهُمْ قَلْبًا مِّنْهُمْ وَ اِنْ يَحْمِلُوا ثِقَلًا يُحْمِلُوْهُ سَوِيًّا يَّكْفُوْا عَنْهَا وَ اِنْ يُصِيبْكَ شَيْءٌ فَاِنَّكَ
 عَنْ يَمِيْنِكُمْ عَنِ اِلٰهِ (اور انہیں ہم ان دونوں کو کچھ ناموٹھنچ جاتا ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف
 سے ہے) جنہ اِلٰہِ اِنْ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اور انہیں ہم ان دونوں کو کچھ ناموٹھنچ جاتا ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے) سو
 یہ غیر ان سے ہے) اتمد کہ لفظ ہو یا نقصان سب اللہ کی طرف سے ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان
 فرما دیا ہے۔ کہ نبی اور بدی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بندے کا کسی چیز میں کوئی دخل نہیں
 نتیجہ یہ کہ تم دونوں نے آیت کا سنی سمجھنے میں بڑی غلطی کھائی ہے اور ہماری غلطی کا سد ثبات اور باعث یہ ہے
 کہ اس آیت میں جنات اور حیوانات سے ہم نے طاعت اور محاسنی پر کمر بستہ ہے۔ کہ اختیار ان اعمال
 میں ایسا دوسرے ہیں۔ اور ہاں یہ معنی ارادہ کرنا صحیح نہیں بلکہ جنات اور حیوانات۔ یہ مباح نہیں۔ مصلحت
 ملا میں جنات اور حیوانات قرآن کریم میں کبھی طاعت اور محاسنی پر لڑا دیا ہے۔ اور بھی جنات اور محاسنی
 پر طاعت کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول اِنْ تَسْتَكْبِرْ تَكُنْ مِّنْ كٰفِرِيْنَ تَسُوْءُ هُمْ وَ اِنْ تَتَّبِعْهُمْ يَنصِبْ
 يَكْفُرْ خَوَابًا (مسلمانوں) اگر تم کو کوئی فائدہ ہو پھر تم کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی گونہ پہنچے۔ تو اس سے
 خوش ہو گے ہیں) اور قول تعالیٰ اِنْ تُصِيبْكَ حَسَنَةٌ تَسُوْءُ هُمْ وَ اِنْ تُصِيبْكَ مُّصِیْبَةٌ يَّكْفُوْا
 قَدْ اَخَذْنَا نَاصِرًا مِّنْ قَبْلِهِ (اور غیر) اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچ جائے تو ان (منافقوں) کو برا لگتا ہے اور
 اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو کہنے لگتے ہیں کہ (ای خیال سے) ہم نے پہلے ہی اپنا کام (ٹھیک ٹاک) کر لیا تھا
 و قول تعالیٰ تَسُوْءُ نَا هُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَ الشَّيْئَاتِ (اور ہم نے ان کو سناہ اور دکھ دو طرح سے آرایا
 و قول تعالیٰ وَ اِنْ تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّبْعَثْنَا مِّنْ اٰیٰتٍ یُّهْمُوْنَ بِهَا مَا كَانَتْ اِلَآفًا مِّنْ قَبْلُ (اور اگر
 لوگوں کو ان کے پہنچنے ہی کثرت کے بدلے میں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو خدا کی شکایت کرنے

پر ایک اُسے بیش است کی مصیبت پڑی حالانکہ انہیں ایک بد میں اس کے دو فی مصیبت اپنے دشمنوں پر
 ڈال چکے ہوں اخیر آیت میں تو قسم کے الفاظ موجود ہیں جو مصیبت کا ارادہ و اختیار کے بغیر انسان کو پہنچتی ہے بلکہ
 سب سے پہلے تمہیں یاد دہاؤ اور جو کام انسان اپنے ارادہ اختیار کیا ہو اس کے متعلق آیت میں ویلایا یعنی جو تمہیں اپنے ارادہ کیا اور اللہ
 کے نزل و حکم سے متعلق ہے کہ اُن لَیْقَیْہُ بِکَہْ اِنَّہُ لَیْعَذِّبُکُمْ اَبَدًا وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور ہم تمہارے حق میں
 اس سے سخت نظر ہیں کہ خدا تم پر اپنے پیہم ہوں سے کوئی عذاب نازل کرے (اس سے) و قولہ لَیْقَیْہُ بِکَہْ
 الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَلْیَقِیْنٰہُمْ لِمَا کُفَرُوْا بِہٖ فَاذْرِعُوْا (اور جو کفر میں لگے ہیں یعنی کفار کا ہم ان کو انکے کفرت
 کی سزا میں کوئی شک تو نہیں ہوگا یہی رسپی) ان سے کہ کو کھڑے لڑائی پہنچے (دور لڑنے کے لئے) اَصَابَکُمْ
 دُصِیْبَةٌ اَوَّلٰی وَاُولٰٓئِہٖ اَوَّلٰی وَاُولٰٓئِہٖ اَوَّلٰی (نہ) عرض آیا اَفَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ حَسْبُکُمْ اَوَّلٰی اَصَابَکُمْ
 حَسْبُکُمْ دُصِیْبَةٌ اَوَّلٰی اس قسم کے الفاظ ایسے امور ہیں جسے جانتے ہیں ارادہ و اختیار کے بغیر انسان کو پیش آتے ہیں صلیبی
 ان آیات کے اس معنی و تفسیر پر متنبہ نہ ہو۔ ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ اِنْ لَیْقَیْہُ بِکَہْ حَسْبُکُمْ سے
 نعمت اور اِنْ لَیْقَیْہُ بِکَہْ سَبَبٌ ہے سبب سے تکلیف مراد ہے۔ سببی کا قول ہے کہ سبب غرض مالی
 مراد ہے جس میں موافق چاہئے نہ پسیر رہنے اور موافق نہ ہونے پر ہر کام جتنی کرتے اور اثر
 سے بچے دیتے ہیں۔ اور آدمی حشر حال پاتے جلتے ہیں۔ ایسے سال میں عورتیں اکثر شکر کے متنی
 ہیں۔ منافقین اُن نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے تھے اور قرآن لَیْقَیْہُ بِکَہْ اَمِیْنٌ میں
 سبب معنی تکلیف ہے۔ اور سبب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کرتے اور انکی تائید کا ثمرہ بتلاتے۔ اور
 کہتے تھے کہ ہم نے جو اپنا دین چھوڑ کر محمد کا دین اختیار کیا ہے۔ اسی شامت سے ہم پر یہ وبال پڑا ہے
 اللہ تعالیٰ نے اُنکے اس خیال باطل کے رد کو کہنے کے لئے فرمایا قُلْ کُنْ اَمِیْنٌ حَسْبُکُمْ اَمِیْنٌ
 محمد کے کہ سبب (نعمت اور تکلیف) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (قابلی نے ابن عباس سے
 سے روایت کیا ہے کہ مَا اَصَابَکُمْ حَسْبُکُمْ اَمِیْنٌ اللہ میں ہے۔ مع فتح بدر اور غنیمت مراد
 ہے۔ اور سبب سے وہ تکلیف مراد ہے۔ جو اہل کفر کے پیش آتی ہے پکا دانت مبارک شہید ہوا
 اور آپ کے چہرہ انور پر کچھ زخم پہنچا۔ غرض حَسْبُکُمْ سے نعمت اور اہل ایمان مراد
 ہے۔ اور ابوصلح کی تفسیر میں ابن عباس سے مروی ہے کہ اِنْ لَیْقَیْہُ بِکَہْ حَسْبُکُمْ سے
 فراموشی اور اِنْ لَیْقَیْہُ بِکَہْ سَبَبٌ سے تخطائی اور تکلیف مراد ہے۔ سببی آیت کی تفسیر
 میں ابن قتیبہ کا یہ قول ہے کہ حَسْبُکُمْ سے نعمت اور سبب سے مصیبت مراد ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سبب
 پیش کرے کہ ابوالفرج بن جوزی نے ابوالعالیہ سے جو کہ ایک جبل الشان تابعی میں نقل کیا ہے کہ اس

آیت میں سنہ سے طاعت اور سیئہ سے عصیت مراد ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابوالفرح نے اس
 نقل اور روایت کی کوئی سند نہیں بیان کی۔ اور جب بیان ابی حاتم نے بیساکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں
 وہ سنائیے نہ سن کر بخیر نہ سن کر بخیر نہیں۔ اور وہاں یہ حدیث مروی ہے کہ ابی حاتم نے فرمایا یہ حدیث
 نسبتاً و کچھ زیادہ ہی درست ہے یعنی نفس جیسا کہ درابن زبیر جیسا کہ ابی حاتم نے فرمایا ہے۔
 سے حدیث صحیح ہے ان سب باتوں میں یہ جو حدیث کہ ابی حاتم نے فرمائی ہے کہ اس سے توفیق ہوتی ہے
 یعنی اس اعتبار سے کہ جن طاعات اور عبادات کو بتائے کہ ان کو اس کی طرف سے توفیق ہوتی ہے
 وہ اس کے حق میں نعمت مند اندہی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ**
الَّذِي هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُكُونُوا رِجْلًا۔ اور بگناہ اس سے سرزد ہونے پر وہ اس
 کے حق میں عذیبست ہے جو اللہ کی طرف سے۔ **لَا تَزِلُّ زُلْفَتَهُ**۔ گو اس کا سبب خود بندے کے
 انحال نہ ہونے ہیں۔ اس مسئلہ کی تفسیر اس سے ہوتی ہے کہ جب اللہ سبحانہ سے عصیت کی جزا
 اور بدلہ اس سے کہ جو عبادت یا عبادت کی طرف سے وارفع ہوتی ہے۔ تو وہ عصیت جو موجب
 جو نہ ہے بلکہ اپنی اولیٰ بندے کی جاہلیت سے ارتق ہوگی پس حمل بد اور جرنلے بد دو نو کا باعث
 خود بندہ ہے۔ اور اسی کی طرف سے۔ **لَا تَزِلُّ زُلْفَتَهُ**۔ اس میں کوئی خرابی اور منافات
 میں اور اس معنی کے لحاظ سے کہ یہ سب کچھ من جانب اللہ مفدور ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 ہے۔ **لَا تَزِلُّ زُلْفَتَهُ** کی طرف سے عدل حکمت مصلحت اور حسن ہے۔ اور بندے کے کس طرف
 سے سیئہ اور برائی ہے۔ **ابن عباس** سے مروی ہے کہ وہ اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے
وَمَا آتَا بِكَ مِنْ نِّعَةٍ فَكُنْ شَاكِرًا لِّحَيْاتِكَ (اور تم کو جو عبادت پیش آئے
 تو سمجھ کہ تیرے نفس کی طرف سے ہے اور میں نے اس کو کچھ پر مفد کیا ہے) اور اس قراءت سے محض
 زیادت بیان اور توضیح مفہوم ہوتی ہے در نہ یہ مضمون تو اس سے پہلے جملہ قل کُلِّ شَيْءٍ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ
 سے بھی سمجھا جاتا ہے کہ تقضائے سابق میں سب کچھ مفد ہے۔ معافی کا صلہ و کبھی اس طرح ہوتا
 ہے کہ وہ کسی در سبب انصاف کی سزا ہوتے ہیں۔ غرض عصیت پرین با سب اللہ و تقہر کی عقوبت ہوا کرتی
 ہے۔ ایک تو عصیت کے ذریعہ سے عین کا باعث پہلے معافی ہوتے ہیں۔ اور دوسرے تکلیف
 اور عقاب سے چنانچہ متفق علیہ حدیث میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ صدق (سچائی) اختیار کرو کہ کبھی
 سچائی نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کا راستہ بتلاتی ہے اور جو آدمی ہمیشہ سچ بولتا
 اور سچائی کا خیال رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت راست گو لکھا جاتا ہے۔ اور جھوٹ

سے پرہیز کر دے۔ کہ جھوٹ بُرائی کی طرف لے جاتا ہے اور بُرائی جہنم میں ڈالنی ہے اور جو آدمی ہمیشہ جھوٹ
 بولتا اور اسی کو شش میں مرتبے کو اللہ کے نزدیک نہایت جہنم ٹا اور کدے آب لکھا جاتا ہے۔ اور
 اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات میں فرمایا ہے کہ دوسری نیکی کبھی پہلی نیکی کا بدلہ اور
 اسی طرح دوسرا گناہ کبھی پہلے گناہ کی سزا ہوتی ہے۔ پہلی بہت یعنی حسنہ ثانیہ کا حسنہ اولیٰ کا بدلہ ہونا
 مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے وَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ مَاذَا يَشَاءُوا أَلَيْسَ ذَلِكَ بِعَظِيمٍ لَكُمْ فِيهَا حَظٌّ مِمَّا جَعَلْنَا لِمَنْ يَشَاءُ مِنْكُمْ وَأَلَيْسَ ذَلِكَ بِعَظِيمٍ
 (اور جو کچھ ان کو کھایا جاتا ہے اگر اُس کی تعمیل کرتے تو انکے حق میں بہتر ہوتا۔ اور اس کی وجہ سے
 (دین پر بھی مضبوطی کے ساتھ دیکھ رہے ہیں اور اس صورت میں ہم ان کو ضرور اپنی طرف سے بڑا اچھا)
 بدلہ دیتے اور ان کو راہِ راست پر رکھی ضرور لگا دیتے) وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ لَنَنصُرَهُمْ وَنَخْلُقُ لَهُمْ
 سُبُلًا (اور جن لوگوں نے ہم سے دین کے کام میں کوششیں کیں ہم بھی ان کو اپنے رستے
 دکھائیں گے) يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ حَتَّىٰ يَخْرُجَ مِنْ ظُلُمَاتٍ إِلَىٰ نُورٍ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِي اللَّهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (جو خدا کی رضا مندی کے
 طلبگار ہیں ان کو اللہ قرآن کے ذریعے سے سلامتی کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے فضل (و کرم)
 سے ان کو (گفرتی) تارکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا اور ان کو راہِ راست دکھاتا ہے)
 لِيَكُنِ اللَّهُ تَعَالَىٰ كَقَوْلِ وَالَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ قُلُوبُهُمْ لَمْ يَمْلِكُوا شَيْئًا وَنَحْنُ نَهْدِيهِمْ
 وَنَهْدِيهِمْ بِنَا لَكُمْ (اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کے عملوں کو خدا ہرگز رائیگاں نہیں
 ہونے دیتا بلکہ انہیں (منزل) مقصود کو پہنچا دیگا اور ان کو خوش حال کر دیگا میں یہ بھی ہو سکتا
 ہے کہ یہ معنی یہاں مراد نہ ہوں بلکہ یہاں ہدایت سے یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں انکو
 جنت کی طرف راہ نمائی فرمائیگی یعنی وہ جنت میں داخل ہونگے۔ کیونکہ اس جزا کو ان کے شہید فی سبیل
 ہونے پر مرتب فرمایا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ ہدایت فی الآخرت مراد ہے اور یہ بھی ہو سکتا
 ہے کہ پہلی آیات کی طرح یہاں بھی یہی مراد ہے اور جملہ شہید یُقَدِّمُ وَيُصَلِّمُ مَا لَكُمْ
 میں انکے اُس انعام کا بیان ہو جو اللہ تعالیٰ انکے شہید ہونے سے پہلے دُنیا میں ان پر فیضان
 فرمائیگا۔ اور اُس کو الفاظ مستقبل کے ساتھ اسلئے تعبیر فرمایا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ انعام اُن پر
 پیشہ وقتاً فوقتاً یعنی ہدایت و اصلاح حال فیضان ہوتا رہیگا۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ان
 کے حال کا بیان جو شہید ہو چکے ہوں مستقبل کے الفاظ کے ساتھ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ یعنی

یہ خبر دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کائنات تھلے دنیا میں ان کو اپنے مرضیات کی ہر اہمیت اور انکی حسیات حواسِ فرائض
 ہو گیا۔ قیاس کا جواب یہ ہے۔ کہ شہد کے شہید ہونے کے بعد جو ان کا حال بیان کیا گیا ہے کہ قتلے
 انکی اعمال کو نفع مند فرمایا گیا۔ بلکہ ان کا پورا پورا اجر اور بدلہ ان کو عطا فرمایا گیا۔ اور ان کے بعد یہ ایک سری
 و ثنات ایسے لوگوں کو سنائی گئی ہے جن کی ہنیت اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ میری راہ میں شہید ہو گئے اور
 انہوں نے ہر طرح سے اسکے دین میں کوشش اور سعی دکھلائی پس ایسے لوگوں کے لئے وہ بدلے اور
 دوسرے انعام ہیں۔ ایک تو دنیا میں جہاں جیسی نعمت ملی دوسرے آخرت میں جنت کے مالک ہوئے۔
 قرآن کریم کے مضامین پر نظر ڈالنے والے کو ضرور یہ ہے کہ ہر ایک جملہ کو اس کے موقع پر محمول کر کے مطلب
 واضح و صاف ہے اور اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
 وَذَٰلِكَ لِنُثَبِّرَنَّ عَنْكَ السُّوءَ وَكَانِفُشَّاكَ (اسی طرح) ہم نے یوسف کو ثابت قدم رکھا تاکہ ہم ہر کاری
 اور بے حیائی کے کام ان سے دور رکھیں / وَقَالَ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نَكْتُبُكَ فِيهَا وَمَا كُنَّا
 وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (اور حسبِ یوسف اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے انکو داناتی عطا فرمائی اور نیز
 منہیات علم اور ہم نیکو کاروں کو اسی طرح انکی نیکی کا بدلہ دیا کرتے ہیں) وَقَالَ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ
 اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَتَوَكَّلُوْا عَلٰی سُلٰطٰنِہٖ اٰیٰتُہٗ لَکُمْ لَعَلَّہُمْ یَغْفِرُوْا لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ (مسلک
 اللہ سے ڈرتے رہو اور بات دیکھی) کہو تو راہ کی اور سیدھی (سچی) روایا کرو گے) تو خدا تم کو اعمال
 صالحہ کی توفیق دیگا اور تم سے گناہ ابھی بخش دیگا) وَقَالَ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نَكْتُبُكَ فِيهَا وَمَا كُنَّا
 رسول کے لئے پرہیز گارے تو راہ سر جانا لگے) وَقَالَ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نَكْتُبُكَ فِيهَا وَمَا كُنَّا
 (بجریک بات یہ بھی ہے کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا فرمائی جس سے نیکو کاروں پر ہماری نعمت
 پوری ہوئی۔ ان تمام آیات میں بھی یہ بیان فرمایا ہے کہ پہلے اعمال صالحہ کے بدلے سعادت اور نیک کاموں کی
 توفیق ہوتی ہے۔ رہا یہ امر کہ معاصی اور گناہوں کے عوض یہ سزا ملتی ہے کہ انسان پہلے سے زیادہ معاصی
 میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ پہلے گناہوں کی سزا ہوتی ہے۔ اس کا بیان ان آیات میں ہے فَلَمَّا زَاغُوا
 اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبُہُمْ (تو جب یہ لوگ نیز حسی چال پہلے تو خدا نے ان کی سمجھ بھی بیز حسی کر دی) وَكَانَ تِلْكَ
 كِتَابُ الْذِّیْنَ سَوَّاهُ اللّٰهُ فَاَنصَبَہُمْ اَنفُسَہُمْ (اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے خدا کو بھلا دیا
 تو خدا نے انکی ایسی مت ماری کہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے) وَتَلْقٰیہُمْ فَاَنصَبَہُمْ اَنفُسَہُمْ (تو جب یہ لوگ
 یہاں پہنچے تو ان کے لئے جہنم میں لایا گیا اور انکی آنکھوں کو اٹل دیکھنے اور

سے استعاذہ مطلوب ہے۔ اور بیش و گن دوسرے معنی کو اس نیا سے تزیین کیے ہیں۔ کہ تشریف بھیجے کہ
 اپنے بیان پر چکا ہے وہ تو قسم کو شریک ہے پھر سب پر امتیاز اعمال سے وہ جزا اور جزا کی جو اعمال بد پر
 مرتب ہوئی ہے۔ اور حدیث میں اوجہ اضافہ سمیٹا ہے ان اعمال اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ یہ
 جزا ان اعمال اور مرتب پر مرتب ہوئی ہے جزا ان کے اختیار سے۔ مادہ ہوتی ہے نہ اس معنی پر جو کہ
 کے ارادہ اختیار سے باہر ہیں۔ لیکن چونکہ وہ صفات بد جہاں سے خود نہیں لےوا کرتے اس سے ہی اہم نہ صرف صلح
 نے پناہ طلب کی اور ان کو شریک میں شامل کیا۔ حدیث اکبر رضی اللہ عنہما پیر بندہ سے امداد علیہ السلام کی حدیث میں عرض
 کیا کہ آپ مجھے ایسی عاتق بنا دیجیے جو میں نماز کے اندر مانگا کروں آج نے نرمابا کہ یہ عاتق کہہ کر وہ اللہ تعالیٰ کا ظہیر
 السَّلَواتِ وَالْأَسْرَی سَارِیةً لَغَیْبٍ وَاسْتِغْنَاکَ مَرَاتٍ تَنْجُو وَتَمْلِکُ اَنْتَھَذِ اَنْتَ
 کَا لَہِ اِلَّا اَنْتَ اَعُوذُ بِکَ مِنْ شَرِّ لَفْسِی وَشَرِّ الشَّیْطَانِ وَشَرِّ لَہِ وَ اَنْ اَقْتَرِحَ
 حَسْبِ نَفْسِی شُوْبًا اَوْ اَحْرَقَ اِلٰی مُسْلِمٍ۔ معنی نام اور سوتے وقت یہ کلمات پڑھا کرو۔ چونکہ شر کے
 لئے ایک منع اور مصدب ہے جہاں سے وہ پیدا ہوتا ہے اور ایک غلبہ ہے جس کی طرف اس کا تہا
 ہوتا ہے۔ منع یا تو خوف نفس انسان ہے یا شیطان ہے اور نہایت اس کی یا تو نورانی جان پر وبال پڑتا ہے
 یا کئی سلطان بجائی کو ضرر پہنچتا ہے لہذا نہایت مختصر و واضح الفاظ کے ساتھ اس چاروں مراعات سے آپ نے
 استعاذہ کی تعلیم فرمائی۔

فصل یعنی نے قدری سے کہا کہ آیت مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ اَکَیْدُہ سے تم اپنے مذہب پر چند وجود
 سے استدلال نہیں کر سکتے۔ اول یہ آیت تمہاری دلیل ازلے نہیں ہو سکتی۔ کہ تم کو اس بات کے قائل ہو کہ
 بندے کا فعل خود ان کی جویا بری سب کچھ بندے کی جانب سے ہے۔ اللہ سبحانہ کی جانب سے کوئی چیز نہیں
 بداندہ سبحانہ نے ہر ایک آدمی کو قدرت دی ہے جس سے وہ نیکی اور بدی دونوں کرتا ہے۔ پس کوئی نیکی
 کا ارادہ کرتا اور اس میں مشغول رہتا اور کوئی بدی کے نیالانت پیدا کرتا اور اس میں مصروف ہوتا ہے۔ اور
 نیک ارادہ ہو یا بڑا ارادہ دونوں اختیار سے پیدا کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ کو اس کے ارادوں میں کوئی
 تصرف نہیں اور اس آیت میں تو نیکی اور بدی کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ تم ان دونوں میں
 نیکی و بدی میں کچھ فرق ثابت نہیں کرتے۔ تمہارا تو یہ عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی مشیت نیک باہر ہی چیز
 سے متعلق نہیں ہوتی۔

قدری نے جواب دیا۔ کہ نیکی اور بدی دونوں کا قائل تو بندہ ہی ہے۔ مگر آیت میں بدی کو بندے کی
 طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ وہ اس کا قائل اور سوجہ ہے۔ اور نیکی کو اللہ سبحانہ نے اپنی جانب اس لئے

نسبت کیا ہے کہ اُس نے نبی کا حکم دیا اور اس کو مشروع فرمایا ہے ؟

مئی نے جواب دیا کہ اللہ سبحانہ نے اُس بُرائی کو جو انسان کو پہنچتی ہے اُس کی ذات کی طرف کیا اور جو اُس کی اُسے پیش آتی ہے اُس کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ انسان کو وہی چیز پیش آتی ہے جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہو اور امرِ بندے کی ذات کے ساتھ قائم نہیں۔ بلکہ اُس کے ساتھ مامور بہ قائم ہوتا ہے اور وہی مامور بہ اُس کو پیش آتا ہے پس وہ چیز جو انسان کو پیش آتی جو کچھ اُس کو ملتا ہے قائم ہوتا ہے اور وہی مامور بہ اُس کو پیش آتا ہے پس اُس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں۔ پس اس سے نتیجہ نکلا کہ نبی یا بدی جو کچھ انسان کو پیش آتا ہے وہ اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے پس اگر اس سے افعال اختیار یہ یعنی طاعات و معاصی مراد ہوں تو وہ تو یکساں اُس کی طرف منصف و منسوب ہو سکتے ہیں۔ اور ان میں فرق کرنا درست نہیں۔ گو ان میں اتنا فرق ہو سکتا ہے کہ طاعات مامور بہ اور معاصی منسوب ہیں۔ مگر اس فرق سے نسبت اور اضافت میں فرق نہیں ہو سکتا۔ اسکے علاوہ جس طرح کہ اوامر اللہ تعالیٰ کی جانب ہیں۔ اسی طرح نواہی بھی اسی کی جانب سے ہیں پس اگر منجانب اللہ ہونے کی وجہ سے اضافت درست ہو سکتی ہے تو اُس میں بھی وہ تو یکساں ہیں کیونکہ دوسرے ایجاد افعال مخلوب ہے اور نواہی سے افعال مقصود ہے پس وہ تو کی اضافت اللہ تعالیٰ کی جانب صحیح ہونی چاہئے۔

فقدی نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک یہ جائز ہے کہ طاعات اور معاصی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فی مشیت و ارادہ اپنی طور پر مخلوق ہوں کہ انکو جسے کئے اعمال کی جزا و سزا کی صورت میں پیدا کرے۔ اور یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ بندے کی طرف سے تو کوئی اُن کا موجب اور باعث نہ ہو اور بغیر غلی اُس کے محض ابتداء اُن کو پیدا کرے اور جزا و سزا کے طور پر ایسے پیدا کر سکتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کو اختیار ہے کہ جس چیز کے ساتھ چاہے بندے کو معذب کرے یا جو چیز چاہے انعام فرمائے۔ جس طرح عذاب و ثواب کے ساتھ جزا و سزا دے سکتا ہے اسی طرح طاعات و معاصی کے ساتھ بھی جزا و سزا کر سکتا ہے۔ اور یہ اُس کا عین فعل ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ بندے کی طرف سے تو کوئی موجب اور باعث نہ ہو اور ابتداء اللہ تعالیٰ تم انہیں کفر یا حبیبیت کو پیدا کرے یہ عدل انصاف کے خلاف ہے ۔

مئی نے جواب دیا کہ اتنی بات تو تمہاری بیشک صحیح ہے کہ اللہ سبحانہ جزا و سزا کے طور پر بندے میں طاعات و معاصی پیدا کر دیتا ہے اور نیز یہ بات عقل اور شرع دونوں کے موافق ہے۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پہلے اعمال جن کے یہ طاعات و معاصی جزا و سزا قرار دیتے ہو کہس نے پیدا کیا ہیں۔ تمہارے نزدیک تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر اور اسکی مشیت سے خارج ہیں۔ جس سے یہ لازم آتا ہے کہ باری تعالیٰ

ادان سے بھی صرف اس میں اختلاف ہے کہ وہ منکر اسباب ہیں۔ تم دو فرق بین وجہ و سبب پر ہو۔
مگر بن وجہ و سبب پر اگر اس غلطی سے تم بچ جاؤ۔ تو سب کے سب آپس میں موافق اور حق پر قائم ہو جائیں
اور توفیق خیر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں رہیں۔ آمین

قدری نے کہا کہ اہل سنت فعل اول کی نسبت بہکہ وہ کسی فعل سابق کی بڑائیں کیا کہیں گے۔ وہ تو
اللہ سبحانہ کو یکم از مینقی ظلم (یعنی حقیقت ظلم جو نہ، ظلم جس سے جبر و متغیر کے قائل ہیں کیونکہ وہ تو
جمع نقبہ میں ہے) سے منزه قرار دیتے ہیں۔ یہ جب بندے کی طرف سے کوئی موجب و باعث صادر
نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم سے منزه اور یکم ہے۔ تو ابتداء بندے میں کفر و فتن کیوں پیدا
کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اہل سنت اس کو بیان کریں۔

سنی نے جواب دیا۔ کہ اس مقام پر اس کا بیان کرنا میرے ذمہ ضروری نہیں اور نہ اصول مناظرہ
کے لحاظ سے میرا یہ منصب ہے میرا منصب صرف یہ ہے کہ تم نے جو اپنے باطل مذہب پر آیت و استدلال
کیا ہے اس کا جواب بیان کروں۔ سو وہ جواب میں نے کافی و شافی بیان کر دیا ہے۔ نیز یہ طور پر اس کا
جواب بھی بیان کئے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بندے کے ابتداء کا فرہو نے میں یکم مطلق کی وجہ سے
اور صحت میں جن کو اہل عقل کی عقلیں نہیں پاسکتیں۔ اور اہل فہم کی سمجھ وہاں تک پہنچنے سے قاصر
ہے جہلا اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ جو شخص اس کے فضل۔ توفیق و انعام کے قابل اور ساج ہو نہا ہے۔ اس پر
ابرہمت و فیض برسا دیتے ہیں۔ اور جس شخص کا وہ اس کے قابل نہیں ہوتا وہ ہدایت اور توفیق خیر سے
محروم رہتا اور وہ اپنی طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو وَعِدَ اللّٰهُ فِيْهِمْ
خَيْرًا اَلَا سَمِعْتُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَوَلَمْ تَرَ ضُوءًا (اور اگر اللہ ان میں کچھ بھی بہتری
پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا لیکن یہ ایسے کج سرشت ہیں کہ اگر خدا ان کو سننے کی
قابلیت بھی دیتا تاہم بدلی ہوتی بات ہے کہ یہ لوگ منہ پھیر پھیر کر اُسے بھلا گئے)۔

قدری نے لاکر جب اللہ سبحانہ نے انہیں کفر و فسق کا ارادہ پایا۔ اگر دیا۔ جو ان کے کفر و فسق کا موجب
ہے تو کو کیا اللہ تعالیٰ نے جس طرح مومنین و اہل ہدایت میں ہدایت و ایمان کو پیدا کیا۔ اسی طرح کفار و مجرمین کفر
و فسق کو پیدا کر دیا۔

سنی نے جواب دیا کہ یہی مسئلہ تو معرکہ الاما اور دنیا کے مختلف فرقوں میں متنازعہ فیہ ہے اللہ سبحانہ نے
جسے کو ارادہ مشیت اور قدرت عطا فرماتے ہیں جن سے اس کو کفر و ایمان دونوں کے لئے صلاح بنا دیا ہے
اور یہ امور سب میں یکساں مشیت کو پیدا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہر لوگ اس کے فضل کے صلاح تھے۔ ان کے اپنے

اسباب مہیا کر لئے۔ برائے کے لئے قبولِ ایمان و ہدایت کا موجب ہوئے۔ اور جو لوگ اس کے علم میں ہی
نعمتِ عظمیٰ کے قابلِ لائق نہ تھے۔ انکی اعانت و امداد کو بعد دیا۔ پھر ایسے لوگ اپنے اختیار اور مرضی
سے کفر گمراہی اور بُرے کاموں کی طرف چھٹک پڑے۔ ان باتوں پر اللہ تعالیٰ انکو مجبور نہیں کیا
قدی بولنا کہ ایسے لوگ ایمان و ہدایت کا ارادہ کرنے پر یہ چٹکے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف
سے انکی اعانت و امداد نہیں ہوتی قادر جو نے ہیں یا نہیں ؟

سُنی نے جواب دیا کہ بیشک وہ ایمان کے ارادہ کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ ارادہ کرتے
تو ضرورتِ مشرقت یا ایمان ہونے لیکن ایمان کا وقوع اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ پر موقوف ہے
جو پیرائے کی مشیت میں ہوتی ہے۔ اُس کا وقوع ضروری ہے۔ اور جس پیرے سے اُس کی مشیت
مشتعل نہ ہو اُس کا وقوع محال ہے ۔

قدی بولنا کہ اِس اب تو تم نے ان لیا کہ اگر کسی چیز کا صدور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہ ہو تو اس کا
صدور ناممکن اور محال ہے جس سے پہتا ہوتا ہے کہ وہ چیز بندے کی قدرت سے خارج ہے ۔
اور اُس پر یہ لازم آئے گا۔ کہ بندے کو ایسے کام پر مذاب دیا جائیگا جس کا کرنا اُس کی قدرت سے باہر تھا
سُنی نے جواب دیا۔ کہ کسی فعل کے صدور سے اللہ سبحانہ کی مشیت کے متعلق نہ ہونے
سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فعل غلطی کی قدرت سے خارج ہو اللہ سبحانہ کی مشیت کے نہ متعلق چیز کا
یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی طرف سے اُس کام میں بندے کی اعانت نہیں فرماتا۔ مگر باوجود اس کے اُس
کام پر بندے کو قدرت ملے رکھی ہے اور اُس کے قدرت عطا فرمانے سے یہ ضروری نہیں۔ کہ
اِس کام کا وقوع بھی ہو جائے۔ وقوع اُس وقت ہوتا ہے جب اُس کی طرف سے قدرت کے
علاوہ دوسری اعانت و امداد ہوتی ہے۔ تو اب اعانت کے ترک کرنے سے یہ لازم نہیں آتا۔
کہ وہ فعل بندے کی قدرت سے خارج ہو۔ بندہ ہمت سے کام کر سکتا ہے۔ لیکن کبھی تو سختی
اور کاہلی کی وجہ سے اُنکو نہیں کرتا اور کبھی اُنکی ضد کو اختیار کر کے اُن کو چھوڑ دیتا ہے پس اللہ سبحانہ
پر نہیں کرتا کہ بندے نے جو کام ارادہ چھوڑا ہے چرابی کام اُس سے صادر کر لئے اور اس سے یہ لازم
نہیں آتا کہ وہ بندہ اُس کام سے عاجز ہے۔ اللہ سبحانہ کو معلوم ہے کہ میں نے بندے کو اُس کام پر۔
قدرت ملے رکھی ہے اور اُس کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ بندہ باوجود قادر ہونے کے اُس کام کا ارادہ
نہیں کرتا۔ اور جب ان سب باتوں کا اللہ سبحانہ کو علم ہے۔ تو اب بندہ جو اُس کام کا خلاف کرتا ہے
تو وہ بھی اللہ سبحانہ کے ارادہ سے باہر نہیں۔ فرضِ کفر و فسق وغیرہ ایسے امور کا صدور بندے سے

ہوتا ہے خداوند سبحان کی طرف سے یہ ہوتا ہے کہ ایمان و ہدایت کے لئے ارادہ اعانت نہیں فرماتا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایمان و ہدایت بندہ سے کی قدرت سے خارج ہو جائیں۔ یاں یہ ضرور ہے کہ اللہ سبحانہ ارادہ و شہادت اس سے ملتی نہیں ہوتے۔

اس مسئلے کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام الہام ایک۔ تو افعال عباد سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کے علاوہ باری تعالیٰ کے اپنے افعال کے ساتھ بھی اس کے ارادہ کو تعین ہے۔ جس کا وقوع افعال عباد کے تعلق کے بعد ہوتا ہے۔ پس جو شخص اس راز کو نہیں سمجھتا اس پر یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔
جمیری بولا۔ ہم پہنچتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کو اس بات کا علم ہے کہ بندہ فلاں کام نہیں کریگا یا اس کا علم نہیں۔ اگر یہ کہو کہ اللہ سبحانہ نے کو اس کام کا علم نہیں کیا تو یہ بالکل غلط اور ناجائز ہے اور اگر یہ کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ کو اس بات کا علم ہے کہ بندہ یہ کام نہیں کریگا۔ تو وہ بالکل محال ہے ورنہ باری تعالیٰ کا علم قدیم غلط ثابت ہوتا ہے۔

سنی نے جواب دیا۔ کہ تمہارا یہ بیان جند وجود سے خارج ہے۔ اول یہ کہ یہی دلیل بعینہ اُن افعال میں جاری ہو سکتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت میں داخل ہیں اور ان کی نسبت باری تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ وہ ان افعال کو صادر نہیں کریگا۔ پس جو کچھ تم اس کا جواب بیان کرو گے وہی جواب ہم اس کا بیان کر دیں گے۔ دوم یہ کہ اللہ سبحانہ کا علم ایسا محض ہے کہ وہ جملہ امور اور تمام اشیاء کے ہر پہلو کو مادی ہے۔ پس اللہ سبحانہ کو یہ علم ہے کہ فلاں بندہ فلاں کام نہیں کریگا۔ مگر ساتھ ہی اس کو یہ بھی علم ہے کہ وہ اس کام کے کرنے پر قادر ہوگا۔ مگر باوجود قادر ہونے کے چونکہ وہ اس کام کا ارادہ نہیں کریگا۔ لہذا وہ کام اس سے ظہور میں نہ آئیگا۔ ستم یہ کہ اللہ سبحانہ کا علم اشیاء کے وقوع یا عدم وقوع کا کاشف ہے نہ کہ موجب علم تو صرف حقائق معلومات کا کاشف ہوتا ہے۔ اُن کے وجود یا عدم کی موجب تو اس کی نسبت ہے۔ ہم دوبارہ اس آیت کے تعلق کچھ بیان کرتے ہیں جس سے قدری نے اپنے مذہب باطل پر استدلال کیا۔ ہے ہم کہتے ہیں کہ مَا أَصَابَكَ إِلَّا يَدُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ لَوْلَا رَبُّهُ لَكِ الْبُخْتُ۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مَا أَصَابَكَ فرمایا ہے مَا أَصَابَكَ نہیں فرمایا۔ دوم یہ کہ نہ سے بخت اور جنت سے محبت مراد ہے۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے قُلْ مَنْ مَعَ اللَّهِ (اللہ پہنچے تم ان سے کہہ دو کہ نفی و یا انقضاء سب اللہ کی طرف سے ہے) خلاصہ یہ کہ یہ آیت کا فاعل انسان ہے اور وہ ان کے کرنے پر مستحق غائب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نہ جنت ہے نہ جہنم اعمال سنہ ہوں جو تفریق ازدی۔ کے ساتھ بہار۔ سے شمار ہوتے ہیں یہ تینوں دن جو ان کے

جزائیں تہی ہیں۔ ان سیدنیات جو اس سے سرزد ہوتے ہیں خواہ وہ ابتداء واقع ہوں یا کونرا کے طور پر پیدا ہوں اللہ سبحانہ کے عدل کا متفقہ ہیں۔ اور اگر اعمال صالحہ بھی غنی بننے کی طرف سے راجح ہوتے ہیں تو یہ سیدنیات اس کی جانب سے صادر ہوتے ہیں۔ وہ دو تہیں ہیں: پہلی جنات اور سیدنیات یکساں اسی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ انکے آیت پر دو قسم میں فرق بیان کیا گیا ہے۔ اور صحیح حدیث قدسی میں آیا ہے کہ جو کچھ تم میں پیش آتا ہے۔ وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ تم تمہارے اعمال کو لکھو ایتے ہیں پھر انہی کے مطابق بدلہ و جزا دیتے ہیں۔ سوچیں کہ بہتری پزیر آئے وہ اللہ تعالیٰ نے کا شکر بجالائے۔ اور جس کو کوئی نکر وہ اثر پیش آئے وہ فقط اپنے آپ کو ملامت کرے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم نہیں)۔

فصل۔ جبری نے کہا کہ آیت کا پہلا جملہ یعنی کُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) تو حکم ہے اور آیت کا آخر یعنی مَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكُمْ (اے بندے! تمہارے کو کوئی فائدہ پہنچے تو (بجہ کہ) اللہ کی طرف سے ہے اور تمہارے کو کوئی نقصان پہنچے تو (بجہ کہ) تیرے نفس کی طرف سے ہے) متشابہ ہے۔ اور قدری نے کہا یوں نہیں بلکہ آیت کا آخر حکم اور اس کا اول متشابہ ہے۔ سنی نے کہا کہ تم دو غلطی پر ہر حق بات یہ ہے۔ کہ آیت کا اول اور آخر سب حکم اور واضح المعنی ہے۔ تم دو نے قرآن کریم کا مطلب نہیں سمجھا اور اس میں تدبر اور غور نہیں کیا۔ آیت کے اول و آخر میں کسی قسم کا لفظی یا معنوی کوئی تناقض یا اختلاف نہیں۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے اَنِّ مَنَافِقِينَ کا ذکر فرمایا ہے جو جہاد سے جی چرتے تھے۔ اور اگر وضع داری کے خیال سے کبھی شامل ہو گئے۔ اور اللہ کے فضل سے مسلمانوں کو فتح و غنیمت حاصل ہوئی جس میں سے انکو بھی حصہ ملا۔ تو کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر تکالیف پیش آتی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ ملامت بناتے اور کہتے کہ یہ مصیبت تمہاری شامت سے پیش آئی۔ کہ ہم نے اپنے اباد اجداد کے دین کو چھوڑ کر تیرا دین اختیار کیا۔ اور تم نے ہمیں جہاد کے لئے حکم کیا جس پر یہ تکالیف و مصائب پیش آئے۔ غرض سیدنیات سے یہاں وہ مصائب مراد ہیں جو انکو پیش آئے۔ اور نیز وہ اعمال مراد ہیں جن کو وہ تکالیف کا باعث خیال کرتے تھے اور جس سبب سے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اس میں وہ تمام مصائب جو کبھی جہاد میں جانے سے پیش آجاتے مثلاً شگست۔ ہزیمت۔ بعض لوگوں کا زخمی ہونا۔ بعض کا مقتول ہو جانا وغیرہ شامل کرتے تھے۔ اور نیز دوسرے مصائب مثلاً شنگی رزق۔ فطرسالی وغیرہ کو بھی بدغالی کے طور پر آپ کی طرف نسبت کرتے۔ اور کہتے تھے کہ تمہارا دین اختیار کرنے کے سبب سے یہ سب مصیبتیں ہمیں پیش آئیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قوم مکرہوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کا بھی یہی شیوہ تھا فَإِذَا جَاءَهُمْ مُدْعِرٌ

اَلْحَسَنَةُ عَمَّا لَوْ اَلْنَا هٰذِهِ وَ اِنْ لِّصِبْغَتِهِ سَيِّئَةٌ يَّطْبِخُوْهُ اَوْ يَمْسُوْهُ وَاَمِنْ مَّعَكَ (تو جب اُن کو کوئی
 فائدہ پہنچتا۔ تو کہتے یہ ہمارا حق ہے اور ہماری وجہ سے ہے) اور اگر اُن پر کوئی مہیبت آتی تو سو سے اور اُن
 کے ساتھ جوئی نحوست سمجھتے (یعنی جب انکو وہ نعمتیں پہنچتی ہیں جن سے خوش ہوتے۔ تو کہتے کہ ہم انکے
 مستحق و زمر وار تھے۔ اور اگر تکلیف پیش آتی۔ تو کہتے کہ یہ موتے کا دین اختیار کرنے کی شاست ہے۔
 اور نطایہ کے لوگوں نے پیٹے کے حواریوں سے بھی کہا تھا اِنَّا لَطَيِّفُوْنَ بِكُمْ (ہم نے تو تم کو بڑا ہی)
 منوس پایا) اور صالح علیہ السلام کی قوم نے بھی اُن سے یہی کہا اَظْهَرُ نَا يٰ اَبَاكَ وَ يَمُوْنُ مَعَكَ (ہم نے تو
 تجھ کو اِن لوگوں کو جو تیرے ساتھ ہیں بڑا ہی منوس پایا) غرض اکثر لوگوں کی یہی اصول تھا کہ جو مصائب
 جہاد کے سبب یا اُس کے علاوہ دوسرے مصائب قلت رزق۔ قحط سالی۔ وغیرہ ان کو پیش آتے۔ تو انکو
 رسول کی طرف نسبت کرتے اور کہتے کہ اپنے آبا و اجداد کا دین چھوڑنے اور تمہارا دین اختیار کرنے سے یہ
 مصائب ہیں پیش آتے۔ اب بھی اسلام کے لباس میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ جب انکو کوئی تکلیف پیش
 آتی ہے تو مباحثہ کرتے ہیں کہ اصول اسلام کی پابندی کی وجہ سے یہ خرابی پیش آرہی ہے۔ اس قسم کے لوگ
 دنیا میں بہت ہیں ایسے لوگ درگاہ الہی میں نہایت ذلیل و خیر ہونگے مگر یاد رہے کہ یہ لوگ رسول سے نہیں کہتے تھے
 کہ تمہیں مصائب کو پیدا کیا جو حقائق معلوم ہو چکی ہیں اب ان کی کچھ خبریں سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا قول مَا اَصْحٰ اَبَاكَ
 مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اِلٰهِ وَمَا اَصْحٰ اَبَاكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اللہ تعالیٰ کے قول قُلْ
 كُلُّكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ کے مخالف نہیں بلکہ دوسرا جملہ پہلے کلام کی تاکید ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے یہ بیان
 فرمایا ہے کہ نعمتیں اور مصائب سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں وہی ان کا خالق اور تقدیر کار اور نیکو و بدیہ علی بنی
 مخلوق کی ارامش و آسائش یا سب چیزیں نعمتیں ہی ہیں مصائب کی مخلوق میں نہیں کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق
 اور بعض کسی دوسرے شخص کی پیدا کردہ ہیں۔ جب تمام چیزیں اسی کی مخلوق ہیں تو بعض کو رسول کی طرف اور

سنت و احکام کی نئی روشنی والوں کا عام عقول ہے۔ کہ اسلام نے حصول معاش کے طریقے نہایت آسان کر دیئے ہیں نہ سود لینا جائز ہے
 نہ لائٹری کی اجازت ہے۔ نہ منکالم کرنے کی اجازت ہے۔ مسلمانوں پر کثرت۔ ارباب اور افلاس نہ آئے تو اذکیا ہو۔ انہوں نے
 اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھا اسلام وہ نعمت عظیم ہے کہ جب تک مسلمان اصول اسلام کے پابند رہے تو انکو دنیا میں بھی وہ شکت و عظمت
 قسری کی ضرورت نہ رہے جس کی عظیم اور عظمت و فتح لایا۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو کثرت و ارباب آرہے۔ وہ
 اطلاعی اصول کی پابندی چھوڑنے اور انکی عظمت و وقعت نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اگر راجح مسلمان اصول اسلام کے پابند رہے مگر غریب و ناداری کی
 تاج و ترمیم۔ اور بدعات کو جس لاکھوں روپیہ برابر ہو۔ تب بھی ضرورت ہی آتی نہاد الہی دینی جو این فوائد و نعمت پہنچا رہے ہوتے ہیں
 ملک و ترمیم ضرور کرتا ہے کہ یہ میلان نفس خیرہ کی طرح پر لکھتے ہیں اگر کسی کو ناواقف ہو تو وہ نصف کام سے تنہا عید و طعن بدلتا بدلتی ترمیم

بعض کلام کی طرف نسبت کرتا وہ سنت نہیں ظاہر ہے کہ منافقین کا بھی یہ خیال تھا کہ ان صاحب کمال اور
 محدث رسول ہے بلکہ خیال کرتے تھے کہ رسول اس کے موجود ہونے کا باعث اور سبب ہے خیال عام طور پر
 جملہ کالیف و شاگرد و پیروں کے تعلق و پیروی کے لیے یہ خیال عام تھا کہ اگر خدا کا پیغمبر آئے تو وہ
 ان کی نسبت نبیہ ابو سب کو زندہ بھانسنے باطل کریگا یہ محض وہم کا ذب اور خیال باطل ہے۔ رسول کا اتباع ہرگز
 موجب شرف و برتری نہیں بلکہ وہ سزا پذیر و برکت ہے۔ شر و برائی تو کچھ پیش آتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال بد اور
 خدا تعالیٰ کی افزائی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ جیسے علیہ السلام کے حواریوں نے اہل انطاکیہ کے جواب میں ہی کہا
 تھا ظار کومکہ متخکمذ (یہ تو تمہاری دہی اشامت (اعمال) ہے) اور یہ جملہ صراح علیہ السلام کے کلام سے
 بڑا نہیں ہے اپنی قوم سے فرمایا تھا یعنی ظار کومکہ عند اللہ (تمہاری نخوت و سب خدا کی طرف سے ہے)
 اور نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول سے جو قوم فرعون کی نسبت فرمایا ہے یعنی وَاِنْ تَدْعُهُمْ سَيِّئَةً لَا يَظْلِمُوْا
 یٰمُوسٰی وَآلَیْہِٗمُ مَعًا اَلَا یَاۡکُفُوْا اَنْہُمْ عِنْدَ اللّٰہِ (اور اگر ان پر کوئی مصیبت آتی تو موسیٰ اور
 ان کے ساتھیوں کی نخوت سمجھتے سنو جی ہاں کی نخوت تو بس خدا کے ہاں) ان کی تقدیر میں لکھی جا چکی تھی
 کے مخالف نہیں۔ بلکہ یہ دو نسبتیں اسی نسبت و اضافت کے موافق ہیں جو اس آیت میں ہے کہ یہ کو بند
 کی طرف نسبت لیا گیا اور سیدہ و لون کے متعلق یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ دو زمین جانب اللہ ہیں۔
 قرآن کریم کے مضامین میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں اور
 اول سے لیکر آخر تک کہیں تناقض اختلاف نہیں معلوم ہوتا۔ پس جن آیات میں طائر اور سیدہ کو عباد
 کی طرف منسوب کیا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ بیشہ و شوم جو ہمیں پیش آیا ہے۔ یہ خود تمہاری طرف سے
 ہے کیونکہ اس کے اسباب تم میں موجود اور تمہارے ساتھ قائم ہیں۔ اور جہاں یہ فرمایا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ
 کی جانب سے ہے تو اس کا یہ معنی ہے کہ سب کا خالق وہی ہے جو اپنے عدل و حکمت کے مطابق جزا و سزا
 کے طور پر عباد کو تاج ہے لفظ ظار کے دو حنی ہو سکتے ہیں ایک عمل اور دوسرا جزا پس جو بندے کی طرف
 منسوب ہے وہ معنی عمل ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے وہ معنی جزا ہے پس ظار کومکہ معکم
 کا یہ معنی ہے کہ تمہارے اعمال ساتھ ہیں اور ظار کومکہ عند اللہ کا یہ مطلب ہے۔ کہ اعمال ہر کی
 سزا میں جانب اللہ ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا اتباع ہر موجب کالیف و باعث آفات و مصائب
 نہیں بلکہ اللہ و رسول کی اطاعت تو دنیا اور آخرت میں باعث خیر و برکت ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اطاعت
 میں کمی اور قصور واقع ہو۔ نہ اسے خاص نہیں کو بھی بھی مصیبت پیش آجاتی ہے یہاں کہ اعدا و دشمن کے
 دن اطاعت۔ اول جیسے اللہ علیہ وسلم میں قصور واقع ہونے سے اہل ہمام کی بعض تکالیف پیش آئے۔

اور وہ ایذا اور تکلیف جو کفار کی طرف سے مومنین کو پہنچاتی ہے اس کا باعث ایمان و اطاعت الہی ہرگز نہیں ہوتا بلکہ وہ محض امتحان اور آزمائش کے مراتب سے ہوتے ہیں تاکہ انہیں تمام عملاتی شر سے پاک و پختہ ہو کر مورد انوار و عرفان ہو جائیں۔ اور اس امتحان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے سونا چاندی اور سونا کو پاک اور خالص بنانے کے لئے آگ میں ڈالتا ہے جس طرح چاندی و سونا آگ میں ڈلنے پر آزمائش اور کھوٹ سے نکھر جاتے ہیں۔ اسی طرح امتحان اور آزمائش کے سبب گناہوں سے مومنین بھی پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **يَرْحِمُكَ اللَّهُ الْمَدِينَةُ الْيَوْمَ اصْبَحُوا وَقَالَتْ إِنَّهُ يَرْحِمُكَ اللَّهُ** (اور انیزہ منظور مقام کا اللہ مسلمانوں کو (شک شبہ کے بغیر پختہ کرے گا) نکھار دے گا اور کہہ فرمائے کہ توڑ دے) **وَقَالَ تَعَالَى وَرَبِّكَ تَعَالَى اللَّهُ مَا فِي صَدَقِ صَدَقَ وَرَبِّكَ تَعَالَى مَا فِي قُلُوبِكُمْ** (خدا کو منظور نکھا کہ تمہارے مافی الانہیر کو آزمائے اور تمہارے ولی خیالات کو دوسووں کے میل کھیل سے) صاف کرے) **غرض اللہ تعالیٰ کی طاعت و محض خیر و برکت کا سبب ہے اور اس کی نافرمانی شر و مکرہت کا باعث ہے**۔ اور اسلئے اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے **فَهُوَ إِلَهُكُمْ كَمَا أَنَّ الْقَوْمَ لَا يَكْفُرُونَ لَفَقَهُمْ** حٰکِمٌ (تو ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ بات کی سمجھ میں عقل کے پاس بھی ہو کر نہیں پھٹکے، کیونکہ اگر ان کو سمجھ ہوتی تو وہ یقین کرتے کہ وہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں ہرگز موجب شر نہیں بلکہ وہ سراسر خیر و برکت کا سبب ہیں۔ اور انکو چشم بصیرت ہوتی تو سمجھ لیتے کہ عقل و فطرت اس بات کے شاہد ہیں کہ احکام اسلام وہ بے بہا نعمت ہیں کہ محاشش و محاورہ نو کے مصالح ان سے وابستہ و متعلق ہیں۔ اور انیزہ معلوم کر لیتے کہ قرآن خیرات کے کرنے اور منکرات کے چھوڑنے کا حکم دیتا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ جن احکام کے بجالانے کا حکم فرماتا ہے۔ ان کا خیر و خوبی عقل سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور انیزہ جو ان احکام میں انسان کے لئے سراسر اوصالت۔ رحمت۔ منفعت۔ متصور ہوتی ہے اور اپنے خالق کی جانب سے اس کے ساتھ احسان ہوتا ہے۔ مگر بعض اہل باطل یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کبھی ایسے احکام صادر فرماتا ہے جن میں انسان کے لئے کوئی مصلحت نہیں ہوتی۔ بلکہ ان میں اس کا ضرر و نقصان ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا قول ان کفار کے خیالات کی تصدیق کرنا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ابداع کو باعدیت تکلیف و مضرت قرار دیتے تھے +

فصل۔ اس مسئلہ کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے **مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ** (اور تیرا اصابہ ہر مصلحت و نفع تو سے ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے تیرے لئے کوئی مصلحت نہیں ہوتی۔ بلکہ ان میں اس کا ضرر و نقصان ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا قول ان کفار کے خیالات کی تصدیق کرنا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ابداع کو باعدیت تکلیف و مضرت قرار دیتے تھے +

بھیجا ہے۔ اور تمہارے بھیج دینے کے لئے خدا کی گواہی پس کرتی ہے اور اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔
 اول یہ کہ مدت رسول کو اسی بات پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جب وہ رسول کہ جس کی رسالت کی خود اللہ سبحانہ
 نے شہادت دی ہے اس کو کوئی تکلیف پیش نہ آئے۔ تو وہ بھی اسکے اپنے اعمال کے سبب پیش آتی ہے
 پس عام آدمی کو کہ نہایت کیا خیال ہو سکتا ہے کہ جو تکالیف ان کو پیش آئیں تو وہ ان کے اعمال کا ثمر نہ ہوں۔ وہ یہ
 کہ جب اللہ سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا ہے احکام سے آگاہ فرما دیا اور اپنی حجرت کو اپنے بندوں
 پر قائم کر دیا تو اس کے بعد اگر ان کو کوئی تکلیف پیش آئے۔ تو اس میں اللہ سبحانہ کا کوئی ظلم و بیاضافی
 نہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے نفع و نقصان کے سب کام بتلائے ہیں۔ پس جسکو خیر اور بہتری
 پیش آئے۔ تو وہ اللہ سبحانہ کا نیکو بھلا لائے اور جسے تکلیف کا سامنا ہو تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت
 کرے۔ سو یہ کہ جب اللہ سبحانہ نے اپنے رسول کی صداقت اور اس کی رسالت کی حقیقت پر خود شہادت
 بیان فرما دی ہے۔ اور اس کے ہاتھ پر وہ معجزات و آیات ظاہر فرمائے ہیں۔ جسکی رسالت کی صداقت
 پر شاہد ہیں۔ تو اس ظالمین کا انکار جو اس کی رسالت کو باعث شامت خیال کرتے ہیں۔ رسول کے لئے
 کچھ ضرر نہیں۔ چارم یہ کہ کفار نے یہ چاہا تھا کہ وہ اپنے تکالیف اور مصائب کو آپ کی رسالت کو ابطال
 کے لئے دلیل اور حجت بنائیں کہ اگر تم اپنے رسول ہوتے تو تمہارے سبب یہ مصائب پیش نہ آتے پس
 اللہ سبحانہ نے آپ کی رسالت کی شہادت بیان فرمائی۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ صداقت رسالت کے لئے
 صرف میری شہادت کافی ہے اور اسی کے ضمن میں ان کے اس خیال باطل کو رد فرمایا کہ یہ مصائب
 رسول کی پیروی کے سبب پیش نہیں آئے۔ بلکہ یہ خود تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ پنجم یہ کہ اس آیت
 میں جہیہ اور ان کے منافقین کے اس خیال کی تردید ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بغیر کسی قصور اور گناہ کے بندوں کو
 عذاب کرنا ہے۔ ششم یہ کہ اس آیت میں قدر یہ کہ اس قول کا ابطال ہے کہ حسنات اور سیئات کے
 اسباب میں جانب اللہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا موجب جہنم بندہ ہے۔ ہفتم اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت
 ہے جو قرآن میں تدبر اور غور نہیں کرتے۔ اور نیز یہ کہ قرآن میں تدبر اور غور نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسے
 لوگ جو تدبر نہیں کرتے۔ گمراہی اور تفاوت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہفتم یہ کہ اس آیت میں ہشیا کے
 اسباب کا ثبوت اور ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے جو وجود اسباب سے منکر ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ
 کوئی چیز کسی چیز کے لئے سبب نہیں۔ اور اسباب اور سببات کے درمیان کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں
 نہ یہ کہ تمام خیرات و نیکیاں اللہ اور تمام شر و بدی کے لئے نفس کے طرف سے ہے۔ کیونکہ شر کے وہ
 ہی قسم ہیں ماول ذنوب اور ماحی و موقوت یعنی انکی سزا سو وہ نوبت سے ہے۔ کیونکہ

گناہ خود بندہ کرتا ہے اور نہ اس کے اعمال بد کا ثمر ہے۔ اور چونکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قصا و قدر سے وقوع میں آتا ہے۔ اس لئے اس سے یہ سب کچھ بنائے گئے ہیں۔ کہ اس کا سبب خود بندہ ہی ہے۔ اس کے برخلاف خیرات اور حسنات کا سبب محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان اور اس کی توفیق ہے۔ وہم یہ کہ جب اللہ سبحانہ نے کفار کے اس خیال کو کہ بہتری اللہ کی طرف سے ہے اور تکلیف رسول کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اپنے قول قل کُلُّ دین عند اللہ سے رد فرمادیا تو ان لوگوں کے وہم کو بھی دور فرمادیا جو یہ کہتے ہیں کہ سیئات کے صدور میں بندہ سے کافر کا کوئی رحل و تاثیر نہیں بلکہ یہ بھی محض اللہ کی جانب سے واقع ہوتے ہیں۔ اور اسے فرمایا مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ لَدُنِّي وَمَا أَصَابَكَ مِنْ نُسْئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ۔ اور اپنے رسول کو اس لئے مخاطب بنایا تاکہ دوسرے لوگوں کو تنبیہ حاصل ہو کہ جب رسول کی یہ حالت ہے تو ہماری کیا حقیقت ہے۔ نیز اس آیت میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قُلْ كُلُّ دین عند اللہ فرمایا ہے اور یوں نہیں فرمایا مِنْ اللہ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب اللہ سبحانہ نے حسنات اور سیئات دو کو سوا اپنی طرف منسوب فرمایا۔ علامہ حسنات تو من کل الوجہ اللہ سبحانہ کی طرف منسوب ہیں اور سیئات صرف اس لحاظ سے اس کی طرف منسوب ہیں کہ وہ ان کا خالق ہے اور اس کے قصا و قدر سے واقع ہوتے ہیں۔ لہذا مِنْ عِنْدِ اللہ فرمایا۔ اور چونکہ اللہ سبحانہ نے سیئات کو اپنی حکمت و عدل کے مطابق پیدا کیا ہے۔ لہذا وہ اس لحاظ سے سیئات نہیں۔ اور نہ سیئات ہونے کی جہت سے ان کی طرف منسوب ہیں۔ اور نفوس عباد چونکہ ان کے باعث ہیں اس لئے اس جہت یعنی سیئات ہونے کے لحاظ سے ان کے نفوس کی طرف منسوب ہیں۔ اور جب ہم کو یہ سے علیحدہ اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور ان کی نسبت مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ لَدُنِّي اور یہاں مِنْ عِنْدِ اللہ نہیں فرمایا کہ دین من کل الوجہ اس کی طرف منسوب ہے غرض جملہ خیرات اللہ سبحانہ کی جانب سے ہیں۔ اور یہ اس کے اسما و صفات کا مقتضی اور ثمرہ ہیں اور تمام شر جو کہ بندے کی نسبت شر ہیں۔ اس لحاظ سے اللہ کی جانب سے ہیں کہ اس نے اپنی حکمت و عدل کے موافق ان کو پیدا کیا ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ نے وَمَا أَصَابَكَ مِنْ نُسْئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ فرمایا ہے اور مِنْ عِنْدِكَ نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ نفس کی طبیعت کے مقتضی سے صدور شر ہوتا ہے۔ لہذا وہ نفس کی جانب سے ہے۔ غرض حسنات اور سیئات سب من عند اللہ ہیں۔ مگر سیئات بلا شک بندے کے نفس سے ہیں۔ اور حسنات بلا شبہ اور من کل الوجہ اللہ سبحانہ کی طرف سے ہیں۔ اور خالق۔ قصا۔ تدبیر کے لحاظ سے من عند اللہ

ہے مگر اس سے مراد وہ ہے چنانچہ اس آیت **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ** (اے پیغمبر
مسلمانوں سے کو کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینی یا ہو) میں خطاب آپ کو ہے مگر مراد استب سے
اور چونکہ اول آیت میں آپ کو خطاب کیا گیا ہے لہذا اس کے مؤثر باقی الفاظ میں بھی لفظ خطاب مفرد لایا گیا۔
مگر اور جمع ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوسری آدمی جو کہ لیتا ہے تم کو پیش آتی ہیں وہ خود تمہاری جانب
سے ہیں یہ مطلب یہ ہے کہ **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** میں کلمہ **يَا** اور **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** میں کلمہ **يَا**
میں کلمہ **يَا** کو خطاب ہے اسی واسطے جس مقام میں سمیت کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے تو وہاں صیغہ خطاب
کو جمع لایا گیا ہے چنانچہ **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** میں کلمہ **يَا** اور **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** میں کلمہ **يَا** پر جو صیغہ
پڑتی ہے تو تمہارے اپنے ہی کرتوت سے اور نیز فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** میں کلمہ **يَا** پر جو صیغہ
يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ میں کلمہ **يَا** اور **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** میں کلمہ **يَا** پر جو صیغہ
جنگ احد میں شکست کی مصیبت آپری حالانکہ تم (جنگ بدر میں) اس سے دینی مصیبت (اپنے
دشمنوں پر ہٹال چکے ہو) اور نیز فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** میں کلمہ **يَا** اور **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** میں کلمہ **يَا**
يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ میں کلمہ **يَا** اور **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** میں کلمہ **يَا** اور **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** میں کلمہ **يَا**
کثرت نے تم کو معزز کر دیا تھا (کہ ہم بہت ہیں) تو وہ (کثرت) تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور (اتنی بڑی)
زمین بادی و دست لگی تم پر تنگی کرنے پھر تم پوچھ پچھ کر بھاگ نکلتے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور نیز
مسلمانوں پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بیان فرمادیا ہے کہ
جنگ حنین میں اولاً مسلمانوں کو ہزیمت اور شکست اسلئے پیش آئی کہ وہ اپنی کثرت تعداد پر غرہ ہوئے
اور امداد اور نصرت الہی سے ایک گونہ اپنے آپ کو مستغنی سمجھا۔ لہذا اس قصور کی وجہ سے دشمن سے
مخلوب ہونے کی سزا ملی۔ اور دوبارہ جو نصرت الہی شامل حال ہوئی۔ تو اس کا باعث وہ سکون ہوا
جو اپنے تمہیں عطا فرمایا اور انہی کی بدولت تائید یزدی و امداد الہی سے سرفراز ہوئے۔ اور آپ
اس قصور سے بری اور منور ہوئے جو دوسرے مسلمانوں سے مقتضائے بشریت سرزد ہوا۔ ایک اور طاعت
کا قول ہے کہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں مگر اس میں سب لوگ شامل ہیں اور یہ حکم سب
کے لئے کہاں عام ہے۔ چنانچہ اس کے نظر قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں مثلاً **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ الْفِتْنَةُ**
وَالْكَافِرِينَ وَالْمُشْرِكِينَ (اے پیغمبر خدا) سے ڈرتے رہو اور کافروں اور مشرکوں
(سے ڈر کر ان کے کہنے میں نہ آجانا) اور **وَمَا يُوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ شَيْءٍ** (اور اے پیغمبر خدا)

طرفہ تھا۔ یہ پھر وہ دُکار کی طرف سے جو قی بھی جاتی ہے اسی پہ پہلے جلاؤ اور تَوَكَّلْ عَلٰی اللّٰهِ
 اور اللہ پر توکل کرو اور وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيُعْجِبَنَّ
 عَنْكَ فَكَتُّوْهُمْ مِنْ اَمْتِ الْغَايِبِيْنَ كَيْلَ اللّٰهِ فَاصْبِرْ وَ كُنْ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ اور (سورۃ
 پیغمبر بلاشبہ ہر ساری طرف امدان پیغمبروں کی طرف جو تم سے پہلے ہو گئے وہ ہیں (ایک ایک کی
 طرف) وہی بھی جاکھی ہے کہ اگر تم نے شُرک کیا تو ضرور تمہا سے (سارے) غائب ہر جائی گئے اور ضرور تم
 گھٹے میں آجھڑ گئے تو کا اور کہنا کہ شائد مانو بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور نہ اس کے شکر گزار بندوں
 (سے کہتے ہو) اور قَدْ كُنْتُ فِيْ شَكٍّ مِّنْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ فَاصْبِرْ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ
 الْكِتٰبِ مِنْ قَبْلِكَ (تو یہ پیغمبر قرآن) جو ہم نے تمہاری طرف اتارا ہے اگر (بہ تقاضاے بشریت)
 اس کی نسبت تم کو کبھی قسم کا دواہم ہو تو تم سے پہلے (بھی کتابیں اتری ہیں) جو لوگ (ان کتابوں کو پڑھتے
 ہیں ان سے پوچھو اور ان کا یہ قول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اس طرح کا نفاذ
 ہوتا ہے تو یہ دو قسم ہے ایک وہ جس کا لفظ تو آپ کے ساتھ خاص لیکن معنی کے کے معاملے تمام
 اُمت کو بطریق اولیٰ شامل ہوتا ہے۔ لَقَوْلِ تَعَالٰی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُخْرِجُ مَا اخْتَلَفَ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ
 مَرْضٰتَ اٰدَمٰیكَ (اسے پیغمبر جو چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں تم اپنی بیبیوں کی
 خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دپانے اور یہ کیوں حرام کرو) اور اس کے بعد فرمایا ہے فَكَتُّوْهُمْ
 عَنْ اللّٰهِ فَكَتُّوْهُمْ لِكُلِّ اُمَّةٍ لِّمَنْ مِّنْهُمْ سُلٰتٰنٌ لِّمَنْ مِّنْهُمْ سُلٰتٰنٌ لِّمَنْ مِّنْهُمْ سُلٰتٰنٌ لِّمَنْ مِّنْهُمْ سُلٰتٰنٌ
 (بھی) بھیراؤ کر دیا ہے) اور یہ کہ جناب سرور کائنات اور امت دو نو یکساں مخاطب ہوتے ہیں لیکن
 صیغہ خطاب اسے مفرد لایا جاتا ہے۔ کہ چونکہ آپ موجد و مخاطب وحی ہیں اور نیز آپ اُمت اور
 اللہ تعالیٰ کے درمیان سفیر اہل اُنکے لئے مبلغ احکام الہی ہیں لہذا صیغہ خطاب صہل مخاطب کلام
 کے لحاظ سے مفرد لایا جاتا ہے۔ اور اکثر مفسرین کے اس کلام کا (کہ خطاب آپ کو ہے اور مراد
 اُمت ہے) یہی مطلب ہے اور اُن کے اس کلام کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ اس خطاب میں داخل
 اور شامل نہیں بلکہ صرف اُمت مراد ہے۔ بلکہ اُنکے کلام کا مطلب یہی ہے کہ چونکہ آپ خلق کے امام
 پیشوا و متبوع اور صل ہیں۔ لہذا خطاب تو صرف آپ کو کیا گیا اور اُمت بالقیاس اس خطاب میں داخل ہو گئی
 چنانچہ ہر بات کی سبب لار اور افسر فوج کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ تم فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر پہنچو اور فلاں
 وقت میں دشمن پر حملہ کرو۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا۔ کہ تم تمہا اور اکیلے جاؤ۔ بلکہ یہ حکم تمام فوج کو
 جو اس کے ماتحت ہے شامل اور حاوی ہوتا ہے۔ اور فوج کا ہر شخص اس حکم کا یکساں مخاطب ہوتا ہے

غرض اللہ تعالیٰ کا قول نما اصابا لکے، یعنی حَسَنَاتِ نِعَمٍ اللہ کو نما اصابا لکے میں سَبَّحْتَهُ فَمِنْ
نَفْسِكَ میں خطاب تو آپ کو ہے۔ مگر تمام اُمتیں بطریق ادنیٰ داخل ہے۔ اور وَآوَسَلَّمَ لَكَ
الْحَاقُّ میں ترجمہ ملا میں صریحاً آپ ہی مراد ہیں اور اس شعبے کا جواب کہ حضرت یسعی علیہ السلام
ہے یہ بات صریحاً سرزد ہونا جائز نہیں جو باسٹھ اصابت سیئہ ہوں۔ ان لوگوں نے یہ بیان کیا
ہے کہ حمایتِ المیہ میں یہ ضمیمہ ہی درمختص خود نہیں ہوتا کہ شرط و جزا دونوں کا وقوع بھی پایا جاسے بلکہ
ایک ہی کا دوسرے سے تعلق یہ بیان کرنا ممتنع ہوتا ہے۔ گو وہ دونوں حقیقتِ محمدم ہوں اور اعتبار
اور لحاظ میں فرضی طور پر ان کا وجود مان لیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی آپ کے حق میں اصابتِ سیئہ
کا وجود فرضی ہے اور اُمتیں کے حق میں حقیقی اور واقعی مراد ہے ۔

قدی نے کہا کہ جیٹا عات اور معاصی اور غیبتیں اور تکالیف سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے مفقود ہیں۔ تو اللہ سبحانہ نے حسنات یعنی نعمتیں اور سیئات یعنی تکالیف کے درمیان فرق کس لئے بیان فرمایا ہے۔ کہ حسنات تو اللہ سبحانہ کی طرف سے ہیں اور سیئات خود بندے کی جانب سے ۴

نئی نے جواب دیا کہ ان دونوں میں مفصلہ ذیل وجوہ سے تفاوت اور فرق ہے۔ لہذا اللہ سبحانہ
 نے ان دونوں کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے۔ اول یہ کہ اللہ سبحانہ کی نعمتیں اور اس کے احسانات
 بندوں کے کسی کسب پر موقوف نہیں۔ بلکہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے عانیست۔ رزق یفروت۔
 وغیرہ طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے چنانچہ جملہ اس کی اہلی نعمتوں کے یہ بات بھی ہے
 کہ اُس نے خلق کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا کہتے ہیں نازل فرمائیں اور ہجرات
 وغیرہ مختلف اسباب کو پیدا کیا اور نیز اپنی بعض مخلوق کو جنت کے لئے پیدا کیا جن کو عیش و آرام
 کے ساتھ وہاں بساتین لگاؤ۔ اسی طرح مومنین کے اطفال اور مجاہدین کو جنت میں داخل فرمائیں گا ملائکہ
 ان سے کوئی ایسا مل نہیں پڑا۔ جو اس اکرام و انعام کا باعث اور سبب ہو۔ اور کسی بندے کو عذاب و
 تکلیف نہیں دینا جب تک اُس سے ایسے کام صادر نہ ہوں۔ جو موجب عقاب ہوں۔ دوم یہ کہ
 اعمال حسنہ محض اللہ تعالیٰ کے احسان۔ منت اور اُس کے فضل سے ایمان و ہدایت کے ملنے سے
 صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اہل جنت دخول جنت کے بعد یہ کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰى اَنَا
 اِلٰذَا اَوْ مَا کُنَّا لِنَهْتَدِیْ اِلَّا بِرَحْمٰتِیْ اَنْ هَدٰى اَنَا اللّٰهُ (خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو اس درشت
 میں لے کر راستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم (کسی طرح پر جنت کا) راستہ نہ جھونٹے) ان پانچ

اللہ سبحانہ نے محض اپنے فضل سے اپنے ان بندوں کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرما کر مٹا دیا۔ سب سے اول
 نعمتِ حیات عطا فرمائی اس کے بعد کان۔ آنکھیں۔ عقیلیں۔ دل۔ عطا کئے جن سے بھلے برسے کی تیز نگاہیں
 پھر نبی علیہ السلام کو بھیجا کہ اپنے احکام و وصیات سے آگاہ فرمایا جس کے طفیل وہ راہِ راست پر آئے۔
 اور ہدایت کو پایا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اُنکے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان
 کو انکی نظروں میں مزین کر دیا۔ اور انکے دلوں کو کفر و غیرہ برائیوں سے متنفر کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا ہے وَلَئِنْ اَللّٰهُ حَبَّبَ اِلَيْكُمْ اِيْمَانًا وَزَيْنًا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَثَرَ اَلَيْكُمُ الْمَلَفُ
 وَالْفُسُوْقُ وَالطَّغْيَانُ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاٰسِدُونَ فَضَّلَ اَمِّنَ اللّٰهُ وَنِعْمَ هُوَ الَّذِي
 عَلَيْمٌ بِحِكْمَتِهِ (مگر دیکھئے کہ خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اسکو تمہارے دلوں
 میں عمدہ کر دکھایا ہے۔ اور کفر اور خود دوسری اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلادی ہے یہی لوگ ہیں جو
 خدا کے فضل و کرم سے نیک چلن ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے) غرض دنیا و آخرت کی
 جس قدر نعمتیں ہیں سب کی سب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہیں۔ بندوں کے اعمال
 انکے سبب و موجب نہیں اور نہ کسی کی طاقت و قوت کو انکے بچنے میں کچھ دخل ہے اور وہی تمام چیزوں
 کا خالق ہے۔ بند ہے۔ انکے اعمال اور انکی ہر اس چیز اسی کی مخلوق ہیں۔ اور یہ سب اسی کی جانب
 سے ہیں۔ بخلاف شر اور سیئات کے کہ ان کا باعث بندوں کے معاصی و گناہ ہیں۔ جو ان سے صادر
 ہوتے ہیں۔ اور جب انسان اس سلسلہ میں غور کریگا۔ تو دیکھ لگا کہ بنی نعمتیں اُسکو ملی ہیں وہ سب اللہ کے فضل
 سے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالا بیگا تو اللہ سبحانہ اپنے فضل سے اُسکے اعمال صالحہ میں ترقی دے گا
 اور اُس پر طرح طرح کی نعمتیں فیضان فرمائے گا اور جب اس بات کو سمجھ لگا کہ شر اور برائی خود اُسکی اپنی جانب
 سے ہے اور اُس کے گناہوں کا ثمرہ ہے اور اُس پر اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرے گا۔ تو اللہ
 سبحانہ اُسکے گناہ و معاف کر دے گا اور اس طرح سے بندہ ہمیشہ سدا کر اور اپنے گناہوں سے تائب
 رہے گا۔ لہذا غیر و برکت سے مال مال اور شہ و برائی سے دور اور برکت اور ہوا جائے گا۔ چنانچہ حضرت
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خطبے میں یہ کلمات کہا کرتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی اللہ سبحانہ کا شکر ہے
 تَسْتَعِيْنُ اُس کی عبادت و اطاعت میں ہو اُسکی اعانت و مدد چاہتے ہیں۔ وَ تَسْتَغْفِرُ اُسکے اور گناہوں
 سے اُس کی مغفرت مانگتے ہیں وَ يَحْمَدُ اُس کے فضل و احسان کا شکر بجالاتے ہیں۔ وَ تَعُوْذُ
 بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ وَاَنْفُسِهِ اور اپنے نفسوں کے شر اور برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔
 وَ تَعُوْذُ بِسَمْعِهِ وَاَنْفُسِهِ اور غلطیوں سے استغفار کیا۔ اس کے بعد اپنے گناہوں کے معاف

سے خدا تعالیٰ کی پناہ کی طلب اور درخواست کی۔ و مَرَجَ سَبَبَاتِ اَعْمَالِنَا اور اپنے اعمال کی برائیوں
 سے بھی خدا تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اس جملے میں اعمال شر کے عذاب اور انکی سزا سے خدا کی
 پناہ کا سوال کیا ہے مَرَجَ اِلَيْهِ اَللّٰهُ مَلَا مُصَدِّقًا لَهُ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَا هَادِيَ لَهُ۔ جس کو
 اللہ تعالیٰ ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اُسے اُسے لئے
 کوئی ہادی نہیں۔ ان جملوں میں آپ نے بتا دیا ہے کہ ایک اللہ سبحانہ اپنی مشیت۔ قدرت۔ حکمت۔
 اور علم کے ساتھ اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ وہ جسے چاہے
 ہدایت کرتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ جس کو وہ ہدایت کر دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا
 اور جس کو وہ گمراہ کرے اُس کو کوئی راہِ راست پر نہیں لاسکتا۔ اور اس کلام میں اللہ سبحانہ کی ربوبیت
 قدرت۔ علم حکمت اور اُس کی قضا و قدر کا ثبوت ہے جو کہ توحید کی جڑ اور بنیاد ہے اور یہ تمام جملے
 آپ کے قول وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ۔
 کے لئے تمہید اور مقدمات ہیں۔ کیونکہ شہادتین کا وجود اور تحقیق اللہ سبحانہ کی حمد اور اُس سے
 اعانت و مغفرت مانگے اور اُسکی طرف التجا کرے اور اسکی تعظیم پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں حاصل
 یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے حسانت اور سیئات میں فرق بیان فرما دیا ہے۔ گو وہ دونوں اس امر میں
 یکساں ہیں کہ سب کچھ اُس کی قضا و قدر اور مشیت سے خارج ہوتا ہے اور تمام چیزیں اُسی کی مخلوق
 ہیں۔ اور اسی پر ایمان لانا بھی ضروری ہے ورنہ ایمان درست نہ ہوگا۔ اور بندوں کے اُن سے
 جتنے ہونے کی جہت ہے اُن میں فرق بیان فرما دیا ہے۔ کہ حسانت اُس کی نجات ہیں۔ اُس کی
 نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا اپنے فضل سے اور زیادہ نعمتیں عطا فرمایا گیا۔ اور شر اور سیئات تمہارے
 اپنے گناہوں کے سبب ہیں تم گناہوں سے مغفرت طلب کرو۔ تو وہ شر کو تم سے ہٹا دے گا۔ اور سب
 خرابیوں کی جڑ نفی کا شر اور جراثیم ہے۔ پس اُسے شر سے خدا کی پناہ مانگو وہ تم کو اُس سے نجات
 بخشے گا۔ اور یہ سب باتیں اللہ وحدہ کے ساتھ ایمان لانے اور اس امر کا یقین کرنے پر موقوف ہیں کہ
 وہی ہدایت کرتا اور وہی گمراہ کرتا ہے اور تمام امور اُس کے اختیار میں ہیں۔ اور یہی ایمان بالقدر
 ہے جو اللہ سبحانہ تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ غرض جب یہ سب باتیں موجود ہوں۔ تب توحید اور انکی
 رسالت کی شہادت صحیح طور پر درست ہو سکتی ہے۔ یہ خطبہ عظیمیہ سلام و ایمان کے اصول عقائد پر
 حاوی ہے۔ اگر طاعات اور معاصی میں فرق بیان نہ کیا جاتا۔ بلکہ صرف بیان ہوتا کہ دونوں نجاست
 ہیں۔ تو زمین اور گناہ گار اپنے آپ کو نہ مت نہ کرتے۔ اور گناہوں کی مغفرت اور اُنکے شر سے

خدا کی پناہ کا سوال نہ کرتے بلکہ اُنکے دل میں یہ جست بیٹھ جاتی۔ کہ ہم بہتے آپ گنہگار نہیں کہتے بلکہ خدا کی تقدیر ہی طرح پر ہے کہ ہم سے گناہ صادر ہوں اور یہ وہی فضلِ رحمت ہے جو ابلیس نے اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں ٹوٹ کر کی تھی۔ یعنی لوگ اس جست میں ابلیس کی پیروی اختیار کرتے ہیں جس سے انکی اشتقاق اور ذلیل ہیں اور زیادتی ہوتی ہے جس طرح کہ اُسکے پیش کرنے سے ابلیس کو اللہ سبحانہ نے جناب سے پہلے بھی زیادہ بعد حاصل ہوا۔ اور اس کی بارگاہ سے بالکل دور کر دیا گیا۔ اور جب مشرکین نے اس جست کو پیش کیا اور کہا کہ نَشَاءُ اللہَ مَّا اَھْمَرْنَا لَنَا وَلَا بَايَاؤُنَا (اگر اللہ چاہتا تو ہم درہم راستے بائیں شرک نہ کرتے) تو انکی گمراہی اور شقاوت میں اور ترقی ہوئی۔ اور وہ شخص جو قیامت میں یوں کہے گا۔ لَوْ اَنَّ اللہَ هَدَانِی لَکُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں شامل ہوتا) اس کسے پر اس کی حسرت اور عذاب زیادہ کئے جاتینگے۔ اور اگر حسنات و محاسن میں صرف فرق بیان ہوتا اور یہ بیان نہ ہوتا کہ سب نجائب اللہ سے رب اللہ سبحانہ کے بندے اس کی توحید۔ ایمان بالقرآن۔ ہدایت اور توفیق کے لئے اس سے انتجا کرنے اور شر نفس اور اعمال سے سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے اور اسکی اعانت و فضل کی طرف اپنا اختیار ناجائز کرنے میں کمی کرنے لگتے۔ دونوں باتوں میں حسنات و محاسن کے درمیان فرق بیان کرنے اور مخلوق ہونے کے لحاظ سے انکی مساوات ظاہر کرنے میں عبودیت کے مراتب کو بیان فرمایا ہے اور اس عظیم الشان مسئلہ کے متعلق انشاء اللہ ہم عنقریب دوبارہ بحث کریں گے۔ سوم یہ کہ حسنات کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ عفو فرماتا اور انکو بڑھاتا ہے۔ اور بندے کی ادنیٰ سی اور محض ارادہ کرنے سے حسنات پر لکھے جاتے ہیں۔ اور ان پر ثواب ملتا ہے۔ اور بُرائی کے ارادہ کرنے پر عذاب اور مواخذہ نہیں اور نیز ایک بُرائی کرنے سے ایک ہی بُرائی لکھی جاتی ہے۔ اور توبہ کرنے اور بعض اعمالِ حسنہ کے سبب اللہ تعالیٰ بُرائیوں کو مٹا دیتا ہے اور مصائب اور تکالیف کو ان کا کفارہ کر دیتا ہے۔ پنجم ان وجوہ سے حسنات کو اللہ سبحانہ کی طرف مضاف و منسوب کرنا اولیٰ و المنسب ہوتا۔ اور سینئات کو بندے کی طرف نسبت کرنا مناسب لائق ٹھہرا۔ چہاں یہ ہے کہ حسنہ یعنی طاعت و نعمت ہے۔ اور یہ وہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہیں۔ کیونکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اسکی طاعت کریں اور وہ ان پر اللہ تعالیٰ احسان اور جود و بخشش فرمائے۔ گو اس نے گناہوں کو بھی مہد کیا ہے۔ مگر وہ ان سے روکنا چاہتا ہے غرض طاعت و عطا۔ بزل اور جود ہوا کے نزدیک نہایت پسندیدہ ہیں۔ لہذا حسنہ کو دو معنی میں طاعت و نعمت کے لحاظ سے اللہ سبحانہ

کی طرف منسوب کرنا اولیٰ اور سیئہ کو وہ تو معنی یعنی اعمال بدو کا ایفہ کے رُو سے نفس کی طرف نسبت کرنا مناسب ہوا۔ اسی واسطے اُس کے عارف بندوں نے اس ادب کو ملحوظ رکھ کر تمام خیرات اور نعمتوں کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کیا۔ اور شرور کو اس کے محل یعنی نفس کی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ امام الحنفی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: **لَا ذِي حَقٍّ عَلَيَّ فَهُوَ يَهْدِيَنِي وَالَّذِي عَلَيَّ هُوَ يُضِلُّنِي وَيُضِلُّنِي** (جس نے مجھ کو سیدھا کیا پھر وہی دنیا و دین کی مشکلات میرا سیری رہنمائی کرتا ہے اور جو مجھ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے اور جو کو دہانی، پامالتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے) ابراہیم علیہ السلام نے نفس کو اپنی طرف منسوب کیا اور شفا کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کیا اور خضر علیہ السلام نے کہا: **لَا اَنَا الَّذِي يَنْفِقُهُ فَكَانَتْ مِلْسًا اِلَيْكَ يَعْماونَ فِي الْبَحْرِ فَارَدْتَنِي** اَنْتَ اَعْيَبْتَهُمَا (کرشتی تو ملاجی پیشہ غریبوں کی تھی وہ دُاسکوم دریا میں مزدوری پر چلائے تھے تو میں نے چاہا کہ اُس کو عجیب دار کر دوں) اور اس کے بعد پھر لڑیں کہا وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَنْتَحِبَا فَشَدَّهُمَا وَلَيْسَ لِحِمْلِهِمَا كَيْدٌ لِّمَا يَكُونُ لِمَنْ يَدْعُوهُ فَذُلَّ لِيَوْمِئِذٍ يَتِيمَاكَ اَمْ اَرَادَ يَهْدِيَنِي اَمْ اَرَادَ يَهْدِيَنِي رَبُّكَ (اور ہم نہیں جانتے کہ اس انتظام سے) زمین کے رہنے والوں کو کچھ نقصان پہنچانا منظور ہے یا ان کے پروردگار کا ارادہ ان کے حق میں ہنسی کرنے کا ہے) پنجم یہ ہے کہ حسنات اللہ سبحانہ کی طرف اس لئے منسوب و منسوب ہیں کہ وہ تمام وجوہ اور جمیع اعتبارات سے اُس کا احسان ہیں لہذا وہ ہر طرح سے اُس کی طرف منسوب و منسوب ہونے کے لائق ہیں۔ اور سینات کو اللہ سبحانہ نے اپنی کسی حکمت سے مقرر و مقدر فرمایا ہے سو وہ بھی اس حکمت کے لحاظ سے سچے نخلہ اُس کے احکامات کے ہیں۔ اللہ سبحانہ جو کچھ کرتا ہے وہ خیر ہے اس کا کوئی فعل شر نہیں۔ نہ وہ شر کے ساتھ موصوف اور نہ وہ اس قسم کے ساتھ موصوف ہے۔ بلکہ سب تمام حکمت اور خیر ہیں۔ سچا نخلہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **يَجِيئُكَ الْخَيْرُ مِنْ غَدَاةٍ** اُسی کے ہاتھ میں ہے، اور عرف الخلق یعنی خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے **وَالْمَشْرِقُ لَيْسَ إِلَيْكَ** (اور اُس نے اللہ) تیرے ہی طرف نہ دہنیں کیا جائے غرض اللہ سبحانہ بعض

نفس میں عیاں کر کے نزدیک مائیکہ بڑا اور ناپید ہو جیسا کہ آگ میں تہ الا جاننا۔ سے بڑا و ناپید معلوم ہوتا ہے۔ اور نیز آخر صورت جسے اللہ علیہ السلام نے فی نفس فی اللہ ایمان کہنے سے پہلے اسے جناب میں سند قرار دیا ہے کہ اس میں طہریت منہ بند کو کمال پران بتایا ہے۔ "فی نفس" اور منہ بند اور ترک ہیں۔ چنانچہ آریہ نے فرمایا ہے کہ میں نے کسی سے جنت کو تو اللہ کے لئے کیا اور جس سے دہشت کی تو بخیر اللہ کے لئے کے لئے اور کسی کو عجب بات تو بھی اللہ سے کہے۔ اے اور نزدیک تو بخیر اللہ تھا۔ لئے کہے۔ لئے تو اسے اپنے سے ایمان کا اڑل اور درجہ تک لیا۔ اور نیز آخرت میں جہنم اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ اے کافر! اے سے بڑا ہے کہ میں نے یحییٰ اس سے فی نفس ذکر اہمیت کہ بڑا ہے کہ کا باعنا ہم مرشد ایمان سے قرار دیا ہے۔ اور نیز سے کام کا ترک کرنا اور اس سے باز آنا جتنا بغض و کراہت سے ہو۔ منجملہ امور ایمان کے ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا اپنی مشرک قوم اور ان کے معبودوں سے بری و بیزار ہونا ترک محض تھا۔ بلکہ وہ براستہ بغض۔ عداوت اور کراہت پر پہنچی تھی۔ اور یہ چیزیں یعنی بغض۔ عداوت وغیرہ وجودی امور اور قلب کے اعمال میں سے ہیں۔ ان کا اثر یہ ہے کہ جب کسی چیز کی نسبت دل میں بغض۔ عداوت پیدا ہوگا۔ تو وہ چیز اعضائے ظاہری سے صادر نہ ہوگی جس طرح کہ تصدیق اللہ و رسول اور طاعت کے ارادہ اور اس کی محبت پر یا اثر مرتب ہوتا ہے کہ اعضائے بدن طاعت الہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور یہی ثب اور بغض کا ہمیشہ ہدایت کا مضمون ہے کہ باطل معبودوں سے بغض اور اللہ سبحانہ کے ساتھ دل میں محبت پیدا ہو۔ اور جب تک باطل معبودوں سے پوری نفرت نہ ہو۔ گو اللہ سبحانہ کی عبادت کرے۔ اس سے محبت رکھے۔ اسی پر توکل کرے۔ اسی سے خوف و امید رکھے۔ اور اسی کی طرف متوجہ ہو۔ مگر جب ملک غیروں کی عبادت اور ان پر بھروسہ کرنا اور ان کی طرف توجہ نہ چھوڑے اور دل سے ان کے خوف اور امید کو بھی نہ نکال دے اور ان سے کامل بغض و عداوت نہ رکھے ایمان درست نہیں ہوتا اور یہ سب وجودی امور اور حسنات ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرماتا ہے۔ سیئات اور برے اعمال کا اس طور پر صدور نہ ہونا کہ نہ تو انکی بُرائی معلوم اور نہ دل میں انکی بُرائی اور کراہت و نفرت پیدا ہو اور نہ اپنے آپ کو ان سے بچانے کا قصد و ارادہ ہو۔ بلکہ ان کا عدم صدور صرف اس وجہ سے ہو کہ وہ خیال ہی میں نہ آئے ہوں۔ اس طور پر ترک محاصی موجب ثواب نہیں بلکہ اس قسم کا ترک ایسا ہے جیسا کہ بچے اور موٹے ہوئے آدمی سے گناہ سرزد نہیں ہوتے لیکن اگر انکی حرمت کا اعتقاد ہو گو ان کا صدور نظر کسی سے ناممکن ہو مثلاً عینیت یا نہایت بڑھاپا آدمی جس کو جماع کی خواہش ہی نہیں جب زنا کی حرمت کے مستعد ہوں تو اس پر ثواب کے مستحق ہو سکتے ہیں

خوش ہے کہ نہ چھوڑنا میں قسم ہے اول یہ جس پر ثواب ملے گا وہ جو جس پر عذاب ہو تا ہے۔ سو وہ جس پر عذاب یا
 ثواب کچھ نہیں ملے گا۔ تاہم اول میں یہ ثواب ملے گا جسے کسی نے نہ چھوڑتا ہے کہ انسان جسے کام کو حرام سمجھے مگر
 یا جو جو کہ اس کے کوسنے پر تھا اور جو بعض اللہ کی رضا سمجھے اسے چھوڑ دے۔ اور قسم دوم جس پر
 عذاب ہو تا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ کسی نے کسی پر جسے کام کو خیر الہی کے خوش کرنے کے لئے چھوڑ
 دے اور اللہ کی خوشنودی کو نہ ہو۔ غیر اللہ کی رضا سمجھے۔ اسے لئے لگاؤ کے ترک کرنے پر ایسا ہی عذاب
 ہو تا ہے جسے اللہ کے غیر اللہ کے خوش کرنے کے لئے نہ چھوڑ دے۔ نیز عباد اللہ اور اعمال اللہ کے کرنے پر عذاب ہو تا ہے کیونکہ
 غیر اللہ کے خوش کرنے کے لئے نہ چھوڑ دے۔ یہ ہر گز نہ ہو۔ بلکہ اللہ کا حکم کا ترک ہے جس پر اللہ عذاب ہو تا ہے
 قسم سوم جس پر ثواب یا عذاب کچھ نہیں ملے گا۔ جو اس کے لئے چھوڑ دے کسی کے دل میں کسی کے کام کی نہ تو
 محبت ہے اور نہ اس سے نفرت ہے بلکہ وہ کام اس کے خیال میں بھی نہیں پس ایسے کام کا ترک ہو نا تو عذاب
 ثواب ہے اور نہ موجب عذاب۔ بلکہ یہ سبب ہے عذاب یا ثواب کے منفرد اور تمام منفرد اور قوم کی حالتیں تھے کاموں
 سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خواہش اور برے کاموں سے خلعت سے
 حیا کرنے کے درمیان اپنی وجاہت اور ضروری قائم رکھے۔ اور انکی نظروں میں ذلت سے محفوظ رہنے
 کے لئے ہرگز نہ چھوڑے۔ تو اس پر وہ کس طرح عذاب ہو گا حالانکہ اللہ سبحانہ نے ایسا کرنے کی ممانعت اور محبت
 نہیں فرمائی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان مذکور بالا وجود کے باعث گناہ اور برائیوں سے باز رہتا ہے۔ تو بیشک
 وہ اس پر عذاب نہ ہو گا۔ بلکہ وہ عذاب اسی صورت میں ہو گا کہ بعض انکی خوشنودی اور رضامندی کے لئے گناہوں
 سے باز رہے اور بظاہر یہ دکھائے کہ اس نے ایسے کاموں کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ترک کیا ہے اور
 درحقیقت غیر اللہ کی رضامندی بنفقہ ہو۔ غرض اگر گناہوں کو غیر اللہ کے قرب اور سنی خوشنودی حاصل کرنے
 اور یا کسی غرض سے چھوڑنا ہے تو اس پر سخت عذاب ہے اور اگر حیا و مخلوق کی نظروں میں ذلت سے محفوظ
 رہے اور انکی ایذا و تکلیف سے بچنے کے خیال سے چھوڑتا ہے تو اس پر سخت عذاب نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر
 اپنی وجاہت قائم رکھنے میں کوئی اچھی غرض ہو جو کہ عند اللہ محبوب و پسندیدہ ہو جیسے کہ کوئی شخص ہادی
 اور پیشوا ہو جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام اور علمائے کرام و عوفاۃ عظام۔ اور وہ اس خیال سے کہ کوئی غلط
 میں میری عزت اور وقعت نہ رہے۔ نہ تبلیغ اسلام الہی میرے مجھے پونی کامیابی حاصل ہوگی۔ گناہوں سے باز
 رہے تو یہ امر عین ثواب اور رضا اللہ ہے تو کہیں کسی کام کے نہ کرنے کے باوجود اس میں علم کا اختلاف ہے
 بعض دجودی کہتے ہیں اور بعض مدعی مگر اکثر کی رائے یہ ہے کہ وجودی امر ہے۔ ابواشم اور اس کے متبعین کا
 قول ہے کہ ترک مدعی امر ہے اور امر کو محض ماحولہ کے نہ کرنے پر عذاب ہو گا۔ گو اس کے دل میں اس کے

ترک کا قصد و ارادہ نہ ہو مگر جب اُس نے مامور بہ کو پورا نہیں کیا۔ تو وہ محض اسی عدم فعل پر غضب ہو گا۔ یہ لوگ مذمت
 اور عقاب کو عدم محض پر مرتب قرار دیتے ہیں۔ مگر اکثر اہل علم کا یہ قول ہے کہ منی عندہ کے ترک کرنے پر جو ثواب
 بتا ہے اُس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں بھی باب وجودی چیز کو ترک کیا جاتا ہے جیسا کہ ارادہ ہو اُس منی عندہ
 کام کے کرنے کے متعلق دل میں متکلم ہوتا ہے اس کے ترک کرنے اور چھوڑنے پر ثواب ملتا ہے۔ اور مامور بہ کے
 ترک کرنے کی صورت میں بھی ایک وجودی چیز کے ترک کرنے اور مامور بہ سے پیسے آپ کو بچا ہے۔ پر مامور بہ
 ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ حسنات جن پر ثواب مرتب ہوتا ہے سب کی سب وجودی ہیں اور اللہ تعالیٰ
 ہی نے اپنے بعض بندوں کے دل میں ایمان و طاعت کی محبت اور ان کے مخالفات و شیان کی کراہت و نفرت
 ڈال دی ہے اور سیئات کا منشاء اور سبب جہالت اور ظلم ہے۔ کیونکہ انسان کوئی بڑا کام دو وجہ سے کرتا ہے
 یا تو اس کی بڑائی سے ناواقف اور بیخبر ہوتا ہے یا دیدہ دانستہ خواہش نفس کی پیروی سے جسے کام کرتا ہے
 پس ناواقف سے کرنا جہالت اور بان بوجھ کر کرنا ظلم ہے۔ اور نیکی اور اچھے کام کو یا تو جہالت کی وجہ سے چھوڑتا
 ہے یا اس وجہ سے ترک کرتا ہے کہ اُس کے خلاف میں خواہش نفس کا پورا ہونا محظور کہہ کر اس کی طرف رغبت
 ہوتا ہے۔ غرض تمام سیئات کا مریض اور آل جہالت ہے۔ اگر انسان کو پورا علم ہو۔ جس سے جسے
 کاموں کے ضرر و منافع میں تمیز کر سکے تو وہ کبھی جسے کام کا نام نہ لے۔ کیونکہ اُس کے ضرر اُس کے منافع کو
 کئی درجہ زیادہ ہیں۔ اور عقل کا یہی خاصہ ہے کہ نفع اور ضرر سوچنے کے بعد جس کام میں نفع کی پوزیت
 ضرر زیادہ معلوم ہو اُس کام کے کرنے کی کبھی اجازت نہیں دیتی۔ ظاہر ہے کہ چونکہ اُوں نے مینار اور بلند پہاڑ
 سے بچنے گرنے میں انسان کو ضرر پہنچنے کا یقین ہے۔ لہذا کوئی صحیح العقل ایسا کام نہیں کرتا۔ اسی طرح
 اگر کوئی دیوانہ گرنے لگے تو اُس کے بچنے کھڑا نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس سمندر میں کود پڑنا یا زہر کو کھانا چونکہ
 یقیناً مضر ہے لہذا کوئی عاقل بھول کر بھی ایسے کام نہیں کرتا اور یہ ایک فطرتی امر ہے جو انسان کے علاوہ
 دوسرے حیوانات میں بھی موجود ہے کہ جہاں انکو ضرر و تکلیف پہنچتی ہے تو وہاں نہیں جاتے۔ اور
 ضرر رساں چیزوں سے بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں۔ اور جس شخص کو ضرر معلوم نہیں ہوتا جیسے بالکل
 نادان بچہ یا مجنون اور مست جنکی عقل بالکل زائل ہو گئی ہے تو وہ ایسے کام کر گذرتا ہے۔ اور جو شخص
 ضرر اور نقصان کو سمجھتا ہے اور پھر مضر کام کو اختیار کرتا ہے۔ تو وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ اگرچہ
 اس کام میں کسی قدر ضرر بھی ہے۔ مگر اس کا نفع ضرر سے بہت زیادہ ہے۔ لہذا وہ نفع اُس کام کے کرنے کے
 لئے مرتع ہو جاتا ہے۔ اگر بھری سفر کرنے والے تاجر کو یہ معلوم ہو کہ وہ خود بھی سمندر میں ڈوب کر مر جائیگا اور
 اس کا تمام مال و اسباب بھی غرق ہو جائیگا۔ تو وہ کبھی بھری سفر کو اختیار نہ کرے لیکن وہ اپنے خیال میں

یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اس سفر میں بہت سے منافع اور فوائد حاصل ہونگے گو یہ خیال اُس کا غلط ہو۔ اسی طرح گناہوں اور
 معاصی کا حال ہے۔ اگرچہ گردِ یقینین ہو کہ وہ کچھ اچائی لگے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا تو وہ کبھی چوری نہ کرے
 لیکن وہ اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ مجھے کون دیکھیگا۔ بلکہ میں بہت سامان لیکر صحیح و سلامت واپس آ جاؤں گا
 قاتل۔ شارہ زانی سب کا یہ خیال ہے۔ اگر گناہ کرنے والے کو یقینین ہو کہ اسکو گناہ کرنے میں ضرر و ہ ضرر
 لاحق ہوگا۔ بونفع ہو ہر دم سے کئی گنے زیادہ اور یقینین ہے تو وہ کبھی گناہ کا نام نہ لے۔ بلکہ گناہ نگار اس سے ملے
 گناہ کرتا ہے کہ یا تو اس کی حسرت کا اُس کو یقینین نہیں ہو تا یا اُس کی سزا اور عقوبت کی نسبت یہ گمان
 کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معاف فرمانے سے عقوبت اور سزا مل جائیگی یا یہ خیال کرتا ہے کہ
 توبہ کر دیکھو یا انکے بعد ایسے نیک کام کر دیکھا۔ جن سے گناہوں کا اثر مٹ جائیگا۔ اور کبھی خواہش نفس کے
 غلبہ کے سبب ان سب باتوں سے غافل اور بے خبر ہوتا ہے شہوت نفس اُس پر ایسی غالب آ جاتی ہے کہ
 گناہ کی مصرت کا اُسے خیال بھی نہیں ہوتا۔ اور غفلت کا پردہ اُس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ حقیقۃً لاسریر
 کہ شہوت نفس کی پیروی تمام بُرائیوں کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَكَانَ نَفْسًا مِّنْ أَغْطَلْنَا قُلُوبًا
 عَنْ ذِكْرِنَا وَابْتِغَاءِ مَّوَارِدٍ وَكَانَ أَمْرٌ مِّنْ قُرْطَانَ (اور ایسے شخص کا کہ ہر گز نہ ماننا جس کے
 دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے اور اُسکی دنیا داری حد سے
 بڑھ گئی ہے) یہ معلوم کرنا چاہئے کہ محض خواہش نفس گناہوں کے صدور کے لئے مستقل اور کافی سبب نہیں
 بلکہ جمالت کے ساتھ بلکہ موجب صدور معاصی ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ خواہش نفس کے پیرو کو اگر یہ
 بات یقیناً معلوم ہو کہ اتباع ہوئے نفس میں اُسکو ضرر و ضرر اور نقصان پہنچے گا۔ تو وہ فطرتاً اپنی نفس کی اطاعت
 نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوی روح کی خلقت میں اپنے منافع کی محبت اور ضرر سے نفرت و عداوت پیدا
 کر دی ہے۔ پس ضرر کا یقین ہونے پر دیدہ دلستہ مضر کام کو ہرگز نہیں کرتا۔ غرض معاصی میں بہتہ ہونے
 کے لئے دو چیزیں موجب اور باعث ہیں ایک تو اغوائے شیطان و اتباع نفس۔ دوسرے جمالت۔
 شیطان کا یہ کام ہے کہ وہ معاصی اور سیئات کو منافع و لذات اور طیبات کی صورت میں انسان کو دکھاتا
 ہے اور نفس انکے مصرت کے سوچنے سے جاہل اور غافل ہو جاتا ہے۔ پس اس اغواء اور غفلت سے ایک
 ارادہ اور شہوت پیدا ہو جاتی ہے جس میں ترقی ہوتے۔ تے مغرم بالجرم کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے جس
 کے بعد فعل کا صدور متحقق ہوتا ہے جس طرح کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی نظر میں شجرہ کے کھانے
 کو ایک ایسی عمدہ اور خبیہ صورت میں دکھایا کہ نہ تیریبت کی مصرت کے سوچنے سے غافل ہو گئے غرض
 ترمین اعمال عیسیٰ اور برائی کے کو نہ یہاں سبب ہے اگر تیریبت کی مصرت کے سوچنے سے غافل ہو گئے غرض

ہوتا ہے۔ کہ علم خفیت کے بدون بھی محال ہو سکتا ہے مگر یہ غلطی بہت علم و درنہشت موجود ہونا ناممکن اور محال ہے کیا نظر قیامت ثابت نہیں۔ کہ آدمی ایک یا شیر اور کسی اپنے ایسے دشمن کو دیکھ کر جس سے اس کو ضرر کا اندیشہ ہو خوف نہ کرے ہرگز نہیں بلکہ اُس سے ضرور ڈر لگے۔ اور ہاں سے بھلے گئے اور جان بچانے کی کوشش کر لیا۔ یا کوئی شخص اپنے آپ کو بلند پیرا کی چوٹی سے پھوٹے گرنے میں موت کا خوف نہ کرے۔ ضرور خوف کر لیا۔ اور اگر ایسے موقع میں بھی کوئی شخص خوف نہ کرے۔ تو وہ ضرور بے خبر اور ہونا مان ہے۔ لیکن اگر ایسے مواقع میں تو خوف کرے۔ اور گناہ کے ارتکاب میں خوف الہی نہ کرے تو عالم نہیں بلکہ عقلمند جاہل ہے۔ اگر کوئی شخص سیشہ پیش کرے کہ اے ایس کو تو پورا عالم اور تمام چیزیں جتنی بہشت و دوزخ کا مشاہدہ حاصل ہو چکا تھا پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی۔

کس طرح کی جن کو حسم حاصل ہوتا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اور نیز مضمون کہ جن کو علم محال ہو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات کے مخالف معلوم ہوتا ہے جیسے **وَإِنَّمَا ذُنُوبُهُمْ لَكَ فَاَسْتَغْفِرُكَ عَلَىٰ الْهَدَىٰ** (اور وہ ہے تھو تو ہم نے انکو (بیہوا) رستہ دکھا دیا تھا مگر انہوں نے سیدھا رستہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی) وقال تعالیٰ **وَأَنبَأْنَا لَمْؤَدَّ الْقَارِئَةِ مَبْصُورَةً** (ہم نے قوم (ثمود) کو اونٹنی (کا کھلا ہوا) معجزہ دیا تھا) اور فرعون کی قوم کی نسبت فرمایا ہے **وَيَجْعَلُ وَيَايَهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا الْفُسْهُمُ ظُلُمًا وَعُظُومًا** (اور باوجودیکہ انکے دل (معجزوں) کا یقین کر چکے تھے مگر انہوں نے ہیکراہی اور شیخی کر لے ان کو نہ مانا) اور قوم عاد اور ثمود کی نسبت فرمایا ہے **وَعَادًا آذَنُومًا وَقَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ مِّنْ مَّسَآكِينِهِمْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّقَهُمُ عَنِ السَّبِيلِ** (وہ لوگ کہتے تھے تم کو انکے (اُپرے ہوئے) گھر (بھی) دکھائی دیتے ہیں اور شیطان نے انہیں انکے عملوں کو اچھا کر دکھایا تھا اور اسی تدبیر سے انکو راہ (راست) کے اختیار کرنے) سے روکا بھی تھا۔ اور وہ شامت اعمال سے شیطان کے ہکائے میں آگئے درنیوں تو وہ دُڑی (سوچہ بوجھ کے لوگ تھے) اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا **أَلْقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْ بَصَائِرٍ** (کہ آپ (اتنی بات دے میں) ضرور جان چکے ہیں کہ آسمان و زمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے (اُتارے ہیں) اور لوگوں کے لئے یہ سورج کی باس (دیں) وقال تعالیٰ **وَمَا سَأَلَ اللَّهُ يَعْزِلُ لَكُمْ بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حُنًى يُبَيِّنَ لَكُمْ تَأْيِيدُونَ** (اور اللہ کی شان

نے ساحرین یہود کی نسبت فرمایا ہے وَلَقَدْ عَلِمُوا الْمِيقَاتِ الَّتِي كَانَ يَنْزِلُ فِيهَا الْوَحْيُ مِنْ خَلْقِهِ
 وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَوِ شَاءَ اللَّهُ لَوَقَّعَتْهُمُ الثُّمَالُ اِثْنًا عَشَرَ لَمَنْ يَمُسُّهُمُ فَغَلَبَهُمْ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (یاد جو دیکھ سائن چکے تھے کہ جو شخص ان
 باتوں کا خریدار ہوا وہ آخرت میں بے نصیب رہے اور البتہ بہت ہی بُرا معاہدہ ہے جس سے
 بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے کاش اگر اتنی سمجھ ہوتی اس تیسیر اللہ سبحانہ
 ساحرین یہود کے لئے وہ علم جس سے ان پر حجت قائم ہوتا بہت فرمایا ہے۔ وہ اس علم کو جو نافع
 اور ضرر چیزوں سے بچنے کا ذریعہ ہو ان سے نفی کیا ہے۔ اس میں اللہ اور نبی پر ہی ہے کہ جو لوگ
 بُرے کاموں سے باز نہیں آتے۔ گو وہ عالم کیوں ہوں۔ مگر علم نافع سے غالی۔ بے سہرہ اور جاہل
 ہیں۔ پس ایسے عالم جو در حقیقت جاہل ہیں دور رخ میں بنوئے جاہل کے علم نافع اور بہالنت دونوں ایک
 آدمی میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ ہوائے نفس غفالت اور اعراض من الحق نافع
 چیز کے سوچنے، اسکے حاضر کرنے اور کمال علمی سے مانع ہو کر آدمی کے دل میں طرے طرح کے شبہات
 اور ایسی فصول نادیدات پیدا کر دیتے ہیں جو حق کے سمجھنے کے معارض ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ ایسی
 چیز کا خیال ہی جاتا رہتا اور آدمی بالکل جاہل ہو جاتا ہے۔ اگر ابلیس کو یہ یقیناً معلوم ہوتا کہ آدم علیہ السلام
 کو سجدہ نہ کرنے سے وہ درگاہ الہی سے بالکل نکال دیا جائیگا۔ اور وہ سب زیادہ عذاب میں گرفتار
 و مبتلا ہو گا تو وہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے ہرگز انکار نہ کرتا۔ لیکن اس کے اور ان باتوں
 کے سوچنے کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو گیا۔ تاکہ اس کا امر جاری اور اس کی تقدیر نافذ ہو۔ اور اگر
 آدم اور حوا کو یہ معلوم ہوتا۔ کہ وہ اس درخت کے پھل کھانے سے جنت سے نکال دئے جائیں گے
 اور اگر ناگوں مصائب و کالیف انکو پیش آئیں گے تو وہ کبھی اسکے پاس نہ جاتے۔ اسی طرح منکرین انبیاء
 اور کفار کو اگر ان کالیف کا جنم و علم ہو جو قیامت میں انکو پیش آئیں گے تو وہ ہرگز انبیاء علیہم السلام کی مخالفت
 نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی نسبت فرمایا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَاهُم مَّا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِمَّنْ
 بِالْثَنَاءِ (اور لو کہ ان لوگوں کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا مگر وہ ان کے ہڈانے میں لگے
 جھتیں نکالنے) وَقَالَ قُلُوبُهُمْ وَجِبْنُ يَكْفُرُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِمَّنْ
 اَقْبَلَ اَلْهَمُّكَ الْوَا فِي سَلْبِ قَرِيب (اور اب ان میں اور انکی توقعات میں ایک روک
 کر دی جائیگی کہ ایسا ہی (سلوک) ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو انکے ہم جنس تھے (اور ان سے پہلے
 انکر چلے تھے وہ بھی ان ہی کی طرح) شَكَّ دَر شَكَّ مِمَّنْ (پٹے) تھے اور منافقین کی نسبت یوں
 فرمایا ہے وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهَلْ فِي سُرُوبِهِمْ بَرْكَؤُا قُوت (اور ان کے دل شک میں

پرسے ہیں تو وہ اپنے شک۔ دکی حالت میں حیران ہیں، و قال تعالیٰ وَلَکُمْ شَکٌّ فَنَذَرُکُمْ اَنْفُسَکُمْ وَتَرْکُوبَکُمْ
 کی آخرت بخت (گم تم نے آپس اپنے تئیں جلا بس ڈالا اور داس بات کے منتظر ہے، لکسمائوں پر کوئی اہت نازل
 ہو اور اہم کی طرف سے، نرسک میرا، پرسے) رہے، و قال تعالیٰ لَیْسَ لَکُمْ بِجَہِدٍ مِّنْکُمْ (انکے دونوں میں
 پہنچ سکتے کفر کا، مرض تھا، مرض سے رادشک۔ ہے حالانکہ منافقین کو صلہ قتل رسول میں کسی قسم کا شک
 و شبہ نہ تھا کیونکہ انہوں نے اپنی صلہ قتل کے جوڑات باہر د اور نشا ابست ظاہر کو کچھ خود دیکھ رہا تھا۔ اور ان
 پر جب بالہی قائم ہو چکی تھی۔ مگر باوجود اس کے وہ شک و شبہ میں پڑے تھے۔ اسلئے دوزخ میں سے
 بری جگہ میں رکھے جائیں گے۔ انکے شک و شبہات ایسے تھے جو علم نافع سے نکالنا اور عاب یوں سے ورنہ
 صلہ قتل رسول کا انکو یقین حاصل تھا اور جنت الہی پوری ہو چکی تھی۔ وہاں نہ مرتا۔ یعنی شک کرنے والے
 اس لئے قرار دیئے گئے، ایسا کہ علم نافع سے غالی اور بے ہر د تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ غفلت۔ اعراض
 من حق۔ اتباع جوئے نفس۔ شروعات کی پیروی سے انسان علم نافع اور حق بینی سے محروم رہتا ہے
 اور یہ اس کے دل میں ایسے شبہات اور باطل تاویلات پیدا کر دیتے ہیں۔ جو علم نافع کے مخالف اور
 اسکو روکنے والے ہو جاتے ہیں۔ اس مقام کو خود سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ سنا یہ تقدیر۔ ثمر اور عدل الہی
 کے برابر ہیں۔ ہے پس وہ علم جس سے تثبت الہی حاصل ہوتی ہے اس سے معرفت کمال اور علم نافع
 ملا ہے جس پر اس کا فہم و مرتب ہو۔ اور جس علم سے جنت الہی قائم ہوتی ہے وہ علم غیر نافع ہے۔ جس کا
 وجود کالیم ہے بلکہ ایسا عالم جاہل سے بدتر ہے۔ اور علم کی قسم دوم یعنی غیر نافع جاہل کے ساتھ جمع ہو سکتی
 ہے۔ اور قسم اول جاہل کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ اس تقدیر سے معلوم ہوا کہ سینات اور۔ برائیوں
 کی دار مدار جمالت اور عدم علم پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عدم علم و جود ہی چیز نہیں۔ جس کے لئے فاعل مؤثر
 کی ضرورت ہو بلکہ عدم علم غرض عدم کا نام ہے جو سمجھ۔ بصیر۔ قدرت اور ارادہ کے نہ ہونے سے حاصل ہوتا ہے
 اور عدم محض اولہ سمانہ کی طرف اسلئے مضاف نہیں ہو سکتا کہ وہ شر ہے اور شر سے اللہ کی ذات منزہ اور
 پاک ہے۔ پس جب انسان کسی چھ کام کے ارادہ سے غافل ہو اور ارادہ خیر اس میں موجود نہ ہو تو جو کداس کا
 نفس بالبعث شہوت و ہوی کی طغیان مال ہے لہذا علم نافع سے محروم اور جاہل رہتا اور شر اور خرابی میں پڑ جاتا

فصل۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر طرح طرح کے انعام و احسان فرمائے ہیں، لہذا اپنے احسانات کے
 وہ ایسی عظیم القدر نعمتیں عطا فرماتی ہیں۔ جو تمام عبادات اور خوبیوں کی جڑ و اصل ہیں۔ اول یہ کہ انکو اصل خلقت
 میں نعمت سلیمہ پر پیدا کیا ہے کہ ہر ایک سچے فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے ماں باپ اس کو

فطرتِ سلیمہ سے کالتے دیا اسی پر قائم رکھتے ہیں چنانچہ یحیٰی بن مہزیار نے فرمایا: **استحفظ اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور**
اپنے اس کی نمائندگیوں میں فرمائی ہے کہ جس طرح اونٹ بکری وغیرہ جو اناس کا بچہ جب پیدا ہوتا
ہے تو اس کے کان وغیرہ سب اعضاء صحیح و سالم ہوتے ہیں اس کے بعد اسکے رکھنے والے کوئی اسکے کان
دوم وغیرہ اعضا کاٹ دیا کرتے ہیں۔ (اسی طرح انسان کا ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد
 اس کے ماں باپ اس کے عقائد اخلاق و اعمال میں یا تو خرابی پیدا کرتے ہیں یا اس کے معادنِ دماغ کا جو کہ
 اسے فطرتِ سلیمہ پر قائم رکھتے ہیں جس سے اس کے تمام حالات حسب فطرت درست اور صحیح پائے جاتے
 ہیں۔ اور نیز غیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوں فرماتا ہے کہ میں نے
 اپنے بندوں کو موجد پیدا کیا۔ پھر شیطان نے انکو طرح طرح کے فریب دیکر اس فطرتی توحید و جہلی وین کے
 دور کو دیا اور جو چیزیں میں نے اپنے بندوں پر حلال کر دی تھیں۔ شیاطین نے انکو ان چیزوں سے ایسا
 ہٹا دیا کہ انہوں نے ان چیزوں کو اپنے اور پر حرام کر لیا اور انکو یہ سوچا یا کہ میری ذات کے ساتھ ان چیزوں
 کو شریک ٹھہرایا میں۔ جسکی نسبت میری طرف سے کوئی دلیل و سند نہیں۔ اگر نفس انسانی کو اپنی فطرت پر
 چھوڑا جاتا تو وہ اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کی محبت اور اسکی عبادت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتا۔
 اور اسکی ذات کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہ کرتا۔ اور اسکے کمال و ربوبیت کا کبھی منکر نہ ہوتا۔ بلکہ توحید
 اور عبادتِ الہی اسکے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہوتی۔ لیکن شیاطین جن انس
 کی مقارنت اور مصاحبت سے جو برے کاموں کی طرف اسکو ترغیب اور توجہ دلاتے ہیں۔ اسکی اصلی
 حالت بد بختی اور شر اور خرابی میں پڑ جاتا ہے۔ دوسری نعمت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اول تو اپنے بندوں کو
 جو عقل و علم عطا فرما کر ہدایت عامہ سے سرفراز کیا ہے۔ اور اسکے اسبابِ مہتابا کر دیے ہیں۔ اسکے علاوہ انکی
 ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور جو باتیں معلوم نہ تھیں ان سے آگاہ
 فرمایا۔ غرض ہر ایک نفس میں وہ چیزیں دکھائی ہیں۔ جو حق کے سمجھنے اور اسکی محبت کے لئے کافی ہیں۔ اور
 ہر ایک بندے کو وہ علم عطا کیا ہے جس سے وہ سعادتِ آخرت کی طرف پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ چیزیں اس
 کی فطرت میں داخل ہیں۔ لیکن کبھی ایسے عوارض اور موانع اسکو پیش آجاتے ہیں۔ جو منافع اور حق کے سمجھنے
 سے باز رکھتے ہیں۔ لہذا وہ حق کے سمجھنے اور اس کا ارادہ کرنے سے غافل ہوجاتا ہے۔ حق کو نہ سمجھنا وہ
 اس کا ارادہ نہ کرنا یہ ایک صلی امر ہے جو اللہ سبحانہ کی طرف مضاف نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ علم محض ہونے
 کی مشیت ہے۔ یہ شہر ہے اور شر سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ ہاں اللہ سبحانہ کی طرف اس کا علم منسوب
 ہے اور نیز اس کی تضادیں معنی اس کی طرف مضاف و منسوب ہے کہ اس نے اس کی ضد کا ارادہ نہیں

فرمایا اور اُس کو اپنی حالت پر پہنچنے دیا اور شرکاء ماننا شروع نہیں بلکہ اس کے چہل سے اچھا ہے۔ اور اُس کی ضد کو پُر کر کے اُس کو نابود کر دیا اور اسلئے نہ کیا کہ اُس کی تکبر کا یہی مقصد تھا۔ اور جب مقصدائے مکتبت یہی تھا۔ تو اس لحاظ سے یہ بھی خیر ہوا۔ گو اپنے محل کیلئے شر اور خرابی کا موجب ہو۔ اور انشاء اللہ قضا الہی میں بشر داخل ہو۔ نے کے باب میں اس مسئلہ کے متعلق ہم پوری تفریر بیان کرینگے ۛ

قصہ محل انسان میں طبعی اور حیوانی حیات کے علاوہ ایک دوسری زندگی موجود ہے جس کو دل سے دی نسبت ہے جو حیوانی زندگی کو بدن سے نسبت ہے۔ اللہ سبحانہ جب اپنے بندے کے دل کو اس حیات سے زندہ فرما دیتا ہے تو اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بندے کے دل میں اللہ سبحانہ کی محبت عظیم اور جلال پوری طرح سما جاتی ہے۔ اور اپنے اللہ تعالیٰ سے جفا اور خوف کرتا اور اس کی طاعت و عبادت میں مصروف رہتا ہے جس طرح کہ بدن کی زندگی کا یہ ثمرہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان کام کاج کر سکتا ہے اسی طرح حیات قلب کا یہ ثمرہ ہے کہ بندہ بہر تن اپنے مالک کا پورا بطبع ہو جاتا ہے۔ نجات۔ فلاح اور سعادت کی دار و مدار اسی حیات پر ہے اور یہی جاودانی ہمیشگی اور دائمی زندگی ہے اور جب قلب میں یہ حیاتی موجود نہ ہو اور اس کے عوض حیوانی اور طبعی حیات کے مقتضی اور خواہش کے پورا کرنے میں انسان مصروف ہو تو وہ دنیا میں گمراہ شقی اور آخرت میں ایسا مہذب ہوگا۔ کہ اُس کو نہ تو زندگی کی طرح عیش و آرام حاصل ہوگا اور نہ مردوں کی طرح راحت و سکون پُنا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سَيَبْتَغُونَ زِينَةً دُنْيَا وَيَجْهَنُونَ إِلَىٰ الْأَشْقَىٰ الَّذِي يَصْلَىٰ النَّارَ الْكُبْرَىٰ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَخْرُجُ مِنْهَا (جو خدا سے ڈرتا ہے تو وہ جلد سمجھ لیگا کہ بد بخت دانی تو اُس سے گریز ہی کرتا رہیگا۔ جو آخر کار بڑی سختی آگ یعنی دوزخ میں پڑیگا پھر وہاں اُس کو نہ تو موت ہی آئیگی اور نہ چین سے جینا ہی میگا اور اس قسم کا عذاب اس لئے ہوگا کہ نہ مرقعہ کے موافق اور عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ چونکہ وہ دنیا میں حیات نافع سے دور رہا اور بہائم کی طرح خود خویش میں اپنی زندگی کو بسر کیا۔ حالانکہ اللہ سبحانہ نے عقل کان۔ آنکھیں سب کچھ دے رکھی تھیں اور عبادت کی طرح بے حرکت یا حیرانات کی طرح لایمقل نہیں بنایا تھا لہذا آخرت میں یہ سزا ملے گی کہ اُس کو دوسری حیات فیض ہوگی۔ کہ نہ میگا اور جینے کا کوئی مزہ ہوگا۔ جینے کا مزہ تو اسلئے نہ ہوگا کہ منافع اور لذات سے جو زندگی کا مقصد ہے محروم ہوگا۔ اور چونکہ گوناگوں اور طرح طرح کے مصائب و آلام میں گرفتار ہوگا۔ لہذا موت کو پسند اور اختیار کریگا۔ مگر چونکہ موت آنے کی نہیں لہذا مردوں میں شمار ہوگا۔ اور نہ زندوں میں داخل ہوگا۔ اس بیان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خیر حیات قلب کے لوازم سے ہے اور اُس کا نہ ہونا شوبہ ہے۔ مگر چونکہ یہ ایک عہد امر ہے لہذا یہ مخلوق الہی نہیں اللہ سبحانہ خالق الہی ہے نہ خالق اعداء۔ اگر اللہ سبحانہ کسی

جسے کہ یہ بانی عطا نہ کرے وہ اللہ سبحانہ کا نظیر یا اسکی جانب سے شریک نہیں کیونکہ یہ ہم محض ہوتے اور اللہ سبحانہ ہم محض کوئی نہیں۔ اور جسے کہے لحاظ سے اس حیثیت کا نہ ہونا شر ہے کیونکہ وہ ایک موقوف ہونے سے تمام ضرورت سے محروم رہتا ہے۔ خداوند نہ ہم شہرہ و بشتہ کی بنائے۔ یہ ہے اور یہ غیر اللہ سبحانہ کی طرف سے اور سب چیزوں کا خالق ہی ہے۔ اور اسکی قضا و قدر اور حکمت سے واقع ہوتی ہیں۔

فصل۔ قدری نے کہا کہ ہم بھی ان سب باتوں کو مانتے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ انسان کو صاحب ارادہ بنایا۔ جسے بھی اس میں یہ غایت رکھتی ہے کہ وہ خاص افعال کا ارادہ کر سکتے ہے۔ لیکن کسی خاص فعل اور جزئی کام کا ارادہ اللہ سبحانہ کا مخلوق نہیں بلکہ اس کو انسان خود پیدا کرتا ہے۔ جبری نے کہا۔ یہ بات غلط ہے کسی خاص کام کا ارادہ حادث اور فوجیہ ہوگا۔ اور کوئی حادث محدث کے بعد پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس اس ارادہ کا محدث یا خود انسان ہوگا یا کوئی دوسری مخلوق پس یہ ارادہ یا وہ ذات جو ہم بشیر و کائنات اور پیدا کرنے والی ہے۔ پہلی دو صورتیں محال اور باطل ہیں۔ اور تیسری صورت متعین نہ تھی کہ اس ارادہ کا پیدا کرنے والا اللہ سبحانہ نہ کرے سو کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خود انسان اپنے ارادہ کا محدث اور پیدا کنندہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اس ارادہ مخصوص کو ارادہ اور اختیار سے پیدا کرے گا یا بول ارادہ و اختیار کے اس سے صادر ہوگا۔ وہ صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ ارادہ مخصوص کا پیدا کرنا اگر دوسرے ارادہ پر موقوف ہے تو اس میں کلام کیا جائیگا کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے اگر خود انسان ہے تو پھر اس کا پیدا کرنا ایک دوسرے ارادہ پر موقوف ہے۔ تو اس طرح تسلسل لازم آجیگا جو محال اور باطل ہے۔ اور اگر اس ارادہ کا صدور کسی دوسرے ارادہ پر موقوف نہ ہو۔ تو انسان سے اس ارادہ مخصوص کا صدور بھی ناممکن اور محال ہے کیونکہ فاعل مختار سے حادث چیز کا بلا ارادہ صادر ہونا محالات سے ہے جب دو صورتیں یعنی انسان کا ارادہ مخصوص کو بلا ارادہ یا بغیر ارادہ صادر کرنا محال ہے۔ تو ثابت ہوا کہ انسان اپنے ارادہ مخصوص کا محدث اور پیدا کنندہ نہیں ہو سکتا۔ اور جب خود انسان اپنے ارادہ کا محدث نہ ہو تو اس ارادہ کا پیدا کرنے والا اللہ سبحانہ ہوگا یا اس کی مخلوقات میں سے کوئی دوسری چیز اس کی خالق ہوگی خالق تختہ کے سوا اگر کوئی چیز محدث ارادہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ صاحب ارادہ ہوگی یا نہ اگر وہ صاحب ارادہ نہ ہو تو وہ انسان کو صاحب ارادہ نہیں بنا سکتی۔ جس میں خود ارادہ نہیں وہ دوسرے کو صاحب ارادہ کیسے بنا سکتی ہے۔

اب اگر وہ صاحب ارادہ ہو تو اس کے ارادہ کے متعلق سوال کیا جائیگا کہ اس کے پیدا کرنے والا کون ہے اور پھر تمام مخلوق کو باطل کیا جائیگا پس جب نہ خود انسان اپنے ارادہ کا محدث ہو سکتا ہے اور

ذکوئی و بری مخلوق چیز کی پیدا کرنے والی ہوتی ہے نہ لایزال و نہ سن۔ کئے راوہ مخصوص کا خالق اور مخدست
 جی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ قدری سے کہا ہماری جماعت نے اس شبہ کے مختلف
 جواب دیئے ہیں۔ باحفظ کا قول ہے کہ انسان اپنے احوال کو بغیر ارادہ پریدہ کرتا ہے بلکہ صرف اپنے علم و
 قدرت سے انکو پیدا کرتا ہے۔ صرف کسی حد کا اپنے حق میں مفید اور اپنے لئے مناسب و موافق جاننا
 اور اس پر وقت اور ہونا اس کے لئے ضرور کے لئے کافی ہے کہ اس ارادہ پر اس کا صدور و موقوف نہیں۔ باحفظ
 مذہب نے ارادہ کا منکر ہے مگر میلان قلب اور شہوت کا انکار نہیں کرتا۔ مگر ساتھ ہی یہ کہتا ہے کہ
 میلان قلب اور شہوت پر صدور فعال موقوف نہیں۔ کیونکہ انسان کبھی ایسے کام بھی کرتا ہے۔ جن کی
 طرف اس کے قلب کا میلان اور طبعی رغبت نہیں ہوتی۔ مگر ہمارے زمرہ کے تمام لوگ انکار ارادہ
 میں نہ خطہ کے شائع ہیں ہماری تمام جماعت بالاتفاق ارادہ حادث کو تو مانتی ہے۔ مگر اس کے سبب
 حدوث میں باہم مخالف ہے بعض کا یہ قول ہے کہ نفس کا صاحب ارادہ ہونا اس کی ایک ذاتی صفت
 ہے۔ اور جو چیز بالذات موجود ہو اس کے وجود کے لئے کسی سبب اور علت کی ضرورت نہیں۔ علت اور
 سبب کی ضرورت وہاں ہوتی ہے۔ جہاں علت کے ثابت کرنے سے کوئی مانع نہ ہو۔ اور جس طرح کہ
 ذات کا صفت ذاتیہ کے ساتھ مخصوص ہونا صفت کے علت کے ثبوت سے ملتا ہے۔ اسی طرح یہاں
 نفس کا صاحب ارادہ ہونا چونکہ ایک ذاتی امر ہے۔ لہذا یہاں علت اور سبب کا توسط جائز نہیں۔
 پس مستر ضیہ کا ہاں کہنا کہ فلاں ارادہ کیوں کیا یا اس ارادہ کا موجب کیا چیز ہے گویا یہ کہنا ہے کہ
 نفس نفس کیوں ہوا۔ اور نفس کے نفس ہونے کا موجب کہا ہے یا آگ کے ٹھونکنے اور حرکت ہونے کا
 باعث کیا چیز ہے اور پانی سیال اور رقیق اور ہوا خفیف کس لئے ہے۔ غرض نفس کا صاحب ارادہ اور
 متحرک ہونا اور نفس کا نفس ہونا دونوں یکساں ہیں اور اس کی حرکت فلک کی حرکت کی طرح خلقی اور فطری ہے
 اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے اس میں دو قسم کا ارادہ پیدا کر دیا ہے یعنی انسان کو اس طور پر
 پیدا کیا ہے کہ وہ خیر اور شر دونوں کا ارادہ کر سکتا ہے۔ پھر وہ اپنی خواہش اور میلان طبع سے ایک کو
 دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ اور اسی طرح اس میں ایک ایسی قدرت پیدا کر دی ہے جس سے دونوں
 قسم کے حکام یعنی خیر و شر کو کر سکتا ہے۔ پس ارادہ اور قدرت کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اور ایک
 کو دوسرے پر ترجیح دینا یا انسان کا کام ہے اور قادر مختار و مساوی امر میں سے ایک کو دوسرے
 پر بغیر کسی مرجع کے ترجیح دے سکتا ہے۔ جیسا کہ پیر آدمی کے سامنے جب ایک جیسے دو پیالے
 رکھ دیئے جائیں۔ تو وہ ایک کو اٹھا لیتا ہے یا کسی بھاگنے والے کو جب دو راستے معلوم ہوں تو وہ

ایک راستے کو اختیار کرتا ہے۔ غرض اللہ سبحا نے ہر انسان میں ارادہ پیدا کر دیا ہے۔ مگر بعض ارادہ سے فعل کا وجود ضروری نہیں بلکہ یہ صرف اُس کے امتحان اور آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اُس کے ارادہ کے خلاف اپر بھی قدرت دے رکھی ہے۔ اور اُس کو یہ بھی امر کیا ہے کہ اپنی خواہش اور ارادات نفسانی کی پیروی نہ کرے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان اپنے ارادہ کا عمل کر سکتا ہے پس ارادہ انسانی کے مخلوق ذلہی سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ارادہ سے فعل کا وجود ضروری ہو جائے۔ اور انسان اُس کے کہنے میں مجبور اور بے اختیار سمجھا جائے۔ اور کچھ یہی بعیری کا قول ہے کہ انسان کے انحال کا صدور روحی محرکات اور قدرت پر وقوف ہے اور دعویٰ نبی مکر خدائے اور قدرت وہ تو کہ اللہ تعالیٰ نے بندے میں پیدا کر دیا ہے۔ پس قدرت اور دعویٰ کے ذریعہ سے انسان اپنے افعال کا مُحدث اور پیدا کنندہ ہے۔ ہماری جماعت نے بھی تین جواب بیان کئے ہیں۔ تثنیٰ بولاکران جوابات سے جبریہ کے اعتراض سے نجات نہیں ہو سکتی اور نہ تم نے انکی دلیل مذکور کئے بطلان کو بیان کیا ہے نہ اُس کے کسی مقدمہ پر حرج و نقض کیا ہے اور نہ اُس کے مقابل میں کوئی اُس سے زیادہ قوی اور زبردست دلیل ذکر کر کے اُس کا ماضیہ کیا ہے۔ اور نہ ہی انہوں نے تمہاری دلیل کے بطلان کو بیان کیا ہے۔ اور وہ بھی تمہارے اعتراض اور الزام کا کافی جواب نہیں دے سکتے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ تمہارے اور اُن کے اقوال یا ہم متعارض و مخالف ہیں۔ سو یہ اعانت حق اور ابطال باطل کے لئے کچھ مفید نہیں بلکہ ان سے تم وہ دو کی غلطی اور راہ صواب سے عدول اور اعراض ثابت ہوتا ہے اس لئے بتوفیق الہی ہم اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ وہ دو کا قول من وجہ خطا اور من وجہ صواب ہے۔ جبریہ کا انتہا کتب واضح اور درست ہے کہ تمام حوادث اللہ تعالیٰ کی مشیت۔ خلق تقضا و قدر سے واقع ہوتے ہیں۔ اور قدری اسکے انکار کرنے میں ہدایت کی مخالفت کرتا ہے۔ کیونکہ بندے کا صاحب ارادہ اور فاعل افعال ہونا ایک حادث اور نوید امر ہے جو پہلے موجود نہ تھا۔ تو اب وہ حال سے خالی نہیں یا تو اُس کے لئے کوئی مُحدث اور پیدا کنندہ ہو گا یا نہیں۔ اگر اس کے لئے کوئی مُحدث نہ ہو تو حادث کا بلا مُحدث پیدا ہونا لازم آئیگا۔ اور اگر اس کے لئے کوئی مُحدث ہے۔ تو اُس کی تین صورتیں ہیں یعنی یا تو وہ بندہ اس کا مُحدث ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا پیدا کرنے والا ہے یا ان دونوں کے سوا کوئی تیسرا شخص اس کو پیدا کرتا ہے۔ اگر وہ بندہ مُحدث ہو تو اس احداث کے سبب کے متعلق سوال کیا جائیگا کہ اس کو کون نے پیدا کیا ہے کیونکہ یہ بھی منجملہ اُس کے افعال میں داخل ہے اور اس طرح تسلسل لازم آئیگا۔ اور وہ یہاں بالاتفاق باطل ہے کیونکہ بندہ حادث اور موجود بعد العدم

ہے تو یہ جائز نہیں ہو سکتا۔ کہ غیر متناہی امور جن کی کوئی ابتداء نہ ہو اسکے ساتھ قائم ہو سکیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا شخص ہو۔ تو چونکہ وہ بھی حادث ہوگا۔ لہذا یہی دلیل جو خود انسان کے محدث نہ ہونے پر قائم کی گئی ہے۔ انہیں بھی جاری کی جائیگی۔ اور جب وہ نوعیت میں باطل ہیں تو نا محالہ ہونے کے ارادہ۔ قدرت، احوال، فعل سب کا خالق اور پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ تمام مقدمات یقینی اور بدیہی ہیں۔ ان میں رد و قدح کی گنجائش نہیں۔ پس جو شخص اس بات کا قائل ہے۔ کہ بننے کا ارادہ اور فاعل افعال ہوتا ہے بغیر سبب موجود ہیں۔ اور خود بندہ محدث افعال ہے۔ اور احوال کے وقت اس میں کوئی تبدیلا پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ جس طرح قبل احوال تھا۔ احوال کے وقت بھی بہ طور ویسا ہی ہوتا ہے بلکہ بغیر کسی سبب و مرجع کے کہ خاص وقت کو کسی معین کام کے پیدا کرنے کے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔ اور بندہ اگرچہ پہلے موجود نہ تھا۔ مگر موجود ہونے کے بعد صاحب ارادہ۔ محدث اور فاعل افعال ہو گیا۔ امدان صفات کو کسی غیر نے انہیں پیدا نہیں کیا۔ تو اس شخص کا قول عقل سے بعید بلکہ صریح عقل کے خلاف ہے۔ اور یہ شخص اس بات کا قائل ہے کہ حوادث کا حدوث بلا محدث ہو سکتا ہے جو تمام اہل عقل کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور تمہارا یہ قول کہ ارادہ علت اور سبب کا محتاج نہیں۔ یہ بھی بالکل لغو اور باطل ہے کیونکہ ارادہ ایک حادث چیز ہے اور کوئی حادث چیز بغیر محدث پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور اسی طرح تمہارا یہ قول بھی باطل اور لغو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اس ارادہ کے واسطے سے صادر ہوتے ہیں۔ جس کو وہ بغیر کسی سبب کے پیدا کرتا ہے۔ اور اس کا کوئی محل نہیں ہوتا۔ تمہارے اس کلام میں تین استحقاقے موجود ہیں۔ ایک کسی حادث چیز کا بغیر سبب پیدا ہونا۔ دوسرا کسی حادث چیز کا بغیر ارادہ حادث ہونا۔ تیسرا کسی صفت کا بنفسہ بغیر کسی محل کے موجود ہونا۔ ایسے فضول اقوال اور دعویٰ یہ کہ ہم صاحب عقل اور نظر ہیں۔ کوئی بات اس سے زیادہ خراب اور کوئی نظر اس سے زیادہ اندھی ہوگی۔ ہم اپنے دعا پر ایک اور دلیل قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ انسان کا صاحب ارادہ ہونا ایک ممکن امر ہے اور ممکن کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہوتے ہیں۔ پس جب تک اسکے وجود کے لئے کوئی مرجع تام نہ ہو وہ موجود نہیں ہو سکتا۔ مرجع کے تین احتمال ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ خود بندہ ہی اس کا مرجع ہو۔ دوم یہ کہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہو۔ سوم یہ کہ ان دونوں کے سوا کوئی اور مخلوق چیز اس کی مرجع ہو۔ بندے اور کسی مخلوق کا مرجع ہونا تو باطل ہے کیونکہ نزج بھی ایک ممکن امر ہے۔ اس کے لئے پھر اند مرجع کی ضرورت ہے اور اس طرح تسلسل لازم ہوگا اور جب یہ دونوں احتمال باطل ہیں۔ تو لامحالہ اس کے وجہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہوتا۔ اور یہی ہمارا دعویٰ تھا

کرے میں، اِدْعُ إِلَى سَبِيلِكَ إِلَى الْمَسْكَةِ اِنِّي مَعَكُمْ فَتَسْتَأْذِنُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَأُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتُحْطَبُ (دائے پھیر پر یہ وقت ہے کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم سے رہنما کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو تم مسلمانوں کو جھٹے رکھو ہم غمگین کا فزون کے دلوں میں دہشت ڈال دیں گے) وقال تعالى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا يٰٓاَلْقَوْلِ الْغَايِبِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (جو لوگ ایمان لائے ہیں انکو کئی بات (یعنی کلمہ توحید کی برکت سے اللہ دنیا میں بھی دایمان) پر ثابت اقدم) رکعت سب سے اور آخرت میں بھی (ثابت قدم رکھیے گا) وقال تعالى لَمْ يَأْتِزَلْ عَلَيْكَ الْكِتٰبُ (وہ اللہ جس نے تم پر یہ کتاب اتاری) وقال تعالى قُلْ نَزَّلَهُ سُبْحًا نُّزُوْحًا اَلْقُدْسُ مِنْ مِّنْ سَبِيْكَ بِالْحَقِّ (اسے پیغمبر تم ان لوگوں سے) کہو کہ حق تو یہ ہے کہ اس (قرآن) کو تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس یعنی جبریل (لیکھ آئے ہیں) وقال تعالى نَزَّلْنٰهُ هَرَجًا لِّعَذَابٍ (عذاب الہی نے انکو اپکارا) فَاصْبِرْ لِّهٖمَا الصَّبْرَ (انکو ایکس بڑی زور کی آواز نے آیا) فَكَلَّا اَخَذْنَا يَدَ نِيْمَةٍ (تو ہم نے سب کو اُنکے گناہ کی سزا) میں دھر پکڑا) فَاصْبِرْ لِّهٖمَا الصَّبْرَ (تو ہم نے انکو ایسا رحمت) پکڑا جیسا زبردست عذاب قدرت پکڑتا ہے) *

پس ان پہلوؤں کو اپنی ذات کی طرف تو اسلئے منسوب فرمایا ہے کہ ان کا خالق اور جال وہی ہے۔ اس کے نسبت اور قضا و قدر سے واقع ہوتی ہیں اور انکو انکے اسباب کی طرف اس لئے نسبت کیا ہے کہ اس نے انکے اسباب کو پیدا کیا اور انکو ان اشیا کے حصول کے لئے ذریعہ بنایا ہے۔ اور ان دونوں نسبتوں میں باہم کوئی منافات و تناقض نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندوں کے اختیاری افعال اس لحاظ سے انکی طرف منسوب ہیں کہ وہ انکی ذات کے ساتھ قائم اور انکے ارادہ کے ساتھ واقع ہوتے ہیں۔ اور باری تعالیٰ کی طرف اس لحاظ سے منسوب ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ ان کا خالق ہے اور اسکی قدرت اور مشیت سے ظہور میں آتے ہیں۔ دونوں کی طرف نسبت جائز اور صحیح اور قرآن کریم میں اسکی نظائر موجود ہیں۔ قال تعالیٰ اِنَّا لَنَّاٰطِقُ الْمَآءِ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجٰسِرِ یٰٓاَیُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كُنتُمْ تَعْلَمُوْنَ (لوگو! نوح کے وقت میں جب پانی کا طوفان آیا تو ہم ہی نے تم کو (یعنی تمہارے بزرگوں کو) کشتی میں سوار کر لیا تھا) اور نوح ۲ سے فرمایا اٰخْبِرْ فِتْنٰتِیْ مِنْ حَتّٰی رَزَقْنٰی الْاُخْرٰی (ترجمہ) (کے جانداروں) میں سے (نوح و مادہ) دو دوسے جوڑے کشتی میں بٹھا لو، اللہ سبحانہ نے تو تم کو کشتی میں سوار کر کے تم کو اپنی طرف تو اسلئے نسبت فرمایا ہے کہ یہ کام اسکی مشیت امر اور اذن سے ہوا۔ اور نوح کی طرف اس اسلئے منسوب کیا کہ وہ اُسکے فاعل و مباشر تھے۔

فصل۔ ہما خط کا یہ قول کہ بندہ اپنے اختیار میں افعال کو بغیر ارادہ پیدا کرتا ہے۔ اور اسکے افعال کے

صدر کے لئے صرف قدرت کافی ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ بندہ کے لئے کوئی صفت ارادہ ثابت نہیں اور جاحظ صفت ارادہ کا بالکل انکار کرتا ہے۔ تو اس کا یہ انکار بالکل سکا بہ یعنی جان بوجھ کر حق صریح کا انکار ہے۔ جو ایسے لوگوں سے جو بدیمانیت کے انکار اور حق کی مخالفت پر کمر بستہ ہوں لہجہ بعید نہیں اور اگر جاحظ کا یہ مطلب ہے کہ ارادہ ایک عریض چیز ہے یعنی مطلوب اور مجبور نہ ہوتا آں کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ عریض مفہوم ارادہ کے لازم سے ہے عین ارادہ نہیں۔ اور ارادہ کو امر عریض قرار دینا یہ ایک دوسرا سکا بہ ہے۔ اس طرح قریب صفات مثلاً قدرت۔ کلام۔ سمع۔ بصر عریض ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ قدرت کا معنی عاجز نہ ہونا۔ کلام کا معنی انگنائہ ہونا سمع کا معنی بہرہ نہ ہونا۔ بصر کا معنی اندھا نہ ہونا ہو سکتے ہیں۔ اور جاحظ کا یہ کہنا کہ بندہ کے افعال محض قدرت اور علم سے واقع ہوتے ہیں۔ ایک تیسرا سکا بہ ہے۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی خاص کام کے کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اور انکی مصلحت سمجھتا ہے۔ مگر اس کے کرنے کا ارادہ نہیں کرتا کہ اس کے کرنے میں کوئی ٹکبھٹ پیش آنے کا یا یہی مطلوب چیز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ غرض محض قدرت اور مصلحت کے علم سے فعل کا وقوع ضرور نہیں بلکہ جب تک اس کا ارادہ نہ کرے واقع نہیں ہوتا۔

فصل۔ قدری جماعت کے ایک دوسرے فریق کا یہ قول کہ نفس کا صاحب ارادہ ہونا اسکی ایک ذاتی صفت ہے جو کسی سبب اور علت کی محتاج نہیں سراسر غلط ہے فرض کیا کہ نفس کے صاحب ارادہ ہونے کی علت کو ہم نہیں پوچھتے مگر یہ پوچھتے ہیں کہ صفت مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اگر مخلوق ہے تو اس کا خالق خود نفس ہے یا وہ ذات پاک جس نے نفس کو پیدا کیا ہے۔ جب خود نفس کسی چیز کا خالق نہیں ہو سکتا۔ تو تو اس صفت کا خالق اور پیدا کرنے والا بھی وہی پروردگار ہے جس نے نفس اور اس کی تمام صفات ہیئت کو پیدا کیا ہے۔ غرض جب نفس اور اس کے جملہ صفات کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور صاحب ارادہ ہونا بھی نفس کی ایک صفت ہے تو اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ صفت فعل کے صدر کا سبب ہے اور سبب کا خالق اور پیدا کرنے والا اور پیدا کرنے والا سبب پیدا کیے والا ہے پس نتیجہ یہ تھا کہ افعال عین اللہ کے حقوق اور سبب شیت۔ قدرت۔ مگر بن سے واقع ہیں۔ اس بات کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو محض خدا اور سبب دھرمی پر قائم ہو۔

فصل۔ تعدی جماعت ایک تیسرے فریق کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے جسے میں کیا ایسا ارادہ پیدا کیا ہے پھر نہ اپنی مرضی و اختیار سے اور ترجیح دینے سے کسی کام کا واقع ہونا اس بات کا منتقنی نہیں کہ وہ کام اللہ سبحانہ کا مخلوق اور اس کی قدرت میں داخل نہ ہو اور اس کے قصداً و قدر سے واقع نہ ہو بلکہ وہ کام اللہ تعالیٰ کا مخلوق و مقدر

اور اس کی قضا و قدر سے واقع ہوتا ہے۔ نیز اسے کوہی قدرت و تبار ہے اگر اللہ سبحانہ اس کی مکراد وقوع نہ چاہتا تو اس نے ارادہ کو اس کی ضد کی طرف پھیر دیتا یہ فرق مرضی اس بات کا انکار کرتا ہے کہ افعال بنا و جب اس کے ایک جانب اختیار کرنے اور ترجیح دینے سے واقع ہوتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے مخلوق و مقدر اور اس کی قضا و قدر سے واقع نہیں ہوتے۔ اگر یہ لوگ افعال اللہ کے مخلوق و مقدر وہی ہونے کا انکار نہ کرتے تو ان کے خلاف میں جو غلطی ہے وہ دور ہو جاتی اور اہل حق و صواب کی جماعت میں داخل ہو جاتے۔ اس مسئلہ کی تعلق تحقیق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے عمل و حکمت بند کو وہ قدرت و ارادہ عطا فرمایا کہ جن کو وہ اپنے نافع اور مفید امور کو حاصل کرنے اور شاید کہ فروع کرنے پر قادر ہو اور باطنی اسباب اس کی اعانت و امداد فرماتی ہے۔ اور قدرت اور ارادہ بھی منجملہ اُن ہی اسباب اعانت میں ہیں۔ اور خبر و شر کے طریقے اور راستے بنا دئے اور تمام راہیں سنبھال دی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے رجوع فرماتے۔ اپنی کتابیں نازل کیں۔ ملائکہ کو بھیجنے فرض مختلف ذریعوں سے انسان کی اعانت فرما کر کوئی جمعہ بانی نہیں پہنچے دی جس سے وہ یہ کہہ سکے۔ کہ مجھے امور خیر کا علم تھا۔ یا انکے کرنے پر قدرت حاصل نہ تھی۔ اس کے علاوہ اس کی نفرت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ بالطبع اپنے منافع سے محبت اور ہزار شیاع سے نفرت کرتے ہیں بلکہ یہ بات تو دوسرے حیوانات میں بھی موجود ہے اس شکر کہ صفت کے علاوہ جو ملک انسان کو بہت سی نافع اور مفید چیزوں کا علی التفصیل علم نہ تھا۔ اور ان میں کئی ایسے نافع اور ضروری امور تھے جن کے جاننے سمجھنے اور انکے کرنے پر انسان کی صلاح و فلاح اور سعادت کا مدار تھا۔ تو تعلیم خاص اور وحی کے بدول ان کا جانتا ممکن نہ تھا لہذا اُس نے اپنی مہربانی سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اُن پر اپنی کتابیں نازل کر کے اپنے بندوں کو وہ تمام کام بتلا دئے جن سے انکی سعادت اور فلاح وابستہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو اُنہوں نے بندوں کو ابتر و حالت میں پایا کہ وہ اُن کاموں سے مالوف و مانوس ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے نفع فرمایا ہے۔ اور اُن کاموں کے نقصان اور ضرر اُن کو پہنچ رہے ہیں۔ لہذا انبیاء علیہم السلام نے انکو آگاہ کیا کہ یہ کام تمہارے لئے نہایت مضر و تہمتی و رنج و غم کا باعث۔ اور خوشی اور مقصود میلی کے فوت ہونے کا سبب ہیں۔ پس انسانی ارادہ میں سعادت و فلاح کی طلب اور ترجیح کیلئے ایک تحریک پیدا ہوئی۔ اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت و لوں کا فوں اور آنکھوں کو اپنی طرف کشش کرنے لگی۔ مگر عادات و رسوم اور رواج کی پابندی اور اُن کا دل کی محبت و الفت کی وجہ سے جن سے طبع پہلے سے مانوس تھے انکی مخالفت کرنے کے لئے نفس کو جیسے بہانے سکھاتے اور انکی مالوف و مانوس امی کی طرف رغبت دلاتے اور متوجہ کرتے کیونکہ بامور اُس کے مرغوب و موصوف طبع۔ نقد موجود۔ راحت مرغوب۔ لذت مطلوبہ۔ لہذا حسب زمینت۔ فخر اور بڑھائی کے اسباب اور سامان میں

مگر ساتھ ہی دوسری اطلاع کی کشش بھی اپنا کام کرتی جاتی تھی سبکی ہا بیت یہ بتاتی تھی کہ اس عالم دنیا کے سوا ایک دوسرے عالم میں تم کو جانا ہے وہاں کی خوشی اور لذت یہاں کی کدھیش و آرام کے پھوڑنے دینا۔ کئے لانت۔ و سرات کے ترک کرنے۔ آفات و تکالیف سے برداشت کرنے۔ نفس کی خواہشوں سے منہ پھیرنے اور خلافت طبع احکام کے سچا کرنے پر وقت ہے اور دوسری طرف یہ دنیا لانت بنیاد ہو۔ تے کہ جو چیزیں دنیا میں موجود ہیں۔ ان سے تو فائدہ حاصل کر لو۔ آخرت کی کیا خبر ہے پس ارادہ کو دو طرفہ کشش ہو رہی تھی۔ کبھی اس طرف متوجہ ہوتا۔ اور کبھی اس طرف۔ اور یہی میدان جنگ اور ہوا و کا مقام ہے جس میں بعض لوگ مقتول ہو جاتے۔ اور بعض قید کئے جاتے۔ اور خوش نصیب لوگ فتنہ مندی اور غنیمت کو حاصل کرتے ہیں۔ تب اللہ سبحانہ اپنے کسی بندے پر اپنی رحمت کرنی چاہتا ہے۔ تو اُس کے قوی اور ارادات کو اُس کے نافع امور کی طرف متوجہ کر دیتا۔ اسکو جیات طیبہ عطا فرماتا اور اپنے ملائکہ کی طرف وحی فرماتا ہے۔ کہ میرے بندے کو ثابت قدم رکھو۔ اور اُسکو ارادہ اور محنت کو میری مرضیات اور طاعت کی طرف پھیر دو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یا ذی قود حی سربلک الی اللہ لکۃ اقری معکم فلیستوا الین من الامنوا (اے پیغمبر یہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار فرشتہ نیکو حکم دے رہا تھا۔ کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو تم سنانوں کو جگاتے رکھو) اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابن آدم کے دل پر ایک اثر فرشتے کا ہے اور ایک اثر شیطان کا ہے۔ فرشتہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خیر کا وعدہ اور اُس کے وعدہ کی تصدیق کی خبر سناتا ہے اور شیطان شر کا پیش آنا بتاتا اور اخی کہ نہ ماننا سکھاتا ہے اور اسکی تصدیق میں اپنے یہ آیت پڑھی۔ الشیطان بعد کمہ الففس و کان مرسکۃ بالفحشاء و اللہ بعد کمہ مغفیر غفرانہ و فتنلا (شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا اور شرم کی بات دیتی ہے) یہ باریختہ کرتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے (تصویروں کی اسالی اور برکت کا تم سے وعدہ فرماتا ہے) اور جب کسی بندے کو اپنی رحمت سے محروم رکھنا منظور ہوتا ہے۔ تو اسکی اعانت۔ تاہم تبشیت (ثابت قدم رکھنا) چھوڑ دیتا اور اس کو نفس کے سپرد کر دیتا ہے کہ جہنم چلے کرے (مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل سے گراہ بنا دیا ہے۔ کیونکہ اُس نے اُسکو ارادہ۔ قدرت عطا فرمایا۔ خیر و شر سے آگاہ کر دیا۔ ہلاکت اور نجات کے سب راستے بتا دئے ہیں۔ اور اس کے بعد اُس کو اُسکے نفس کے سپرد کیا ہے کہ جو چاہے کرے۔ اللہ کی طرف سے کسی کام پر جبر نہیں سب اگر کسی شخص کو اپنے کئے پر کوئی تکلیف پیش آئے۔ تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ قدری نے کہا۔ کہ ارادہ مخصوص جو خاص کام کے صدقہ کو تسلیم ہے اس کا پیدا کرنا والا اور محدث بندہ ہے یا اللہ تعالیٰ اگر اس کا محدث بندہ ہے تو یہ ہمارا مذہب ہے۔ اور اگر اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے تو یہ جبر یہ کا مذہب ہے اور اگر کوئی شخص اُس کا

خالق و محدث نہیں فوجاودث کا حدوث بدوں محدث لازم آیا جو نابابر اور محال ہے مثنیٰ نے جواب دیا کہ بندے کے خاص ارادے جو مخصوص کاموں سے متعلق ہوتے ہیں اپنے حدوث میں باری تعالیٰ کی خاص ناص مشیت کی طرح نہ جوائے۔ انکے حدوث کی موجب ہو محتاج نہیں۔ بلکہ انکے حدوث کے لئے اللہ تعالیٰ کی بذات شئیت عامہ کافی ہے۔ پس سے بند و صاحب ارادہ بنایا گیا ہے کیونکہ مادہ ایک حرکت نفس کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندے کو خلق ہی ایسا بنایا کہ انہیں حرکت نفس پیدا کر دی ہے پس یہ ضرورت نہیں کہ ہر ایک ارادہ اور حرکت نفس علیحدہ علیحدہ شئیت سے پیدا ہوں۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے جاندار چیزوں کو بنفس بنایا ہے۔ اور حیوانات کا ہر ایک اس اپنے حدوث میں جداگانہ شئیت کا محتاج نہیں یا جس طرح کہ پانی میں جاری اور سیال ہونے کی صفت رکھتی ہے۔ اور یہ نہیں کہ پانی کا ہر ایک قطرہ اپنے جریان اور سیلان میں خاص خاص شئیت کا محتاج ہو یا جس طرح کہ فضا کی حرکات ہواؤں کا مختلف اطراف کو چلنا۔ بارش کے قطرات کا برسنا اس طور پر نہیں۔ کہ ہر ایک قطرہ اپنے برسنے یا ہر جزو فلک یا ہوا اپنے حرکت کرنے میں نئی نئی اور جداگانہ شئیت کا محتاج ہو۔ پس اسی طرح نفس کے ارادے بھی منفرد اور علیحدہ علیحدہ جداگانہ شئیت کے محتاج نہیں یا جس طرح کہ خالق نے بندے کو تکلم بنایا ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ کلام کا ہر ایک حرف نئی نئی شئیت سے پیدا ہو۔ غرض اللہ سبحانہ کی شئیت سے یہ ہوا کہ بندے کو صاحب ارادہ و شئیت بنایا اور یہ مشیت اور ارادہ ضدیں سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ یعنی بندہ خیر و شر ہر ایک کا ارادہ کر سکتا ہے۔ اور جب اسکو اپنے کسی بندے کو راہ راست پر لانا منظور ہوتا ہے۔ تو اس کے ارادہ و شئیت اور دواعی کو معاش و معادہ دونوں کی اصلاح کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ اور جو کسی کو گمراہ رکھنا منظور ہوتا ہے۔ تو اس کو اس کے نفس کے سپرد رکھ دیتا اور اس سے اپنی اعانت و امداد کو روک دیتا ہے۔ اور چونکہ نفس باطبع متحرک اور صاحب ارادہ ہے لہذا وہ کسی مراد اور محبوب کو طلب کرتا ہے کہ وہ اس کا معبود اور خداوند ہو پس اگر اللہ سبحانہ کو اپنا معبود و خداوند نہ سمجھتا۔ تو ضرور کسی اور چیز کو اپنا معبود اور خداوند ٹھہرا لیتا۔ کیونکہ حرکت و محبت اس کی ذات کے لازم سے ہے۔ پس اگر اپنے حقیقی رب اور خالق سے محبت نہ ہوگی اور نہ اسکی پرستش اختیار کریگا۔ تو ضرور کسی اور چیز سے محبت پیدا کریگا۔ اور اس کی پرستش کرنے لگے گا۔ اور اسی طرح جب ان کاموں کی طرف متوجہ نہ ہوگا جن سے اس کی معاد کی اصلاح و اہمیت ہے تو چونکہ اسکی فطرت اور حقیقت بیکار نہیں بنائی گئی لہذا ضرور ایسے کاموں میں مشغول ہوگا۔ جو معاد میں اس کے حق میں مضر اور اس کی آخرت کو بگاڑ دینا ہو گئے۔ یہاں پر اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ بندے کی ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ تعالیٰ کی شئیت

پر نہ توجہ دے۔ اور اسکی مشیت بغیر کمرہ نہیں ہو سکتا۔ تو اسکی جواب یہ ہے کہ گمراہی اور ہمت کا اسکی مشیت پر توقف اور اس سے منعلق ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جیسا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے تو اسکو اس کے اپنے خیالات و ارادات میں مار رہنے دیتا ہے۔ کہ جو پہلے کمرے اور جب بد ہدایت کرنی چاہتا ہے تو اس کے خیالات و ارادات کو اپنی طرف پھیر لیتا اور قبلی ہدایت کے موانع کو اس سے ہٹا دیتا اور اپنی طرف سے اسکی اراد و غایت فرماتا ہے اور یہ اعانت و اراد اس کے مانع نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اراد تو سب کے لئے یکساں ہے کہ ہر ایک کو عقل و کمال۔ آنکھ عطا فرمائے کچھ بوجھ بخشی۔ انبیاء علیہم السلام کو سب کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ اور اسی طرح اپنی کتاب میں سب کی تعلیم و ہدایت کے لئے نازل فرمائی ہیں۔ اس میں اور

دوسرے گمراہ افراد میں اتنا فرق ہے کہ اس لئے قبول ہدایت کے موانع کو رد کر دیا اور ان کو اس کے لئے خیالات میں رکھا جو ان کے واسطے راہ راست پر آئے اور قبول حق سے مانع ہو گئے۔ اور یہ سب کچھ اللہ سبحانہ کی مشیت اور قدرت سے واقع ہے۔ موجودات میں سے کوئی چیز اس کی مشیت و قدرت اور حکم سے باہر نہیں لیکن اس کی عادت یوں جاری ہے کہ تمام چیزوں کو سیلاب اور حکمتوں سے پیدا کرتا ہے۔ اگر فرقہ جبر یہ اسباب اور حکمتوں کے قائل ہو جاتے تو ان پر اس مسئلے کا عقد چل ہو جاتا۔ اور فرقہ قدریہ تمام کائنات کی نسبت اگر یہ کہے کہ سب کچھ اسکی مشیت و قدرت اور خلق سے واقع ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ کے افعال کو حکمتوں۔ مصالح اور غایات محمودہ پر مبنی قرار دیتے تو ان پر بھی یہ مسئلہ واضح اور روشن ہو جاتا۔ اور توفیق اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔

اکیسواں باب

اس امر کے بیان میں کہ قضائے الہی شریعت سے منزه اور پاک ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ وَمَبْدِئُ الْخَلْقِ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اے پیغمبر تم تو یہ دعا مانگو کہ اے خدا اسے ملک کے مالک تو دے ہی جس کو چاہے سلطنت

دے اور تو وہی آپس سے چاہے سلطنت پھریں۔ لے اور تو وہی جس کو چاہے عزت دے اور تو وہی جسے چاہے
 ذلت دے۔ (ہر طرح کی خیر و خوبی تیرے ہاتھ میں ہے۔ بیتک تو ہر چیز پر قادر ہے) اللہ تعالیٰ اس
 آیت کے شروع میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مملکت کلی اور اصلی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں کسی
 دوسرے کو شرکت نہیں۔ اور نیز اس میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ مملکت (ظاہری) جسے چاہے وہی عطا
 کرتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔ کسی دوسرے کا اس میں کوئی تصرف نہیں۔ غرض مملکت
 حقیقی کا وہی مالک اور مملکت ظاہری کے عطا کرنے اور اسکے حسم لینے میں وہی متصرف ہے۔ اور
 نیز اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہی جسے چاہے طرح طرح کی عزت بخشا اور جس کو چاہے اُسے عزت
 کو رو کر کے ذلت کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے۔ اور تمام غیرات اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی دوسرے کو
 اس میں کوئی شرکت و اختیار نہیں۔ اور اس آیت کو جملہ اَنَّاكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ختم کیا ہے۔
 خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مملکت حقیقی کا وہی مالک اور مملکت
 ظاہری میں وہی متصرف ہے اور اُسی قدرت تمام چیزوں کو مادی ہے۔ اور یہ تمام تصرفات اُسی کے
 اختیار میں ہیں۔ اور ہر سب کے خیر میں۔ اور جس سے چاہے مملکت کو چھین لینا یا جسے چاہے
 اُسکو ذلت میں رکھنا اس کی نسبت سب خیر میں۔ گو مملکت کا چھین لینا یا ذلت میں رکھنا اُس شخص کی
 نسبت جس سے مملکت کو چھین لینا یا اُسکو ذلت میں رکھا ہے شر اور بُرا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی نسبت
 سب خیر ہے کیونکہ یہ تصرفات اُس کے عدل و فضل و حکمت اور مصلحت مبنی کے آثار ہیں۔ پس ہر
 حکمت و مصلحت کے لحاظ سے سب خیر ہیں۔ ان سب پر وہ قابل حمد اور لائق ثناء ہے۔ اور اُس کی
 ذات پاک شریعہ منورہ اور مقدس ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فقہاء نماز میں ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ثنا کہا کرتے تھے۔ کہ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں
 مانہ ہوں اور تیری اطاعت کے لئے موجود ہوں۔ اور تمام غیرات تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اور کوئی شے تیری
 طرف منسوب نہیں۔ میں تیری ہی توفیق اور اعانت سے نیک کام کر سکتا ہوں۔ اور تیری ہی طرف متوجہ
 ہوتا ہوں۔ تیری ذات بابرکت اور متعالی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی نسبت شریعہ پاک اور منورہ ہے
 اور جو کچھ اُس کی طرف منسوب ہے سب خیر اور برکت ہے اور جو چیز منسوب ہے وہ اُنکی طرف منسوب اور
 منہ اف نہ ہونے کے سبب شر اور بُرائی ہے۔ اُن کی طرف منسوب ہونہ و شر میں۔ چنانچہ اس کا
 بیان عنقریب آئے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مملکت خیر اور شریعہ نیک و پاک ہے۔ پس ہر شے اُس کے ہاتھ میں ہے۔ جس
 کے فعل و رزق میں کوئی شر نہیں۔ بلکہ اُس کا فعل و خلق قضا و قدر سب خیر میں۔ اور ہر واسطے

اللہ سبحانہ عظمیٰ کسی چیز کو ایسے محل میں رکھنے سے جس کے وہ لائق نہ ہو پاک ہوتا ہے۔ پس وہ تمام چیزیں دیا کو اس کے
 مناسب واقع میں رکھتا ہے۔ لہذا یہ سب خیر ہیں۔ اُس کے کسی محل میں نہ موجود نہیں اور نہ شریک کا یہ خیر ہے
 کہ کسی چیز کو ایسے موقع میں رکھا جائے نہ جو اس کے مناسب نہ ہو۔ سو حسبِ اقدار و امانہ نامہ اشیاء کو اُن کے
 مناسب موقعوں پر رکھتا ہے۔ لہذا اُس کا کثرتی کام شریعت نہیں اور نہ کسی شریعت کو اسکی طرف نسبت کرنا
 جائز ہے۔ اور اُس کے ہمارے حصے اس پر ثابت ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے پرستار ہیں۔
 سلام۔ عَزَّوَجَلَّ۔ جَبَّارٌ۔ مُتَكَبِّرٌ۔ خَلْقُوكَ يَوْمَ كَافِرًا۔ یعنی۔ یہ ہے کہ وہ تمام شرور و نقصانات
 اور عیوب۔۔۔ سے پاک اور منزہ ہے۔ چنانچہ مغفرت رکھتے ہیں کہ وہ تمام عیوب۔۔۔ سے پاک اور تمام
 ایسی صفات سے جو اُس کے شان کے لائق نہیں منزہ ہے اور اہل لغت کا بھی یہی قول ہے۔
 کیونکہ اس کلمہ کے اصلی معنی طہارت اور نراہرت کے ہیں۔ چنانچہ نسبت المقدس کو بھی اسی وجہ سے
 مقدس کہا گیا ہے کہ اُس میں عبادت کرنے سے آدمی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص
 صرف نماز پڑھنے کے ارادہ سے وہاں چلے اور وہاں نماز پڑھے۔ تو دو گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا
 ہے جس طرح کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن اُنہوں سے پاک نکلا۔ اور نسبت کو خلیفۃ اللہ
 اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آفات و تکالیف دنیا سے پاک ہے۔ اور جبیل علیہ السلام کو روح القدس
 اِس واسطے کہا گیا ہے کہ وہ تمام عیوب سے پاک ہے اور ملائکہ کے اِس قول اِنْ هُوَ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ عِندِیْ
 وَتَقَدَّرَ مِنْ لَّدُنِّیْ اَنْ اُفِیْکَ اَنْ اُفِیْکَ اَنْ اُفِیْکَ اَنْ اُفِیْکَ اَنْ اُفِیْکَ اَنْ اُفِیْکَ اَنْ اُفِیْکَ اَنْ اُفِیْکَ
 تقدس لک ہے اِس کے بعض مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہم اپنے افوس کو تیرے سامنے
 پاک کرتے ہیں۔ مگر اُس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ ہم تیری ذات کو اُن تمام صفات سے جو تیری ذات کے
 لائق نہیں منزہ اور پاک جانتے اور تیرا تقدس بیان کرتے ہیں۔ جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ ابن جریر
 کا قول ہے کہ ہم تیری ذات کو اُس صفت کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کے ساتھ تیری ذات مقدس
 موصوف ہے یعنی تیری ذات اُن تمام معیوب اور آلاتوں سے پاک ہے۔ جو کفار تیری طرف نسبت کرتے
 ہیں۔ اور صالح کا قول ہے کہ ہم تیری عظمت اور مجد کو بیان کرتے ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ ہم تیری
 عظمت اور کبریا کو بیان کرتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ہم تجھے بُرائی سے پاک ٹھہراتے ہیں اور اُس
 کو تیری طرف منسوب کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اسی واسطے یہ جملہ دوسرے جملہ شیخ و محدث کے ساتھ ملایا گیا
 ہے کیونکہ تہجیح کے یہی معنی ہیں کہ اللہ سبحانہ کو تمام بُرائیوں سے پاک اور منزہ قرار دینا۔ میمون بن مہران
 کا قول ہے کہ تھان اللہ ایک ایسا کلمہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر اور بُرائی سے اُس کے پاک ہونے پر

ولالت کرتا ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اُس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کو تمام برائیوں سے پاک ٹھیرانا۔ لعنت میں اس کلمہ کا اسنی معنی دوہرنا ہے چنانچہ محاورے میں بولتے ہیں سجت فی الارض یعنی میں زمین میں دوہر چلا گیا۔ اور مَعْنٰی فِيْ ذٰلِكَ كَيْفَ يَنْجُوْنَ (سب اپنے اپنے مدار یعنی گھیرے) میں (پڑے) تیرے ہیں) اسی محاورہ کے موافق ہے غرض جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی ثناء اور بُرائی سے اُس کا تقدس بیان کیا۔ تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اسمِ سلام ہے اور اُس کے یہ معنی ہیں کہ وہ تمام عیوب اور نقائص سے سلامت اور بچا ہوا ہے اور لفظ سلام میں یہ خوبی ہے کہ اس میں برکت لفظِ سالم کے ساتھ ہے یعنی وہ تمام عیوب سے نہایت بچا ہوا ہے۔ اس اسم کے آثار میں سے یہ بات ہے کہ اُسکی مخلوق اُس کے ظلم سے سلامت اور بچی ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم اور ستم کے ارادہ اس کے ساتھ موسوم ہونے اس کے کرنے اور اسکی طرف منسوب ہونے سے سالم اور بچا ہوا ہے۔ پس وہ صفات اور افعال اور اسمائے نقص سے سالم اور اپنی مخلوق کو ظلم سے بچانے والا ہے اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو فرمایا ہے کہ وہ سلام ہے اور جنت کو دار السلام فرمایا ہے اور اہل جنت کا تحیہ سلام بتایا ہے۔ اور اپنے نیک بندوں کی صفات میں ذکر کیا ہے وَ اِذَا خَاطَبْتَهُمُ الْمُجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (اور جب جاہل اُن سے دجالت کی باتیں کرنے لگیں تو اُنکو سلام کریں) ان سب کے یہی معنی ہیں کہ یہ اشیاء عیوب سے سالم اور بچی ہوئی ہیں اور اسی طرح اس کا اسمِ کبر اور متکبر ہے۔ ان کے معنی کے متعلق قتادہ وغیرہ کا یہ قول ہے کہ اُس کی ذات بُرائی اور شیئات سے بزرگ اور برتر ہے۔ مقابل کا قول ہے کہ وہ ہر بُرائی سے پاک اور برتر ہے۔ ابوحاق کا قول ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ظلم کرنے سے پاک اور بزرگ ہے اور اسی طرح اس کا اسمِ عزیز ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے لئے عزت کاملہ حاصل ہے۔ اور منجملہ کمال عزت کے یہ بات ہے کہ وہ تمام بُرائیوں شرور اور عیوب سے پاک ہے کیونکہ شر اور عیب کا موجود ہونا کمال عزت کے خلاف ہے اور اسی طرح اس کا اسمِ علی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر بُرائی عیب اور نقصان سے بلند اور پاک ہے منجملہ اس کے کمال علو اور بلندی کے یہ بات ہے کہ کوئی چیز اُس پر غالب اور کوئی شے اُس کے اوپر نہیں بلکہ سب چیزوں پر وہی غالب اور تمام اشیاء پر وہی فائق ہے اور اسی طرح اس کا اسمِ حمید ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمام حمد کا مستحق وہی ہے۔ پس اُس کی کمال محمودیت اس بات کی مقتضی اور موجب ہے کہ کسی شر۔ نقص اور بُرائی کو اُس کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ اُس کے اسماء صفات اور افعال میں سے کسی کی طرف بھی شر کو نسبت نہ ہو غرض اُس کے اسماء حسنہ شر ظلم اور بُرائی کو اُس کی طرف منسوب کرنے سے مانع ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ بات ہے کہ تمام چیزوں کا خالق وہی ہے۔ بندوں کے ذوات۔ صفات۔

افعالی حرکت اور اتوال سب کا خالق مری ہے۔ اور بزرگ جب کسی قبیح اور نکرانہ کلام کو کرتا ہے۔ تو وہ فاعل شر
 و مہم سب برائی ہوتا ہے۔ اور اس کلام کا فاعل ارتقا ہے ہی اس سے جانتا ہے کہ یہ فاعل بنا نا اس کے عدل
 بنکند پرستی ہے جو ہر امر میں اس کے خیر اس کو اس کلام کا فاعل بنا یا محض خیر ہے۔ کہ منقول شر اور قبیح ہو۔
 کیونکہ اگر خداوند سبحان نہ اس کے فاعل بننا نہ میرا اپنی نسبت کا مد سے ایک چیز کو اپنے خدا سے حق پر رکھا ہے
 جس پر وہ قابل حمد و تعریف ہے نہ غرض فاعل بنا یا محض خیر حکمت اور مصلحت سے گوید سے اس
 جس خاصہ در پیب نفس اور شرب ہے۔ اور یہ بات بنا یا عقل کے موافق اور شاہد کے ثابت ہے نہ ملو دیکھو
 کہ گونا گویا سبھی کا ایک اثر ہی ملے یا تو تاہا۔ ایضا ہر امر اپنے ایک ایک جگہ پر لگتا ہے جو اس کے
 اثر اور سب ہوتا ہے کام اس کی حکمت اور تعلیم دی یہ دلالت کرتا ہے جس پر وہ قابل حمد و تعریف ہے
 اگر مکان میں کوئی کچی نقص با عیب ہو تو اس سے مکان کی خوبی پر دھبا ہے۔ مگر گاہیک کا اس کی کچی میں
 شیشی ملے لگا نا یا شگاف میں ٹوٹا ہوا پتھر جوڑنا یا درار کو اینٹ کے ریزوں سے بھرتا۔ کئی کمال حکمت
 اور تعلیم دی کی بات ہے کیونکہ جو شخص غراب چیز کو اس کے مناسب مرقعوں پر رکھے تو یہ اس کی حکمت اور عدل
 ہے۔ یو قوی اور ظاہر تو یہ ہے کہ شیشی کو اس کے مناسب مرقع میں لکھا جائے۔ پیر جو شخص عامہ کو سر پر بٹھے
 ہو تا تو پاؤں میں ڈالے سر کو آنکھ میں لکھا ہے۔ کوزہ کو کڑے کے ڈھیر پر ڈالے۔ تو اس نے
 ہر ایک چیز کو اس کے مناسب مرقع پر لکھا ہے نہیں تھا جاتا کہ اس نے جو کچھ اور کڑے کرکٹ پر ظلم کیا کہ انکو
 بدل جگہ میں لکھا کہ سب انکی جگہ پاؤں اور میرا ہی ہے۔ تو انکو اسی جگہ میں کتنا حکمت اور عدل ہے۔
 اللہ سبحانہ کے اسماء میں اسم ال اور حکیم ہے۔ جن کا قصی یہ ہے کہ وہ ہر ایک چیز کو اس کے مناسب
 مرقع پر رکھتا ہے غرض اللہ سبحانہ تمام چیزوں کے پیر کرنے اور ہر ایک کو اس کے مناسب محل میں رکھنے
 میں بحسن و بجا و حکیم اور عادل ہے۔ خلق اور امر و فو اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ سبحانہ اسی کام کا علم
 کرتا ہے جو نافع اور مفید ہو۔ اور مصلح کی تعبیل و تکمیل کا ارشاد فرماتا ہے۔ اور مفاسد کی تعلیل اور انکے
 چھوڑنے کا حکم کرتا ہے۔ اور جب وہ کام باہم متعارض ہیں تو امن اور صلح کو ترجیح دیتا ہے۔ شریعت
 میں کوئی ایسا امور یہ کلام نہیں کہ جس کے کرنے میں بندے کے حق میں برکت نہ کرنے کے بہتری ہو اور
 کوئی سنی عمل کام ایسا نہیں ہے کہ اس کے نہ کرنے میں برکت نہ کرنے کے بھلائی نہ ہو۔ یہاں پر اگر کوئی
 شخص پیشہ پیش کرے کہ جب امور بہ کا وجود بہ نسبت عدم کے بندے کے حق میں بہتر ہے۔ اس کی مشیت
 انکے وجود سے کیوں متعلق نہیں ہوتی۔ اور نیز جب منہی عدم کا عدم اچھا ہے۔ تو اس کے وجود سے اس کی مشیت
 کیوں متعلق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت عامہ سے تمہارا یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے کہ امور بہ کے کرنے

اور منیٰ حمد کے ذکر کرنے میں بندے کے حق میں بہتری ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا قاعدہ بالکل صحیح اور اس پر یہ نقص وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ مذکورہ کے کرنے میں بہ نسبت نہ کرنے کے بندے کے حق میں ضرور بہتری ہوتی ہے۔ مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسکے علم میں یہ ہو تا ہے کہ اس کام کے کرنے سے ایک دوسرا کام جو زیادہ اچھلے ہے فوت ہو جائیگا لہذا اس کے وجود سے اس کی مشیت متعلق نہیں ہوتی اور اسی سے منیٰ حمد کا نہ کرنا ضرور اس کے حق میں مفید ہوتا ہے لیکن کبھی اس کے علم میں یہ ہوتا ہے کہ اس کے کرنے سے بندہ فلاں اچھے کام تک پہنچ جائیگا اور یہ اس کے لئے وسیلہ اور سبب ہو جائیگا۔ لہذا اس کے وجہ سے مشیت متعلق ہو جاتی ہے +

تقدیر اور شرع کے مجتمع اور جد امونیکے بانی نشانہ اللہ ہم تقیر کو پوری طرح بیان کریں گے

اللہ سبحانہ جس کام کے کرنے کا حکم فرماتا ہے تو وہ اسکے نزدیک مجبوریہ و پسندیدہ ہوتا ہے اور جو کام اس کو مجبوریہ و پسندیدہ ہو۔ اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر ہوتا ہے۔ اور جن کاموں سے اللہ سبحانہ نے منع کیا ہے وہ کام اس کے نزدیک برے اور بغض میں ہیں اور جو کام اسکے نزدیک بخیر و پسند میں ہیں ان کا عدم ان کے وجود سے بہتر ہے یہ قاعدہ بعض افعال کی ذمہ داری کی طرف لحاظ کرنے سے ہے اور اس کاٹا سے کہ بعض کام کسی دوسرے اچھے یا برے کام کی طرف وسیلہ ہو جاتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے ان کا دوسرا حکم ہے۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کاموں کو اختیار کریں جو احسن اور اچھے ہیں۔ احسن اور اچھے وہی کام ہیں۔ جن کے بھلائے کا اس نے امر فرمایا ہے۔ پس ماہر بہ کام ان کاموں سے اچھے نہیں جن سے اُس نے منع فرمایا ہے۔ اور پس طرح کہ امر اور شرع کے متعلق اللہ سبحانہ کا یہ قانون اور عادت جاری ہے۔ اسی طرح خلق۔ قضا و قدر کی نسبت بھی یہی طریقہ اور عادت ہے۔ یعنی جس چیز کے پیدا کرنے یا جس کام کے کرنے کا اللہ سبحانہ نے ارادہ فرمایا ہے۔ اس چیز کا پیدا کرنا اور اس کام کا کرنا اس چیز کے نہ پیدا کرنے اور اس کام کے نہ کرنے سے بہتر اور اچھا ہے اور اسی طرح جس چیز کے نہ پیدا کرنے یا جس کام کے نہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اس چیز کا نہ پیدا کرنا اور اس کام کا نہ کرنا اس چیز کے پیدا کرنے یا اس کام کے نہ کرنے سے اچھا اور بہتر ہے۔ اور جس چیز کا عدم اس کے وجود سے بہتر ہو تو اس کا دھوکہ شہ ہے اور اللہ سبحانہ شرک نہیں کرتا۔ بلکہ وہ شر سے منزہ اور پاک ہے اور شر اس کی طرف منسوب نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال پیش کرے کہ اللہ سبحانہ نے شر کو پیدا کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا پیدا کرنا شر نہیں کیونکہ خلق

اللہ سبحانہ کی ایک صفت ہے جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور شرکاء اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہونا اور اس کا اسکے ساتھ موصوف ہونا محال ہے۔ اور مخلوق میں جو شر موجود ہے تو یہ اس لئے ہے۔ کہ یہ اس کی طرف مضاف اور مشبہ نہیں اور خلق اور فعل اللہ سبحانہ کی طرف مضاف و مشبہ ہے لہذا یہ محض خیر ہے اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق ہو وہ سب خیر ہے۔ اور جس چیز سے اس کی مشیت متعلق نہیں ہوتی وہ اپنے عدم اصلی پر باقی اور شر ہے کیونکہ تمام شر عدم میں اور ان کا سبب یا تو بندہ سے کی جمالت یعنی عدم علم ہے یا ظلم یعنی عدم عدل ہے اور بندے کو شر کے کرنے پر تکیلیفیں پیش آتی ہیں ان کا سبب یہ ہے کہ اس کا مادہ خیر است اور لذات کے قبول کرنے کے لئے قایل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی یہ ہتھسار کرے کہ بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ خیرات سب کے سب وجود اور اس کے لازم میں سے ہیں اور شر وہ چھتے ہیں وہ سب عدم اور اس کے لازم میں سے ہیں۔ اور وہ جو خیر ہے اور شر محض عدم ہی کا نام ہے۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ اس کلام میں اجمال ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جو کچھ اللہ سبحانہ نے پیدا کیا ہے۔ اس کے پیدا کرنے میں خیر ہے اور اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر ہے۔ اور جس چیز کو پیدا نہیں کیا۔ تو وہ اپنے اصلی عدم پر باقی ہے اور اس میں کوئی خیر نہیں کیونکہ اگر اس میں خیریت اور بہتری ہوتی تو اس کو ضرور پیدا کرتا۔ اس لئے کہ تمام خیرات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ تو صحیح ہے کیونکہ جو چیزیں معدوم ہیں۔ اور ان کے وجود سے اللہ سبحانہ کی مشیت متعلق نہیں ہوتی وہ شر ہیں۔ اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں وجود کو لازم ہوں وہ سب خیر اور جو عدم کو لازم ہوں وہ تمام شر ہیں۔ تو یہ صحیح نہیں کیونکہ کبھی وجود کو شر مروج اور عدم کو خیر رائج لازم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آگ۔ بارش۔ گرمی۔ سردی۔ - خالہ باری۔ برت اور حیوانات کا وجود کہ یہ سب موجود چیزیں ہیں۔ کہ ان کو شر جزوی جو بہ نسبت ان خیرات کے جو ان کے وجود میں پائے جاتے ہیں بہت کم اور مروج ہوتا ہے۔ لازم آجاتا ہے مثلاً بارش میں ہزاروں منافع ہیں۔ مگر اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی بکس بیوہ کا مکان گر جاتا ہے اور اسی طرح مامورہ کاموں کے ادا کرنے میں تھوڑی سی تکلیف و مشقت پائی جاتی ہے جو بہ نسبت ان خیرات کے جو ان کے اندر رکھے گئے بہت کم ہوتی ہے۔

فصل۔ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ شر دو قسم ہے ایک شر محض حقیقی جو من کل الوہ بہ شر ہے۔ دوسرا شر اضافی جو من وجہ شر اور من وجہ خیر ہے۔ ان میں سے قسم اول کا وجود نہیں کیونکہ اگر اس کا وجود ہو تو وہ شر محض نہیں ہوگا۔ اب قسم دوم موجود ہوتا ہے۔ اور جن امور کو شر کہا جاتا ہے۔ ان کے دفع میں امور عذابہ اور وجودیہ پھر امور عذابہ کے چار قسم ہیں اول کہ کسی چیز کے وجود کے لئے جو ضروری

امور میں ان کا عدم ہو۔ دوم یہ کہ کسی چیز کے دوام و وجود کا لئے ضروری امور میں ان کا عدم ہو۔ سوم یہ کہ کسی چیز کے کمال کے لئے جو ضروری امور میں ان کا عدم ہو۔ چہارم یہ کہ ایسے امور کا عدم ہو جو کسی چیز کے وجود۔ بقا یا کمال کے لئے ضروری نہیں۔ گو ان کا وجود اس چیز کے حق میں نہ کہ عدم سے بہتر ہو۔ پس یہ تمام چار قسم ہیں۔ قسم اول یعنی ان امور کی مثال جو کسی چیز کے وجود کے لئے ضروری ہیں مثلاً حسن حرکت اور نفس۔ ہرے حیوانات کے وجود کے لئے ضروری ہے۔ قسم دوم کی مثال غذا کا کھانا اور نشوونما پانا جو حیوانات کے بقا کے لئے ضروری ہے۔ قسم سوم کی مثال قوت صحت۔ سمع و بصر جو حیوانات کے کمال کے لئے ضروری ہے۔ قسم چہارم کی مثال وقایع ملو کو معلوم کرنا کہ جن کا علم جبل سے اچھا ہے۔ گو یہ ضروری نہیں۔ اور امور وجودیہ جو من وجہ شر ہیں۔ وہ تمام چیزیں ہیں جو اشیاء کے حیات۔ بقا اور کمال کے لئے مضر اور مخالف ہیں مثلاً امراض اور آگ کے اسباب اور غیر وہ چیزیں جو حصول خیرات اور محل قابل میں آئیں۔ ان کے پہنچنے سے نافع ہوتی ہیں۔ مثلاً رومی مائے جو غذا کو اعضا سے بدن تک پہنچنے اور اس کا فائدہ حاصل کرنے سے مانع ہوتے ہیں۔ یا باطل عقیدے اور فاسد خیالات جو صحیح علوم اور سچے قائد حاصل کرنے سے رک جیتے ہیں۔ اس تفصیل کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ امور جو کہ اشیاء کے وجود بقا یا کمال کے لئے ضروری ہیں۔ ان کا عدم اور نہ ہونا شر بالذات ہے۔ اور اس عدم کے لئے کئی ایک لازم و جودی ہیں جو وہ بھی شر ہیں۔ کیونکہ عدم علم کو جبل اور عدم عدل کو ظلم لازم ہے۔ جو شر اور جودی امور ہیں۔ اور عدم صحت و اعتدال کو دزدانہ تکلیف لازم ہیں۔ جو شر اور جودی چیز ہیں۔ اور ان امور کا عدم جو حیات۔ بقا یا کمال کے لئے ضروری نہیں جیسے کثرت مال یا ایسے علوم کا نہ ہونا جن کا نہ جانتا سفر نہیں تو یہ عدم حقیقت شر نہیں اور نہ اس کا وجود شر کا سبب ہے کیونکہ علم اور کثرت مال بذات خود شر کے سبب نہیں۔ بلکہ بعض دیگر صفات جو باعث خیر ہیں مثلاً عفت۔ سیر۔ اور عدل ان کے نہ ہونے سے غنی اور کثرت مال وسیلہ شر ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح حکمت اور سلیمہ دانی کے نہ ہونے سے علم موجب شر ہو جاتا ہے۔ اس لئے لازم ہوا کہ شر صرف عام پرترقب ہوتا ہے اور موجود اپنے موجود ہونے کے لحاظ سے نہ تو شر ہے اور نہ باعث شر ہے پس امور جودیہ بقاءت خود شر نہیں بلکہ وہ بالترجیح۔ بالعرض اور اس وجہ سے شر ہوتے ہیں۔ کہ وہ ایسے امور کے عدم کو متضمن ہوا کرتے ہیں۔ جو کہ نافع یا ضروری ہوں۔ اگر ان کی قلت یا انہیں ہے جو کسی دوسرے امر کے لئے کمال نہ اور پس لحاظ سے وہ کمال ہے۔ اس لحاظ سے ضروری نہیں کہ بعض امور۔ کہے لحاظ سے وہ شر ہیں مثلاً ظلم جو قوت غضب سے صادر ہوتا

ہے۔ اس قوت کا مقتضی یہی ہے کہ ایک ذریعہ سے انسان دوسرے پر غالب ہو اور اس کا کمال اسی میں مقصور ہے۔ اور اسی واسطے خالق نے اُس کو پیدا کیا ہے۔ پس اس کا اثر یعنی قہر اور غلبہ اگر اس پر مترتب ہو تو موجود ہونے کے لحاظ سے اس میں کوئی شرم نہیں۔ بلکہ اس کے اثر کا اس پر مترتب نہ ہونا شر اور برائے کیونکہ اس صورت میں یہ قوت عاقل و غنیف اور مقہور ہوگی۔ بلکہ ظلم اس میں بہت سے شرم ہے کہ اس میں مظلوم کی جان یا مال کا نقصان پایا جاتا ہے۔ کہ ظالم نے اپنے قوت اور غلبہ کو اپنے موقع پر بظاہر نہیں کیا۔ مگر اس قوت اور غلبہ کے ظاہر کرنے میں کوئی شرم نہیں۔ بلکہ اُس کو بے موقع ظاہر کرنے میں شرم اگر کسی قوت اور غلبہ موذی یا فوری اور تکلیف دینے والے اور ظالم آدمیوں کے ذریعہ کرنے میں خرچ کیا جاتا تو یہی خیر ہوتا لیکن بے موقع خرچ کرنے سے کہ عدل و انصاف کے بجائے قہر و غلبہ کو اور شرم شے بیکہ بیکہ سختی اور تندی کو صرف کیا۔ لہذا اس میں برائی پائی گئی۔ تو مت غصیہ نہایت خود باس پر اس کے اثر یعنی قہر و غلبہ کا مترتب ہونا فی نفسہ شر اور برائیں بلکہ اُس کے اثر کو بے موقع ظاہر کرنا برائے اور اس کی مثال اس طرح پر ہوتی ہے۔ کہ ایک نہر کا پانی ایک زمین کو سیراب کرتا ہے جس سے نمایاں طرح کی فصاحت اور مفید چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اُن سے آدمیوں دوسرے جانوروں کو فائدہ پہنچتا ہے پس اس پانی کا کمال اور خوبی یہی ہے کہ اُس نہر کے راستے سے اُس زمین کو سیراب کرے۔ اور اگر وہ نہر بہت چھوڑ کر ایک دوسرے راستے سے جاری ہونے لگے۔ اور ایسی زمین میں پہنچ جائے جس کیلئے اُس پانی کا جانا مضر ہو۔ اور وہاں کے گھروں اور مکانات کو گرائے تو پانی کی ذات میں کوئی شرم نہیں۔ بلکہ اپنا راستہ چھوڑنے اور مقرر جگہ پر نہ پہنچنے سے شرم پیدا ہوا۔ اسی طرح پر ارادہ اور قوت غصیہ میں کہ یہ انسان میں اسلئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے اپنی مدد اور مفید چیزیں حاصل کرے اور اپنی ملک اور موذی چیزوں سے بچے اور اُن پر غالب آئے۔ پس اگر اُن کو اسی کام میں جس کیلئے یہ پیدا کئے گئے ہیں۔ خرچ کیا تو یہ ان کا کمال اور خیر ہے اور اگر اُن کو اپنے اپنے موقع پر خرچ نہ کیا تو اس میں شر پایا جائیگا۔ مثلاً آگ کا کام جلانا ہے۔ پس اگر ایسی چیزوں کو جلانے جن کا جانا ضروری یا مناسیب ہو تو یہ خیر اور فخری ہے اور اگر ایسی چیزوں کو جلاد۔ بچوں کے جلنے سے آدمی کو نقصان پہنچے تو ان چیزوں کے لحاظ سے یہ شر اور برائی ہے۔ اور اسی طرح قتل اور غیری میں بذات خود کوئی شر اور خرابی نہیں کیونکہ قتل اگر تیز اور قاطع کو اس طور پر استعمال کرنے کا نام ہے جس سے بدن کے اجزا متفرق ہو جائیں۔ پس اس میں بذات خود کوئی چیز شرم نہیں۔ قاتل میں اُس قوت کا موجود نہا جس سے وہ آتش قتل کو استعمال کر سکے اُس کا کمال اور خوبی ہے۔ آتش قتل کا تیز اور قاطع ہونا اُس کی عمدگی اور کمال

ہے بلکہ قتل میں شریک جس سے پیدا ہوا کہ قوت کو اپنے موقع پر نہ نہیں کیا گیا۔ اگر اسی قوت اور ہی آلہ سے کسی مادی چیز یا مادہ یا مادہ خیر و خونی کی باہر تھی یہ آقا قائل اور فاعل کے محاذ سے ہے کہ قتل بہت خود شریک نہیں بلکہ دوسری وجہ سے اس میں شریک پایا گیا۔ اور اسی طرح مقتول کے لحاظ سے اس وجہ شریک ہے کہ اس کو تکلیف ہوئی۔ اور اس کی جان بچائی رہی لیکن اس کے حق میں کسی دوسری وجہ سے خیر ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح دلی کرنا فی نفسہ برا نہیں لیکن اس فعل کو خیر محض میں کرنا برا ہے۔ اسی طرح حرکت لہذا اور بالذات بذات خود شریک نہیں۔ بلکہ یہ صحت اور بے عمل کام کرنے سے بُرائی پیدا ہوتی ہے۔ ہم جو ارجح اور اعتدال کے افعال و حرکات بخیر ہی حال ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ امور وجودیہ اپنے وجود اور ذات کے لحاظ سے شریک نہیں۔ بلکہ اور چیزوں کے لحاظ سے ان میں شر اور برائی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح سجدہ کرنا فی نفسہ اور بذات خود برا نہیں لیکن خدا تعالیٰ کے حکم سے اس کو دوسرے کے آگے سجدہ کرنے سے اس میں شر اور بُرائی پیدا ہو جاتی ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے واسطے زبردست فرمایا ہے تو کسی دوسرے کے آگے سجدہ کرنا ہرگز درست نہیں تمام افعال کفر اور شرک کا بھی حال ہے کہ وہ بذات خود برے نہیں مثلاً تعظیم بذات خود بُری نہیں لیکن جب اس کو بتوں کے سامنے کیا جائے تو یہ کفر اور شرک ہے۔ اور اگر اللہ سبحانہ اس کی کتاب رسول اور اس کے دین کی تعظیم کی جائے تو عبادت اور خیر محض ہے۔ اور یہی تعظیم جب شیطان اور بتوں کی ہو تو شر اور کفر ہے۔ غرض محل کے تعلق اور اضافت سے اس میں خیر یا شر پیدا ہوتا ہے۔

فصل۔ اس مقام میں یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ اُن مادی چیزوں میں جو وقتاً فوقتاً حادث اور پیدا ہوتی ہیں۔ دو طرح کا نقص جسے نہ کہا جائے پیدا ہوتا ہے۔ ایک وہ نقصان جو ابتداء خلقت میں ہوتا ہے۔ دوسرا جو پیدا ہونے کے بعد عارض ہوتا ہے۔ وہ نقص جو ابتداء خلقت میں ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے مادی کو ایسے عوارض و اسباب لاحق ہوتے ہیں کہ وہ اس کو ردی اور ناقص الاستعداد بنا دیتے ہیں۔ لہذا اُس کی خلقت میں نقص اور شر پایا جاتا ہے اور اس نقصان کی یہ وجہ نہیں ہے کہ فاعل نے اُن کو اپنے فیض سے محروم رکھا۔ اور کسی وجودی چیز کو جس سے اُن کا کمال متصور تھا رد کر دیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کا مادہ ہی کمال و تمامیت کے قابل نہیں ہوتا۔ اور مادی کا قابل مستعد نہ ہوتا یہ ایک مادی امر ہے فاعل سے اس کو کوئی تعلق نہیں فاعل کا فعل تو محض خیر ہے۔ جو کچھ نقص اور شر ہے وہ عدم قابلیت سے ہے اور حقیقت سے اللہ تعالیٰ کے اس قول مَا تَزَيَّ فِي خَلْقِ الْوَحْمِيَّتِ مِنْ تَقَادُتٍ لے دیکھنے والے بھلائے کو

(خند لے) جن کی دس ہانت میں کوئی کر کر دکھائی دیتی ہے مگر راز معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا نقص اور خلقت ایک وجودی چیز ہے نہ کہ اسے مخلوق کا کمال اور تمامیت متصور ہے اور جو نقص اور عیب ہوتا ہے اس کے مادہ کی عدم قیامیت سے ہے اور تمام قیامیت اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں یہ ایک نیا چیز ہے۔ اور خلق جو وجودی ہے اس میں کوئی نقاد متنا نہیں تفاوت صرف اس قدر ہے کہ بعض اشیاء ہیں۔ کئے مادے قابل دستہ نہ تھے آئیے اس لئے اللہ سبحانہ نے اس قدر کو پیدا نہیں کیا۔ پس تفاوت عدم خلق کی وجہ سے پیدا ہوا نہ کہ خلق۔۔۔ سے جو کہ اللہ سبحانہ کی صفت اور اس کی طرف منسوب ہے اور عدم خلق کا اللہ تعالیٰ قائل نہیں تاکہ یہ اس کی طرف منسوب ہو سکے۔ غرض جب نقطہ شکم میں ہو۔ اور اس کے اندر وہ استعداد حامل نہ ہو جو اس کے خیال سلامت اعضا اور اعتدال کی مقتضی ہے۔ تو اس کی فطرت اور خلقت میں تفاوت اور نقص ہو گا۔ نباتات وغیرہ دوسری چیزوں کا بھی یہی حال ہے۔

فصل۔ وہ نقصان جو انبیاء کے پیدا ہونے کے بعد ان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے دو قسم ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو وہ امداد پہنچنے سے جو ان کے کمال کا باعث تھی نقص پیدا ہو مثلاً نباتات کو پانی اور حیوانات کو غذا۔ ملنے سے ان میں نقص پیدا ہو جائے۔ تو نقص بھی ایک بعدی چیز کا اثر ہے۔ دوم یہ کہ کوئی مخالف اور متنافی چیز پیدا ہونے سے نقص پیدا ہو۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ محل میں کوئی ایسی چیز پیدا ہو جائے جو اسباب صالحہ کی تاثیر کو روک دے جیسے کہ بدن میں وہ زہری اخلاط پیدا ہو جائیں جو غذا کی تاثیر اور اس کے نفع کو روک دیں یا دل میں ایسے فاسد خیالات اور باطل عقائد پیدا ہو جائیں۔ جو ہدایت اور علم سے متنفع ہونے سے مانع ہو جائیں۔ نقص اور شر کا یہ قسم اگرچہ بظاہر خود بھی وجودی ہے اور اس کے اسباب بھی وجودی ہیں مگر درحقیقت یہ بھی اس قوت اور ارادہ کے عدم کا نتیجہ ہے جن سے یہ موانع دفع ہو سکتے تھے۔ اگر وہ قوت اور ارادہ جو ان کو دفع کر سکتے تھے موجود ہوتے تو یہ محل ان موانع سے کبھی متاثر نہ ہوتا مثلاً اخلاط ردیہ کا غلبہ اس وجہ سے ہوا کہ قوت منضجہ یا قوت دافہ موجود نہ تھی۔ ورنہ اول تو قوت منضجہ انکو نفع دیکر اعتدال پر لاتی یا قوت دافہ انکو بدن سے باہر نکال دیتی اور اسی طرح خیالات فاسدہ اس وجہ سے غالب ہو جاتے ہیں۔ کہ قوت عفت اور صبر میں کمی اور ضعف ہوتا ہے۔ اور باطل عقیدے اس واسطے مستولی ہو جاتے ہیں۔ کہ حقیقی اہم وقعی طور پر عمل نہیں ہوتا۔ غرض ہر ایک شر اور نقص کا وجود اس کی ضد کے عدم اور نہ ہونے سے پایا جاتا ہے۔ اور ضد کا معلوم ہوتا چونکہ ایک عدی امر ہے لہذا یہ اللہ سبحانہ کا مخلوق نہیں بلکہ عدم ضد کے وجود کے لئے کسی پیدا کنندہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا وجود بھی ہے

کہ وہ کما وود عامل نہ ہو اور وہ پستہ و نام اعلیٰ پر باقی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ناسخ سے کچھ ایسے امور ہو جو رٹنے پھرنے پر آجائیں۔ بڑا شبہا کو کربال سے روک کر ان میں نفس پیدا کر دیں۔ یا بالکل تو اس اور دیگر امور میں۔ مثلاً حد سے زیادہ سو دھڑی۔ آگ۔ لگ۔ پناہ۔ پانی میں غروب۔ جاماد وغیرہ ایسے امور پیش آجائے جس سے جہالت اور بیانات سے کیا کبھی نقصان پیدا ہو جاتا ہے۔ غایہ قسم وجودی اور اس کا سبب جو وجودی ہے۔ لیکن یہ شر من مائل اور جو نقصانیں۔ بلکہ بعض وجہ سے شر اور بعض وجہ سے خیر۔ یہ کہ کیونکہ سردی۔ پانی۔ نمائیں۔ وود نویاں اور مصالح کلیہ جو چیزیں جن کی نسبت یہ سبب نہ ہی کم اور بغیر ہے۔ بس اس پر جو دوی سے چپتہ کے لئے ان تمام مصالح و خیرات کو نظر انداز کر دینا اس شر سے زیادہ برا اور مذموم ہے۔ کیونکہ آفتاب کی حرارت۔ ہواؤں کے چلنے۔ بارش برسنے۔ فائدہ باری۔ گرمی اور سردی میں مخلوق کے مصالح و نافع پائے جاتے ہیں۔ یہ نسبت ان جزوی نقصانات کے جو ان ہی چیزوں سے پیدا ہوں۔ کئی گئے زیادہ ہوتے ہیں پانی کے ایک قطرہ کو سمندر سے کیا نسبت۔ یہ ان خیرات و مصالح کے سامنے ان چیزوں کی نقصانات کی یہی نسبت ہے جو پانی کے ایک قطرہ کو سمندر سے ہے۔ یہ نسبت بھی تب صحیح رہتی ہے۔ کہ وہ نقصان شر محض ہوں۔ اور جب ان میں بھی من درہ خیر موجود ہو تو پھر یہ نسبت بھی صحیح نہیں۔ ان نقصانات میں جو خیر و خوبی پائی جاتی ہے۔ تو اس کو اکثر آدمی نہیں سمجھ سکتے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی بیکار اور فضول نہیں بنایا۔ خلاصہ کلام یہ کہ اشیا کے وجودی کے کئی اقسام ہو سکتے ہیں۔ اول خیر محض جن کا الوجود خیر ہوں۔ دوم شر محض جو جمیع وجود سے شرم ہوں۔ سوم دو جو من و جہ خیر اور من و جہ شر ہوں۔ اس میں سے قسم کی پھر تین صورتیں ہیں اول یہ کہ اس کی خیریت اس کی شر برانج ہوں۔ دوم یہ کہ اس کی برائی اس کی خیریت سے غالب اور زیادہ ہو۔ سوم یہ کہ اس کی برائی اور خیریت دو برابر اور یکساں ہوں۔ چہاں یہ کہ خیر اور شر کچھ نہ ہوں۔ اور یہ تمام چھ اقسام ہیں ان کے علاوہ کوئی قسم نہیں۔ بعض ان میں سے وجود اور ثابت ہیں اور بعض موجود نہیں۔ قسم اول جو من کل الوجود خیر محض ہے اور اس میں کسی قسم کا شر نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ہے جو تمام چیزوں سے علی الاطلاق اور جمیع وجہ سے اشرف۔ اکمل اور بزرگتر ہے۔ سلسلہ ہستی میں جتنے کمالات اور خوبیاں نظر آتی ہیں۔ یہ اسی کے کمال اور جلال کا ظل اور نمونہ اور اسی کے فیض و عطا کا طور اور کرشمہ ہیں۔ تمام چیزیں اس سے لہا و اعانت کی خواستگار ہیں۔ اور اس کو کسی کی اعانت کی حاجت نہیں سب چیزیں اسی کی محتاج ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں تا مخلوق اس پر محتاج کا سوال کرتی ہو۔ لہذا یہ لکھنا اور نباتات تک سب کمال کا اس سوال کرتے ہیں۔ ملاک عبادت۔ ذکر و تسبیح کا سوال کرتے ہیں۔ جس پر ان کی حیات کا دار مدار ہے اور نیز یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے۔ ذکر۔ رستہ کر۔

میں عبادت۔ اور اپنے اوامر کی تعمید اور جاری کرنے میں اور علم علوی اور فہمی کے متعلق ہر کار و بار کے سپرد ہیں انکی بجا آوری میں انکی اعانت فرماتے اور نیز بنی آدم کی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام یہ سوال کرتے ہیں کہ اے رسل اللہ! تو تبلیغ احکام میں انکی اعانت فرماتے۔ اور انکے دشمنوں پر انہیں نصرت بخشے اور معاش اور معاد کے تمام مصالح اور ضروریات کا اسی سے سوال کرتے ہیں۔ بنی آدم باوجودیکہ مختلف خیالات اور مقامات رسالت میں گریب کے سب اپنے ضروریات کے آسے خواستگار ہیں۔ اسی طرح دوسرے حیوانات بھی اپنا رزق۔ غذا۔ قوت۔ اور وہ چیزیں جن سے انکی زندگی کا بقا ہے اسی سے مانگتے ہیں۔ اور نیز اپنی مضر چیزوں کی ممانعت اور ان سے بچاؤ کے لئے خدا تعالیٰ ہی سے سوال کرتے ہیں۔ بلکہ درخت اور نباتات بھی اپنی غذا اور وہ چیزیں جن سے ان کا کمال تصور ہے اسی سے مانگتے ہیں۔ غرض تمام کائنات زبان حال اور قال سے اسی کی اعانت و امداد کی خواست نگار ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَسْتَکْفِرُ لَکَ مِنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کُلِّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاۡءٍ (یعنی مخلوقات آسمانوں میں) اور زمین میں ہے (جو ان کو دے گا رہے سب ہی تو اس سے مانگتے ہیں) وہ معطل اور بیکار نہیں ہے بلکہ ہر روز (ایک نہ ایک) کام میں رہتا ہے (جملہ عالم طلب اور سوال کے ساتھ اسکی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔ اور اُس کا ہاتھ ہر وقت کھلا اور کشادہ ہے یعنی بخشش اور عطا فرما رہا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں اس قدر خزانے ہیں کہ دن رات ہر وقت خرچ کرتا اور دینے بندوں کو نعمتیں عطا فرماتا ہے مگر وہ کچھ کم نہیں ہوتے۔ انکی عطا اور بخشش نیک بندوں اور گناہ گاروں سب کو شامل ہے۔ اسی کی ذات جمع کمال کی جامع اور اسی کے ہاتھ میں جملہ خیرات ہیں۔ تمام محامد اور تعزین اسی کے واسطے شایان ہیں۔ سب کاموں کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کے اسلم۔ اوصاف۔ افعال اور ذات سب بابرکات ہیں۔ سب برکتیں اور خیرات اُس کی طرف سے ہیں۔ کوئی شخص کتنا ہی بڑا سوال کرے اُس کی بارگاہ میں اُس کو پر کرنا کوئی دشوار نہیں۔ اور اُس کے خزانوں میں خرچ کرنے سے کمی نہیں آتی۔ جہاں میں جتنے کمالات ہیں اگر سب کے سب ایک جگہ جمع ہوں اور پھر یہ جملہ کمالات ہر ایک شخص میں پائے جاتے ہیں۔ تب بھی انکو باری تم کے کمالات سے وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو ایک ٹمٹاتے چراغ کو آفتاب سے ہے +

فصل شرکی باقی پانچ قسموں میں سے صرف وہ ایک قسم موجود ہے جس کے ایجاد میں خیر مصلحت اور حکمت اُس کے نقصان پر غالب ہے اور باقی چار قسم کا وجود نہیں۔ اور وہ امور جو شر محض ہیں۔ ان میں کسی وجہ سے خیر نہیں۔ ان کا کوئی وجود اور حقیقت نہیں بلکہ وہ عدم محض ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے۔

کہ اہلسن کا وجود کفر اور شرک یہ تمام چیزیں شر محض ہیں۔ انکے وجود میں کوئی خیر اور بہتری ہے اور پھر یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہلسن کے پیدا کرنے میں وہ ہمتیں مصالح اور خیرات موجود ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو معاد نہیں۔ اور جو مصالح انکے وجود ہونے پر ترتب ہیں۔ خالص کے سوا کسی کو ان کا علم نہیں۔ اور ہم بعض اُن مصالح کو جو اہلسن کے وجود میں تصور ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ اللہ سبحانہ نے اہلسن کو جنت اور نفل نہیں بنایا اور نہ اُس کے پیدا کرنے سے بندوں کا ضرر اور انکو تباہ کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اُس کی بہت سی حکمتیں باہرہ۔ حج قاہرہ۔ آیات ظاہرہ۔ اور نعمتیں کاملہ۔ معنی اور پوشیدہ ہیں۔ اہلسن کا وجود دین اور ایمان کے حق میں اگر چاہا مضر ہے نبیاً نہریلی چیزوں اور نباتات کا وجود ابدان کے لئے مضر ہے۔ مگر تاہم نباتات کے پیدا کرنے میں دو حکمتیں اور مصالح موجود ہیں جو انکے نہ پیدا کرنے میں مقصود نہیں۔ اور اُن مصالح اور حکمتوں کے لحاظ سے اُن کا وجود انکے عدم سے بہتر اور خیر ہے۔ وہ امور جن میں خیر اور شر دو متفقہ ہیں وہ بھی موجود نہیں کیونکہ ان کا وجود عبت ہے اور اللہ تعالیٰ عبت کے پیدا کرنے سے پاک ہے۔ اور جب ایسے امور کا وجود نہیں تو وہ امور جن کے پیدا کرنے میں بہ نسبت خیر کے شر زیادہ ہے تو وہ بطریق اولیٰ موجود نہیں۔ جو شخص خود اور فکر سے کام لے تو اُس پر ظاہر ہو جائیگا کہ جو امور موجود ہیں گو بعض اُن میں سے بظاہر شر ہیں لیکن انکے وجود میں بھی (جو بظاہر شر معلوم ہوتے ہیں) بہ نسبت شر کے خیر اور مصالحت غالب ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ امور خیر کا وجود شر سے زیادہ ہے۔ دیکھو امراض اگرچہ بکثرت موجود ہیں مگر صحت اُن سے زیادہ موجود ہے۔ لذات بہ نسبت مکروہات اور عافیت بہ نسبت تکالیف و بلاز یادہ ہے۔ پانی میں ڈوب جانا۔ آگ سے جل جانا۔ دیوار یا کسی اور چیز کے نیچے دب کر جانا۔ وغیرہ اس قسم کے عوارض اگرچہ بکثرت موجود ہیں۔ مگر سلامتی بہ نسبت انکے زیادہ موجود ہے ایسے امور کا وجود جن میں بہ نسبت شر کے خیر غالب ہے۔ اگر نہ ہو تو وہ خیر جو انکے وجود پر ترتب اور بہ نسبت شر کے زیادہ اور غالب ہے فوت ہو جائے۔ اور خیر کثیر کا فوت ہونا شر ہے۔ مثلاً آگ کے وجود میں بہت سے منافع موجود ہیں اور ساتھ ہی اس کے کچھ نقصان بھی ہیں۔ لیکن جب اُن منافع اور مفاسد کو باہم مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو یہ مفاسد اُن منافع سے بہت ہی کم ہیں بلکہ انکو اُن سے کچھ بہت نہیں۔ اور اسی طرح بارش کے برسنے۔ ہواؤں کے چلنے۔ گرمی۔ سردی وغیرہ کا حال ہے۔ غرض عالم سفلی کے جملہ عناصر میں خیر اور شر دو ٹوٹے جملے ہیں۔ لیکن انکی غیر شر بد غالب ہے۔ اور عالم علوی محض خیر پر مشتمل ہے۔ اس میں کسی قسم کا شر نہیں۔ اگر کوئی شخص بہ شبہ میں کہے کہ خالق حکیم نے عالم سفلی کو

یہاں طور پر کیوں نہ پیدا کیا کریں ہیں کسی قسم کا شر نہ ہوگا۔ وہ کسی تمام چیزیں خیر محض جو ہیں۔ اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ ایک ملک کا ترقی یافتہ ہونا اس کا عالم کو اس طور پر پیدا کرے کہ وہ جس قدر غلبہ خلیفہ کے ساتھ اور خیر شر کے ساتھ ہو۔ اور اس پر نسبت یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ لائق تھا۔ اس کو عالم کو اس کی طرح آئی ہے۔ اور پھر یہ پیدا کیا تھا کہ جس پر یہ ہو۔ یہاں کوئی شر نہ ہوتا۔ ہم تسنیم کرتے ہیں کہ جس چیز پر یہ ہو جو ہے۔ اور نسبت شر۔ یہ خیر و خوبی زیادہ اور غالب ہر اس کا ویرا اسکے عدم سے بہتر اور اس کے بہتے۔ یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام بنیادوں کی بنیاد پر شر کے منہج۔ اور اہل شر کے اولیٰ پتو این۔ ابھیں گے جو ہمیں کوئی نہ است۔ اور خیر ہے اور پھر اس کو قیام دنیا تک باقی رکھنے میں کیا خوبی ہے۔ اور نیز آئی ہے عالم کے تمام کسے میں جس میں فیصدی نو ستے آدمی تو دوزخ میں جہنم کے جائیں۔ اور شرع طرح کے غنا۔ یہاں بہت ہوں۔ اور فیصدی ایک آدمی جنت اور پیش و آرام میں ہو۔ کوئی خوبی اور خیر غالب ہے۔ اور نیز ہم دیکھا ہے کہ اصلوۃ و السلام کے جنت سے نکالنے اور ان کی اولاد کو طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کرتے ہیں کیا یہ فی سبب اگر وہ جنت سے نکالے جاتے اور ہمیشہ وہیں رہتے تو کسی شر کا وجود نہ ہوتا۔ اور اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اس کی حکمت بنا یہ تھا تھا ہر اک ان کو جنت سے نکال کر ان میں سے ایک ایک بنی مخلوق پیدا کرے۔ اس کی بنیاد کریں۔ تو اس پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کیا۔ تو پھر بہت سے لوگوں کو اپنی عبادت سے کیوں ہٹا دیا۔ اور شوشے سے لوگوں کو اپنی عبادت کی توفیق بخشی۔ اور کفر فسق۔ رعینان۔ ظلم۔ تعدی وغیرہ آئے اس کے پیدا کرنے میں کیا خوبی اور خیر ہے۔ اور نیز بچوں اور یرانوں کو جو ال تکلیف بند۔ دنیا میں وہ دیکھ پہنچانے میں کیا خیر و خوبی ہے۔ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ دنیا میں رہنے ان کو دکھ درد ہو جائے کہ آخرت میں انکو اس کا ثواب اور بدلہ ملے ہو۔ تو اس پر بہائم سے نفی ہو سکتا ہے کہ انکو جو دنیا میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا بدلہ ان کو کہاں ملے گا۔ اور نیز دجال کے پیدا کرنے۔ اس کو طرح طرح کے خوارق عادت دیکھ سکتے ہیں کہ ان سے فتنے میں مبتلا کرنے میں کوئی خیر و خوبی ہے۔ اور نیز اس پر جو مفسد اور نقصان مترتب ہوتے ہیں انکے پیدا کرنے میں کیا خیر و خوبی ہے اور نیز مخلوق کے متفرق کردہ بنانے اور بعض کے دلوں میں بعض کا خوف ڈال دینے میں کیا خیر و خوبی ہے۔ اور نیز زہر زہریلے موزی اور حملہ کریوالوں جانوروں اور ہر ملی چیزوں کے پیدا کرنے میں کوئی خیر و خوبی ہے۔ اور انسان کو ایک اچھی خلقت اور بناوٹ میں پیدا کرنے کے بعد پھر اس کو فنا کر دینے اور ضبط قوی بنانے کے بعد ضعیف اور کمزور کر دینے میں کیا خیر و خوبی ہے۔ اور اسی طرح اس عالم کو فنا کر دینے اور اس کے اثر کے مٹا دینے میں کیا خیر و

خوبی ہے۔ اگر اس کے دود میں بڑھتی ہوئی شے کے بغیر غالب اور زنج ہے تو پھر اس کے فدا کر سکتے ہیں اس خبر کو سنا دینا ہے۔ مذہبِ نبویؐ کا سدھم کر: ۱۱ اور مشافہہ مذہم ہے۔ ان سب باتوں کو چھوڑ کر یہ پوچھتے ہیں کہ: زمنا کے پتہ کیا ہے؟ میں تو نام صاف ہے۔ آقاؐ نے اور کیا پتہ کیا گھر ہے کوئی غیر راج یا مہر جہ ہے ہماری جائیداد سے سب سے زیادہ سوال ہے کہ جو اس سولہ تہ اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ یا تو حکمت انجیل کو چھوڑ کر یہ کہا جائے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے ان مشیت سے ہوا ہے جس کی مشیت ہے اسی علت و لم ہو۔ ان کے علاوہ ان چیزوں میں کوئی دوسرے سے صلح یا حکمتیں موجود نہیں یا یہ کہہ ایا۔ تے کہ اسباب و شرائط کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر آشیا۔ کا پر اگر ناداجبہ اور ضروری ہے اور وہ اپنے اختیار و ارادہ سے اپنے افعال و مساویوں کو پتہ پتہ وہ ان کے بعد میں مجبور ہے۔ اور بر سوائے ان لوگوں پر وارہو۔ تے ہیں۔ جو اللہ سبحانہ کو فاعل مختار مانتے ہیں۔ انی و انی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے افعال کا حکمت پرستی اور محفل جو ہے۔ کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا حکمت پرستی ہونا اور ان مذکورہ اشیا کا وجود یا ہم متناقی ہیں۔ پس ان چیزوں کے موجود ہونے وقت یکس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکم اور مصالح پر مبنی ہیں۔ بلکہ یہ کہا جائیگا۔ کہ جو کچھ ہوتا ہے بعض اس کی مشیت سے ہو۔ اسے ان تمام مشیبات کے جواب میں سبحان اللہ و الحمد للہ و العز و الجلال و العزائم۔ اے اللہ و اللہ اکبر کہنے کے بعد سندر جہ ذیل آیات کو ہم پیش کرتے ہیں۔ جو ان کا تانی جواب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْنَا هَذَا بَابًا وَلَا جَنَّةً نَاكَ فَتَبَاعَبْنَا أَبَ النَّارِ اسے پروردگار تو نے اس کا خانہ عالم کو بے فائدہ و تو ہم نہیں بنایا یہی ذات ایسے فعل عبث کے کہنے سے پاک ہے تو اے ہمارے پروردگار ہم کو ورنہ کے عذاب سے محفوظ رکھو: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا خَلَقْنَا هَذَا بَابًا وَلَا جَنَّةً نَاكَ فَتَبَاعَبْنَا أَبَ النَّارِ اسے پروردگار تو نے اس کا خانہ عالم کو بے فائدہ و تو ہم نہیں بنایا یہی ذات ایسے فعل عبث کے کہنے سے پاک ہے

آسمان و زمین میں میں ان کو کھیل بنانے کیلئے پیدا نہیں کیا۔ ہم نے تو آسمان و زمین کو ایک غرض اور معلومت سے بنایا ہے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا خَلَقْنَا هَذَا بَابًا وَلَا جَنَّةً نَاكَ فَتَبَاعَبْنَا أَبَ النَّارِ اسے پروردگار تو نے اس کا خانہ عالم کو بے فائدہ و تو ہم نہیں بنایا یہی ذات ایسے فعل عبث کے کہنے سے پاک ہے

آسمان و زمین میں میں ان کو بیکار نہیں پیدا کیا۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر میں اور دوزخ کے اعتبار سے کافروں کے حال پر (بڑا ہی) افسوس ہے: أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ أَفْنَاءَ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ كَذَّبْتُمْ وَكُنْتُمْ كَافِرِينَ

وَأَنكُمُ الْيَتَامَىٰ كَاتِرٌ جَعَلْنَا إِلَهَ الْكُفْرِ سَرَبَ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ (دلوگو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (دوبی) بیکار پیدا کر دیا ہے اور کہ تم کو ہماری طرف پھر لوٹ کر

آنا نہیں تو خدا زور بادشاہ برحق بہت ہی قائمہ گاہ کرسنے سے بری اور یا لاتر ہے اس کے سوا کوئی تیار نہیں
 رہی سریش بزرگ کا مالک (ہے) اِنَّهُ الَّذِي خَلَقَ مِنْعَ مَلَوَاتٍ وَمِنْ الْاَرْضِ مِثْلًا مِّنْهُ يَتَنَزَّلُ
 الْاَمْرُ بَيْنَهُمْ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ فَلَا تُزَكَّرُ اَنْ اَمَلَهُ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔
 زائد ہی تو ہے نہ (تیز تر) سائنات آسمان پہلے کہے اور اُن ہی کی طرح زمین۔ آسمان و زمین میں
 (انتظامی) احکام دو وقتاً دو وقتاً نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگو! کو علوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور
 نیز یہ کہ اللہ کا علم سب چیزوں پر مامی ہے اَجْعَلِ الْاٰمَنَةَ الْاَمْنَةَ الْاَمْنَةَ قَبْلَ مَا لَنَا مِنَ الْقُرْآنِ
 الْحَمْدُ وَالْهَدٰی وَالْقَلٰدِیْدُ ذٰلِكَ لِنَعْلَمَ مَا اَنْتَ اللّٰهُ یُحْكُمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
 وَ اَنْتَ اللّٰهُ یُحْكُمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (نہا نے کہنے کو کہ وہ (خدا کا) ہر چیز گھر ہے لوگوں کے دامن و اطمینان
 کے قائم رکھنے کا موجب قرار دیا ہے اور اسی طرح احرار و عیسویں کو اور درج کی اذیاتی (کے) بالور و
 کوہن (کو خدا کی نیاز کے واسطے خاص کر کے شناسنت کے لئے اُن کے نگلے میں اپنے ہاتھ دیتے
 ہیں یہ اس لئے کہ تم کو معلوم ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کو زمین میں ہے اللہ (سب) جانتا ہے مَصْنَعُ
 اللّٰهِ الَّذِیْ اَتَقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (یہ بھی) اللہ کی کاریگری (ہے) جس نے ہر چیز کو خوب بننے پر بنایا
 ہے (الَّذِیْ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلْقًا) (اُس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی) ہاتھ و رفق
 خَلْقَ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ (اُسے دیکھنے والے بھلا تھہ کو (خدا سے) زمین کی (اس) صنعت میں
 کوئی کورس دکھائی دیتی ہے) بلکہ ان اشیاء کا وجود اور اس عالم کا سلسلہ ان مصالح مطلوبہ اور غایات
 محمودہ اور حکم مخفیہ کے لحاظ سے جو ان کے وجود سے وابستہ ہیں نہایت مناسب اور موزوں ہے۔ اُن
 مصالح اور غایات کی تفصیل سے تو صرف اللہ سبحانہ واقف ہے۔ ہاں بعض امور سے اپنے خاص بندوں
 کو بھی مطلع فرما دیا ہے بلکہ اُن مصالح اور غیرات کے وجود کو جب خالق نے اس عالم کے اسباب و ذرائع
 سے وابستہ کر دیا ہے تو اس لحاظ سے ان کا وجود ضروری ہوا۔ ملائکہ مقربین نے بھی بارگاہ الہی میں
 اسی قسم کے سوالات پیش کئے تھے۔ تو ان کو یہ جواب ملا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ مصلحتیں
 جانتا جو تم نہیں جانتے) تو ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اُس کے کمال علم و حکمت کا اقرار کیا۔ اور اس بات
 کا اعتراف کیا کہ اللہ سبحانہ کے سب کام ٹھیک ہیں۔ اور حکمت سے خالی نہیں۔ اور یوں کہا مِثْلًا مِّنْهُ
 عِلْمُهُ لَنَا لَمْ اَعْلَمْ مِثْلًا مِّنْهُ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْاَحْكَمُ (تو پاک ذات) ہے جو تو نے ہم کو بتا دیا ہے
 اُس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں تو ہی جاننے والا مصلحت کا پہنچانے والا ہے (اور چونکہ اپنی بعض حکمتیں جو
 اُن پر مخفی تھیں۔ اُن کے سوال کرنے پر ظاہر فرمادیں۔ اس لئے اُن سے یوں ارشاد فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ

لَقَدْ اَتٰى اَعْلٰنُكَ غَيْبٌ ۝ السُّؤَالَاتُ وَالْاَسْرَافُ وَ اَعْلٰنُكَ مَا تَشْكُوْنَ ۝ وَمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ رَكِبْنَا
ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان کی اور زمین کی سب مخفی چیزیں ہم کو معلوم ہیں اور جو کچھ تم (اب) ظاہر کرتے
ہو (دون) اور جو کچھ تم سے چھپا ہے تم سے (وہ) ہم کو سب معلوم ہے ۝

مصلحہ ہم اس مقام پر چند شیطانی سوال بیان کرتے ہیں جن سے ان سوالات کے جواب واضح طور پر
معلوم ہو جائیں۔ بہت سے متکلمین نے جن کو ظلم فلسفہ اور کلام میں پوری ہمارت ہے اس بات کو تسلیم کر لیا
ہے کہ ان سوالات کا جواب سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ یا تو اللہ بخوانہ کو فاعل مختار نہ مانا
جائے یا یہ کہا جائے کہ اس کے افعال کی حکمت و حکمت پر مبنی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو بنا دیا یا
کسی کام کا حکم کرنا کسی مصلحت یا حکمت کی بناء پر نہیں۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے
بے سبب نہیں بنایا بلکہ جو کچھ ہوتا ہے محض اس کی مشیت اور قدرت سے ہوتا ہے۔ اسکی مشیت
بلا سبب اور بلا وجہ ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دیتا ہے۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انکے افعال
کے لئے کوئی لم کیف۔ یہ حکمت ہے۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی مصلحت پر مبنی ہیں۔ امام رازی نے اپنی کتاب
سبائش منہ فیہ میں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ خالق نے ان اشیاء کو ایسا کیوں نہ
بنایا کہ تمام شرور سے یہ خالی ہوتیں۔ تو ہم یہ جواب دینگے کہ اگر انکو خالی از شر ہیہ اکتا تو یہ قسم اول یعنی
ان چیزوں میں جو فیض ہیں میں داخل ہو جائیں حالانکہ یہ انکے علاوہ ایک دوسرا قسم ہے اور باری تم
کے افعال میں ایک قسم وہ ہے۔ کہ جس میں بہ نسبت شر کے خیر و خوبی زیادہ اور غالب ہے اور ہم پہلے
بیان کر چکے ہیں کہ اس قسم کی چیزوں کا وجود انکے عدم سے اولیٰ ہے۔ امام رازی خود ہی کہتے ہیں کہ
یہ جواب مجھے پسند نہیں کیونکہ کوئی شخص یہ شبہ کر سکتا ہے کہ جب تمام خیرات اور شرور کا وجود اللہ تعالیٰ
کے ارادہ اور اختیار سے ہے تو اُن کا جلانا کسی چیز کے چلنے کا موجب نہیں۔ بلکہ تم اس اور کسی چیز سے
اُنکے مجاور و متصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے اختیار سے یہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ وہ چیز
جل جاتی ہے۔ اور جب اس کا جلنا اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار سے ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے
ایسا کیوں نہ کیا کہ جہاں جلادینے میں خیر و خوبی ہو وہاں فیض پیدا ہو جایا کرے اور جہاں اس میں
نقصان اور خرابی ہو وہاں پیدا نہ کرے اور اس شبہ کا جواب سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ
کے افعال انکے ارادہ اور اختیار سے صادر نہیں ہوتے۔ اور اس مسئلہ کا مال قدم اور حدوث کے مسئلہ کی طرف
ہو جاتا ہے۔ دیکھو رضی جیسے فلسفہ دان نے کیسی سخت غلطی کھائی ہے کہ اس بات کا اعتراف کر لیا
ہے کہ ان سوالات کا جواب سوائے اُس کے اور کوئی نہیں۔ کہ اول سے آخر تک تمام انبیاء علیہم

کی تہذیب۔ جہاں انسانی کمالوں کا انکار۔ اور اس امر میں کہ اللہ سبحانہ خالق عالم مرید اور مختار رب ہے جو چاہتا ہے وہ
 ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ اس کے عدم نسبت کے سبب وجود میں نہیں آتا۔ سلسلہ ترقی میں کوئی چیز
 اسلیں شیعہ۔ یہاں جو موجود نہیں عقل کی تہذیب کی نسبت کیا ہے۔ نام رازی نے یہ طرح مان لیا ہے کہ ان سوالات
 کا جواب ان چاروں لوگوں کا فرقہ اختیار کرنے بغیر ممکن نہیں جو انبیاء علیہم السلام اور انبیاء ساری کے دشمن ہیں۔
 اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین کو چھو پیڑ پھوس نہیں کیا۔ اور نہ اس عالم کو جس سے وہ وجود
 لایا ہے اور نہ اس کو فنا کر دیا۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انحال کے ارادہ اور مشیت سے صادر
 نہیں ہوتے۔ اور نہ اللہ سبحانہ کو مرید و مختار سمجھتے ہیں۔ رازی کے پاس ان سوالات کا بھی جواب ہے۔ یا
 میرے یہ کیا قول ہے جو اسباب اور کائنات کے منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انحال کسی مصداق و
 حکمت پر مبنی نہیں یا عقل کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو چیز عقلاً مفید اور منجر ہو اللہ پر واجب ہے کہ
 اس کو پیدا کرے۔ نہ خلق نہ کچھ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انحال حکمت سے محال نہیں۔ مگر یہ حکمت
 اس طور پر نہیں کہ اللہ سبحانہ نے اپنے علم میں ان کی حکمت و مصلحت سمجھا۔ اور اس کے بعد انکار کرنے کے واسطے کسی چیز کو
 پیدا کیا بلکہ یہ حکمت و مصلحت انسانی عقل کے تو۔ یہ ہے معتزلہ نے اللہ سبحانہ کو مخلوق سے تشبیہ کر
 اپنے عقول سے شریعت کو ثابت کیا اور اللہ سبحانہ پر نافرمانی اور فبیہ چیزوں کا پیدا کرنا واجب اور منکر اور
 نقصان دہ چیزوں کا پیدا کرنا حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ تینوں اقوال جو مسند زہریہ۔ رازی کے دل میں
 ٹھوستے ہیں۔ اور کوئی عظیم اندامی ان تینوں میں سے کسی ایک قول کو پسند نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ اقوال
 عقل نقل فطرت کے مخالف ہیں۔ اور قول حق ان اقوال میں ایسا منفی ہے جیسا اہل کتاب پر جمعہ کا روز دوسرے
 ایام میں منفی رہا۔ اور اس نسبت کو اللہ تعالیٰ نے وہ دن سوچا دیا جتنا پنجہ یوم جمعہ کی بابت حضرت نبی
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہم سے پہلی آسمان کو یہ دن نہ ملا۔ پس یہ دن یعنی یوم جمعہ ہمارے
 لئے ہے۔ اور اس کے بعد دوسرا روز یہود کے لئے اور اسکے بعد تیسرا روز نصاریٰ کے لئے۔ اور ہم
 بحمد اللہ اسی طرح کہتے ہیں۔ کہ ہم اہل سنت طریق متوسط اور حق پر قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فاعل مختار
 ہونے کا انکار ان لوگوں کا حصہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے دشمن ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے انحال کو خالی
 از حکمت و مصلحت کہنا جبر و جبر کا مسلک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت عامہ متعین تامہ۔
 محبت۔ کبریا بابت موجبات حمد۔ اسماء صفات کے مقتضی اور ان کے معانی اور آثار کا انکار کرنا قدریہ
 میں نہ الامتہ کا شیوہ ہے اور ہم ان جملہ اقوال اور ان کے قائلین سے بری اور بیزار ہیں۔ ہاں کسی کے
 جتنا قدر صحیح بات ہو اس کو مانتے اور اس پر یقین کرتے ہیں +

اور پس اُس کے لکھنے کے لئے کافی ہر گز بندہ یہ سمجھتا رہا کہ میں تم ہو جائینگے۔ اور اُس کے کلمات پاک
 و تبرک ہو گئے۔ مخلوق کے وجود کو اللہ سبحانہ کے علم سے وہی نسبت ہے جو اس کی قدرت کو اس کی قدرت اور
 اس کے غنا و اس کے فضل اور اس کی حکمت سے ہے اور جب علم الخلاق یعنی سریر کا نام اللہ تعالیٰ کا ہے
 تو یہ ہے کہ اسے اللہ میں تیری شانہ و پوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔ تیری ذات دینی ہی ہے جسے تجھے
 خود اپنی شانہ فرمائی ہے اور وہ علم کے استعارہ میں آپ یہ کلمات کہا کرتے تھے فَإِنَّكَ لَفَعْلَانٌ وَكَأَنَّ
 وَاعْلَمُ وَكَأَنَّكَ لَعْلَمُ الْغُيُوبِ اور جب اللہ سبحانہ ملائکہ کو یوں ارشاد فرماتے اِنَّا اَتَيْنَاكَ
 مَا لَا تَعْلَمُونَ! میں وہ مصحفیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور نیز اللہ تعالیٰ نے اہل علم اور خبر الامم یعنی اہل امت
 حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح فرمائی كَتَبَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَهُوَ كُوْزٌ لَّكَ وَسَلَىٰ اَنْ يَّزَكَّرَ ذُوْا
 سَبِيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ وَسَلَىٰ اَنْ يَّخْبُوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَانْتَدَلَعُوا لَعْلَمُ الْغُيُوبِ
 (درسمو! تم پر جو اور فرس کیا گیا اور وہ تم کو مارا اور بھی گذر گیا اور عجیب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور تمہارے
 حق میں بہتر ہو اور عجیب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھل لگے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا
 ہے اور تم نہیں جانتے) اور اہل کتاب کو یہ س طرح خطاب فرمائی وَمَا اَوْتَيْنَاكَ مِنَ الْغُيُوبِ اَلَا قُلِيْلًا
 (اور تم لوگوں کو! اسرار الہی میں سے! میں تم کو نہ ہی اس علم دیا گیا ہے) اور انبیاء علیہم السلام سے قیامت کے
 دن جب اللہ تعالیٰ یہ دریافت فرمائے گا کہ لوگوں نے تمہارا کہا مانا یا نہیں تو یہ عرض کریں گے کہ اللہ
 میں کچھ علم نہیں تو رب پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو اس طرح لاجبی بیان آیا پس
 ادب کے علاوہ حق اور نفس الامر کے مطابق ہے کیونکہ ان کے علوم بلکہ سب مخلوق کے علوم اللہ سبحانہ کے
 علم کے سامنے بیخ اور لاشے ہیں جس طرح کہ آفتاب کے سامنے ایک ٹٹماتے چرخ کی کوئی حقیقت
 نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے مخلوق کے علوم کی کوئی اتنی نہیں۔ تو بڑے ظلم نہایت
 جہالت۔ کمال جھوٹی۔ اعلیٰ درجہ کی بے شرمی اور سخت جرات کی بات ہے کہ وہ شخص جس کے علم کو
 لوگوں کے علوم کوئی نسبت نہیں انبیاء کے علوم کے سامنے ان لوگوں کے علوم کی کوئی حقیقت نہیں انبیاء کے علوم کی اللہ کے علم کے سامنے
 کوئی بستی نہیں۔ اللہ سبحانہ کے علم کی نسبت اعتراض کو یہ نہ کہ سلی حکمت میں نقص اور عیب نہ کہانے۔
 اور یہ خیال کرے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اپنے علم سابق کے مطابق مقرر کیا ہے وہ حکمت کے
 برخلاف ہے اور اولیٰ اور بہتر یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کیسا نہ کرتا۔ سبحان اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و اہمیت
 عظمت و جلال ان باتوں سے منہ اور پاک ہیں جن کو جاہل اور ظلم اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔
 کلمہ سبحان اللہ ایک ایسا جامع کلمہ ہے کہ جس کے ساتھ تمام بڑائیوں نقصانوں اور عیوب سے اللہ سبحانہ

کے حال کا نظریہ اور اندس میں لایا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ کی ذات میں کل ارجوہ اور عبادت الہیہ کے تمام تقاضے سے پاک اور باکھر منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کمال محرومیت اور ان صفات اللہ کے ساتھ وحدہ نہ ہونے کے ساتھ کوئی دوسرا معترف نہیں اور اپنی ذات اور صفات اور افعال میں تمام چیزوں سے بزرگ اور برتر ہونا مسکین علم الہی کے قول کی تردید کرتا ہے۔ جیسے سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ کے معنی کو اچھی طرح سمجھے اور اس کے قاسبین اس کا مضمون جائزین ہر چنانچہ بشرطیکہ اس کے معانی کو تعلیم نہی کے مطابق سمجھا ہونے کی فلسفہ اور غلط علم کلام اور نا اہل متکلمین سے سیکھا ہو تو وہ خوب سمجھتا ہے کہ مسکین علم الہی کا قول سراسر غلط اور باطل ہے۔ یہی اصول ہے جس کا اس مقدم میں بانٹا اور اس کے مطابق عمل ضروری ہے۔ بیان یہ بھی جانا ضروری ہے کہ تمام مخلوق کے علوم حکمتیں انہماک عوالم اللہ تعالیٰ کی ان حکمتوں کی تفصیل جانتے۔ سے تاحرث ہے۔ جو اس نے اپنی اہم چیزوں کی مخلوق میں بھی ہیں +

دوسرا اصول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ حقیقی حیات اور زندہ ہے اور اس کی حیات اور زندگی تمام زندگیوں سے اعلیٰ اور اکمل ہے۔ اور اس کی زندگی صحیح صفات کمال کے وجود کو سمجھنا اللہ کی نفی کو مستلزم ہے یعنی جملہ صفات اعمال بن کل الوجوہ نہیں موجود ہیں اور وہ تمام افعال سے منزہ ہے اور منجملہ لوازم حیات یہ امر ہے کہ اس کے افعال اختیاری ہیں۔ کیونکہ ہر ایک زندہ چیز کوئی نہ کوئی فعل کرتی ہے اور ہر ایک زندہ و جنس کے افعال اپنے حیات کے کمال و نقصان کے مطابق اس سے صادر ہوتے ہیں۔ پس جس چیز کی حالت ہے اس سے اعلیٰ و اکمل ہوگی اس کے افعال بھی سب سے زیادہ قوی اور کمال ہونگے۔ اور یہی حال اس کی قدرت کا ہوگا۔ اس کے اعلیٰ اللہ سبحانہ ہر ایک چیز پر قیادار ہو چاہے اس کو کس کتابے۔ نام بخاری۔ نہ پتہ کی کتاب خلق الاشیاء میں تفسیر میں جو اس کے فعل کیلئے ہے اور سرور کوئی رکھتی ہو کہ ہر تہ سے ہر زندہ اور مردہ کے درمیان یہ فرق ہے کہ زندہ کوئی کام کرتا ہے اور مردہ کوئی شہر ہوتا ہے اور مردہ کسی کام کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا اور نہ اسے شعور ہوتا ہے۔ اور جس کے حیات فعل کو مستلزم ہے +

ادبیاتی امور میں اس کا کام کو کہتے ہیں جو قائل کے اختیار اور ارادہ اور قدرت سے صادر ہوا اور جو کام کسی سے اس کے اختیار اور قدرت کے بدلے سرزد ہو اس کو کوئی اہل عقل اس کا فعل نہیں کہتا۔ جو اس کو اس کا اثر کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً آگ کا کسی چیز کے بھلا۔ نے پانی کا کسی کے غرق کرنے اور آفتاب کا حرارت پہنچانے میں مثلاً ہوا ان چیزوں کا اثر کرتا جاتا ہے۔ اور ان کو ان

ذات کے ساتھ کسی فعل کا قیام جائز نہیں کیونکہ یہ افعال حادث اور مخلوق اور موجود بعد العدم ہیں۔ اپنے زعم میں تو وہ حدوث عالم اور باری تعالیٰ کی تشوید تقدس کی حمایت کرتا ہے۔ مگر یہ حمایت بھی ایسی ہی بہودہ ہے۔ کہ اس میں باری تعالیٰ کے جلال افعال اور خالقیت کا انکار پایا جاتا ہے۔ شریعت اور نبوت اور توحید پر بڑا حملہ یہ ہے کہ لوگوں کو یہ دھوکا دینا کہ انکار اسباب کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی ضعیف العقل لوگوں نے انکی اس دھوکا دہی سے جب نہ بچھا کہ انکار اسباب کے بدون توحید کامل نہیں ہوتی۔ اور انکار اسباب عقل فطرت اور مشاہدہ حس کے خلاف ہے تو انکو مسئلہ توحید و نبوت میں شک اور اسکے متعلق بدگمانی پیدا ہو گئی جس طرح قرآن کریم نے اسباب کے وجود کو ثابت کیا ہے کسی اور کتاب میں انکی نظیر ملنی ناممکن ہے۔

عجب کی بات ہے کہ جب اسباب اور سببات سب کا خالق اور پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نے بعض چیزوں کو بعض کے لئے سبب بنایا ہے۔ اور اسباب اور سببات سب کچھ انکی نسبت قدرت کے تابع اور اس کے حکم کے منقاد ہیں۔ وہ جس چیز کی سببیت کو باطل اور دور کرنا چاہے اس کو باطل کر سکتا ہے جس طرح کہ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں احرار نار اور موسیٰ اور انکی قوم کے حق میں اغرائی مار کو باطل کر دیا۔ اور اگر وہ چاہے تو ان اسباب کے لئے ایسے مولف موجود کرے جو باوجود انکی قوت موجود ہونیکے انکی تاثیر کو رد کریں۔ اور اگر وہ چاہے تو انکے آثار اور اثرات پر تہ تہ اور موجود ہوں۔ تو اس سے توحید میں کوئی نقص ہے۔

غرض جب اسباب کا پیدا کرنا اور انکو سبب بنانا اور کچھ ان میں تاثیر و الاسباب کچھ اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے تو اسباب کا وجود ماننے میں کوئی شرک کی وجہ پائی باقی ہے۔ لیکن جبکی عقلیں ضعیف اور کمزور ہیں انہوں نے جب تک کہ اس سبب کے اس قول کو نہ مانا کہ آگ خود بخود نہیں پانی غرق نہیں کرتا۔ روٹی سے سیرری حاصل نہیں ہوتی۔ تلہ کاٹ نہیں سکتی۔ غرض کسی چیز میں کوئی تاثیر نہیں اور کوئی چیز کسی اثر کا سبب نہیں۔ انکی کسی چیز میں کوئی قوت موجود نہیں جگہ ہر ایک اثر کا پیدا ہونا خالق مختار کی مشیت پر موقوف ہے تو وہ توحید میں متروک ہو گئے۔ اور اللہ سبحانہ کے خالق اور موثر ہونے میں انکو شک پیدا ہو گیا کہ یہ کیسی توحید ہے۔ کہ تلہ کاٹ نہیں سکتی۔ روٹی سے آدمی نہیں بنیں۔ ہر تلہ فیوہ وغیرہ منکرین اسباب نے توحید پر یہ بڑا حملہ کیا اور منکرین رسالت کو نزدیک شریعت کے ملے ایک راستہ کھول دیا۔ چنانچہ ان کی کتابوں میں صراحتاً وہ ہے کہ ایسی ہی باتیں سنہار لوگوں کو ایمان سے متفر کیا کرتے حق بات یہ ہے کہ جاہل دوست اور غیر خواہے وہ

نقصان پہنچتا ہے جو داناؤں سے نہیں پہنچتا۔ جو حساب کے متعلق اللہ سبحانہ نے ذوالاقرنین کے قصہ میں فرمایا ہے: **وَمَا يَتَّبِعُ الْفِتْنَىٰ سَبَبًا** اور ہم نے اُسکو ہر طرح کے راز و سامان سے رکھے تھے، اُسکی تفصیر میں علی رابی طیس نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہاں لفظ سَبَب بمعنی غلیم ہے۔ تنادہ۔ ابن زبیر۔ ابن جراح اور ضحاک۔ نے کہا ہے کہ وہ علم و حکم و علم کیا جو اُسکے لئے اپنے ارادوں سے پورا کرنے میں سبب بنا اور سختی سے کہا ہے کہ وہ علم جو اُس کے لئے اُسکے ارادوں کی طرف متوجہ بنا۔ اور بہرہ و کائنات ہے کہ جو چیز کسی چیز کے ایک وہ سری چیز کی طرف متوجہ ہے تو اس پہنچانے والی چیز کو غلیمت میں سبب کہا جاتا ہے۔ اور بہت سے مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہم نے ذوالاقرنین کو علم و غیرہ و چیزیں عطا فرمائیں۔ کہ جن چیزوں کی طرف حقوق کو حاجت اور توجہ کی، وہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ نے اس جملہ فائتبع سَبَبًا پس دو ایک سامان کے سمجھے ہر اس میں راستے کو بھی سبب فرمایا ہے چنانچہ مجاہد نے اُسکی تفسیر میں کہا ہے طریقہ یعنی راستہ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ میں بلا میں سبب ہے وہی سبب مراد ہے جو پہلے مذکور ہے یعنی اس سبب میں سے جو اللہ تعالیٰ سے اسے عطا فرمائے تھے، اور وہ اُسکو اُسکے مقاصد تک پہنچانے والے تھے۔ اور اللہ سبحانہ نے آسمان کے دروازوں کو بھی سبب فرمایا ہے کیونکہ وہ آسمان میں داخل ہونے کے رستے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے قول کو بیان کیا ہے کہ اُس نے اپنے وزیر سے یوں کہا کہ کنیٰ **يَا أَيُّهَا الْمَلَأَآءُ اسْكُوبُوا السَّمَاوَاتِ** (تاکہ جو آسمان پر چڑھیں) کہ رستے ہیں ہم اُن رستوں پر جا پہنچیں یعنی آسمان کے دروازے تک تین سے اُس میں داخل ہوتے ہیں۔ اور شوشا عزیر نے کہا ہے

وَمِنْ حَوَاتِ السَّبَبِ الْمَكَائِيَاتُ يَتَلَمَّذُ وَكُلُّ سَامِ السَّبَابِ السَّمَاوِيَّاتُ

یعنی جو شخص تک سبب کے لڈ تا ہے تو اُس کا ذرا نقصوں ہے کیونکہ موت کے سبب تو ضرور پیش آنے والے ہیں گو وہ یہ بھی کہ ذریعہ آسمان کے دروازہ کی طرف چڑھنے کا قصد کرے اور سی کوئی اسے سبب کہتے ہیں کہ وہ مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فَلْيَمْدُ الْعَبْدُ رَبَّهُ** (تو اُسکو چاہئے کہ ہر کیفیت ایک رسی تانے بعض اہل لغت کا قول ہے کہ سبب اصل میں اُس رسی کو کہتے ہیں جو تھامت مضبوط اور لمبی ہو اور تیز رسی کو سبب اُس وقت کہا جاتا ہے۔ کہ جب اُس کے ذریعہ سے کسی چیز پر چڑھتا اور اُس سے ترنا پایا جائے۔ اُس کے بعد ہر ایک ایسی چیز کو کہ جس کے ذریعہ سے کسی مقام یا حاجت مقصودی تک رسائی ہو سبب کہنے لگے۔ چنانچہ بولتے ہیں کہ بہرہ و اور فلاں شخص کے درمیان کوئی سبب یعنی رشتہ ثابت یا علین محبت موجود نہیں۔ اولاً یہ تو تہجدوں کے اذیہ و علویات کو جو انکے آپس میں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور جن کے ذریعہ سے

وہ ایک دوسرے سے کام نہ کھاتے ہیں اسباب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ
اَتَّبَعُوا مِنَ الَّذِيْنَ اَتَّبَعُوْا وَاَسْرَادُ الْعَذَابِ وَتَفَقَّهْتَ فِيْهِمْ اَلَا سَبَابٌ (اس وقت گرد اپنے چیلے
چاٹوں۔ یہ دست بردار ہو جائینگے اور عذاب آنکھوں سے) دیکھ لینگے اور انکے (اپس کے) تعلقات
(سب) ٹوٹ جائینگے یعنی وہ تعلقات جو انکے درمیان دنیا میں قائم تھے۔ ابن عباس اور انکے صحاب
کا قول ہے کہ وہ دوستانہ تعلقات جو انکے مہربان دنیا میں قائم تھے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ لفظ اسباب
سے یہاں وہ عمل برادر ہر جن کی نسبت وہ امید کرتے تھے۔ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملے گا۔
بعض کا قول ہے کہ قرآن کے رشتے مراد ہیں جسکے سبب آپس میں ایک دوسرے پر شفقت و نرمی
کرتے تھے۔ غرض جو کچھ ہو اللہ سبحانہ نے انکو لفظ اسباب کے اسلئے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ اپنے سبب کی طرف
پہنچنے کا ذریعہ تھے۔ مگر بن اسباب کے نزدیک یہ سبب کلام مجاز پر محمول ہونگے۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ حکیم ہے۔ اس کا کوئی کام عبث نہیں بلکہ اس کے تمام کام مصلحت اور
حکمت پر مبنی ہیں اور وہ مصلحت اور حکمت جس کے لئے صدور و افعال ہو تا ہے اسکو انکی غایت مقصودہ
کہہ سکتے ہیں اور جس طرح کہہ، و افعال کے لئے اور اسباب موجب اور باعث ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح
اسکی حکمت کا مادہ اس کے صدور کے لئے باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی کلام اس پر
شاہد ہیں۔ وہ آیات اور احادیث جو اس مدعا پر دلالت کرتی ہیں۔ چونکہ ان سب کو بالاستیعاب ذکر
کرنا دشوار ہے۔ لہذا ہم انکے بعض انواع کو ذکر کرتے ہیں۔

توح اول۔ وہ آیات ہیں جن میں لفظ حکمت اور اس کے مشتقات بالتصريح مذکور ہیں چنانچہ حکمۃ
بِالْعِلْمِ وَحُكْمٌ كَامِلٌ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْکِتٰبَ وَ اَلْحِکْمَةَ (اللہ نے تم پر کتاب اتاری ہے اور فہم
دلیلم دی ہے) وَمِنْ یُّوْنُسَ الْحِکْمَةُ فَقَدْ اَوْتِیْ خَیْرًا کَثِیْرًا (اور جس کو ربات کی سمجھ دی تھی تو بیشک
اُس نے بڑی دولت پائی ہے) حکمت علم نافع اور عمل صالح کو کہتے ہیں اور انکو حکمت اسلئے کہتے ہیں
کہ ان کا تعلق اس چیز سے ہوتا ہے جسکے لئے یہ موضوع ہیں اور جو غایت ان سے مقصود ہے اس تک
پہنچا دیتے ہیں اور کسی کلام کو حکمت کہنا تب صحیح ہے جبکہ وہ غایت محمودہ اور مطالب نافع کی طرف
موصول ہو یعنی وہ علم نافع اور عمل صالح کی طرف راہ نہا جس سے غایت مطلوبہ حاصل ہوتی ہے۔ اور جب
کسی تکلم نے غلطیوں کی مصلحت کا ارادہ کیا ہو اور نہ وہ انکو سعادت کی طرف راہ نائی کرے اور نہ انکو
سعادت کے اسباب اور مواقع سے آگاہ کرے تو ایسے تکلم کو حکیم نہیں کہہ سکتے ہیں اسی طرح
اگر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی مصلحت۔ ہدایت اور سعادت مقصود نہ ہوتی اور نہ اُس نے اُس کے

اسباب و موانع بیان فرمائے ہوتے اور نہ اس کے واسطے اپنے مسلخ اور سطل بھجیتا اور نہ کتا ہیں نازل فرماتا اور
نہ اس پر ثواب و عقاب کا وعدہ اور وعید فرماتا تو وہ بھی حکیم نہ ہوتا اور نہ اسکی کلام کو حکمت کہتے۔ اور اللہ سبحانہ
کا کلام تو حکمت کیا بلکہ وہ تو حکمت بالغہ ہے کیونکہ اس نے ہر نوعی مصلحت میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا،

نوع دوم۔ وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے فلاں کام کس واسطے
کیا اور فلاں حکم کس لئے دیا ہے چنانچہ فرمایا۔ بے ذلک لیتعلموا ان الله یعلم ما فی السموات و ما فی
الارض (یہ اسلئے کہ تم کو معلوم ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ سب جانتا ہے) و
قوله تعالیٰ ان الله الذی خلق سبع سموات زوہر اکابر فی مفاصلہن یتنزل الی انزل ینزلون لیتعلموا
ان الله علیٰ کل شیء قدير و ان الله قد احاط بکل شیء علما (اللہ ہی تو ہے جس نے اہم
برترہ سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین۔ آسمان و زمین میں دانستگاری احکام اور قضا و قضا نازل
ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور نیز) کہ اللہ کا علم سب چیزوں پر حاوی
ہے) و قوله تعالیٰ بحکم الله الکعبۃ الہیۃ الحرام فیما للثانی و الشہۃ الحرام و الہدیٰ
و القلائد لیتعلموا ان الله یعلم ما فی السموات و ما فی الارض و ان الله بکل شیء
علیم (خدا نے کعبے کو کہ وہ خدا کا معبود گھر ہے لوگوں کے (اسن و اطمینان کے) قائم رکھے کا موجب
قرار دیا ہے اور اسی طرح حرمت والے مہینوں کو اور حج کی قربانی کے (بوندوں) کو اور ان (جانوروں)
جن کے گلے میں پٹے باندھ دیتے ہیں یہ اسلئے کہ تم کو معلوم ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ
(سب جانتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے) و قوله تعالیٰ رسولنا نبینا و محمد رین لیتلا
یکون للثانی علی اللہ حجة بعد الرسل (یہ سب پیغمبر دنیوں کو جنت کی خوشخبری دینے والے
اور (بدوں کو عذاب خدا سے ڈرانے والے) تھے) تاکہ پیغمبروں کے (آئے) پیچھے لوگوں کو خدا پر (کسی
طرح کا) ٹھنڈا یعنی الہام (رکھنے کا موقع باقی نہ رہے)۔ و قوله تعالیٰ انا انزلنا الیک الکتاب
یا محمدا لیتعلمہ بلیغ الناس لیمارک الله (اسے پیغمبر ہم نے کتاب بحق تم پر نازل کی ہے۔
تو اس لئے کہ جب نام کو خدا نے بتلادیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکا دیا کرو۔
و قوله تعالیٰ لیتلا یعلمہ اهل الکتاب اننا لا یقربون علیٰ ثینی و من فضل اللہ (اور یہ تم
سے اسلئے کہا جاتا ہے) کہ اہل کتاب یہ دیکھیں کہ خدا کے فضل پر کچھ دسترس نہیں) و قوله
تعالیٰ و ما جعلنا القبلة الہیۃ الہیۃ الا لیتعلمہ من یتبع الذی یرسل من ینقلب
علی عقبہ (یہ پیغمبر جس قبلے پر پہلے تھے یعنی بیت المقدس) پہلے اس کو اسی غرض

سے قرار دیا تھا کہ جب قبائے بد دیا جائے تو جو لوگ یہوں کی پیروی کریں ان کو تم ان لوگوں سے الگ کر دیا جائے گا۔
 معلوم کر لیں جو سزا پائی کرے، اپنے اسٹے پاؤں پھر جائیں، ذوالقہاسے قَاتِلُہُ یَسْلُکُہُ مِنْ بَیْنِ
 یَدَیْہِ وَ مِنْ خَلْفَہِ رَحْمَتُہُ اِنْ تَقَدْ اَبَیْتُمْ اِیَّہَا کَاٰتِ، مَسْ یُطْہِدُ (جن کے آئے
 اور انکے پیچھے) ذشتوں کا، پھر وہ انکے ساتھ رکھتا ہے تاکہ وہ یکجہ سے پیچھے دل سے اپنے پر و پکار
 کے پیغام لوگوں کو (ٹھیک ٹھیک) پہنچا دے۔ اس غلطی سے اور گمراہی سے مقرر ہو گیا ہے کہ انبیاء
 علیہم السلام کو تبلیغ رسالت میں آسانی اور قوت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ انہوں
 نے تبلیغ رسالت کے فرض کو ادا کر دیا۔ و قوله تعالیٰ وَ یُنَزِّلُ سَلَیْمًا مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّیْبَسَہُ
 کُمُ بِہِ وَ لَیَزِیْطُ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ یُخَفِّفُ بِہِ الْاَوْثَاقَ اَمَّ اور آسمان سے تم پر پانی برس رہا تھا تاکہ
 اُس کے فیروز سے تم کو پاک کرے اور شیطان کی گندگی کو تم سے دور کرے اور تاکہ تمہارے دلوں
 کی ڈھارس بندھائے و قوله تعالیٰ لَیُخَفِّقَ الْحَقُّ وَ یُطِیْلَ الْاَبَا طِلُ (تاکہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق
 کر دکھائے) و قوله تعالیٰ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَّکُمْ وَ لَیَنْتَظِمْنَ قُلُوْبُکُمْ بِہِ (اور یہ
 امداد تو خدا نے صرف تمہارے خوش کرنے کو کی ہے اور اس لئے دئی ہے کہ تمہارے دل اس سے
 تسلی پائیں و قوله تعالیٰ قُلْ نَزَّلَہُ مِنْ رُّوحِ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ لَیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
 و لَیُغْیِرَ قُلُوْبَہُمْ اِنْ لَّوْکُمْ مِنْ حَقِّ تَوْبَہِہِ لَکُمْ اِسْرَافٌ (قرآن) کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس
 (یعنی جبریل) نے کرائے میں و قوله تعالیٰ وَ مَا جَعَلْنَا الْقَبَاطِیْنَ الْاَعْمٰی لَکُمْ وَ مَا جَعَلْنَا
 عِندَ نَفْسِکُمْ لَکُمْ نَبِیًّا لَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیَسْتَفِیْحَنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْکِتٰبَ وَ یُرَدُّوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
 اِیْمًا نَّا (اور ہم نے دوزخ کے پاس بیان (آدمی نہیں بلکہ فرشتے ہی بنائے ہیں اور انکی (انہی کی) گنتی
 بھی اس غرض سے ٹھہرائی ہے کہ جو لوگ (قیامت کے) منکر ہیں ان کو ان باتوں سے اور زیادہ
 پریشانی ہو اور تاکہ اہل کتاب (سننے کے ساتھ یقین کر لیں اور جو ایمان ہیں ان باتوں سے) ان کا
 ایمان زیادہ ہو و قوله تعالیٰ وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنَا کُمْ اُمَّةً وَ سَطٰطًا تَکُوْنُوْا شَہَدًا عَلٰی النَّاسِ
 بِیَکُوْنُ اٰیٰتُہُ دَلٰلٌ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو بیچ کی (دس کی) امت (بھی) بنایا ہے
 تاکہ داور لوگوں کے مقابلے میں تم گواہ بنو اور تمہارے مقابلے میں (تمہارے) رسول محمد گواہ بنیں۔
 و قوله تعالیٰ وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لَتَبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ اِلَیْہِمْ (ہم نے تم پر بھی یہ قرآن
 اتارا ہے تاکہ وہ احکام لوگوں کی ہدایت کے لئے انکی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تم ان کو اچھی طرح سمجھا دو
 و قوله تعالیٰ فَذٰلِکَ اَبْلَغُ لِّلنَّاسِ وَ لَیُبَیِّنَنَّ لَہُمْ وَ لَیَعْلَمَنَّ اَنَّہَا هُوَ الْاِلٰہُ وَاحِدٌ وَ لَیَسْئَلَنَّکُمْ

لہذا انھما وقد ذکرتم فیہما اور اس کے بچنے ان کے سلوک کو ذکر کر دیا۔ اور اللہ سبحانہ نے یہ بھی ہم کو بتا دیا ہے کہ بندوں کے تمام احوال اسکی قضاء و قدر سے واقع ہو رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول وَكَذَلِكَ نَقُتِّلُكُمْ بِغَضَبٍ مِّنْ بَيْنِیْہُمْ لَیَقُوْا اَھْلُوْکَآءِہُمْ مِنَ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ سَیْرٌ یَّذُنٰہُمْ اَیْطٰہِرُ ہر ہے کہ حرف لام علت کے لئے ہے کیونکہ بالبعد لام اللہ تعالیٰ کے فعل مذکور یعنی بعض آدمیوں کو بعض کے ذریعہ آزمائش کی علت ہے جس طرح کہ اس نے شرفاء و سرداروں کو کمزوروں اور غلاموں کے ذریعہ آزمایا۔ کیونکہ جب معزز و شریف اور سردار لوگ دیکھتے کہ کمزور و ضعیف اور کم رتبہ آدمی اسلام لائے ہیں تو بعض متکبر لوگ اسلام کے اختیار کرنے سے تباہ چڑھتے اور یہ کہتے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ کیسے لوگ تو خیر و خوبی حاصل کریں اور ہم ان سے پیچھے رہ جائیں لہذا اسلام میں کوئی خیر و خوبی ہی نہیں در نہ ہم لوگ بوعزت و وقعت رکھتے ہیں۔ اسی سے محروم نہ رہتے ہیں ان کا یہ کہنا اس امتحان کی غایت اور حکمت ہے اور یہ خیال بھی انکو دلیلیں ہوتا کہ اگر ہم اسلام لائیں تو انہوں نے لوگوں کے ساتھ برابر بیٹھنا پڑیگا۔ ان کا یہ رویہ اور اسی باتیں صاف طور اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ دیدہ دانستہ تکبر اور غرور کی وجہ سے حق کے منکر ہوئے۔ اور اسلام قبول نہ کیا علت غائی و قریب ہے ایک وہ جو بذات خود کسی فعل سے مطلوب ہو۔ دوسری وہ جو کسی اور چیز کے لئے مطلوب ہو اور اسکی طرف وسیلہ ہو۔ ان متکبرین کا یہ قول اور جو کچھ اس پر مترتب ہوا۔ علت غائی کی دوسری قسم میں سے ہے کیونکہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی حکمت و عدل عزت۔ قہر اور سلطان کے ظاہر کرنے کی طرف وسیلہ ہیں۔ جو مقصود بالذات ہے۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی نعمتیں اس شخص کو عطا فرماتا ہے جو ان کا مستحق اور اہل ہو۔ اور جو ان کے لائق و سزاوار نہ ہو وہ اسکی نعمتوں سے محروم رہتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَلْبَیِّنٰتُ لِلّٰہِ یَا عٰلَمِہٖ بِالشَّاکِرِیْنَ (کیا اللہ شکر گزار بندوں کے حال سے بخوبی واقف نہیں) شاکرین وہ لوگ ہیں جو اسکی نعمت کی قدر سمجھتے اور اپنے منعم کا شکر بجا لاتے ہیں۔ غرض اللہ سبحانہ نے یہ امتحان اور آزمائش اسلئے فرمائی تاکہ شکر گزار اور کفران نعمت کرنیوالے ممتاز ہو جائیں۔ کہ کون شکر بجا لاتا اور کون کفران اختیار کرتا ہے ۵

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے قول اَلْیَحْیِیْ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہُمْ مَّرَمٌ وَّ اَنْقَاسِہٖ قُلُوْبِہُمْ مِّنْ مَّرَامِہٖ حِکْمَت اور تحلیل کے لئے ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے شیطان کی اس بات کو جو رسول کے کلام کے بیچ میں اس نے کہی تھی۔ لوگوں کے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ بنایا جس سے منافقین اور وہ لوگ جن کے

دلیوں میں رنگ اور قسادت تھی شک و شبہ میں پڑے اور فطرتِ منین نے اس بات کا یقین کیا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے اور نصرتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے پیچھے رسول ہیں اور شیطان نے جو بات کہی ہے وہ جھوٹا اور باطل ہے۔ ایمان و معرفتِ علیہ السلام میں ہر ایمان ٹھٹھے اور اس کے دل اُس پر ثابت اور قائم ہو گئے ہیں اس تحاں اور اس کے قدر کرنے کی یہ غایت متفقہ و رہہ ہے۔ اللہ سبحانہ نے بندوں کے قلوب اور دل میں تم کے بنائے ہیں۔ مریض قیامتِ محبت اور یہ تین قسم اس طرح پر ہیں کہ بعض قلوب ایسے شک۔ اور جامد ہوتے ہیں۔ وہ حق کے قبول کرنے اور اسکے ماننے کے لئے نرم نہیں ہوتے ایسے قلوب قاسی اور چھری کی مانند ہیں۔ کہ جو ہدایت انکو سنائی جائے اُس کو قبول نہیں کرتے۔ حق اور علوم نافع اُن میں جاگزیں نہیں ہوتے۔ اور نہ اعمال صالحہ کی طرف اُٹل ہوئے ہیں۔ اور بعض قلوب ایسے ہیں جو حق کو قبول تو کر لیتے ہیں۔ اور اُن میں حق منتقل ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ ان میں نہف ہوتا ہے اس واسطے وہ حق اُن میں ثابت اور قائم نہیں ہوتا ایسے قلوب مریض ہیں اور بعض قلوب ایسے ہیں کہ جن میں حق کے قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اور ساتھ ہی اسکے اُن میں قوت اور مضبوطی ایسی ہوتی ہے۔ کہ حق اور ہدایت اُن سے کبھی زائل نہیں ہوتی ایسے قلوب محبت اور صمیم ہیں۔ ان میں تین صفتیں موجو ہوتی ہیں۔ صلابت۔ محنائی اور نرمی۔ صفائی کے درجہ سے حق کو دیکھتے اور صلابت اور سختی کی وجہ سے حق پر قائم و دائم رہتے اور نرمی کی وجہ سے حق کو قبول کرتے اور اسی صفت کی وجہ سے خلق خدا پر رحم کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں مروی ہے کہ بندوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے برحق ہیں۔ جو اُس نے اپنی زمین میں رکھے ہوئے ہیں سب زیادہ محبوب۔ اللہ سبحانہ کے نزدیک وہ بڑے ہے جو ثابت مضبوط۔ اور بہت قیمتی اور اعلیٰ درجہ کا صاف ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان قلوب والوں کے شان میں فرمایا ہے اَشِدَّاءَ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءَ بَيْنَهُمْ (کافروں کے حق میں بڑے سخت (میں مگر آپس میں مہربان) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے اُن مومنین کی صفت بیان فرمائی ہے جنہوں نے اپنی صفائی قلب سے حق اور ایمان کو پہچانا اور دل کی مضبوطی کے سبب کفار پر غالب رہے اور اُس کی نجات کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے پر رحم کیا۔ اُنکی اہم یہ ہے کہ دل بدن کے تمام اعضاؤں کا سردار اور ان کا بادشاہ ہے۔ بدن کے تمام اعضاء اسی طرح تین قسم ہیں۔ مثلاً ہاتھ ہی کو دیکھ لیجئے ہاتھ ایسے خشک ہو جاتے ہیں کہ وہ زادہ زودھڑ سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں۔ پس ایسے ہاتھ قاب قاسو) کے مشابہ ہیں اور لیجئے ہاتھ ایسے ہوتے ہیں جو چیزوں کو پکڑ تو سکتے ہیں مگر

نے اس حکم یعنی محاسبہ کرنے میں سب کو شامل کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جسے چاہے بخش دے۔ اور جسے چاہے محض کرے پس اس آیت سے یہ سمجھنا کہ اللہ سبحانہ ہر ایک کو سزا دے یعنی عقاب فرمائیگا۔ اللہ سبحانہ کے منشاء کے خلاف تھا اس واسطے آیت سَرِّدْنَا لَا تَوَاخِذُ نَا اِنْ لَّيْسَ مِنَّا اَوْ اَخْلَاْنَا الْاَيَةُ کے ساتھ یہ مضمون اُنکے اذعان سے نکال دیا۔ القائے شیطان کے نسخ اور اس میں تنازع ہے کہ یہ اس مضمون کا نسخ ہے جو کلام الہی کے منشاء کے خلاف سمجھا گیا۔ اور وہ اس کلام کا نسخ ہے جو غیر خدا نے اُنکے کانوں میں اُردی اور پڑھنے کے وقت زیچ میں ملا دی تھی۔ صحابہ اور تابعین کے نزدیک نسخ کے ایک تیسرے معنی بھی ہیں کہ آیات کو اُنکے ظاہر الفاظ پر محمول نہ کرنا بلکہ عام کو خاص اور مطلق کو مقید کر لینا یہ بھی بمعنی نسخ ہے اور نسخ بدیں معنی اُنکے کلام میں کثرت سے متسل ہے۔ اور نسخ کے چوتھے معنی جو متاخرین کے نزدیک مشہور اور انکی اصلاح میں براد ہوتے ہیں یہ ہیں کہ ایک حکم شرعی کو جو پہلے ثابت ہو کسی دلیل سے اٹھا دینا۔ غرض نسخ کے چار معنی اور لفظ احکام کے تین معنی ہیں ایک وہ جو متشابہ کے مقابل لے جاتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ مِنْهُ اَيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ (جس میں سے بعض آیتیں بلی (یعنی صاف و صریح) ہیں کہ وہی اصل کتاب ہیں اور بعض) دوسری بہم (کہ اُنکے معنوں میں کئی پہلو بکھل سکتے ہیں) دوسرے وہ جو الفاظ شیطان کے نسخ کے مقابل مراد ہیں۔ کہ قولہ تعالیٰ فَيُتَنَبِّئُكَ اللهُ مَا يَتْلُو الشَّيْطَانُ لَعْنَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ اللهُ اَيَاتِهِ دُجْرًا وَاُخَرُ كَارِهًا نے وسوسہ شیطانی کو دور کر دیا اور اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیا احکام بدیں معنی تمام آیات میں موجود ہے یعنی سب کی سب مثبت و مقرر و مبتین ہیں چنانچہ فرمایا ہے۔ کِتَابٌ اُحْكِمَتْ اَيَاتُهُ (وہ کتاب جس کی آیتیں مضبوط ہیں) تیسرے وہ جو آیات منسوخہ کے مقابل ارادہ کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ سلف صالحین کے اس قسم کے اقوال بکثرت موجود ہیں کہ یہ آیت محکم ہے یعنی منسوخ نہیں۔ اور احکام کے معانی متعدد اسلئے ہیں کہ احکام بھی نفس کلام میں ہوتا ہے۔ جو کہ القائے شیطان کے مقابل ہے۔ یہاں حکم بمعنی مفصل ہے یعنی اللہ سبحانہ نے اپنے کلام کو شیطان کے کلام سے اس طرح ممتاز اور علیحدہ کر دیا کہ اس کو منسوخ اور باطل کر دیا تاکہ کلام منزل من اللہ اور اُس کے درمیان کسی طرح کا اشتباہ نہ پڑے۔ اور کبھی احکام حکم منزل کے باقی اور تکرار کئے میں مقصود ہوتا ہے کہ ثبوت کے بعد وہ منسوخ نہیں کیا جاتا۔ اور کبھی کلام منزل کے معنی اور تاویل کے متعلق پایا جاتا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ معنی مقصود کو غیر مقصود سے ممتاز کر دیا کہ اُسکے سمجھنے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ پیدا ہو۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ آیہ یَجْعَلُ سَائِقِي الشَّيْطَانِ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَدٌّ
 میں حرف لام اپنے اصل کے مطابق تعلیل کے لئے ہے۔ اور اس امتحان اور آزمائش سے یہ ظلو بہت
 کہ مختلف قسم کے قلوب یعنی مریدانہ، قاسیہ اور مجتہد کے باطنی احوال ظاہر ہو جائیں۔ پس مریدانہ اور قاسیہ
 کا تشک اور کفر ظاہر ہوا اور مجتہد کا ایمان۔ ہدایت اور ایمان کی محبت اور کفر و شرک سے بغض اور
 نفرت ظاہر ہوئے اور یہی آزمائش القاسیہ شیطان کی بڑی حکمت ہے +

فصل - اللہ تعالیٰ کے قول لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَرُبَّمَا بَيِّنَةٌ مِنْ بَيِّنَةٍ حرف
 لام قاعدہ کے مطابق تعلیل کے لئے ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے اپنی وحی کی بیان خدائی
 ہے جو مسلمانوں اور کفار کے آپس میں اجانب ٹھہرنے والے اور پھر مسلمانوں کے ایسی حالت میں غالب
 اور کامیاب ہوئے۔ پس پشیمید اور مخفی بھی کہ بظاہر ان کے فتنہ اور غالب آنے کی کوئی صورت نہ تھی
 کیونکہ ایک تو انکی تعداد ہی بہت کم تھی۔ اور پھر ان کے پاس کوئی سامان نہ تھا جس سے کفار کے ایک
 عظیم الشان اور کثیر التعداد لشکر کا مقابلہ کر سکتے جس کے پاس ہر قسم کے سامان موجود ہوتا تھا۔ انسان کے
 دہم میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ مسلمان ایسی کمزوری کمی اور بے سامانی کی حالت میں غالب آ سکیں گے پس
 مسلمانوں کا ایسی حالت میں ضرور فتنہ ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ جس سے
 اُس نے اپنے رسول اور کتاب کی تصدیق ظاہر فرمائی۔ تاکہ جو شخص اس نشانی کے بعد کفر و عناد
 اختیار کریگا۔ تو اُس کے لئے اللہ سبحانہ کے نزدیک کوئی محبت نہ ہوگی۔ اور جو شخص اسلام لائیگا۔ تو اس کے
 دل میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہیگا۔ پس یہ کتنی بڑی حکمت ہے اور اسکی نظیریہ دوسری آیت
 بھی موجود ہے اِنَّ هُوَ اَكْذَرُ وَخَرَّ اَنْ مَبِينٌ لِّمَنْ كَانَ حَيًّا وَبَيِّنَةٌ الْقَوْلُ
 عَلَى الْكَافِرِيْنَ (یہ قرآن، تو بس (بڑی) نصیحت ہے اور پڑھنے کے لائق (اور) عام فہم ہے
 اور اس کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جو زندہ دل، ہوں انکو (عذابِ خدا سے) ڈراوے
 اور منکر دین پر محبت (الہی) قائم ہو) +

فصل - اللہ تعالیٰ کے قول وَلَقَدْ صَغِيَ آيَاهُ أَفْنَدًا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
 میں بھی حرف لام اپنے قاعدہ کے مطابق تعلیل کے لئے کیونکہ اس کے دو سنے ہو سکتے ہیں۔ اول یہ
 کہ لام کا بعد کفار کے فعل یعنی ایک دوسرے کو بہکانے کی علت ہے۔ اور اس وقت لفظ غروراً
 پر یہ موقوف ہو گیا۔ اور موقوف اور موقوف علیہ دونوں کفار کے فعل مذکور کا مفعول نہ ہو گئے یعنی وہ
 ایک دوسرے کو اس لئے بہکاتے ہیں تاکہ انکو دھوکے میں ڈالیں اور اُن کے دل اپنے سابقہ

کی تقدیر میں مقدم ہو چکی ہے۔ غمیرہ ہمارے مرجع میں مندرج ہے۔ کے تین قول ہیں جن میں سے کہا ہے کہ اس کا
 یہ حق انتظام نفس ہے اور بعضے مصیبت اور بعضے آرزو کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بیان فرمایا ہے کہ
 ملکیت پہنچانے اور مندرستی بخشنے میں باتوں پر سے قدرت ہے اور یہ امور اس کے نزدیک۔ کوئی ثواب
 نہیں اور اس کے سزا کرنے کی طاقت اور حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب بندوں کو یقین پہنچا
 کہ جو مصیبت انہیں پیش آتی ہے وہ پہلے سے تقدیر میں تھی اور ان کو اپنے مطلوب کے
 خوشی پر غم اور دہشت پیدا نہ ہوگا۔ اور نہ کسی مرغوب چیز کے حاصل ہونے پر اتنا غم گھٹے کیونکہ وہ
 سمجھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزوں میں کوئی نہ کوئی دمکٹا ہے۔ تو پھر ایسی چیزوں کے حاصل ہونے
 پر جس کے ساتھ مصیبت لگی ہے فرحت اور خوشی ظاہر کرنے کا کیا موقع ہے چونکہ مصیبت کسی مرغوب
 چیز کے فوت ہونے یا اس کے چھوٹ جانے کے ذریعہ اندیشہ یا کسی کراہ چیز کے حصول پانے کی جال بننے
 کے خوف کو متنبہ ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جملہ کائنات سے متنبہ فرمایا ہے کہ جو مرغوب چیز حاصل
 ہو۔ اس کی مخالفت پر اور کسی مطلوب چیز کے نہ ملنے پر غم و اندوہ نہ ہونا چاہئے۔ اور جملہ لائق و امیں
 اس پر آمادہ فرمایا کہ اگر کوئی مطلوب چیز حاصل ہو جائے تو قبل اس کے کہ کسی مخالفت کا وقت آئے نفس پہلے سے اس کی مخالفت کا متحمل
 بنالینا اور پھر مفارقت کے صدمہ پر صبر کرنا ضروری ہے۔ چونکہ جملہ مصائب بدنی اسی قسم کی
 ہوتی ہیں۔ اور جب بندے کو یقین ہوگا کہ یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقدم اور مکتوب
 ہیں۔ اور جو مصیبت پیش آتی ہے وہ کبھی ٹلنے کی نہ تھی۔ اور جو ٹل گئی ہے وہ کبھی پیش آنی والی
 نہ تھی۔ تو آدمی کے دل میں ایک سکون اور اطمینان حاصل ہو جائیگا اور ان کا تحمل اور برداشت
 کرنا آسان ہو جائیگا۔ اور ان کی نسبت یہ بھیجیگا کہ گرمی سردی وغیرہ مقررہ چیزوں کی طرح یہ بھی مقررہ

امور ہیں۔

فصل نوح رابع وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے افعال کا مفعول لڑکر کیا گیا ہے۔ چونکہ قاعدہ
 مذکورہ ہے کہ مفعول اپنے فعل کی علت ہو کر کتاب ہے تو یہ آیات ہمراہ دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
 کے افعال حکمت اور غایت سے خالی نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَتَرَكْنَا عَالَمَكُمُ الْكَافِرِينَ
 تَبَايَا تَارِكًا شَيْءًا وَهُدًى وَجْهًا (اور اس نے پیغمبر ایمان سے تم پر رہ کر کتاب نازل کی ہے جس میں)
 بہ چیز کا بیان (دشانی ہے) اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اس آیت میں مھار دینا کا
 بڑی اور جزا کو بنا مفعول کہ منصوب قرار دینا واضح اور اس میں چنانچہ دوسری آیت لَتَبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ
 مَا تَزَلَّ إِلَيْهِمْ آيَاتِهِ اَلَا يَهْدِي اللَّهُ لِقَوْمٍ يُفْقِدُونَ (اور دوسری) غرض یہ ہے کہ

ہے۔ اور ان دونوں امر سے ہدایت کا اتمام ہوتا ہے۔

فصل۔ نوع غاس وہ آیات ہیں جن میں لفظ اَنْ اور اُسکے بعد فعل مستقبل پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اپنے ماقبل کی علت ظاہر کرے۔ کہو لا تملک لے اَنْ تَقُولُوا اِنَّمَا اَنْزَلَ الْكِتَابُ عَلٰی طَائِفَتَيْنِ مِّنْ قَبْلِنَا اَرْکُمَا بَادِئِی الْکَلَامِ کو کہیں یہ کہہ سکیں کہ ہم سے پہلے دیہود و نعمانی / بس وہی گردہ پر کتاب اتاری تھی / و قَاتِلَانِی اَنْ تَقُولَنَّحْسٌ یُّحْسِرُنِی (کہیں کسیا نہ ہو کہ وہ میں سے / کوئی کہنے لگے اے اخروس / و قوله تملک لے اَنْ تَفِیْلَ اِخْذَ لَهْمَا فَنُتْلَا کِیْرَ اِسْلَامَ لَهْمَا الْاٰخِرَی (کہ ان میں سے کوئی ایک۔ بھول جائیگی تو ایک دوسری کو یاد دلاو گی / وغیرہ وہ آیات جن میں اَنْ کے بعد فعل مستقبل سوائے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ماقبل کی علت ظاہر کرے۔ اس قسم کی آیات کے متعلق نحو میں کوئی کافہ مذہب ہے کہ وہ لفظ اَنْ سے پہلے حرف ل کا ہو اور اس کے بعد انھی محذوف قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ اصل میں اِسْلَامًا تَقُولُوا اور اِسْلَامًا تَقُولُ ہے۔ اور اہل بصرہ کا یہ مذہب ہے کہ وہ اَنْ سے پہلے مفعول ل محذوف ٹھہراتے اور کہتے ہیں کہ اصل میں یوں ہے کَمَا هَآءِ اَنْ تَقُولُوا یَا حَیْذَ اِیْرَ اَنْ تَقُولُوا۔ اگر کوئی شخص یہ تفسیر کرے کہ یہ دونوں مذہب اللہ تعالیٰ کے قول اَنْ تَقْضِیْ اِحْذَ لَهْمَا فَنُتْلَا کِیْرَ اِخْذَ لَهْمَا الْاٰخِرَی میں کس طرح باری ہو سکتے ہیں کیونکہ اَرْکُمَا محذوف مانکر یوں کہا جائے لَیْسَ تَقْضِیْ اِخْذَ لَهْمَا فَنُتْلَا کِیْرَ اِخْذَ لَهْمَا الْاٰخِرَی پر عطف کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح اگر حَذَّ اِیْرَ اَنْ تَقْضِیْ کہا جائے تب بھی عطف درست نہیں۔ اور اگر لفظ ارادہ محذوف سمجھ کر اِدَادَۃً اَنْ تَقْضِیْ کہا جائے تو یہ مطلب بھی ٹھیک نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کا مطلب ایسا ظاہر ہے کہ اس سے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ مطلب یہ ہے۔ کہ جب ایک عورت شہادت دینے میں کچھ غلطی کرے یا کوئی بات اسے بھول گئی ہو۔ تو دوسری عورت اس کو سمجھا دے۔ اور چونکہ غلطی کرنا یاد دلانے کا سبب ہے اسلئے اس کو علت کے قائم مقام کیا گیا ہے چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ میں نے اس لکڑی کو اسلئے تیار رکھا ہے کہ جب دیوار گرنے لگے گی۔ تو اُسکو ستون بنا دوں گا یعنی اس لکڑی کو ستون بنانے کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ نہ کہ دیوار کے گرانے کے لئے یا یوں کہا کرتے ہیں۔ کہ یہ دو امیں نے اسلئے متیار کر رکھی ہے۔ کہ اگر بیمار ہو گیا تو اُسکو استعمال کروں گا وغیرہ اس قسم کے اور بھی محاورے ہیں۔ سیبویہ اور اہل بصرہ کا یہ قول ہے۔ اہل کوفہ کا یہ قول ہے کہ یہاں لفظ کی محذوف ہے اور اصل میں یوں ہے کِیْ تَنْتَلَا کِیْرَ اِخْذَ لَهْمَا الْاٰخِرَی اِنْ ضَلَّکَ مگر چونکہ جردہ مقدم ہو گئی۔ اسلئے اِنْ عربی شرط بھی ماقبل کے ساتھ متصل ہو گیا اور

سنہ ۱۰۰۰ء میں کیا۔ یہ کہ یہ بیت اس محاورہ کے مطابق ہے کہ لَنْعَ بَنِي آدَمَ يَسْأَلُ السَّائِلَ نَيْطًا
 اس کا معنی ہے کہ اگر سائل سائل کرے تو اس کو کچھ دے دینا مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ یہ اور بیٹا بیٹا
 کہ سائل کرے: بھلا معلوم ہوتا ہے بلکہ سوال کرنے پر عطا کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور آیت ذِٰلِكَ اَنْذَرُ
 بَرَاءَتٍ مِّنْ بَنِي آدَمَ مِمَّنْ ضَلَّ ذَرِيَّتَهُمْ وَ اَنَّهُمْ عَلَى الْغَيْبِ هُمْ السَّائِلُونَ
 بَرَاءَتُكُمْ قَالُوا اَتَى السُّعُودُ قَالُوا اِنْ تَوَلَّوْا نَبَوْكُمْ اَوْ هِيَ سَلَا اِنَّا لَنَشَاعُرُ هَذَا اَنَا عَلَيْنَ اَنْ
 نَقُودُ اِلَيْهَا اَسْتَرْكَا اَيَاؤُنَا مِنْ قَبْلِ كَلَّا ذَرِيَّتَهُ مِمَّنْ ضَلَّ ذَرِيَّتَهُمْ اَوْ اُسَ غَيْرِ اِنْ لَوْ كُنُوْا
 وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی بیٹیوں سے انکی نیکیوں
 کو باہر نکالا۔ اور ان کے مقابلے میں خود انہی کو گواہ بنایا اور اس طرح پرکھائے۔ سے پوچھا کیا میں تمہارا
 پروردگار نہیں ہوں۔ بے ہوش ہوں یا ہم اس بات کے گواہ ہیں۔ اور یہ اس شخص سے کیا کہ ایسا نہ تھا
 کہ میں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم تر اس مات سے یہ خبر ہی ہے یعنی کسی نے ہم کو بتایا
 بتایا نہیں) یا کہنے لگو کہ شرک ابتدائیں تو تمہارے بیٹوں ہی نے کیا اور ہم ان ہی کی اولاد تھے۔ لکن ان
 کے بعد دُنیا میں آئے جیسے بڑوں کو کرتے دیکھا۔ ایسا ہی ہم بھی کرنے لگے۔ ہمیں بھی لفظ اُن کے بعد
 فعل مستقبل قبل کی علت بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ نے اس آیت میں اخذ
 مبشرات یعنی بنی آدم سے وہ۔ یعنی کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ قیامت کے دن وہ یہ حجت
 نہ کہ یہ کہ ہم اس دین سے جاہل اور نادانفہم تھے یا کہ ہم اپنے آپ داد کی آقا پر پہنچے۔ ہمارا کیا قصہ
 ہے اور اسی طرح آیت وَ ذَرِكُوْا مِثْلَ اَنْ تَكُوْنُوْا نَفْسًا يَّحْدَا كَسَبَتْ (اور قرآن کے ذریعے سے
 ان کو سمجھاتے رہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص (قیامت میں) اپنے کرتوت کے بارے میں بتلائے اُن
 جو جاتے) میں بھی لفظ اُن کے بعد فعل مستقبل کی علت کے لئے ذکر ہے۔ لفظ یہاں ضمیر مجرور
 قرآن کی طرف راجع ہے اور اُن تَنْسَلُ بنا برفعول کے لئے کے منصوب ہے۔ اور اصل میں اس طرح
 ہے اَنْ تَنْسَلُ جبر کا صوب یہ ہے کہ اس بات سے بچنے کے لئے ہماری احکام سمجھا دو کہ
 کوئی جان (سیخری میں) پاکت میں پڑے اور اپنی بد اعمالی کی سزا میں گرفتار نہ رہے ۴

فصل - نوع سادس۔ وہ آیات میں جن میں حرف علت یعنی مِنْ اَجْلِ بِالْقَرَعِ موجود ہے چنانچہ
 تعالیٰ نے فرمایا ہے مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي اِسْرٰٓءَٓلَ اَنَّهُمْ مِّنْ فَنَّا نَفْسًا يَّحْدَا كَسَبَتْ
 فَتَاوِي فِي الْاَرْضِ قَتَلْنَا قَتْلًا مِّنْ جَبِيْنًا (اسی واقعہ کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو تحریر
 حکم دیا کہ جو کوئی جان کے بدلے نہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی سزا کے طور پر نہیں۔) بلکہ ناحق کسی

کو مار ڈالے تو اس کی نسبت ایسا سمجھا جائیگا کہ گویا اس نے تمام آدمیوں کو مار ڈالا بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ
یہ آجیل ذلک جملہ قاصحہ حیات النقاد حینئذ کی علت ہے یہ تھا قابل اپنے بھائی کے قتل کرنے کی وجہ
سے نادم ہوا۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ ایک تو سیاق و سباق و ترتیب سے یہ خلاف ہے۔ دوسرے اس کے فکر
کرنے میں کچھ عیسائیت کا فائدہ نہیں۔ اور کتابت مذکورہ کے ساتھ علت بیان کرنے کی وقت اور قتل کی جرائی
کی علت شان جاتی ہوگی۔ اگر کوئی شخص یہ ہتھیار کرے کہ ایک شخص کا قتل کرنا ایک دوسری
امت و جماعت پر حکم مذکور کے مقرر کرنے کی علت کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور یہ ایک جان کا قتل
کرنے والا تمام لوگوں کے قاتل کے حکم میں کس طرح ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ افسوس
بھی اپنے عقدا و قدر کو شرع اور امر کے لئے علت اور سبب بٹھاتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کوئی
اور تقدیری حکم کو شرعی اور دینی حکم کیلئے علت قرار دیا ہے اسکی تکمیل یہ ہے کہ چونکہ جان کا مار ڈالنا
انسان کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا ظلم اور فساد ہے اسلئے اسکا تمام برائیوں سے بڑا ثلیم ہے اور سب کے گناہوں سے
اس کا گناہ زیادہ بڑا ہے اور ایک جان کے مار ڈالنے والے کو تمام لوگوں کے قاتل کے حکم میں فرمایا ہے
اور تشبیہ کیلئے ضروری نہیں ہے کہ شبہ بن کل الوجہ مشابہ کے موافق ہو۔ اور جبکہ سب نفوس
کا قاتل دوزخ میں داخل ہوگا اور ایک جان کا قاتل بھی اس میں داخل کیا جائیگا اور دوزخ میں داخل
ہونے کی صفت میں دونوں یکساں ہیں اسلئے تشبیہ صحیح اور درست ہے اور بن کل الوجہ موافق ہونا
تشبیہ کیلئے ضروری نہیں جس طرح کہ جو شخص شراب کا ایک قطرہ پی لے وہ بھی گناہگار ہے اور جو
کئی من پانی جائے وہ بھی گناہگار ہے اور دو شخص گناہگار ہونے میں یکساں ہیں گو مقدار میں تفاوت
اور اختلاف ہے۔ اور اسی طرح جس نے ایک بار زنا کیا وہ بھی گناہگار ہے اور جس نے کئی بار کیا
وہ بھی گناہگار ہے۔ اور دو گناہگار ہونے میں شریک ہیں۔ اگرچہ گناہ کی مقدار میں فرق ہے مگر گناہ کا
تو دونوں ہیں۔ بجا بڑے کے اس قول (کہ جو شخص ایک جان کو مار ڈالے وہ بھی دوسرا ہی دوزخ میں داخل ہوگا)
جو کہ وہ شخص جو سب آدمیوں کو مار ڈالے۔ مطلب ہے غرض نفس ایک ہی تشبیہ ہو کر دونوں کی مذمت ہو سکتی ہے۔ اور یہ تشبیہ نہیں کہ
دونوں کا ایک ہی قسم کا عذاب ہو گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیاوی مشابہت اور سرائیں تشبیہ ہو۔ کیونکہ
دنیاوی سزا ایک جان کے قاتل اور بہت سی جانوں کے قاتل پر ایک ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص
شراب کا ایک قطرہ پی لے تو دنیا میں اس پر بھی وہی حد قائم ہوگی۔ جو شراب کی ایک سنگ پینے سے
پر قائم ہوگی۔ اور جو ایک عورت سے زنا کرے اس پر ادھو ہزار عورتوں سے زنا کرے۔ دونوں پر ایک
ہی حد قائم کی جائیگی۔ جن اودن زید نے بھی مطلب بیان کیا ہے۔ کہ ایک جان کے مار ڈالنے

اَوْ قَالَ لَبَعَثَ اللَّهُ رَبِّيَ اَسْرُسُوْا لَنَا لَوْ كُنَّا فِي الْاَسْرَافِ سُلْطٰنًا يَّتَّقُوْنَ مَطْمَئِنِّينَ
 اَلْوَلَدَاحَ كَيْفَ يَنْدَرُ مِنَ الْاَسْرَافِ سُلْطٰنًا سُرُسُوْا لَنَا لَوْ كُنَّا فِي الْاَسْرَافِ سُلْطٰنًا يَّتَّقُوْنَ مَطْمَئِنِّينَ
 اَوْ كُنِي تَوَانِ كَوَارِثَانِ لَنَا سَلْبًا سَلْبًا سَلْبًا سَلْبًا سَلْبًا سَلْبًا سَلْبًا سَلْبًا سَلْبًا سَلْبًا سَلْبًا
 پینسر بنا کر بیجا ہے (یعنی پیغمبرؐ کو گمراہی کو جواب دو کہ اگر فرشتے (جستہ) ہوتے کہ وہ بڑے زمین پر
 اطمینان سے چلنے پھرتے تو ہم فرشتے ہی کو آسمان سے پیغمبر بنا کر ان کے پاس بھیجتے اس کی بہت سی
 آیتیں فرشتہ رسول نہ بنانے کا سبب اور ماننا بتلا دیا ہے کہ نہ کہہ کہے زمین مسکن نہیں بنائی گئی
 اور نہ وہ اس میں ٹھہرتے ہو کر رہ سکتے ہیں۔ بلکہ روئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کہے اور نہ پہنچا نے اور ان کے
 باری کرنے کے لئے زمین میں اتار دیا ہے اور پھر آسمان کی طرف چڑھ جائے ہیں۔ وقال تعالیٰ
 وَمَا مَسْجِدُآلِهٖنَّ اَوْ مَسْجِدُ الْاَكَاثِرِ اَوْ مَسْجِدُ الْاَكَاثِرِ اَوْ مَسْجِدُ الْاَكَاثِرِ اَوْ مَسْجِدُ الْاَكَاثِرِ اَوْ مَسْجِدُ الْاَكَاثِرِ
 بھیجنے سے (کوئی وجہ) مانع نہیں رہی، مگر یہی کہ ان لوگوں نے انکو جھٹلایا اس آیت میں اللہ سبحانہ
 نے اس امر کی حکمت اور مانع بتلا دیا ہے کہ مشرکین کی طلب اور سوال کے موافق رسول صلعم کو آیات اور معجزات
 اس نے عطا نہیں فرمائے کیسے آیات موجب ایمان نہیں کیونکہ ہم سابقہ نے جب انبیاء سے معجزات
 طلب کئے اور انکی خواہش اور سوال کے مطابق انکو دے گئے۔ تو ہم سابقہ نے انکی تکذیب کی جس پر وہ
 ہلاک اور تباہ کی گئیں پس چونکہ ایسے معجزات عطا کرنے میں سائلین کے لئے مصیبت نہیں لہذا اپنے
 پیارے نبی کو وہ معجزات جو مشرکین نے طلب کئے ہیں عطا نہیں فرمائے کیونکہ اس کی حکمت کا نتیجہ
 نہیں۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ سے قوم ثمود کا ذکر فرمایا ہے کہ جب انہوں نے بھڑے ناقہ طلب کیا اور انکی
 طلب کے موافق عطا کیا تو وہ ایمان نہ لائے اور ایمان نہ لانے کے سبب ہلاک لئے گئے۔ پس
 انکے سوال کے پورا کرنے میں انکی بیخبری اور بربادی ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا
 مَسْجِدُ الْاَكَاثِرِ اَوْ مَسْجِدُ الْاَكَاثِرِ اَوْ مَسْجِدُ الْاَكَاثِرِ اَوْ مَسْجِدُ الْاَكَاثِرِ اَوْ مَسْجِدُ الْاَكَاثِرِ
 بھیجا کرتے ہیں (یعنی معجزات و آیات کو ہم خوف دلانے اور ڈرانے کے لئے ظاہر کرتے ہیں لفظ
 تَخْلِيفًا بنا برضول لہ جو نے کے منصوب ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ جن آیات سے چاہتا
 ہے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اپنی شرارت سے باز آجائیں اور عبرت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ
 کی طرف رجوع کریں۔ وہ آیات جن سے اللہ تعالیٰ بندوں کو ڈراتا ہے عام ہیں خواہ نبی کے وقت
 میں ظاہر ہوں یا اس کے بعد کسی دوسرے زمانے میں واقع ہوں کیونکہ اللہ سبحانہ ہمیشہ ایسے آیات ظاہر
 فرماتا رہتا ہے جن کے دیکھنے سے بندوں کے دلوں میں خوف اور عبرت پیدا ہو وقال تعالیٰ وَقَالُوا

كُلًّا يُزِيلُ عَبْدُكَ اَيُّهُنَّ شَرٌّ لَّكَ قُلْ اِنَّ اِلَهَ قَادِرٌ عَلَى اَنْ يُزِيلَ اَيُّهُنَّ اَلَّذِي اَكْثَرُ هُدًى
 لَا يَخْلُقُ بَرُّوْنَ (اور دیکھا فرمائیے کہ اس (دعویٰ رسالت) کے پروردگار کی طرف سے کتنی نشان (دستی
 معجزہ جیسا ہم کہتے ہیں) کیوں نہیں آتا؟ (اسے پیغمبر تم ان کے جواب میں کہو کہ اللہ نشان دہنی فرمائی معجزہ
 کے آتے ہیں پر (جی) قادر ہے مگر ان میں سے اکثر وہاں آئی صلتوں کو نہیں جانتے) یعنی اکثر لوگ اس امر کی
 حکمت نہیں سمجھتے کہ ایسے آفات و معجزات جو مسکین طلب کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام۔ کے ہاتھ پر ظاہر
 نہ کرنے میں بندوں کی کیا مصلحت ہے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ
 ان کے ظاہر کرنے پر قادر ہے کیونکہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے میں جو لوگ اس کے وجود کے
 قائل ہیں۔ ان میں سے کسی کو شک و شبہ نہیں۔ البتہ ایسے معجزات کے ظاہر نہ کرنے کی حکمت و
 مصلحت کو اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

فصل - نوع ثامنہ آیات میں جن میں اللہ سبحانہ نے ان حکمتوں اور غایات کو بیان فرمایا ہے جو
 اُس نے سلسلہ خلق اور اس میں ودیعت رکھی ہیں چنانچہ فرمایا ہے اَلَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْمَاءَ مِنْ
 فَوْقِ السَّمَاءِ بَنَاءً وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاصْبَارَ بِهِ مِنْ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ
 (جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بنایا اور آسمان کی چھت اور آسمان سے پانی برس کر اُس سے
 تمہارے کھانے کے پھل پیدا کئے) وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاصْبَارَ بِهِ مِنْ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ
 خَلَقْنَاكُمْ اَزْوَاجًا وَجَعَلْنَا بَيْنَكُمْ سُبُلًا وَجَعَلْنَا الْاَلْيُسُوفَ لِيَاْسَا وَجَعَلْنَا السَّحَابَ مَوَاسِدًا
 (لوگو! کیا ہم نے زمین کو تمہارا فرش اور پہاڑوں کو زمین کی میٹھی نہیں بنایا اور اس کے علاوہ
 ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی موعودت) پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہاری زمین کو (موجب) راحت بنایا اور
 ہم ہی نے رات کو پردہ پوش بنایا اور ہم ہی نے دن کو روزی (کے دھندوں کا وقت) بنایا اور اَنْزَلْنَا
 مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا لِّتُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا وَجَنَّاتٍ اَلْفَاافًا (اور ہم ہی نے بادلوں سے
 نعد کا پانی برسایا تاکہ ہم اُس کے ذریعے سے غلہ اور بر طرح کی روئیدگی اور گھنے گھنے باغ (زمین) سم
 نکالیں) تَبَّكَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاصْبَارَ بِهِ مِنْ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ
 شَجَرَاتٍ وَاصْقَيْنَاكُمْ مَاءً فَرَّارًا لِّكَيْلَا تَحْبَطَ اَمْوَالُكُمْ وَاَنْزَلْنَا مِنْكُمْ
 بَنِيًا وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ثَجَّاجًا لِّتُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا وَجَنَّاتٍ اَلْفَاافًا
 (اور اس کے علاوہ اُس میں اپنے اپنے اٹل پہاڑ چلا دئے اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا)
 وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاصْبَارَ بِهِ مِنْ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ خَلَقْنَاكُمْ اَزْوَاجًا
 وَجَعَلْنَا بَيْنَكُمْ سُبُلًا وَجَعَلْنَا الْاَلْيُسُوفَ لِيَاْسَا وَجَعَلْنَا السَّحَابَ مَوَاسِدًا
 تَخْتَفُونَ ثَمَارًا مِنْكُمْ وَبِئْسَ ثَمَرًا لِّمَنْ اَصْحَابُهَا وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ثَجَّاجًا
 لِّتُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا وَجَنَّاتٍ اَلْفَاافًا (اور اس کے علاوہ اُس میں اپنے اپنے اٹل پہاڑ چلا دئے اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا)
 وَجَعَلْنَا بَيْنَكُمْ سُبُلًا وَجَعَلْنَا الْاَلْيُسُوفَ لِيَاْسَا وَجَعَلْنَا السَّحَابَ مَوَاسِدًا

اَنَّا نَادَوْا مَتَّى عَلٰى حَيٍّ وَاَلَلَّهٖ جَعَلْنَا لَكُمۡ مَّطَا حَقَّقَ طَرَا سَهًا وَيَجْعَلُ لَكُمۡ سُرَّ اَيُّلَ تَقِيْلِكُمۡ
 اَلْحَسَّ وَنَمَرًا اَيُّلَ تَقِيْلِكُمۡ بِأَسَا كُمۡ (اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو ٹھکانا بنایا۔
 اور چوپایوں کی کھانوں سے تمہارے لئے زایا خاص قسم کے) گھر (یعنی پیچھے وغیرہ) بنا کے کہ تم اپنے
 کوچ کے وقت اور اپنے ٹھہرنے کے وقت اُن کو ہلکا بھلکا) پاتے ہو اور چار پاؤں کی اونٹ اور اُن کی
 روزں اور بکے بالوں سے تمہارے بہت سے سامان اور بکار آد چیریں بنائیں (کہ تم) ایک وقت
 خاص تک (ان سے قائم اٹھاؤ) اور اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے
 بنائے اور پھاٹوں سے (از قلم غار وغیرہ) تمہارے چھپ بیٹھنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے
 (کپڑے کے) کڑتے بنائے جو تم کو گرمی (سردی) سے بچائیں اور کچھ لوہے کے) کرتے بنائے (یعنی
 زنجیریں) جو تم کو تمہاری (ایک دوسرے کی) زد سے بچائیں (وَقَوْلُ تَعَالٰی فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی
 طَعَامِیْہِ) تو آدمی کو چاہئے کہ (اور نہیں تو) اپنے کھانے (دی) کی طرف نظر کرے (مَتَّى نَا لَكُمۡ
 وَكَانَ لَكُمۡ) (ایسا) اس لئے کہ تم لوگوں کو اور تمہارے چار پاؤں کو قائم رہنے تک (وَقَوْلُ تَعَالٰی
 وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اَنَّا جَعَلْنَا لَكُمۡ مِنَ الْفِیْکُمۡ اَزْوَاجًا لَّتَسْكُنُوْا اِلَیْہَا) اور اسی کی (قدرت کی)
 نشانوں میں سے (ایک یہ بھی) ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیسیاں پیدا کیں
 تاکہ تم کو انہی طرف رغبت کرنے سے راحت ملے (وَقَوْلُ تَعَالٰی اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
 وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاصْبِرْ بِہٖ مِنَ الْقَمَرِ اِیَّیۡرُ دَقَّا لَكُمۡ وَصَحَّی
 لَكُمۡ الْفَلَکَ لِتَجْرِیٰ فِیۡہِ اَبْجَیۡ بِاَمْرِہٖ وَصَحَّی لَكُمۡ اَلْاَنْہَآرَ وَصَحَّی لَكُمۡ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
 ذَا اَبْجَیۡنَ وَصَحَّی لَكُمۡ الْکِیۡلَ وَالْاَنْہَآرَ) (اللہ ہی) (ایسا قادر مطلق) ہے جس نے آسمان اور زمین
 کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسیا پھر پانی کے ذریعے سے (درختوں) بھل نکالے کہ وہ تم لوگوں کی
 روزی ہے اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ اُسکے حکم سے دریا میں چلیں اور دریا ندیوں کو
 تمہارے اختیار میں کر دیا اور اسی طرح ایک اعتبار سے (سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ
 وہ نوپڑے چکر کھا رہے ہیں اور ایسا ہی ایک طرح سے) رات اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا
 (وَقَوْلُ تَعَالٰی اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّیۡ اَبْجَیۡ لَكُمۡ فِیۡہِ اَبْجَیۡ بِالْقَمَرِ وَتَلَبَّحُوْا مِنْ فَضْلِہٖ
 وَلَعَلَّکُمۡ تَشْكُرُوْنَ) (لوگو! اللہ قادر مطلق) ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا تاکہ خدا کے
 حکم سے اُس میں جہاز چلیں اور تاکہ تم لوگ اُسکے فضل (یعنی معاش) کو تلاش کرو) انکے علاوہ اس قسم
 کی بہت سی آیات ہیں۔ اگر کوئی شخص تھوڑا سا غور کرے تو اسکو ان آیات سے اس بات کا یقین

اور غایت مقصودہ کے لئے نہ ہوں وہ اس طرح کہہ سکتا ہے کہ ہم نے یہ کام فلاں مصلحت کے لئے
کیا اور وہ کام فلاں حکمت کے لئے اور اس کا یوں کہنا کبھی صحیح ہو سکتا ہے ہرگز۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ
اللہ تعالیٰ کے افعال محل بال حکمت ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ ان آیات کا خلاف کہتے ہیں +
فصل - نوع گیارہویں وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے اُن لوگوں کے خیال کی تردید کی ہے
جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے مخلوق کو کسی غایت یا نکتہ کیلئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ محض عبث طور پر
پیدا کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّكُمْ خُلِقْتُمْ لَمْ تُعْبَثُوا (لوگو! کیا تم ایسا
خیال کرتے ہو کہ جس نے تم کو (یوں ہی) بنے کا یہ پیدا کر دیا ہے) اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّكُمْ خُلِقْتُمْ لَمْ تُعْبَثُوا
سداً (کیا انسان (ایسا خیال کرتا ہے کہ اس کو بلا باز پرس) یوں ہی چھوڑ دیا جائیگا) وَمَا
سَلَفْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِیْبٍ مَّا خَلَقْنَاهُنَّ هٰذَا لَاعِیْبًا مَحْقٍ (اور ہم نے
آسمانوں (کو) اور زمین کو اور جو چیزیں آسمان و زمین میں ہیں انکو کھلیں بنانے کے لئے پیدا نہیں کیا)
ہم نے آسمان و زمین کو ایک غرض اور مصلحت سے پیدا کیا ہے حتیٰ سے وہ حکم اور غایات محو وہ
مراد ہیں جن کے لئے یہ تمام سلسلہ قائم اور پیدا کیا ہے اور ان غایات اور حکمتوں کے بہت سے
انواع ہیں۔ بخلاف ان کے ایک یہ حکمت ہے کہ مخلوق کو اللہ سبحانہ کے اسماء صفات۔ اور افعال اور
آیات کی معرفت نسل جو۔ اور ایک یہ حکمت ہے کہ اُن کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو۔ اور اس
کی عبادت ذکر۔ شکر اور اطاعت میں مصروف ہوں۔ اور ایک یہ حکمت ہے کہ اُن کا امر اور
نہی جاری ہو۔ اور شرائع کو منظور فرمائے۔ اور یہ کہ اپنی مملکت میں اپنا تصرف و تدبیر اور تقید احکام
فرمائے اور یہ کہ فرماں برداروں اور نیک لوگوں کو ثواب اور بدلہ عطا فرمائے اور نافرمانوں اور بدکاروں
کو سزا دے تاکہ اُس کے فعل و فعل کا اثر موجود و مشاہد ہو جس پر اس کی تعریف و ثنا کریں اور شکر بجا
لائیں۔ اور یہ کہ مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ اُس کے سوا کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں۔ اور سب کا وہی
رب ہے۔ اور یہ کہ صادق کو اسکی صداقت پر عزت بخشے اور کاذب کو اس کے کذب پر ذلت پہنچائے۔
اور یہ کہ اللہ سبحانہ کے مختلف اسماء اور متعدد اوصاف کے آثار و وجود ہنی اور خارجی ہیں ظاہر
ہوں جس سے بندوں کو ایسا علم حاصل ہو جو واقع کے مطابق ہو یعنی جب بندوں کی ہر ایک اسماء و صفات
کا مقتدا و براہ بننے کے مطابق اُن اسماء و صفات کے آثار و ظاہر ہوں تو عظیم نفس اور عظیم مطابق ہوں مثلاً اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے
پر یقین کیا اور ہر قدرت کے آثار و خارج میں پائے گئے۔ تو یہ اعتقاد نفس اور نفس الامر واقع کے مطابق
ہوا اور یہ کہ سب مخلوق اُس کی توحید۔ ربوبیت۔ الٰہیت۔ وجودیت اور حقیقت اور الٰہیت پر

شہد ہو اور یہ کہ اُس کے کمال کے آثار کا ظور ہو۔ کیونکہ صنعت اور پیدا کرنا اُس کے کمال کے نوازم سے ہے۔
 اس لئے کہ وہ حقِ قدیر ہے۔ اور جو شخص حق اور صاحبِ قدرت ہو وہ اپنے افعال میں فاعل مختار ہوتا ہے
 اور یہ کہ مخلوقات میں اُسکی حکمت کے آثار ظاہر ہوں۔ کہ اُس نے ہر ایک چیز کو اُس کے مناسب موقع
 میں رکھا ہے۔ اور اُس نے ہر ایک چیز کو ایسی وجہ پر بسایا ہے جیسا کہ عقل اور فطرت کا مقتضی ہے
 اور اس سے اُسکی حکمت کا مد کا حسن ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ سبحانہ کو یہ بات محبوب ہے کہ
 وہ اپنے بندوں پر جوہ۔ انعام فرمائے اور ان کے گناہوں سے درگزر کرے۔ اور انکی دعاؤں کو قبولیت
 بخشنے جو خلق اور شرع کے لوازم سے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اُس بات کو چاہتا ہے۔ کہ اُس کی ثنا۔ منج
 تمجید۔ تسبیح اور تعظیم کی بائے۔ اور یہ کہ اُس کی وحدانیت۔ ربوبیت اور الوہیت کے شواہد کثرت
 سے موجود ہوں۔ مذکورہ بالا امور کے علاوہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں اور بہت سی کمیتیں موجود ہیں۔
 پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حق کے ساتھ اور حق کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور فی نفس حق ہے
 اور اس کا صدور حق سے ہے اور اسکی غایت حق ہے اور وہ حق کو تضمن ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے
 اپنے اُن بندوں کی تعریف فرمائی ہے۔ جو اُس کے خلق اور ایجاد کو عبث اور بطل غایت ہونے سے
 منہ پرہیز کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے وَیَقُولُوا لَمْ يَكُنْ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْ رَبِّنَا مَا
 كُنْتُمْ هَٰذَا أَبَاطِلًا مَخْلُوعَاتٍ (اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں اور بے اختیار
 بول اُٹھتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے اس درکار خانہ عالم کو بے فائدہ تو نہیں بنایا تیری
 ذات کے فعل عبث کے کرنے سے) اور اللہ سبحانہ نے یہ بھی بتلادیا ہے کہ اُس کے
 خلق و ایجاد کو عبث اور بلا غایت سمجھنا کفار کا خیال ہے اُس کے پیارے بندے اور مومن لوگ اس کو
 عبث نہیں سمجھتے چنانچہ فرمایا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِإِذْنِكَ
 فَلْيُذَكِّرْ الْكَافِرِينَ (اور ہم نے آسمان زمین کو اور جو چیزیں آسمان زمین میں ہیں اُن کو بیکار
 نہیں پیدا کیا۔ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں) جو لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
 مخلوقات کو کسی حکمت اور غایت کیلئے پیدا نہیں کیا۔ اور اسی طرح اُس کے اقدار اور نواہی کے لئے
 کوئی حکمت اور غایت نہیں بلکہ سلسلہ خلق اور امر محض اُسکی ستیت اور قدرت سے ہوں کسی
 حکمت اور غایت مقصودہ کے صادر ہوئے ہیں۔ حقیقت انہوں نے اللہ سبحانہ کی شان کو
 نہیں سمجھا۔ اور اُسکی صفت محمودیت کے وہ منکر ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ خلق اور امر و نواہی کے لئے
 غایات مقصودہ ہیں اور وہ حکمت پر مبنی اور اُس کے محمود اور حکیم ہونے کے مظہر ہیں۔ پس خلق اور امر کو

بدون حکمت اور غایت سمجھنا کو یا خلق اور امر کی حقیقت کا انکار کرنا ہے۔ منکرین حکمت جس بات کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اسکی نسبت کرنے سے منزہ اور متعالیٰ ہے۔ وہ اسے خلق اور امر کے قائل ہیں جس میں نہ کوئی حکمت ہے اور نہ رحمت اور نہ مصلحت اُنکے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے کام کے کرنے کا حکم کرے جس میں مکلف کے لئے کوئی مصلحت نہ ہو اور ایسے کام سے جس میں اُس کی بہتری اور مصلحت ہو منع کر دے۔ اُنکے نزدیک یہ وہ ذکیسا ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا ہے جائز ہے کہ اُن سے منع کر دیا اور جن سے منع کیا ہے جائز ہے کہ اُنکے بجالانے کا حکم فرمایا ہو اور یہ اور منہی عنہ امور میں کوئی فرق نہیں صرف اُسکے امر اور منہی سے بعض امور بہ اور بعض منہی عنہ ہو گئے ہیں ورنہ سب کام یکساں ہیں اور اُنکے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ جس شخص نے ایک لمحہ بھر بھی خدا کی نافرمانی نہ کی ہو بلکہ اُس نے تمام عمر اللہ کی اطاعت شکر اور ذکر میں صرف کر دی اُسکو عذاب میں ڈالے۔ اور جس نے ایک لمحہ اسکی اطاعت نہ کی ہو بلکہ تمام عمر کفر شرک ظلم فتنہ فجور میں گزار دی ہو اُس کا انعام و اکرام کرے اور اس کا خلاف معلوم ہونے کے لئے رسول صلعم کی خبر کے سوا اور کوئی طریق نہیں۔ اُن کا یہ خیال اللہ تعالیٰ کی نسبت نہایت بظنی اور بے ادبی ہے اور اس خیال سے اُس کو منزہ سمجھنا ایسا ضروری ہے جیسا ظلم اور جور سے اُسکو منزہ جاننا ضروری ہے۔ ایسا خیال کرنا گویا خدا کو ظالم اور جائز سمجھنا ہے۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ اس مذہب کے لوگ اللہ سبحانہ کو بہت سے ایسے صفات کمال اور لغوت جلال سے جن کے ساتھ اُس نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اس خیال سے منزہ سمجھتے ہیں۔ کہ ایسے صفات کا ماننا خدا کو جسم اور مشابہ بالخلق جانتا ہے۔ اور اس ظلم اور جور سے اللہ تعالیٰ کو منزہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کو عدل اور حق سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ اُس کے بدو توحید کامل نہیں ہوتی۔ جیسے کہ استواء علی العرش۔ عن فوق سموات۔ حکم۔ تکلیف وغیرہ صفات کمال کے انکار کے سوا توحید کامل نہیں ہوتی۔ غرض اس گروہ کے نزدیک خدا کے صفات کمال کے انکار اور اس ظلم اور جور کے اثبات کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی۔ واللہ ولی التوفیق +

فصل۔ بارہویں نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں کے برابر قرار دینے اور ایک جیسی چیزوں میں فرق نکالنے کو فرمایا اور یہ بتلایا ہے کہ یہ اُس کے عدل اور حکمت کے خلاف ہے چنانچہ فرمایا ہے **فَجَعَلْنَا الْمُسْلِمِينَ كَالْأَحْيَاءِ مِمَّنْ مَّا لَكُمْ بِهِ كَيْفَ يَحْكُمُونَ** (کیا ہم اپنے فرمانبردار بندوں کو گنہگاروں کے برابر کر دیں گے۔ تم لوگوں کو کیا رہ گیا ہے کیسے رہے گی)

حکم لگایا کرتے ہوئے اس آیت میں اللہ سبحانہ نے بتلادیا ہے کہ مطلق اور نافرمان کو کیسا قرار دینا ناجائز اور ظلم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو نسبت کرنا ایسا ناجائز ہے جیسا کہ فقر حاجت اور ظلم کو اس کی طرف نسبت کرنا ناجائز اور باطل ہے۔ اور منکرین حکمت، تعمیل کے نزدیک، مگر اللہ سبحانہ کی طرف منسوب کرنا جائز بلکہ ایسے خیال میں یہ مساوات واقع اور مجرد ہے۔ وقال تعالى انما لى ام يحفل الكذبت امنوا وعملوا الصالحات كما المفسدين في الاخر من ام يحفل المشقين كالفجار

رکھا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (یعنی) کئے ان کو ہم ان ہی جیسا کہ کئے (یعنی) جو لوگ بس فساد پھیلاتے پھرتے ہیں، وقال تعالى ام حسب الذین خلدوا السنين اب ان فحاشهم ص كاذبت امنوا وعملوا الصالحات سوء فحاشهم و فحاشهم سوء ما يحكمون۔

(جو لوگ بدکاریوں کے مرتکب ہوتے جتے ہیں کیا انہوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ ہم انکو ان ہی لوگوں جیسا کر دیئے جو ایمان لائے اور (ایمان) کے علاوہ انہوں نے نیک عمل (یعنی) کئے ان کو ان سب کامرنا اور ان سب کا جینا ایک ہی طرح کا ہو یہ (لوگ) کیا ہی اُسے حکم لگایا کرتے ہیں)

اس آیت میں اللہ سبحانہ نے بتلادیا ہے کہ اس قسم کی مساوات کا حکم کرنا برابر ہے اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا اور نہ اس کو اس کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ بلکہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ غیر کسی تکلیف اور امتحان کے جس سے ان کا صبر و شکر معلوم ہو جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ انکے اس خیال کو اللہ سبحانہ نے رد فرمایا اور بتلایا ہے کہ یہ اسکی حکمت کے خلاف ہے چنانچہ فرمایا ہے

ام حسبهم ان تد خلقوا الجنة ولكم يا تكدم مثل الذين خلوا من قبلهم مسشهم الكاساء والظن آء و زلزلوا (مسلمانو! کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ (مڑے سے) بشت میں جا داخل ہو گے حالانکہ وہی تک تم کو ان لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ ان کو سختیاں (یعنی) پہنیں اور تکلیفیں (یعنی) پہنیں اور جھڑپڑائے (یعنی) گئے) وقال تعالى

ام حسبهم ان تد خلقوا الجنة ولما يكلم الله الذين جا هدا ومنكم و تكلم الصابرين

کیا تم اس خیال میں ہو کہ تم جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے نہ تو ان لوگوں کو جانچا جو تم میں سے جا کر رہے ہیں اور نہ ان لوگوں کو جانچا جو ثابت قدم ہیں، وقال تعالى ام حسبهم ان تد خلقوا الجنة ولما يكلم الله الذين جا هدا ومنكم و تكلم الصابرين

اللہ و لا من سولہ و لا المؤمنین و لیجہ (مسلمانو! کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ (مڑے سے) چھوٹ جاؤ گے اور ابھی اللہ نے ان لوگوں کو (یعنی) طرح طرح سے جانچا، کیا تم نہیں جانتے ہو کہ تم میں سے

بہاؤ کرتے اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو بچھڑ کر کسی کو اپنا دوست نہیں بناتے، اللہ سبحانہ نے ان کے پاس
 اور مان کر دفرمایا ہے کہ یہ انکی حکمت کے تقاضا ہے۔ اور وہ آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔
 ایک جیسی چیزوں میں فرق نہیں کرنا چاہئے وہ یہ ہیں۔ مَن يَطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأَلَيْنَاكَ مِمَّا الَّذِينَ
 أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ
 أُولَئِكَ شَرِيفًا (اور جو اللہ اور رسول کا کہا لئے۔ ایسے ہی رحمت میں، ان (مقبول بندوں)
 کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے بڑے بڑے) حسانات کے یعنی نبی اور صدیق و شہید اور صالحین
 نیک بنئے اور یہ لوگ دیکھا ہی اچھے ساتھی ہیں) وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاؤُ
 بَعْضٍ (اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک کے رفیق ایک) الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ
 بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ (منافق مرد اور منافق عورتیں ایک کے مجلس ایک) قَاسِمَاتُ كَهْمُ رُفَقَاتِهِ
 أَتَى كَأَصْنَعِهِمْ عَمَلًا مِّمَّنْ تَكْمُلُ مِنْ ذَلِكَ أَوْ أَتَى يَوْضَعَهُمْ مِنْ بَعْضٍ دُونِ كَافِرٍ
 نے انکی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ تم میں سے کسی دیکھ اہل گریہ کے عمل کو اکارت نہیں جانے
 دیتے مرد ہو یا عورت (وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُمْ كَانُوا أَبْنَاءَ كَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَانُوا
 اور جب رشفت اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے انکو انسانی عطا فرماں اور (نیر فضیلت) علم اور ہم نیکو کاروں
 کو ہی طرح دانی نیک کا ہند دیا کرتے ہیں) أَلْفَا تَرَكْتُمْ خَيْرًا مِّنْ أُولَئِكَ مَن يَكْمُلُ مِنْ كَمِ
 جو منکر نہیں وہ ان لوگوں سے بھی بڑھ کر ہیں) أَدْعُو اللَّهَ عَلَيْهِمْ وَنَسَاكُمَا فَرِيقًا مِّمَّنْ لَّمْ يَكُنْ
 اُن کو مٹس مٹس کر دیا اور ایسا ہی کچھ (ان کافروں کو دہی پیش آنا ہے) مَنَّا مَنَّا قَدْ أَرْسَلْنَا
 قَبْلَكَ مِنْ مَّرْسَلَاتِنَا نَحْنُ بِلَا (تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں ان کا
 یہی دستور رہا ہے اور جو دستور ہمارے دیکھائے ہوئے ہیں ان میں تم بھی بھی) رَدُّوهُلْ هُوَ تَا
 رَدُّوهُلْ (مَنَّا أَلَّهِ الْغَنَى قَدْ خَلَقْتَ مِنْ قَبْلِ وَلَنْ يَخْلُقَ اللَّهُ تَبْدِيلًا) (وہ اللہ کا
 دستور ہوا جو پہلے ہی ہوتا چلا آیا اور اسے بھیجنا تم اللہ کے دستور کی غیر تبدل رہتا ہوا پائے) مَنَّا أَلَّهِ الْغَنَى قَدْ
 خَلَقْتَ مِنْ قَبْلِ رَاشِدًا كَدَسْتَوْدُوهُ سَوْرَتَا جَلِيلًا وَفَدَسْتَوْدُوهُ سَوْرَتَا جَلِيلًا
 کو خالق حق و جلالہ و نفوذ کونست و نہدی پہنچا، ہر ایک انکی کائنات اللہ و رسولہ لیتا لیتا لکن مَنَّا مَنَّا
 (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے) بر خلاف کرتے ہیں (وہ آخر کار ایسے ہی) ذلیل ہونگے جیسے ان
 سے اگلے زمانہ ان: ذلیل ہونے ان کے علاوہ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں جن سے یہ
 معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ہی نہ کی حکمت اور عدل کا یہ تقاضا ہے کہ ہر ایک چیز کا حکم وہی ہے جو اس کی

نظیر۔ مثال چیز کہے اور کسی نہ اور مخالف چیز کے حکم کے برخلاف ہے۔ اگر ہم ان سب آیات کو
بالاستنباط ذکر کریں۔ تو اس مضمون پر ایک دوسرے پر مشتمل کتاب تیار ہو جائے۔
مصلحت۔ بنیادی نوح۔ یہ آیات میں جن میں اللہ سبحانہ نے اپنے کلام میں تدبیر اور فکر کرنے کا امر فرمایا اور
اپنے دامن۔ نواہی اور زواجر کے متعلق غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر ان چیزوں میں بدعتیں مصلح۔ غایا
مطلوبہ اور عواقب محمود نہ ہوں جو غور و فکر کا فائدہ دے۔ بلکہ برکت فکر کا فساد اور سبب ہیں۔ تو ان میں تدبیر
و فکر کرنے کا کچھ مطلب نہ ہو گا۔ بلکہ اللہ سبحانہ نے اپنے کلام میں تدبیر اور فکر کا حکم دیا ہے۔ کہ
اپنے بندوں کو اپنی حکمت بالغہ اور ان نایات اور مصالح پر ہدایتیں موجود ہیں مطلع فرمائے تاکہ ان کے
معلوم کرنے سے وہ اس بات کا اقرار کریں کہ یہ قرآن اللہ حکیم حمید کا کلام ہے اور یہ ان بنسب کے حکمت و
تفصیل کا خیال ہے۔ اگر یہ صحیح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دامن اور نواہی کسی حکمت اور مصلحت پر مبنی نہیں بلکہ
فحش اس کی مشیت اور قدرت سے صادر ہیں تو اس لحاظ سے تو یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ عجز اس
کے ساتھ کسی کا ذی شخص کی تائید۔ نصرت کرے اور اُس کے باطل خیالات کو عروج اور ترقی دے۔ اور
اہل حق کو ذلیل اور خوار کرے۔ اور اُنکے حق نہ ہونے کو مغلوب رکھے۔ اور اس بنا پر بندوں کے لئے
کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہوگی جس سے وہ کسی رسول من اللہ کی رسالت کی تصدیق کر سکیں یا وہ اُسکو
اُنکے سامنے بطور حجت پیش کر سکے کیونکہ جو چیزات انہیں پیش کریں گے وہ اُنکے ساتھ مضمون نہیں بلکہ
اس نہ ہونے والوں کے نزدیک تو چھوٹے شخص سے بھی ایسے تجربات ظاہر ہو سکتے ہیں تو ایسا دق
اور کاذب یا بڑا اور فاجر کے درمیان تمیز کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ ان لوگوں نے حکمت اور تفصیل
کا انکار کرنے سے اپنے آپ پر ایمان و ہدایت کا دروازہ بند اور حق کے نہ ماننے، در بدیہات کے
انکار کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کے خلق اور امر میں وہ حکمتیں مصلح بہتہ صمدہ اور نایا
محمودہ موجود ہیں جن پر فطرت اور مثل شاہد ہیں۔ اور کوئی سلیم لفظہ انکار نہیں کر سکتا۔ تعجب یہ
ہے کہ بہ لوگ ان غایات کا پاکہ طرح اقرار بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال پر مصالح اور
غایات مترتب ہیں لیکن یہ ترتیب محض اتفاقی ہے قصد اور ارادہ سے نہیں جیسے کہ کوئی بھاری چیز کوئی
یا پتھر اوپر سے گرنے اور اتفاق سے اُس کے محاذی بیچے کوئی موذی جانور گذر رہا ہو اور اُس پر پڑے
اور اُس کو ہلاک کر دے۔ اُنکو اس خیال سے صاف ظاہر ہے کہ ان مصالح۔ منافع اور حکم کے اللہ سبحانہ
کے افعال اور امر پر ترتیب ہونے سے اللہ سبحانہ قابل تہنوع نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ منافع اتفاقی طور پر پائے جاتے ہیں انکا ارادہ
اور قصد موجود نہیں ہوتے اور جو چیز فاعل کلام اور قصد سے موجود نہ ہو اُس پر تو قابل حمد و ثناء نہیں ہو سکتا بلکہ

ہے نہ کہ عجز اور جہل سے۔ **وَقَالَ تَعَالَى ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ** (یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست اور مہربان ہے) آگاہ ہے یہ آیت قرآن کریم میں بہت سے مواقع میں نہ کہ اسے یہی جہاں جہاں اسے پہنچانے ابراہیم علیہ السلام نے۔ رات کو وقت آرام بنانے سے رنج اور چاند کی باغاندہ حرکت آسمان کو تاروں سے مزین کرنے وغیرہ ایک ایسا امور کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں اس آیت کے ذکر فرماتے سے یہ بتلایا ہے کہ بہ حکم ترتیب اور مضبوط انتظام اللہ سبحانہ کی عزت اور علم سے وجود اور قائم ہے نہ کہ اتفاقیہ امور کی طرح بعض انسانی طور پر ہے کہ اس کا فاعل قابل مدح اور ثناء نہ ہو۔ اور سرور و شہوانہ میں انبیائے سابقین علیہم السلام اور انکی امتوں کے حالات ذکر فرماتے کے بعد ایک دفعہ کے اخیر میں فرمایا ہے **وَرَبَّنَا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ كُنْزُ الْغَيْبِ** (اور اے غیب کے خزانے کے تبار اور دور کار اللہ ہی پرست اور ربم والا ہے) یعنی اللہ سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین یا مخالفین کے لئے جو کچھ حکم فرمایا ہے وہ اس کے کمال عزت اور حرمت سے صادر ہوا ہے یعنی جو لوگ محبت کے غنی تھے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین ان پر محبت فرمائی اور جو عذاب کے مستحق تھے ان مخالفین یا بدیہوں سے اپنی عزت اور قہاریت کے موافق انتقام لیا۔ اور یہ حکمت جو اس پر مرتب ہوئی ہے یہ ایک نقص دہی چیز اور طلب سربہ نہ کہ فضیلتی ہے۔

وَمُتَّعِلٌ نہ ہوتی نوع و آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کا حکم تمام احکام سے احسن اور اس کی تدبیر یا نشایت عوامہ تقدیر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اللہ سبحانہ۔ یہ احکام و حکمت اور مصلحت کے مطابق نہ ہوں۔ نہ پھر وہ احسن نہیں ہو سکتے۔ اور عیساکہ منابر حکمت اور تعیل کا خیال ہے اگر ان کا حسن محض اس وجہ سے ہو کہ وہ اللہ سبحانہ کی قدرت میں داخل ہیں۔ اور اس کے معلومات سے ہیں تو اس طرح تو وہ امور اور احکام بھی جو احکام شرعہ کے خلاف ہیں اس میں ہونے چاہئے۔ اس لئے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کا علم ان کو بھی محیط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے اور جمہ اشیاء کو اس کا علم حاوی ہے۔ پس اس بنا پر تو تمام قدورات اور ملوحت احسن احکام و احسن تقادیر ہونے چاہئے اور ایسا ہونا ناجائز اور باطل ہے۔ قال تعالیٰ **وَمَنْ أَسْرَأُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا يُفْقَهُمْ يَقُولُونَ** (اور جو لوگ یقین کرنے والے ہیں ان کے لئے اللہ سے بہتر حکم دینے والا اور کون ہو سکتا ہے) وقال تعالیٰ **وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا فَرَسُوا** (اللہ کی وجہ سے اللہ) **وَهُوَ مُحْسِنٌ** (اور اس شخص سے کس کا دین بہتر ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا اور وہ بیگوں بھی ہے) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ حق

کہ قول ہے کہ اللہ سبحانہ کو اگرچہ ان تمام چیزوں پر قدرت ہے۔ جن سے اسکی مشیت متعلق ہو لیکن
 راجحہ کہ وہ عادل ہے لہذا اسکی مشیت عدل ہی سے متعلق ہوتی ہے۔ ابن انباری کا قول ہے
 کہ چونکہ اَلَا هُوَ اَخَذَ بِتَأْخِذَاتِهِ کای معنی ہے کہ اللہ سبحانہ وہ عظیم السلطان قاہر ہے۔ کہ کوئی جانہ
 اس کے قبضہ سے باہر نہیں۔ اسلئے اسکی مناسبت سے اُس کے بعد اِنَّ رَحْمَتِي وَسِعَتْ اِطْلَاقَ
 مَسْتَقِيمٍ ذکر فرمایا تاکہ یہ دہم نہ پائیے ہو کہ جب وہ ایسا قہار اور غالب ہے تو ممکن ہے کہ وہ اپنی
 مخلوق میں سے کسی پر جبر اور ظلم روا رکھتا ہو۔ لہذا یہ جملہ ذکر فرما کر متباد کیا کہ وہ حق اور انصاف
 پر ہے۔ اور یہ جملہ عرب کے اُس محاورہ کے مطابق ہے کہ جب انکو کسی آدمی کے حسن سیرت
 عدل و انصاف کی تعریف کرنی مقصود ہو۔ تو یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کا طریق حسن ہے
 اِس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کا راستہ اچھا ہے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ وہ نیک سیرت۔ اور
 عادل و منصف ہے۔ اِس جملہ کے معنی کے متعلق اور بھی چند اقوال ہیں۔ جو اسی معنی کے
 لوازم اور آثار سے ہیں چنانچہ بعض مفسرین نے اُس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ میرا رب سچے
 راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنا اِس بات کو مستلزم ہے
 کہ وہ خود بھی سیدھے راستے پر ہو اور نیز اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت رحیم و بخشنہ۔
 عادل اور حکیم ہے۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ کوئی چیز اُس پر بھی نہیں۔ اور کوئی شخص اُسکی
 گرفت سے بھاگ نہیں سکتا۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ سب کا راستہ اُسی کی طرف ہے چنانچہ
 اِنَّ رَبَّنَا لَیْلَیْہِمْ صَادِقٌ (بیشک تمہارا پروردگار (نافرانوں کی) تاک میں (لگا رہتا ہے) اُس کے
 لئے سدید ہے۔ یہ اخیر معنی کوئی نہ سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن اِس جملہ کے یہ معنی قرار دینا کچھ بعید معلوم
 ہوتے ہیں کیونکہ اگر اِس قول کا یہ مطلب ہو کہ اگر سب لوگ صراط مستقیم پر چلتے ہیں۔ تو چونکہ سب لوگ
 اِس پر نہیں چلتے پس یہ کہنا کہ سب لوگ اللہ کے راستے پر چلتے ہیں ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور
 اگر یہ مطلب ہے کہ سب لوگ اگر اُسی کی طرف جائینگے۔ تو اس مضمون کو اللہ سبحانہ نے دوسرے
 عنوان سے صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے چنانچہ وہ یہ الفاظ ہے اَلِیْنَا رَجْعُھُمْ (ان کو ہم)
 کو ہماری طرف لوٹ کرنا ہے) اِنَّ اِلَیْنَا رَاجِعُھُمْ (بے شک ان (سب) کو ہماری طرف لوٹ کر
 آنا ہے) اِنَّ رَبَّنَا لَیْلَیْہِمْ صَادِقٌ (بیشک تیرا پروردگار (نافرانوں کی) تاک میں (لگا رہتا ہے)۔
 اِنَّ رَبَّنَا لَیْلَیْہِمْ صَادِقٌ (اور بیشک (آخر کار سب کو) خدا تک پہنچنا ہے) اور اِس جملہ کا تو یہ
 مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ جو کچھ فرماتا ہے وہ سب حق اور جو کوئی کام کرتا ہے وہ تمام درست اور

صواب ہیں۔ اُسکے کلمات صدق اور عدل ہیں غرض اللہ سبحانہ کا ہر قول افضل صواب اور خیر ہے چنانچہ فرمایا ہے **وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ** وہ اپنے تمام اقوال میں جو کہ حق۔ عدل صِدق اور حکمت ہیں قابلِ حمد اور تعریف ہے۔ اور اس جملہ کے یہ تو کلام عرب میں مشہور ہیں چنانچہ جریر نے نایفۃ المسلمین عمر بن عبدالعزیز کی مدح میں کہا ہے ۔

أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيٌّ صِرَاطٌ إِذَا انْعَوْجَ الْمَوْجُ اسْتَقِيمَ
امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیزؓ توسید ہے راستہ یعنی عدل و انصاف پر قائم ہے۔ جب اور لوگوں کے راستے ٹھٹھکے ہو گئے ہیں جب انہوں نے ظلم اور بے انصافی کو اختیار کیا تو عمر بن عبدالعزیزؓ انصاف پر قائم رہا جب اللہ سبحانہ کے صراطِ مستقیم پر قائم ہونے کے معنی معلوم ہو چکے تو یہ بات روشن اور واضح ہو گئی کہ وہ جو کام کرنا ہے وہ کسی ایسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے جس پر وہ قابلِ حمد اور تعریف ہے اور اُس کا کوئی کام غایتِ مطلوبہ کے بغیر نہیں۔ غرض اُسکے تمام افعال حکمت ۔

مصلحت۔ احسان۔ رحمت۔ عدل۔ صواب پر مبنی ہیں اور اُسکے تمام اقوال عدل اور صدق ہیں۔
فصل۔ بشرطِ ہر نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے اپنے افعال پر خود اپنی حمد فرمائی ہے اور اپنے بندوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اُس کے افعال پر اسکی حمد اور تعریف کریں۔ اور اس کی یہی وجہ ہے کہ اُس کے افعال کے لئے وہ غایاتِ محمودہ اور حقائقِ حمیدہ ہیں۔ کہ جن کا فاعل مستحقِ حمد اور قابلِ تعریف ہے۔ اللہ سبحانہ خود نفسِ افعال پر اُنکے غایات کے قصد و ارادہ پر اور اُن کے حصول پر بہین چیزوں پر مجبور ہے۔ اور منکرِ حق حکمت اور تعلیل کے نزدیک غایات کے قصد اور اُنکے حصول پر اللہ سبحانہ قابلِ حمد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُنکے نزدیک اللہ سبحانہ کا مانتا یا نہ کا قصد و ارادہ کرنا محال ہے اور اُن کا حصول نفسِ اتفاقی ہے۔ پس جس چیز کا اللہ تعالیٰ ارادہ نہیں کر سکتا۔ اُس کے ارادہ اور حصول پر حمد کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ رہا نفسِ فعل سو ظاہر ہے کہ اگر اُسکے لئے کوئی ایسی غایت مقصود نہ ہو جس کا حصول بہ نسبت اُسکے عدم حصول کے ادلے اور بہتر ہو تو ایسے فعل کا فاعل مستحقِ حمد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ایسے فعل کا صدور اُس فعل مختار سے محال ہے جسے صاحبِ قدرت اور حکمت ہے۔ ایسے افعال تو اُن سے صادر ہوتے ہیں جن میں نقص اور عیب ہوں۔ اے اللہ سبحانہ کی ذات مقدس تمام عیوب سے پاک اور منزہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کی حمد فرمانا اسکی کمالِ حکمت۔ افعال کے غایات کے ارادہ کرنے۔ اپنے بندوں کے ساتھ احسان اور رحمت فرمانے اور اُن پر طرح طرح کی نعمتیں انجام کرنے کی بڑی مضبوط اور

مساحت کے صادر ہونا تو ان کے اس سوال کے جواب میں یوں کہنا آئے کہ اَعْلَمُكَ حَيْثُ يُجْعَلُ سِرُّكَ اللّٰهُ
صحیح اور درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سوال کے جواب میں یوں کہا کہ اس کے افعال کے لئے
کوئی معرفت اور حکمت نہیں بلکہ وہ محض اپنی قدرت اور مشیت سے بغیر کسی مرجع کے ایک قسم کی وہ
پہیروں میں سے ایک کو ترجیح دے دیتا ہے۔ وَقَالَ نَحْنُ لَمْ نَكُنْ دُتْنَا لِعَصْنَتِهِمْ بِبَعْضِ
لِكَيْ قُوْنُوْا اَهْلُوْا كَلَامِهِمْ اَللّٰهُ عَلِمُكُمْ مِنْ يَلِيْنَنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمُكَ يَا لَسَا كَسِرِيْنَ (اور اسی
طرح اختلاف حالت سے ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا تاکہ (مقدور دے غریبوں کو دیکھ کر)
ہمیں یقین کی کیا سی (ذلیل) لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے اسلام کی توفیق دیکھ کر اپنا فضل کیلئے۔
ان کو اتنا تو سمجھنا چاہیے تھا کہ کہا اللہ شکر گزار بندوں کے حال سے بخوبی واقف نہیں جب کفار نے
اللہ تعالیٰ کی مشیت کی تخصیص کی وجہ دریافت کی اور اس تخصیص پر اعتراض ہوئے۔ تو یہ جواب دیا گیا
کہ جو لوگ اسکی مشیت کے لئے صالح اور اُس کے اہل ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے یعنی اسکی مشیت
کے لئے وہ لوگ صالح ہیں جو شکر گزار اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے قشر شناس ہیں اور عیباً کو نہ مکر میں حکمت
تولیس کا خیال ہے۔ اگر یہ کام محض اسکی مشیت پر مبنی ہوتا تو اس طریق پر جواب بیان کرنا صحیح نہ ہوتا اور
اللہ سبحانہ کا اپنی صفت علم کو ذکر کرنا اسی واسطے ہے کہ تخصیص اور تمیز اس کے علم کے مقتضی سے ہے۔
وَقَالَ تَعَالَى سَلِمَاتٌ اَلْيَوْمِ عَصِفَةً بَخْرِيْ يٰ اَهْلَ اِلٰى الْاَمْرِ مِنَ الْحَقِّ بَارَكْنَا فِىْهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ
عَالِمِيْنَ (اور ہم نے روزی ہوا کو بھی سلیمان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ اُنکے حکم سے ملک (شام) کی طرف
کو چلتی جس میں ہم نے طرح طرح کی برکتیں دے رکھی تھیں اور ہم سب چیزوں کے حال سے آگاہ تھے)
اس آیت میں بھی سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا کے سحر کرنے اور اُس زمین کے بابکت ہونے کی تخصیص
کے بعد اپنے علم کا ذکر فرمایا ہے فقال تَعَالَى لَجْعَلُ اللّٰهُ اَلْكَلْبَةَ اَلْبَيْتِ الْاَحْرَامِ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالْمُهَمَّ
اَلْحَرَامِ وَالْهَدْيِ وَالْقَلَابَةِ اَلَّذِيْ لَتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهُ كَيْفَ لَمْ يَكُنْ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ
اَنَّ اللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ اَلَّذِيْ لَتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهُ كَيْفَ لَمْ يَكُنْ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ
قائم رکھنے کا موجب قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح حرمت دینے میں ان کو اور درج کی قربانی کے جانوروں
کو اور ان (جانوروں) کو جن کے گلے میں پٹے باندھ دیتے ہیں یہ اسلئے کہ تم کو معلوم ہے کہ جو کچھ آسمان
میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ سب جانتا ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے اس آیت میں اللہ
نے کعبہ اور شہر حرام کی ان خصوصیات کے ذکر فرمانے کے بعد جو اور مکانوں اور وقتوں میں نہیں پائی
بائیں اپنے صفت علم کو اسلئے ذکر فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ تخصیصات اُسکے کمال علم کا مقتضی ہیں۔

وَقَالَ تَحَالُ فَاَنْزِلْ لَنَا مِنْ سَمَكٍ مَقْنُونٍ عَلَى رِجْلَيْهِ وَعَنِ الْمُؤْمِنِينَ دَالِكُ اَمْتِهِمْ كَلِمَةً اَلَمْقُوحِ
 وَحَاذِرُ اَلْاَنْفِ بِفَاوَاھِلْجَا وَسَكَا ق اَمَلْهُ يَكْلِي شَيْءٌ مَلْبَسًا (تواند نہ اپنے رسول اور کلمہ کو
 کو اپنی طرف سے، تحمل، اطمینان، قنوب، بخدا بہت کیا اور ان کو بہت گھاری کی بات پر چماٹے رکھا اور
 وہ اس کے سزاوار اور ناتی ہوئے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے یہ
 بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ کلمہ تقویٰ کے لائق رہیں گے ان کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا۔ اور وہ خوب جاننا
 ہے کہ کن شخص اس نعمت کا مستحق اور لائق ہے۔ اور کون شخص اس کے غائب نہ لائق نہیں پس کیا اس
 قسم کی تخصیصاً اس شخص کی باباب سے ہو سکتی ہے یہ سب سے انساں جنس مشیت سے بغیر کسی غایت اور
 سبب کے صادر ہوں ہرگز نہیں :-

فصل الیوم نوریہ آیاتہ میں میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض
 مقدرات کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ان سے پیدا کرنے میں مغربی اور فساد ہے اور مصلحت کا یہی تقاضا
 ہے۔ کہ ان کو پیدا کیا جائے اور جب کہ مشرین حکمت اور تعلیل کا خیال ہے ان کا ترک کرنا
 اسکی مشیت سے بغیر کسی مصلحت اور حکمت کے ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا بیان فرماتا کہ انکو مصلحت کی وجہ سے
 ترک کیا گیا ہے۔ صحیح میں ہو گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ شَرَّ الدِّنَاۃِ اَنْ عِنْدَ اللّٰهِ الضُّمُّ
 اَلْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا تَعْمَلُوْنَ وَ کَوْعَدِہٖ اَللّٰہُ فِیْہُمْ حَیْزًا اَیَّ سَمْعِہُمْ وَ کَوْ اَسْمَعِہُمْ
 کُنُوْا اَدھُمَّ مَعْرِضُوْنَ (اللہ کے نزدیک بدترین بیوقوفان (یہ کافر ہیں) ہرے کو گنگے جو کچھ
 نہیں سمجھتے اور اگر اللہ ان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا لیکن یہ
 ایسے کج مشیت ہیں کہ اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تا ہم یہ بدی ہوئی بات ہے۔ کہ یہ لوگ
 سنہ پھر پھر کر اٹھتے جاتے) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار کو حق اس لئے
 نہیں سنایا جی نہیں سمجھایا گیا کہ ان میں کوئی خبر نہیں کہ جس کے سبب وہ اس کے نشانے اور سمجھانے
 سے قطع ہو سکیں۔ لہذا ان کو حق سنانا اور سمجھنا اور اچھا نہیں اور اگر ان کو حق سنایا اور سمجھایا بھی
 جاتا تو ان میں ایک ایسا امر وہ دس ہے جو انکو اس سے منقطع ہونے سے مانع ہے حتیٰ چونکہ ان میں
 تکبر اور اعراض عن الحق کا مادہ موجود ہے۔ لہذا وہ اس سے منقطع نہیں ہو سکتے غرض اس آیت
 میں عام اسرار کی دو طرح پر علمت بیان فرمائی ہے۔ اول یہ کہ ان میں کوئی ایسی چیز جو ان کو حق کی
 موجب اور مقتضی ہو۔ دوم یہ کہ ان میں اسرار حق کے مانع موجود ہیں۔ اور اس طرح پر علمت کا
 بیان کرنا کسی شخص کی نسبت صحیح ہو سکتا ہے جس کے اوامر و نواہی اور افعال حکمتوں اور مصالح

بہت سی اور اس شخص کے افعال اور چیزوں سے خالی ہوں تو کوئی نسبت بہ کوئی چیز ہے کہ کسی چیز کا ہم بات کر
 محض اس کی نسبت سے ہے اور نیز اللہ جل جلالہ کا اپنی ذات مقدس کو پسند ہر حال سے منظور امت کے کرنے
 سے اس لئے مندر قرار دینا کہ ان کا کرنا اس کی حکمت اور حمد کے خلاف ہے۔ ہے اس کی مضمون پر ذرا غور کرنا ہے کہ اس
 کے افعال حکمت سے خالی نہیں چنانچہ فرمایا ہے مَا كَانَ اللَّهُ لِيُذِلَّكَ مِنَ الْغَالِبِينَ مِنَ الْغَالِبِينَ مَا أَتَىٰكَ عَلَيْهِ
 حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَيْبَ مِنَ الْخَيْبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكَ عَلَى الْغَيْبِ (درست فقہاء اللہ علیہ السلام نہیں
 ہے کہ حلال میں تم ہو چکے ہو اسے کی تیسرے برسوں اسی حلال پر مومنوں کو تمہارے ساتھ ملا جا رہے ہیں
 اور اللہ ایسا بھی نہیں کہ تم کو غیب کی باتیں بتا دے) وَاَقُولُ مَا لَكُمْ مِنَ الْغَيْبِ لَيْسَ لَكُمْ بِهِ حَقٌّ
 يَسْتَفْهِرُونَ (اور اللہ ایسا بے رحم بھی نہیں ہے کہ بعض لوگ دیکھنا ہوں کی معافی دے) اِنَّمَا تَرَى
 اَوْدَةَ لَبُنَّ (سب کو عذاب دے) وَاَقُولُ مَا لَكُمْ مِنَ الْغَيْبِ لَيْسَ لَكُمْ بِهِ حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللَّهُ لِيُفْضِلَ لَكَ مَا تَشَاءُ اَوْ هَذَا هُوَ
 حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَيْبَ مِنَ الْخَيْبِ (اور اللہ کی شان سے بے حد ہے کہ تم کو وہاں سے جسے چاہو وہاں سے دے) اِنْ شَاءَ اللَّهُ
 دے گا تمہیں انکو وہ چیزیں کہ تمہارے چاہے ہیں (وہ نیچے ہیں) وَاَقُولُ مَا لَكُمْ مِنَ الْغَيْبِ لَيْسَ لَكُمْ بِهِ حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللَّهُ
 اِنَّمَا تَرَى اَوْدَةَ لَبُنَّ (درود سے پیغمبر) تمہارا پورا دیکھا اور دیکھا اس کے انصاف نہیں ہے کہ
 بتیوں کو ناحق بلا کر لے اور وہاں کے لوگوں کو کا رہو (وہاں سے) وَاَقُولُ مَا لَكُمْ مِنَ الْغَيْبِ لَيْسَ لَكُمْ بِهِ حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللَّهُ
 اِنَّمَا تَرَى اَوْدَةَ لَبُنَّ (درود سے پیغمبر) جب تک تمہارا پورا دیکھا
 کسی قبے میں پیغمبر بھیجے اور وہ لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اس کی شان انصاف ہے جیسے
 ہے کہ بے تمام حجت) بستیہ کو ہلاک کر دیا کرے اللہ سبحانہ نے ان تمام افعال سے اپنی ذات مقدس
 کو اسے مندر فرمایا ہے کہ یہ افعال اس کی حکمت اور حمد کے خلاف نہیں اور اس کے احسان و کمال
 کے لائق اور مناسب نہیں۔ اور منکرین حکمت اور قلیل کے نزدیک ان سے بھانپنے کا مومنوں سے مندر قرار
 دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو اس کی قدرت میں داخل ہیں وہ ایسے اور سے مندر ہے جو اس کی
 قدرت سے باہر ہیں اور ایسے کا کوئی نسبت ان کا یہ خیال ہے کہ ان کاموں میں فی نفسہ کوئی قباحت
 نہیں۔ اور ان کا صمد محض اس واسطے نہیں ہوا کہ ان سے اس کی مشیت متعلق نہیں ہوئی +

فصل ثانی۔ متلی دلیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی فاعل کے افعال کا حکمت اور غایت مطلوبہ سے خالی
 ہونا چند امور کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی نسبت ناجائز اور محال ہیں اور اللہ تعالیٰ
 کے افعال کا حکمت اور غایت سے خالی ہونا بھی ناجائز اور محال ہے وہ امور جو کسی شخص کے افعال کے حکمت
 اور غایت مطلوبہ سے خالی ہونے کے لئے باعث ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں اول یہ کہ فاعل اس فعل یا اس

کی تفصیل سے جاہل ہو۔ اور اللہ سبحانہ جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے اُس کا اپنے افعال سے جاہل ہونا محال اور ناجائز ہے۔ دوم یہ کہ فاعل اور اُس کام کے کرنے سے عاجز ہو اور وہ اللہ جس کو ہر چیز پر قدرت ہے کسی کام کے کرنے سے کسی طرح عاجز نہیں ہو سکتا۔ سو یہ کہ فاعل کو غیر کو نفع پہنچائے اور اُس کے ساتھ احسان کرنے کا ارادہ نہ ہو اور اللہ سبحانہ کی نسبت جو اراحم الراحمین ہے اور احسان اُس کے لوازم ذات سے ہے یہ خیال کرنا بالکل ناجائز اور محال ہے وہ ہمیشہ محسن بنم اور اپنے ہر کام میں بندوں پر احسان فرماتا ہے چہاں یہ کہ فاعل کیلئے کسی مصلحت یا غایت مطلوبہ کے ارادہ اور قصد کرنے سے کوئی چیز مانع ہو اللہ سبحانہ کو جو فعال لما یرید ہے کوئی چیز اُس کے ارادہ سے مانع نہیں ہو سکتی۔ پنجم یہ کہ غایت حکمت اور مصلحت کا ہونا کسی نقص کو مستلزم یا فاعل کے کمال کے خلاف ہو۔ ظاہر ہے کہ حکمت اور غایت کا نہ جب باعث نقص اور فاعل کے کمال کے منافی ہے تو حکمت اور غایت کا وجود ہرگز موجب نقص اور خلاف کمال نہیں ہو سکتا عقل و فطرت اس پر شاہد ہیں کہ جو شخص کسی حکمت اور غایت کیلئے کوئی کام کرتا ہے۔ وہ اُس پر قابل حمد و تعریف ہو سکتا۔ لہذا اُس کو صاحب کمال خیال کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص کسی غایت کے لئے کام نہیں کرتا وہ فضول اور بیہودہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جو شخص کوئی چیز پیدا کر سکتا ہے وہ بہ نسبت اُس شخص کے جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ اور عالم بہ نسبت جاہل کے۔ اور بولنے والا لکھے سے۔ اور صاحب قدرت کا ارادہ اس شخص سے جس میں قدرت و ارادہ نہ ہو صاحب کمال سمجھے جاتے ہیں۔ ان باتوں پر عقل و فطرت قطعی شہادت دیتے ہیں پس اللہ تعالیٰ کے افعال کے لئے حکمت کا انکار کرنا گویا ان صفات مذکورہ کے ساتھ اس کے موصوف ہونیکا انکار کرنا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ وہ ان صفات کے امتداد کے ساتھ موصوف ہے۔ اور اللہ سبحانہ کا ان صفات کے امتداد سے موصوف ہونا اُسکی نسبت نہایت نقص اور عیب ہے۔ اور اسی واسطے بہت سے منکرین حکمت اور تعلیل جیسے جوینی اور رازی نے یہ کہہ دیا ہے کہ نقلی دلیلوں اور اجماع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نقائص سے منزہ ہونے پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں۔ ہم ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے افعال کے لئے حکمت ثابت کرنے میں اُس کے لئے کوئی دلیل نہیں تو اُس کی نفی درست نہیں اور اگر اسکے ثابت کرنے میں نقص ہے تو بتلاؤ کہ شرع میں اس نقص سے منزه ہونے کی نقلی دلیل کہاں ہے۔ بلکہ انت کا اجماع اس پر ہے کہ تمام اہل اسلام اللہ سبحانہ کے افعال کیلئے حکمتیں مصالح محدودہ و مفایات مطلوبہ کے ثبوت کے قائل ہیں غرض منکرین حکمت و تعلیل کے پاس نہ تو اطلاع اور نہ کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود ہے۔ بلکہ اجماع اُست۔ اولیٰ عقیدہ اور صحیح نقلیہ اور فطرت سب کے سب اُن کے قول کے بطلان پر شاہد ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا کمال۔ جلال۔ حکمت۔ عدل۔ رحمت۔ قدرت۔

احسان۔ محمودیت۔ مجد وغیرہ صفات کمال اور سائے حسنی کے تعلق اسی بات سے مانع ہیں کہ ان کے افعال غیر کسی حکمت اور غایت منسوب کے صادر ہوں۔ اور اُس کے تمام اسما حسنی سنکر یہ حکمت کے تیل کے بطلان پر شاہد ہیں اور ہم نے اس مسئلہ کے اثبات کے لئے ناظرین کو متنبہ کرنے سے واسطے زور مرنے کے طور پر قرآن کریم کے بعض الذرائع سے استدلال کیا ہے۔ ورنہ اس مسئلہ کے اثبات کے لئے قرآن کریم میں مقدار اولہ موجود ہیں۔ جو مذکورہ بالا اولہ سے کئی گنے زیادہ ہیں :

فصل جب سدرجہ بالا وجوہات اس امر پر شاہد ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت سے خالی نہیں اور اُسکو اپنے ہر ایک کام میں مخلوق کی مصالحت ملحوظ ہے تو کوئی شخص یہی غلط سمجھ ہو کہ اگر اس بات کا خیال کر سکتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت و غایت اور مصالحت سے خالی ہیں۔ یہی مخلوق میں دو حکمتیں مصالحت و منافع۔ غایات و مصلحہ اور عجب محمودہ موجود ہیں جو احاطہ بیان سے باہر اور جن کے سمجھنے سے عقلمن قاصر ہیں۔ اگر انسان اپنی تمام عمر صرف اپنی ذات خلقت۔ اعضا اور ان کے منافع۔ قوی۔ اور اپنے دیگر صفات اور حیثیت کی فکر میں مصروف رہے۔ تو جو کچھ ان میں منافع اور حکمتیں دیکھی گئی ہیں۔ تمام عمر بھی انکو سمجھ نہیں سکتا۔ عالم علوی اور فنی کی تمام اشیاء کا یہی حال ہے کہ اگر تمام عمر ایک چیز کے منافع کے سمجھنے میں خرچہ کر دی جائے۔ تو انسان تمام عمر انکو سمجھ نہ سکے۔ مگر چونکہ اللہ سبحانہ کے افعال میں حکمت کا موجود ہونا نہایت واضح اور ظاہر ہے۔ اس لئے سنکر ان کو اس کے انکار کرنے کا راستہ ملا کیونکہ انکی عقلیں ناقص ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جس چیز میں خود نقصان ہوتا ہے وہ کال چیز کو لارکت نہیں کر سکتی جیسے چمکا ڈر کہ چونکہ اُس کی بصارت میں نقصان ہے لہذا وہ آفتاب کو نہیں دیکھ سکتی۔ اور جیسے کہ اللہ سبحانہ صانع عالم کی ہستی کے اولہ اور علامات ظاہر باہر ہیں کہ ہر ایک مخلوق و موجود چیز میں اُس کی ہستی کے اولہ اور علامات پائے جاتے ہیں۔ مگر ظالم اور جاہل لوگ مکابر کے طور پر ان کا انکار کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اللہ سبحانہ کے صلو علی الخلق کے اولہ نہایت ظاہر ہیں مگر جہیمہ انکے منکر ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ انبیاء علیہم السلام خصوصاً خاتم النبیین مسلم کی صداقت کے اولہ اُن لوگوں پر ہیں کہ صحیح اور سقیم عقلمن ظاہر ہوئی ہیں۔ ایسے ظاہر اور روشن ہیں جیسا کہ آفتاب کا وجود منار کے موجود ہونے کی ظاہر دلیل ہیں۔ مگر باوجود اسکے منکرین اور مکابر لوگ انکار سے باز نہ آئے اور اسی طرح اللہ سبحانہ کے صفات کمال کے ثبوت اولہ بھی نہایت واضح ہیں۔ مگر بعض نے ان کو بھی انکار کر دیا۔ اور موجودہ مشاہدہ۔ اور بدیہی چیز کا انکار کرنا کوئی نئی بات نہیں دیکھ و دنیا میں جیسے آدمی اس قسم کے موجود ہیں کہ وہ طرح طرح کی نعمتوں سے لے لے رہے ہیں کسی طرح کی انکو کوئی تکلیف نہیں مگر باوجود اسکے اپنے حال کے شاکل اور اپنے گزراوقات پر ناخوش ہیں۔ اور اکثر اوقات اُن نعمتوں کا انکار

اور تمام مخلوق کے علوم اللہ سبحانہ کے علم کے سامنے ایسے ہیں جیسا کہ آفتاب کے سامنے چرخ۔ بلکہ ہمارے
 علوم اور اہانتہما: کے علم کے درمیان یہ نسبت بھی نہیں جو ایک ٹکڑے سے پورا رخ کو آفتاب سے ہے
 مگر جہاں نے کیلئے یہ ایک تشبیہ۔ تمثیل بیان کی جاتی ہے۔ عقلوں اور ان مصارح۔ اوصاف اور
 مناسبات کا انکار کرنا جن کے لئے احکام شرع مشروع کئے گئے ہیں گویا شرعیت کا انکار کرنا ہے
 کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہی زمین پر کوئی ایک مانتہ یہ موجود ہو جو مسائل فقہ کو بیان کرے۔ اور
 اس کا یہ اعتقاد ہو کہ شرع کے کسی امر میں کوئی حکمت۔ مناسبت اور علت موجود نہیں اور یہ مشلح
 نوان احکام میں بندوں کے مصداق کا ارادہ کیا ہے۔ احکام شرعیہ کی نسبت یوں کہنا ایک
 سخت گناہ اور عبادی جرم ہے کیونکہ اسکی خرابی کا بڑا اثر دوسرے اہل عقل پر یہ ہوتا ہے کہ جب وہ سمجھتے
 ہیں کہ اسباب عقل حکم اور مصداق کا انکار عقل کے خلاف اور ناممکن ہے اور شرعیت کے اس غلط مسئلہ
 کے ساتھ (بوسکرین حکمت تعلیل کا قول ہے) بہ سبب مصداق اور حکم کا ماننا مضاف نہیں ہو سکتا۔ تو وہ
 شرعیت کو خلاف عقل سمجھ کر چھوڑ دیتے اور اسکی نسبت بظن ہو جاتے اور یوں کہنے لگتے ہیں۔ کہ ہم کوئی بات
 خلاف عقل نہیں کرنی چاہتے اور احکام شرع اور اصول فطرت عقل آپس میں مخالف ہیں۔ اور مسائل شرع میں یوں
 بھی باہم اختلاف سمجھتے ہیں کہ شرع میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے اور اس کے کسی چیز کے لئے
 کوئی سبب نہیں بنایا اور نہ اس کے کسی کام میں کوئی حکمت ہے اور جتنے طبائع اور قوی پیدا کئے
 ہیں یہ سب بغیر کسی مسوغت اور غایت کے پیدا کئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسباب کا انکار کرنا
 تو بالکل عقل فطرت جس اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ لہذا فاعل مختار کے وجود کا انکار کر دیا۔ اور
 سکرین حکمت تعلیل فاعل مختار کا انکار تو نہ کر سکے مگر یہ مانتا کہ فاعل مختار کے ماننے کی صورت میں اسباب
 حکم۔ عقل اور قوی کو ماننا گویا سندی کو جمع کرنا ہے اور یہ دونوں امر یا ہم مخالف ہیں کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار
 ہو۔ اور پھر اس کے افعال کے لئے عقل اور حکمتیں اور وجود اشیاء کے لئے اسباب ہوں۔ لہذا
 یہ لوگ اسباب عقل۔ اور حکم کے منکر ہوئے۔ اور ان دونوں ذریعہ یعنی سکرین حکمت تعلیل اور فاعل مختار
 کے نہ ماننے والوں میں باہم بڑا اختلاف اور تفاوت ہے۔ اور اس مسئلہ کو محمولی نہیں سمجھنا چاہئے
 بلکہ یہ مسئلہ نہایت عظیم الشان اور ضروری مسئلہ ہے اور اس کے فروعات بہت سے ہیں۔ بخلاف
 اس کے فروعات سے یہ مسئلہ ہے کہ جو اہل عقل یعنی فلاسفہ فاعل مختار کا وجود نہیں مانتے نہ تمام حوا
 کے لئے کسی فاعل مختار اور موجود صاحب ارادہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ نام چیزوں کو انکے اسباب
 وعلل کی طرف منسوب کرتے ہیں یعنی جتنے حوادث موجود ہوتے ہیں مثلاً بارش کا برسنے۔ نباتات اور حیوانات

کا پیدا ہونا۔ گرمی سردی کا پڑنا۔ رات دن کا بدلنا۔ چاند کا ٹھننا۔ گھٹنا۔ چاند اور سورج کا گزرنے میں
 آتا اور چاند کا بعض تاریکوں میں بالکل نظر نہ آنا۔ کائنات : یعنی ابر۔ برف۔ ژالہ۔ بخارات۔ بجلی۔ صبح
 وغیرہ ہر شے کا پیدا ہونا۔ اور دوسرے کائنات ارضی سب کے سب حرکات، غلبہ۔ قوی، ہلکتی۔ نفوس
 اور عقول سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کے ہر ملکات ایک۔ فرقہ نکالیں یہ کہتے ہیں کہ ان اشیاء کے
 حدوث کے لئے کوئی سبب یا غارت، اور حکمت یا اصلیت نہیں بلکہ یہ سب چیزیں ہنر اللہ تعالیٰ
 کی مشیت و قدرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور فاعل مختار بغیر کسی حکمت و مصلحت کے، ایک چیز کو دوسری
 پر بلا مرجع ترجیح دیدیتا ہے غرض یہ فرقہ تمام اسباب۔ قوی۔ طبع۔ حکم۔ غایات اور مناسبات کا منکر
 ہے۔ یہاں تک کہ متطہین میں سے جو لوگ جزو لای تجزی کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ آسمان اور
 چکی وغیرہ وہ چیزیں جو حرکت مستزیرہ کرتی ہیں گردش اور دوران کے وقت ان کے اجزاء ایک دوسرے
 سے منفک اور جدا ہو جاتے ہیں۔ اور تا دور مختار ہمیشہ اسکو اپنی اصلی حالت پر لوٹا دیتا ہے۔ اور
 اسی طرح انوان یعنی رنگ۔ تقادیر۔ اس شکل وغیرہ صفات ہر آن میں مدام ہوتے رہتے ہیں
 اور قادر مختار ہر آن میں انکو دوبارہ موجود کرتا اور پہلی حالت کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اور اسی طرح حمند
 کے پانی میں نمکینی آنا فنا معدوم ہوتی ہے اور پھر قادر مختار اس کو موجود کرتا اور پہلی حالت کی طرف
 لوٹا دیتا ہے اور یہ سب کام بغیر کسی سبب۔ حکمت۔ اور علت غائی کے صادر ہوتے ہیں۔ متکلمین کے
 اس فرق نے یہ سمجھا کہ سوائے ان باتوں کے ماننے کے فلاسفہ کے قول سے بچنا ناممکن ہے۔ اور
 فلاسفہ نے یہ سمجھا کہ ان کے اصل تسلیم کئے بغیر شریعت میں داخل ہونا محال ہے۔ وہ تو فرق راہ حق سے
 بھٹل گئے وہ حق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے افعال کو اپنی مشیت اور قدرت و ارادہ سے صادر کرتا ہے
 اور اس کے افعال کا مصدر اسباب کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور اس کے جملہ افعال حکمتوں اور غایات محمودہ
 پر مبنی ہیں اور اس نے کائنات عالم میں وہ قوی۔ طبع۔ اسباب اور مناسبات پیدا کئے ہیں جن
 سے سلسلہ خلق اور امر قائم ہے۔ جمہور اہل اسلام۔ اکثر اہل نظر اور تمام فقہاء کا یہی قول ہے۔ فقہاء میں
 سے صرف وہ لوگ اس کے مخالف ہیں جو فرقہ کو چھوڑ کر سنگین حکمت و تعلیل کے اصول پر کاربند ہیں۔ اور
 اصول دین کی مخالفت کرتے ہیں۔

پاسوال باب

منکرین حکمت و تعلیل کے شبہات اور ان کے جوابات بیان

منکرین حکمت و تعلیل مشیت حکمت و تعلیل سے خواہش ہو کر کہتے ہیں کہ تم نے اثبات حکمت و تعلیل میں بہت سے اول پیش کئے ہیں۔ اب ہماری بات کو بھی فدو کان لگا کر سنو کہ اس سے تمہارے تمام اول باطل ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اگر تم سے ہو سکے تو اس کا جواب بیان کرنا ان کے افضل متاخرین محمد بن عمر رازی کا یہ یہ شبہ ہے کہ جو شخص کوئی کام کسی مصلحت کے حاصل کرنے یا کسی خرابی کے ہٹانے کے لئے کرے۔ تو اگر اس مصلحت کا ناسخ کرنا اسے حقیر و ذلیل اور ہتبر اور اس کے لئے باعث کمال ہو تو ظاہر ہو گا کہ اس کا اس مصلحت کے حاصل کرنے کے بعد ثابت ہو گا اور وہ اپنے اتارنے کے بعد یہ منکرین تسلیم نہ کریں گے اور اللہ سبحانہ کے حق میں کہنا کہ وہ ناسخ و فاسد اس کا رہا ایک سری پیر یعنی مصلحت کے حاصل ہونا یا نہ ہونا اور اگر اس کا حاصل نہ ہو تو نہ کرنا اس کے حق میں نہیں کیا جاتا کیونکہ جو شخص مصلحت کا حاصل ہونا یا نہ ہونا اس کے بعد نہ چاہے اپنے سبب پر ایک اعتراض کیا ہے کہ فاسل جنی اللہ تعالیٰ کے حق میں اگرچہ اس مصلحت کا حاصل ہونا اور نہ ہونا دونوں یکساں ہیں۔ مگر اس کا حاصل ہونا باندے کے حق میں مفید اور بہتر ہے اور بندے کی بہتری کے لئے اللہ سبحانہ اس کے وجود کو اس کے فہم پر ترجیح دیتا ہے۔ اور پھر خود ہی اس کا جواب دیا ہے کہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اس مصلحت کا حاصل کرنا اور نہ کرنا دونوں اللہ سبحانہ کی نسبت مساوی ہیں یا نہیں اور جو پہلوا اختیار کیا جائے اس پر بحال لازم آتا ہے مشیت حکمت سے اس شبہ کا جواب نئی طرح سے دیا ہے اول یہ کہ تم نے بویں کہا ہے کہ جو شخص کسی کام کو کسی غرض کیلئے کرے تو وہ فی ذاتہ ناقص اور مستكمل الغیر ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اس میں دو غنیمت کمال مغفود ہوگی جس کا حصول اس مصلحت کے حاصل ہونے سے پہلے اس کے لئے مفردی ہے نہ تنہا یہ دعویٰ غلط اور باطل ہے کیونکہ کسی کام کو کسی ایسی غرض کے لئے کرنے سے جس کا حصول ان کے غم سے اولیٰ ہے یہ لازم نہیں آتا کہ فاعل میں دو غنیمت کمال مغفود ہو جس کا حصول اس مصلحت کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے لئے غم نہ ہو۔ کیونکہ وہ مصلحت اپنے حصول سے پہلے اعمال ہی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ فاعل میں ایک ایسی غنیمت

اس نے کسی کام کو کیا ہے حال : داوریہ اللہ تعالیٰ کیلئے اس لئے درجے کا کام ہے اور اس کو جو نہ ہونا نقص ہے کیونکہ جو شخص اپنی مطلوبہ چیز سے محال کر سکتا ہے وہ اور پھر اس کو اتنی وقت میں حاصل کر لے جس میں وہ اس کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طور پر محال کر کے جس طور پر اس کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو ایک شخص اس لئے محال کر لے کہ وہ شخص محال کر لے کہ جس کے لئے کوئی چیز جو مطلوب نہ ہو یا کوئی چیز جو مطلوب ہو۔ لیکن اس کے محال کرنے پر قادر نہ ہو۔

چونکہ جو اب یہ ہے کہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ سبحانہ کے نقص سے منزه ہونے پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں اور اس مسئلہ میں تم نے جوئی وغیرہ کی تعلیل اختیار کی ہے لہذا تم یہ بھی کہتے ہو۔ کہ اللہ عزوجل کے نقص سے منزه نہ ہونے پر معروف عقلی دلیل سنی اجماع شاہ ہے۔ تو اب بتاؤ۔ کہ ببشری خیال میں اللہ عزوجل کے نقص سے منزه ہونے پر نہ تو کوئی عقلی دلیل قائم ہے اور نہ خبر رسول صلعم سے ثابت ہے بلکہ صرف اجماع اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو خود تمہارا کہنے کا کلام۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے حکمت و تعلیل کا ماننا اس کے حق میں نقص نہیں کیونکہ اس بات پر ہمارے منہ نہ نہیں ہوا۔ کہ اللہ سبحانہ کے افعال کیلئے حکمت اور علت کا ہونا نقص ہے۔ اور اس نقص سے اللہ سبحانہ کا منزه ہونا ضروری ہے۔ اور اگر تم اپنے ذمہ کے مطابق اس امر کو اللہ سبحانہ کے حق میں عیب سمجھتے اور اس کو نقص کہتے ہو تو تمہارے کہنے سے تو اس کی نفی پر اجماع منہ نہ نہیں ہو جائیگا۔ اگر تم یہ سبب پیش کرو کہ ائمتہ محمدیہ نے اللہ سبحانہ کے نقص سے منزه ہونے پر اجماع کیا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے افعال کیلئے حکمت و تعلیل کا ہونا اس کے حق میں نقص ہے لہذا اس سے منزه ہونے پر اجماع ثابت ہوا۔ تو ہم یہ کیسے کہہ سکیں۔

ثابت محمدیہ نے اللہ سبحانہ کے نقص سے منزه ہونے پر اجماع کیا ہے لیکن اس بات کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے حکمت و تعلیل کا ہونا نقص ہے تاکہ اس سے منزه ہونے پر بھی اجماع ثابت ہو۔ یہی متنازع فیہ مسئلہ ہے جو اس کے اثبات کے قائل ہیں وہ اس کو نقص نہیں کہتے بلکہ ان کے نزدیک یہ محال اور اس کی نفی کرنا نقص ہے پس ہم پانچویں جواب میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کیلئے حکمت کا ثابت ہونا اس کے حق میں ایک محال ہے اور اس کی نفی کرنا اس کے لئے نقص ہے۔ اور ائمتہ محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ سبحانہ ناقص سے منزه ہے لہذا حکمت کی نفی سے بھی منزه ہے۔ بلکہ اس عیب یعنی افعال کے خالی از حکمت ہونے سے اللہ سبحانہ کا منزه ہونا ایک ایسا بدیہی القینی

رستہ ہے کہ خود مختار کی طبیعت اس پر شاہد ہے پس اگر اللہ سبحانہ کے افعال غایات محمودہ اور کمالات
سے خالی ہوں۔ زمانے کے حق میں نقص لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ حکمت و تعلیل کے نفی کرنے پر نقص کا
لازم آتا علوم پر ہیہ میں سے ہے جس پر عقل و فطرت شاہد ہیں + لہذا چھٹے جواب میں ہم یوں کہتے ہیں
کہ اللہ سبحانہ کے حق میں نقص یا زہر ہے یا محال اگر جائز ہے تو تمہاری دلیل باطل ہو گئی۔ اور اگر محال ہے
تو تب بھی تمہاری دلیل باطل ہے۔ کیونکہ حکمت و تعلیل کا نہ ہونا اللہ سبحانہ کے حق میں نقص ہے +

ساتواں جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے نقص سے منہ زہر ہونے پر عقل اور نقل و وفو شاہد ہیں۔ اور
نیزہ و وفو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ صفات کمال کے ساتھ نہ صرف بے اور نقص + چیز
ہے جو صفات کمال اور ثنائی کے غلاب ہے۔ پس علم۔ قدرت۔ حیات۔ ارادہ۔ مع۔ بصیر۔ کلام۔ سب
صفات کمال ہیں اور ان کے اضداد نقص ہیں۔ پس اللہ سبحانہ کا ان کے اضداد سے منہ زہر ہونا ضروری
ہے و نہ کمال میں نقص لازم آئیگا۔ اور وہ چیز جو اللہ سبحانہ کو محبوب ہو اس کا اس وقت میں اور اس
وجہ پر محال ہونا جب وقت اور جس طور پر اس کا حاصل ہونا مطلوب ہو یہ بھی اُس کے لئے محال ہے۔
مگر اس کا عدم قبل وجود نقص نہیں کیونکہ اس وقت سے پہلے اس کا وجود مطلوب و محبوب تھا +

آٹھواں جواب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جس کمال کا اللہ سبحانہ مستحق ہے کیا ممکن ہے یا محال ہے
اگر ممکن ہے تو یہ بیشک مسلم ہے اور اگر محال ہے تو یہ قطعاً باطل ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ حادث کا اپنے
وجود کے وقت سے پہلے موجود ہونا ممکن ہے یہ کس طرح صحیح ہے بلکہ حادث کا وجود ازل میں
ممکن ہے اور اس کا عدم نقص نہیں +

اذاں جواب یہ ہے کہ عدم کا عدم نقص اور خلاف کمال نہیں کیونکہ ممکن کوئی شے موجود فی الواقع
نہیں۔ اور جو چیز کے خارج میں موجود ہو اس کا عدم کوئی نقص نہیں کیونکہ اس کا وجود اگر اس طرح مقدر
ہے کہ وہ بندہ و بیچ شیعہ تابعہ شے پیدا ہو تو ازل میں اس کا موجود ہونا محال ہے پس ازل میں اس کا
موجود نہ ہونا کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ وہ اپنے وجود کے وقت موجود ہو +

دعاں جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے کئی چیزیں کو بعد اسکے کہ وہ موجود نہ تھیں پیدا کیا
سے چھپے کہ دنیا میں شب و روز حادث ہو نیوالی چیزیں اس پر شاہد ہیں۔ یہ مقدمہ ایسا یقینی ہے
کہ برخلاف فلک کو قدیم ملتے ہیں وہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
ان حوادث عالم کو فلک کے ذریعہ اور واسطہ سے پیدا کرتا ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان چیزوں
کا پیدا کرنا اللہ سبحانہ کے لئے صفت کمال ہے یا نہیں۔ اگر ان کا پیدا کرنا صفت کمال ہے

تو پہلے یہ سنت کمال اللہ تعالیٰ میں موجود نہ تھی تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات میں نقص لازم آیا اور اگر یہ سنت کمال میں بلکہ موجب نقص ہے تو انکے پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ نقص کے ساتھ موصوف ہوا۔ در اگر تم اس کا یہ جواب پیش کرو کہ ان چیزوں کا پیدا کرنا نہ صفت کمال ہے اور نہ صفت نقصان تو ہم یہ کہیں گے کہ ہم بھی حکمت اور تعالیل کے متعلق یہی کہہ سکتے ہیں۔ اور تمہاری دلیل باطل ہوگئی کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں نقص لازم آتا ہے۔ یہ الزامی جواب ہے۔ اور تحقیق جڑا ہے۔ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی نسبت یوں کہنا کہ حوادث کا پیدا کرنا اسکے لئے نہ صفت کمال ہے نہ صفت نقصان یہ غلط اور ناجائز ہے کیونکہ اللہ سبحانہ جو کام کرتا ہے وہ اس پر مستحق حمد اور تشریف ہے اور جو صفات اس کے ساتھ قائم ہیں وہ اسکے لئے صفت کمال ہیں اور انکے امتداد اس کے لئے موجب نقص ہیں۔

اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ فاعل افعال ہونا اللہ سبحانہ کیلئے صفت کمال ہے یا نہیں۔ جمہور اہل اسلام کا یہ قول ہے کہ یہ صفت کمال ہے اور ایک گروہ یعنی اکثر اشعریہ کا یہ قول ہے کہ فاعل افعال ہونا اللہ سبحانہ کیلئے نہ صفت کمال ہے اور نہ صفت نقصان پس اگر فرق مخالف اشعریہ کے اس قول کو اختیار کرے تو ہم اسکے احوال سے جواب دے سکتے ہیں۔ اول یہ کہ جو شخص کسی چیز کو پیدا کر سکے وہ بنا سکے وہ اس شخص کی نسبت ضرور کامل سمجھا جاتا ہے جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ اور نہ بنا سکتا ہے یہ بات بالکل ظاہر اور اس پر بدست عقل شاہد ہے۔ اس کے علاوہ یہ مطلب بھی قرآن سے ثابت ہے۔ پتا چکا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَفَلَمْ يَخْلُقْ كَمَثَلِ الْغَائِثِ اَفَلَا تَدْرِكُوْنَ (تو کیا جو خدا آسمانی مخلوقات پیدا کرے وہ ان درختوں کے برابر ہو گیا جو کچھ بھی نہیں پیدا کر سکتے) اس آیت میں استفہام نگاری ہے اور اس میں ان لوگوں پر رد کیا گیا ہے جو خالق اور مخیر خالق میں مساوات سمجھتے تھے۔ اس آیت سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خالق غیر خالق ہے۔ اگلے ہی خالق کا غیر خالق سے اکمل و افضل ہونا ایسا اس ہے جو فطرت انسانی میں رکوز ہے جیسا کہ عالم کا جابل سے اور قارہ کا عجز سے اور سمجھ کا بہر سے اور اندھے سے افضل و اکمل ہونا ظاہر و بر باد ہے۔ جیسا ہی خالق کا غیر خالق سے افضل و اکمل ہونا ظاہر اور روشن ہے۔ اور چونکہ یہ امر بنی آدم کی فطرت میں داخل تھا۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اس کو اپنی توحید کا فزیر بنایا۔ اور اپنے بندوں کو عقل اور سمجھ و بصیرت عطا کرنے سے ان پر اپنی جنت کو بڑا کیا۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَرَبِّكَ اَللّٰهُ مَثَلًا مِّمَّنْ ذُوْهُ اَعْيُنٌ لَا يُفْقَدُوْنَ

مَنْ سَرَقْنَا لَا يَخْلُفُ فِيهِمْ مَنَّهُمْ اِنْ يَخْفُؤْا مِنْهُ لَنَجْذِبَنَّ لَهُمْ سِرًّا ثُمَّ لَا يَشْعُرُونَ وَتَجْرِبَةُ السَّاعَةِ اَمْ لَا يَشْعُرُونَ وَتَجْرِبَةُ السَّاعَةِ اَمْ لَا يَشْعُرُونَ وَتَجْرِبَةُ السَّاعَةِ اَمْ لَا يَشْعُرُونَ
 عَلٰى اَمْوَالِهِمْ اِيْمَانًا بِرَحْمَةِ رَبِّهِمْ اَمْ لَا يَشْعُرُونَ وَتَجْرِبَةُ السَّاعَةِ اَمْ لَا يَشْعُرُونَ وَتَجْرِبَةُ السَّاعَةِ اَمْ لَا يَشْعُرُونَ
 اچھی بات کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک دوسرا شخص ہے (خود مختار جس کو ہم نے اپنی سرکار سے
 اچھی و مقبول، مذہبی سب کچھ وراثت میں۔ سب چھپ چھپاتے اور کھلے (خزانے جس طرح چاہتا
 ہے) خیر کرتا ہے کیا ایسے شخص برابر ہو سکتے ہیں یہ مثال سنگار مشکون ضرر بول اٹھینگے کہ نہیں
 برابر ہو سکتے تو اسے پیغمبر مان سے کہو الحمد للہ کہ تم کو انہی تو سمجھ ہے) مردان لوگوں کا حال یہ ہے کہ
 ان میں منتیرے (انتابھی) نہیں سمجھتے اور خدا (ایک دوسری) مثال دیتا ہے کہ (دعاویٰ دہیں)
 ان میں کا ایک گونگا اور دگرگٹا ہونے کے علاوہ پر یا غلام کہ خود کچھ نہیں کر سکتا اور گونگے ہونے
 کی وجہ سے وہ اپنے آقا کا بار خاطر ہے کہ جہاں کہیں اُس کو بھیجے اُس سے کچھ بھائی ٹھیک نہیں ہوتا
 آتا ایک ایسا غلام اور دو شخص (دونوں) برابر ہو سکتے ہیں جو دونوں کو اعتدال پر قائم رہے تو گناہ اور خود
 بھی الاعتدال یعنی انصاف کے سیدھے رستے پر (رقم) ہے، وقال لقنلے قلی یستوی الذین
 یَعْمَلُونَ وَالَّذینَ لَا یَعْمَلُونَ (کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہوئے ہیں) و
 قال تعالیٰ وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اِلَّا بِالْعَمَلٰتِ وَلَا الشُّرُ وَلَا الْیَقْلُ وَلَا
 الْحَسْرَةُ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَاءُ وَلَا الْاَمْواتُ (اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو
 سکتا) اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور دھوپ اور نہ زندہ اور مرے) وقال تعالیٰ
 مَثَلُ الْغَافِلِیْنِ کَالْعَمٰی وَالْبَصِیْرِ وَالشُّبَّهِ هَلْ یَسْتَوِیَانِ مَثَلًا اَفَلَا تَذٰکُرُوْنَ
 (دیکھو ان اور مسلمانوں کے) یہ تفریق کی مثال اندھے اور بینے اور آنکھوں والے اور سننے والے
 کی ہے کیا دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟ جب نصوص قرآنی سے
 ثابت ہوا کہ خالق اور غیر خالق یکساں اور سادہ نہیں تو اب جو شخص خالقیت اور عدم خالقیت
 تو سادہ ہی بھڑائے اور اس کے وجود کو کمال اور عدم کو نقصان نہ سمجھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قیام اور
 اُس کی توحید کے اولہ کو باطل اور بیکار سمجھتا ہے اور ایسی چیزوں کو جن کے درمیان علی درجے کا
 تفاوت موجود ہے بسان خیال کرتا ہے +

لہذا ہم تیار رہیں جواب میں یوں کہتے ہیں کہ جب تمہارے نزدیک حوادث کا پیدا کرنا اور نہ پیدا

کو نا اہل بناتے اور عدم خلق اللہ تعالیٰ کی نسبت وہ ذویکیاں ہیں اور پھر حوادث کو ان کے عدم کے بعد پیدا کیا ہے تو اسی طرح ہم حکمت اور علمت کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال ایسی حکمت اور علمت پر مبنی جتنے ہیں ان پر کسی کا وجود اور عدم باری تعالیٰ کی نسبت دونوں یکساں ہیں۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال کے لئے حکمت اور علمت کا جو تاثر عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔ اور تم نے جب غایت نسبت اور عدم تافہیم میں مساوات تک پہنچائی ہے اس کو عقل نہیں مانگی۔ تم جو احادیث حوادث اور ان کے عدم کو اللہ تعالیٰ کی نسبت یکساں سمجھتے اور اس کے افعال کو اس سے مفصل اور جدا سمجھتے جو تو اس کی وجہ تمہارے نزدیک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کو اس کے ساتھ قائم ماننے سے دو حجابی لازم آتی ہے ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کا قائم ہونا۔ دوسرا لزوم تسلسل ہونا۔ کہ جس کے بعد حکمت اور علمت کو بھی اسی طرح اللہ کی ذات سے جدا اور مفصل مان لو۔ اور جو شہ علمت اور علمت کے متعلق پیش کرتے ہو وہی شہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی نسبت تم پر وارد ہو سکتا ہے۔

بارشہواں جواب یہ ہے کہ عقل جدا ہے اس بات کا حکم کرتی ہے۔ کہ جس شخص کے فعل کے لئے کوئی حکمت اور غایت مفصلہ نہ ہو وہ اس شخص کی نسبت ضرور ناقص ہے جس کے افعال کے لئے ایسی حکمتیں اور غایات ہوں۔ جو افعال کے وجود سے پہلے معدوم ہوں اور اس وقت موجود ہو جائیں کہ جب وہ اپنے علم حکمت کے مطابق ان افعال کو پیدا کرنا چاہے۔ پس کوئی صاحب عقل یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے حکمت اور علمت کا ہونا اس کے نقص کو مستلزم ہے اور اس کے افعال کے بدون حکمت و مصلحت ہونے میں کوئی نقص نہیں۔

تیسواں جواب یہ ہے کہ منکرین حکمت و علمت کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ بغیر کسی حکمت و مصلحت کے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ان کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ہر امکان کو اللہ سبحانہ کر سکتا ہے یہاں تک کہ شرک۔ کذب۔ ظلم اور فواحش کا امر اور توحید۔ صدق۔ عدل اور عفت سے نہی کر سکتا ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب تمہارے نزدیک جائز ہے کہ اللہ سبحانہ ان کاموں کو کر سکتا ہے۔ اور ان کے ارادہ کرنے میں کوئی نقص نہیں تو ان میں بھی کوئی نقص نہ ہوا۔ اس پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمہارا یہ مقدمہ کلیہ کہ جو شخص کسی کام کو کسی غرض کے لئے کرے وہ ہر اس غرض کے ناقص ہوتا ہے۔ کلی طور پر تسلیم نہیں کرتے اور اس کو کلی طور پر نہ ماننا ایسا ہی ہے جیسا کہ تم اس مقدمہ کلیہ کو کہ جو شخص ہر بلوں۔ ظالموں اور مفسدوں کا اکرام اور اہل علم۔ مصلحین اور نیکو کاروں کو ان کی امانت کرے

وہ سفید اور ظالم و تباہ تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ تمہارا یہ قول ہے کہ اللہ سبحانہ ایسا کر سکتا ہے کہ اور وہ ایسا کرنے پر ظالم اور سفید نہیں ہوگا۔ تو جس طرح تم اس مقدمہ کلیہ کو نہیں سمجھتے اسی طرح ہم تمہارے اس مقدمہ کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کا تسلیم نہ کرنا تمہارے تسلیم کرنے سے پہلے ہی ہے۔ اس کے علاوہ جو طرح تم اس مقدمہ کلیہ کو نہیں مانتے کہ جو شخص اپنے غلاموں اور کنیزوں کو انکی مرضی پر چھوڑ دے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدکاری کریں اور ایک دوسرے کو قتل کر ڈالیں۔ اور وہ انکو ایسے کاموں سے روک بھی سکتا ہو اور پھر انکو منع نہ کرے تو وہ سفید اور نادان شمار ہوگا۔ مگر تمہارے نزدیک خدا تعالیٰ نے ایسا کیا ہے اور وہ اس قضیہ کلیہ سے مستثنیٰ ہے اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمہارا مقدمہ بھی کلی طور پر مسلم نہیں اسکی کلیت باطل اور نقیض ہے۔

چودھواں جواب یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کا استعمال بالغیر لازم آتا ہے تو اس پر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ امر جس سے اللہ تعالیٰ کا استعمال لازم آتا ہے منجملات حواشیہ کے ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں داخل ہیں اور جس حادث سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہو وہ منکرین حکمت و تحلیل کے نزدیک قبیح نہیں کیونکہ ان کے نزدیک قبیح وہی ہے یا اسی یا نہی۔ کیونکہ اللہ سبحانہ ہر کسی کا علم نہیں تاکہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اسی یا نہی کا خلاف کیا پس انکے نزدیک اللہ سبحانہ ممکنات میں ہر کسی چیز سے اس لئے ان چیزوں کے کہ جن کے نہ ہونے کی خبر دی ہے (منزہ نہیں اور وہ چیزیں جنکے نہ ہونے کی خبر دی ہے انکے وجود سے اسکو اسے منزه کہتے ہیں کہ ان کا ہونا اسکی حکمت کے خلاف ہے۔ اور انکے نزدیک قبیح وہ محال چیز ہے جو اللہ کی قدرت میں داخل نہ ہو اور جو چیز اسکی قدرت میں داخل ہو وہ قبیح نہیں اور نہ انکے نزدیک کسی نقص کو مستلزم ہو اور اس جواب کا خلاصہ پندرہواں جواب یہ ہے کہ جتنے محدود اور مستحالی اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے حکمت اور مصلحت مانتے پر لازم آتے ہیں۔ ان سے زیادہ اس کے افعال کو خالی از حکمت کہنے پر لازم آتے ہیں پس اگر یہ محدود رہتا ہے نزدیک جائز ہیں تو وہ محدود جو حکمت مانتے پر لازم آتے ہیں۔ بطریق اولیٰ جائز ہونگے مگر اگر وہ مستحالات جو حکمت کا وجود تسلیم کرنے پر لازم آتے ہیں ناجائز ہیں تو جو مستحالات اس کی نفی کرنے پر لازم آتے ہیں وہ بھی ضرور ناجائز ہونگے۔

سولہواں جواب حتیٰ عالم صاحب اختیار کا کوئی فعل بغیر کسبائیت مطلوب اور غرض مقصود کے صادر ہونا خلاف عقل بلکہ محالات میں سے ہے اور اسی اسطے محبوں۔ ناظم اور ذائل العقل شخص کے افعال بغیر کسبائیت اور غرض مقصود کے صادر ہونا کرتے ہیں کیونکہ کوئی صاحب ارادہ بغیر کسی مصلحت اور

غایت کے کسی کام کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور جب کسی کام کی مصلحت نفع اور غایت کو معلوم کر لیتا ہے تب اس کے قلب میں اس کام کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اور جب کسی کام کی مصلحت معلوم نہ ہو اور نہ اس کے کرنے کے لئے کوئی غرض صحیح اور داعی موجود ہو تو اسے فعل کا صدور و بہتہ سمجھا جاتا ہے تمام عقلا اس بات کے قابل ہیں۔ غرض احکام الہی کہیں سے فاعل سے عکس اور غایت کی نفی کرنا اس کے افعال انتہائی کا انکار ہے جو اللہ سبحانہ کی ذات کے لئے بھاری کفرت ہے۔ یہ مضمون پہلے بھی گذر چکا ہے۔ آئندہ توفیق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

فصل۔ متکثرین حکمت و تعلیل نے ان جوابات کے سننے کے بعد یہ کہا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم نے جو شبہ کے ضمن میں حکمت و تعلیل کی نفی پر دلیل قائم کی تھی وہ باطل جہتی۔ مگر ایک دلیل کے باطل ہونے سے دعوائے کا بطلان لازم نہیں آتا پس ہم مذکور بالا دلیل کے علاوہ ایک دوسری دلیل بیان کرتے اور یوں کہتے ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کے افعال متکثر بالعلت ہوں تو وہ علت اگر قیوم ہو تو اس کے قدم سے فاعل کا قدم لازم آئے گا اور افعال کا قدم محال ہے۔ اور اگر حادث ہو تو اس کے ایجاد میں اللہ تعالیٰ ایک دوسری علت کی طرف محتاج ہو گا کیونکہ یہ ایجاد بھی اللہ تعالیٰ کا ہے۔ فاعل ہے اور اس کا فعل معل بالعلت فرض کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اپنے فعل میں کسی چیز کی طرف محتاج ہونا محال ہے۔ اور کسی اہل عرفان کے اس مقولہ کا کہ ہر چیز کی علت اس کی صنعت ہے اور اس کی صنعت کے لئے کوئی علت نہیں یہی مطلب ہے۔ متکثرین حکمت و تعلیل کہتے ہیں کہ ہم اسی دلیل کو ایک دوسری بسیط تقریر سے بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے افعال کیلئے کوئی حکمت اور علت ہو تو وہ علت یا قیوم ہوگی یا حادث اگر قیوم ہو تو اس کے قدم سے یا تو فعل کا قدم لازم آئے گا یا نہیں۔ اگر فعل کا قدم لازم آئے تو یہ محال ہے۔ اور اگر فعل کا قدم لازم نہ آئے اور فعل کے وجود سے اس کا وجود نہ ہو تو وہ حکمت اس فعل سے حاصل نہ ہوئی کیونکہ حکمت تو پہلے سے وجود تھی اور فعل کا وجود بعد میں ہوا۔ اور وہ فعل کہ حکمت کا وجود اس پر موقوف نہ ہو اس کا حصول ایسی حکمت پر موقوف نہیں ہو سکتا یعنی ایسی حکمت فعل کی علت اور غایت نہیں ہو سکتی جو فعل کے وجود سے پہلے موجود ہو۔ اور یہی ہمارا مطلوب ہے اور اگر وہ حکمت اور علت فعل کے حادث ہونے پر موجود اور پیدا ہو تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی اول یہ کہ وہ کسی فاعل کی طرف محتاج ہو۔ دوم یہ کہ کسی فاعل کی طرف محتاج نہ ہو۔ اگر محتاج نہ ہو تو حادث کا حادث بخیر فاعل لازم آئے گا۔ اور یہ محال ہے۔ اور اگر کسی فاعل کی طرف محتاج ہو تو وہ فاعل یا تو اللہ سبحانہ کی ذات ہے یا کوئی اور شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے شخص کا فاعل ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ہو تو اس وقت ہم کہیں گے کہ اس علت کے پیدا کرنے کے لئے بھی کوئی غایت، علت اور غرض۔ یہ کیا نہیں۔ اگر اس کے لئے بھی کوئی علت ہے۔ تو اس کی نسبت بھی اسی طرح کلام کیا جائے گا۔ اور اسی طرح اگر ہر علت کے پیدا کرنے کے لئے دوسری علت مانی جائے گی تو تسلسل لازم آئے گا اور یہ محال ہے اور اگر اس علت کے پیدا کرنے کے لئے کوئی علت نہ ہو اور غایت نہیں تو سمارادھوئے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فعل یعنی علت کو پیدا کرنا بغیر کسی غرض اور نہایت کے ہمارا ہوا اور یہی مطلوب تھا۔ اور اگر کوئی شخص بوجہ استدلال کہے کہ اس علت کے پیدا کرنے کے لئے غرض اور علت ہے۔ نہ وہ اس غرض کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں بلکہ خود ہی علت اس کے پیدا کرنے کی غرض و غایت ہے۔ اور اس صورت میں نہ تو تسلسل لازم آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فعل کا حکمت اور غایت سے خالی ہونا لازم آتا ہے تو اس کا جواب ہم دے سکتے ہیں کہ اس طرح تو کسی عارف کے ہمارا کرنے کے لئے کسی دوسری غرض و غایت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز کی نسبت ہی کہا جاتا ہے کہ اسے پیدا کرنے کی غرض و غایت خود اس چیز کی ذات ہے اور ہمارا یہی غرضی ہے ہمارا یہ دلیل ظاہر۔ باہر اور ہمارا یہ غرض اور مطلوب کے ثبوت کیلئے کافی اور واقعی ہے۔ بیشک علت اور تعلیل اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہمارا یہ دلیل چند وجوہ سے باطل ہے۔ اور کئی طرح سے ہم اس کا جواب دے سکتے ہیں۔

جواب اول یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فعل یا بذاتہ صمد وہی نفس قدیم ہو گا یا اس کی نوع قدیم ہوگی۔ اگر فعل بشخصہ قدیم یا اس کی نوع قدیم ہے تو وہ حکمت جسطے ہے اس فعل کا صدور ہوا ہے۔ وہ بھی بشخصہ قدیم یا اس کی نوع قدیم ہوگی۔ اور اگر وہ فعل بشخصہ قدیم یا اس کی نوع قدیم نہیں۔ بلکہ وہ فعل بشخصہ حادث یا اس کی نوع حادث ہے تو وہ حکمت اور غایت بھی بشخصہ حادث یا اس کی نوع حادث ہوگی۔ فرض حکمت فعل کے مطابق ہوگی۔ اگر فعل کا قدیم ہونا ممکن ہے تو حکمت بھی قدیم ہو سکتی ہے۔ اور اگر فعل قدیم نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حادث ہے تو حکمت بھی حادث ہوگی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اول میں ان چیزوں کی خالقیت اور تکوین کے ساتھ موصوف ہے جو کہ ابھی تک موجود نہیں ہوئیں۔ ان کا قول ہمارے اس قول کے موافق ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل قدیم ہے گو وہ افعال ابھی تک موجود نہ ہوئے ہوں جس طرح کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو ازل میں ان چیزوں کی نسبت مرید کہتے ہیں جو ابھی تک موجود نہیں

ہائیں۔ غرض ہمارا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ قائل قدیم ہے۔ ان لوگوں کے اس قول کے موافق ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ قائل قدیم ہے تو اس بناء پر ہم میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ حکمت کہ جس کے لئے فعل کا ارادہ اور صدور ہوتا ہے وہ بھی قدیم ہے اور اس معنی پر حکمت کے قدیم ہونے سے فعل کا قدیم لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ ارادہ اور صفت خالقیت و تکوین کے قدیم ہونے سے مدخل و مخلوق اور مکتون کا قدیم لازم نہیں آتا پس ہمارا حکمت کو قدیم اور فعل کو حادث سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ تم ارادہ اور تکوین کو قدیم اور مراد و مکتون کو حادث مانتے ہو۔ اور جو اعتراض ہم پر قائم کیا جاتا ہے وہی اعتراض تم پر قائم ہوتا ہے پس اس اعتراض کا جواب جو کچھ تم بیان کر دے گی وہی جواب بعینہ میں ہم پیش کر سکتے ہیں اور یہ جواب کسی فریق کے اصول کے خلاف نہیں کیونکہ فلاسفہ میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فعل یعنی اشخاص و فصول و مخلوق کو قدیم کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو بھی قدیم مانتے ہیں۔ اور ان میں سے جو لوگ اشخاص و افعال کو حادث اور ان کی نوع کو قدیم کہتے ہیں وہ حکمت کو بھی اسی طرح مانتے ہیں اور جو لوگ افعال کی نوع کو حادث اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم مانتے ہیں وہ حکمت کو بھی حادث قرار دیتے ہیں۔ بہت سے اہل عقل اسی قائل ہیں غرض اللہ تعالیٰ کے افعال کیلئے حکمت ثابت کرنا کسی فریق کے اصول کے خلاف نہیں۔

تیسرا جواب۔ تمہارا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ علت کے پیدا کرنے میں ایک دوسری علت کا محتاج ہو گا۔ مسم نہیں یتب لازم آئے کہ جب ہر حادث کے لئے علت کا ہونا ضروری ہو اور ہم اس بات کے قائل نہیں بلکہ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ اُسکے افعال کے لئے علت ضروری ہے۔ دیکھو مفعول نہ بذات خود فاعل کا مطلوب اور مراد ہوتا ہے یہ نہیں کہ اُسکے لئے کوئی دوسری علت لازم غایت ہوتی ہے بلکہ جو چیز مراد اور مطلوب ہوتی ہے اسکی صورتیں یک کبھی وہ چیز بذات خود مطلوب ہوتی ہے اور کبھی دوسری چیز کے حصول کے لئے اور جو چیز کسی دوسری چیز کے حصول کے لئے مطلوب ہو۔ آخر اس کا سلسلہ مطلوب بڑا چم پر ختم ہو جاتا ہے اور تسلسل جاری نہیں ہوتا۔ اور یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو خالق بالاسباب کہتے ہیں کہ ایک چیز کو ایک سبب کے ذریعہ سے پیدا کرتا ہے اور اُسکو ایک دوسرے سبب کے ذریعہ سے اور آخر میں ایسی چیز پر سلسلہ ختم ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے اسکی مثبتیت کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک چیز کو ایک حکمت کے لئے پیدا کرتا ہے اور اس حکمت کو ایک دوسرے حکمت کے لئے یہاں تک کہ اس حکمت پر سلسلہ ختم ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے کوئی حکمت نہیں ہوتی۔

چوتھا جواب نہ کہین حکمت تعلیل کا قول ہے کہ ہر مخلوق لہذا مراد ہے۔ تو اس پر ہم یہ کہہ سکتے

محتاج ہے مگر اُنکے ساتھ احسان کرنے اور اُن پر رحمت فرمانے کے لئے ہمیشہ طبع طرح کی چیزیں پیدا کرتا اور مختلف افعال و احکام صادر فرماتا ہے۔ اور اس صفت کا نہ ہونا اللہ سبحانہ کی ذات مقدس کے لئے نقص ہے۔ مخلوق پر رحم اور اُنکے ساتھ احسان کرنا اُنکے لوازم ذات سے ہے اپنی مخلوق پر رحم اور اُنکے ساتھ احسان کرنا۔

اُس نے اپنی ذات پر مقرر کر لیا ہے۔ وہ رحیم اور محسن ہے۔ اور محض اپنی رحمت اور احسان سے اپنے بندوں کو اُن کاموں کی بجا آوری کا حکم دیا ہے جو اُسے محبوب و پسند ہیں۔ لیکن اُن اشیاء و افعال میں جن کو اللہ سبحانہ کسی حکمت اور غایت مطلوب کے لئے پیدا کرتا ہے۔ اور اُن کاموں میں جن کی بجا آوری کا حکم اپنے بندوں کو دیتا ہے اس قدر حرق ہے کہ پہلے قسم کو تو خود پیدا و صادر کرتا ہے اور اُن کا وجود ضروری ہے اور دوسرے قسم کا صدور اپنے بندوں سے کرنا چاہتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جن چیزوں کے خلق اور پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے انہیں تو پیدا کر دیتا ہے اور جن کاموں کے ساتھ اپنے بندوں کو امر فرمایا کہ ارادہ ہو انکی بجا آوری کا اُن کو امر فرماتا ہے اور ابھی ان کاموں کی خلق اور تکوین نہیں ہوتی۔ اسکی مثال یوں ہو سکتی ہے کہ کوئی ایک کام کے کرنے کا تو خود ارادہ کرے اور اُسے کرنے اور ایک کام ایک دوسرے شخص کو کرانیکا حکم دے۔ تو ان دونوں بالکل ظاہر فرق موجود ہے۔ غرض سلسلہ خلق اور امر دو نواں اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں ہیں۔ سلسلہ خلق اُنکے افعال میں اور سلسلہ امر اس کے وہ اقوال و احکام ہیں۔ جو بندوں کے افعال سے متعلق ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کبھی اپنے بندے کو ایک کام کے بجا لانیکا امر فرماتا ہے۔ اور کبھی اُس کی بجا آوری میں خود اپنے بندے کی اعانت فرماتا ہے۔ تاکہ اس کام کی غایت اور حکمت حاصل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کام کی منظوری ظاہر ہو۔ اور کبھی کسی بندے کو کسی کام کا امر فرماتا اور اسکی بجا آوری میں اسکی اعانت نہیں کرتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے امر فرماتے اور بندے کے بجا نہ لانے کی حکمت ظاہر ہو۔ امر تو اپنے فرمایا تاکہ فیارت کو اُسکے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حجت نہ رہے۔ اور وہ یوں نہ کہے کہ میرے پاس تو کوئی خبر دینے والا اور میرے حکم بتانے والا نہیں آیا۔ اور اگر مجھے تیرا علم معلوم ہوتا تو میں فی الفور اسکی اطاعت کرتا اور بجا لاتا۔ اور اسکی اعانت اپنے نہیں کرتا کہ وہ اس نعمت کے قابل اور قابل نہیں ہوتا۔ اور اسکی حکمت کاملہ کا یہی مقتضی ہے۔ کہ وہ اپنی نعمت کو بے موقع صرف نہ کرے اور جو اُس کے اہل ہوں اُن کو اُس سے محروم نہ رکھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ اَنْزَلْنَا لَكَ كَامِلَةً اَتَتْهُ وَی وَ مَكَانًا اَحْتِیٰ بِهَا وَ اَهْلًا لَهَا (اور انگو پر ہیز گاری کی بات پر جہاں سے رکھو۔ اور

وہ اس کے سزاوار اور ملحق بھی تھے، وقال تعالى آيُنَ لِلّٰهِ دَاعِلُهُ بِالْغَايِبِ رُبُّكَ اللهُ شَهِدُكَ اَرَبُودِلَ
 کے حال) سے بخوبی واقف نہیں، وقال تعالى وَكُوْنُ عَلَیْكُمْ اَدِلَّةٌ فِیْهِمْ هُتُوًّا اَلَا سَعْدٌ لَّكُمْ (اور اگر
 انشان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت ضرور عطا فرماتا) یہاں پر کوئی شخص یہ شبہ نہیں
 کر سکتا کہ اللہ سبحانہ جب سب مخلوق کو کیسا بنا سکتا تھا کہ سب اس کی رحمت کے اہل اور لائق ہوتے تو پھر
 سب کو کیساں کیوں نہیں بنایا اور نہ یہ شبہ کر سکتا ہے کہ سب کی صورت شکل عمر رزق معیشت وغیرہ
 جب کیساں بنا سکتا تھا تو پھر ان میں متفاوت کیوں بنا سکا۔ اس قسم کے شبہ سے اسلئے فضل الہیہ
 کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اللہ سبحانہ کا اپنے بندوں کو متفاوت بنانا اس کی حکمت کا ایک کمال ملک
 اور ربوبیت کا تقاضی ہے۔ اس کی حکمت کا مفقوضی یہی ہے کہ سلسلہ امر اور احکام میں تو سب کو
 مساوی کر دیا تاکہ کسی شخص کے لئے محنت باقی نہ رہے۔ اور انکدام کی سچا آدمی میں اعانت کرنے میں
 متفاوت کر دئے جیسا کہ علیم۔ برائے۔ غنی۔ حسن۔ بعدا حنت۔ وغیرہ صفات میں اپنے بندوں
 کو مختلف مدارج اور تفاوت حالات میں پیدا کیا ہے۔ اور اپنی مخلوق میں اس قسم کا تفاوت و
 اختلاف پیدا کرنا اس کی حکمت کے ہرگز خلاف نہیں بلکہ یہ اس کے کمال حکمت کی ایک نہایت زیروست
 دلیل ہے۔ اور اگر یہ تفاوت مراتب و اختلاف احوال نہ ہوتا تو اس کے فضل و منت کا اظہار
 کس طرح ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلٰكِنْ اَللّٰهُ جَدَّیْ اَلِیْكُمُ الْاٰیْمَانُ وَرَزَقَکُمْ فِی
 قُلُوْبِکُمْ وَکَلَّمَکُمْ اَلْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الرّٰسِخُوْنَ فِیْ الضَّلٰلَةِ
 مِمَّنْ اَللّٰهُ رَزَقَہُمْ (مگر بھلے کو خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہاریوں
 میں عہدہ کر دکھایا ہے اور کفر اور جو سری اور نافرمانی سے تم کو نفرت و لادسی ہے یہی لوگ ہیں جو خدا
 کے فضل و کرم سے نیک چلن ہیں) اور جو لوگ اس نعمت کے لائق ہیں اللہ سبحانہ انکو خوب جانتا ہے
 اور نیز نعمت کو مستحقین کے عطا فرمائے اور غیر مستحقین کو محروم رکھنے کی حکمت سے بھی اور ادا و انصاف
 ہے۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرِسُوْلِهِ لَیْکُمْ مَّوَدُّ
 کَیْفَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ یَسْجُدْ لِّکُمْ تُوْمَرًا مِّنْہٗ نَبَاہُ وَ یُخْفِیْ لَکُمُ وَاللّٰهُ عَلٰمُ رَیْضٍ
 لِّحَلَّا یَعْلَمُ اَہْلَ الْکِتَابِ اَنْ لَا یَقْبِلُوْا عَلٰی شَیْءٍ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اِنَّ الْفَضْلَ بِلَیْدٍ
 اَللّٰهُ یُؤْتِیْہِ مِنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور دیکھو
 دل سے اس کے بغیر و نعم) پر ایمان لاؤ کہ خدا اپنی رحمت میں سے تم کو ہر اچھے دے اور تم کو ایسا
 نوریات کرے جس (کی روشنی) میں چلو اور تمہارے گناہ معاف فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

کیا گیا (اے پیغمبر! یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت (یعنی پیغمبری) کے تقسیم کرنے والے ہیں سو اس دنیا کی زندگی میں فنان کی روزی بان میں تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے دنیاوی اور جاہلیت کے اعتبار سے ان میں ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے) اور اس حدیث میں ہمیں مومنین اور مجنونوں کے تفصیل بیان کی گئی ہے یوں نہ کہ وہ ہے کہ اللہ جلّ جلالہ اہل کتاب سے فرمایا گیا میں نے تم پر کچھ ظلم کیا اور تمہارے عمل کا پورا بدلہ نہیں دیا و عرض کریں گے کہ رب العالمین تو نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا اور ہمارے کام کا پورا اجر عطا فرما دیا ہے اس پر اللہ سبحانہ فرمایا کہ کسی کو اس کے عمل سے زیادہ اجر عطا کرنا یہی افضل ہے۔

بے بن چاہوں عطا کروں۔ وقال لقائے وَمَنْ يُضِغِ اللَّهُ وَالرَّسُولُ قَاوَلُكَ مَعَ الَّذِينَ نَعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالضَّالِّينَ وَالشَّهَدَاءِ وَالصَّامِرِينَ وَحَسَنَ أَذْلِكَ مَرَقِبًا ذَالِكِ الْفَضْلِ مِنَ اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ عِلْمًا (اور جو اللہ اور رسول کا کہا مانے تو ایسے ہی لوگ (جنت میں) ان مقبول بندوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے بڑے بڑے احسان کئے ہیں یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور دوسرے نیک بندے اور یہ لوگ (کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ ہی کا جانا بس کرتا ہے) یعنی اللہ سبحانہ کو اس بات کا علم ہے کہ کوئی شخص اس کے فضل کے لائق اور صالح ہے اور کون شخص اس کے لئے لائق اور سزاوار نہیں اور وہ اپنا فضل اسی کو عطا فرماتا ہے جو اس کے لئے لائق اور صالح ہو اور جو اس کے لئے لائق اور سزاوار نہ ہو اس کو اپنے فضل سے محروم رکھتا ہے۔ اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض بندوں کو اپنی بعض نعمتوں سے ساتھ مخصوص کرنا یہ اس کا فضل اور رحمت ہے۔ پس اگر سب بندوں کو ہر ایسا چیز میں مساوی پیدا کرتا تو اس کے فضل نعمت اور رحمت کی قدر کہاں معلوم ہوتی۔

اس کے علاوہ اس شخص میں اور بھی کئی نعمتیں موجود ہیں اسی میں مختصر نہیں۔ امام احمد کی کتاب الزہد میں مذکور ہے کہ مومن نے کہا کہ اے میرے پروردگار تو نے سب بندوں کو یکساں کیوں نہیں بنایا اللہ نے نے فرمایا اے مومن! میں نے یہ چاہا کہ لوگ بری نعمتوں کا شکر کریں۔ غرض منکرین حکمت و حیل جن امور کی وجہ سے حکمت کا انکار کرتے ہیں وہی امور اللہ سبحانہ کے کمال کی حکمت کی نہایت قوی اور مستحکم دلیل ہیں۔ اور نیز یہ امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ اپنا فضل انہی لوگوں کو عطا فرماتا ہے جو اس کے اہل و مستحق ہیں۔ اور ان کو اہل و مستحق بنانا اس کی حکمت و علم و عزت اور ملک کا مقتضی ہے۔ پس اللہ رب العالمین اور انکم الحاکمین کی ذات بابرکت ہے۔ اور کوئی دوسرا شخص اس کی حکمت میں شریک نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام مخلوق کا علم اس کے علم و حکمت کے سامنے ایسا ہے جیسا کہ ایک چڑیا اپنی چوچ کے

ساتھ سمندر سے پانی اٹھائے تو اس پانی کو سمندر کے پانی سے کیا نسبت ہے۔ یہی حکمت کے شیعنا بوریشے دائم بہتہ میں یہ کیا کہ اس کا ارادہ بکلام نے فعال احسان۔ جو وہ انعام دائم میں کرتا نقص اور خرابی ہے۔ بلکہ اس کی حکمت کے متلسل اور دائم ہونے میں اس کا کمال ہے معلوم نہیں کہ منکرین حکمت و تعالٰیٰ اس سے کیا منتظر ہیں کیا اس بات کے کہنے سے مغنفر ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی۔ عیلم۔ تہذیب یکم منقطع۔ محسن۔ بخواد۔ ملک تسبیح کمالات کے۔ ماہدہ موصوف اور تمام ماسوا سے منقطع ہے اور اس کے کلمات کبھی ختم اور اس کی کتب حکمت متشابهی اور سہلی قدرت کبھی غائر نہیں ہوتی۔ اس کے ملک کے۔ مٹے کبھی زوال نہیں۔ اور اس کے ارادہ و طبیعت کبھی منقطع ہونے والے نہیں بلکہ زوال اور عیش سے اُس کے لئے خلق۔ امر حکمت اور حکم ثابت ہے اور ہمیشہ ثابت رہیگا۔ اور اس کا انکار کرنا خدا تعالیٰ کی ذات کیلئے نقص کو قرار دینا ہے۔ اور توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی اعانت سے ہے چہ شاہ جواب۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جب کسی چیز کو پیدا کرے تو ضروری ہے کہ اُس کے لوازم موجود اور اُس کے تضاد و عدم ہوں۔ کیونکہ لزوم کا بدوں لازم موجود ہونا اور اسی طرح کسی چیز کا اپنی ضد کے ساتھ موجود ہونا محال اور ممکن ہے اور جو چیز محال اور ممکن ہو خارج میں اُس کا موجود ہونا مقصود اور ممکن نہیں بلکہ وہ لاشعہ محض ہے۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب یہ تسلسل اللہ سبحانہ کے خلق اور یہی حکمت کے لازم سے ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی خرابی نہیں بلکہ اس کی نفی کرنے میں خرابی ہے اور یہی توضیح ساتواں جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال ماضی اور مستقبل میں دائم و مستمر ہونے کی نفی اور محالیت پر کوئی عقلی اور نقلی دلیل موجود نہیں۔ اور منکرین حکمت و تعالٰیٰ کے تمام ادراک سے بیکرا آخر تک سب باطل ہیں۔ رازی اور آدمی وغیرہ نے اپنی اکثر تصانیف میں اُن کے ادلہ کی نقلی کو خوب کھولا۔ اور انکی پوری تردید کی ہے۔ اور اثبات حکمت و تعالٰیٰ کی صحت پر جب عقلی اور نقلی دلیلیں نظرت اور وہ تمام اقوال و اقسام کے ادلہ جو پہلے بیان ہو چکے ہیں دال اور شاہد ہیں۔ تو اب منکرین کے نفی کرنے سے جس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس یقینی نام میں کس طرح قدر ہر سکتا ہے۔

اٹھواں جواب یہ ہے کہ تسلسل یا تو ممکن ہے یا محال اگر ممکن ہے تو تمہاری دلیل باطل ہوئی اور اگر محال ہے تو تسلسل کے منقطع ہونے کیلئے رستا کہنا کافی ہے کہ غایات اور حکمتوں کا سلسلہ ایسی غایت اور حکمت پر ختم ہو سکتا ہے جو فی نفسه مطلوب اور مراد ہو۔

نواں جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کی خالیت و خلل بطلت قدیر ہے۔ اور اس میں کوئی خرابی نہیں اور تمہارا یہ قول کہ علت کے قدم سے فعل معلول کا قدم لازم آئیگا خود تمہارے ہی

قول سے مستحق ہے کہ تم ارادہ کو قیام دیتے ہو اور ارادہ کے قدم سے مراد کا قدم تسلیم نہیں کرنے۔ اور اگر تم اس کا یہ جواب بیان کرو کہ ارادہ قدیم فعل حادث سے آئے گا، اس وقت تعلق جو تاسہ ہے۔ اور اسی وقت اس کے وجود کا متعلق ہو تا ہے۔ اس کی نسبت عدم ہم نہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کے مستند قدیمہ کا حلق بھی اسی طرح تسلیم کرو کہ فعل حادث کے حدوث کے وقت اس سے تعلق جوئی ہے۔ اور ارادہ اور حکمت کے حلق میں کوئی فرق نہیں۔ اور اگر تم یہ فرق بیان کرو کہ ارادہ کا کام یہ ہے کہ وہ مراد کو ایک خاص کے وقت کے ساتھ مخصوص کرنا ہے۔ جب کہ تم میں حکمت کی بھی یہی مشن ہے کہ وہ ایک خاص کے کو ایک خاص وقت۔ مکان اور صفت نامہ کے ساتھ مخصوص کرتی ہے بلکہ حکمت۔ ارادہ علم اور قدرت یہ سب تخصیص کا باعث ہیں۔ پس اگر حکمت کے قدیم ہونے سے فعل کا قدم لازم آتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ ارادہ کے قدم سے بھی اس کا قدم لازم آئے گا۔ اور اگر ارادہ کے قدم سے فعل کا قدم لازم نہیں آتا تو حکمت کے قدیم ہونے سے بھی فعل کا قدیم ہونا لازم نہیں آئے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ سبحانہ کے افعال کی نسبت مطلوبہ اور حکمت کے لئے نہ ہوں تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اس کے ارادہ سے صادر نہ ہوں کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے ارادہ سے کوئی کام کرے اور اس کام میں کوئی غرض اور نیت مطلوب نہ ہو پس اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے اگر حکمت اور غایت نہ ہوگی تو ان کے لئے ارادہ بھی نہ ہوگا۔ اور ارادہ کے نہ ہونے سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ شخص اپنی ذات سے بغیر کسی حکمت و ارادہ کے موجب افعال اور انکی علت تامہ ہو اور چونکہ قاعدہ ہے کہ معلول اپنی علت تامہ سے مفارق اور جدا نہیں ہوتا لہذا لازم آئے گا کہ جمیع حوادث ازل میں اللہ کی ذات کے ساتھ مقارن ہوں اور اس طرح تمام حوادث قدیم ہو جائیں گے۔ اور یہ غرضی حکمت کی نفی کرنے سے جو کہ ارادہ کی نفی کو مستلزم ہے لازم آئی ہے کیونکہ ارادہ کی نفی موجب بالذات ہونے کو مستلزم ہے اور ایجاب بالذات حوادث کے قدم کو مستلزم ہے۔ اس بحث کی تفصیل دبسط کے لئے اور مقام ہیں۔

فصل۔ منکرین حکمت کا بیان ہے کہ جمیع اغراض کا مال دو چیزوں کی طرف ہے لذت و خوشی کو حاصل کرنا یا رنج و غم کو دفع کرنا۔ اور اللہ سبحانہ ان دو چیزوں کو ابتداء بغیر واسطہ کسی چیز کے حاصل کرنے پر قادر ہے اور جو شخص کسی چیز کو بغیر واسطہ دوسری چیز کے حاصل کر سکے تو ایسے شخص کا اس چیز کو واسطہ کے ذریعہ حاصل کرنا عبث ہے۔ اور اللہ سبحانہ عبث سے منزہ اور پاک ہے۔ بیشک حکمت کہتے ہیں کہ اس شے کے کسی جواب ہو سکتے ہیں۔

جواب آدل۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیشاک اللہ جانہ چیز پر قادر ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ
 ہر کوئی چیز بقا، ممکن ہو تو وہ حکمت اور غایت سے جس چیز کے حصول سے مطلوب ہو اس چیز کے عام حصول
 کے وقت تک اس چیز کے کیونکہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو تو اس کا حصول اس کے بغیر ناممکن
 اور محال ہے جیسا کہ بیٹے کا وجود دیکھا ہونے کی حیثیت سے، بغیر باپ کے ناممکن ہے کیونکہ طرہ
 کا بدن لازم موجود ہونا ناجائز اور منتہی ہے۔ اور کوئی شخص اس پر یہ شبہ پیش نہیں کر سکتا کہ جب
 اللہ سبحانہ ایک چیز کو بغیر توسط دوسری چیز کے پیدا نہیں کر سکتا۔ تو اللہ سبحانہ کا بھلا لازم آیا کیونکہ
 کسی چیز کا سوائے توسط موجود ہونا محال ہے اور محال قدرت کے تحت میں داخل نہیں۔
 اور اللہ سبحانہ ہر ممکن چیز پر قادر ہے اور کوئی ممکن اس کی قدرت سے خارج نہیں ۴

دوسرا جواب۔ یہ دعویٰ ہے کہ جب ایک چیز بغیر وسائط حاصل ہو سکے تو اس کو وسائط
 کے ذریعہ حاصل کرنا عبث ہے۔ باطل اور جھوٹا دعویٰ ہے کیونکہ جب ایک چیز دوسری چیز
 کے حصول کے لئے شرط یا سبب ہو تو اس کا توسط عبث نہیں۔ عبث ذرا سمجھئے۔ چنانچہ
 کوئی فائدہ نہ ہو اور شرط سبب یا مادہ کا توسط عبث اور بیفائدہ نہیں۔ اس کی تفصیل
 تیسرا جواب یہ ہے کہ وہ اعراض اور صعوبات درادوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے مادے
 ان کے حصول کے لئے شروط ہیں۔ مواد کا وجود ان کے بغیر ممکن نہیں۔ پس ایسے اشیاء کا توسط
 ضروری اور لازمی ہے پس تمہاری دلیل تمہارے دعوئے کیلئے کافی نہیں۔ بحث سے یہ پوچھتے
 ہیں کہ اللہ جانہ ان حوادث کو بغیر توسط ان کے مادوں کے جن میں یہ موجود ہیں پیدا کرنے پر قادر
 ہے یا نہیں۔ اگر قادر ہے تو پھر مواد کا توسط عبث ہو گا۔ اور اگر بغیر توسط پیدا نہیں کر سکتا۔
 تو عاجز ہوا۔ اگر تم یہ جواب دو کہ یہ تو ایک محال امر کو فرض کرنا ہے اور محال کوئی چیز نہیں۔ تو
 ہم یہ جواب دینگے کہ تم نے بالکل سچ کہا ہے اور ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے۔ جو
 تم نے بیان کیا ہے کہ یہ فرض محال ہے ۵

چوتھا جواب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہاں وسائط کے پیدا کرنے میں خالق نے کئی حکمتیں
 رکھی ہیں جو ان کے پیدا کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہیں اور نیز وسائط کے لئے بھی منافع و مصالح
 ہیں۔ تو ان کا توسط عبث نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ حکمت ان کے سوا حاصل ہو سکتی ہے مثلاً جب
 اللہ سبحانہ نے کبھی شخص کی روزی کے لئے تجارت کو وسیلہ اور ذریعہ قرار دیا۔ اور مقدر کیا
 ہو۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مال تجارت کو ایسے اشخاص کے پاس لایا جائے جو اس

سے فوٹیشنڈا وظیفہ بھی ہوں سنہ ۱۰ اور اس لمبرج سے سوداگر روپیہ کھا کر اپنی ضروریات کو پورا کر لیا اور ضروریات تجارتی اشیاء کے خریدنے سے اپنے کام چلائیے۔ اور اگر سلسلہ بستی میں غور کر لیا جائے تو اس کی ہر ایک چیز تلافی دیتی ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت و مہمت سے خالی نہیں۔ اور ان وسائل میں بندوں کے لئے وہ مصالح و منافع موجود ہیں۔ کہ اگر یہ وسائل نہ ہوں تو وہ مصالح و منافع کبھی حاصل نہ ہوں ۛ

پانچواں جواب تمہارا یہ قول "کہ عبث لازم آئیگا اور عبث: اللہ تعالیٰ کی نسبت محال ہے اور وہ اس سنہ پاک اور مندر ہے ہمارے ہی دعوے کی تائید کرتا ہے کیونکہ اگر اللہ سبحانہ کی نسبت عبث محال اور وہ اس سے مندر ہے سنہ تو اس کے تمام افعال احکام و اوامر حکمت و مصلحت پر مبنی ہونگے ورنہ حجت لازم آئیگا اور اگر اس کی نسبت عبث محال نہیں تو تمہاری دلیل باطل ہوئی ۛ چھٹا جواب: جائز اور ممکن ہے کہ اللہ سبحانہ بعض چیزیں ایسی پیدا کرے جن کے لئے غایات و اغراض ہوں۔ اور جن چیزیں ایسی ہوں جو بذات خود مقصود ہوں۔ اور جب یہ ہو سکتا ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ وسائل کے لئے کوئی چیز علت نہیں اور تم جب تک کہ اس بات کے قائل نہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل بدوں حکمت نہیں ہوتا۔ اس قسم کے اشیاء کو جن کے لئے کوئی مدد سری چیز علت نہ ہوتی نہیں کر سکتے۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے جمیع افعال کے معلل ہونے کے قائل نہیں بلکہ تم تو اس وجہ سے انکار کرتے ہو کہ ان امور کے توسط سے عبث لازم آتا ہے اور بعض افعال میں علت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی کام کے لئے بھی علت نہ ہو اور نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے تمام کاموں نے لئے حکمت اور علت ہے اور نہ ہر چیز کے لئے علت کا ہونا ضروری ہے اور تم تو سرے سے جواز تعلیل کے منکر ہو۔ اگر تمہاری یہ دلیل بالفرض صحیح بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر چیز کے لئے علت کا ہونا ضروری نہیں۔ اور یہ بات ہمارے خلاف نہیں۔ پس تمہارا دعوے غلط اور دلیل لا حاصل ہے اس صحت میں ہمارا قول فقہائے اس قول کے موافق ہے کہ شرع کے بعض احکام معلل نہیں ہوتے اور بعض کے لئے علت ہوتی ہے پس جیسا کہ فقہاء سلسلہ اس میں تعلیل کے قائل ہیں اسی طرح سلسلہ خلق میں تم کس لئے قائل نہیں ہوئے۔ اور یہ الامی جواب ہے اور حق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے تمام افعال احکام کے لئے وہ حکمتیں اور غایات ہیں کہ جن کے لئے وہ موجود اور صادر ہوتے ہیں۔ گو مخلوق کو ان کی تفصیل کا علم نہ ہو۔ اور مخلوق کے نہ جاننے سے یہ لازم نہیں

آتما کہ نفس لامریں ان کا وجود نہ ہو ۴

ساتواں جواب۔ اس بات سے کہ خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ ان حکمتوں اور غایا سلف کو بدوں توسط دوسرے چیزوں کے حاصل کر سکتا ہے تو پھر بذریعہ توسط حاصل کرنا عبث ہے پس اسکی نسبت ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ سبحانہ بذریعہ توسط اور بغیر توسط دونوں طریق سے حاصل کر سکتا ہے اور جب وہ ان باتوں پر اسکو قدرت حاصل ہے تو ایک بات کو اختیار کرنا عبث نہیں ہو سکتا عبث تب ہو کہ جب دونوں امر میں کل الوجہ مساوی ہوں اور کوئی صاحب عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان مساوی کا وجہ اور عدم دونوں یکساں ہیں اور اگر کوئی شخص اسکے وجود اور عدم کو مساوی سمجھے تو اسکی کمال حماقت اور نادانی ہے کیونکہ یہ خیال جیسے عقل اور مشعر کے خلاف ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو شخص علیہ السلام کے مبعوث ہونے اور نہ ہونے کو برابر اور آفتاب۔ چاند ستاروں۔ بارش۔ نہاتات۔ حیوانات کے وجود اور عدم کو مساوی سمجھے اور ان سب مساوی کا ہونا نہ ہونا اس کے نزدیک یکساں ہو۔ تو اس سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ بہت دھم اور مکار نہیں ہو سکتا۔

آٹھواں جواب۔ تمہارا یہ قول کہ تمام اغراض کا مال دو چیزوں کی طرف سے لذت کا حاصل کرنا یا غم کو دور کرنا اس کا کیا مطلب ہے آیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حیوانات کے افعال کے اغراض دو قسم میں مختصر ہیں یا اللہ سبحانہ کے افعال کے حکم نہایت ان دو قسم سے خارج نہیں یا عام مراد ہیں۔ اگر پہلا معنی مراد ہے تو تمہیں کچھ مفید نہیں اور اگر دوسرا یا تیسرا معنی مراد ہے۔ تو یہ دوسرے بالکل بطل ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کے افعال کی حکمتیں تحصیل لذات اور دفع آلام و عذاب نہیں بلکہ وہ ان امور کے علاوہ ہیں اسلئے کہ اللہ سبحانہ تحصیل لذات و دفع آلام سے منزہ اور پاک ہے۔ بلکہ مخلوق ہی ان کی حکمت کی کوئی چیز فی نظر نہیں ہو سکتی جس طرح کہ وہ صفت ارادہ کے ساتھ موصوف ہے مگر اس کا ارادہ حیوانات کے ارادہ کی طرح نہیں کہ جلب منفعت یا دفع مضرت کے لئے کسی چیز کا ارادہ کرے اور اسی طرح صفت غضب کے ساتھ موصوف ہے لیکن اس کا غضب حیوانات کے غضب کے مشابہ نہیں۔ حیوانات کے غضب کا یہ معنی ہے کہ انتقام کے خیال سے قلب میں خون جوش زن ہونے لگے۔ اور اللہ سبحانہ ان باتوں سے منزہ اور پاک ہے علیٰ ہذا القیاس اسکی تمام صفات کا حال ہے غرض جس طرح کہ اس کے ارادہ۔ رضا۔ غضب۔ رحمت وغیرہ صفات میں کوئی کمی مثل و نظیر نہیں۔ اسی طرح اسکی حکمت بھی مخلوق کی حکمت کے مشابہ و مماثل نہیں بلکہ اس کی تحصیل لذت یا دفع حزن کہنا اللہ سبحانہ کی ذات کیلئے نقص ثابت کرنا ہے جو اس سے اعلیٰ و بلند اور منزہ و متدبر ہے

مخلوق اپنے احتیاج، نقص کی وجہ سے تحصیل لذت یا دفع آلام کیلئے افعال کرتی ہے۔ کیونکہ انکے مبعوث کے مصالح و سامان ان سے وابستہ ہیں اور اللہ سبحانہ کی ذات تام ہمارے سے متغنی ہے۔ اُس نے اپنے کلمات کو کسی مخلوق سے چھل نہیں کیا بلکہ سب مخلوق کے لئے کلمات اُس سے حاصل کیئے ہیں۔

نوں جواب۔ دئی اور قل اس بات پر ثابت ہیں کہ اللہ سبحانہ بعض امور کو پسند اور بعض کو ناپسند رکھتا ہے۔ وحی کی شہادت کیلئے تو ان کدینا کافی ہے کہ اس قسم کی آیات سے کہ قرآن کریم اول سے آخر تک اس قسم کی آیات سے بھرا ہوا ہے۔ اور قل کی شہادت اس طرح پر ہے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ اپنے پیاروں اور اہل طاعت کی عزت فرماتا اور اپنے دشمن اور نافرمانوں کو ذلت پہنچاتا ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو طاعت پسند اور نافرمانی ناپسند ہے اور مطمئن سے راضی اور خوش اور نافرمانوں کو ناخوش ہے اور ظاہر بات ہے کہ جس شخص کو کسی چیز سے اعلیٰ درجہ کی محبت یا کسی چیز سے غایت درجہ کی نفرت و عداوت ہو اور وہ اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز کے حاصل کرنے پر بقادر بھی ہو تو وہ اُس کے حصول کے لئے کمال طرح برحمت کو کام میں لائیگا۔ غرض اللہ سبحانہ کے افعال کی ایک یہ حکمت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی مرئیات کی طرف پہنچاتا ہے کہ وہ انکو بجا لائیں۔ اور مینبات سے باز رہیں۔ اور اگر کوئی ایسا فعل صادر ہو جو بظاہر کہ وہ ہوتا اسکی یہ وجہ ہے کہ چونکہ وہ ایک دوسری محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے ذریعہ ہوتا ہے لہذا وہ اس وجہ سے مکرہ نہیں شمار ہوتا پس لذت و سرور اور غم اور حزن سے اگر حسب اور بعض مراد ہے تو اللہ سبحانہ حسب اور بعض کے ساتھ موصوف ہے اور اُس کے افعال کے لئے حکمت اور غایت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ لذات اور غم کے ساتھ موصوف ہو۔

دسواں جواب۔ جب اللہ سبحانہ ان سکیم و غایات کو بڑوں و ساریط اور وساریط کے ذریعہ دونوں طرح حاصل کرنے پر قادر ہے تو درنہ طور پر حاصل کرنا اُس کے کمال قدرت و عظمت ایک اور ربوبیت پر دل ہے اور اللہ سبحانہ کے افعال کے اختلاف اور تنوع کا یہ سبب ہے کہ اُس کی حکمت۔ کمال قدرت اور ربوبیت کا نقصانی ہی ہے غرض اللہ سبحانہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اس حکمت کو بواسطہ ایک دوسری چیز کے جو مخلوق اور اُس سے منقطع ہو پیدا کرے اور ایسی چیز کے واسطہ کے سوا بھی پیدا کر سکتا ہے یعنی یہ حکمت خود اسکے افعال لازمہ کلمات اور اپنی حمد و ثنا کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے غرض اس کا مطلب وہ نہ طرح حاصل ہے اور میں اللہ سبحانہ کا زیادہ کمال ہے کہ وہ مطلوب کے حاصل کرنے پر مختلف طریق سے قادر ہے۔

گیارہواں جواب۔ اللہ سبحانہ اپنے توصات۔ اسماء اور افعال میں کمال ہے اور عالم میں انکے آثار

کا ظاہر ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر ان کے آثار ظاہریوں تو ان کا کمال تو بجائے خود وجود ہی غیر متصور ہے۔ مثلاً اللہ سبحانہ محسن ہے اور بندوں محسن الیہ کے احسان کا وجود محال ہے اور وہ رازق ہے جس کے لئے سرزوق کا ہونا ضروری ہے علیٰ ہذا القیاس اُس کے دوسرے اسماء کا حال ہے کہ وہ متغیا۔ جلیم۔ جواد۔ لطیف۔ متان۔ حباب۔ قباب۔ باسط۔ حافظ۔ رافع۔ معز اور مثال ہے اور ان اسماء کے لئے ان کے متعلقات کا موجود ہونا اور ان کے آثار کا ہونا ضروری ہے درجہ اسماء اور صفات معطل اور بیکار ہو گئے۔ غرض ان اسماء و صفات کے معانی کے موجود ہونے کے لئے ان کے آثار یا واسطہ ضروری ہے اور ان کے توسط کو عبرت اور سفارۃ کہنا صحیح نہیں۔ اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے :-

فصل مفکرین بہت تعلیل کا یہ ہے کہ اگر سلسلہ خلق و ہر کا مصلحت تکلیف غرض ہوا ضروری ہو تو سلسلہ عالم کو ایک مخصوص وقت میں پیدا کرنے کیلئے بھی کوئی غرض اور غایت ہوگی اور اس غرض و مصلحت کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک کہ وہ اس مخصوص وقت سے پہلے موجود ہو یا اُس خاص وقت سے پہلے موجود نہ ہو اگر اس وقت سے پہلے موجود ہو۔ تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو اُس کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے موجود کر دیا ہو۔ کیونکہ عالم کا موجود کرنا تو اُس غرض و مصلحت کیلئے تھا اور وہ عالم کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے حاصل تھی۔ لہذا عالم اپنے موجود ہونے کے وقت سے پہلے موجود ہو گا اور یہ محال ہے۔ اور اگر وہ سمجھت عالم کے موجود ہونے سے پہلے حاصل ہو گا اور وہ ہو گا اور جو عالم کے وقت وہ حادث ہو گا اُس کی نسبت یہ پوچھتے ہیں کہ اس غرض کا حصول کسی محدث کا محتاج ہے یا نہیں اگر محتاج نہیں تو لازم آیا کہ ایک حادثہ بدوں کسی محدث و موجود کے موجود ہو اور یہ محال ہے۔ اور اگر کسی محدث کی طرف محتاج ہے۔ تو اگر اُس کے خاص وقت میں موجود ہونے کے لئے کوئی دوسری غرض ہوگی۔ تو تقسیم اول بھر جاری ہوگی۔ اور ہر غرض کے لئے دوسری غرض ماننے پر تسلسل لازم آئے گا۔ اور یہ محال ہے اور اگر اُس کے حصول کے لئے دوسری غرض کی ضرورت نہیں تو اُس کا حصول بدوں غرض ہوا۔ اور ہمارا یہی مدعی ہے کہ اللہ سبحانہ کے ایجاد و خالقیت کے لئے اغراض و مصالح کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ دلیل بطرح کہ عالم کے ایک خاص وقت میں موجود ہونے کے متعلق جاری ہو سکتی ہے اور اس کا مناصد یہ ہے کہ حادثہ کو ایک خاص وقت میں پیدا کرنے کے لئے اگر کوئی غرض ہو تو جس کی وہ ہی صورتیں ہیں یا تو حادثہ کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے وہ غرض موجود ہوگی یا نہیں۔ اگر اُس کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے موجود ہو تو لازم آئے گا کہ حادثہ اپنے حادثہ کے وقت سے پہلے موجود ہو اور یہ محال ہے۔ اور اگر پہلے موجود نہ ہو تو اب اس غرض کے پیدا کرنے کے لئے اگر دوسری غرض کی ضرورت ہو اور اسی طرح ہر غرض کے پیدا کرنے کے لئے دوسری غرض

کی ضرورت نہیں تو ہمارا دھوئے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کئی چیزوں کے پیدا کرنے کے لئے کوئی غرض اور غایت نہیں بشتیر حکمت و تمیز جواب میں کہتے ہیں۔ کہ یہ دلیل بعینہ دوسری دلیل کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہے مگر تم کو فضول اور باطل دلیلوں کا طوبار باندھتے پر کچھ فخر اور ناز ہے۔ سنو اس دلیل کے جواب۔ وہی ہیں جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آثار اور حوادث مستقبلہ میں تسلسل لازم آئیگا۔ اور ایسی کوئی خرابی نہیں۔ ہم اور خلافت کے ساتھ اہل اسلام کے نزدیک حادث مستقبلہ اور آثار میں تسلسل نہ صرف نہ جائز بلکہ واجب اور ضروری ہے۔ اور نیز ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حادث و قحیم ہیں ایک دہ جو بذات خود مراد اور مطلوب ہیں دوسرے وہ جو کسی دوسری چیز کیلئے مطلوب اور مرفوض ہیں۔ تو اس بنا پر جائز ہے کہ وہ حکمت جو بذات خود مطلوب ہو۔ پتہ پہونے میں کسی دوسری حکمت کی محتاج نہ ہو۔ اور نیز اول تو اس دلیل کے مقدمات سمجھ اور علم نہیں اور بالفرض اگر سمجھ ہوں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کا محل بالآخر حق ہونا ضروری نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ انکے لئے حکمت اور غرض کا ہونا جائز نہ ہو۔ وجوب کی نفی اور چیز ہے اور جواز کی نفی دوسری چیز۔ ہم نے تسلیم کیا کہ حکمت کا وجود ضروری اور واجب نہیں۔ مگر اس سے جواز کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اور نیز زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس کے بعض افعال محل بالآخر حق نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعض افعال محل بالآخر حق نہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پہلے سب جواب جاری ہو سکتے ہیں زیادہ طول کی ضرورت نہیں۔ اور اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ کے افعال کا اتمام باتفاق اہل اسلام جائز بلکہ واجب ہے اور ماضی میں صرف چند اہل کلام کا خلاف ہے +

قصص سنکرین حکمت کا یہ شبہ ہے کہ اول سے ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ تمام چیزوں کا خالق ہے پس ہم پوچھتے ہیں کہ کفر و فسق اور عصیان کے پیدا کرنے میں کوئی حکمت اور مصلحت ہے اور نیز ایسے شخص کے پیدا کرنے میں جسکی نسبت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو کہ وہ پیدا ہو کر کفر و فسق کرے گا۔ اور دنیا اور دین میں فساد ڈالے گا۔ کوئی حکمت ہے اور بہت سے جمادات پیدا کرنے میں جن کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں کوئی حکمت ہے اور نیز بہت سے بیکار و خستہ و ہنات اور حیوانات خاصہ حملہ کرنے والے اور موزی جانوروں کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے اور زہر اور دوسری مضر اشیاء کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے اور ایسے اور دیگر شیاطین کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت اور حکمت ہے اور اگر انکے پیدا کرنے میں کوئی مصلحت اور حکمت تو اس کے

ہمیشہ قیامت تک باقی رکھے اور دنیا، علیہم السلام کو دنیا سے فوت کر دینے میں کوئی حکمت اور تم کو اسے جنت میں لے گیا اور انکی اولاد کو اس بلاغے عظیم میں ڈالنے کے اندر درجیکہ وہ بہشت کے اندر نہایت آرام سرورہ سکتے تھے کیا مصلحت اور کوئی حکمت ہے۔ اور حیوانات کو دیکھ اور تکلیف پہنچانے میں کوئی مصلحت ہے۔
 فرض کیا کہ تکلیفیں پہنچانے میں اس کے لئے کوئی مصلحت ہو لیکن غیر مکلفین مثلاً بامعاف اطفال اور بچاؤ کو دیکھ تکلیف ہونے میں کوئی مصلحت اور حکمت ہے اور اس مخوفی کے پیدا کر سنے میں جن کو ہمیشہ کیسے دوزخ کے طرح شرح کے عذاب میں مبتلا رکھنا کوئی حکمت ہے۔ اور اپنے دشمنوں اور نافرمانوں کو اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں پر تسلط کرنے میں کیا حکمت ہے کہ وہ ان کو طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے بعض کو قتل کرتے اور بعض کو قید کیلئے اور بعض کو سلام بناتے اور بعض کو اوقیم کی تکلیف پہنچاتے۔ اور جن رنسن کے مکلف بالا احکام بنائے اور طرح طرح کی مشقوں اور عذاب میں مبتلا کرنے میں کوئی حکمت ہے۔ منکرین حکمت کا یہ بھی مشتبہ ہے کہ ہم کو قطعی طور پر معلوم ہے کہ اہل دوزخ کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ ان کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنے میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع اور فائدہ ہے اور نہ ان کے لئے اور نہ کسی دوسرے کے لئے اس میں کوئی فائدہ ہے۔ اور ہمارے لئے ابوالحسن اشعری اور ابو ہاشم جبالی کا مناظرہ کافی دلیل ہے۔
 ابوالحسن اشعری نے ابو ہاشم سے ان تین بھائیوں کی نسبت سوال کیا جن میں سے ایک تو بلوغ سے پہلے حالت اسلام میں مر گیا۔ اور دوسرے بلوغ کو پہنچ کر جوان ہوئے پھر ان میں سے ایک تو بحالت اسلام فوت ہوا۔ اور دوسرا کفر کی حالت میں مرا۔ اور یہ تینوں اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں مع اور ان کے بھائی ان میں سے جو شخص جو بلوغ کے بعد حالت اسلام میں فوت ہوا تھا۔ اس کو تو اپنے اسلام اور اعمال حسنہ کی بدولت مراتب عالیہ حاصل ہوئے۔ اس کے دوسرے بھائی نے جو صغر کی حالت میں مر گیا تھا اس کی اس علت کو دیکھ کر یہ سوال کیا کہ اے میرے رب تو نے مجھے وہ مرتبہ کیوں نہیں عطا فرمایا۔ جو میرے بڑے مسلمان بھائی کو عطا فرمایا ہے۔ اللہ سبحانہ نے جواب دیا کہ اس نے وہ اعمال حسنہ کئے تھے جو تو نے نہیں کئے اس پر اس نے پھر سوال کیا کہ اے میرے رب تو نے مجھے اتنی عمر کیوں نہ بخشی کہ میں بھی اپنے بھائی مسلمان کی طرح اعمال صالحہ کرتا اور تیرے احکام سبحانہ نے فرمایا۔ اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ تیرے حق میں یحییٰ ہی میں مرجانا اچھا ہے۔ کیونکہ اگر تو بڑا ہوتا۔ تو کفر اختیار کرتا۔ اس پر تیسرا بھائی دوزخ کے بیچ میں سے چلا آٹھا کہ اے میرے رب تو نے مجھ کو بلوغ سے پہلے یحییٰ میں کیوں نہ فوت کر دیا۔ جیسا کہ میرے چھوٹے بھائی کو یحییٰ میں فوت کر دیا۔ اور وہ عذاب

ہو گئے۔ حالانکہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے کوئی علت نہیں اور وہ جو چاہے کرے اس سے کوئی پرچہ اور باز پرس نہیں کر سکتا۔ اسی واسطے ہمارا یہ قول ہے کہ حق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے کوئی علت نہیں۔ اور اس قول کی وجہ سے ہم کو اُن تمام خرابیوں سے بچنا پڑتا ہے جو حکمت و تحلیل پر سے ہیں نجات حاصل ہے۔

میتھین حکمت و تحلیل انکے جواب میں کہتے ہیں کہ تمہارے یہ مشبہات اور اعتراضات جو ہم نے حکم الحاکمین کی حکمت کے متعلق پیش کئے ہیں۔ اُن مشبہات اور اعتراضوں سے کچھ زیادہ قوی اور مضبوط نہیں ہو سکتے۔ اللہ سبحانہ کے وجود اور ہستی کے بارے میں پیش کئے گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے خیال میں صانع کے وجود کی نفی پر پانلیس مشبہات قائم کئے ہیں۔ اور اسی طرح نہ اُن لوگوں کے اعتراضوں سے قوی ہیں جو رسالت کے منکر ہیں اور تمہارے خدا کے اسی اعتراض کی نفی کئے ہیں اور میرا اللہ سبحانہ کے صفات محال کے منکرین یعنی فرقہ معطلہ کے مشبہات سے جتنے ملو خان و ملو مار کو تم معلوم کر چکے ہو۔ اور جمہیہ کے اُن اعتراضات سے جو انہوں نے اللہ سبحانہ کے عفو علی الخلق۔ استوا علی العرش۔ لکھم اور اپنے بندوں سے ہمکلام ہونے پر وارد کئے ہیں۔ اور فلاسفہ کے اُن اعتراضات سے جو انہوں نے اللہ سبحانہ کے چہ روز میں عالم کو تباہ کرنے بندوں کو تیروں سے آٹھانے بہشت و دوزخ میں داخل کرنے اور اس عالم کے بجائے ایک دوسرا عالم قائم کرنے پر پیش کئے ہیں۔ تمہارے اعتراضات کچھ زیادہ مضبوط نہیں۔ بلکہ انکے اعتراضات تو تمہارے اعتراضوں سے کئی گنے زیادہ ہیں۔ اور اسی طرح منکرین تقدیر بھی اپنے اعتراضات و شبہات کو نہایت شد و مد کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ حکم الحاکمین کی حکمت کا یہ مقتضی ہے کہ وہ اس عالم میں جو کہ دارالکلیف ہے ہر ایک حق بات کے لئے کوئی نہ کوئی منکر اور ہر ایک صواب کے لئے کوئی نہ کوئی مخالف بنا دینا ہے جیسا کہ ہر نعمت کے لئے کوئی نہ کوئی حاسد اور ہر شتر کے لئے کوئی نہ کوئی بانی پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ اسکی حکمت کا ایک مقدمہ یا ہرہ کا مقتضی ہے تاکہ اس کی محبت اپنے بندوں پر پوری اور ہر ایک مشیت اُن میں نافذ اور اس کی حکمت اُن میں ظاہر اور اس کا حکم اُنکے دیریاں جاری ہو اور اپنے علم کے مطابق بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائے۔ اور اس کے صفات علیا اور اسما جہلی کے آثار اُن میں ظاہر ہوں۔ اور قیامت میں سب پر ظاہر ہو جائیگا کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہ تھا اور اس نے اپنی مخلوق کو جنت نہیں بنایا۔ اور اُن کو سیکار نہیں پہنچا تھا۔ لہذا یہ معلوم ہو جائیگا کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو فضول نہیں بنایا

تھا اور وہ مخلوق کے پیدا کرنے پر قدرت اور مہر و قدرت اور ثواب و عقاب غرض ہر ایک بات پر محال
حمد اور ثنا کا مستحق ہے اور اس نے کسی چیز کو بے موقع اور بے محل نہیں کہا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے **وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ آيَاتِهِمْ لَا يَمُرُّونَ إِلَّا بِأَمْرٍ مِّنْهُ يَوْمَ تُنْفَخُ الْأَشْيَاءُ**
وَتُكْفَى الْكُفْرَانِ لَا يَخْلُقُونَ إِلَهًا إِلَّا اللَّهُ الَّذِي يُخْتَلَفُونَ فِيهِ قَوْلَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
وَهُوَ الْغَنِيُّ (اور یہ نکر خدا کی بڑی خستہ نہیں کھاتے ہیں کہ وہ مر جاتا
ہے اس کو خدا اور بارہ) نہیں اٹھا کھڑکے گا۔ ایسا پیہر ان سے کہو کہ ضرور (اٹھ اٹھ کر بیٹھا اس کا دوست
برحق ہے اور اس کا ایقان اس پر لازم ہے) مگر اکثر لوگ (اس کا یقین نہیں کرتے) مردوں کو پیدا
اٹھانا اس لئے (ضرور ہے) کہ جن چیزوں میں یہ لوگ (دنیا میں) اختلاف کرتے رہے ہیں۔
(قیامت کے دن) خدا اہل حقیقت کو ان پر ظاہر کر دے اور تاکہ کافر جان لیں کہ وہی غلطی پر تھے
اور جب اہل موقف پر سب حقیقت ظاہر ہو جائیگی۔ اور اس کی قضائے فیصل اور حکم عادل ان میں
پارہی ہو جائیگا تو سب مخلوق اس کی حمد کریگی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنِ**
الْحَقُّ عِنْدَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (اور لوگوں) کے درمیان اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا
جائیگا اور سب کچھ ہو جو اگر کار ہر طرف سے (صحرا و بلند) ہوگی کہ سب تعریفیں خدا کو سزاوار
ہیں جو تمام جہان کا پروردگار ہے اور سنکرین مکست و تحلیل کے ان شہادت اور اعتراضات کا جواب
کئی طرح سے ہو سکتا ہے۔

اولیٰ یہ کہ اللہ سبحانہ کی حکمت ہر شے کے وجود اور عدم و مشورے سے متعلق ہے اور کفر و شرک شرعاً
اور ماحولی اللہ سبحانہ اور رسول کے احکام کی مخالفت کی طرف راجع ہیں پس بلا سبب و سبب سے انکو کوئی تعلق
نہیں بلکہ ہمارا دعویٰ صرف اتنا ہے کہ اللہ سبحانہ نے جو کچھ ایجاد اور پیدا کیا ہے تو اس میں ضرور کوئی
حکمت اور غایت مطلوبہ ملاحظہ ہے اور جس چیز کو پیدا نہیں کیا اگرچہ اس کے پیدا نہ کرنے میں بھی کوئی
حکمت ہے مگر اس کو ہم سے دعوے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس سے ہم پر کوئی اعتراض وارد
ہو سکتا ہے۔ اور اس کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر کسی طرح اللہ سبحانہ کی طرف مشورہ نہیں کیونکہ
شرکت ہے خیر اور اس کے اسباب کے عدم اور نہ ہونے کو اور عدم کوئی چیز نہیں تاکہ اللہ تعالیٰ
کے خلق اور ایجاد میں داخل ہو۔ پس جب ہمارا دعویٰ صرف اتنا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال و خلق
ایجاد وغیرہ حکمت اور غایت محمودہ پر مبنی ہیں تو اب ترک خلق اور عدم ایجاد سے ہم پر کوئی اعتراض
وارد نہیں ہو سکتا۔

جسنا پتہ وہ سرا بواب اس کی پہنچ کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کبھی ایک ایسی چیز کو جس کے پیدا کرنے میں کوئی عیب نہ ہو، اسے پیدا نہیں کرتا۔ کہ اس کا وجود ہونا اللہ سبحانہ کو پسند نہیں ہوتا یا اسے پیدا نہیں کرتا کہ اس کا وجود ایسی چیز کے مخالف ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ کو زیادہ محبوب ہے یا اس سے پیدا نہیں کرتا کہ اسے پیدا کرنے سے کوئی دوسری محبوب اور پسندیدہ چیز فوت ہو جاتی ہے غرض اسے نہ پیدا کرنے کی حکمت اس کے پیدا کرنے کی حکمت سے راجح اور غالب ہوتی ہے اور چونکہ متدین کو چھ کرنا محال ہے اس واسطے اللہ سبحانہ اسے حکمت کو ترجیح دیتا اور اسے کوئلہ کو دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ کمال حکمت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے سلسلہ خلق اور امر میں مختلف اور کئی طرح کی حکمتیں اور مصالح پائے جاتے ہیں کبھی بے خالص اور محض مصالح پر مبنی ہوتے ہیں اور کبھی مصالح راجح کے بعد پرش ل ہوتے ہیں۔ گو ان مصالح راجح کی وجہ سے وہ مصالح مروجہ جو ان کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتے فوت ہو جاتیں۔ اور کبھی خالص مضار کے دفع کو متضمن ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایسے مضار کا دفع کرنا تحقق ہوتا ہے جو دوسرے مفاسد اور خسار سے زیادہ مضر ہوں۔ گو ان میں ایسے مفاسد پائے جاتیں جو ان سے کم درجہ ہوں اور ان دونوں کا اکٹھا منع ہونا ممکن نہ ہو اور یہی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا کمال ہے اور اس کا خلاف ہونا حکمت کے مخالف ہے :

تیسرا جواب۔ فرض کیا کہ جو چیزیں تم نے بیان کی ہیں ان کے پیدا کرنے یا معدوم کرنے میں اللہ سبحانہ کی کوئی حکمت نہ ہو تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ خلق اور حکم کے تمام سلسلہ میں کوئی حکمت نہیں۔ اللہ سبحانہ کے خلق اور امر میں وہ حکمتیں اور غایات محمودہ موجود ہیں۔ جن سے اس کے وہ خاص بننے کسی قدر واقف ہیں جنہیں علم راسخ عطا ہوا ہے۔ اور اس مضمون کو انشاء اللہ ہم عنقریب بیان کریں گے :

چوتھا جواب۔ ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اللہ سبحانہ کی ہر ایک حکمت پر تفصیل غلوک کا مطلع ہونا ضروری بالکل ہے۔ جائز ہے کہ اللہ سبحانہ کی بعض حکمتیں ایسی ہوں جن سے اس کے سوا کوئی دوسرا مطلع نہ ہو پس جو صورتیں تم نے بیان کی ہیں ممکن ہے کہ ان میں ایسی حکمتیں موجود ہوں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہ جانتا ہو۔ لہذا ہم سے یہ سوال کرنا کہ بتاؤ ان صورتوں میں کوئی حکمت ہے۔ یہ سوال تب صحیح ہے کہ اسے کہہ دینے کے لئے کہیں کہ ہر ایک حکمت سے ہمارا واقف ہونا ضروری یا جائز ہے۔ اللہ سبحانہ کی بعض حکمتیں ایسی ہیں جن کو وہ آپ ہی جانتا ہے :

دیکھو جب ملائکہ نے آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کی نسبت استفسار کیا۔ تو ان کو یہ جواب ملا اِنَّا اَنشَاکُمْ
سَابِکًا لِّکُلِّ نَسَبٍ ذِیْ رَحْمَةٍ مِّنْ بَیْنِنَا وَرَبِّکُمْ فَاِذْ یَقُولُ لَکُمْ اَنْتُمْ اِنْسَانٌ مِّنْ دُونِکُمْ فَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
ہیں۔ یہ ہم تمہارا اولاد کا نام ہے۔ یہ تمہارے لئے رحمت ہے اور تمہارے رب کا نام ہے۔ اِسکا ہونا ہی ہے اور یہ تمہارا
نسل ہے۔ اِنکو تو تمہارے لئے رکھا ہے۔

باوجودِ جوابِ اللہ سبحانہ اپنی ذاتِ صفات اور افعال میں بے مثل ہے۔ پس تم کہہ سکتے ہیں
کہ ان تمام امور میں ہم کو تم نے ذکر کیا ہے اللہ سبحانہ کی وہ حکمت ہے جو مخلوق کی حکمت کے مشابہ
اور اس کی ہنس۔ یہ نہیں جیسا کہ اس کا فعل۔ ارادہ۔ قدرت۔ شہادت۔ شہادت۔ رضا اور غضب
غالب کی جہ غائب۔ یہ مشابہ اور مائل نہیں ہے۔

پتہ چلتا ہے کہ اس کی قدرت فاعل کے علم اور قدرت کے ذاتی اور آگاہی راجع ہوتی ہے
پس جس شخص کا علم اور قدرت کامل ہے جسے اس کے افعال بھی زیادہ کامل اور غایت درجہ
کی حکمت پر مشتمل ہونگے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کمال علم اور قدرت میں منفرد اور بختا ہے پس اس کی حکمت
بھی اسی علم اور قدرت کے مطابق کامل اور اعلیٰ درجے کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چون چیزوں سے
اس کا علم اور قدرت مشتمل ہیں۔ ان چیزوں سے اس کی حکمت بھی متعلق ہے۔

سنا تو ان جواب۔ اولہ قطعاً اس بات پر دال ہیں کہ اللہ سبحانہ اپنے افعال اور احکام میں حکیم ہے
ان ان اولہ کے لحاظ سے اُس کے تمام افعال اور کام میں حکمت کا ماننا ضروری ہے اور جو صورتیں تم نے
پیش کی ہیں۔ ان میں حکمت کے معلوم نہ ہونے سے ان اولہ قطعاً کی مخالفت جائز نہیں۔ خاص کر جب کہ
کسی چیز کے نہ ہونے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا۔

آٹھواں جواب۔ جو صورتیں تم نے بیان کی ہیں ان کا حکمت سے خالی ہونا اللہ سبحانہ کے
کمال کے خلاف ہے۔ اور نیز یہ بات بھی اس کے عمال نے خالص ہے کہ اس کی تمام حکمتوں پر
اس کی مخلوق کو اطلاع حاصل ہو بلکہ یہ بھی اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس کی تمام حکمتوں پر مخلوق
مطلع نہ ہو۔ دیکھو اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کو اپنے تمام امور اور اسرار و مصلح کر دے تو اس کو غیب اور
داد ان سمجھا جاتا ہے۔ پس اللہ سبحانہ کی شان اس سے اعلیٰ اور بلند ہے کہ وہ اپنی تمام حکمتوں اور اسرار
پر ہر ایک کو مطلع کر دے۔

تو ان جواب۔ یا تو تم اس بات کا اعتراف کرو کہ اللہ سبحانہ کے بعض احوال بعض اشیاء کے پیدا
کرنے میں حکمتیں موجود ہیں۔ سلسلہ خلق اور امر میں کسی حکمت کے موجود ہونے کا کرو۔ اگر تم اس بات کا انکار کرو اور

تمہارے جیسے ظالم لوگوں کی شان سے یہ کچھ بعید نہیں ہوئے لہذا اس سے کذب اور جھوٹ سے اور اس سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تائید و جہت انبیاء علیہم السلام عقل و فطرت و ادب و اس کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور خود تمہاری عقلیں تمہاری تکذیب کرتی ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کے خلق اور امر میں جو ظاہر و باہر حکمتیں موجود ہیں۔ ان کا انکار کرنا ایسا ہے جیسے کہ سورج۔ چاند۔ رات اور دن کا انکار کرنا ہے اور بدلتے سے اب تکلام کی شان سے یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ وہ بہت سے بدیہات کے منکر ہیں۔ پس اگر تم بھی منکر و جہت وغیرہ کا انکار کر جاؤ۔ تو کچھ بے بنیاد اور اگر اللہ سبحانہ کے بعض خالق اور امر میں حکمت کا وجود تسلیم کرتے اور مانتے جو تو ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی باطن بہتر اور اولیٰ ہے حکمت کا وہ دیا اس کا سام اگر تم یہ کہہ کر حکمت کا عدم اس کے وجود سے اولیٰ ہے تو یہ صریح جھوٹ ہے اور اگر اُسکے وجود کو اولیٰ مانتے ہو تو ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ اپنے تمام خلق اور امر میں حکمت کے حاصل کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ اگر یہ کہہ دو کہ اللہ سبحانہ کو اس پر قدرت نہیں تو یہ بات دین اور عقل کے خلاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بالکل اپنی عقل سے باہر ہو گئے ہو اور اگر یہ مانتے ہو کہ اللہ سبحانہ تمام خلق اور امر میں حکمت کے موجود کرنے پر قادر ہے تو ہم کہیں گے کہ جب اللہ سبحانہ ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے پر قادر ہے جو فی نفسہ محال اور اس کا وجود اس کے عدم سے اولیٰ ہے تو پھر اس کی نفی کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے اگر نفی کر سکیے متعلق پر غور پیش کرو کہ ہم اس لئے نفی کرتے ہیں کہ ہم تو اس کی حقیقت پر اطلاع حاصل نہیں تو یہ عند سبوح نہیں کیونکہ جب یہ انبیاء نے بتلادیا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کا کچھ خالی نہیں تھا اور اسکی حقیقت پر اطلاع نہ کرنا اسکا کاروائی کیلئے جہت نہیں سکتا کسی چیز کی حقیقت پر اطلاع نہ کرنا اسکی نفی کیلئے دلیل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ تم سے اسکی بارہا پرس کر لگا۔

دسواں جواب۔ تمام عقلاء اس بات پر متفق ہیں۔ کہ جب کوئی شخص ایسے کام کرے کہ جن میں اس کی حکمت ظاہر ہو اور وہ ایسے طور پر واقع ہوں کہ مصالح و مفاد وہ کیلئے وہ نہایت مناسب اور موافق ہوں اور مایوسہ کر رکھی ہوں اس کے افعال اسی طور پر مشاہدہ کئے جائیں اور اس کے بعد کچھ افعال اس کے ایسے نظر آئیں جن کی حکمت و مصلحت بظاہر دور سے لوگوں کو معلوم نہ ہو تو دیکھنے والوں کو سوائے تسلیم کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ سمجھ چکے ہیں کہ اس شخص کے افعال ہمیشہ کسی مصلحت اور حکمت کے لئے ہوتے ہیں۔ لہذا وہ ان کا منہ کی نسبت جن کی حکمت معلوم نہ ہو یہی سوائے قائم کرتے ہیں کہ ان کاموں میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور غفی ہوگی۔ تمام اہل حرفہ کا اپنے اسناد و نسخہ کا منہ کی نسبت یہ خیال ہونا ہے کہ استاد نے جو کام کیا ہے اس میں ضرور کوئی بعید ہے۔ گو ہم کو معلوم نہ ہو منکرین حکمت و دلیل کا اپنے ائمہ اور شیوخ کی نسبت بھی یہی اعتقاد ہے کہ جب انکو اپنے ائمہ کے

پر پناہ کرنے میں تھوڑی سی فہمت ہو جائیں۔ اندر اندر کائنات کے کمال ملک اور تصرف کا ظہور نہ ہوتا۔ کیونکہ اگر کوئی مانگے گا کہ اس کے لئے ہر شے متعین ہو جائے، اس میں سب سے بڑا ایک یہ ہے کہ قدرت میں اس کا تصرف منحصر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا کہ یہ کہ وہ اس کے لئے متعین ہو جائے یا کہ اس کے لئے متعین نہ ہو۔ اگرچہ اس کی عاجزی کی وجہ سے اس کا چھوڑ دینا دوسری چیز ہے کہ باقی ماند وراثت میں تدبیر کرنے میں جو حاصل ہے اس سے جہاں ہوا اور اللہ سبحانہ ان دونوں میں سے ایک سے پاک ہے کیونکہ وہ قادر التماورین۔ اظہار العالین اور اکمل الی کمین ہے۔ نہ اس کی تصرف اس کے لئے ہے۔ اس ایک شے میں جو اس کے لئے متعین نہیں ہے اس کے لئے کہ یہ اس کے کمال ملک کے لئے نقص اور عیب ہے۔ اللہ سبحانہ کا علم کمال ہی ہے کہ اس کے لئے نہایت عطا۔ منع۔ خفض۔ رست کرنا، مرفع۔ بلند کرنا، توب۔ خفایہ۔ اکریم۔ امانت۔ اعزاز۔ اذلال۔ دولت دینا، تقدیم۔ تاخیر۔ فسخ۔ نفع وغیرہ کے آثار و احکام ظاہر ہیں اور نیز یہ بات پانی جیسے کہ بعض مخلوق کو اپنی خاص نعمتوں کے ساتھ مخصوص فرمائے اور بعض کو بعض پرفعیلت بخشے اور اگر ان منشاء و صفات کے آثار ایک ہی ایسے نوع میں پائے جاتے کہ جس کے سب افراد یکساں ہوں۔ تو یہ اس کی عظمت کے خلاف تھا۔ کیونکہ وہ متماثل چیزوں میں فرق کرنے اور مختلف اشیاء میں مساوات کو پسند نہیں رکھتا۔ بلکہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی مذمت اور جو ایسا کرنے کو اس کی طرف نسبت کرتے ہیں ان کی تردید بیان کی ہے۔ قرآن کریم میں اس قسم کی آیات بکثرت موجود ہیں جو مختلف اشیاء میں مساوات اور متماثل چیزوں میں فرق کرنے والوں کی مذمت پر دلالت کرتی ہے۔ ترجمہ کی بات ہے کہ جس نعمت کو بندے اپنے لئے بڑا سمجھتے اور جس کی جراتی ضرب المثل کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ اور ان کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ جو شخص اس نعمت کے ساتھ موصوف ہو اس پر طعن و تشنیع کرتے ہیں تو وہ بات اللہ سبحانہ کی ذات مقدس کی طرف نسبت کرنی کیونکہ وہ دیکھتے ہیں اور نیز یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ بندوں کے اس نعمت کے ساتھ موصوف ہونے پر تو ان کی مذمت کرے اور خود اس نعمت کے ساتھ موصوف ہے اور مذمت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صفت ایک نقص اور عیب ہے۔ جب بندوں کے لئے عیب ہے تو اللہ سبحانہ اس عیب سے بطریق اولیٰ منزه ہو گا۔ غرض جبکہ اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کے آثار کا ظہور ضروری ہے اور ہر اہم متقابل اور متضاد چیزوں کے بغیر ان آثار کا ظہور ممکن نہیں اس لئے حکمت الہی کا یہ تقاضا ہے کہ ایسی متقابل اور متضاد چیزوں کو پیدا کیا جائے اور ان صفات کے ساتھ اللہ سبحانہ کے انصاف کا حکم کرنا بے معنی ہو گا۔ اور یہ جائز نہیں ہے چنانچہ

بارہواں جواب۔ اس کی توضیح کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء حسنہ میں سے وہ اسماء بھی ہیں جو مژدہ جہ

کہلاتے ہیں۔ جیسے موز۔ ذل۔ فافض۔ رافع۔ قابض۔ باسط۔ معطی۔ مانع اور مجملہ اسکے صفات علیا کے صفات متقابلہ میں جیسے رضا۔ عطا۔ حب۔ بغض۔ عفو۔ انتقام اور یہ تمام صفات کمال ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ان صفات کے ساتھ موصوفہ اور ان اسماء کے ساتھ موسوم نہ ہوتا۔ اور جب صفات کمال کمال ہیں تو ان کے آثار کے متعلق چند احوال ہو سکتے ہیں یا تو ان کے آثار وقت تک مطلق اور منتفی ہوں۔ اور یہ جائز نہیں کیونکہ اس سے خود ان صفات کا عطل اور بیکار ہونا لازم آتا جسے یا یہ صورت ہو کہ ان کا نقص ایسے محل سے ہو اور ان کے آثار وہاں پائے جائیں جو ان کے لئے مناسب نہ ہو اور یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ یا اللہ سبحانہ کی قسمت کے خلاف اور اس کی ذات کے لئے نقص و عیب ہے یا یہ صورت ہو کہ ان کا تعلق ان مواضع اور ایسے اشخاص کے ساتھ جو ان کے لئے لائق اور مستحق ہیں اور سبک پہلی دو صورتیں باطل ہیں۔ و ضرورت تیسری صورت متین ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے معانی اور حقیقت معلوم ہے اسکے لئے یہی ایک جواب کافی ہے۔

تیسرے جواب مجملہ ناجس کے ایک اسم ملک ہے جس کے معنی ہیں صاحب ملک اور اللہ سبحانہ کے لئے من کل الوجوہ ملکیت حقیقی ثابت ہے اور چھ صفت تمام صفات کمال کو مستلزم ہے کیونکہ یہ بات ناممکن اور محال ہے کہ ملک حقیقی کا مالک و شخص ہو جس میں حیات۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمح۔ بصر۔ کلام وغیرہ صفات محال موجود نہ ہوں اور نہ افعال اختیار یہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوں و شخص جو امر و نہی۔ ثواب و عقاب۔ عطا و منع۔ اعزاز و اذلال۔ امانت و اکرام۔ انعام و انتقام۔ خفض و رفع وغیرہ کچھ نہیں کر سکتا اور نہ اپنے وسیع ملک کے اطراف و لواحق میں اپنے پیغام رسان بھیج سکتا اور نہ اپنے رعایا کو اپنے ادا و نواہی سے مطلع کر سکتا ہے۔ ملکیت کے سزاوارک ہو سکتا ہے۔ اور جس شخص میں یہ باتیں موجود نہ ہوں۔ اسکے صاحب ملک ہونے کا کیا معنی ہے یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کو مطلق قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا کے بادشاہ خداوند برتر سے اعلا پایہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ اور ملکیت کے متعلق وہ تو سب کچھ کر سکتے ہیں اور خدا تعالیٰ کچھ نہیں کر سکتا۔ اور اگر دنیا کے کسی نے عالم کی نسبت ایسی باتیں کہیں جو منکرین حکمت نہ اتنا سنے کی نسبت کہتے ہیں تو وہ کس قدر ناخوش ہو۔ غرض اللہ سبحانہ کی صفت ملکیت ان تمام اشیاء کے وجود کو مستلزم ہے کہ جن پر تصرف کا دار و مدار ہے۔ اور چونکہ سب کا خالق وہی ہے لہذا اس کے ملک کا کمال کسی دوسری چیز پر موقوف نہیں۔ کیونکہ اسکے ماسوا جتنی چیزیں ہیں۔ سب اس کی طرف منسوب اور اپنے وجود میں اس کی نسبت اور خلق کی طرف محتاج ہیں۔

مالیت۔ ربوبیت کا یہ سب وجود ممکن نہیں مگر صلیب پر فوجی صفت کا قائل اور نہ صفت ملکیت کا معترف۔ یہ تیسری فرقہ ہے جو اللہ سبحانہ کیلئے ایک نئے حصہ کے قائل ہیں مگر کمال مالک اسکا کہتے ہیں اور یہ فرقہ قدر یہ بھی برائے۔ نزع ملکیت کے قائل مگر اس پر اللہ سبحانہ کے کمال قدرت کے منکر ہیں۔ اس بلور پر وہ ایک نزع حمد۔ کہ قائل اور کمال ملک کے منکر ہیں۔ مگر حقیقت یہ محمد اور ملک دونوں کے قائل نہیں کیونکہ جس حکم کا کبریا مت کو کہتے ہیں۔ اسکو ممنوع کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی طرف اس کا حکم فائدہ نہیں ہوتا اور پس منہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کا تسلیم کرتے ہیں وہ حقیقت میں صفت ملک کی نفی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کے ساتھ ان صفات کمال کے قیام کے منکر ہیں۔ کہ جن کے بدلہ صفت ملکیت کا تحقق ناممکن اور محال ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ کے افعال اختیار یہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ غرض انکے نزدیک اللہ سبحانہ کے ساتھ کوئی صفت یا فعل قائم نہیں۔ ارادہ۔ کلام۔ سمع۔ بصر۔ سب اور بعض وغیرہ کسی صفت اور فعل کے قیام کے قائل نہیں پس انکے نزدیک اللہ سبحانہ حقیقت حمد اور ملک دونوں سے محفل ہے۔ چونکہ ملک کمال اور عموم تقدیر اس امر کے اثبات کو مستلزم ہے کہ اللہ سبحانہ کے مالک پس کوئی چیز اس کی مثبتیت بغیر وجود نہ ہو۔ اور قدر یہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ لہذا وہ کمال ملک کے منکر ہیں۔ اور چونکہ کمال ملکیت اور عموم حمد اس بات کو مستلزم ہے کہ سلسلہ خلق اور امر میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کے لئے حکمت اور غایت محمودہ نہ ہو اور یہ امر بھی انکے نزدیک باہر نہیں اسلئے عموم حمد کو تسلیم نہیں کرتے۔

اسکی توضیح پندرہواں جواب ہے۔ کہ کوئی کام جو بغیر قصد اور سوائے کسی حکمت اور مصلحت کے صادر ہو وہ قابل حمد نہیں ہو سکتا۔ گو اس پر کوئی مصلحت مترتب ہو جائے۔ مگر چونکہ اس مصلحت کا حصول مقصود نہیں ہوتا لہذا اس کام کی وجہ سے اس کا فاعل سخی حمد نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس کو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ بلکہ وہ شخص جو کسی مصلحت حکمت اور غایت محمودہ کے لئے کسی کام کا ارادہ کرے۔ اور اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو۔ بلکہ اس کے پورا کرنے سے عاجز ہو۔ تو وہ اس شخص کی نسبت قابل حمد اور تعریف ہے جو اپنے ارادہ کے پورا کرنے پر قادر ہے۔ مگر کسی مصلحت یا حکمت یا کسی کے ساتھ احسان کرنے کے ارادہ سے کام نہیں لیتا۔ یہ بات ایسی ظاہر اور بدیدہ ہے۔ کہ غلطی کی فطرت میں داخل ہے۔ اور یہ بات اظہر ہے کہ اللہ سبحانہ کی حمد آسمانوں۔ زمین اور انکے امین کو پڑے ہوئے ہے۔ عالم علوی۔ سفلی دنیا و آخرت سب میں اسکی حمد ثابت ہے۔ اس کی حمد ایسی ہی وسیع جیسا کہ اسکی علم وسیع ہے۔ وہ تمام مخلوق کے پیدا کرنے پر کمال حمد کا مستحق ہے۔ اور ہر ایک حکم پر وہ قابل ثناء و تعریف ہے۔ آسمان اور زمین اسی کی حمد کے ساتھ قائم ہیں۔ عالم علوی اور سفلی

میں کوئی چیز ایک حال سے دوسرے حال کی طرف اسکی حمد کے بدون تحول و تبدل نہیں ہوتی بلکہ جنت
 جنت میں اور دوزخ دوزخ میں اسکی حمد کے ساتھ داخل ہونگے۔ چنانچہ جن بھری کا قول ہے۔ کہ
 دوزخ جب دوزخ میں داخل ہونگے۔ تو اس وقت اللہ سبحانہ کی حمد کے قلوب میں ٹھکن ہوں۔
 اللہ سبحانہ کی نسبت ذرہ بھر ظلم کا خیال نہیں کریں گے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب کو حمد کے ساتھ
 نازل فرمایا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کو حمد کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور اپنی مخلوق کو حمد کے ساتھ زندہ
 رکھتا اور حمد ہی کے ساتھ ان کو مارے گا۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنی ربوبیت کا طہر پر خود اپنی
 ذات کی حمد فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ دہر طرح کی تعریف خدا ہی
 کو (منزوار) ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے اور کتا کے نازل فرماتے پر بھی اپنی حمد بیان فرمائی
 ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عِبْرِیْہِ الْکِتَابِ دہر طرح کی تعریف خدا ہی کو (منزوار) ہے
 جس نے اپنے بند کے لئے پر قرآن اتارا اور آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے پر اپنی حمد کا ذکر فرمایا
 ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (ہر قسم کی تعریف
 اللہ ہی کو (منزوار) ہے جس نے آسمان کو پیدا کیا اور (نیز) زمین کو اور اندھیرے بنائے اور
 (نیز) چاندنا اور اپنے کمال پاک پر اپنی حمد و ثناء بیان فرمائی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَسَا
 فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَہٗ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ وَہُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ (دنیا میں بھی)
 تمام تعریف اسی اللہ ہی کو (منزوار) ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب)
 اسی کا ہے اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے اور وہی حکمت والا (اور) باخبر ہے اور تمام زمانوں
 سب مکاں اور ہر چیز اور ہر بات میں اس کی حمد موجود ہے فَبِیْہِۥنَّ اَللّٰہِ حِیْنَ تُسَبِّحُوْنَ
 وَحِیْنَ تُصَلُّوْنَ وَلَہٗ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ دَحِیَّتِہٖۤ اَوْ حِیْنَ تُظْہِرُوْنَ
 دِیْنَہِۥمَ جِسْمِہِۥمَ تَمَّ لَہٗ دِیْنُہِۥمَ تَمَّ لَہٗ دِیْنُہِۥمَ تَمَّ لَہٗ دِیْنُہِۥمَ تَمَّ لَہٗ دِیْنُہِۥمَ تَمَّ لَہٗ دِیْنُہِۥمَ تَمَّ لَہٗ دِیْنُہِۥمَ
 وہی اللہ تعریف کے لائق ہے اور (نیز) تیسرے پر اور جب تم لوگوں کو دوسرا دین کی تسبیح و تہلیل
 کروم وہ تمام چیزوں کے پیدا کرنے پر جبکہ ہر ایک کی خلقت کو اسی نے عملی کے ساتھ بنایا ہے
 کہ نہ مکر نہ ہونہ ہو الَّذِیْ اَخْسَنَ حَسَنًا یَّخْتِیْئُ خَلْقَہٗ اُس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی اور اس
 کے حال صنعت پر کیسے تعریف نہ ہو۔ جبکہ سب شہداء اسی کی صنعت سے محکمہ کے آثار ہیں۔
 صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتَقَنَّ کُلَّ شَیْءٍ (دیجی بھی) اللہ کی کاریگری رہے جس نے ہر چیز کو خوب
 پختہ طور پر بنایا ہے اور اس کے اوامر پر اسکی نفاذ نہ ہو جبکہ وہ سب نے سب حکمت و قدرت۔

محل مصلحت میں نہ تھا۔ اور اس کے نواہی پر کئی جہتوں پر طرح : ہر جہت میں سے تمام چیزوں اور مزا میں سے
 منع فرمایا ہے اور ان طرح اس کے نواہی پر ہر جہت میں سے ہر چیز کے لئے ہر جہت میں سے ہر جہت میں سے
 کرتے ہوئے ہر جہت میں سے ہر جہت میں سے ہر جہت میں سے ہر جہت میں سے ہر جہت میں سے ہر جہت میں سے
 ہیں اور ملک اسی کے اختیار میں ہے۔ اور ہر جہت میں سے ہر جہت میں سے ہر جہت میں سے ہر جہت میں سے
 طرف سے ہے۔ مطلقاً یہ ہے کہ جب کسی کام کو شروع کرنے کے کام میں ہو، اس کے لئے وہ کسی کی حکمت، ہر جہت میں سے
 صلاحاتی اور اعلاہ سے کی توفیق اور حمد کا مستحق ہو گا اور جب اس کے کام میں کوئی شکست ہوگی اور نہ
 اس نے کسی حکمت سے و مصلحت سے کارا دہ کیا ہوگا۔ تو اس کام پر وہ ہرگز تاثر و تعلق نہیں ہو سکتا۔
 سو لہذا جواب : اللہ سبحانہ کو یہ بات مجھ سے کہ اس کی نعمتوں کا انکار نہ کرنا اور ان کا انکار نہ کرنا۔ اور
 اس کا شکر بجالانا عظمیٰ نعمت اور عظمیٰ ضروری اور واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے۔ کے شکر کا جو تکلیف
 و واجبات کے جو سب سے زیادہ ظاہر اور واضح ہے۔ اللہ سبحانہ کا شکر اس کے بندوں پر کیونکر ضروری نہ
 ہو جبکہ اس کی حمد۔ توحید۔ مجتہد۔ اس کی نعمتوں اور اس کا شکر کا یاد کرنا۔ اس کی تعظیم بجالانا۔ اس
 کے سامنے عاجزی ظاہر کرنا۔ اور اس کی نعمتوں کا اظہار اور ان کا انکار کرنا یہ سب امور بندوں پر ضروری
 اور واجب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب ہے اور اس کا بدلہ اور ثواب بھی
 اعلا اور اعظم ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور ان کی ہدایت کی ہے اپنے پیغمبر بھیجے۔ کتابیں
 نازل فرمائیں۔ شریعتیں مقرر کی ہیں۔ اور یہ امور ان اسباب سے پیدا کرنے کو مستلزم ہیں۔ جن کے
 نتیجہ سے شکر کا محال حاصل ہو بیخلاف ان اسباب کے ایک یہ بات ہے کہ خالق نے اپنے بندوں کو
 ظاہری اور باطنی صفات کے لحاظ سے متفاوت اور مختلف بنایا یعنی خلقت، اخلاق، دین۔
 مذاق، معیشت، اور عموماً وغیرہ میں باہم متفاوت و مختلف پیدا کئے ہیں تاکہ صاحب عافیت جس صفت
 جانے کو اور غنی فقیر کو اور مومن کافر کو دیکھے تو اللہ سبحانہ کا شکر بجالائے اور اس کی نعمت اور فضل کی
 قدر کرے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی اور اس کی اس نعمت کا جو خاص اس کو عطا ہوئی ہے
 قرار کرے ایک اثر میں وجہ الام احمد نے کتاب الزہد میں نقل کیا ہے کہ مذکور ہے کہ موسیٰ نے عرض
 کیا اے میرے رب : تو نے سب بندوں کو یکساں کیوں نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا : اے موسیٰ
 کہ میں نے یہ چاہا کہ بندے میری نعمتوں کا شکر بجالائیں۔ اگر کوئی شخص یہاں پر شبہ پیش کرے۔ کہ میں بھی
 ہو سکتا تھا کہ سب بندوں کو برابر مساوی نہیں عطا فرماؤں اور سب کو یکساں شکر کی توفیق عطا نہ دیتا چنانچہ لاگ
 کی یہی حالت ہے۔ کہ وہ سب اللہ کی عبادت اور اطاعت میں مصروف ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر

اس کی تشریح و تفصیل ستر حواں جوار ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کو یہ بات مجبور پہنچے کہ اُس کی مخلوق عبادات کے مختلف طریقے سے اُس کی عبادت و اطاعت سمجھتا ہے اور کسی سے اللہ کیلئے دوستی اور اُسی کے واسطے دشمنی کرنا۔ جب فی اللہ بغض فی اللہ۔ جب اور فی سبیل اللہ اُس کی نصیحت کی کہ جسے جان کو خرچ دینا۔ اور اُس کے دشمنوں کفار و مشرکین سے یہ محارب و مقابلہ کرنا عبادات اللہ سے بے اعتنا اور فاسد انواع میں سے ہے اور اللہ سبحانہ کو یہ نہایت محبوب اور پسند ہے اور عبادت کے اسے توح کا حصول و قسم کے لوگوں کے پیدا کرنے پر موقوف ہے ایک مومن اور خدا کا لئے اس کے شکر گزار اور اُس کے فرماں بردار بند ہے۔ دوسرے کفار اور منافقان لوگ۔ اور پھر بعض کہ بغض پر سبک کرنے میں یہ شکستہ کہ جو کام اللہ سبحانہ کو محبوب ہے وہ ایک اسٹیلے پیمانہ پر وجود اور واقع ہوں اور اُس کے پیارے بندے کی راہ میں جان بازی اور اُس کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کرنے سے اُس کے قرب کے واسطے حاصل کریں اور دعوت الہی اور کلمہ حق کلمہ باطل پر غالب آئے۔ اور اس کے علو و افضلیت و شرف کا ظہور پایا جائے پس اگر کلمہ باطل کفر اور شرک کا وجود نہ ہوتا تو کلمہ حق اور دعوت خدائی کس چیز پر فائق اور غالب ہوتے۔ کیونکہ غلبہ اور فوقیت مغلوب کے وجود کو مستلزم ہے۔ کوئی چیز اپنی ذات پر غالب فائق نہیں ہو سکتی۔ اور کسی دوسری چیز پر غالب اور فائق ہونا اُس چیز کے وجود کے بدون ناممکن اور محال ہے۔

اور اس کی تشریح و تفصیل اٹھارہ حواں جواب ہے کہ حق و غلام آزاد کرنا صدقہ۔ ایثار۔ مواسات۔ دشمنی کرنا، عضو صنف (در گذر کرنا) صبر غصہ کو مٹانا۔ اور تکالیف کو برداشت کرنا وغیرہ عبادت کے انواع میں سے ہیں اور یہ انواع اپنے متعلقات اور اسباب کے بدون وجود نہیں ہو سکتے مثلاً اگر کفر و شرک نہ ہوتا تو رقت اور غلامی جو کفر کے آثار ہیں سے بے متحقق اور موجود نہ ہوتی اور جب غلامی موجود نہ ہوتی۔ تو غلام کو آزاد کرنا جو عبادت کا ایک قسم ہے حاصل اور موجود نہ ہوتا۔ اور اگر ظلم۔ تعدی۔ اور برائی موجود نہ ہوتی تو صبر و ثبات اور غصہ مٹانے کا وجود نہ ہوتا۔ اور اگر فقر اور حاجت موجود نہ ہوتے تو صدقہ۔ ایثار اور مواسات ہوتے جاتے پس اگر اللہ سبحانہ تمام مخلوق کو یکساں پیدا کرنا۔ تو عبادت کے یہ انواع جو اس کو نہایت محبوب ہیں۔ اور انہی کے واسطے آدمیوں اور جنات کو پیدا کیا ہے۔ اور ان ہی کی بجا آوری کے لئے شریعتیں مقرر فرمائی۔ کتابیں نازل کی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور دنیا و آخرت کو پیدا کیا ہے۔ اور نیز یہ عبادات اُس کے صفات و اعمال میں سے ہیں۔ اور اگر ان اسباب کو کہ جن بہان کا حصول موقوف ہے۔ پیدا نہ کرتا تو یہ کمال ثابت

نہ ہوتا۔ اور ان صفات کے احکام معطل ہو جاتے۔ اور اس کی توضیح پہلے بیان ہو چکی ہے۔
 اینوں جواب اللہ سبحانہ کو اپنے کسی شے کے توبہ کرنے پر وہ اسے توبہ کی خوشی حاصل ہوتی
 ہے جو کسی کے خیال و وہم میں نہیں آ سکتی۔ اور اس خوشی کا حصول توبہ پر موقوف ہے۔ اور توبہ کا
 وجود گناہ پر متفرع اور متوقف ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو وہ اس کے
 بدولت موجود نہیں ہو سکتی۔ کہ نہ ملزم کا بدولت لازم بخود نہ نا محال ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فرحت اور
 خوشی کا وجود اس کے علم سے اولیٰ اور بہتر ہے پس اس کے کمال حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اس
 خوشی کے اسباب اور لوازم بھی پیدا کیے جائیں۔ اور علم الخلق سرور کائنات صائم نے صحیح حدیث میں
 اس مشنوں پر متنبہ فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایک ایسی مخلوق پیدا
 کرتا جو دنیا کے کاموں کے ساتھ گناہ (بھی) کرتے اور گناہ کرنے پر اپنے اللہ سے معافی مانگتے۔ اور
 اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دیتا۔ پس اگر گناہوں اور معاصی کا وجود نہ ہوتا۔ تو اللہ حضور کس
 کے گناہ معاف کرتا اور توبہ حرام کس کی توبہ قبول فرماتا۔ اور عقوۃ عظیم کس سے درگزر کر کے
 اپنا حق معاف کرتا۔ اور اس کے فضل پر جو عظیم کرم اور مغفرت کا طور کیونکہ ہوتا۔ حالانکہ وہ واسع مغفرت
 ہے۔ منکرین حکمت و تعلیل سے ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ حضور عظیم صفت مغفرت سے موصوف ہے یا نہیں
 اگر اس صفت کا انکار کریں تو یہ مخصوص صریح کے خلاف ہے۔ اور اگر اس صفت کو مانتے ہیں۔ تو کیا
 اس صفت کا وجود ذنوب و معاصی اور مذنبین و گناہگار اشخاص کے بدولت تصور ہو سکتا ہے ہرگز
 نہیں۔ ذنوب و معاصی اور مخالف اشیاء کے مقدر کرنے کے لئے اگر اس کے سوا اور کوئی حکمت
 نہ ہوتی۔ تو صرف یہی ایک حکمت اور غایت ان کے مقدر اور موجود کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور جب
 ان کا مقدر کرنا ان حکمتوں۔ مصالح اور غایات محمودہ کو تضمن ہے جو انسان کے خیال و وہم میں
 نہیں آ سکتیں۔ تو پھر ان حکمتوں میں ان کا مقدر و موجود کرنا کیونکر عبث اور بے سود ہو سکتا ہے۔
 منقول ہے کہ کوئی عابد طواف کے وقت یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَعْصِیْ عَنِیْ
 الْمَعْصِیَۃَ الّٰہِیَۃَ بَعْدَ الْغَیْبِ اَللّٰہُ بَعْدَ الْغَیْبِ اَللّٰہُ بَعْدَ الْغَیْبِ اَللّٰہُ بَعْدَ الْغَیْبِ اَللّٰہُ بَعْدَ الْغَیْبِ
 سے کہا گیا کہ تم مجھ سے گناہوں سے محفوظ رہنے کا سوال کرتے ہو۔ اور دوسرے بندے بھی مجھ سے
 گناہوں سے محفوظ رہنے کا سوال کرتے ہیں۔ پس اگر گناہ گناہوں سے محفوظ رکھا جائے۔ تو پھر
 مغفرت مفقود قبولیت توبہ کیلئے کون کون سا مستحق و مستزاوار ہو گئے۔ اللہ سبحانہ کے نزدیک توبہ محبوب
 و پسند نہ ہوتی۔ تو اپنے پیارے بندوں کو گناہوں میں مبتلا نہ کرتا۔

اور انکی توضیح و تفصیل بیسویں جواپد۔ بہرہ کفار شرکین اور نادرانہ زنگوں کے پیر و مکر سے ہیں۔
 کبھی دیکھی حکمتیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آیات ظاہر موجود ہیں۔ نہایت پرانے پہلے سے تیسری صلی
 نہ ہو سکتے تھے۔ مثلاً اگر نوح علیہ السلام کا آدم سے اختیار نہ کرتی۔ تو ان تان جیہا عظیم الشان ہوا تھے ان سے
 جونا جس کو لوگ ہمیشہ بیان کرتے یہ پہلے آتے ہیں۔ اور اگر قوم کا وکانہ بہت تھی تو بہت عظیم کار و خا
 کہ جس میں وہ یہ ہوا ہو گئے کبھی ظاہر نہ ہوتا۔ اور اگر صلح و صلح کی مگر کافر نہ ہوتی۔ تو ہر گز
 روادار سختی کے ساتھ آئے ہلاک ہوئے کاساں کعبہ نظر آتا۔ اور یہ ہے یہی اگر غرضوں کا غرض ہوتا
 تو یہ آیات اور عجائبات و انکشافات جن کو لوگ ہمیشہ بیان کرتے تھے آتے نہیں۔ کتب مطبوعہ و
 ہوتے۔ اور نیز جن کی ہدایت ان اقوام سے سے خبر سے حاصل کرتے۔ یہی دلیل تھی۔ ان کو
 ہدایت کس طرح نصیب ہوتی۔ پس ان اوقات سے وہ امر متعلق ہوں کہ بعض کو تو ان کے ذریعہ ہدایت
 اور حیات جاودانی حاصل ہوئی۔ اور بعض ان کے دیکھنے پر بھی ایمان نہ لائے۔ اور وہ ہلاک اور تباہ ہوئے
 اور چونکہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کے نشانات سب کو دکھلا دیئے لہذا ان واقعات کے ذریعہ سے
 اس کا عدل و حکمت و فضل اور انبیائی صداقت کے علامات ظاہر ہوئے۔ مگر یہ انبیاء علیہم السلام کا
 ان سے مقابلہ کرتا۔ ان کے اولہ و حج پر اعتراض ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کا ان کے شہادت کا جواب بیان کرنا
 ان کا عناد سے باز نہ آتا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا ان کو ہلاک کر دینا انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی نایت
 قوی اور قطعی دلیل ہے۔ اگر غرض وہ بدر میں شرکین کی تھے اوکثیر جمع نہ ہونی اور پھر سامان ہزار آئے
 پس موجود نہ ہوتا۔ تو عظیم الشان ہر کس کی بدولت ہزاروں آدمی ایمان و ہدایت کی دولت سے
 مالا مال ہوئے کبھی ظاہر نہ ہوتا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف
 ہو۔ وہ ان کے بدون موجود نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ لازم کے بدون ملزوم کا موجود ہونا محال ہے۔ واقعہ
 بدست ہزاروں گھروں کو ایمان سے آباد کر دیا اور بہت سے اہل عقل کے لئے ہدایت و ایقان کے
 دروازے کھول دیئے۔ اور اس کے ذریعہ سے بہت سی وہ چیزیں جو اللہ سبحانہ کو محبوب
 و پسندیدہ و حقیر حاصل و موجود ہو گئیں۔ اور یہ واقعہ ابلیس کے لئے سخت ناخوشی اور نہایت
 رنج کا باعث ہوا۔ اور ان مصالح اور غایات محمودہ کے لحاظ سے جو اس واقعہ پر مرتب ہوئے
 کفار کے صدمہ اور تکلیف یعنی مقتول اور قید ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ انکی تکلیف ان
 مصالح کے لحاظ سے ایسی ہی جیسا کہ بارش کے منافع میں یہ ضرر اور تکلیف پائی جاتی ہے کہ
 سفر کرنے والوں کا راستہ بن۔ ہو جاتا اور ان کے کپڑے بھیگ جاتے اور بعضے غریب لوگوں کے

اور پیسے سب تنگ بند ہو گئے اور اللہ سبحانہ نے چاہا کہ اپنے بندوں کو اپنی قدرت کا ایک
 عظیم الشان نشان دکھائے کہ وہ سچے سچے تبارک و تعالیٰ ہیں۔ ان کے ہاتھ میں فرعون نے
 فرعون کے گودے سے لے کر اس کے بستر پر پرورش پائیے۔ اور فرعون اس کو لپٹ کر نہ اپنے پاس لے گیا۔ محض
 اللہ سبحانہ کی قدرت کا اثر ہے۔ یہ بہت پرستش کی گئی ہے۔ یہاں پر فرعون نے اپنے ہاتھ اور
 کی باتوں پر تشبیہ کرتے ہوئے کہا: جو آدمی اللہ سبحانہ اور اسباب پرست ہے اور اسے بدوں ان کا
 موجود ہو نا محال اور ناممکن ہے غرض اس لیے کہ میں نے اس کا ذکر یہ آئیں گے کہ اسے
 بنی اسرائیل کے بیٹوں کا ذبح ہونا جو ایک عذر۔ فتنہ اور تکلیف علم ہونا یہ کہ کائنات اور
 ہے۔ اور اسی طرح وہ واقعات جو حضرت یوسف کو پیش آئے۔ وہ عظیم الشان و عظیم الشان و عظیم الشان
 ان واقعات پر مترتب ہوئے اور ان کے قصہ میں مذکور ہیں۔ ان واقعات کے بدوں حاصل نہیں ہو سکتے
 تھے کہ ان میں اتنا عظیم الشان پایا گیا کہ ایک عرصہ تک یعقوب علیہ السلام و فرعون کے
 غم میں مبتلا رہے۔ مگر انجام کار جب اسی عرصہ کے بجائے مصلحت و فائدہ پیدا ہو گئے۔ تو ان کے سامنے
 اس کا نام و نشان نہ رہا بلکہ یہی عرصہ یعقوب علیہ السلام۔ یوسف علیہ السلام۔ ان کے بھائیوں۔ عزیز مصر کی
 بیوی۔ اہل مصر اور قیامت تک تمام مومنین کے حق میں بہت بڑی مصلحت کے حصول کا ذریعہ اور
 سبب ہو گیا۔ جو لوگ اللہ سبحانہ اس کے اسماء و صفات اور اس کے انبیاء کی شان کو سمجھتے ہیں۔ انہوں
 نے ان کے قصہ سے بہت سے ثمرات اور علم و حکمت کے نکات حاصل کئے ہیں۔ اور اسی طرح وہ
 خرابی جو ایوب علیہ السلام کو شیطان کی طرف سے پیش آئی اور کچھ عرصہ تک وہ تکلیف اور عذاب میں
 مبتلا رہے۔ اس مصلحت و منفعت کے لحاظ سے لاشے اور کالعدم ہے جو کہ تکلیف و قدر دہنے پر
 خود ان کے لئے اور دوسرے لوگوں کے لئے حاصل ہوئی۔ بلکہ یہ خرابی اس کے حصول کا سبب اور ذریعہ ہوئی۔
 اور وہ مبالغہ و مبالغہ اور نعمیں اسی درخت کے پھل اور ثمرات ہیں۔ اور اسی طرح ان اسباب کا
 حال ہے جنہوں نے ابراہیم خلیل اللہ کو اس مرتبہ تک پہنچایا کہ آگ ان کے حق میں ٹھنڈک اور سلامتی کا
 ذریعہ ہو گئی۔ اگر اکی قوم کفر و شرک اور بت پرستی اختیار نہ کرتی۔ اور یہ ان کے بھائیوں کو تلوڑتے اور ان کے
 غضب و غصہ کی آگ نہ بھڑکتی تو یحییٰ کے ذریعہ سے ابراہیم کو آگ میں نہ ڈالتے۔ جب یہ اسباب پیدا
 ہوئے اور خلیل اللہ کو بھڑکتی آگ میں ڈالا گیا۔ تو اللہ سبحانہ کے لطف نے ان کی دستگیری اس طرح فرمائی۔
 کہ اس آگ کا ایک لہلا تا باغ بنا دیا۔ اور اپنی قدرت کا نشان دکھلایا جو ابراہیم کی صداقت کی حجت و
 اور ہمیشہ لوگوں کے لئے باعث عبرت ہوا۔ اس واقعہ میں اللہ سبحانہ کی کئی حکمتیں کاملہ و نامتیں شامہ و متیں اور

جس کی قدرت کے نشانات اور پیغمبر کی صداقت کے شواہد موجود ہیں۔ اگر یہ اسباب (یعنی انکی رقم کا کفر
 و شرک اختیار کرنا پیدا نہ ہوتے تو یہ سب حکمتیں بمصلح اور ریاست کس طرح موجود ہوتے۔ انکی حکمت
 اور کمال کے منتظر۔ کہ یہ ظلمات ہے کہ حکمتیں اور مصالح موجود نہ ہوتے۔ اور چونکہ کسی چیز کا اپنے لازم
 کے بدون موجود ہونا محال ہے اس لئے ان اسباب کا وجود ضروری ہوا۔ اور وہ مفاسد جزئیہ جو از بہ
 کے قصہ میں پائے جاتے ہیں ان مصالح کے لحاظ سے جو ان پر مترتب ہونے لگتے ہیں اور کا اہم ہیں
 کتنی بڑی مصلحت ہے کہ فیصلہ شدہ چیز کو کچھ ایسا متکشف یا کی امامت حاصل ہوئی۔ اور انہوں نے بتی
 اور خاص توحید کی بنیاد ڈالی۔ یہ مفاسد ان مفاسد اور ضرایعوں سے بھی بہت کم اور ادا دے درجہ
 کے ہیں۔ جو گرمی۔ سردی۔ بارش اور برف وغیرہ اشیاء کے عام منافع کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔
 سلسلہ توحید میں خدو نہ تھانے کی اس قدر حکمتیں اور مصالح موجود ہیں جو حد بیان سے باہر ہیں۔ مگر
 انسان حسب فرمان الہی تعلیم اور جہول ہے۔ اپنے آپ پر تو ظلم کرے اور اپنے ملک کی شان میں
 عظمت و جلال رکھتے۔ اتفاقاً و احکام صنعت سے بے خبر ہے۔ اور اسی طرح سرد و کافرا۔
 کے کہ مخطہ سے نکالنے میں کئی حکمتیں اور مصالح مخفی اور پوشیدہ تھیں۔ گو آپ مکہ سے بظاہر ایک
 ایسی مظلومانہ ہیئت اور عاجزانہ حالت میں نکلے تھے جس سے انسان کو اندوہ اور لال پیدا ہو سکتا
 ہے۔ مگر یہ حالت خدائے ذوالجلال کو کچھ کیسی محبوب تھی کہ کچھ عرصہ کے بعد پھر کسی شان و عزت کے ساتھ
 مکہ اور اپنے حرم میں داخل فرمایا۔ کہ ہر طرح اور تمام اطراف سے اپنی حفاظت و حمایت میں لے لیا۔
 مساجد میں کو آپ کا دلدادہ اور انصار کو آپ کا جانا ز غلام بنا دیا۔ اور یہ سب لوگ ایسے مقبول و منظور
 نظر ہوئے کہ ملائکہ انکی اعانت اور ہمراہی کے لئے موجود تھے۔ اور وحی کے متواتر برکات نازل ہوتے
 تھے۔ ان مصالح و برکات کے لحاظ سے وہ کلفت جو آپ کو مکہ سے نکلنے کے وقت پیش آئی۔
 اور وہ ان خیرات کے حصول کا پیش خمیہ تھی۔ کالعدم اور لاشے ہے۔ اسی طرح اگر جادوگر اپنی
 لالٹیاں اور رسیاں ڈال کر لوگوں کی نظر بندی کر کے انکا وہیبت و رعب میں نہالتے۔ اور موسیٰ
 کا مقابلہ نہ کرتے تو موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا یہ مجرہ کہ وہ اشد ماہن کرب رسیوں اور لالٹیوں
 کو ہڑپ کر گیا کس طرح ظاہر ہوتا اور اس نے موسیٰ علیہ السلام نے یہ ایت دکھایا۔ کہ پہلے تم اپنے
 جادو کھلاؤ۔ اس کے بعد جو مجھ سے ہو سکا میں بھی پیش کروں گا۔ اور اسے سچا نہالتے۔ کہ کمال قدرت اور
 حکمت کے نشانات اور اولہ میں سے یہ امر بھی ہے کہ ایک طرف تو جبریل جیسے اشخاص پر اسے
 ہیں۔ جو نہایت پاکیزہ۔ لطیف اور علاوہ کے ظاہر اور اشرف ارواح میں سے ہیں۔ اور انکو

ہر ایک خبر ہدایت۔ ایمان اور صلاح کا سفیر بنایا ہے۔ اور دوسری طرف انہیں لعین پیدا کیا ہے جو تمام اوج میں زیادہ خبیث۔ نجس اور شریر ہے۔ اور وہ ہر ایک بُرائی کی جڑ مادہ اور اُس کی طرف بلانے والا ہے۔ اور منجانب سے کمال قربت اور حرکت کے لیے بھی ہے کہ اُس سے روشنی و تاریکی زمین و آسمان برشت و درخ۔ سدرۃ المنتہی و شجرۃ زقوم۔ لیسۃ اللہ لیسۃ الہا ملائکہ و شیاطین۔ مومنین و کفار۔ ابرار و فجار۔ گرمی و سردی۔ بیماری اور دوائِ شکیافہ۔ ولذات۔ غم اور خوشی وغیرہ باہم متقابل اور متضاد چیزوں کو پیدا کیا ہے اور ان کے فدیہ سے عبادات۔ کئے دو انواع جو اللہ سبحانہ کو نہایت محبوب اور پسندیدہ ہیں بطور پذیر اور موجود ہوئے۔ اگر اللہ سبحانہ مثلاً شیطان فیض امارہ اور اس کی خواہشوں کو پیدا نہ کرتا تو ہر مجاہدہ نفس و شیطان اور ان کی مخالفت اور بے کے کا اپنی خواہش اور محبوب چیزوں کو ترک کرنے کے درجہ تک کس طرح حاصل ہوتے۔ اور یہی وہ عبادت ہے جو بندے کو اعلیٰ مراتب تک پہنچاتی ہے اور تمام عبادات سے اعلیٰ اور افضل ہے اور اگر کفار موجود نہ ہوتے تو صورت جہاد پیدا نہ ہوتی اور نہ مجاہدین درجہ شہادت حاصل کرتے۔ اور نیز یہ بات یہ احوال نہ ہوتا کہ کون شخص کیسا ہے جو اپنی جان۔ اہل اور اولاد پر اپنے پیار کرنے والے اور خالق کی اطاعت اور محبت کو مقدم سمجھتا ہے اور کون لوگ ایسے ہیں جو دنیا کے اذی و حق کو خدا تعالیٰ کی اطاعت و محبت سے بہتر اور اچھا سمجھتے ہیں۔ اگر کفار موجود نہ ہوتے۔ تو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا صبر۔ جہاد اور اللہ کی راہ میں طرح طرح کے تکالیف اور مصائب کو برداشت کرنا اور تبلیغ و اظہار دعوت کے متعلق انواع عبادات کا محال کرنا یہ سب کس طرح حاصل ہوتے۔ اور اس کے علم فضل اور کثرت کا یہ تقاضا ہے کہ عبادات کے یہ انواع تحقیق موجود ہوں۔ اور اسی سے اللہ سبحانہ کی حمد۔ شکر اور ان عبادات کا محبوب پسندیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ الیسواں جواب اکی توضیح کرتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی حکمت کا یہ اصول ہے کہ انسان سعادت و نعمت اور راحت کے پر لطف گھر میں تکلیف و مشقت کے پل پر سے گزرنے کے بغیر کبھی پہنچ نہیں سکتا۔ اور اس مکان میں داخل ہو نیکے لئے یہی دروازہ ہے کہ مکارہ پر صبر اور تکالیف اور مشقتوں کا تحمل اور برداشت کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے ارگرد تکالیف اور دروزخ اُس پاس شہوات رکھے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تکالیف کو جھیلنا جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ اور مشق و استقامت کی برکتی و ذخیرہ میں جانے کا سبب ہے۔ اللہ سبحانہ نے آدم علیہ کو جنت سے نکالا۔ حالانکہ جنت کو ان کی اور ان کی اولاد کے خاطر ہی پیدا کیا ہے مگر اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ وہی طور پر اس میں نہا تکلیف

حَرِّ الشَّوَارِبِ لَا تَنْفَعُ مِنْهُ لَيْعَتُ بَنِي كَا يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُلْ تَدْرِكُكُمْ آتَةُ السَّاعَةِ وَالْكَافِرِينَ
 اس نے مخاطبہ تمام اخلاق کے حامل کرنے کا خیال چھوڑ دیا اور انکی طلبہ کیلئے نوکشت بہت زیادہ
 آرام سے بیچنے سے روک دیا کہ انکو حاصل کرنا تیرے بیٹے لوگوں کا کام نہیں ہے۔ نیز انکو تم کو بس کھانا پینا دے کہ یہ بہت نام
 اور ظاہر ہے کہ ان امور کے حامل کرنے کے لئے کویش و سعی اور بیدار کرنا کالیف بہت گوارہ اور
 مشقتوں کو منسلک ہے۔ اور انکے حصول کے لئے ذریعہ وسیع ہے۔ یہی تکالیف اور سکارد ہیں۔ اور جو شخص
 ان کو برداشت اور تحمل کرے غنیمت اور عقل کے رستے اس کو یہ بھی سمجھا جاتا۔ اور نہ اس پر کوئی طعن
 کرتا ہے بلکہ جو شخص ایسا کرے اس کو نہایت عقلمند خیال کیا جاتا ہے۔ یہ ترک جو شخص کسی دوسرے
 کو یہ سمجھتا ہے کہ مالات کے متحمل کرنے کے لئے تکالیف اور دشواریوں کو برداشت کرنا چاہیے اس کو
 بھی تسلیم اور مدد سمجھتے ہیں اور جو شخص کسی کو منع کرنے کے تکلیف اور مشقت میں کہیں پڑتے ہو۔ اس کو
 یہ وقوف اور کم عقل شمار کرتے ہیں۔ جب حاش کے منسلک کے متعلق یہ دوست ہے تو حیا بہت
 جاوہر فی اوجہم تعلیم کے حاصل کی نسبت کیونکہ یہ دوستہ جاری نہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ جو ایک محدود وقت
 کے لئے تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنے کا اسلئے امر فرماتے کہ جاوہر فی لذت اور دائمی فرحت حاصل
 ہو تو کیا وہ اس امر کرنے میں حکیم۔ جیم بحسن اور ناصح ہوگا۔ بلکہ جب اللہ تعالیٰ اس عارضی راحت اور
 لذت کے متحمل کرنے سے منع فرماتے جو بہت جلد زائل ہو جیوالی اور اس لذت و راحت سے باز
 رکھنے دلی ہے جو کہ دائم اور لازوال ہے تو اللہ تعالیٰ اس امر اور شے میں ضرور اعلیٰ درجے کا حکیم ہے
 اللہ سبحانہ نے جن کاموں کا امر فرمایا ہے ان میں درمصلح موجود ہیں۔ جن سے انسان کی سعادت و
 صلاح و فلاح وابستہ ہیں۔ اور جن امور سے منع کیا ہے وہ اسکی مضرت ہلاکت اور شقاوت کا باعث
 ہیں۔ غرض اللہ سبحانہ کے احکام رحمت۔ احسان۔ شفا۔ دوا۔ قلوب کے لئے غذا۔ ظاہر اور باطن
 کے لئے زینت اور قلب اور بدن کیلئے حیات اور زندگی ہیں۔ اور انکے ضمن میں بہت سی
 مستحقین۔ فرشتے۔ لذتیں۔ نعمتیں۔ اور ایسی خوشیاں موجود ہیں۔ جن سے آنکھیں ٹھنڈی
 ہوں۔ پس جن چیزوں کو منکر بن حکمت تعلیلی کالیف کہتے ہیں۔ وہ آنکھوں کی ٹھنڈک۔ نفوس کی
 خوشی۔ قلوب کی حیاتی۔ عقل کا ذرا اور فطرت کا اعمال ہیں۔ اور نوع انسانی کے ساتھ یہ وہ جہاں
 ہے جو صحت۔ سافیت۔ خوراک۔ پوشاک اور پینے کی چیزیں عطا فرمانے کے احسان سے زیادہ
 اور بڑھ کر ہے۔ غرض اللہ سبحانہ کا اپنے بندوں پر یہ انعام فرمانا کہ ان کی ہدایت و اصلاح کے لئے
 رسول بھیجے۔ کتنا میں نازل فرمائیں۔ انکو اپنے اروضی سے آگاہ فرمایا اور پسندیدہ اور ناپسند کاموں

یہ مصلحہ کیا ایک عظیم الشان جلیل القدر۔ اسے ادرال فخرت کہتے ہیں اور اُن زبان کو جو بہ درجہ چارہ۔ مینا اور
 نیاساوت وغیرہ دنیاوی سبب بہار سے انسان کو محال میں اُن برکات و منافع سے کوئی نسبت نہیں
 جو علم۔ ایمان۔ شریعت۔ اور عمل سے حاصل ہوا ہے۔ امتیاز پر تفریع اور تہنی ہیں۔ پس کوئی صاحب عقل کس طرح
 کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ادا کرنا جس ایک منقبت اور بیجا مدہ تکلیف ہے۔ بیشک جس شخص کا
 ایسا خیال اور احکام کا کہیں کی اتہانت اس قسم کا کہ ان سبب وہ یہ پاس ہے جانوروں سے زیادہ بے فہم
 اور گدھے سے زیادہ بیوقوف ہے۔ اُن خیال اور خدا تعالیٰ کی ذات۔ اسلام و صفات کی قدر
 نہ سمجھنے سے کسی پناہ مانگتے ہیں۔ سبب مستحق کے تمام مصلح اللہ سبحانہ کے اسروہی۔ انبیاء علیہم السلام
 کے موصوف اور آسمانی کتابوں کے نازل ہونے سے مربوط اور وابستہ ہیں۔ اگر یہ امور نہ ہوتے تو
 نوع انسانی بھی دو ستر حیوانات کی طرح ہوتا کہ راستہ میں ایک دوسرے کو دیکھ کر آپس میں
 لڑ پڑتے اور جانوروں کی طرح کھنکھلا ایک دوسرے کے سامنے عورتوں سے نفرت کرتے۔ کسی
 بچہ کام کا چھان اور بڑے کو بڑا نہ سمجھتے۔ اور کسی زحمت کرداری سے باز نہ آتے اور نہ کسی بھلے کام
 کی انکار راہ معلوم ہوتی۔ ذرہ اُن مقامات اور ملکوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو جہاں انبیاء کی تبلیغ
 اور دعوت کا پورا خطر نہیں ہوا کہ وہاں کے باشندوں کی کیا حالت رہی کس قسم کی جمالت
 ظلم۔ کفر۔ شرک۔ بڑے کاموں کو اچھا سمجھنے۔ عقائد اعمال اور اخلاق کی خرابی اور فساد
 کس درجے کا ہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے شریعت مقرر کرنے میں بندوں کے معاش و معاوے دو
 مصلح اور ان کی سعادت دنیاوی اور اخروی کے وہ اسباب موجود ہیں جن کا پورا علم اللہ سبحانہ کو
 ہے۔ ان شرائع و احکام کو اگر یوں کہا جائے کہ یہ غذا۔ دوا۔ شفا۔ عصمت۔ قلعہ۔ بامانہ پناہ۔
 ڈھال اور بچاؤ ہیں تو بالکل صحیح اور بجائے اور بدنی مصلح کے لحاظ سے انکی مثال اسلحہ پر ہے
 کہ ایک طاق طبیب ایک ایسا مرکب نسخہ تیار کرے۔ جو تمام امراض اور عجیب بیماریوں کی دوا ہوا
 اسکے ساتھ ہی تندرستوں کیلئے غذا کا کام دے۔ پس جو تندرست آدمی اُس کو غذا کے طور پر کھائے
 انکی غذا ہو جائے اور جو بیمار دوا کے طور پر استعمال کرے۔ اُس کو بیماری سے شفا اور نجات
 حاصل ہو۔ یہ تمثیل محض سمجھانے کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ کے احکام و شرائع فوائد اور
 برکات کے لحاظ سے ایسے نسخوں سے کہیں فائق اور بڑھے ہوئے ہیں۔ انکو اُن سے کیا نسبت ہے
 غرض اللہ سبحانہ کے اسروہی۔ تبیل و تجریم سے بڑھ کر انسان کے حق میں کوئی چیز زیادہ بہتر اور اچھی
 نہیں۔ اُس کا اس وقت اور غذا ہے۔ اُس کی نمی پر ہیز اور بچاؤ ہے۔ اللہ سبحانہ نے جن کاموں

اور سترچنگ حکمت و تعلیم کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ان احکام کے خلاف حکم کرے۔ اور ان احکام اور ان کے اندر ادویں فی الواقع کوئی فرق نہیں صرف اسکی مشیت سے بغیر واجب اور نفس و غور یا جائز قرار پائے ہیں۔ اور حققتا لامر یہ ہے کہ اگر دل سے آخر تک نباہے کے تمام حکم کی حکمت کو جمع کیا جائے تو اسکی حکمت انفس و اکل شریعت کی حکمت کے ساتھ ایسی ہی ہے کہ اسکی نسبت بھی پانی کا ایک قطرہ پر حکمت شریعتی و شریعتی ملک و مسکن اللہ ہے جسکی فی الواقع شریعت صلوٰۃ و نماز ہے اس کو جاری کیا اور امرت کو اسکی تعلیم فرمائی۔ وہ شریعت مراد نہیں جس کو لوگوں نے اپنے آرام اور نفسانی خواہش سے بدل دیا ہے یا بددہ دانستہ یا غلطی سے اس میں تیرھی اور کچھ تاویلیں لگا کر اس کی صورت کو بگاڑ دیا ہے جن لوگوں نے شریعت میں تبدیلی یا تاویل کر کے اس کو بگاڑ دیا ہے اس سے اُس کے درمیان جسے شر اور فساد پیدا ہوئے ہیں اور اس سبب لہ یا ولہ شریعت کو شر اور فساد سے خالی نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ سب خرابیاں اسی تبدیل و تاویل سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور وہ شریعت جس کی تعلیم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وہ خیر محض۔ سن کل الوجوہ مصلحت۔ رحمت۔ حکمت۔ اور مکلفین کے حال پر مراہطت اور اس کے تمام مصالح کا انتظام ہے اور انسانی زندگی کے لئے یہ ایسی مفید اور ضروری ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی ایسی مفید اور ضروری نہیں یہ شریعت غفلت اور غفلت کی نہیں۔ خدا تعالیٰ کی محبوب اور پسند چیزوں کی طرف اہتمام ہے۔ اس کے حرام و منہیات سے روکتی۔ ہر ایک قوت اور عضو کو اُن کے اُس محال میں جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں استعمال کرنے کے طریقے بتاتی۔ ہر کام اخلاق و مصلحتی اور دینی اور سیاسی عادات و خصال سے باز رکھتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک قوت، عضو اور حرکت کا استعمال اُس کے محال کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس محال کو معلوم کرنا وہی پر موقوف ہے لہذا مخلوق نے مصالح کے لئے شرائع کا ہونا ضروری ہے کہ انکی ذریعہ سے تمام ضرورتوں سے زیادہ قوی و مستحکم رہے۔ احکام شریعتیہ دین کی سوا کے حصول کے ذریعے اور اسباب ہیں۔ بدن کی صحت اور قوت کی حفاظت اور اُس کے مرقہ فاسدہ اور اخلاط ردیہ کے دور کرنے کے لئے بہترین وسائل ہیں۔ جو شخص شریعت کو اس طور پر مفید اور ضروری نہ سمجھے تو گویا اُس نے شریعت کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اللہ جل جلالہ نے ہر ایک قوت حس اور عضو کے لئے ایک حس اور ایک معنوی محال مقرر فرمایا ہے۔ اور معنوی محال کا ذکر ہونا حس محال کے نہ ہونے سے زیادہ جملہ کیونکہ معنوی محال بمنزلہ روح اور حس بمنزلہ جسم کے ہے۔ حس محال تو خلقت و فطرت کے لحاظ سے ہے اور معنوی محال شرع کے رو سے۔ اور ان دونوں محال کے تعلق

کرنے سے انسان سعادت کے اعلیٰ مراتب کو پہنچتا اور اپنے جاس قوی اعتماد حرکات سے یورہ
 متعلق ہوتا ہے۔ غرض اللہ سبحانہ نے بندوں پر عسان کر کے۔ ان کے مصلح کے انتہائی طرف
 ان کے انتہائی کرنے اور ان کے جہل کرنے کی اعانت فرمائی ہے۔ کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور یہ سب
 کچھ شریعت کے طفیل ہے کیونکہ کوئی ایسا شخص نہیں جس کا علاج شریعت نے نہ بتلایا ہو اور کہ قی
 ایسی ضرورت نہیں جس کے متعلق شریعت کا دستور موجود نہ ہو بلکہ شریعت نے وہ خفاتی معارف
 اور علوم سکھلائے ہیں۔ جن کہ انسانی عقل شریعت کے ہدایت بخیر بھی چاہی نہیں کر سکتی تھی عقلمند
 صاحب بصیرت۔ روشن دل کیلئے شریعت کے اوامر و نواہی میں سے صرف ایک خارجی حکم میں غور
 کرنا کافی ہے مثلاً نماز پر نظر ڈالو کہ اس میں کیا کیا حکمتیں ظاہری اور باطنی مصلحتیں اور قلب۔ روح
 بدن اور قوی کے متعلق وہ منافع موجود ہیں کہ اگر دنیا بھر کے تمام طبیب اور حکیم جمع ہو کر اپنی دماغی
 قوی ان کے معلوم کرنے میں صرف کر دیں تو نماز کے اسرار۔ حکمتوں اور غایات محمودہ کی تفصیل کو نہ پا
 سکیں۔ بلکہ وہ فاتحہ کے اسرار اور اسمیں جو معارف الہیہ حکم۔ بانیہ۔ علوم۔ نامہ۔ توصیہ تام اور
 اللہ تعالیٰ کے اسرار و صفات۔ کے ساتھ اس کی ثناء و تعریف اور غایات و وسائل کے لحاظ سے
 مخلوقات کے اقسام کا بیان ہے۔ ان کے معلوم کر نیسے پہلے ہی سب کے قوی اور اذنان
 عاجز ہو جائیں۔ چہرہ دیکھ کر نماز کے مقدمات اور شروط میں کیا کیا عجیب حکمتیں کھج گئی ہیں۔ کہ بدن
 کپڑے اور مکان سب چیزیں پاک صاف ہوں۔ لباس ظاہری زیب تن ہو۔ بیت اللہ جو مخلوق
 کے قیام کا سبب ہے اس کی طرف توجہ اور استقبال ہو۔ قلب کو تمام خیالات سے فارغ کر کے خالص
 اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت کی جائے اور نماز کو اپنے کلمہ کے ساتھ شروع کیا جائے۔ جو عبادت کے
 معانی پر پورا حاوی خدا تعالیٰ کی ثناء و تعریف کے اصول و فروع پر دل اور قلب سے ناسوا اللہ کی طرف
 سے التفات کو دور کر دے اور اس کی طرف التفات اور توجہ کو پیدا کر دے۔ غرض نمازی جب
 اللہ اکبر کہتا ہے تو اس وقت اس کے دل میں یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ اس خالق کے دربار میں حاضر
 ہوا اور کھڑا ہے جو صاحب عظمت و جلال ہے اور تمام چیزوں سے وہ اعلیٰ اکبر اعظم یعنی بزرگ
 اور بڑا ہے۔ آسمان اور جو کچھ اُس کے نیچے ہے اور زمین اور جو کچھ اُس کے اوپر ہے اس کی عظمت۔
 کبریائی کے سامنے سب بیخ ہیں۔ تمام عالم بھونے بڑھے اس کے نزدیک عاجز اور سب کی گرویں
 اُس کے آگے پست ہیں۔ بڑے بڑے گردن کش اور شکر اس کے سامنے ذلیل و خوار ہیں سب بندوں
 پر وہ غالب ہے۔ اپنے بندوں کے حالات کو دیکھتا۔ ان کے دلوں کے بھیدوں کو جانتا۔ ان کا کلام

تنتا اور اُنکے مکان کو دیکھتا ہے۔ بندو کی کوئی بات سہر مخفی نہیں۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ کی تسبیح۔ حمد۔ ذکر اور اس کے توحید کو شریع کرتا ہے۔ اور اُس کے بعد نمازیت اسطے اور افضل طریق کے ساتھ اللہ سبحانہ کی ثناء و بیان کرنے لگتا ہے کہ اُس کے حمد۔ ربوبیت، عالم۔ اُنکے ساتھ احسان اور رحمت فرشتے اور قیامت کے دن میں اُسکی اس مملکت اعظم کو بیان کرتا ہے کہ جس میں کوئی دوسرا ملک کا دھو پدار نہ ہوگا اور اللہ سبحانہ تمام مخلوق اول آخر کو ایک میدان میں جمع کرے گا۔ اور ہر ایک کو اسکے اعمال کی جزا دیگا۔ بعد اُس کے اللہ سبحانہ کی در قسم کی توبید یعنی توحید ربوبیت کو استعانت کے طور پر اور توحید الہامیت کو عبودیت کے طور پر ذکر کرتا ہے اسکے بعد اُس مطلوب کا سوال کرتا ہے جو تمام مطالب سے افضل اور جلد مقاصد سے بہتر ہے یعنی اُس صراط مستقیم کی طرف ہدایت کا سوال کرتا ہے جو اللہ سبحانہ نے اپنے انبیاء و رسل اور اُنکی پیروی کرنے والوں کے لئے مقرر کیا ہے اور یہ لوگ اس پر چلتے ہیں انکو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عزت اور جنت میں پہنچا دیتا ہے۔ دیر یہ اُن لوگوں کا راستہ ہے جن کو اللہ سبحانہ نے اپنی نعمت کے ساتھ مخصوص فرمایا یعنی انکو حق جہلا کر اُنکو اس کا پیرو بنا دیا ہے اور اُن لوگوں کے راستہ سے دوری چاہتا ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ کہ اُنہوں نے حق پہنچا کر اُس کی پیروی نہ کی۔ اور نیز ان گناہوں کے راستہ سے دور رہنے کا سوال کرتا ہے جو حق کے معلوم کرنے سے اور اُس کے اتباع سے بچنے کے لئے۔ سرہ فاتحہ اللہ سبحانہ کی حمد و تعریف اُس کے طریقہ۔ غایت۔ ثناء۔ دعا۔ اشرف غایات یعنی عبودیت اور عبودیت کے نہایت قریب وسیلے یعنی استعانت بن اللہ پشتمل بن اور جملہ ایک لختہ و ایک شیعہ میں معبود مستعان کو فعل پر اسلئے مقدم کیا گیا ہے تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ عبادت اور استعانت اللہ سبحانہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ کے سوانہ کو کوئی عبادت کے لائق ہے اور نہ اُس کے سوا کسی دوسرے سے مدد مانگی چاہئے۔ اور نیز یہ صورت صفت الہیت۔ ربوبیت اور رحمت پشتمل ہے جس میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ سبحانہ ثناء اور عبادت کا اسلئے مستحق ہے کہ وہ سب کا والد۔ خالق۔ رازق ہے اور وہی مارتا جلاسا ملک کی تدبیر کرتا اور جو لوگ گمراہی کے لائق ہیں۔ اُن کو گمراہ کرتا۔ اور جو غضب کے سزاوار ہیں اُن پر اپنا غضب نازل کرتا ہے۔ یہ سب کام اپنی صفت ربوبیت اور حکمت سے کرتا ہے۔ اور وہی نعم۔ رحمت۔ جو۔ عفو۔ مغفرت۔ ہدایت فرماتا اور توبہ قبول کرتا ہے۔ غرض اس سورت میں بہت سے مارت اور علوم کے انوار۔ توحید اور ایمان کے حقائق مذکور ہیں۔ نماز پڑھنے والا سورت فاتحہ کے ختم کرنے کے بعد قرآن کریم کی کسی دوسری سورت کو

چھٹا ہے جو کہ رب العالمین کا کلام - نفا الصمد - نور البصائر - بیات الارواح ہے جس سے انوار
 و برکات کے ایسے سرسبز باغ کی سیر کرتا ہے جن میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے اور یہ دوسے
 تیار ہیں اور ان بیروں میں سے اور دنیا ہی معلوم کرنے سے حیر و برکت سے اپنے دامن کو اٹھا کر لیتا
 ہے۔ اور ان سے کہتے ہیں - و خط البصیرت اور بصیرت کا سبق نہیں کرتا ہے - تقریر و اثبات حق تبارک
 باطل اور شہوات - کہ انزالہ سوالات کے جواب - مشککات کی توضیح - فلاح - عبادت کے اسباب - لی
 ترتیب - خسران و شقاوت کے اسباب - اجتنب - ہدایت کی طرف دعوت اور ہلاکت سے باز
 رکھنا ان سب امور کا اس کلام معجز نظام سے استفادہ کرتا ہے۔ پس اس کتاب پر وہ انوار نازل ہوتے
 ہیں جن سے مردہ دل یا سطح زندہ ہو جاتے ہیں جیسے بارش برسنے سے خشک زمین سرسبز ہو
 جاتی ہے۔ اور یہ انوار قلوب کے لئے ایسے ہیں جیسے ارواح اجسام کے حق میں ہیں - عرض کنسی
 نعمت - خوشی - رحمت - سرور اور آگاہی کی ٹھنڈک ہے جو اس مناجات میں حاصل ہو رہی ہے اور اللہ سبحانہ
 اپنے بندے کا کلام جو اس کی زبان پر جاری ہوتا ہے اور سنتا اور اُس کے جواب میں یوں ارشاد فرماتا ہے
 کہ میرے بندے نے میری حمد کی - میرے بندے نے میری ثنائی میرے بندے نے میری بزرگی
 بیان کی - اس کے بعد نماز پڑھنے والا اُنتہ اکبر کہہ کر اللہ سبحانہ کی بزرگی بیان کرتا ہے کہ وہ تمام چیزوں سے
 برتر اور بزرگ ہے پھر اس کی عظمت و جلال کے سامنے اپنی عاجزی اور اُس کی عزت کے سامنے اپنی
 ذلت اور اُس کے جبروت کے سامنے اپنی سکیمنی ظاہر کرنا ہوا اُس کے آگے اپنی پشت کو ٹم کرتا ہے
 اور اس حالت میں اس کے ہم عظیم کے ساتھ اس کی شہج بیان کرتا ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ سبحانہ
 کی عظمت و جبروت کے حالات و ذلت - عاجزی اور محتاجی وغیرہ سے منزہ ہے۔ اور سر جھکا کر پشت
 دوتا کئے ہوئے اپنے حضور - ذلت کو خدا کی عظمت کے پیش کرتا ہے کہ تیری عظمت کے سامنے
 میں بالست ثنایاں ہے اور اللہ سبحانہ اُس کے حضور و ذلت کو دیکھتا اور اُس کے کلام کو سننا ہے۔ اور
 یہ حالت تعظیم اور انما ارجال کا رکن ہے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رکوع میں
 خدا تعالیٰ کی عظمت بیان کیا کرو - رکوع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے پھر قیام کی
 طرف لوٹتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ان محامد سے کرتا ہے جو نہایت کامل - جامع اور شامل
 ہیں یوں کہتا ہے کہ ثنا اور حمد کے ثنایاں اسی کی ذات ہے۔ اور نیز اپنی جبروت کا اقرار کرتا اور خدا اتم
 کی توحید کی شہادت دیتا اور یوں کہتا ہے کہ جو چیز وہ عطا کرے اُسے کوئی روکنے والا نہیں
 اور جس چیز سے وہ محروم رکھے وہ کوئی روکنے والا نہیں سکتا۔ اور مالداروں کے پاس کتنے ہی مال و صاحبان

حشمت و بادیہ کو کبھی ہی شرم نہ حاصل ہو نہ اتقا۔ نے کی طاقت نصیریہ کچھ کام نہیں آسکتی۔ پھر اللہ العزیز نے
 کر سجدے میں گڑبا ہے اور اپنے اشرف اعضاء یعنی چہرہ کو اپنے ہاتھوں کے سامنے اپنی ذلت و عاجزی
 اور سبکی کی ظاہر کرنے کے لئے مٹی پر گرگڑاتا اور اسے خاک آلودہ کرنا ہے اور بدن کے تمام اعضاء بے انتہا
 کہ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں اس عاجزی ظاہر کرنے اور اس تعلیم میں جیتے رہتی ہیں۔ اور یہ بات اس
 اس کے آداب میں سے ہے کہ سبکی کے بال و آسکے کیے۔ بھی عجز دہیں اسی واسطے باؤں کو ہاتھ جھٹا
 یا کپڑوں کو سمیٹ رکھنا۔ نہایت غریب بلکہ انکو اپنی حالت و وضع پر چھوڑ دے اور یہ بھی غریب بہرہ کمال پائی
 پر کچھ مٹی کا اثر و نشان ہو جائے اور مسکائی کی نظر سجدہ کرنے کی جگہ کی طرف متوجہ ہو۔ اور اس ذلت
 کے سامنے جس کے لئے تمام عزت اور عظمت سے پرہیز و طور پر عاجزی اور ذلت ظاہر کرنے کے لئے
 اپنے تمام اعضاء میں سے اپنے سر کو نیچے کرتا ہے۔ اور جو حقیق اللہ سبحانہ کے بندہ ہے۔
 ان میں سے ایک اور یہ حق ہے۔ اگر پیدائش کے وقت سے نیکد آخری دم تک ہمیشہ اسی حالت
 اور سجدہ میں رہا ہے۔ تو بھی پیسے مالک کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ پھر سجدے میں اپنے رب اعلیٰ کی
 تسبیح کہتا ہے جس پر شمار ہے اپنی پستی کی حالت میں اللہ سبحانہ کے ملوک کو ذکر کر کے یہ بتلاتا ہے۔ کہ وہ
 اس حالت میں ہر چیز سے فائق اور اسے اور دوسرے کی پستی اور حیب سے پاک ہے۔ بلکہ وہ ہر طرح کے
 غلو کے ساتھ موصوف ہے۔ اور چونکہ سجدہ میں غصے کی کمال درجہ کی عاجزی۔ ذلت اور انکساری پائی
 جاتی ہے۔ اس لئے اس حالت میں اپنے رب سے عنایت و قرب اور نزدیک ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر
 کہ چونکہ اس حالت میں قریب مجیب عنایت و قرب حاصل ہوتا ہے۔ سجدہ میں زما کے اندر کوشش کرنیکا
 حکم ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے **وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** (اور سجدہ کرو اور مجیب نماز پر صوم اور قرب
 (خدا) حاصل کرو) اور سجدہ سے پہلے رکوع کو سجدے کی تہیہ کے لئے ادا کیا جاتا ہے کہ انسان
 ایک قسم کے خضوع سے اٹھے۔ اکل اور رفع الشان خضوع کی طرف بتدریج انتقال کرے۔ اور
 ان دونوں کے درمیان ایک کے کن مقصود ہی مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس میں اللہ سبحانہ کی حمد و ثناء اور بزرگی
 بیان کرے۔ اور اس رٹن کے قبل درجہ بھی خضوع ہے اور جیسا کہ رکوع جو ایک خضوع اور عاجزی
 کی حالت ہے۔ حمد و ثناء اور عجز کے بعد ہے اسی طرح سجدہ بھی جو خضوع اور پستی کی حالت ہے حمد و ثناء
 کے بعد مقرر کیا گیا ہے۔ اس عجیب ترتیب اور بدویت کے مراتب میں انتقال کرنے میں غور کرنا چاہئے
 کہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسن اوصاف و اساماء اور اکمل محامد کے ساتھ ثنا کرنے کے مقام سے اس فائز
 کے سامنے جس کے لئے یہ ثنا ہے اپنی عبودیت و تذللی کے مراتب کی طرف کیس طرح بتدریج انتقال

کرتا اور ہر ایک سر کے منہ پہنسی نہ جھڑکی کا اٹھا کر کہتا ہے اس کو تعلیم بجالاتا اور اپنے منہ سے اورو
 پستی کا حالت میں اللہ سبحانہ کی عظمت و علو کو کس طور پر ابراز بیان کرتا ہے اور یہ نیک نواز کے تمام
 اذکار میں سے قرآن کا پڑھنا زیادہ افضل ہے اس واسطے کہ اس کو پہلی سے پہلے شریف حال مستغنی قیام میں
 میں نہ پڑھتا تھا ہے اور چونکہ ارکانِ تمایز میں سے سجدہ افضل ہے اس واسطے اس کو مکرر کرنا شروع
 ہوا اور اس رکعت کی فاتحہ اور غایت قرار دیا گیا۔ رکعت کے ارکان کا ترتیب سے شروع اور سجود
 پر ختم ہونا قرآن کی سب سے پہلی سورت کے اقتدار اور اختتام کے مطابق ہے۔ کہو گا جو سورۃ سب سے
 پہلے نازل ہوئی ہے اُن کے شروع میں قرآن پڑھنے کا حکم اور آخر میں سجدہ بجالانیکہ احقر ہے اور دونوں
 سجدوں کے درمیان ایک جلسہ مقرر ہے کہ اس میں مصلی غلاموں کی طرح بیٹھ کر اپنے مالک سے مغفرت
 و رحمت و رزق و ہدایت اور غایت کا سوال کرے۔ اور یہ دعا دینا اور آخر سنت کی تمام خیرات پر شامل
 اور عادی ہے۔ ایک رکعت ختم ہونے پر پھر اسی طرح اس کو مکرر کرنا۔ اس واسطے مقرر ہوا ہے کہ مصلی
 پہلی رکعت کے ادا کرنے سے دوسری رکعت کی تکبیر کے لئے مسند ہو جائے اور ہر پہلی رکعت سے پہلی
 کے نقصان کا تدارک کرے اور تاکہ قلب اس غذا سے خوب سیر ہو۔ اور اپنی دوا سے پوری طرح
 خطر و آہو جائے کیونکہ نافع قلب کے لئے غذا اور دوا دونوں کے قائم مقام ہے۔ اور قاعدہ ہے
 کہ جب کوئی آدمی غایت بخیر ہو اور وہ ایک دو قلمی کھائے تو وہ اس کی بھوک کو کچھ روک نہیں
 سکتے اور اسی طرح وہ بیماری جس کے دور کرنے کے لئے ایک کافی مقدار دوا کھانے کی ضرورت
 ہو اور مریض کچھ تھوڑی سی دوا کھائے تو اس سے اس کا مرض بالکل زایل نہیں ہو سکتا۔ گو مفید
 دوا کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ مگر مرض بالکل دور نہیں ہوگا قلب کی غذا اور شفا کے لئے نماز جیسی اور
 کوئی چیز مفید نہیں۔ لہذا قلب کی صحت اور قوت کے لئے ایسی ہے جیسے بدن کی صحت اور قوت
 کے لئے دوا اور غذا ہیں۔ پھر در رکعتوں کے پورا کرنے کے بعد یہ حکم ہے کہ بندہ دلیل مسکین کی
 طرح اپنے خالق کے حضور میں بیٹھ کر افضل تہیات کے ساتھ اس کی شکر سے پھر اس شخص پر سلام
 کہے جو اللہ تعالیٰ کی اعلا درجہ کی شہادت کرنے والا اور جس نے اُمت کو خدا تعالیٰ کی شہادت کرنے کی
 تعلیم کی۔ اسکے بعد اپنے آپ پر اور اللہ کے اُن تمام بندوں پر جو اس عبادت میں اسکے ساتھ شریک
 ہیں سلام کہے۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ کی توحید اور صلہ صلیم کی رسالت کی شہادت بیان کرے۔ اسکے
 بعد دوبارہ اس شخص کیلئے دعا سے رحمت کرے اور وہ پڑھے جس نے اُمت کو اس کار خیر کی
 تعلیم فرمائی اور اس کی طرف انکسار و تعلق کی ہے۔ اسکے بعد جب تک اپنے مالک کی طرف متوجہ ہو کر

جتنا ہے اس سے ایسے ضروریات و حوائج کی دعا اور سوال کرے۔ اور جب مصلیٰ ان تمام کاموں سے
 فارغ ہو جائے تو اس کو اجازت ہے کہ ان لوگوں پر جو نماز میں اس کے ساتھ شریک رہے تھے سلام کہہ کر
 نماز سے باہر آجائے۔ ان حالات کے علاوہ نماز کے اندر سبک کے تمام اسرار و مقامات اول سے آخر
 تک موجود ہیں۔ سیر الی اللہ اور سادک کے کھراتب میں سے کوئی مرتبہ یا تالیفین کے مقامات
 میں سے کوئی مقام ایسا نہیں ہوتا: کہ جن میں خبر نہ ہو۔ اور یہ بتلنے سرور و روحہ لوح ہم نے
 بیان کی ہے۔ یہ فہم از ضروریات و قطبہ از سجاس کے طور پر ذکر کیے ہیں۔ پس کوئی صاحب عقل
 یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ نماز ایک تکلیف محض ہے کسی حکمت یا غایت مقصودہ کے لئے مقرر
 نہیں ہوئی۔ بلکہ صرف ایک کلفت اور مشقت ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بغیر کسی غرض
 اور فائدہ کے جبراً لازم کی گئی ہے۔ دنیا یا آخرت کی کسی مصلحت کے حصول کے لئے ذبیحہ اور سبب
 نہیں۔ اس کے بعد بیعت کے بعض دیگر امور ان کے مسائل اور غایات میں غور کرنا چاہئے۔ کہ ان
 میں کس قدر کمیتیں مقصودہ اور غایات محمودہ جن کے لئے وہ مشروع کئے گئے ہیں موجود ہیں۔
 اگر یہ مورد ہوتے تو آدمی چوپائے جانوروں کی طرح بلکان سے بھی بُری حالت میں ہوتے۔
 طہارت پر ہی نظر کرو کہ اس میں کتنی حکمتیں اور قلب اور بدن کے لئے بیشمار منافع موجود ہیں۔
 اس سے قلب میں فرحت۔ اعضاؤں میں ہستی پیدا ہوتی ہے۔ بدن ہلکا اور گناہوں کے
 میل کچیل سے صاف تھکھو جاتا ہے۔ غرض طہارت قلب۔ بدن اور روح کو صاف تھکھو اگر زوالی
 ہے۔ اور غسل جنابت میں اور بہت سے منافع کے علاوہ منفعت موجود ہے کہ بدن میں ہوشیاری
 اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اور جو کچھ بدن سے تحلیل ہوتا ہے اس کا بدل پیدا ہو جاتا ہے۔ جو
 نہایت نافع اور مفید ہے۔ اور اعضائے دھنوں میں غور کرو کہ اسکے لئے وہ اعضا مقرر کئے گئے
 ہیں جو عمل اور کسب کا ذریعہ ہیں مثلاً پہلے چہرہ کو دیکھو کہ جو سن۔ بصر۔ کلام۔ شمع۔ ذوق کا محل ہے
 اور جس میں جو اس لہجہ یعنی قوت سامعہ۔ باصرہ۔ شامہ اور ذائقہ ذریعہ قوت نطق موجود ہیں
 اسکو عمل ضرور مقرر کیا ہے کیونکہ یہ قوی معاشی اور ذوق کے صدور کا ذریعہ ہیں۔ پھر ہاتھوں
 کو دھو کے لئے اس واسطے مخصوص کیا ہے کہ یہ انسان کے دو بازو ہیں۔ جن سے چیزوں کو پکڑنا
 لینا اور دیتا ہے۔ اسکے بعد پاؤں کو دھو کیلئے اس واسطے خاص کیا ہے کہ آدمی ان کے ذریعہ چلتا
 پھرتا ہے۔ اور سر کے دھونے میں چونکہ بڑی مشقت اور تکلیف تھی۔ لہذا اس کے دھونے کے
 بجائے اس کا سر مقرر ہوا۔ اور دھنوں میں برکت تھی۔ ہے کہ اعضائے دھنوں کے تمام گناہوں کو پانی

تہ نظرات کے ساتھ نکال دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بالوں اور چڑھنے سے بچ کر گناہ خارج ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جب بندہ سیر یا مومن وضو کرے لگتا اور پیر سے کو دھو کر لے لے۔ تو اس کے چہرے کے تمام گناہ جن کی طرف آنکھ سے دیکھا ہو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ باقی رہتے ہیں۔ پھر جب ہاتھ کو وضو کرے تو ہاتھ کے تمام گناہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وضو کرنے والا گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو سلم نے روایت کیا ہے۔ اور نیز صحیح مسلم میں عثمان بن عفان سے مروی ہے کہ کبار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے تو اس کے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گر جاتے ہیں گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ فوائد اور عکسوں میں سے ہے۔ اور منکرین تکنت و تعلیل کہتے ہیں کہ وضو نصف تکلیف مشقت اور رنج کا باعث ہے۔ اس میں کوئی تکنت یا مصنوع نہیں ہے۔ نئے مندر کیا گیا ہے حقیقۃ الامر یہ ہے کہ اگر وضو میں سوائے اسکے اور کوئی مصلحت یا منفعت نہ ہوتی کہ وہ قیامت کے دن اس امت کی پہچان کی علامت ہو گا یعنی اس امت میں سے وضو کرنے والے لوگوں کے ہاتھ پاؤں اور چہرے روشن اور نورانی ہونگے۔ جس کے برابر وہ اور امتوں سے ممتاز ہو جائینگے۔ تو یہ مصلحت اس کے مشروع و مقرر ہونے کے لئے کچھ کم نہ تھی۔ اور نیز اگر طہارت میں صرف یہی مصلحت و مصلحت ہوتی کہ وضو کرنے والا اپنے ہاتھ پانی سے اور دل توبہ سے پاک کر کے اپنے مالک کے دربار میں حاضر ہونے۔ اس سے اپنا راز و نیاز رکھنے۔ اور بدن پاکیزہ۔ اور دل سب چیزوں کو پاک صاف کر کے اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونے کے لئے مستعد اور تیار ہو جاتا ہے تو یہی مصلحت طہارت کی مشروعیت کہنے کافی اور وافی تھی۔ اور چونکہ شہوت تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ ہر بال کے نیچے شہوت موجود ہے لہذا غسل جنابت کے لئے یہ تاکید ہوئی کہ جس طرح شہوت تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے۔ اسی طرح تمام بدن کو دھونا ضروری ہے۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے اسی واسطے یہ حکم ہوا کہ بالوں کی جڑوں کو پانی پہنچانا چاہئے تاکہ شہوت کی حرارت کم ہو جائے

اور جس سکون اور اطمینان کے ساتھ اللہ سبحانہ کے ذکر تلاوت قرآن و نماز پڑھنے اور اس کے دربار میں حاضر رہنے کی طرف متوجہ ہو جائے۔ میں قسیمہ کہتا ہوں۔ کہ اگر طہارت کے متعلق اس قسم کے فوائد و نتائج کو کوئی بھرا طہ جیسا شخص بیان کرتا تو اس کے پیرو انکو بلا تپون و چر تیلیم کرنے اور کوثری و قسبت اور عزت کی بجائے سے دیکھنے اور ان پر اپنی طرف سے اور تین تیس اور فوائد اضافہ کرتے۔ اور چنانکہ خارج از نماز بندے کے بعض اطاعت الہی سے خالی اور شہوات اور خلوط نفسانی کی تحصیل میں چڑھے ہوتے ہیں۔ لہذا انکم ہو کہ تمام اعضا کے ساتھ اپنے رب کی بندگی بجالائے۔ اور ہر ایک عضو اپنے رب کی بندگی سے حصہ حاصل کرے یعنی قلب۔ بدن۔ جوارح۔ حواس اور قوی سب کو اللہ سبحانہ کے سپرد کرے اور بہترین اسی طرف متوجہ اور اسے خالص ہو کر اس کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ اور اللہ سبحانہ کے حقوق میں کوتاہی اور اس کی جانب سے اعراض نہ کرے۔ اور چونکہ تنویر الہی میں کوتاہی اور اس کی طرف سے اعراض کرنا انسان کا طبعی خاصہ ہے لہذا انکم ہو کہ ہمیشہ تقاضا کرتا آجپنے مالک کی طرف متوجہ ہو اور اسکی تعظیم بجالاتا رہے کہ دست کے دراز ہونے سے آجپنے مالک کو بھول اور اس کی طرف سے بالکل منقطع نہ ہو جائے۔ اور چونکہ تمام عبادات اور تقویٰ سے افضل اور انسان کے جہد ان ہایا۔ ہے جن کو وہ اپنے مالک کی بارگاہ میں پیش کرنا ہے اولیٰ اور بہتر تھی لہذا نماز کے بار بار بجاؤ گا حکم ہوا۔ منکر بن حکمت و تعلیل کا یہ خیال ہے کہ نماز محض ایک مشقت اور تکلیف ہے۔ ایس کوئی حکمت یا مصلحت ملحوظ نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بغیر کوئی مصلحت کے جبراً لازم کی گئی ہے اور شریعت کے تمام امور کو اسی طبع خالی اور حکمت و مصلحت شمار کرتے ہیں۔ ورنہ ان کے اور تم چلے معلوم کر چکے ہو کہ وہ سراسر غلط اور باطل ہیں۔ حالانکہ امور شرعیہ میں وہ حکمتیں اور مصالح ہیں کہ جن حکمتوں اور مصلحتوں کو تم معلوم کر چکے ہو ان سے کئی وجہ زیادہ ہیں کہ جو حکمتیں اور مصالح تم کو معلوم ہونے میں دو تم نے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق معلوم کئے ہیں اور جو حکمتیں اور مصالح ایسے ہیں۔ جن کے ادراک سے تمہاری عقل اور فہم قاصر ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اور اگر ہم سب حکم و مصالح کو تفہیم بیان کریں تو اس مضمون پر کئی متسلل کتابیں تالیف کرنے کی ضرورت ہے اس واسطے غرض کے طور پر ہم نے چند حکمتیں اور مصالح کے بیان پاکتفا کیا ہے۔

تیسواں جواب۔ جمادات۔ مختلف اجناس کے حیوانات جن کی نیکیں۔ قد حصانات۔ متاف۔ قوی اور غذا میں تبد اجدا ہیں اور اسی طرح مختلف انواع کے نباتات میں وہ حکمتیں و مصالح موجود ہیں جن کو علم الباطن علم کیسا۔ علم حیوانات اور علم نباتات کے ماہرین نے بیان اور مرد و زانیے

پان کا تجربہ کیا ہے اور باوجود اس قدر جدوجہد کے انکو پوری طرح معلوم نہیں کر سکے۔ جن منافع - فوائد اور
 مصالح کو انہوں نے معلوم کیا ہے وہ ان منافع و فوائد کے لحاظ سے جو انکو معلوم نہیں ہوئے۔ بہت
 ناقص اور قصور سے ہیں۔ اگر ان منافع و فوائد کے معلوم کرنے کے لئے تمام لوگ - ملکہ متفقہ کوشش کریں۔
 تو بھی صرف ایک نوع کے ان فوائد و منافع کو جو خالق نے اُس میں دلیعت رکھے ہیں پوری طرح معلوم
 نہیں کر سکتے۔ ایران و ائمہ منافع کے علاوہ جو ان میں موجود ہیں۔ ان میں یہ حکمت و بصارت موجود ہے
 کہ یہ اپنے خالق کے وجود - اختیار - مشیت - علم - قدرت اور اس کی حکمت پر دلالت کرتے ہیں اور
 ان میں غور کرنے سے انسان خدا تعالیٰ کی ہستی اور اُس کے صفات کا اس طرح علم حاصل کر سکتا ہے
 کہ ان سب چیزوں کی اصل اور مادہ ایک ہے اور ان مختلف صورتوں - گوناگون شکلوں اور طرح طرح کے
 منافع اور صفات کا موجب اور علت مادہ واحد نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ مادہ کسی
 اور چیز کے ساتھ مرکب ہو نیکیکے بعد ترکیب کے سبب ان مختلف انواع اور صورتوں کا سبب اور
 سبب ہو پس حیوانات اور نباتات کے انواع اور انکی صورتوں اور شکلوں میں اختلاف اور تفاوت
 کا موجود ہونا خدا تعالیٰ کی ہستی اسکی ربوبیت - قدرت - حکمت - علم اور اُسکے قائل مختار ہونے کی
 روشن اور قطعی دلیل ہے۔ اور نیز مخلوقات کے انواع کا ہر تئافوت و تفاوت اور موجود ہونا خدا تعالیٰ
 کی ہستی اور اُس کے صفات کی کامل دلیل ہے۔ اور ان اولہ پر قرآن مجید نے بہت سے مواقع میں
 متنبہ کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَفِي الْأَرْضِ قُطُوعٌ مُّتَجَارِفَاتٍ رَبَارَاتٍ ذُبَابٌ مِّنْ
 أَنْبَاءٍ زُرْعَةٍ وَخَيْلٌ صُنُوءٌ وَعِبْءٌ صُنُوءٌ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفُصْلٌ يَّعْضَمُهُ عَلَىٰ
 بَعْضٍ نَّيْ كَذَلِكَ لَا يُبَيِّنُ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (اور زمین میں پاس پاس (کئی) کئی قطعے
 (ہوتے ہیں) اور انکو گھر کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت (جن میں بعض) دوشاخے (ہوتے ہیں) اور
 بعض) دو شاخے نہیں (ہوتے) حالانکہ سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور (پھر بھی) ہم بعض کو
 بعض پر پھلوں میں برتری دیدیتے ہیں بیشک جو لوگ عقل کو کام میں لاتے ہیں۔ اُن کے لئے ان
 باتوں میں اقدرت خدا کی بہتری ہی (تشائیاں موجود ہیں) وَقَالَ تَعَالَىٰ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّالٰوٰتِ
 وَالْاَنْعَامِ وَاجْتِلَافِ السَّيْلِ وَالتَّخْلُقِ الْاَنْثَىٰ جَعَلِي فِي الْبَحْرِ مِمَّا يَنْفَعُ النَّاسَ
 وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَاحْيَا بِهٖ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَارِكْ فِيْهَا
 سَبْعًا كَثِيْرًا وَتَصْرِفُ الرِّجْلَ وَالسَّحَابِ الْمُسْنِغِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ
 لَا يُبَيِّنُ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (بیشک آسمانوں (کے) اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے

ماوی اور کھیاں میں اور سب کو اپنے رائے جانور کہتے ہیں اور باوجود اسکے ذائد منافع وغیرہ امور میں انکے درمیان کس قدر تفاوت اور اختلاف ہے اور اسی طرح شمع و در جانور جیسا لگا ہوا۔ گہا خچر وغیرہ شمع دار ہونے میں سب شریک ہیں اور اس کے سوا بہت سے امور میں باہم متفاوٹ اور مختلف ہیں مثلاً ذائقہ اس قدر جانور جیسے لگائے۔ باری۔ آونٹ وغیرہ سب کے۔ ب لکھ دار۔ جانور کہلاتے ہیں۔ اور میں کے سوا کئی چیزوں میں انکے درمیان اختلاف و تفاوت موجود ہے۔ اسی طرح جیسے نہایت جانور میں اس صفت میں کھیاں ہیں۔ اور باوجود اس کے انکی طاقت۔ منافع اور اشکال میں بہت بڑا تفاوت اور اختلاف ہے علی بن القیاس پانی میں رہنے والے جانور تیرنے۔ پانی میں رہنے اور پانی کے اندر پیدا ہونے میں سب شریک ہیں اور انکے سوا انکے درمیان اس قدر تفاوت اور اختلاف کثیر موجود ہے کہ انسان اسکے ادراک کرنے سے عاجز۔ ہے اور ان سب کا اشارہ بھی تک نہیں ہو سکا اور اسی طرح جنگلی جانور آدمیوں سے دور رہتے انکے سے متفرق ہونے میں سب کھیاں اور شریک ہیں مگر باوجود اس اشتراک کے انکے صفات۔ اشکال۔ طبائع۔ اور افعال میں اس قدر تفاوت و عظیم ہے کہ آدمی اس کے معلوم کرنے سے عاجز اور قاصر ہے۔ اور اسی طرح پریمٹ کے بل چلنے والے جانور اگرچہ اس امر میں شریک ہیں مگر انکے انواع کثیرہ ہوتے۔ ہے اور میں آپس میں مختلف اعداد ایک دوسرے سے جڑا ہیں۔ اور اسی طرح دو پاؤں والے جانور اس صفت میں متحد اور موافق ہیں اور اسکے ساتھ ہی انکے انداز کے درمیان آپس میں بہت بڑا اختلاف موجود ہے اور حیوانات کے ہر ایک نوع کے لئے اپنے مصالح کے حاصل کرنے اور مضر چیزوں سے بچنے کا وہ علم اور ادراک نکال دیتے ہیں جس سے بہت سے امور انسان کو بھی معلوم نہیں۔ پس ان حیوانات کے پیدا کرنے میں بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ اس خالق واحد کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں جو اپنی قدرت۔ قدرت اور حکمت کے ساتھ ان سب پر ایسا غالب ہے کہ سب کے سب اسکے مطیع۔ متقاد اور اس نظر اور خلقت کے تابع ہیں جس برزاق نے اپنی مشیت اور حکمت سے انکو پیدا کیا ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت قاهرہ حکمت بالغہ۔ علم تمام کی ایک شہادت زبردست اور مضبوط دلیل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قدرت۔ علم اور حکمت حیوانات کے ایک نوع پر متولی ہے وہی قدرت۔ علم اور حکمت انکے تمام انواع کو محیط ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (اور وہ چیزیں پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے) اور نیز فرمایا ہے فَلَا أَشْیَءَ یَدْرِیْ مَا یُبْصِرُ وَنَ وَ مَا لَا یُبْصِرُ وَنَ (تو لوگو!) جو چیز تم کو دکھائی دیتی ہے اور جو چیز نہیں دکھائی دیتی۔ جیسے جنات فرشتے وغیرہ ہم تو سب ہی کی قسم

کھاتے ہیں، عرض اللہ سبحانہ کے افعال کی تمام غایات اور سلسلہ خلق اور امر کی کچھ حکمتوں کا خلاصہ اور مجموعہ
 ایک ثابت اندیکشت ہے جس کو سب غایات کا مستحق کہنا چاہئے۔ وہ غایت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو
 اپنی الوہیت کے ثبوت کا اظہار مقصود ہے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اس کے سوا چھٹے معبود ہیں سب
 جھوٹے اور باطل ہیں رہیں تمام غایات کی غایت یہی ایک امر ہے۔ ایک بعد دوسرے غایات جو اس
 غایت کیلئے سبب اور اس غایت کے سوا کسی دوسری چیز کے لئے غایت ہیں تبنا ملحوظ ہیں۔ آیہ
 ذَا قُوَّةٍ اِلٰی رِبَّاتٍ اَلْمُنْتَغٰی (اور بیشک، آخر کار سب کو خدا تک پہنچنا ہے) میں اسی کی طرف اشارہ
 ہے۔ حقیقت میں اللہ سبحانہ کی ذات کے سوا کوئی چیز مطلوب معلوم و مذکور نہیں۔ اس کے سوا سب چیزیں
 معدوم محض ہیں۔ سلسلہ ہستی میں اللہ کی ذات اور اس کے مفقود و موجود، اس کو کوئی چیز و ذر ذر نہیں رہتا سب چیزیں اس کے فعل
 کے تحت ہیں اور اس کے افعال اس کے صفات کے تحت ہیں۔ اس کے صفات ہیں مطلب ہے کہ ان چیزوں کے غایات معلوم
 یہ ہیں کہ ان میں خود کرنے سے عالم - فاعل - قادر اور علیم واحد یعنی اللہ سبحانہ کے علم فعل - قدرت اور
 حکمت پر اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ ان تمام انواع کو اس کا علم - قدرت اور حکمت عادی اور
 محیط ہیں۔ اور سلسلہ خلق اور امر کی یہی ایک غایت ہے اور اللہ سبحانہ کی توحید الوہیت کی یہ نمائندگی
 ظاہر دلیل ہے جس طرح کہ یہ مخلوق واحد - قادر واحد اور رب واحد نے پیدا کئے ہیں اسی طرح ہر
 علم اور حکمت ان کو محیط ہے نیز توحید الوہیت اور الوہیت پر یہ مملکت کرتا ہے کہ حیوانات کے
 مختلف انواع ایک انتظام اور حکمت سے باہم جمع کئے گئے ہیں اگر یہ کارخانہ اللہ سبحانہ کے
 اختیار میں نہ ہوتا تو ان مختلف انواع کا اپنے انداد کے ساتھ مجتمع ہونا دشوار تھا۔ اور ان مختلف
 انواع کا باہم مختلف - ایک دوسرے کا محتاج اور معاون ہونا اس بات کی قطعی دلیل ہے۔ کہ
 یہ فاعل واحد اور رب واحد کے مصنوعات ہیں۔ اگر اللہ سبحانہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود اور
 رب اس کام میں شریک ہوتا یعنی بعض انواع کا نافع اللہ سبحانہ ہوتا اور بعض کا کوئی دوسرا شخص نافع
 ہوتا تو یہ انتظام اس طور پر ہونا ناممکن تھا۔ دنیا کے بادشاہوں کو دیکھتے ہو کہ ایک بادشاہ
 اپنے ماتحتوں کے لئے دوسرے بادشاہ کے نوکروں و ماتحتوں کا محتاج ہونا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ
 اس کے شوکت و حشمت اور کمال اقتدار کے خالف اور اس کے لئے نقص اور عیب ہے۔ تو
 دوسرا کس طرح پسند کرتے کہ ایک کی مخلوق دوسرے کی مخلوق کی محتاج ہو۔ جب وہ اس
 سرور و اندر رکھتے۔ تو انتظام عالم کی موجودہ صورت نظر نہ آتی۔ اور ان کا ایک انتظام خاص پر
 موجود اور ترتیبنا سب پر واقع ہونا بعض امور میں باہم متفق اور شریک اور بعض میں ایک

دوسرے سے جدا اور مختلف ہونا سدا سے واسطہ کی اور ہیئت اور پوہیت کی توبہ میں کہ صفا
 محال اور لغویت جلال پر دلالت کرتا ہے۔ تمام موعودات ایک ہی شکر کے مشابہ ہیں کہ پیر کا
 بادشاہ اور حاکم ایک ہو کہ بعض کی بعض سے حفاظت کرتا اور بعض کے سے ارجح کا انتظام دوسرے
 بعض کے ذریعہ فرمانا اور ایک کی کئی دوسرے کے ذریعہ پوہی کرتا ہے بعض ایک کو دوسرے سے
 امداد پہنچاتا اور دوسرے کو اس سے تقویت دیتا اور ایک حصہ کو کم کر کے دوسرے میں بڑھا دیتا ہے
 رات کو گھٹا کر دن زیادہ کرتا اور دن کو کم کر کے رات بڑھا دیتا ہے۔ اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو
 زندہ سے نکالتا ہے۔ ایک کو ہلاک کر کے اس کی جنس میں سے دوسرا شخص اس کے قائم مقام
 کرتا ہے۔ پس دوسرے کا خاوش اور پیدا ہونا اس بات کا شاہد ہے کہ جس خالق اور موجد نے
 اس کو پیدا اور ایجاد کیا ہے وہی پہلے کا ناسخ اور موجد ہے۔ اس کی حکمت میں کوئی تغیر واقع
 نہیں ہوا۔ اس کے علم میں کئی طرح کی کئی چیزیں ہیں اور اس کی قدرت کچھ ضعیف اور کمزور
 نہیں ہو گئی۔ حوادث کی تبدیلی اور تغیرات سے اس کی ذات میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوتا۔
 اور ان کے فنا اور نیستی سے اس کی ذات فنا اور موحی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ہمیشہ زندہ قائم غالب اور
 صاحب حکمت ہے۔ یہ وہ حکمتیں اور مصالح ہیں جو ان کے اجزاء کے لازم اور بعض کے بعض سے
 مخلوط اور مربوط ہونے کے انتظام کے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ ان احوال و آثار میں جو ان سے
 صادر ہوتے ہیں۔ وہ حکمتیں مصالح اور نمایاں ہیں جو ان انواع کی طرح حد و شمار سے باہر ہیں۔
 مثلاً ایک جانور کی ذلت ہی کہ وہ کبھی کبھی اس قدر افعال و خواص پر کلاس کا مجدد غذائی
 طرف مشتاق ہوتا اور اس کو اپنی طاعت کھینچتا ہے۔ اور کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے
 کے بعد جو اسکے لئے لوازم اور ضروریات ہیں اور چھان ضروریات پر مصالح مترتب ہیں۔ یہ
 سب غور کے قابل ہیں کہ دنیا کی آبادی کا دار و مدار ان ہی امور پر ہے۔ جب مجددہ غذا کو اپنی
 طرف کھینچتا ہے تو اس کے بعد اس کو اس طرح یکا تا اور نفع دیتا ہے جس طرح منڈیا میں سان
 پیا اور تیار ہوتا ہے۔ اسکے بعد غذا کو کئی دوسرے نفع لاحق ہوتے ہیں۔ جن سے وہ بدن کے
 جمیع اجزاء قوی اور ارواح کے غذا بننے کے قابل ہو جاتی ہے۔ جب مجددہ پہلا نفع دیتا ہے
 جس سے وہ غذا سے اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔ تو اس نفع میں مسقدر وہ اپنا حصہ لیتا ہے۔
 حصہ بدن کے دوسرے اجزاء کے انتفاع کے لحاظ سے بہت ہی کم ہوتا ہے یعنی اس نفع میں
 بدن کے باقی اجزاء کے لئے زیادہ نفع پایا جاتا ہے۔ اور جب مجددہ اپنا حصہ حاصل کر چکتا ہے تو بقیہ

غذا کو اس عضو یعنی جگر کی طریقت پہنچا دیتا ہے جو اس کا نہایت محتاج ہے اور وہ بغیر قصد اور ارادہ کے اپنی حاجت کے موافق لے لیتا ہے۔ اور ان اعضا سے جو یہ کام صادر ہوتے ہیں۔ یہ انکے ارادہ اور نیت سے صادر نہیں ہوتے بلکہ اس الکیمیست کے قصد و ارادہ اور حکمت سے صادر ہوتے ہیں۔ جو ہر چیز کو جلتا دلاتا اور ہر ایک چیز پر تبادرت ہے۔ یہ سب انتظام اور تدبیر الکیمیست کی حکمت اور لطف پر مبنی ہے۔ اس کے بعد ایک کام ہے کہ وہ اس غذا کو بدن کے آیت تنگ مقامات میں پہنچانا ہے کہ جن میں انبار اسنتہ اور سنفذ نہیں ہوتا۔ کہ اس میں وہی سامکے مکر و سب اجزائے بدن کی طرف انکی حاجت کے موافق پہنچا دیتا ہے اور بدن کے ہر ایک جزو کا ہتما اور درستی غذا کے پہنچنے پر موقوف ہے۔ ہر کسی جزو کو غذا نہ پہنچے تو وہ فاسد اور خراب ہو جائے۔ اور جگر کی طبیعت اور مزاج معدہ کی طبیعت اور مزاج کے موافق اور اس کا فعل اس کے فعل کے مشابہ ہے۔ اور اسی طرح اعضاء اور باقی اعضا غذا کے تیار کرنے میں ایسے ہیں جیسا جگر قلب کے لئے غذا تیار کرتا ہے اور قلب بھی پھر اس کیلئے اور پھر پیڑ سے کا یہ کام ہے کہ وہ قلب کی طرف غذا پہنچاتا اور انکی اصلاح کرتا ہے۔ غرض ایک شخص میں جس قدر اعضا موجود ہیں۔ اگر ان میں اور انکے منافع۔ افعال اور ان حکمتوں میں غور کیا جائے جو ایک ایک شخص کے ساتھ خاص ہیں جیسے اسکی شکل۔ مزاج۔ وضع اور ترتیب اعضا وغیرہ دیگر صفات تو اس سے قطعی اور کامل یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ چیز ذاتی واحد۔ واحد اور حکیم واحد کی پیدا کی ہوئی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دنیا میں نوع انسانی کے جس قدر اشخاص افراد موجود ہیں۔ ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اس حکیم واحد کی صنعت سے ہیں۔ فہ اپنی حکمت سے بعض کو بعض کام معاون اور مددگار بنا دیا ہے اور ایک دوسرے سے متضاد ہوتا ہے۔ کہ ہل چلانے والے کھیت والوں کا کام کرتے اور کھیت والے انکی مدد کرتے ہیں۔ جو اسے درزی کے مددگار ہیں۔ اور وہ ان کا معاون ہے۔ برہٹی سمار کے کام آتا ہے اور سار اس کا مدد دیتا ہے۔ برہٹی درزی کا محتاج ہے تو وہ اس کا جتہ ہے۔ ستان بنانے والے کو سمار کی ضرورت ہے تو سمار کو تکیہ بنانے کی حاجت ہے۔ کوئی اپنے ہاتھ سے دوسرے کی مدد کرتا اور کوئی پاؤں سے۔ کوئی آنکھ سے۔ کوئی کان سے۔ کوئی زبان سے اور کوئی مال سے۔ اور چونکہ ایک آدمی اپنے تمام مصالح کے حال کرنے اور جمیع ضروریات کے بذات خود ہم پہنچانے پر قادر نہیں۔ اور نہ ایک شخص میں نوع انسانی کے تمام خواص پائے جاسکتے ہیں۔ لہذا نوع انسانی کے تمام اشخاص نبیا یا ایک شخص ہیں۔ جن میں سے ایک دوسرے کے مصالح کا معاون ہے۔ اور مجموعہ افراد میں نوع انسانی کے تمام خواص۔ صفات۔ افعال۔ وسائل

اور جو کچھ ان سے مطلوب ہے موجود ہیں۔ اور ایک شخص میں تمام خواص کا پایا جاتا تو اس سے کہیں نہ کہ ایک شخص تمام فضائل علیٰ عملی۔ قوت اور بقاء کا جامع اور مادی نہیں ہو سکتا۔ لہذا مجموعہ خواص نوع انسانی کے مجموعہ افراد میں خالق نے ولعین رکھ دیے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے کمالات انسانی کو اس کے افراد میں انکی قابلیت اور استعداد کے لحاظ سے تقسیم فرمایا ہے۔ چنانچہ جس کمال کے قابل تھا وہی اسے عطا فرمایا۔ اگر وہ اس سے اچھی اور عمدہ چیز کے قابل یا اس میں زیادتی اور ترقی کا حق نہ تھا تو چونکہ اللہ جانہ جو اول ذات ہے تو ہر کچھ ہی چیز عطا فرماتا اور زیادتی اور ترقی بخشتا۔

اللہ سبحانہ کا جو اور خیر تمام عالم میں ماری ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے جس قدر جو اور خیر کا فیضان فرمایا، اللہ کا جو اور کم کئی گئے اس سے زیادہ ہے اور وہ ہمیشہ آناً فاناً فیضان فرماتا رہتا ہے اور اسی طرح قیامت میں جب جنت میں اہل جنت کے داخل ہونے کے بعد جگہ فاضل رہ جائیگی۔ تو جنت کے اُس فاضل اور بچے ہوئے حصہ کے لئے ایک اور مخلوق پیدا کرے گا جن کو اسیں بسایا گیا۔ اُس فاضل محل اور اُس کی استعداد کی حیثیت سے فیضان ہوتا ہے۔ محل کا جو اور نہیں استعداد پیدا کرنا اور پھر اس پر اپنے فضل کا فیضان کرنا یہ سب کچھ انکی مشیت اور حکمت سے ہے۔ اور چونکہ اُس کا جو اور فضل مخلوق کی حاجت اور ضرورت سے زیادہ ہے لہذا ضروری ہے کہ اس کا جو اور فضل فاضل اور بچا ہے۔ اور انکی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب کی روشنی کہ حیوانات کے مصالح اور ضروریات اسکے بدولت سرانجام نہیں پاتے۔ مگر وہ بہت سی ایسی جگہوں میں بھی پائی جاتی۔ جہاں حیوانات یا بنی آدم کو اسکی ضرورت نہیں۔ بارش۔ نباتات جو اور کئی دوسری نعمتیں بھی اسی طرح ہیں کہ وہ ضروریات اور حوائج سے زائد ہیں۔ اور یہ چیزیں یعنی روشنی وغیرہ اگرچہ حاجت سے زائد موجود ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان میں کوئی حکمت و معایت نہیں۔ بلکہ اگرچہ یہ حیوانات کی حاجت سے زائد ہیں۔ مگر ان میں بھی بہت سی حکمتیں۔ مصالح۔ غیر ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی عطا کے علم ہونے پر دلالتیں موجود ہیں۔ اور چونکہ جو اور کریم کی نعمتیں مخلوق کی حوائج سے بڑھی ہوئی اور زائد ہیں لہذا ضروری ہے کہ بہت سی نعمتیں مثلاً پانی کھانے کی چیزیں نباتات وغیرہ حیوانات کی حاجت کے لحاظ سے بیکار پڑی رہیں۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ جب انکی کوئی ضرورت نہیں تو پھر انکے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے تو وہ شخص ایسا سوال کرنے میں جاہل اور ظالم ہے کیونکہ زمین اور اس پر چھنی چیزیں ہیں۔ انکے پیدا کرنے کی حکمت صراحتاً عقل پر ظاہر ہے اور زمین کو دیکھو کہ وہ سب آباد نہیں بلکہ اُس کا ایک تھوڑا سا حصہ آباد ہے۔

تو کیا وہ شخص یوں سوال کر سکتا ہے کہ زمین اتنی پیسہ ہوتی جتنی آباد ہے باقی زمین کا پیدا کرنا انہوں
 اور بے سود ہے چونکہ اللہ سبحانہ کا وجود وسیع اور دام ہے پس اس کا مقتضی یہی ہے کہ اس کی
 خمتیں مخلوق کی خواہش سی نہ اندازہ کی رہیں۔ اور نیز یہ اس کے علم۔ قدرت اور حکمت کے
 لوازم سے ہے۔ غرض اشیاء عالم اور ان کے احوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب
 چیزیں ایک خدا کی مصنوعات و مخلوقات ہیں جو عالم۔ قادر اور حکیم ہے اور جس نے اپنی حکمت
 سے نظام عالم کو ایک نیک میت اچھی صورت پر قائم اور اسکو ایک عمدہ حالت پر موجود کیا ہے۔
 اور باوجودیکہ اس کی مخلوقات کی کوئی حد و شمار نہیں۔ مگر سب کے افعال کو وہ ایک ایسے سلسلے
 میں لایا ہے کہ ایک کو دوسرے سے مرتبط اور بعض کو بعض کا معاون و مددگار بنا دیا۔ اور
 بعض چیزوں کو دوسری چیزوں کے لئے غایات اور اسباب قرار دیا ہے۔ یہ سب باقی
 اس سرپرست ہد ہیں کہ سب کا خالق اور رب ایک ہے جس کے قبضہ قدرت میں یہ سب
 داخل ہیں۔ خدا تعالیٰ کے افعال کی کثرت ایک وقت میں مختلف افعال کا صادر ہونا
 آثار فائنان کا صادر ہوتے رہنا۔ اور باوجود مخلوقات کے استقدر کثیر ہونے کے ہر ایک
 کے ساتھ اس کے تصرفات کا خاص طور پر تعلق ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کافی دلیل
 ہیں۔ اور اس کے علم اور حکمت پر یہ امر دال ہے کہ عالم کی یہ تمام چھوٹی بڑی چیزیں اس پر حکمت
 نظام میں داخل ہیں کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی چیزیں یہاں تک کہ بدن
 کے چمڑے میں بالوں کے مسام۔ مٹہ میں لعاب کے مترشح ہونے کی جگہیں۔ اور آئسے
 چھوٹے حیوانات میں باریک رگوں کے راستے جو اپنے صغریٰ وجہ سے اچھی طرح نظر نہیں
 آتے۔ اور جڑی سے جڑی چیزیں جیسی وہ ہوائیں جو بادلوں کو اٹھا کر اس خشک زمین کی طرف
 لے جاتی ہیں جیسے گھاس۔ پات کا نشان نہ ہو۔ پھر وہ بادل وہاں برسکتے اور اس میں
 طرح طرح کے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو کھا کر حیوانات زندہ اور تروتازہ ہوتے
 ہیں۔ اور ان کے بعض اقسام کھانے اور بعض پینے اور دواؤں کے کام آتے ہیں۔ یہ سب
 چیزیں نظام عالم میں داخل ہیں اسکو چھوڑ کر آفتاب۔ مانتاب اور ستاروں کے مستحق ہونے
 اور ان کے طلوع و غروب کے اختلاف پر نظر کرو۔ جس سے رات دن اور سال کی وہ مختلف فصلیں
 پیدا ہوتی ہیں۔ جن سے روئے زمین کی تمام اشیاء کے مصالح کا انتظام وابستہ ہے غرض
 جب تم مسئلہ عالم میں غور کرو گے۔ تو ایسا معلوم ہو گا۔ کہ یہ عظم دنیا ایک راستہ گھر کی مانند

ہے جس میں اللہ کے تمام بندے سکونت پذیر ہیں۔ آسمان اسکی چھت اور زمین بستر اور سہارا ہے۔ زمین اور آفتاب اس کا چراغ ہے۔ رات آرام کرنے کا وقت ہے اور دن روزی کھانے کا۔ بارش ان کے پینے کے لئے اور زمین کی پیداوار ان کے لئے کھانا۔ دوا میں اور میوے ہیں۔ اور حیوانات ان کے خادم ہیں۔ جن میں سے بعضے کھاتے ہیں اور بعضے سواری کے کاد آتے ہیں۔ اور بعض کے چمڑوں سے لباس بنائے جاتے ہیں۔ خواہ راست ان کے خزانے اور ذخیرے ہیں۔ غرض ہر ایک ضرورت کی چیزیں موجود اور مہیا ہیں۔ نباتات کے مختلف اقسام سینکڑوں کام دیتے اور حیوانات کے مختلف انواع سے بہت سی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ یہ امور اللہ خالق کی وحدانیت اور قدرت پر کافی دلیل ہیں۔ آسمان کا نیکوں کو نیک ہونا محض اتفاقی نہیں بلکہ یہ اسکی کمال قدرت پر مبنی ہے کیونکہ تمام رنگوں سے یہ رنگ آئیکہ۔ کے لئے زیادہ موافق اور مفید ہے۔ اطباق لکھنا ہے کہ جس شخص کی آنکھ کو کوئی عارضہ یا تکلیف پیش آئے تو دوسرا یا سیاہ رنگ چیز کو ہمیشہ دیکھا کرے۔ اسے سدا لئے اسکا حکم الحاکمین نے آسان کو بلکھارنا دیا۔ کہ نظریں اس پر ٹھیکریں۔ اور اسکی طرف دیکھنا نظر کو مضرب ہو۔ اس بات کو کہ اس قسم کا رنگ نظر کیلئے مفید ہوتا ہے لوگوں نے فکر اور تجربہ کے بعد معلوم کیا ہے۔ خالق حکیم نے ابتداء خلقت ہی میں اس بات کو ملحوظ رکھ کر آسمان کو نیلگوں بنا دیا۔ آفتاب کا اس نظام سے طلوع اور غروب ہونا یہ بھی حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں اور مصالح موجود ہیں مثلاً رات اور دن کا پیدا ہونا کہ رات آرام کا وقت اور دن روزی کھانے کا وقت ہے اگر ہمیشہ رات ہی رات ہوتی۔ تو یہی آدم کے بہت سے ضروریات اور معیشت کے سامان معطل ہو جاتے۔ آفتاب کے طلوع کرنے اور دن کے پیدا ہونے میں جو حکمتیں اور مصالح ہیں وہ تو ظاہر و باہر ہیں۔ لیکن آفتاب کے غروب ہونے اور رات گئے آنے کی حکمتیں بھی قابل غور ہیں۔ اگر آفتاب غروب نہ ہوتا تو آدمی کو کسی وقت راحت۔ آرام اور سکون میسر نہ ہوتا اور ہر وقت کام میں مشغول رہنے سے بدن بہت جلد کمزور ہو کر مرشٹ مشا جانے۔ اس کے علاوہ آفتاب کی دائمی حرارت کی وجہ سے روئے زمین کی تمام چیزیں کیا حیوانات اور کیا نباتات سب جگہ نیست و نابود ہو جاتیں۔ خالق عالم کی حکمت دیکھو کہ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کو باوجودیکہ وہ دونوں ایک ہی صنف میں عالم کے نظام و رستی اور اس کے قیام کے لئے ایک کچھ سرے کا معاون اور مددگار بنا دیا ہے۔ اور اسی طرح آفتاب کے ارتفاع اور انحطاط

یہاں بخلاف سے کئی حکمتیں اور سماعتیں ولایت رکھی ہیں مثلاً سال کی چار فصلیں رقیقہ صیف - خریف اور شتاء اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور زمین میں طرح طرح کے سائے مصالح پائے جاتے ہیں کہ جانور اور سردی کے موسم میں زمین کی حرارت اس کے اندر گھس جاتی ہے۔ اور نباتات اور درختوں میں پھلوں اور میوؤں کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور نیز ہوا کو سردی پہنچنے کی وجہ سے آس سے بارش پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان سے بارش برستی ہے جس سے حیوانات اور زمین سے اگنے والی تمام چیزیں زندہ اور تازہ ہو جاتی ہیں۔ اور حیوانات کے ذوق اور احوال طبعیہ میں ایک قسم کی قوت اور شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور موسم ریح میں درختوں اور نباتات کے طبائع میں ایک طرح کا جوش اور حرکت پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب سے درختوں اور بوڑھے میں اندر پیچھے بھٹے۔ تھے باہر نکلتے ہیں۔ اور گرمی کے موسم میں ہوا گرم ہو جاتی ہے جس کے باعث پھل اور میوے پختہ ہو کر تیار ہو جاتے ہیں اور حیوانات کے بدوں سے فیصلے تمکین پاتے ہیں اور زمین کی سطح خشک ہو جاتی ہے۔ اور مکان وغیرہ بنانے کا موقع ملتا ہے اور موسم خریف میں ہوا معتدل اور صاف ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے گرمی کی شدت اور کڑھ سے امان نصیب ہوتا ہے۔ انکے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کا بیان کرنا دشوار ہے اور اسی طرح آفتاب کا تحریک اور نقل ہونا بھی حکمت سے خالی نہیں اگر آفتاب ایک جگہ پر ٹھہرا رہتا تو عالم کے بہت سے مصالح بگڑ جاتے اور عالم کے کئی اطراف اور جہات میں اسکی شعاع اور روشنی نہ پہنچتی۔ اور بہت سی چیزیں ہمیشہ سایہ میں رہنے کی وجہ سے خراب ہو جاتیں مثلاً جن چیزوں کے اگنے پہاڑ اور مکانات وغیرہ ایسی چیزیں حاجب ہو جاتیں کہ وہ ہمیشہ سایہ میں رہتیں۔ لہذا خالق حکیم کی حکمت نے یوں چاہا کہ شروع دن میں آفتاب مشرق سے طلوع کرے تاکہ وہ چیزیں جو اسکے بالمقابل مغرب کی جانب واقع ہیں۔ ان پر اس کی روشنی پڑے پھر بتدریج حرکت کرتا ہوا مغرب میں جا کر غروب کرے تاکہ وہ چیزیں جو طلوع کے وقت سایہ میں تھیں ان پر بھی اسکی روشنی اور شعاع کا اثر پڑے۔ اور اس طرح سے تمام جہات اور رب چیزیں اسکی روشنی سے نفع حاصل کریں۔ علیٰ ہذا القیاس رات اور دن کا ایک محدود مقدار پر ہونا بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی رات یا دن نہایت طویل دراز ہو تو طبیعت سے مصالح اور منافع معطل ہو جاتے۔ اور نظام عالم بگڑ جاتا۔ اسی طرح ماہتاب کا پہلے پہل تارگے کی طرح باریکہ نظر آنا۔ اسے بعد تدریجاً زیادہ ہوتے ہوتے ماہ کامل ہو جانا

پھر ٹھٹھنے لگنا۔ اور کم ہوتے ہوتے پہلی حالت پر لوٹنا۔ اس میں بھی بہت سی حکمتیں اور مخاویق کی حکمتیں
و مناخ موجود ہیں کیونکہ لوگ اسکے ذریعہ سے مینے۔ سال۔ مہینا۔ دن۔ رات۔ سب سے پہلے بتا دیتے ہیں۔
عمر کی بقدر اور اجاہ۔ قرض وغیرہ معاملات کی مدتیں معلوم کرتے ہیں۔ اور اگرچہ یہ چیزیں
آفتاب کی حرکت کے حساب سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں۔ مگر اس سے وہی لوگ معلوم کر سکتے ہیں۔ جو
حساب دان ہوں۔ اور چاند کا حساب ایسا آسان ہے کہ اس کو ہر جاہل اور عامی بھی سمجھ سکتا
ہے علیٰ ہذا القیاس۔ چاند اور ستاروں کی کارات کی تاریکی میں منور اور روشن ہونا بھی
حکمت سے ظاہر نہیں۔ اگرچہ حیوانات کے آرام اور ہوا کے ٹھنڈا کر نیکے لئے رات اور اس
کی تاریکی کی ضرورت تھی۔ مگر تاہم اس کو محض تاریکی اس لئے نہیں بنایا کہ اگر رات بالکل اندھیرا
ہوتی۔ تو پھر اس میں سفر اور کام کاج کرنا دشوار ہو جاتا۔ لہذا اکثر اوقات دن کے چھوٹا ہونے
وقت کی غلی یا گرمی کی شدت کی وجہ سے آدمیوں کو رات کے وقت کام کرنا پڑتا ہے۔ اور
چاند کی روشنی میں بہت سے کام کر لیتے ہیں۔ اور چاند کی روشنی اس لئے ٹھنڈی بنائی ہے
تاکہ آفتاب کی روشنی کی حرارت کا مقابلہ کرے اور دن کی گرمی کو ٹھنڈا بنائے۔ اور ہر ایک
دوسرے کی کیفیت کی تیزی کو کم کر کے اس کے ضرر کو دور کر دے جس سے ایک حالت مستدل پیدا
ہو جائے۔ اور اسی طرح ستاروں کے پیدا کرنے میں بھی کئی حکمتیں اور مصالح ہیں۔ دریا اور
ختکی میں ان کے ذریعہ سے لوگ راستہ معلوم کرتے اور اوقات پہچانتے ہیں۔ اسکے علاوہ
آسمان کے لئے باعث زینت ہیں۔ ان میں اور بھی کئی مصالح ہیں جو محض اتفاق سے
جیسا کہ منکرین حکمت کا خیال ہے، حاصل نہیں۔ اور خالق حکیم نے اپنی حکمت سے کو اکب کو
دور قیم بنایا ہے۔ ایک وہ جو کبھی ظاہر اور کبھی پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جو ہمیشہ ظاہر
رہتے ہیں۔ اور انکو اس لئے ظاہر بنایا ہے کہ گویا وہ نشان ہیں جن کو دیکھ کر راستوں کے
نواقف لوگ سفر طے کرتے اور منزل مقصود پہنچتے ہیں۔ اور قیم اول میں یہ مصلحت موجود
ہے۔ کہ ان کے ظاہر ہونے سے آدمی ان امور کا پتہ لگاتے ہیں۔ جو عادتہ ان کے ظاہر ہونے کے
وقت پہلے جاتے ہیں۔ غرض دونوں قسم میں مصلحت و حکمت موجود ہے۔ ان کے علاوہ ان میں
وہ حکمتیں اور مصالح موجود ہیں جن کے معلوم کرنے سے انسان کی عقل قاصر ہے غرض اللہ
بجھانے کسی چیز کو بیکار نہیں بنایا۔ حوادث ازنیہ کے نظام کو اجرام علویہ سے اسی طرح وابستہ
کیا ہے کہ عقول بشریہ اس کا ایک شملہ کا حق معلوم کرنے سے عاجز ہیں۔ بہت سے لوگوں نے اپنے

و باغی اور ذہنی قوتی کو اُس کے معلوم کرنے کی دھن میں صرف کر دیا۔ مگر بہت تھوڑا سا پتہ چلا بلکہ جو کچھ معلوم کیا۔ اُس کو اُس سے کچھ نسبت نہیں جو ان پر مخفی رہا۔ خالق حکیم نے ایک اور لحاظ سے ستاروں کے دو نوع بنائے ہیں ایک وہ جو ہمیشہ اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں۔ یعنی فلک کے جس جزو میں گڑے ہوئے ہیں کسی میں ثابت رہتے ہیں۔ وہ صرف فلک کی حرکت سے متحرک ہوتے ہیں۔ اُنکے لئے کوئی اپنی ذاتی حرکت نہیں۔ (اور ان کو ثابت کہتے ہیں) دوسری نوع وہ ہے جو کسی خاص جگہ پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ تمام بروج میں منتقل کھنٹے اور فلک کی حرکت کے سوا وہ اپنی ذاتی حرکت بھی کرتے ہیں (انکو سب سیارہ کہتے ہیں) ان میں سے ہر ایک کیلئے دو مختلف حرکتیں ہیں۔ ایک سب کیلئے عام ہے کہ فلک کی حرکت سے مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ اور دوسری ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ انکی حرکت اُس چونی کی حرکت کے مشابہ ہے۔ جو چٹکی کے پاٹ پر گھوم رہی ہو۔ اور چٹکی ٹپکنے طرف چرتی اور چونی ٹپکی یا میں جانب جاتی ہو۔ اس حالت میں چونی کیلئے دو مختلف حرکتیں ثابت ہیں۔ ایک اپنی ذاتی حرکت جس سے آگے جا رہی ہے۔ اور دوسری چٹکی کی وجہ سے قسری حرکت ہے جس سے پیچھے کو ہٹتی ہے۔ ان ستاروں کے لئے دو مختلف حرکتیں ثابت ہیں وہ ایک فاس انداز اور زمین مقدار پر واقع ہیں۔ جس میں یہ ذرات آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ بوجب ہے کہ منکرین حکمت کیا یہ خیال ہے کہ یہ تمام نظام اور سلسلہ محض اتفاقی طور پر واقع ہے۔ اس میں کوئی حکمت یا مصاحت مقصود نہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اس میں کوئی حکمت اور مصاحت مقصود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصنوعات الہی کے بہت سے مصالح اور حکم بیان ہو چکے ہیں پس جس قدر مصالح اور حکم معلوم ہیں ان کو ان حکم و مصالح کی دلیل بناؤ جو معلوم نہیں ہوئے اور ایسا نہ کرو کہ جن مصالح و حکم تک منتقل انسانی نہیں پہنچ سکتی اور وہ مخفی اور نامعلوم ہیں۔ اُنکے نہ جاننے کو مصالح و حکم کے بطلان کی دلیل ٹھہراؤ۔ منجملہ ان حکمتوں کے جو انکی حرکت میں موجود ہیں۔ ایک یہ حکمت ہے کہ اگر کو ایک سب کے سب ثابت ہوتے تو وہ باقی معلوم نہ ہوتیں جو حرکت کرنا انکی حرکت اور بروج میں منتقل ہونے سے معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ بہت سے امور اور حوادث کے وجود پر سورج۔ چاند اور ستاروں کی حرکت سے پتہ لگایا جاتا ہے۔ اور اگر سب کے سب متحرک ہوتے تو پھر انکی حرکت کیلئے کوئی مقام اور منزل تعین نہ ہوتی اور نہ کوئی ایسا نشان ہوتا جس سے حرکت کا اندازہ کیا جاتا۔ کیونکہ سیارات کی حرکت ثابت کے لحاظ سے اندازہ کی جاتی ہے۔ سیارین پر چلنے والے کی حرکت اُس کے

مکان کے لحاظ سے معلوم کی جاتی ہے۔ غرض اگر سب نیا ثابت پر مشتمل نظام عالم کی موجودہ صورت
 جو حکمت الہی کا مقتضی ہے بگڑ جاتی۔ پس برعزیم حکیم کی تقدیر اور رب حکیم کی مصلحت ہے کہ کسی صاحب بصیرت
 کو اس امر میں کس طرح شک ہو سکتا ہے کہ یہ تمام مسئلہ اس مقدس حکیم کی تقدیر ہے جس نے اپنے
 مصنوعات کو نہایت خوبی کے ساتھ مضبوط بنا دیا۔ اور اس کے بعد امور پر بار حکم کیا
 وہ نکتہ صراح اور مخلوقات کے مبالغہ جو مصنوعات میں موجود ہیں اور تعالیٰ کی حکمت کی ایک
 نہایت قوی دلیل ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ عقل فطرت اس بات پر مشاہدہ ہیں کہ اللہ سبحانہ کی حکمت
 بابرہ قدرت قادر اور اس کا علم نام اور محیط ہیں۔ اور اس نے کسی چیز کو بیکار نہیں بنایا۔ اور کسی شے
 کو حکمت سے خالی نہیں پیدا کیا۔ اور اسی طرح گرمی اور سردی کے بالدرجج آنے میں حکمتیں اور
 مصالح ہیں موجود ہیں حیوانات اور نباتات کا قیام دلالت اسی قدر مستقیم تصور ہے کہ گرمی کے
 بعد سردی بالدرجج ہو اور سردی کے بعد دھند گرمی پیدا نہ ہو۔ بلکہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً پیدا ہو
 اگر ایک دوسرے کے بعد دھند پیدا ہو جاتی تو حیوانات اور نباتات اس کے تحمل نہ ہو سکتے۔
 اور تدریجاً پیدا ہونے میں نیز کسی ضرر اور نقصان کے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب
 اشیاء یعنی گرمی۔ سردی۔ وغیرہ بذریعہ ایسے اسباب کے پیدا ہوتی ہیں۔ جو حکم اور مصالح کا نشان
 ہیں حکمت کے اثبات سے سبب کا بطلان اور سبب کے اثبات سے حکمت کا عدم اور نہ حکمت
 اور سبب دونوں کے ثابت کرنے سے مثبت الہی کا انکار لازم آتا ہے۔ پس جو حکمت سبب اور
 مثبت الہی میں سے کسی ایک کے اثبات سے دوسرے کا انکار کرتے ہیں۔ وہ عقل اور علم نہایت
 سے بے بہرہ ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس آگ کے پیدا کرنے اور اس کو ان چیزوں کے اندر جن میں پیدا کی
 گئی ہے پوشیدہ رکھنے میں کئی حکمتیں اور مصالح موجود ہیں۔ اگر آگ مٹی ہو اور پانی کی طرح ظاہر
 ہوتی۔ تو عالم کی تمام چیزوں کو جلا کر رکھ دیتی۔ اور چونکہ ضرورت کے وقت اس کا ناپا ہر ہونا
 ضروری تھا۔ لہذا خالق حکیم نے اس کو اجسام کے اندر اس طور پر پوشیدہ رکھا۔ ہے کہ ضرورت کے
 وقت جلانے سے ظاہر ہو جاتی اور حاجت کے موافق ایندھن اور لکڑیوں میں باقی رہتی۔ اور
 پھر جب ضرورت نہ رہے تو بجھ جاتی ہے۔ خالق نے اس کو ایسی خلقت اور انداز پر بنایا ہے
 کہ اس سے نفع حاصل ہو جاتا اور اس کے ضرر سے بچاؤ رہتا ہے۔ آگ میں ایک خاص بات یہ ہے
 کہ اس کو صرف آدمی استعمال کرتے ہیں دوسرے حیوانات آگ استعمال نہیں کرتے۔ اور نہ اس
 سے منتفع ہوتے ہیں۔ اور چونکہ حکمت الہی کا یہی مقتضی تھا اسلئے حیوانات کو کھانے اور پینے کے

وہ اس سے ٹکڑا ہو جاتی ہے پھر اسکو ایسی جگہ لے جاتی ہے جہاں نباتات اور حیوانات کو پانی کی سخت ضرورت نہ ہو۔ اور وہاں لپکا کر آسکے پانی کو بخورنے لگتی ہے جس سے اس کا تمام پانی خارج ہو جاتا ہے اور پھر اس پانی کو متفرق طور پر قطرہ قطرہ کر کے پھیلا دیتی ہے تاکہ وہ دفن نہ کرے۔ اور کی بارگی کرنے سے وہ چیزیں جن پر گرسے ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد نباتات کو پانی انکی تربیت کرتی اور ان کے حق میں پانی اور غذا کا کام دیتی ہے۔ پھر انکو اپنی مزارت سے خشک کرتی ہے تاکہ متعفن نہ ہو جائیں اور کچھ عرصہ تک ان کا لقا ہو سکے۔ اور اسی واسطے اللہ سبحانہ کی حکمت کا ایک مہم پڑی ہو گئیں۔ کہ پودوں کے طبعات و خات اور جہات مختلف ہوں۔ جہاں یہ مختلف کام۔ انجیام پذیر ہو گئیں۔ مگر منکرین حکمت کا خیال ہے کہ یہ سب بعض اتفاقی امور ہیں۔ انکے لئے کوئی سبب اور غایت نہیں۔ اور اگر ہم تمام مصنوعات کے مصالح و منافع بیان کرنے لگیں۔ تو اس کے لئے ہی دفتر چاہئے۔ بلکہ اگر صرف ایک انسان کی خلقت اور اس کی حکمتیں و مصلحہ کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کریں تو میری کیا ہستی ہے تمام اہل زمین انکو بالتفصیل معلوم کرنے سے عاجز آجائیں :

اس واسطے ہم اسی قدر پر اکتفا کر کے چوبیسواں جواب بیان کرتے ہیں۔ منکرین حکمت و تعلیل کا یہ قول کہ ابلیس اور اس کی جماعت کے پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں وہ حکمتیں ہیں کہ اللہ سبحانہ کے سوا انکی تفصیل سے کوئی واقف نہیں۔ اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے انبیاء اور اولیاء کو مراتب عبودیت کے کمال کو اس طرح پہنچائے کہ وہ اس اللہ کے دشمن اور اس کی جماعت کے ساتھ جہاد انکی مخالفت اور انکو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ذلیل کریں۔ اور اس کے دوستوں کو خفا و غضب میں لائیں۔ اس سے خدا کی پناہ مانگیں اور اپنے اللہ سے سوال کریں۔ کہ وہ اپنے فضل سے اسکے شر اور فریب سے بچائے۔ اور اس کے وجود پر انبیاء اور اولیاء کے حق میں رہ دینی اور اخروی مصالح مترتب ہوں۔ جو اس کے وجود کے بدوں تصور نہ تھے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو۔ وہ اسکے بدوں موجود نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ ابلیس کے حال کے مشاہدہ اور مرتبہ نیکی سے مرتبہ ابلیسی میں گرنے کو دیکھ کر لاکھ اور مومنین پائے گناہوں سے ڈرتے ہیں۔ اور انکو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا کمال درجہ خوف پیدا ہو۔ اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ جب ملائکہ نے ابلیس کے حال کو دیکھا تو انکے نفوس میں پہلے سے نیا وہ خوف پیدا ہوا۔ اور خدا کے سامنے

اپنی عاجزی۔ عبودیت اور خضوع زیادہ کرنے لگے۔ اسکی مثال اسطرح ہو سکتی ہے کہ جب دیس کا کوئی بادشاہ یا حاکم اپنے نواح میں سے کسی کو سخت ذلیل، در خوا کرے تو اس کو دیکھ کر سب کے دلوں میں بہ نسبت سابق خوف اور ہیبت زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور اس میں ایک عجبت ہے۔ کہ اللہ سبحانہ نے اسکو ان لوگوں کے لئے باعثِ عبرت بنایا ہے جو اس کے حکم کی مخالفت کرنے، اس کی طاعت سے نکل چڑھتے۔ اور اسکی نافرمانی پر جے رہتے ہیں جیسا کہ آدم علیہ السلام کے گناہ کو ان لوگوں کیلئے باعثِ عبرت بنایا جو اس کام کے مرتکب ہوں جس سے اس نے منع کیا یا اس کے حکم کی نافرمانی کریں اور نادام ہوں اور اپنے بعد و گار کی طرف رجوع کریں۔ خالقِ عظیم نے جنات کے باپ شیطان اور انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام کو گناہ میں مبتلا کر کے دونوں کو دوسرے لوگوں کے لئے باعثِ عبرت بنایا۔ شیطان کو تو ان لوگوں کے لئے عبرتِ ثبیر یا جو ہمیشہ خدا کی نافرمانی پورا کرتے ہیں اور آدم علیہ السلام کو ایسے لوگوں کے واسطے عبرت بنایا۔ جو گناہ کرنے کے بعد توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دیکھو! میں اللہ سبحانہ کی کتنی عکستیں کا ملہ اور آیاتِ ظاہرہ موجود ہیں۔ اور ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ نے اسکو اپنے بندوں کے پرکھنے اور امتحان کے لئے کسوٹی بنایا ہے تاکہ اچھے اور بُرے ممتاز ہو جائیں چونکہ اللہ سبحانہ نے نوعِ انسانی کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور مٹی کے مختلف اقسام ہیں۔ کوئی سخت اور کوئی نرم۔ کوئی عمدہ اور کوئی خراب۔ پس ضرور ہے کہ انسان میں اس کے ماننے کا اثر ظاہر ہو جیسا کہ حدیثِ مرفوعہ میں ہے کہ کوئی آدمی نے روایت کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی کی ایک شے سے پیدا کیا جس کو تمام زمین سے لیا گیا۔ اسی واسطے بنی آدم مختلف طرح پر ہوتے ہیں کوئی اچھا۔ کوئی بُرا۔ کوئی نرم مزاج اور کوئی تند خود غیرو۔ غرض ہر کچھ مادہِ مصلیٰ میں ہو اس کا اثر مخلوق کے اندر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا حکمتِ الہی کا یہ تقاضا ہوا کہ اس کے آثار کا ظہور ہو۔ اور اس کے لئے کوئی سبب ہونا چاہئے جو انکو ظاہر کرے۔ اسلئے ابلیس کو کسوٹی بنایا۔ جس سے کھرا کھٹا اور بھلا۔ بُرا ستر جائیں۔ چٹخ کا انبیاء اور سلبین علیہم السلام کو بھلا۔ بُرا ممتنا کرنے کے لئے کسوٹی بنایا ہے چنانچہ فرمایا ہے مَا كُنَّا لَنَدْرِيكَ سِرَّ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰی كُنَّا نَحْشِيكَ مِنَ الْقَلْبِ (مناقب) اللہ اس میں کہ جس مال میں تم ہو اچھے بُرے کی تمیز کے بدوں اسی حال پر ہونوں کو دیکھو! تمہارے ساتھ ملا بھلا رہنے دے! اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کی طرف انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اور ان میں دو قسم کے لوگ اچھے اور بُرے

نگذیب کرینگے اور ان کے ساتھ عداوت رکھینگے اور اس پر اللہ سبحانہ کی قدرت کے وہ عجائبات اور معجزات
 ظاہر ہونگے جن کا وجود اللہ سبحانہ کو محجوب اور اسکے پیادے بندوں کے حق میں نہایت نافع ہوگا۔
 جیسا کہ نوح علیہ السلام کے طوفان اور موسیٰ علیہ السلام کے غمناک و بدترین حال میں جبرائیل علیہ السلام کے آگ میں ڈالا جانے
 اور اس کے باغ ہو جانے کے آیات و معجزات ظاہر ہوئے ہیں۔ جو اس کی قدرت و حکمت
 اور علم کی قطعی دلیل اور شاہد ہیں۔ جب ان چیزوں کا وجود ابلیس اور اسکے گروہ کے پیدا کرنے پر
 مترتب ہے اور یہ ان اشیاء کے موجود ہونے کا سبب ہیں۔ تو ابلیس اور اس کی جماعت کا پیدا کرنا
 ضروری ہوا۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ آگ کے مادہ میں کئی مختلف اور
 موجود ہیں۔ اس وقت کہ چنیوں کو جلا نا (علو بلندی) تھارہ۔ اشراق۔ انواریت اور روشنی میں اس کا
 نہ ہونا سبب امور کو ظاہر فرمایا۔ پہلے تین امور شیطان اور جنات کے پیدا کرنے سے ظاہر ہوئے
 اور پچھلے تین امور آگ کے جلانے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جس طرح کبھی کے مادے میں مختلف
 اقسام تھے۔ اچھے بُرے۔ سخت۔ نرم۔ مرخ۔ سیاہ اور سفید وغیرہ اور اللہ سبحانہ نے اپنی قدرت
 قاہرہ اور حکمت کاملہ سے تمام اقسام کے آثار کو ظاہر فرمایا ہے۔ یہ امر اس بات پر شاہد ہے
 کہ وہ چونکہ اوتھیل جمع اور بصیر ہے۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ وہ
 اللہ سبحانہ کے اس لئے جس کے خائن۔ رافض۔ معز۔ ملق۔ علم۔ عدل۔ مستقیم وغیرہ اسماء ہیں۔
 اور یہ اسماء کے تعلقات کو چاہتے ہیں۔ جن میں ایک امر کام و آثار ظاہر ہوں جس طرح کہ احسان۔
 رزق۔ رحمت وغیرہ صفات اپنے آثار کے ظاہر ہونے کے لئے متردلات کا اقتضا کرتے
 ہیں۔ اور ہر ایک کے ظہور کے لئے اس کے تعلقات کی ضرورت ہے۔ ابلیس کے پیدا کرنے
 میں ایک حکمت ہے۔ کہ اللہ سبحانہ ممکنات نامہ کا نامک ہے۔ اور ممکنات کے کمال و اوزم سے
 یہ بات ہے کہ اس کا تصرف علم ہوا وہ ہر ایک قسم کا تصرف کرنے پر قادر ہو مثلاً ثواب اور
 عقاب۔ اکرام اور امانت۔ عدل اور فضل۔ اعزاز اور اذلال یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہو۔
 اور اس طرح ہر باب اپنے تصرف کے ایک نوع کے لئے متردلات کو پیدا کیا ہے۔ تو دوسرے
 نوع کے متردلات کو پیدا کرنا بھی ضروری ہو گا جیسا کہ اس کے لئے متردلات کو پیدا کیا ہے۔ جو اکرام و اعزاز
 کا مظہر ہیں تو ایسی مخلوق کے پیدا کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ جن میں اذلال و امانت کے
 آثار ظاہر ہوں۔ اور نیز اس کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے ایک اسم
 حکیم اور اس کے صفات میں سے ایک صفت حکمت ہے۔ اور حکمت اس بات کو مستلزم ہے کہ

ہر ایک چیز کو اس کے مناسب موقع پر رکھا جائے۔ پس اللہ سبحانہ کی حکمت نے یہ چاہا کہ متخالف اور متضاد چیزوں کو پیدا کیا جائے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ایسے احکام۔ صفات اور خواص کے ساتھ مخصوص کیا جائے جن کے وہ قابل اور لائق ہو۔ حکمت کا کمال اسی میں منصف رہے۔ اور ابلیس اور اس کی جماعت کو پیدا کرنا جس طرح اللہ سبحانہ کی کمال قدرت پر وال ہے۔ اسی طرح اس کے کمال حکمت پر شاہد ہے۔ اور نیز اس میں یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ میں کمال کمال حمد کے ساتھ موصوف ہے۔ پس وہ اپنے ان صفات و افعال۔ عدل۔ منع۔ بغض۔ انتقام۔ امانت پر ایسا ہی محمود ہے۔ جیسا ان کے مقابل صفات و افعال۔ فضل۔ عطا۔ رفیع۔ اکرام پر محمود ہے۔ غرض ہر ایک صفت پر اللہ سبحانہ کمال حمد کے ساتھ موصوف ہے اور وہ اپنے تمام صفات و افعال پر خود اپنی حمد فرماتا ہے۔ ملائکہ۔ انبیاء علیہم السلام۔ اولیاء کرام۔ اللہ سبحانہ کے تمام صفات و افعال پر اس کے حامد ہیں۔ اور جمیع اہل معرفت بھی جملہ صفات پر حمد کرینگے۔ اور اللہ سبحانہ کا ہر ایک صفت پر کمال حمد کے ساتھ موصوف ہونا اس کے کمال حمد کے لازم سے بجا اور جہیز کمال کے لازم سے ہر ایک صفت کے۔ پس کمال حکمت پس ایک چیز کے پیدا کرنے میں جہیز کمال حمد و کمال حکمت متصوہ ہے تو اس کو معطل کرنا جائز نہیں جیسا کہ اس کی حکمت کو معطل بغیر انا درست نہیں بنیں ابلیس اور اس کی جماعت کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ اپنے بندوں پر اپنا علم۔ صبر۔ وقار اور اپنی رحمت اور جود کی رحمت کو ظاہر فرمائے۔ اس لئے اس کی حکمت نے یہ چاہا کہ کچھ ایسی مخلوق بھی پیدا کرے جو اس کے ساتھ اوروں کو شریک بنائیں اور اس کے حکم کی مخالفت کریں۔ صرف مخالفت نہیں بلکہ مخالفت کرنے میں کوشش اور اس کے نافوش کرنے میں پوری سعی کریں۔ مگر باوجود ان باتوں کے وہ انکو رنگ برنگ کھانے کی عمدہ چیزیں عطا فرمائے۔ آرام و عافیت۔ نئے اور لذت کے طرح طرح کے سامان اور قسم قسم کی نعمتیں اور ذاتی کرے۔ انکی دعاؤں کو قبول اور انکی تکلیفوں کو دور فرمائے۔ اور اپنے احسان اور لطف سے انکے برتاؤ کو رشاد اور نافرمانی کے برخلاف انکے ساتھ معاملہ کرے۔ اللہ سبحانہ کی اس میں کتنی حکمتیں ہیں اور وہ کیا کریم۔ محمود اور اپنے پیارے بندوں کا محبوب ہے جو اپنے طبع طبع کے کمالات سے بچا جاتا ہے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص تکلیف سننے پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹھا قرار دیتے ہیں۔ اور وہ انکو روزی بخشا اور عافیت دیتا ہے اور نیز صحیح حدیث میں

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اے ابن آدم تو میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ میری طرف سے تو خیرات تجھ پر نازل ہوتی ہیں اور تیری طرف سے شر اور بُرائی میرے پاس پہنچتی ہے میں تو اپنی نعمتیں لیکر تجھ سے کتنا پیار کر رہا ہوں حالانکہ مجھے تیری کوئی حاجت نہیں اور تو گناہوں اور نافرمانیوں سے کس قدر مجھے بغض پیدا کر کے اور تجھے ہر بات میں میری حاجت ہے اور بزرگ فرشتے ہمیشہ تیرے برے عمل لیکر میرے پاس پہنچتے ہیں۔ اور صبح حدیث میں ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو فناء کر کے ایسی مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کیستے اور گناہ کرنے پر اس سے مغفرت مانگتے اور وہ ان کے گناہوں کو حائل فرما دیتا۔ غرض چونکہ اللہ سبحانہ کو اپنے اسماء و صفات کے آثار و احکام کا حضور محبوب ہے لہذا اس کی محمدویت اور حکمت کا ایقضا ہوا کہ ایسی مخلوق کو پیدا کرے جس میں اسماء و صفات کے آثار و احکام ظاہر ہوں۔ پس صفت عفو کے محبوب ہونے کی وجہ سے قبلت لوگوں کو پیدا کیا جس سے عفو کرنا آسان ہو۔ اور مغفرت کی محبت کے باعث وہ لوگ پیدا کئے جو لائق مغفرت ہوں۔ اور ان کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ نے علم اور جبر فرمائے اور جلدی سے ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے بلکہ ان کے امان کو محبوب دلپذیر رکھے۔ اور عدل اور حکمت کی محبت کے سبب ان لوگوں کو پیدا کیا جس میں عدل و حکمت ظاہر ہو۔ اور جود و احسان اور برکت کی محبت کے باعث ان لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانی اور بکراہی کریں۔ اور اللہ سبحانہ ان سے ساتھ مغفرت اور احسان کا برتاؤ کرے پس اگر ایسی مخلوق پیدا نہ ہوتی جن سے طرح طرح کے گناہ اور احکام الہی کی مخالفت صادر ہو تو یہ تمام حکمتیں اور مصالح بیکار رہتیں۔ یہی کئی دینے زیادہ حکمتیں اور مصالح فوت ہو جاتے پس اللہ سبحانہ کی ذات ایسی باریک و آریہ۔ انکم انجائیں ہے کہ جس کی حکمت کاملہ اور نعمتیں کاملہ اس کی قدرت کی طرح بے انتہا اور بے پایاں ہیں۔ اور جس طرح کہ ہر چیز میں اس کی قدرت قاہرہ کا اثر موجود ہے اسی طرح ہر ایک شے میں اس کی حکمت کاملہ کا ظہور ہے اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کی حکمت کاملہ کے لحاظ سے ایسا ہے جیسا کہ بحرِ حیا سے ایک قطرہ عقول بشریہ کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ سبحانہ کے کمال حکمت کا احاطہ کر سکیں سب کی سب اس کے ادراک سے عاجز و ضعیف اور قاصر ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ اس مبعوض مخلوق یعنی ابلیس اور اس کی جاہلیت کے واسطے سے اللہ سبحانہ کی کتنی محبوب اور پسندیدہ چیزیں حاصل ہوئیں۔ اور کامل حکیم کا یہی کام ہے کہ وہ محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے مکر وہ

از مغوش چیز کے تھل کی روایت ہے کہ وہ ایک معمول کیلئے وسیلہ اور سبب ہو اور چونکہ
 اللہ سبحانہ کی کتب محبوب اور سہل و پیروز کے حصہ کے لئے ہیں اور اس کی جماعت
 کا جو نہ وری اور لایم۔ جہ اور ملزم کہ بدول لازم موجود ہونا محال ہے لہذا البلیس اور
 اسکی جماعت کا وجود ضروری ہوا۔ اگرچہ البلیس اور اسکی جماعت کے موجود ہونے سے
 بہت سے شر و اوصاف کا لہر ہوا۔ لیکن اس کے اور کسی جماعت کے موجود ہونے سے
 وہ طاعت بھی موجود ہوتی نہیں ہو لہذا یہاں سے نزدیک سے نیا سیرت محبوب اور پسندیدہ ہیں۔
 مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ افسوس کہ شہداء اللہ اور تمام شہداء کی مخالفت نہ کرنا اور اللہ سبحانہ کی
 محبت اور رضا منہ کی پیروی نہ کرنا اور نکالیت نہ کرنا۔ کیونکہ حبیب اور محشوق اس
 بات پر نہایت خوش ہوتا ہے۔ لہذا وہ اپنے محبوب اور عاشق کو اپنی محبت میں تنالیف اور
 مصداق حبیلتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس کی اپنی محبت کا اندازہ ہو کہ کسی شاعر نے کہا ہے
 یوم ابی یوم قل ابخلک منی یا ارحمکم الدعا مینہ والحدود شتی زرنی

میں نے تیری خاطر اپنے خزانے کو زمین ہمارے یعنی داسدوں اور دشمنوں کے سامنے ذیل
 کر رکھا ہے تاکہ تو رہتی رہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے کہ میرا مطلوب یہ ہے کہ میرے
 بند سے میری رضا مندی کیلئے تنالیف برداشت کریں۔ اللہ کے پیارے بندوں کا اسکی
 رضا مندی کیلئے اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں تنالیف اٹھانا اللہ سبحانہ کو نہایت محبوب
 ہے۔ یہ تنالیف انیکر جن میں از عا میند نافذ اور انکا انجام بہت ہی اچھا ہے۔ اور ان کو
 جھیلنے کے سبب اپنے حبیب حقیقی کی بارگاہ میں وہ عزت اور قرب حاصل کرتے ہیں۔ جو
 انکی دائمی خوشی کا موجب ہے۔ لہذا اللہ سبحانہ کی محبت کے منکرین پر اس خوشبو کا سونگھنا یا
 اس دردازہ سے داخل ہونا یا اس شراب کا پکھنا حرام ہے۔ کیونکہ عرنے کیا خوب کہا ہے

فقل تلعبون النعمی للشمس اعین
 و سابع یوم ساء لکم کل لخبثہم
 سواک براکھا فی مہینہ و مطلع
 فمما یحسن من الخصب فی کل موضع

اے مخاطب انہی انگھوں سے کہہ دو کہ تمہارے سوا اور انکھیں ایسی موجود ہیں جو آفتاب کو
 غروب اور طلوع کرتے دیکھتی ہیں (نہ نے نہ دیکھا تو کیا ہوا تمہارے نہ دیکھنے سے تم آفتاب کی
 نعمی نہیں ہو سکتی) اور اس نا امید کو جو محبوب کی محبت کے لائق نہیں جانے دو کیونکہ ہر ایک جگہ
 تخصیص کرنی مستحسن نہیں۔ اگر انہیں اللہ اسکی جماعت نے اللہ سبحانہ کی نافرمانی کر کے اس

کو ناخوش کیا ہے تو انبیاء و مرسلین اور جسکے پیارے بندوں نے انکی مخالفت کر کے اس سے زیادہ اُسکو خوشی اور خوش کیا ہے۔ اندرِ رضا مندی اُس ناخوشی سے بہت ہی زیادہ ہے اور اگر گناہگار کے گناہوں اور بُرائیوں سے اللہ سبحانہ ناخوش ہوتا ہے تو اپنے بندے کے توبہ کرنے پر زور دیتی فرماتا ہے: "لیکن تاکہ اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے کہ جس کی وہ سواری کہیں پر اُس کے کھانے پینے کا بھی مسلمان تھا ایک جگہ بیان میں تم جو گئی تھی۔ اور پھر اُسکے مٹنے پر اسقدر خوش ہوا تھا کہ اپنے آپ سے باہر ہو گیا۔" پس اور اسکی جماعت کی طرف سے جو نکالیف انبیاء علیہم السلام کو پیش آئی ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ سبحانہ کی ناراضگی کا باعث ہیں۔ لیکن اُنکے مقابل میں جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے صادر ہوا وہ اللہ سبحانہ کی نہایت خوشی اور رضا مندی کا موجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اُن سے لڑائی اور جنگ کیا۔ انکی نافرمانی اور سخت مخالفت اختیار کی۔ اُنکو ذلیل و خوار کیا۔ اور غیظ و غضب میں ڈال دیا۔ یہ رضا مندی بہت زیادہ اور اللہ سبحانہ کے نزدیک ان ناپسند اور مکروہ امور کے عدم سے جو ان مرفیات کے عدم کو مستلزم ہے زیادہ اچھی ہے۔ آدم علیہ السلام کے دانہ کھانے سے اگرچہ اللہ سبحانہ ناخوش ہوا۔ مگر پھر اُن کی توبہ۔ انابت۔ تذلّل۔ انکسار اور خضوع سے رضی اللہ خوش ہو گیا۔ کفار کا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے سے نکالنا بیشک اللہ سبحانہ کی ناخوشی کا باعث تھا۔ مگر پھر آپ کا فتح کرتے ہوئے اُس میں داخل ہونا جس سے ہزاروں بندگانِ خدا دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔ اللہ سبحانہ کی نہایت خوشی کا سبب ہوا کفار کا اللہ کے پیارے بندوں کو شہید کرنا اور اُنکے گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا بلاشبہ اللہ سبحانہ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ مگر ان کا وہ حیات جاودانی حاصل کرنا جس سے کوئی زندگی زیادہ لذیذ۔ عمدہ۔ با آرام اور پاکیزہ نہیں۔ اللہ سبحانہ کی کمال خوشی کا سبب ہے۔ اور اگرچہ بندوں کے معاصی اور گناہ اللہ سبحانہ کی ناخوشی کا موجب ہیں۔ مگر بلائیکہ۔ انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اُس کے پیارے بندوں کے طفیل گناہگاروں پر اسکی منفرت۔ عفو۔ بردہ۔ کرم اور جود کا وسیع ہونا اور اُن کا ان اوصاف کے ساتھ اللہ سبحانہ کی ثنا۔ حمد اور بزرگی بیان کرنا اُس کے نزدیک ان معاصی اور ان محبوب چیزوں کے عدم اور فوت ہونے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محمودیت ان تمام صفات کی اصل اور ماں سب کو جامع ہے اور سب سے خالق اور امر کی دار مدار اسی پر ہے۔ جمیع اعتبارات اور تمام تصرفات

کے لحاظ سے من کی موجودگی نہ تھا نہ کمال حمد کا مستحق ہے پس اللہ سبحانہ نے ایسی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ اور
ایسا کوئی حکم صادر نہیں فرمایا جس میں اس قدر مستحق حمد و تعریف نہ ہو اور جہاں تک مخلوق اور امر کا سلسلہ پہنچتا
ہے اسی کے مرتبہ تک اس کی حمد کو سمجھنا چاہیے۔ اور اگر وہ جہاں کو اپنی حمد و ثنا محبوب و پسند ہے۔ اور
اس کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے بندے خالق اور امر کے سلسلہ کی ہر ایک چیز میں اس
کی حکمت بالغہ کا اقرار کریں۔ پس اس کی حکمت کا انکار کرنا گویا اس کی حمد کا انکار ہے غرض
اس طرح کہ وہ مودعینہ کے ساتھ موصوف ہے اسی طرح حکمت کے ساتھ موصوف ہے۔ اور
اس کی حمد حکمت اس کے علم قدر و ثناء اور نیات کی طرح اس کی ذات کے لازم سے ہے۔ اور
اس کی کسی صفت اور اسم کو اس کے آثار و احکام سے معطل قرار دینا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ نقص
اور عیب کے مستلزم ہے جو اس کی ذات کے کمال و کبریا اور عظمت کے خلاف ہے۔
اور اسکی توضیح پچیسواں جواب ہے جس طرح کہ اللہ سبحانہ کے صفات کمال اور حمد و ثناء کے افعال
میں سے پھر میں کہ وہ جو عطا اور بخشش فرماتا ہے اسی طرح اس کے افعال میں سے پھر بھی ہے کہ
وہ پناہ دیتا۔ نصرت کرتا اور فریاد سی فرماتا ہے۔ پس وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے جس طرح کہ
اسکی خیرات کے امیدوار ہیں۔ اسی طرح ان چیزوں سے جو اس کی راہ سے دور کرنے والی اور اس
کی اطاعت میں حارج ہوں۔ اس کی پناہ طلب کریں۔ اور بادشاہ کا کمال ہی ہے کہ اس کی صیغ
رعایا و فرما بندگان لوگ اسکی خیرات کی امید رکھیں اور مخالفین اور دشمنوں سے پناہ طلب کریں
چنانچہ اس مضمون کو مشہور شاعر احمد بن حنین کنڈی المعروف مقبلی نے ان اشعار میں جو کسی
بادشاہ یا حاکم کی مدح میں کہتے ہیں بیان کیا ہے۔

يَا مَنْ آوَذِيهِ فِيمَا آوَىٰ مَسْكَةً وَمَنْ آوَذِيهِ مِمَّا أَحَازِمُهُ
لَا يَجْزِي النَّاسَ عِظْمًا أَلَدًا كَأَسْرَةٍ وَلَا يَهَيِّضُونَ عِظْمًا إِنَّتَ جَائِمُهُ

وہ ممدوح تو وہ شخص ہے کہ جس سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور خطرے اور خوف کی تمام چیزوں
سے میں اسکی پناہ چاہتا ہوں جس کی کو تو ترے لوگ نہ کر سکتے اور جس کی کو تو درست کر لے لوگ
کی کیا مجال ہے کہ اسکو ترس سکیں۔ اگر متنبی اشعار کو پڑھو گے تو ذائقہ کی تعریفیں کہتا تو سعادت سے بہرہ مند
ہوتا اپنے جیسے بندے اور مخلوق کے حق میں کہنے سے بجز شقاوت اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ غلام
کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو نیک لوگ ہے یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے حصول خیرات کی اس سے
انتظار اور ضرورت سے بچتے کے لئے اس کی پناہ طلب کریں۔ چنانچہ اپنے پیارے رسول کو قرآن کریم

میں نغود جگہ حکم فرمایا ہے کہ شیطان جہیم سے اللہ تعالیٰ نے کی پناہ مانگا کریں۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے پیسے بندے کو اس کے دشمن سے پناہ دیتا ہے اس کے شر سے اس کو بچا لیتا ہے۔ تو اس سے اللہ کے بندے پر اس کی کمال نعمت کا اظہار ہوتا ہے۔ دشمن سے پناہ دینا اور اس کے شر سے بچانا کچھ کم نعمت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے چاہتا ہے کہ اپنے بندوں پر اپنی نعمت کو کمال فرمائیے اور اپنی نصرت، حمایت اور دشمنوں پر غالب کرنا یہ سب نعمتیں اُن پر ظاہر کرے۔ اور ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ جس سے اللہ کے بندوں کے قلوب پر خوشی سے بارش دھاتے ہیں اور اسی سے اللہ سبحانہ کا ہر اور انصاف ظاہر ہوتا ہے۔ گری شاعر نے خوب کہا ہے کہ

وَمَا مِنْهُمَا إِلَّا لَهُ فِيهِمْ حِكْمَةٌ
لِيُفْضِلَ مَعْنَى إِذْ سَأَلَ أَهْلُ بَابِ

راکونی امر ایسا نہیں جیسے حکیم کی وہ حکمت نہ ہو کہ جس کے اور آپ سے جستجو کرنے والے قاصر ہیں، چھبیسواں جواب۔ سکرین حکمت کا یہ کہنا کہ قیامت تک ہمیں کبے باقی رکھنے اور دنیا کے دنیا سے پرستیدہ کرنے میں کوئی حکمت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ سبحانہ کی دہشتاں حکمتیں ہیں بن کے ہر ایک سے وہم قاصر و عاجز ہیں۔ بخدا اُن کے ایک حکمت ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے ابلیس کو بندوں کے امتحان اور آزمائش کیلئے کسوٹی بنایا جس سے بھلا بڑا۔ دشمن اور دوست ممتاز ہو جائیں۔ تو اس کی حکمت نے یہ چاہا کہ اُس کو قیامت تک باقی رکھے تاکہ جو غرض اس سے مطلوب ہے وہ حاصل ہو۔ اور اگر ابلیس کو قیامت کے پہلے فنا کر دیتا۔ تو یہ غرض پوری نہ ہوتی۔ اور اسی طرح کفار کو قیامت تک دنیا میں باقی رکھنا۔ کیونکہ اگر انکو ہلاک کر کے تمام دنیا مومنین سے آباد کرنا تو بہت سی حکمتیں جو انکے باقی رکھنے میں حاصل اور بیکار ہو جائیں، پس جرح کا اللہ سبحانہ نے اپنی حکمت کے تخصیص سے آدم علیہ السلام کا امتحان کیا۔ اسی طرح اس کی حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ انکی اولاد کا بھی امتحان اور آزمائش ہو تاکہ جو لوگ ابلیس سے دشمنی اور مخالفت کریں۔ انکے لئے سعادت اور جو اُس سے دوستی اور موافقت کریں۔ انکے لئے شقاوت حاصل ہو۔ اور اس میں ایک حکمت ہے کہ جب اللہ سبحانہ کے علم اور حکمت میں ثابت ہو چکا ہے کہ ابلیس آخرت کی قیمتوں سے محروم ہے اُسکے لئے اُن میں سے کوئی حصہ نہیں۔ اور حکم الہی کی نافرمانی کرنے سے پہلے وہ کچھ عبادت اور طاعت کر چکا تھا۔ تو اس طاعت اور عبادت کا عوض اور بدلہ اُسے یہ دیا کہ اُس کو آخر زمانے تک باقی رکھا کیونکہ اللہ سبحانہ کسی ظلم کر کے اُس کے نیکہ عمل کا بدلہ ضائع نہیں کرتا۔ مومن کو دنیا اور آخرت دونوں میں اسکی نیک

اعمال کا بدلہ دیتا ہے اور کافر جو نیک کام کرتا ہے تو اس کا عوض اسکو دنیا ہی میں دیتا ہے اور جب آخرت میں جائیگا تو نیک اعمال سے خالی ہوگا چنانچہ یہ مضمون صحیح حدیث میں بھی معلوم سے ثابت ہے۔ اور ہمیں ایک حکیمیت ہے کہ ابلیس کو آخرت میں نہ تک باقی رکھنے ہیں۔ اسکی کچھ عزت و حرمت نہیں بلکہ اسکی زیادہ ذلت اور رسوائی ہے کیونکہ اگر پہلے ہلاک کیا داتا تو یہ اس کے لئے بہتر اس کے عذاب کی تخفیف کا موجب اور اس کے شرکی کسی کا باعث ہوتا۔ مگر چونکہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر اسرار کرنے اس حکم الہی کی تعمیل کے لئے اس کی تہذیب و مروت سے محاصرت کرنے۔ اس کی حکمت پر اعتراض کرنے بندوں کی رہنمائی اور انکو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکنے پر قسم کرنے سے ابلیس کا گناہ حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ اسلئے اس کے گناہ کی سزا بھی گناہ کے موافق حد سے زیادہ قرار پائی۔ پس دنیا میں زندہ رہ کر اسکو مصلحت دیکھی تاکہ گناہ پر گناہ کرتا رہے۔ اور پھر ایسی سزا کا مستحق ہو کہ اس کے سوا اور کسی کو وہ سزا نہیں ہوگی۔ اور جس طرح کہ دنیا کے اندر اہل شرک کفر و شرک میں سرمدار تھا اسی طرح آخرت کے اندر سزائیں بھی سب کا سردار ہوگا۔ یعنی اس کو سب سے زیادہ سزا ملے گی۔ اور چونکہ یہ سب بڑائیوں کی جڑ اور مادہ ہے اور تمام شرابی سے پیدا ہوتے ہیں لہذا دوزخ میں اپنے افعال بد۔ کہ موافق سزا دیا جائیگا۔ اور اہل دوزخ پر جس قسم کا عذاب آئے گا عذاب کے ہر ایک قسم کے ساتھ سب سے پہلے ابلیس معذب ہوگا۔ اور اس کے بعد ابلیس کے تابع داروں کو عذاب ملے گا۔ اور یہ اللہ سبحانہ کا کمال انصاف اور حکمت ہے۔ اور اس میں ایک حکمت ہے کہ جب ابلیس نے اپنے رب سے محاصرت کرتے ہوئے یہ کہا اَرَأَيْتَ اِنْ هَذَا الْبَیِّنَاتُ کَرَّمَ مَعَّ عَلٰی لَکُمُ الْاَحْزَانُ فَقَدْ بَقِیَ اِلٰی یَوْمِ الْاِقَامَةِ لَا تَخَافُکُمْ ذَرِیَّتَہٗۃٌۭ لَا اِلَہَ اِلَّا اَنَا فَاَنْتُمْ قٰوْلِبِلَادٍۭۤ اَجْمَلٌ دیکھ تو یہی شخص ہے جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی ہے۔ اگر تو مجھ کو روز قیامت تک کی ہمت دے۔ تو قدر قلیل کی تو کہتا نہیں باقی اسکی تمام نسل کی جرما کاٹ کے رہوں تو سہی اور اللہ سبحانہ کو معلوم تھا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو جنت میں رہنے کے قابل نہیں اور وہ کانٹوں اور گوبکھڑیوں میں جھونکے جانے کے قابل ہیں تو ابلیس کو آخر زمانے تک باقی رکھا اور زبان قدرت سے اُسے فرمایا کہ یہ لوگ تیرے ہمراہی اور دوست ہیں پس تو انکے انتظار میں رہ۔ اور جب ان میں سے کوئی تیرے پاس سے گزرے تو اپنا منتر اس پر چلا۔ اگر وہ میرے دباؤ کے لائق ہوتا تو میں اس کے تیرے قابو میں نہ چھوڑتا۔ کیونکہ جو میرے نیک بندے ہیں ان کا تو میں خود خبر گیر اور کارساز ہوں اور وہ میری مدد گاہ میں حاضر ہونے کے لئے شایاں

ہیں۔ اور ان کے بھروسے کا درست اور رفیق ہے جنہوں نے میری دوستی اور میری مخلصانہ کوششوں کے ہلے
 کر کے فیہ پر وہ نہیں کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّكَ لَبِيتُكَ لَكَ مُطَهَّرًا تَعْلٰی اِنَّ لَكَ لَدُنَّ
 اَمْنًا اَوْ عَلٰی سَرٍّ یَّهْدٰی رَبُّكَ بِیْتَیْكَ لَدُنَّ اِلٰہِیْكَ سَلٰمًا ۚ عَلٰی الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ اَلَا الذِّبْنَ اَنْتَ
 ہدایت دہن شین کو قوت دے جو لوگ ایمان رکھتے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا کچھ
 قابو نہیں رہتا اس کا قابو تو ان پر ہی لوگوں پر چلتا ہے جو سبک ساقی اور بتاؤ رکھتے اور جو شرکیہ دنیا
 ٹھہرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو دنیا سے روپوش کرنے میں انکی کوئی امانت اور ذات نہیں۔
 بلکہ ایسے انکو روپوش کیا کہ وہ اپنے عزت کے مقام کو پہنچیں اور دنیا کے رنج اور تکلیف اور دشمنوں اور
 دوستوں کی کلفتوں سے نجات پائیں۔ اور نیز پچھتے رسولوں کے گنہگار بن جائیں اور دوسرے رسول
 مبعوث ہوں۔ اور تعجب و سالت حاصل کریں۔ غرض انبیاء علیہم السلام کا دنیا سے روپوش کرنا ان کے لئے
 امت وہ لوگ کے حق میں مفید اور نافع ہے انبیاء علیہم السلام کے حق میں تو وسیع نافع ہے کہ وہ دنیا
 سے روپوش ہو کر دنیا کی تکالیف سے راحت اور آرام پاتے اور رفیق اعلا سے ذاتی بدلتے ہوں
 کامل درجہ کی لذت اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔ انکو دنیا سے روپوش ہونے میں استعداد اور
 خوشی ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اللہ سبحانہ انکو اختیار دیتا ہے کہ مرضی ہو تو دنیا میں رہو اور چاہو تو میرے
 پاس چلے آؤ۔ مگر وہ دنیا میں رہنا پسند نہیں کرتے اور نہایت خوشی کے ساتھ تمنا کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ
 اپنے پاس بلائے۔ اور امت کے حق میں اس واسطے مفید اور نافع ہے کہ علم ہو جائے کہ امت نبی کی
 پیروی اور تابعداری میں اسکی زندگی تک ہی یا کہ اسکے بعد بھی اسکی اطاعت اور تابعداری برابر کرتے
 رہے اور خیر بہ بات معلوم ہو کہ امت اور نبی کے تابعدار نبی کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ نبی کی ہدایت
 اور امر و نہی کے مطابق وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ اور ایک اللہ سبحانہ کی ذات ہی پسند
 جو ہمیشہ زندہ اور دائم رہیگی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دنیا سے روپوش کرنے میں اللہ سبحانہ
 کی حکمتیں اور انبیاء علیہم السلام اور امتوں کے حق میں بہت سی مصلحتیں موجود ہیں۔ اس کے
 علاوہ انبیاء و بشر اور نبی اکرم تھے۔ اور اللہ خالق نے دنیا میں انکو ایسی خلقت پر پیدا نہیں کیا۔ جو وہ
 کے قابل ہو بلکہ انکو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا جو ایک دوسرے کے بعد آتے رہے۔ پس اگر ان کو خیر
 زمانے تک زندہ اور باقی رکھتا تو یہ مصلحت اور انکے خلیفہ بنانے کی حکمت فوت ہو جاتی۔ خلاصہ کلام
 یہ ہے کہ موت ہر مومن کے لئے کمال ہے اور اگر موت نہ ہوتی۔ تو دنیا کی زندگی بے نطفہ اور بے مزہ
 ہو جاتی پس حیرت انبیاء کے پیدا کرنے اور انکی زندگی میں حکمت ہے اسی طرح انکی موت بھی حکمت

سے خواہ مخواہ

سنا بشیر الہی جو اب دیکھ چکے ہیں جنت کا کہ کیا کہ آدم علیہ السلام کو جنت سے دنیا کی طرف نکال دیا
 جس پر کہ امتحان اور آزمائش ہوئی۔ مقام ہے کوئی جنت اور مقام ہے کوئی جہنم۔ اور مقام ہے کوئی جہنم اور مقام ہے کوئی جہنم۔
 کہ اس میں ایک جہنم کی وہ بیشمار نعمتیں ہیں۔ اور اس میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لئے وہ سب سے بہتر
 نعمتیں اور نعمتیں موجود ہیں۔ جن کی تفصیل معلوم کرنے سے عقلیں عاجز اور قاصر ہیں۔ اگر تمام
 اہل عقل اپنی ساری دماغی قوتیں اس کے معادہ کر نہ میں صرف کر دیں۔ تو بھی اس کا معلوم نہیں کر سکتے
 آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر زمین پر اس لئے اتارا گیا کہ وہاں رہ کر آدم علیہ السلام کا اپنے
 حکمرانوں کو ہمسا کرنا دشوار اور ناممکن تھا۔ ورنہ اس کے واسطے بھیجے گئے۔ کہ اپنے اپنے درجے
 کے کمالات کو حاصل کریں اور نعمہ اور اچھی نعمتیں ہو کر پھر دوبارہ جنت میں داخل ہوں۔ اس لئے
 نبی نے آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیج دیا تھا۔ کہ ان سے اور ان کی اولاد سے زمین کو آباد
 کرے۔ اور انکو زمین میں ایک نئے مرحلے کا خلیفہ بنایا کہ اللہ جل جلالہ کے بعد دیگرے اس کا آباد
 کریں۔ اور انکو جہان اپنے امرونی تمام احکام سے انکو مطلع کر کے الٰہی آزمائش اور امتحان کرے۔ اور
 جنت یا جہنم۔ آزمائش اور تکلیف کا مقام نہیں۔ غرض آدم اور حوا علیہما السلام کو دنیا میں اس
 واسطے بھیجا کہ دنیا سے اپنی آخرت کے واسطے جس کے واسطے وہ پیدا کئے گئے ہیں اعمال
 صالحہ کا قوشہ بنا کر لیں۔ اور جب بنی نیکی اور تکلیف دیکھنے کے بعد اس سے رخصت ہونگے
 تو پھر جنت کی نعمتوں کی پوری قدر کریں گے۔ اور اسکی خوبی اور فضیلت کا انداز لگایا نہ معلوم ہو گا اگر
 بنی آدم کے والد و تناسل کا سلسلہ جنت میں ہوتا تو پھر وہ اسکی قدر نہ سمجھتے۔ اس لئے پہلے
 انکو امتحان کے گھر یعنی دنیا میں بسایا اور انکو اپنے امرونی سے آگاہ فرمایا تاکہ اپنے خالق کی اطاعت
 کر کے اسکی عزت۔ ثواب اور جنت کے مستحق ہوں۔ اور اگرچہ یہ بھی ممکن تھا کہ جنت سے نکالنے
 کے بغیر انکے واسطے وہی نعمتیں حاصل ہوتیں۔ لیکن وہ نعمت جو امتحان۔ آزمائش اور موت کے
 تکالیف۔ برزخ کے مشاہدہ قیامت کے احوال جھیلنے اور صراط پر عبور کرنے کے بعد حاصل ہوگی۔
 اس کا انداز ہی اٹل ہو گا۔ اور وہ ایسی نعمت ہوگی کہ کوئی نعمت اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اور اب
 اس کا انداز کرنا ناممکن ہے۔ جنت کے غلمان اور حور عین ایسے خوب رمت ہونگے۔ کہ دنیا کی اعلیٰ
 درجے کی حسین عورتیں ان کے سامنے بیچ ہیں۔ اور اس میں ایک جہنم ہے کہ نہ سمجھنے والے یہ چاہا
 کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے رسول۔ نبی اور شہید پیدا کرے جو اس کے پیارے اور محبوب ہیں

اور انکے نزدیک کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ اذیاد و سرکین بچہ اپنی کتہ میں نازل فرمائے
 اور انکے اپنے حکم پہنچا دے۔ ابرہہ خوشی اور تکلیف میں کسی عبادت کے اندر مہر و نہ نہ رہیں۔ اور
 اسکے محبوب و پسندیدہ کاموں کو اپنی خواہشات اور محبوب چیزوں سے مقدم رکھیں۔ لہذا اس
 کی حکمت کا یہ تقضا ہوا کہ انکو دارالامتحان یعنی دنیا میں بھیج کر پتلا موٹی کے رتھ ان کا امتحان کرے تاکہ وہ اس امتحان
 اور آزمائش سے بہت بے رغبتی نہ کر لیں۔ اور ان کاموں کے پیکار میں جو طبیعت خدا اور اس کو بے معلوم ہوں ہی حکمت
 کریں۔ اور خالص عبودیت کا یہی مقام ہے۔ اور جو لوگ ایسے امور کی بجا آوری میں خدا تعالیٰ
 کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں۔ جو ان کی طبیعت کو محبوب اور نفس کو محبوب نہ ہوں وہ حقیقت
 اپنے نفس کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ اپنے پیارے بندوں سے یہ چاہتا ہے۔ کہ وہ
 کسی سے دوستی کریں۔ تو اللہ کے واسطے ہوا کہ کسی سے دشمنی کریں تو وہ بھی اسی کی خاطر۔
 اور اس کی رضا مندی اور اسکے پسندیدہ اور محبوب کاموں کے اندر اپنی جانیں خرچ کریں
 اور ان سب باتوں کا بہشت میں حاصل ہونا جو کہ بڑی نعمت کا گھر ہے ناممکن ہے۔ اور
 نیز اس میں ایک اور حکمت ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ اپنے پیارے بندوں
 کا تقاضی یہ ہے کہ انکے آثار و احکام ظاہر اور انکے متعلقات پیدا ہوں۔ مثلاً غفور۔ رحیم۔
 ثواب۔ منتقم۔ حافض۔ رافع۔ معز۔ مذل۔ مٹھی۔ رحمت اور وارث اسکے اسماء حسنی میں
 سے ہیں۔ پس چونکہ انکے آثار کا ظاہر اور انکے متعلقات کا موجد ہونا ضروری ہے۔ لہذا
 اس کی حکمت نے یہ چاہا کہ آدم اور حوا علیہما السلام کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجا جائے
 تاکہ دنیا کے اندر ان میں اور انکی اولاد میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آثار اور
 احکام ظاہر ہوں۔ اور اگر بنی آدم جنت میں پرورش پاتے تو ان اسماء کے آثار اور متعلقات
 موجود نہ ہوتے۔ اور یہ اللہ سبحانہ کے محال کے خلاف ہے کیونکہ وہ مملکت اصلی کا مالک اور
 شہنشاہ حقیقی ہے اور یاد شاہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ امر اور نہی ساکرم اور مانت۔
 ثواب اور عقاب۔ عطا اور منع۔ اعزاز اور ذلال کا اختیار رکھتا ہو۔ پس اس لئے اللہ سبحانہ
 نے حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام اور انکی اولاد کو ایسے عالم میں بھیجا کہ ان پر ایذا
 جاری ہوں اور ان افعال کے آثار پائے جائیں۔ اور نیز دنیا میں اسلئے بھیجے گئے کہ درجہ کمال
 کو پہنچیں کیونکہ ایمان کے بہت سے اجزاء ہیں۔ قول۔ عمل۔ جہاد اور صبر وغیرہ اور یہ اجزاء اور
 امتحان کے بدوں پیدا نہیں ہو سکتے اور جنت دارالامتحان نہیں۔ اور کئی اہل علم نے جن میں سے

ابو القاسم بن یحییٰ ہیں یہ لکھا ہے کہ دنیا میں سرملین۔ انبیاء علیہم السلام اور زمین کے احوال جنت کی نعمتوں سے انہیں نہیں کیونکہ جنت کی نعمتیں تو ان کے حظ اور منتح کے سامان ہیں۔ پس ایران اور اسکے اعمال مثلاً غار۔ قرأت قرآن۔ جہاد فی سبیل اللہ۔ امر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی طلب میں جان کو قربان کرنے اور اس کی رضا جوئی کر اپنے شہادت اور خواہشوں سے منہ پرکھنے کے برابر کہاں ہو سکتی ہیں۔ ایمان اللہ سبحانہ سے تعلق رکھتا اور یہ بندوں پر اس کا حق ہے کہ اور جنت کی نعمتیں ان سے متعلق اور وہ ان کا حقد ہے۔ اور بندہ اللہ کی برکتی اور عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور جنت تو نیست اور آرام کا گھر ہے نہ عبادت اور نیکوئی کا مقام اور نیز اللہ سبحانہ کے علم اور حکمت میں پہلے سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ وہ زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرے گا اور اس سے اپنے ملائکہ کو بھی آگاہ فرما دیا تھا۔ پس آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ سبحانہ کا ارادہ اس امر سے متعلق ہو چکا تھا کہ وہ اس خلیفہ اور اس کی اولاد کو دنیا میں بسائے گا کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں اور اسکے لئے غایات محمودہ ہیں۔ پس جب اللہ سبحانہ کہ عیلم حکمت اور ارادہ میں آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ وہ دنیا میں سکونت پذیر ہونگے۔ تو پھر جنت سے انکا نکالا جانا اور دنیا میں آنا ضروری تھا اور یہ امر اگرچہ پہلے سے مقدر ہو چکا تھا۔ مگر اس کی تقدیر کو بھی اللہ حکیم نے کئی اسباب و حکمتوں سے وابستہ فرمایا ہے۔ منجملہ ان اسباب کے یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک درخت کے کھانے سے منع فرمایا اور ان کے دشمن ابلیس کے اور ان کے درمیان تبلیہ کر دیا۔ کہ اس کو یہ موقع ملا کہ آدم کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کا کھانا تمہارے حق میں بڑا مفید ہے۔ اور نیز آدم اور ان کے نفس کے درمیان اپنی عصمت کے پردہ کا اٹھا دینا جس سے وہ عصمت میں مبتلا ہوئے۔ اور یہ اسباب ایسے غایات محمودہ کی طرف موصل ہوئے۔ جو آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے پر موقوف اور مترتب ہیں۔ پھر آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے پر اسباب مترتب ہوئے جو دوسرے امور کے لئے غایات قرار پائے۔ منجملہ ان غایات کے یہ ہے کہ جنت میں دوبارہ کامل طور پر داخل ہونگے۔ غرض یہ تقدیر اسباب اور غایات اللہ سبحانہ کی اس حکمت کا مذہ سے صادر ہوئے ہیں جس پر تمام اسماءوں اور زمین کے بہنے والے اور دنیا اور آخرت کے سب لوگ اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ پس اللہ سبحانہ کی یہ تقدیر بیکارادہ یہ تقدیر عبث نہیں۔ اور نہ یہ حکمت کاملہ و عمدہ کامل سے خالی ہے۔

کامل بنایا اور مرتبہ عبودیت کے لئے افضل احوال اور اعلیٰ درجات قرار پایا یعنی وہ عبودیت جو آدم
 اور اختیار سے صادر ہو نہ وہ جو مخلوق میں جبر اور اضطرار پائی جاتی ہے۔ اسی واسطے جب
 اللہ سبحانہ نے سریدہ کا شاف صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ آپ کو
 اختیار دے۔ کہ آپ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول یا فرستادہ بنی ہو نا جو امر پسند کریں۔ آپ
 فرمایا میں تو آپ نے اپنے پیغمبروں کی توفیق سے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہونا پسند
 کیا۔ اور اللہ سبحانہ نے آپ کے اشرف مقامات اور افضل احوال میں جبریت و دعوت
 محمدی، حراج اور قرآن مجید کے نازل کر۔ نے کہ مقامات میں آپ کو جبر و دین سے نفع
 سے محروم کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ **وَأَنفَلَكَ مَا تَفْتَخِرُ بِهِ** (اور جبریت سے تو
 خدا یعنی محمدؐ کی عبادت کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو دیکھ کہ اللہ نے تم کو کچھ عطا کیا ہے)۔
إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا (اور وہ جو ہم نے اپنے بند سے محمدؐ پر
 قرآن اتارا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو) **فَسَبِّحْهُ** (اللہ تعالیٰ تعجب کی بات کہ یہ
 اللہ تعالیٰ کا پیغمبر الی المسبحین) (وہ اللہ تعالیٰ اور دستانگی کے عیب سے پاک
 ہے جو اپنے بند سے محمدؐ کو راتوں رات سجد حرام سے بچا قہقہے تک لے گیا) **يَا زَكَرِيَّا**
الَّذِي نَزَّلْنَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ عَبْدِكَ (جدا کی ذات بڑی) یا زکریا (ذات) ہے جس نے
 اپنے بند سے محمدؐ پر قرآن اتارا اور اللہ سبحانہ نے آپ کی عبودیت تمام پر آپ کی تبت
 اور تعریف فرمائی۔ اور آپ کے شان کی عظمت کو ظاہر فرمایا ہے۔ اسی واسطے اہل موقف
 جب شفاعت کے خواستگار ہونگے تو یوں کہیں گے کہ محمدؐ کے پاس چلو جو کہ اللہ کا ایسا بندہ ہے
 کہ جس کے پہلے اور پچھلے تمام گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیے ہیں۔ غرض جبکہ عبودیت نبی آدم
 کے اشرف احوال میں سے ہے اور یہ حالت اللہ سبحانہ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے
 لئے اتنی بے لوث اور سبب ہیں کہ جن کے بدل اس کا حصول ناممکن ہے۔ تو اللہ تعالیٰ
 کی حکمت کاملہ نے یہ چاہا کہ وہ ایسے مقام یعنی دنیا میں بھیجے جائیں کہ جہاں ان پر عبودیت
 کے احکام جاری اور اسکے اسباب ضرورتاً لازم موجود ہوں۔ پس ہیں وہ جہ جنت
 سے نکال کر دنیا میں بھیجے گئے۔ تاکہ اپنے مراتب کی تکمیل کریں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت
 کا اتمام ہو۔ اسکے علاوہ اس میں اللہ سبحانہ کی بہت سی محبوب اور پسندیدہ چیزیں موجود و متحقق
 ہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے یہ بندوں کی دنیا میں فرماتے۔ **لَا تَحْزَنْ** (کوئی غم نہ کرے۔

مصاصہ میں فریاد ہی کو سہے۔ گناہوں اور لغزشوں کو معاف کر دے۔ برائیوں کو مسئلے بدلوں کو دفع کرے۔ جو لوگ عزت کے مستحق ہوں انکو عزت بخشے اور جو ذلت کے سزاوار ہوں ان کو ذلیل کرے۔ مظلوموں کی اعانت اور شکستہ حازں کی حالت کو درست فرماتے۔ بعض مخلوق کو بعض پر فوقیت دے اور انکو مختلف مراتب و مدارج پر رکھے تاکہ اس کی نعمت اور فضل کی قدر معلوم ہو۔ اور یہ سب باتیں حقیقت سے نکال کر دنیا میں بھیجی کی صورت میں متحقق ہو سکتی ہیں لہذا اس کے کمال کمال اور حمد کا یہ اقتضا ہے کہ انکو ایسے عالم میں بھیجے جس میں اس کی محبوب و پسندیدہ چیزیں موجود و متحقق ہو سکیں۔ اگرچہ ان میں سے بہت سی چیزیں کے حاصل ہونے کے لئے آیتیں اسباب اور شروط ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرہ اور نا پسند ہیں۔ مگر چونکہ جو چیز دوسری چیز پر موقوف ہو وہ اس کے بدوں حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہذا ان کا موجود کرنا بھی ضروری ہوتا۔ اور حکمت کے لازم کو موجود کرنا بھی حکمت ہے۔ جس طرح عدل کے لازم کو پیدا کرنا عین عدل اور انصاف ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ متغریب بچوں کے تکلیف پہنچانے کی فصل میں معلوم ہو گا +

اٹھائیسواں جواب۔ اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو عدم سے وجود میں لائے نکالا ہے تاکہ ان پر اپنے اسما و صفات کے احکام جاری فرمائے تاکہ اس سے اس کا کمال مقدس ظاہر ہو گو وہ ہمیشہ کامل اکمل ہے مگر اسکو اپنے کمال کا ظہور محبوب و پسند ہے۔ اور خلق۔ امر۔ قضا۔ قدر۔ وعدہ۔ وعید۔ منع۔ اعطا۔ اکرام۔ اعانت۔ عدل۔ فضل۔ عفو۔ انعام۔ وسعت علم۔ اور سخت گیری میں اس کے کمال کے آثار کا ظاہر ہونا منجملہ اس کے کمال سے ہے۔ اور نیز اس کے کمال مقدس کا یہ اقتضا ہے کہ وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے اور منجملہ اس کے حالات اور شان سے یہ بات ہے کہ وہ گناہوں کو بخشتا۔ تکلیفوں کو دور کرتا۔ بیماروں کو صحت عطا فرماتا۔ قیدیوں کو قید سے رہائی دیتا۔ مظلوموں کی مدد داتا۔ عاجزوں کی اعانت کرتا۔ شکستہ حالوں کے حال کو درست کرتا ہے۔ فقیروں کو غنی بناتا۔ دعا کرنے والوں کی دعائیں منظور فرماتا اور گناہگاروں کی لغزشیں معاف کرتا۔ ذلیل کو عزت اور متکبروں کو ذلت دیتا ہے۔ گردن کشوں کی گردنیں ٹوٹاتا۔ کسی کو مارتا اور کسی کو جلاتا ہے۔ کسی کو بنساتا اور کسی کو روہ لٹا پاتا ہے۔ کسی کو پست اور کسی کو بلند کرتا ہے۔ کسی کو اپنی نعمتیں عطا فرماتا اور کسی کو ان سے محروم رکھتا ہے اور اپنے احکام کے اجرا اور عقوبات کو اپنے

مقررہ اوقات میں پُر کرنے کے لئے اپنے رسول ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجتا ہے۔ اور یہ سب باتیں دارالبقائے جنت میں حاصل نہ ہو سکتی تھیں۔ لہذا اس کی حکمت کا ملہ نے یہ چاہا کہ آدم اور نوح کی اولاد کو دارالامتحان میں بھیجا جائے۔

تیسواں جواب۔ اللہ جبار کے کمال ملک کا پورا تقاضا ہے کہ ہر شے کے تمام کے تصرفات میں اس کو ایسا محال حاصل ہو کہ ہر ایک قسم کے تصرفات کرنے پر وہ قادر ہو اور اسی واسطے اللہ جبار نے تین مقام قرار دیئے ہیں۔ ایک وہ مقام ہے کہ جس میں اس کے ذوال بر دار بندوں کے لئے مطیع طرح کی نعمتیں۔ لذتیں۔ مناسبات حاصل ہوں گی اور ان کے ساتھ کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور دوسرا وہ مقام ہے جہاں نافرمانوں کے لئے گونا گونہ عذاب سرخ اندر طرح طرح کی مصیبتیں اور رانیاں موجود ہوں گی۔ اور تیسرا وہ مقام ہے جس میں غیر و مشر آرام اور تکلیف۔ لذت اور سختی دونوں مخلوط اور بے جملے ہیں۔ اور پہلے وہ مقام جس کی آبادی کو اس تیسرے مقام کی آبادی سے وابستہ کیا ہے۔ اور تینوں مقامات میں اپنی مخلوق پر اپنی ربوبیت۔ الہیت۔ عزت۔ حکمت۔ عدل۔ اور رحمت کے مقتضے کے مطابق احکام جاری فرمائے ہیں۔ پس اگر بنی آدم جنت میں پیدا ہوتے اور موجود ہونے کے وقت سے سب کو وہیں بسا تا وہاں صفات کے احکام محفل ہو جاتے۔ اور ان کے آثار ان پر مترتب نہ ہوتے۔

تیسواں جواب۔ قیامت کا دن اللہ سبحانہ کے اسما و صفات اور ان کے احکام و آثار کا منظر ہے۔ اور اسی واسطے حق تعالیٰ فرمایا گا۔ لَمَّا الْمَلَائِكَةُ آتَوْهُم رَبُّهُمُ الْفُحَّارِ (آج کس کی حکومت ہے۔ اکیلے اللہ ہی کی ہے جو بڑا زبردست ہے) اور نیز اس دن کی نسبت فرمایا ہے الْمَلَائِكَةُ يَوْمَئِذٍ رَّا الْحَقَّ لِلْوَحْمَنِ (اس دن حقیقی سلطنت (خدا سے) رحمن ہی کی ہوگی) وقال تعالیٰ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ لَنَفْسٍ لَّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ (یہ وہ دن ہوگا جب کہ کوئی شخص کسی شخص کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکیگا اور حکومت اس دن اللہ ہی کی ہوگی) یہاں تک کہ اس دن اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو اپنے وہ اسما و صفات معلوم کرے گا۔ جو دنیا میں انکو معلوم نہ تھے۔ غرض کہ قیامت کا دن مملکت۔ عظمت۔ اسما و صفات علیا کے ظاہر ہونے کا دن ہے۔ اس دن کے وہ احوال اور احکام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ان میں غور کرو اور سوچو کہ اس دن اللہ سبحانہ کی عزت و عظمت۔ عدل و فضل اور رحمت کس قدر

کی بہت سی گتیں۔ محامد امرو، اسی اور تصادف کے احکام موجود ہیں چنانچہ اللہ سبحانہ فرمایا ہے
 لَکُنَّا لَکَ تَحْتًا بِدَفْعِکَ لِعَوْنِی رَہْوَ رَاسِ طَیْحٍ بِمِیْضٍ کُلِّ بَیْضٍ کے ذریعہ آزمائے تھے کہ وہ قال تعالیٰ
 ذَرْنِیْ لَکَ بِفَضْلِکَ لَیُفْقِیْ فِیْکَ مَا تَصْبِرُ عَلَیْہِ رَہْوَ رَاسِ طَیْحٍ بِمِیْضٍ کُلِّ بَیْضٍ کے لئے آزمائش
 کا ذریعہ قرار دیا ہے تو مسلمانوں کو اب بھی کافروں کی آزمائشوں پر بھروسہ کر دے دیئے ہیں اللہ سبحانہ نے
 اپنے بندوں کو آزمائشوں اور پالیسیوں کے بندوں کو اپنے نافرمانوں اور دشمنوں کے امتحان کا ذریعہ اور دوستوں
 کو دشمنوں کی آزمائش کا وسیع بنایا ہے۔ بادشاہ کو رعیت کے ذریعہ سنہ آں پایا اور رعیت کو
 بادشاہ کے بدولت جا بجا مردوں کو غور و نظر کے لئے اور غور و نظر کے لئے مردوں کے لئے فتنہ پھرایا
 دو قسموں کو فقیروں کے امتحان اور فقیروں کو دولت مندوں کی آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے غرض
 ہر ایک کو اس کے مقابل اور ضد سے جاسنایا اور پرکھا ہے۔ نوع انسانی کے اس باب پیدا ہوتے
 ہی ان کی ضد اور مقابل بھی ساتھ ہی موجود تھے۔ اور ان کو اولاد میں قیامت تک یہی دستور
 جاری ہے۔ اور اس آزمائش اور امتحان میں اللہ سبحانہ کی بہت سی گتیں کام لیتی ہیں تاہم احکام
 نافذہ۔ اور امر نہادہ اور تصرفات موجود ہیں۔ جو اسکی ربوبیت۔ الہیت۔ مملکت اور محمودیت
 پر دال ہیں۔ اور ہر طرح دنیا میں اپنے بندوں کو خیر و شر کے ساتھ آزمائنا اس کے کمال گت
 اور حمد نام کا مقتضی ہے *

تیسواں جواب۔ اگر اس قسم کی آزمائش اور امتحان نہ ہوتا تو صبر۔ رضا۔ توکل۔
 جہاد۔ عفت۔ شجاعت۔ حلم۔ عفو۔ صغیر گذر کر نام وغیرہ کمالات اور خصال حمیدہ کی
 فضیلت ظاہر نہ ہوتی۔ اور اللہ سبحانہ کو یہ مر محبوب ہے کہ وہ اپنے پیلے بندوں کو ان
 کمالات کے ساتھ معزز فرمائے۔ اور یہ کمالات ان میں ظاہر ہوں۔ تاکہ وہ خود اور ان کے ہلاک
 کمالات کے ساتھ انکی ثنا و تعریف کریں۔ اور وہ ان کے ساتھ موصوف ہونے کے سبب بنائیت
 درجہ کی عزت۔ لذت اور خوشی حاصل کریں۔ اور ان کمالات کے مبادی اور اسباب اگرچہ تلخ
 ہیں مگر ان کے عواقب اور انجام ایسے شیریں ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی چیز شیریں نہیں۔ اور چونکہ
 لازم کا بدوں لازم موجود ہونا محال ہے لہذا ان اسباب کا موجود ہونا ضروری ہوا۔ اور اللہ سبحانہ
 کی حکمت اس طرح جاری ہے۔ کہ غایات کا کمال اسباب کی قوت اور ان کے کمال کے تابع اور
 ان کا نقصان ان کے نقصان پر متفرع ہے۔ دیکھو جو شخص کام اور لذت کے سامان کو پورے طور پر
 حاصل کرتا ہے تو اسکو لذت و آرام کامل طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ اور جوان میں کمی کھتا ہے۔ تو

اس کے عیش و آرام میں بھی کمی ہوتی ہے اس عالم کا طرز انتظام اس بات کی کافی دلیل ہے۔ اور اسی اصول پر جزا و سزا اور ثواب و عقاب کا سلسلہ قائم ہے کہ خالق حکیم نہایت عدل و انصاف کے ساتھ جزا و سزا دے گا کیونکہ دنیا اور آخرت کا ریکارڈ یہی ہے اور اسکی حکمت و تدبیر عالم میں عیاں رہی ہو اور وہی دنیا اور آخرت میں جو کام سخی اور دقتوں جہان میں بھی کام جاری ہے وہی یہی کو اسی کے پاس جانا ہے۔

چوتھا سوال جواب۔ سب سے افضل اور علیٰ نعمت اور عطیہ ایمان اور اس کی جزا ہے اور آزمائش اور امتحان کے بدوں مستحق نہیں ہو سکتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَللّٰهُ اَخْبَسَ النَّاسَ اَنْ يُّزَكُّوا اَنْ يَّفْقُوْا اَمَّا وَهُمْ لَا يُفْقَهُوْنَ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلْيَعْمَلَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلْيَعْلَمَنَّ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا اَمْ حَسِبْتَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ السَّمٰوٰتِ اَنْ يَّسْخِفُوْا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ مَنْ كَانَ يَرْجُوَ لِقَاءَ اٰلِهٖ فَآَتَىٰ اَجَلَ اَللّٰهِ لَا يَلٰٓئِیْ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَمَنْ جَاهَدْ فَاِنَّمَا جِهَادٌ لِّنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ عَلِیْمٌ الْعَالَمِیْنَ (اللہ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ زبان سے اتنا کہنے پر چھوٹ جائیگے کہ ہم ایمان لے آئے اور اُن کو آزمایا جائیگا اور ہم نے تو اُن لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے ہو گئے ہیں تو خدا اُن لوگوں کو ضرور معلوم کر کے رہیگا جو اظہار ایمان میں، سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ضرور معلوم کر کے رہیگا۔ کیا جو لوگ بُرے عمل کرتے ہیں انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیگے (ایسا سمجھتے ہیں تو یہ لوگ کیا ہی بری تجویز کرتے ہیں جبکہ آخرت میں اللہ سے ملنے کی امید ہو تو اُس کے لئے نیاری کرنے کیونکہ خدا کا (بھیڑ یا ہوا) وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ (سب کی) سنتا اور سب کچھ جانتا ہے اور جو (خدا کیلئے) محنت اٹھاتا ہے تو وہ اپنے ہی دجیل کے لئے محنت اٹھاتا ہے (ورنہ) خدا تو دُنیا جہان کے سب لوگوں سے بے نیاز ہے) اسی سورت میں اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ضرور اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان کریگا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کون صادق اور کون کاذب اور کون مومن اور کون کافر ہے۔ اور کون اُس کی عبادت اور شکر بجالاتا اور کون اسکی نعمت کا کفران کرتا اور اُس سے اعراض کر کے غیر کی پرستش کرتا ہے اور جن لوگوں کا امتحان کیا گیا ہے اُنکے دُنیا اور آخرت کے احوال بیان فرمائے ہیں اور اُن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا دُنیا میں سب سے زیادہ اور سخت امتحان کیا گیا۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور انکے متبعین اور پھر انکے انجام اور عمل کار کا حال بیان فرمایا ہے اور سب سے پہلے اُن لوگوں پر تردید فرمائی ہے جن کا خیال ہے کہ جو محض ایمان کا دعوے کرنے سے اور دُنیا میں بغیر کسی امتحان

دوزخ میں جس کے آخر تک مذاب سے نجات پاب ہو جائیگا اور بتلا دیل ہے کہ بہ اللہ سبحانہ کی حکمت
 اور مخلوق کے ساتھ اس کے معاملہ کے بر خلاف ہے اور اس امتحان اور آزمائش کا راز بھی بتایا
 ہے کہ صداقت اور کاذب اور مومن اور کافر ممتاز ہو جائیگا۔ گو اللہ سبحانہ کو امتحان اور آزمائش سے
 پہلے بھی ہر ایک کی حالت معلوم ہے لیکن اللہ سبحانہ کے عدل اور حمد کا یہ مقصد ہے کہ وہ اپنے
 بندوں کو صرف اپنے علم پر جزا اور سزا دے۔ بلکہ معلوم کے مطابق جب کہ وہ موجود اور متحقق
 ہو جائیگا بندوں کو جزا و سزا دیگا اور معلوم کا موجود اور ظاہر ہونا امتحان ہی کے ذریعہ سے
 ہو سکتا ہے اور اسکے بغیر ہر ہونے کے بعد جزا و سزا دینا سخت اور اس کے عدل و حمد کے سزا دے
 سے۔ اسکے بعد ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے اس خیال سے کہ ایمان اور انبیاء
 کی تصدیق سے اعراض کرنے پر امتحان اور آزمائش الہی سے بچ جائیگا۔ ایمان اور انبیاء
 علیہم السلام کی متابعت کو اختیار نہ کیا و سمجھے کہ ایمان نہ لانے سے اس امتحان و آزمائش کی نسبت
 ان کو پکشت نہ ہوگی جس سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو چاہی گیا ہے ان کا خیال
 بالکل غلط ہے کیونکہ ان کے لئے وہ عذاب اور مصیبت تیار ہے جو اس امتحان و آزمائش
 سے جس سے وہ بھاگے تھے زیادہ سخت اور دشوار ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے معبود کرنے کے
 بعد مکلفین کے وہ حال ہیں اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کریں اور اللہ پر ایمان لائیں۔
 دوسرے یہ کہ ایمان کو اختیار نہ کریں بلکہ اپنی بدکاریوں پر ستم اور قائم رہیں۔ پس ان میں سے
 جو شخص ایمان اختیار کرے تو اللہ سبحانہ اس کی آزمائش اور امتحان کرتا ہے تاکہ اسکے ایمان
 کی مضبوطی اور اس کی ثابت قدمی معلوم ہو جائے کہ وہ کسی دنیاوی فائدہ۔ آرام اور سہولت کے لئے
 ایمان نہیں لایا۔ بلکہ اس کا ایمان آرام۔ خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں میں ثابت اور قائم ہے۔
 اور جس نے ایمان کو اختیار نہ کیا۔ تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیگا۔
 اور وہ اس کو عذاب نہ کر سیکے گا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اور اس کی جان اسکے ہاتھ میں
 ہے اور اس کے لئے ان لوگوں کے امتحان و امتلا سے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔
 زیادہ تر مصیبت اور ابتلا موجود ہے۔ غرض مومنین کو اسکے اور انبیاء کے دشمنوں کے خدیجہ
 آزمائش ہے کہ انکی طرف سے انکو طرح طرح کے تکالیف اور آزمائشیں پہنچتی ہیں۔ اور کفار کو آخرت
 میں سخت عذاب میں مبتلا کریگا۔ جس سے انکو وہ درد اور تکلیف پہنچیگا جو مومنین کے درد اور تکلیف
 سے لاکھوں بار زیادہ ہوگا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مومنین اور کفار سب کے لئے درد و

تکلیف کا ہونا ضروری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ مومنوں کو تو دنیا میں درد و تکلیف ہوتا ہے اور آخرت میں کس کے بچائے لذت اور خوشی حاصل ہوگی۔ اور کفار کے لئے دنیا میں نعمیں اور آرام ہے۔ اور آخرت میں طوع کے عذاب اور مصائب میں مبتلا ہونگے اور دنیا کے اندر ہی یہی حالت ہے کہ جو ناما قبضہ اندیش آدمی شہوت پرستی میں پھنسے ہو تو وہ ابتداء میں تو خوب مزے اڑا رہے ہیں۔ مگر انجام کار ان کا حال بہت برا ہوتا ہے اور سب لذتیں اور مستحبات کا فورہ ہوجاتی ہیں اور جو انجام میں رگ تیر و تھل سے کام لیتے اور محنت اور قی سے جی نہیں ہاتھ دیتے۔ بہت حال کے ساتھ وقیع اور کفایت برداشت کرتے ہیں۔ تو آخر کار انکو وہ لذت اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ کہ پہلی نام صحبتیں بھول جاتی ہیں۔ غرض اتم اور لذت ہر انسان کیلئے ضروری ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ بعض کہ سردست اور تھوڑی سی تکلیف پیش آتی اور انجام کار وہ راحت اور آرام سے بدل ہوجاتی ہے اور بعض کو پہلے آرام حاصل ہوتا ہے اور آخر کار ہمیشہ کیلئے سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ اسی واسطے عقلمند لوگ غایت اور انجام کو دیکھا کرتے ہیں۔ پس جنہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ عذاب اور درد و تکلیف سے بالکل بچ رہینگے۔ ان کا خیال سرسری غلط اور بیوقوفانہ ہے کیونکہ انسان لذت اور الم۔ سرور اور حزن۔ خوشی اور غم کیلئے نشانہ بنایا گیا ہے اور اس کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ اسکی طبعیت اور ہیئت ہی ایسی ہے کہ دکھ اور آرام دونوں اسکو لاحق ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک متضاد مادوں اور مختلف اخلاط سے مرکب کیا گیا ہے کہ جن کا من کل بخود متزل ہونا محال یا نادر الوجود ہے بلکہ یہ خلط ایک دوسرے پر غالب اگر طبعیت انسانی کو جہاں اعتدال سے نکال دیتے اور اس سے دکھ اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دوم یہ کہ چونکہ انسان مٹی الطبع ہے۔ لہذا یہ ممکن نہیں کہ وہ تنہا اور ایکے زندگی بسر کر سکے۔ بلکہ اُس کے زندگی بسر کرنی ہی صورت ہے کہ وہ اپنے بنی نوع کے ساتھ مل جل کر رہے اور ملکر رہنے کی صورت میں چونکہ ہر ایک آدمی کے مطالب مختلف ہوتے ہیں۔ کہ کسی کو کوئی چیز مرغوب اور کسی کو کوئی شے مطلوب ہوتی ہے اور پھر مطالب میں اس قدر اختلاف ہوتا ہے کہ سب کا جمع کرنا ناممکن ہے بلکہ اگر ان میں سے ایک چیز حاصل ہو تو بہت سی چیزیں فوت ہو جائیں۔ اور ہر ایک شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ اس کے مطالب کے حاصل کرنے میں اسکی موافقت کریں۔ اور دوسرے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے مطالب اور ارادوں کے پورا کرنے کے لئے ہماری موافقت کرے۔ پس اگر وہ دوسرے لوگ اس سے موافقت کرے۔ تو اپنے مطالب کے فوٹ ہو۔ نہ تو اسکی موافقت

پیدا ہوتی ہے اور اگر ان سے موافقت نہ کرے تو وہ ایذا رسائی اور تکلیف پہنچانے کے درپہم رہتے اور اُس کے مطلوب کئے نہ حاصل ہونے کے لئے طرح طرح کی کوششیں اور تدبیریں کرتے ہیں۔ اور اسی طرح لوگوں سے موافقت کرنے اور نہ کرنے دونوں صورتوں میں رنج و تکلیف اور تفتہ و تامل ہوتی ہے۔ بالخصوص یہ تفتہ و تامل باطل خیالات فاسدہ اور ایسے اعمال میں موافقت نہ کرنے سے آخرت میں نہایت کھفایت اور رنج و تفتہ کا باعث ہو گا جس کی نسبت یقین ہو کہ یہ امور آخرت میں مضر اور نقصان دینے والے ہیں۔ اور ایسے امور میں مخالفت نہ کرنے سے مخالفین کی طرف سے غایبیت و رنج کی اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے۔ مثلاً ایسے مرتفع پر عقل۔ دین۔ مروت اور علم پر شورہ دیتے ہیں۔ کہ دنیا کو تھوڑی ذرا رنج اور کھفایت کا اٹھالینا آسان ہے اور آخرت کے عذاب شدید اور دائمی تکلیف۔ کہے تحمل کی تاب نہ لانا ہے۔ لہذا امتدین آہی ایسے مرتفع پر اہل باطل کی موافقت نہیں کرتا۔ اور جو شخص ظالموں اور مجرموں کی اس کے ظلم پر اہل اہل اور بدست عین کی انکی اہوا و بے اعت پر اور انہیں فحور و شہوات کی اُنہے فحور اور شہوات پر اس خیال سے موافقت اور اعانت کرتا ہے کہ انکی بداد رسائی کی تکلیف سے بچ جائے تو ایسے شخص کو انکی موافقت کی وجہ سے دنیا میں بھی اذیت اور رسوائی اور تکلیف پیش آتے ہیں۔ اور آخرت میں وہ عذاب ہو گا۔ کہ جس تکلیف سے سینے کے وسطے یہ کام کیا تھا اُس سے لاکھ درجہ زیادہ تکلیف بھگتنی پڑے گی۔ اللہ سبحانہ کی عادت اپنی مخلوق میں اس طرح جاری ہے کہ ایسے لوگوں کو عذاب اور تکلیف میں مبتلا کرتا ہے۔ اور اگر ان کی مخالفت کی تکلیف پر صبر کرتا اور ان سے کنارہ کسی اختیار کرتا ہے۔ تو اگرچہ مخالفین سے کچھ اذیت پہنچتی ہے مگر آخر کار اللہ سبحانہ دنیا میں بھی سکونت و آبرو اور لذت اور خوشی بخشتا ہے۔ اور آخرت میں وہ لذتیں اور خوشیاں حاصل ہو گی۔ جو انکی موافقت کی لذت اور خوشی سے کئی درجہ زیادہ ہو گی۔ اور عادت اللہ اس طرح جاری ہے کہ ایسے شخص کو اپنے مخالفین پر غلبہ دیتا اور ان کے صبر و استقامت کو ٹوٹنے اور اخلاص کے بدولت انکو اس کے سامنے ذلیل اور رسوا کرتا ہے اور بعض کتب مخالفین کی اذیت اور تکلیف وہی سے ماحول نہ ہو تو اللہ سبحانہ کی رضا مندی اور انبیا و رسل کی متابعت میں تکلیف اٹھانا انکو انکی رضا مندی اور انکی مراد پوری کرنے سے جبکہ وہ اللہ و رسول کے مخالف ہوں لاکھ درجہ اچھا اور نہایت نافع اور سودمند ہے اور بعض اسکے جو بہ کاموں کی موافقت کرتے ہیں۔ اور دنیا میں انکی اذیت پر صبر نہیں کرتے۔ تو ان کا حال ہو گا۔ کہ جب قیامت میں مبتلا ہوئے عذاب ہونگے تو اُس وقت بڑے سے جگہ سے

صبر کریں گے۔ اور رنج اور تکلیف کے سبب ایک دن جو مانس لینے کا وقت گھٹنے کے برابر گھٹا ہونے کے برابر اور دن جیسے کے برابر اور مہینہ سال کے برابر معلوم ہو گا۔ اللہ سبحانہ جن لوگوں کو دنیا میں اس قسم کی آزمائش اور امتحان میں مبتلا کرتا ہے۔ ان پر ظاہر فرمادیا ہے کہ یہ مبتلا چند روزہ ہے اور ان کی تسلی کے واسطے اسکی مدت بیان فرمادی ہے تاکہ انکے نفس مطمئن رہیں۔ اور اس کی دشواریاں ان پر آسان ہو جائیں چنانچہ فرمایا ہے مَتَّ كَاتٍ يَزَجُّوْا لِقَاءِ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَا يَآخُذُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ (جس کو آخرت میں) اللہ سے ملنے کی امید ہو تو اس کیلئے تیاری کرنے کیونکہ خدا کا دیکھنا آسان ہوتا) وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ (سب کی) سخاوت اور سب کچھ جانتا ہے) پس جب بندہ اس امتحان کی مدت محدود کا تصور کرے اور اس کے زوال اور انقطاع کا خیال کر لے گا اور اللہ سبحانہ کی ملاقات اور اس کے انعام اور جوار کا اندیشہ دل میں جایگا تو دنیا کی رنج اور تکلیف کا بھیدنا اور برداشت کرنا اس پر سہل اور آسان ہو جائیگا اور چونکہ اس کا برداشت کرنا نفس اور شیطان اور اپنے بنی لوث کے ساتھ مجاہدہ اور خلاف کئے بغیر ناممکن ہے۔ اور یہ اس کے حصول کے لئے ذریعہ اور سبب ہے لہذا اس کا سبب اور ذریعہ بھی بتلادیا اور سبب انسان یہ بھیگا۔ کہ اس عمل مجاہدہ اور خلاف کرنے کا نفع صرف اسی کو حاصل ہو گا۔ کسی دوسرے کیلئے اس میں کوئی شرکت نہیں تو اس میں زیادہ کوشش اور سعی کریگا۔ لہذا اس پر تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا ہے وَمَنْ جَاهَلَ فَاِنَّهٗ لَا يَخْلُقُ اِلَّا نَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَغَفُوْرٌ عَلِيْمٌ (نیز اس وہم کو دفع فرمادیا ہے۔ کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اس مجاہدہ صبر اور تحمل کا نفع اور فائدہ کچھ اللہ سبحانہ کی طرف عائد ہے ہرگز نہیں وہ تو تمام عالمین سے غنی اور بے نیاز ہے۔ اللہ سبحانہ نے جن کاموں کی بجائے آدمی کا حکم دیا۔ اسکو لگی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں اور جن چیزوں سے منع کیا ہے کچھ بخل کی وجہ سے منع نہیں کیا۔ بلکہ جن کاموں کے کریکا حکم دیا ہے ان کا نفع اور فائدہ دینا اور آخرت میں صرف بندوں کی طرف عائد ہے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے وہ معاش اور معاورہ زمین بندوں کے لئے صرف اور نقصان دینے والی ہیں۔ پس اس مبتلا اور امتحان کے ثمرات اور فوائد صرف بندوں کے لئے خاص ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی حکمت نے یہ چاہا۔ کہ اس امتحان اور آزمائش کو خبیث کو طیب سے اور شقی کو سعید سے اور جو اس کے قابل اور لائق ہیں انکے ساتھ کیلئے سب چاہیے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا كَانِ اللّٰهُ لِيُذِلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَلَا اَنْتُمْ عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلٰیہٗ حَتّٰی يَمْلِكُوْا الْخَبِيْثَ

میں انکلیف (منافقوا) اللہ ایسا نہیں ہے کہ میں حال میں تم ہو اچھے بُرے کی تمیز کے بدلہ اسی حال پر مومنوں کو رہا کرے ساتھ ملا جلا کر رکھے) پس اللہ سبحانہ نے اپنے رسولوں کو بھیجا کہ اپنے اوامر اور نواہی سے آگاہ فرما کر اپنے بندوں کا امتحان کیا۔ اور رسولوں کے ذریعہ سے طیب اور نجس کھرا اور کھڑا ایک دوسرے سے ممتاز اور علیحدہ کر دئے۔ اور اللہ سبحانہ کا ثواب و عقاب اس کے اس مظلوم پر مقرب ہوا جو اس امتحان اور آزمائش کے ذریعہ سے ظاہر ہوا۔ پھر چونکہ وہ لوگ جو امتحان و آزمائش میں مبتلا کئے گئے۔ بشر اور انسان ہیں۔ اور ممکن ہے کہ طبیعت کے جذبات و جبلت کی کشش اور نفس کی خواہش یا نصف ہمت کی وجہ سے سیر اور مجاہدہ میں کسی وقت کچھ کمی واقع ہو لہذا اللہ سبحانہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ یہ قصور اور کمی معاف ہے کیونکہ جب بندے نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کیسے سینہ سپر کر دیا ہے تو اس کی رحمت کا یہ تقاضی ہے کہ اس کی برائیاں مثلاً اگر اس کے نیک اعمال کے ثواب سے اس کو بالامال کرے۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ نے بندے کو والدین۔ انکی اطاعت اور انکی خدمت کی تکلیف پر صبر کرنے کے ساتھ مبتلا کرنے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر والدین خدا کے ساتھ شرک کرنے کا حکم کریں تو ان کا یہ حکم بجانہ لاسے اور اللہ سبحانہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے۔ اور اسی حالت میں انکے ساتھ حسن سلوک اور انکی نڈنگداری کو نہ چھوڑے اور اس لطافت اور محنت پر صبر کرے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے باوجود انکی اطاعت نہ کرے بلکہ اس سے اعراض کر کے انبیاء علیہم السلام کے اتباع کو اختیار کرے اور انکی ہدایت پر کاربند رہے۔ اور والدین اور انکے طریق سے اعراض کرنے اور انکے مخالف اس کے سبیل کی طرف متوجہ ہونے میں جو کچھ امتحان اور ابتلا ہے وہ معفی نہیں۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ نے لقمہ لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو ضعف عزم و قوت پر اور محنت اور تکلیف پر نہایت قدم نہ رہنے کی حالت میں ایمان کو اختیار کرتے ہیں۔ اور انکی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی تکلیف پیش آئے (احد عادات اللہ ہی طرح جاری ہے۔ اور انکی حکمت کا یہی مقصد ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کو اپنے دشمنوں کے ذریعہ آزماتا اور انکو ان پر مسلط کر دیتا ہے کہ وہ انکو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچاتے ہیں) تو وہ اس تکلیف پر صبر نہیں کرتے اور گھبرا کر اس حدیث اور اس کے اسباب سے ایسا بھاگتے ہیں جیسا خدا کے عذاب سے بھاگتے ہیں اور ایمان اور انبیاء علیہم السلام کے اتباع کرنے میں لوگوں کی طرف سے جو تکلیف پیش آئے اس کو اس عذاب الہی کے برابر سمجھتے ہیں جو شرک اور مخالفین انبیاء کو شرک اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے پر ہو گا۔ اور انکی اس حالت کو ثابت

ہوتا ہے کہ وہ نہ بھیرت۔ سے بے بہرہ اور خالی ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انکے دل میں ایمان پورے طور پر داخل نہیں ہوا اور انہوں نے ایمان کی حلاوت کو نہیں چکھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے دیکھی کہ اس تکلیف دہی کو جو اللہ و رسول کے ساتھ ایمان لانے پر اکاؤ پیش آئی۔ اس عذاب الہی کے ساتھ برا بھلا جو کھار کو اللہ و رسول کے ساتھ ایمان نہ لانے پر ہو چکا۔ یہ ان لوگوں کی حالت ہے جو دنیا کی بہتری کی امید پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں۔ ایمان اور عبادت الہی میں رازخ قدم نہیں لگتے ایسے لوگ اگر پکاراں کے خیال سے دنیا کی تکلیف سے بھاگتے ہیں مگر ان کو وہ تکلیف اور عذاب ہو گا جو اس تکلیف سے کئی درجہ زیادہ اور سخت ہو گا۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے انکی سرطانت کو بیان فرمایا ہے جو جو زمین کی نصرت اور خدمت کے وقت انکو لاحق ہوتی ہے کہ سب آدمیوں کو فتح حاصل ہو تو ان سے ملجاتے اور کہتے ہیں کہ ہم تو تم سے رفیق اور ساتھی ہیں۔ اور اللہ سبحانہ انکے ان دلی ارادوں کو جانتا ہے جو اپنی نہ باقی باتوں کے خلاف دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے نوح علیہ السلام اور انکی قوم کا ذکر فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام کو انکی قوم کے ذریعے سے ساڑھے نو سو سال امتحان اور ابتلا میں رکھا۔ اور قوم کو نوح علیہ السلام کی اطاعت سے آزمایا۔ انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اس پر ان کو پانی میں غرق کیا اور آخرت کو آگ میں بلیئے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام اور انکی قوم کا ذکر فرمایا۔ کہ ابراہیم کی اپنی قوم کی طرف کی طرف سے کیا کیا دقتیں پیش آئیں۔ قوم نے انکی تکذیب اور تردید کی۔ اور قوم کو ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت اور متابعت سے آزمایا۔ اور اس کے بعد نوح علیہ السلام۔ انکی قوم کا ذکر۔ ان کا ابتلا اور نوح علیہ السلام اور انکی قوم کا انجام کا رہبان فرمایا ہے۔ پھر ثیب علیہ السلام انکی قوم کا حال ان کا ابتلا اور انجام کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد علو۔ ثمود۔ قاعد بن فرعون۔ ہامان اور ان کے لشکروں کا ذکر کیا ہے۔ کہ ان کو اللہ سبحانہ پر ایمان لانے اور اسکی اطاعت و عبادت بجالانے کا حکم ہوا مگر انہوں نے انکار کیا اور اسکی وجہ سے ان پر طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے اور وہ تباہ اور ہلاک کئے گئے۔ اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان فرمایا ہے کہ آپ کو کفار کی ہر ایک جماعت یعنی مشرکین اعدائے کتاب کی طرف سے تکلیفیں اور مصیبتیں پیش آئیں۔ اور آپ کو حکم ہوا کہ آپ اپنی کتاب سے احسن طریق کے ساتھ مجاہد کریں اور انکو نہایت نرمی سے بھائیوں کی طرح اور صاف دلیلیں سوجھا کر ان کو قائل کریں۔ اور اللہ سبحانہ اپنے ان پیارے بندوں کو جو دشمنوں کے ہاتھوں سے طرح طرح

کی تکلیفیں اٹھاتا ہے۔ پتھر پتھر یا کہ اپنا وطن چھوڑ کر اللہ سبحانہ کے وسیع ملک پر اُسی دوسری جگہ چلے جائیں اور وہاں اطمینان سے اپنے ملک کی عبادت کریں۔ اور اس ہجرت اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جانے کے حکم اور ارشاد میں اس بات پر متنبہ فرمایا ہے کہ مومنین کو دار دنیا سے دار آخرت کی طرف جانا ہے اور وہ اپنے مرنے کے بعد اسے مشرف ہوئے امتنان کو اس میں اس میں قرار اور آرام نہیں۔ پھر ان لوگوں کا جاں بیان فرمایا ہے جو دشمنوں کی ان تکالیف پر صابر رہے کہ اللہ سبحانہ انکو ایسے باغوں میں جگہ دیگا جن میں نہیں جاری ہوگی۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان کو اس طرح پرستی دی ہے کہ جب تم نے ہمارے خوشنودی اور رضامندی کے لئے اپنے وطن اور ملک کو چھوڑا۔ تو ہم تم کو ایسے مکان میں جگہ دیں گے جو تمہارے مکانوں سے لاکھوں درجے اچھا ہوگا۔ اور ہمیں تمام خوبیاں اور ہر طرح کی لذتیں۔ اور نعمتیں موجود ہوں گی۔ اور اس کے ساتھ یہ بھٹ کہ وہاں سے نکلنے کا کھٹکانہ ہوگا ہمیشہ اُسی میں رہ کر چین اُڑاؤ گے۔ اور یہ سب انعام صراط میں صبر کرنے اور اپنے پروردگار پر توکل کرنے کے بدولت ملیں گے۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے بندوں کی روزی کا ضامن ہے۔ جس طرح وہ انکو اپنے ملک میں روزی پہنچاتا تھا۔ اسی طرح وہ دوسرے ملک میں بھی روزی پہنچائیگا۔ اس کے بیان فرمایا کہ صاحبزین کو ہجرت کرنے کے وقت سفر خرچ اور روزی اٹھانے کی فکر نہ ہو اور یوں سمجھایا کہ دیکھو کئی جانور ایسے ہیں کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں اور روزی کو اپنے ساتھ نہیں اٹھاتے اور روزی رساں مانگو بار بار روزی پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد یہ بیان فرمایا ہے کہ ابتلا۔ امتحان اور اس دار میں رہنے کی مدت دلائل بقا میں رہنے کی مدت کی نسبت نہایت ہی قلیل اور کم ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا حال بیان کیا جو ایمان کے ساتھ مبتلا ہوئے۔ مگر وہ ایمان نہ لائے۔ کہ وہ اس دنیا میں چند روز متمتع ہوں گے۔ اور عنقریب جب وہ اس سے رخصت ہوں گے تو ان کو محام ہو جائیگا کہ وہ کیسی کیسی عمدہ اور دائمی نعمتوں سے محروم رہے اور کچھ سخت اور تکلیف دہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اور ان لوگوں کا انجام اور مال کار بھی بیان فرمایا ہے جو اللہ سبحانہ کے ساتھ ایمان لائے۔ اور اس کے رسولوں کی اطاعت اور پیروی اختیار کی۔ اور وہ لا ابتلا یعنی دنیا میں اپنے ہادی اور ناصر کی ہدایت کے مطابق اپنے نفس اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے مخالفت اور جہاد کیا۔ اور اللہ سبحانہ نے یہ بھی بتلایا ہے

کڑاں کا سلسلہ اور فضل انعام دینا اور آخرت میں ان لوگوں پر ہو گا جو دنیا کے ابتلا اور نصائب پر
عصبر اور پسینے پر ورد نکار پر توکل کریں۔ اور سب سے زیادہ سخت اور بڑا عذاب ان لوگوں کو ہو گا۔
جنہوں نے دنیا کے ابتلا اور تکالیف پر برہنہ کیا۔ اور اس سے بھاگ کر دنیا کے سردست آرام
کو پسند کیا۔ غرض اس سورت کا مضمون سلسلہ خلق اور امر کارزار اور مجید ہے۔ کیونکہ
اس سورت میں ابتلا اور امتحان کا ذکر اور اہل ابتلا کے دنیا اور آخرت کے حالات کا بیان
ہے۔ اور جو شخص اس کے شروع۔ وسط اور آخر میں غور کرے تو اسکو معلوم ہو جائے گا
کہ کامل انسان کے تین حالات ہیں اول امتحان اور آزمائش کا درجہ ہے اس کے بعد صبر و
توکل کا مقام ہے اور آخر میں خدا تعالیٰ کی ہدایت اور نصرت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے
اور تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ ہی کی مدد چاہئے۔

اور اس کی تفسیر پانچ سو اسی جواب ہے۔ اللہ سبحانہ۔ نے اپنے کلام پاک میں یہ بیان
فرمایا ہے کہ اُس نے آسمان۔ زمین اور عالم علوی اور سفلی کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہمارا
امتحان اور آزمائش کرے کہ ہم میں سے کون شخص نیک کام کرتا ہے۔ اور نیز یہ بیان
فرمایا ہے کہ اُس نے زمین کو ان چیزوں سے جو اُس پر موجود ہیں مثلاً حیوانات۔ نباتات
معنیات وغیرہ سے اسلئے مزین کیا ہے کہ ان کے ذریعہ سے ہماری آزمائش اور امتحان
کیا جائے۔ اور موت اور حیات کو بھی اسی آزمائش اور ابتلا کے لئے بنایا ہے۔ غرض
خلق اور امر کی غایت یہی ابتلا اور امتحان ہے اسلئے ضرور تھا کہ ایک ایسا عالم موجود ہو
جس میں یہ امتحان اور آزمائش ہو سکے۔ سو وہ عالم نبی دار تکلیف اور دنیا ہے۔ اور چونکہ
اللہ سبحانہ کے علم اور حکمت میں پہلے سے یہ بات ثابت ہے کہ جنت آرام کا مقام ہے
نہ کہ ابتلا اور امتحان کی جگہ اسلئے دارالابتلا کو اسلئے لئے پہل قرار دیا کہ اللہ کے بندے اُس
سے عبور کر کے جنت میں پہنچیں۔ اور دنیا کو آخرت کی کھیتی ٹھہرایا۔ کہ اس میں اعمال حسنہ
کی تخم ریزی کریں۔ اور آخرت میں اس کا پھل اٹھائیں۔ اور اسکو آمد و رفت کا ایک ایسا راستہ
بنایا جس سے آخرت کے لئے توشہ تیار کر لیں۔ اور یہی وہ حق ہے کہ جس کے ساتھ اور
جس کے لئے مخلوق کو پیدا کیا کہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کے مطابق اللہ واحدہ کی پرستش
کی جائے۔ غرض اللہ سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانی اپنے بندوں کو اپنے امر و نہی سے
مطلع کیا اور ثواب اور عقاب کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس طرح

بیچارہ نہیں پیدا کیا کہ ان کو کسی کام کا اندرون ہی نہ ہو اور نہ ان کو اس طور پر مل چھوڑ دیا کہ ان کو ثواب
 اور عقاب نہ ہو بلکہ ان کو امر و نہی اور ثواب و عقاب کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور انکی حکمت
 اور محمودیت کا یہی مقتضی ہے۔ اس کا خلاف اسکی حکمت اور نہی کے شان کے خلاف ہے۔
 فیصلہ۔ ہماری اس تقریر سے منکر بن حکمت و تعیل کے اس قول کا جواب بھی معلوم ہو گیا
 کہ نفس کو خیر اور شر دلو کا ارادہ کرنا اور بنا سنے میں کوئی حکمت نہ ہے۔ اور اسکو ایسا کیوں
 نہیں پیدا کیا گیا کہ وہ صرف خیر کا ارادہ کرنا اور حبیب اللہ تعالیٰ اسکو شر سے روکنے پر قادر
 ہے تو پھر اسکا حکمت کا مقتضی یہ کہ طرح ہوا کہ اس کو شر کرنے پر قادر کر دیا۔ اور اس
 کو ایسی قوت اور اسباب کے عطا کرنے میں کوئی حکمت ہے کہ جن کی نسبت عطا کرنے
 والے کو معلوم ہے کہ وہ انکے ذریعہ سے شر ہی پیدا کرے گا۔ اور نفس کو انکی مگر ابھی ظلم اور
 تعدی پر ثابت نہ رکھنے میں کوئی حکمت ہے اور یقیناً معلوم ہے کہ جس شخص کے افعال حکمت
 پر مبنی ہوں وہ ایسے کام نہیں کرتا۔ دیکھو جس شخص کے کلام و نسبت پر مبنی ہوں جب وہ
 اپنے غلاموں کو دیکھتے کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے اور آپس میں ایک دوسرے پر
 ظلم و تعدی روا رکھتے وہ باہم فساد برپا کرتے ہیں۔ اور وہ انکو ایسے کاموں سے روک
 بھی سکتا ہے۔ تو اسکی حکمت اس کو اس امر کی اجازت نہیں دیتی۔ کہ ان کو اس حالت
 پر اسی طرح چھوڑ دے۔ اور اگر کسی شخص کے غلام ایسے کام کرنے ہو اور وہ انکو منع نہ کرے
 تو اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو اس کو انکی برکداریوں کا علم نہ ہو گا یا یہ کہ انکے منع کرنے
 پر قادر نہ ہو گا۔ اور اگر یہ دونو باتیں نہ ہوں تو پھر ایسے شخص کے افعال مبنی علی الحکمتہ نہیں
 کہہ سکتے۔ اور پہلی دونو صورتیں بلاشبہ سبجانہ کو اپنے بندوں کے افعال کا علم نہ ہو یا انکو ان
 سے روکنے پر قادر نہ ہو۔ لہذا سبجانہ کی نسبت محال ہیں۔ لہذا انیسری صورت متعین و حق
 کہ لہذا سبجانہ کے افعال مبنی علی الحکمتہ نہیں منکر بن حکمت کے اس شبہ کی بنا یا اس غلط اصول
 پر قائم کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے لہذا سبجانہ کو اس کی مخلوق پر قیاس کیا اور اس
 کے افعال کو مخلوق کے افعال کے مشابہ سمجھا کہ جو کام مخلوق کی نسبت حسن اور اچھے میں وہی
 لہذا سبجانہ کی نسبت حسن ہیں اور جو انکی نسبت قبیح ہیں۔ وہ لہذا سبجانہ کی نسبت بھی قبیح ہیں۔
 اور اسی واسطے قدر یہ نے لہذا سبجانہ کے افعال کو مخلوق کے افعال کے مشابہ قرار دیا ہے اور
 متاخرین قدر یہ لہذا سبجانہ کے افعال کی تشبیہ اور اس کے صفات کی تطیل کے مستحق اور قابل

میں یعنی یہ لوگ اللہ سبحانہ کے صفات کو معطل اور اس کے افعال کو مخلوق کے انحال کے مشابہ سمجھتے ہیں۔ اور اس غلط اصول کو تمام اہل عقل نے رد کیا اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو بندوں کے افعال پر قیاس کرتا بالکل غلط اور باطل ہے۔ اور اسی طرح اس کی دیگر صفات کو مخلوق کی حکمت اور ان کے صفات پر قیاس کرنا بالکل بھویدہ اور لغو ہے۔ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ کو اس بات کا علم ہے کہ اس نے بندوں سے کفر، ظلم اور فسق صادر ہونگے۔ اس کو یہ بھی قدرت ہے کہ اس کو پیدا ہی نہ کرنا یا سب کو ایک ایلی جماعت بنا دیتا کہ وہ اس کے حکم اور مرضی پر چلتے اور کسرشی اور برے کام ان سے صادر نہ ہونگے۔ لیکن اس نے نہ کرنا اس کی حکمت کا ملکہ ہے۔ یعنی نہ کرنا وہ چاہتا ہے بلکہ اس کی حکمت سے بے رغبتی ہے۔ کہ انکو اسی موجودہ حالت پر پیدا کیا جاسکے۔ اور اللہ سبحانہ نے نفوس کو کئی اقسام پیدا کیا ہے ایک وہ ہیں جو صرف خیر کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور یہ نفوس پاکبیر ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جو خیر و شر کا ارادہ کرتے ہیں اور یہ نفوس بشر ہیں۔ پہلی قسم کیلئے خیر ایک طبعی امر ہے اور وہ اس پر قابل حمد و تعریف ہیں اور دوسری قسم کیلئے شر ایک فطری چیز ہے اور وہ اس پر لائق مذمت ہیں۔ اولی قسم میں صف غالب کا اعتبار ہے۔ پس جس صفت خیریت غالب ہوگی۔ تو وہ قسم اعلیٰ میں داخل ہوگا اور جس میں صفت شر غالب ہوگی۔ تو وہ دوسری قسم میں شامل ہوگا۔ اور جب اللہ سبحانہ کی حکمت نے دوسری قسم کے وجود کو چاہا۔ تو دوسری قسم کے وجود کو تو بطریق اولیٰ مقتضی ہوگی۔ اور اللہ سبحانہ کی قدرت۔ عزت اور حکمت کا یہ مقتضی ہے کہ وہ ایسے استعیا کو پیدا کرے جو کہ ذوات۔ صفات اور افعال میں باہم متقابل ہوں۔ اور اس مضمون کو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو ایسا گوناگون بنا یا ہے۔ جو اس کی کمال قدرت اور بزرگویت پر دل ہے۔ پس بشری جمالت اور گراہی کی بات ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اللہ سبحانہ نے سب مخلوق کو یکساں کیوں نہیں بنایا کہ سب چیزیں عالم علوی ہوتیں یا تمام ہشیانہ اور خیر سے محروم ہوتیں یا جتنے حیوانات ہیں وہ سب فرشتے ہوتے۔ اور بعض اوقات اوہام فاسدہ میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ عالم کو اس طرح پیدا کرنا بہتر اور اولیٰ تھا۔ اوہام فاسدہ میں اسی قسم کی بھویدہ اور ناممکن خیالات پیدا ہوا کرتے ہیں۔

چھتیسواں جواب منکرین حکمت و تعلیل کا یہ قول کہ حیوانات غیر مکلف کے درود و تکلیف

دیتے ہیں کوئی حکمت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص میں لوگوں کا بہت سا خفا ہے اور تقدیر میں اور
 متاخرین نے اس پر گفتگو اور بحث کی ہے اور مختلف دلوں سے اس کے جو یہ بیان کئے ہیں ان میں جو لوگ
 اللہ سبحانہ کے قائل و مختار ہو چکے ہوں ان کے منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس کے افعال و اس کی مشیت اور قدرت سے
 صراحت نہیں ہوتے تو وہ جو انسانیت کے درد و تکلیف کو محض طبیعت کی طرف نسبت دیتے اور یہ کہتے
 ہیں کہ درد و تکلیف کا ہونا حیوانانہ کی طبیعت کے لازم اور بدوریات سے ہے اس میں کسی
 عامل کے دخل کی کسی صاحب قدرت کی قدرت اور کسی صاحب ارادہ کے ارادہ کو کوئی دخل
 نہیں سادہ منکرین حکمت و تعقل اللہ سبحانہ کی محض مشیت و معرفت اس کے ارادہ کو اس کا سبب
 قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اللہ سبحانہ کی محض مشیت ایک طرف کی دو چیزوں میں اسے
 ایک چیز کو بغیر کسی غایت اور حکمت مطلوبہ اور یہ دونوں کسی سبب اور وجہ کے و دوسری چیز پر ترجیح
 دیتی اور مخصوص کر دیتی ہے اور وہ اپنے دماغ میں اس قول کے باعث تکلیف حیوانات کے مشکل
 سوال سے اپنے آپ کو نجات یاب سمجھتے ہیں کہ اس طرح گویا ان پر یہ سوال وارد ہی نہیں ہوتا۔ اور
 حقیقت اس قول کے باعث انہوں نے اللہ سبحانہ کی ذات مقدس کے اسلئے صفات اور
 افعال کے کمال کی معرفت کا درد وازہ اپنے آپ پر بت کر لیا ہے اور اس کی حکمت و الوہیت اور
 محمودیت کی حقیقت کو معطل قرار دیا ہے اور انکی مشیت ال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دھوپ کی
 گرمی سے جاگ کر آگ میں جا گھسے۔ اور جو لوگ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے ایسی حکمت اور
 علت کے قائل ہیں جو خالق سے متعلق نہیں بلکہ مخلوق کی طرف راجع ہے وہ یہ جواب بیان کرتے
 ہیں کہ حیوانات کو درد و تکلیف اسلئے ہوتا ہے کہ جب قیامت میں مخلوق ثواب و عقاب کے
 لئے مبعوث ہوگی۔ تو ان کو ان تکلیف و آلام پر بدلہ اور ثواب ملے گا اور بعض نے ان کو اس درد
 و تکلیف اور اس پھر کرنے کا بدلہ دنیا میں پہنچاتا اور دیکھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کا بدلہ دنیا میں نہیں
 ملتا بلکہ یہ عوض اور ثواب انکو آخرت میں ملے گا۔ اور ان لوگوں پر جب یہ اعتراض کیا گیا کہ بعض حیوانات
 ایسے ہیں کہ انکو آخرت میں ثواب و عذاب نہیں ہوگا۔ تو اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور وہ لوگ
 جو اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کے حقائق اور اس کی اس حکمت کے قائل ہیں۔ جو اللہ سبحانہ کی صفات
 سے اور اسی صفت کی وجہ سے اس کا اسم حکیم ہے اور آصفیت سے خلق اور امر کا سلسلہ عمار
 ہوا ہے انکو تمام فرقوں کی نسبت اس باب میں صحیح علم حاصل ہوا ہے اور ان کا مسلک جملہ سالک کی نسبت
 زیادہ صحیح اور ناقص اور اضطراب سے سالم ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ کی قدرت و مشیت عامہ اور اسی

اس ملک کا نہ کئے شہر نہیں۔ جو اسکے افاضال کی غایت سے نہ۔ اور انہوں نے اپنے مسلک کو اس کے
 اسلام و صفات سے وابستہ اور ان پر مبنی کیا ہے۔ اور ان کا مسلک۔ اور عقیدہ عقائد بشرح افراط
 کے مطابق ہے اور انہوں نے اس بابت پر یقین کیا ہے کہ یہ کی حکمت کا بلکہ مقتضی اور اس کے لوازم
 ہیں۔ اور حق کا لازم نثر اور بدل کا لازم مدد اور حرکت کے لوازم بھی کہتے ہیں۔ پس اس
 نظام میں یہ سمجھنا چاہئے کہ یہاں انہیں چاہیے ہیں ایک نفس جو ارادہ اور اختیار سے حرکت کرتا ہے تو یہ
 طبیعت جو بغیر ارادہ اور اختیار کے حرکت کرتی ہے اور شکر کا منشا یہ دونوں حرکت اور انکی دونوں قسم کی
 حرکت ہے۔ اور یہ نفس اور طبیعت دونوں اس طور پر پیدا کئے گئے ہیں۔ کہ ان سے شکر کا صدور ہر
 اور یہ دونوں اپنے محال کے محال کرشمے لئے حرکت کرتے ہیں۔ اور انکی حرکت سے خیر و شر دونوں پیدا
 ہوتے ہیں جیسا کہ فلاک۔ سورج۔ چاند۔ ہوا۔ پانی اور آگ کی حرکت سے خیر اور شر دونوں پیدا ہوتے
 ہیں۔ اور ان حرکات سے جو خیرات پیدا ہوتی ہیں انکی دوسری ہیں ایک وہ جو بذات خود مقصود ہوتی
 ہیں۔ دوسری وہ جو دوسرے خیرات کیلئے جو ان سے زیادہ افضل اور اعلیٰ ہیں وہ پیدا ہوتی ہیں۔
 اور جو شر پیدا ہوتے ہیں وہ مقصود بالذات نہیں ہوتے بلکہ حصول خیرات کیلئے وسائل اور آئینے
 لازم ضروریہ ہوتے ہیں۔ حرکت جو نفس کی جبلت میں لکھی گئی ہے۔ اس کی ذات کے لوازم میں ہے
 اور نفس بستر یہ اس حرکت کے بدل نفس ہی نہیں ہو سکتا پس اگر کوئی نادان یہ شبہ کرے
 کہ نفس کو اس حرکت کیوں پیدا کیا گیا کہ وہ ہر وقت حرکت کرتا ہے تو یہ شبہ بالکل ایسا ہو گا جیسا کہ کوئی یہ
 پوچھے کہ نفس کو آگ کہاں کہاں ہوا کہ ہوا کیوں بنایا گیا غرض کہ نفس کو حرکت بنایا جاتا تو وہ نفس ہی نہ ہوتا اور
 ایسے ہی اگر طبیعت کو اس طور پر پیدا کیا جاتا تو وہ طبیعت ہی ہوتی اور اسی طرح اگر انسان کو خرافت اور صفت
 پیدا کیا جاتا تو وہ انسان ہی ہوتا۔ اگر کوئی شخص استدعا کرے کہ نفس کو اس صفت پر کیوں پیدا کیا تو اسکا جواب یہ ہے
 اس صفت پر پیدا کرنے میں اسکے وجہ کا کمال مقصود ہے لہذا اس صفت پر اس کو پیدا کیا۔ اور نیز اس کے
 خالق اور پیدا کرنے والے کے محال کا یہ مقتضی ہے کہ وہ اس صفت پر پیدا کیا جاتا۔ کیونکہ اس میں
 وہ حرکت ہیں۔ جو اسکے پیدا کرنے والے کے سوا کسی دوسرے کو پوری طرح معلوم نہیں۔ اور اگرچہ اس
 نفس کے پیدا کرنے میں کسی قدر شریک ہے لیکن اس خیر کلی کی نسبت جو اس کے ایجاد کا باعث ہے یہ
 شریک قلیل اور جزوی ہے اور اس کا وجود اسکے علم سے بہتر ہے اور اگر اس صفت پر پیدا کیا جاتا ہے
 تاہم یہ وجود میں نقص ہوتا اور وہ مصالح و مفید اور حکمتیں جو اسکے اس صفت پر پیدا کرنے پر نہ خوف ہیں
 فوت ہو جائیں اور اسی لئے جب ملائکہ نے انسان کے پیدا کرنے کی سبب اعتراض کیا اور یوں

کما تَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفَسِّدُ فِيهَا وَيُفْسِدُ فِيهَا الَّذِي مَأْكَلُ كَمَا قَدْ خَلَقْنَا فِيهَا مَنْ يَبْنِي فِيهَا وَيَبْنِي فِيهَا
 ہے جو اس میں خساد بھیدائے اور خورنریاں کرے تو اللہ سبحانہ نے انکو یہ اب دیا کہ اسکے پیدا کرنے
 میں تدبیر اور مصالح ہیں جو تم کو علوم نہیں انکو صرشت میں ہی جانتا ہوں اور جب کما تَجْعَلُ فِيهَا مَنْ
 کے پیدا کرنے کے مصالح اور حکمتوں سے نادانفہم ہیں جو زمین میں پیدا اور خورنریاں کر دیکھا تو دوسرے
 لوگ تو بے ذہن اور اسلئے مصالح اور حکمتوں سے بے خبر ہونگے۔ غرض انسان کا پیدا کرنا اللہ سبحانہ کی
 کما تَجْعَلُ فِيهَا مَنْ یَبْنِیْ فِيهَا اور حکمت پر مبنی ہے اور اگرچہ اس کا وجود شر کو مستلزم ہے مگر یہ شر اس خیر کی نسبت
 برائے کے پیدا کرنے میں موجود ہے نہایت قلیل اور کالعدم ہے جیسا کہ بارش برسنے سے برف پڑنے سے
 ہواؤں کے چلنے سے آفتاب کے طلوع کرنے اور حیوانات نباتات پہاڑوں اور دریاؤں کے پیدا کرنے
 میں خیر کثیر موجود ہے اور ان چیزوں میں کسی قدر شر بھی پایا جاتا ہے مگر اس خیر کثیر کے مقابل شر کا کالعدم
 ہے۔ اور یہ حکمتیں مصالح خیر کثیر اور شر قلیل بطرح سلسلہ خلق میں موجود ہیں اسی طرح سلسلہ امر
 شریعت اور دین کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے جن اعمال صالح کا امر فرمایا ہے انکی خیر اور
 مصلحت انکے شر پر غالب اور راجح ہے اور قلیل شر جو ان میں موجود ہے وہ بہ نسبت خیر کے کالعدم
 ہے اور جن اعمال اور افعال قبیحہ سے منع فرمایا ہے ان کا شر اور مفسدہ انکے خیر پر غالب ہے اور وہ
 قلیل خیر جو ان میں موجود ہے وہ بہ نسبت شر کے کالعدم ہے۔ غرض سلسلہ خلق اور امر میں اللہ سبحانہ
 کی مادت اس طرح جاری ہے کہ وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن میں خیر غالب یا خیر راجح موجود ہو
 اور اسی طرح ان کاموں کا امر فرماتا ہے جو محض خیر ہوں یا ان میں خیر غالب ہو۔ پس جب خیر اور شر
 کے اسباب متناقص ہوں اور تقضین کو جمع کرنا محال ہے تو ان اسباب کو پیدا کرتا ہے جن میں خیر غالب
 ہو اور اسباب راجح کو جو ہر مقدم کرتا ہے اور اس صورت میں اسباب راجح کے پیدا کرنے میں
 کوئی شر نہیں اور جن اسباب میں شر غالب ہو انکو ان اسباب کے پیدا کرنے سے جن میں شر کم اور
 مروج ہو دفع کر دیتا ہے اور اس طرح ایسے اسباب کے پیدا کرنے میں جن میں نہایت قلیل شر موجود
 ہے بہ نسبت اس شر کے جو ان کے ذریعہ سے دفع ہوئی کوئی شر نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح سلسلہ امر اور
 شرع میں بھی اس کی یہی عادت ہے کہ خیر راجح کو مقدم فرماتا ہے گو اسکے ضمن میں کچھ قلیل شر بھی
 ہوا اور شر راجح کو معطل فرماتا ہے اگرچہ اس کے معطل کرنے میں کسی قدر قلیل فوٹ کیشن نہ ہو۔ تمام چیزوں
 کی نسبت جن کو آسمان زمین میں پیدا کرتا اور جملہ امور و اشیاء میں اس کا یہی کاوش ہے۔ اور آخرت میں
 بھی یہی طریقہ جاری فرمایا گیا۔ غرض اللہ سبحانہ نے ہر ایک چیز کی خلقت کی حسن طور پر پیدا کیا اور اپنے تمام

ہے جس نے اپنے خدائے باریک بینی اور قدرت سے استشیاد کو اس کے اہل اوسے نکالا اور پیدا کیا ہے۔ رند
 کو مرد سے ہے۔ رند سے کو زند سے ہے۔ مدد سے کو بے مدد سے اور یا بس کو مدد سے پیدا کیا ہے
 اور اسی طرح لذات کو آلام سے اور آلام کو لذات سے اور سب سے عمدہ اور اعلیٰ لذات یعنی جنت سے
 آلام کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور سب سے بڑی تکلیف اور جہنم میں مصیبت یعنی دوزخ لذات کا نتیجہ اور ثمرہ
 ہے اور اس دنیا میں جو کہ ہیئت محسوس اور مصیبت کا گھر ہے خیرات یعنی نعمتیں۔ ساقیہ۔ رحمت
 اور مصلحت اپنے اہل اوسے کئی رتبے زیادہ موجود ہیں حیوانات کے تکالیف اور آلام ان کے لذات سے
 بہت ہی کم ہیں اور بیماری بہ نسبت بھرت کے بھوک اور پیاس بہ نسبت سیری اور آبی سے اور کلفت
 بہ نسبت آرام کے بہت ہی کم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قَدْ مَعَ الْغَسْرِ يُفْسِرُ اِنَّ مَعَ
 الْغَسْرِ يُفْسِرُ (سو بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے یہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے) اور ایک غلو کہ
 پر کعبہ غالب نہیں ہو سکتا۔ اور اکی دہر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب اور اس کا غضب
 عقوبت سے سابق اور اس کی رحمت عذاب سے مقدم ہے اور خیر اس کے صفات اور افعال میں متحقق
 ہے اور شر کا وجود صرف فضولات میں ہے جس کے افعال شب سے پاک ہیں اور جس کے تمام اوصاف با عدل
 کمال اور اس کے جملہ افعال خیرات میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ حیوانات کے دکھ اور درد میں یا تو یہ مصلحت
 ملحوظ ہوتی ہے کہ تھوڑے سے دکھ اور درد کے ذریعہ سے ایک نعمت تکلیف اور مصیبت
 سے بچایا جاتا یا اس دکھ اور درد کو قوت۔ صحت اور کمال کا وسیلہ بنایا جاتا ہے یا اس کے
 عوض وہ نعمت تیار کی جاتی ہے کہ جس کے مقابل اس دکھ اور درد کی کوئی حقیقت اور ہستی نہیں
 ہوتی کیونکہ دنیا کے تمام مصائب اور آلام کو آخرت کے لذات اور خیرات سے وہ نسبت بھی نہیں
 جو ایک ذرہ کو دنیا کے تمام پہاڑوں سے ہے۔ اور اسی طرح دنیا کے تمام لذات آخرت کے
 تکالیف اور آلام سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اور اللہ سبحانہ نے لذات اور آلام میں سے کسی
 چیز کو بیکار نہیں پیدا کیا اور انکو فضول نہیں بنایا۔ اور یہ اس کی کمال قدرت اور حکمت ہے کہ ہر ایک
 کو درد سے کاثرہ ٹھیکہ ہے۔ اور چونکہ آلام و لذات حیوانات کی خلقت کے لازم میں سے ہیں۔
 اور لازم خلقت کا زائل اور معدوم ہونا محال ہے جیسا کہ مخلوق سے فقر۔ حاجت اور نقص کا
 زوال ناممکن ہے۔ مخلوق میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ سبحانہ کی محتاج اور فقیر اور پذیر
 علم اور قدرت میں ناقص نہ ہو۔ لہذا حیوانات کے لئے آلام اور تکالیف کا ہونا ضروری ہے۔
 پس اگر نوع انسان یا حیوانات کی کوئی دوسری نوع ایسی ہوتی۔ کہ عالم کون و فساد یعنی دنیا

ہیں اسے جبکہ پینس نہ لگتی اور اسے کوئی درد نہ تکلیف نہ ہوتا تو وہ حیوانیت کی مجلس سے نہ ہوتی۔ اور یہ دنیا بھلا اور لذت کا گھر ہو جاتا اور لکھ بھانہ نہ ہو سکتا اور لذت کے ساتھ مقام نہیں بنایا۔ بلکہ اپنی حکمت کا نام سے اسکو ایسا مستحکم بنا دیتے ہیں کہ وہ کبھی نہ تھکے نہ سہمے۔ خوشی غم کے ساتھ اور صحت مرض کے ساتھ غلطی و بارے ۴

فصل۔ چونکہ آگہم و کھ اور مصائب اور اوج اور ابدان دونوں کے لئے دوا اور علاج ہیں۔ لہذا یہ حیوانات خصوصاً نوع انسانی کے لئے باعث کمال ہیں۔ اس کا خالق اور پیدا کر نے والا اس لئے اس کو بیمار کرتا ہے تاکہ اس کو شفا بخشے اور صحت میں لائے۔ سبب بتا کر تا ہے کہ اس کو عافیت اور آرام عطا فرمائے اور موت کو راستے بنایا ہے کہ زندہ کر کے اس پر اپنا انجام و کلام ظاہر فرمائے اور حیوانیت جاودانی نہخشے۔ اور وہ تمام حیوانات اور اسی طرح انسان کو ان کے کمال کے کمال کے مراتب میں درجہ بدرجہ پہنچاتا ہے۔ یہاں کہ آخر کمال تک پہنچتے ہیں۔ اور ان کمال کے حاصل کرنے کے لئے ایسے اسباب بنا دیتے ہیں۔ کہ جن کے بدوں انکا حاصل ناممکن ہے۔ لہذا وہ اسباب ان کے کمال کے حصول کے لئے موقوف علیہ اور اس کے لازم میں سے ہیں۔ اور بظاہر ہے کہ ملزوم کا بدوں لازم موجود ہونا محال ہے جیسا کہ مخلوق کا حاجت فقر نقص اور لنگے لازم اور لازم لازم کے بدوں موجود ہونا محال ہے۔ لیکن اکثر لوگ اللہ سبحانہ کی ذات۔ اسکی حکمت۔ علم اور اس کے کمال سے بے خبر ہیں۔ اور بہت سے متمنع اور محال امور کو فرض کر کے اور اپنے ذہن میں قرار دیکر لیں کہتے ہیں۔ کہ موجودہ نظام الہی کی بہ نسبت ان امور کا موجود ہونا انتظام عالم کے لئے اچھا اور اس کے کمال کا باعث ہے۔ اللہ ربیم کی رحمت کی شان دیکھو کہ وہ انکی جہالت۔ عاجزی۔ نقص عقل اور ایسے خیالات کرنے پر بھی ان پر رحم فرماتا ہے۔ اور وہ اپنی جہالت۔ عاجزی اور نقصان عقل اور اللہ سبحانہ کے کمال اور اسکی محمودیت کا اقرار کرتے اور اس اعتراف و اقرار پر ثابت قدم اور مستقیم ہو جاتے تو اللہ سبحانہ کی رحمت سے حظ وافر کے مستحق ہوتے۔ اور اللہ سبحانہ نے سلسلہ فن کو حمد کے ساتھ شروع فرمایا اور اس عالم کے انتظام کو حمد کے ساتھ ہی ختم کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْ رَحْمَةٍ تَعْرِيفِ اللّٰهِ كُو (سراور) ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین کو۔ وَخُفِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (اور دوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائیگا اور رعب ہو ہوا

کہ آخر کائنات ہر طرف سے یہی حمد اور بلند ہوئی کہ سب تعریفیں خدا کو (منزاد) ہیں جو تمام جہاں کا پروردگار
 ہے اور اپنی کتاب کو حمد کے ساتھ نازل فرمایا۔ اور دین کو حمد کے ساتھ مشرب کیا۔ اور ثواب
 و عقاب کو حمد کے ساتھ مقرر کیا ہے۔ اور حمد اسکی ذات، صفات، مقصد، کمال، اہمیت سے ہے اور
 اس کا محمود ہونا ضروری ہے۔ اور حمد ہی سلسلہ خلق کا سبب اور اسکی ذات، اہمیت ہے۔ اور وہ
 اسکی موجب ہے اور اسی کے واسطے اس کا ایجاد ہوا ہے۔ اور اسکی ہی نہ کمزوری نہ سبب
 چیزوں میں موجود ہے جن کو اس کا علم اور رحمت محیط اور حاوی ہیں۔ اور اس کا علم اور رحمت تو سبب
 چیزوں کو حاوی اور محیط ہے پس ایسی کوئی چیز موجود۔ مقدر اور شروع نہیں جو اس کی حمد کو
 متضمن نہ ہو اور حمد کے لئے اسکو موجود۔ مقدر یا شروع نہ کیا ہو۔ اور سلسلہ خلق اور امر کی
 ہر ایک چیز غایت محمود و متضمن ہے۔ اور ان غایات کے لوازم اور لوازم کا موجود ہونا
 ضروری ہے اور اسی واسطے آسمان۔ زمین اور ان کے مابین کو اور نیز ان چیزوں کو جو آئینہ
 پیدا کرینگے سب کو اسکی حمد پھر سکتی ہے بلکہ انکے بھرنے کے بعد پھر بھی وسیع رہتی ہے۔ اور
 انکے ہی نہ کمزوری نہ سبب چیزوں میں موجود ہے۔ ایک حمد اسکی ربوبیت پر ہے۔ دوسری حمد ربوبیت کے
 ساتھ متفرد اور یگانہ ہونے پر تیسری حمد اسکی اُلویہیت اور اس کے ساتھ متفرد اور یگانہ ہونے
 پر۔ چوتھی حمد اسکی نعمتوں پر۔ پانچویں حمد اس کے احسان پر چھٹی حمد اسکی حکمت پر۔ ساتویں حمد
 اپنے مخلوق میں عدل و انصاف کرنے پر آٹھویں حمد اولاد، شرکاء اور مددگاروں سے مستغنی ہونے
 پر نویں حمد اس کے اس کمال پر جو اس کے سوا کسی دوسرے کے لئے لائق نہیں ہیں وہ ہر حال
 ان اور نفس میں اور اپنے جملہ افعال و مشروعات و صفات اور تمام ان چیزوں پر جن سے وہ منزہ
 ہے۔ اور خیر و شر۔ لذت۔ الم۔ عافیت۔ بلا و غیرہ جو کچھ سلسلہ ہستی میں موجود ہے سب
 پر محمود ہے۔ اور جس طرح کہ تمام ملک اسی کا ہے۔ اور سب قدرت۔ عزت۔ علم اور جمال
 اسی کے لئے حاصل ہے۔ اسی طرح تمام حمد بھی اسی کے واسطے ثابت ہے جیسا کہ اس دعا
 میں وارد ہے۔ **جاءت حضرت صلوات اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَجْمَلُ**
كُلِّ شَيْءٍ وَ لَكَ الْمُلْكُ كُلُّهُ اَلَمْ يَلْنِ لِيْ اِنَّكَ تَقَامُ حَمْدُكَ كِيْ مَسْتَقْنٍ۔ صرف تیری ہی
 محبت مقدس ہے۔ اور سب ملک تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور جملہ شیرات تیرے ہی اختیار
 میں ہیں۔ اور سب امور کا مرجع اور مال تیری ہی طرف ہے۔ اور صرف ایک تو ہی لائق حمد
 ہے۔ اور دنیا بہشت اور دوزخ سب کچھ تیری حمد ہی سے آباد ہے۔ یہاں تک کہ

اہل دوزخ بھی اللہ سبحانہ کی حمد کریں گے۔ جس بھڑی کا قول ہے کہ دوزخی دوزخ میں داخل ہونگے اور اُن کے دل اللہ سبحانہ کی حمد کرتے ہونگے۔ اور اُس کے رکنا رکے لئے انکو کوئی حجت یا راستہ نہیں ملے گا۔

فقہ مصل۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ دوزخ کے اُس عذاب شدید سے کوئی لذت اور خیر پیدا ہوگی۔ کہ دائم اور غیر منقطع ہوگا۔ اور کبھی اُس میں کمی نہ ہوگی۔ بلکہ ابد الابد اور ہمیشہ دوزخیوں کا یہ حال رہے گا۔ کہ جب اُن کے چڑے جل جائیں گے تو پھر نئے سرے سے اُن کے اور چڑے بدل دیئے جائیں گے۔ اور اُس عذاب کا کبھی خاتمہ نہ ہوگا۔ اور نہ اُن کے لئے موت ہوگی اور ایک لمحہ بھرنے کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ تو اس کا یہ جواب ہے۔ کہ یہ ایسا سوال ہے کہ لاکھوں کے دل تو بجائے خدا سے براڑا مل جاتے ہیں اور اسی شبہ کی وجہ سے منکرین حکمت نے اللہ عزیز حکیم کی حکمت کا انکار کیا اور تمام امور کو اللہ سبحانہ کی اُس شیت محض سے وابستہ کیا ہے جس کے لئے نہ کوئی سبب ہے اور نہ کوئی غایت۔ اور اُنہوں نے اس بات کو جائز رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے فرمانبردار اور پیائے بندوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔ اور انکو دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں جگہ دے۔ اور اپنے دشمنوں مشرکین پر انعام و اکرام فرمائے۔ اور انکو ہمیشہ جنت کے اعلیٰ درجے میں بلند مراتب عطا فرمائے۔ اور جس کو چاہے بغیر کسی سبب اور عمل کے دوزخ میں داخل کرے۔ اور اہل دوزخ کے اعمال کی مساوات کی صورت میں چاہے۔ تو انکو مختلف مقامات میں رکھے اور اعمال میں تفاوت ہونے کی صورت میں چاہے تو سب کے عذاب میں مساوات کر دے۔ اور کسی کے گناہ کے عوض دوسرے کو عذاب میں گرفتار کرے۔ کسی نیکو کار کی سب نیکیاں باطل کر دے۔ اور اشکان کا کوئی عوض اور بدلہ نہ دے یا ان کا ثواب اور بدلہ دوسرے شخص کو دیدے۔ اللہ سبحانہ کی مشیت یہ سب کام جائز ہیں۔ اور ان کا وقوع صرف اس لئے محال ہے کہ اُس نے پان فرما دیا ہے کہ وہ ایسا نہیں کریگا۔ اور چونکہ اُس کی خبر صادق ہے۔ لہذا اُن کا وقوع ناجائز ہے۔ اور اُس کی ذات مشیت اور قدرت کے لحاظ سے اُن کا وقوع اور عدم وقوع دونیکساں ہیں۔ اور اُن کا یہ قول ہے کہ اس اصول کے بعد اس شبہ سے خلاصی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ لوگ بسا اوقات ظاہری بات سے استدلال کرتے اور انکو اپنے موقع اور محل پر نہیں دیکھتے اور عدل اور حکمت کے اولہ کے درمیان تطبیق۔ اور امور کو اُن کے اسباب سے وابستہ اور

اُن پر تہمت کرنے اور موازنہ اور مقابلہ کے آثار کا لحاظ نہیں کرتے۔ اور بطرح لائنوں سے
 اللہ سبحانہ کو ایسے اوقاف کے ساتھ موصوف کر کے جس میں جو اسے ستان۔ کے لائق نہیں غلطی
 کی ہے اور اس کی نسبت اُن امور کو جائز رکھا ہے جو اس کی نسبت جائز نہیں ذی طرح قرآن کریم
 کے سمجھنے میں بھی غلطی پر ہیں۔ اور فرق قدر یہ ہے جو اسباب اور حکم کے قائل ہیں۔ ان کا مقابلہ
 کیا اور یوں سمجھا کہ ممکنہ تعلیل کے قول کی وجہ سے وہ اس توح قلب سے بچ جائیں گے۔ مگر وہ ایک
 اسی قسم کی خرابی بلکہ اس زیادہ خرابی میں پڑے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی تمام عمر اللہ سبحانہ
 کی عبادت و طاعت میں گزارے اور آخر عمر میں اُس سے ایک ٹکٹہ کیسہ سرزد ہو جائے۔
 جس سے اُس نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کی ہو تو اللہ سبحانہ پر واجب ہے کہ ایسے شخص کو
 کفار کے ساتھ ہمیشہ ابد الابد دوزخ میں رکھے۔ قدر یہ ایسے شخص کی کسی عبادت اور سلام کا
 بالکل لحاظ نہیں کرتے۔ اس نہ ہم میں قدر یہ کا قول اپنے بھائیوں بھیریہ سے بھی زیادہ
 برا ہے کیونکہ وہ اس حکم کو اللہ سبحانہ پر واجب نہیں کرتے۔ بلکہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ایسا کرنا اور نہ
 کرنا وہ ذیابین اللہ سبحانہ کی نسبت جائز ہیں اور کیا کرنا اُس کی شہیت پر موقوف ہے اور
 وہ اس میں مختار ہے۔ اور قدر یہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ پر واجب ہے کہ ال کبار کو
 کفار کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رکھے۔ اور اللہ سبحانہ کو یہ جائز نہیں کہ انکو دوزخ سے
 نکال کر بہشت میں داخل کرے۔ اور انوں نے بھی قرآن حدیث کے سمجھنے اور اللہ سبحانہ
 کی نسبت ایسے امور فراموش کرنے میں بوجہ جائز ہیں ایسی ہی غلطی کھائی ہے جیسے کہ جبریہ
 اس باب میں غلطی پر ہیں۔ اور اُن لوگوں نے جن کو عقل سلیم اور علم صحیح سے حصہ ملا ہے جب
 یہ سوچا کہ جبریہ اور قدر یہ کے عقائد تو وہی گراہی ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے اپنی ہدایت
 سے مثایا ہے اور وہ یہ سمجھے کہ ایسا ہونا اللہ سبحانہ کی حکمت۔ رحمت۔ عدل۔ اور صلحت
 کے خلاف ہے تو انوں نے قرآن آیات و احادیث کے معانی کے متعلق جن کے ظاہر سے
 یہ استدلال کرتے تھے۔ یوں کہا کہ اُنکے ظاہر معانی و حقیقت مراد نہیں۔ بلکہ ان کا انداز اور خوف
 و لانا مقصود ہے۔ تاکہ نفوس جن میں قوی ہیمیہ رکھے گئے ہیں۔ اپنی شہوات اور ظلم و تعدی سے
 بائز آجائیں اور اس طرح سب سے ہستی کا انتظام ٹھیک ہو جائے۔ قدر یہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے
 اہل و اہل کھسار اور دن آخرت کے ساتھ کفر کرنے کا بڑا سبب یہ ہے۔ کہ انوں نے اپنے
 مذہب باطلہ اور اقوال فاسدہ کو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیا۔ اور یوں کہا ہے۔ کہ

انبیاء علیہم السلام نے ان عقائد پر ایمان لانے کی تعلیم فرمائی ہے جیسا کہ مسئلہ حدود و ثغیر عالم میں ان سب کو غلطی پیش آئی ہے۔ انہوں نے لوگوں کو یہ بتلایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہے کہ اللہ جہانہ ازل میں اقبال سے محض نظر کرتا اور اس سے افعال کا صدور نہ تھا۔ پھر بغیر کسی سبب اور امر کے پیدا ہوا۔ نے کہ جو فاعل کے ساتھ قائم ہو منہ و افعال کی محالیت امکان ذاتی کی طرف متقلب ہوتی۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ جو شخص اس عقیدہ پر ایمان نہ لائے تو وہ مومن اور انبیاء علیہم السلام کا مصداق نہیں۔ یہ پدار کے متعلق ان کے یہ عقاید ہیں۔ اور معا و کے باب وہ ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ ان کے بعد ایک اور فرقہ پیدا ہوا جس نے خلق اوراد کے سلسلہ کا بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ یہ سب کچھ دھوکا دہی ہے۔ اور خلق اور امر کے سبب نہ کا وجہ و محال ہے سلسلہ ہستی میں کسی چیز کا وجود نہیں بلکہ یہاں حتمی چیزیں نظر نظر آتی ہیں۔ درحقیقت وہ صرف ایک ہی وجود ہے۔ فاعل و مخلوق۔ رب و مبروہ اور طاقت و موصیت کوئی دو چیزیں نہیں۔ بلکہ تمام اشیاء ایک ہی چیز ہیں۔ صرف وہم اور خیال انکا الگ الگ سمجھتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت آسمان و زمین و دنیا و آخرت۔ ازل وابد اور حسن و قبح سب ایک ہی چیز ہیں اور سب کا سنج اور پشہم ایک ہے۔ چہ اس سے بھی بڑھ کر یوں کہا کہ صرف ایک ہی چشمہ وجود ہے اور دوسری کسی چیز کا وجود ہی نہیں پھر اور لوگ پیدا ہوئے جو ان چار گروہ یعنی قدریہ۔ جبریہ۔ وحدت وجود اور منکرین حکمت و تعلیل کے احوال اور مذاہب کی تقلید کرنے لگے۔ اور اس طرح دین میں ایک بڑی آفت اور سخت مصیبت پیدا ہو گئی۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو صاحب عقل سمجھتے ہیں وہ نذیق اور لمحد ہو گئے۔ اور جو لوگ ان کے زعم میں کم عقل اور بے سمجھ ہیں۔ اور درحقیقت وہی عقائد اور شریعت کے متبع ہیں۔ وہ اس آفت سے بچ ہے۔ اور یہ چاروں گروہ عقل اور شرع سے بالکل علیحدہ ہیں اور ان کے مذہب عقل اور شرع سے بہت دور ہیں۔ پس ہم اللہ جہانہ کے توفیق سے یوں کہتے ہیں (اور ہم ہر حال میں اسی سے مدد مانگتے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں) کہ قرآن۔ حدیث۔ فطرت اور اولاد و عقلیہ اس بات پر مشاہد ہیں کہ اللہ جہانہ نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں موجود ہے سب کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور کسی چیز کو بیکار اور فضل نہیں پیدا کیا۔ عالم علوی اور فاعل اور جو کچھ ان میں موجود ہے سب کو اس حق کے ساتھ پیدا کیا ہے جو اسکی صفات۔ اسم اور اس کا قول و فعل ہے۔ اور اس کی ذات حق ہمیں ہے۔ پس مولے حق کے کوئی چیز اس سے صادر نہیں ہوتی۔

وہ جو کچھ فرماتا اور کرتا ہے سب حق ہے اور ان کے سب احکام حق ہیں۔ اور اسی طرح اُس کا اپنے بندوں کو ہر اور منکر دینا سب حق ہے۔ اور باطل کو اس کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔ بلکہ باطل وہ چیز ہے جو اس کی طرف منسوب نہ ہو جیسے ناجائز حکم اور وہ باطل دین جس کی اُس نے اجازت نہ دی ہو۔ اور اس کو اپنے رسولوں کی زبانی مشروع و مقرر نہ فرمایا ہو۔ اور اُس کے سوا تمام معبود باطل ہیں عبادت کے مستحق اور لائق نہیں۔ پس ان کی عبادت باطل اور انکو پکارنا سراسر غلطی ہے۔ اور قول باطل وہ ہے جو کذب اور جھوٹ ہو اور جس کو حق موجود سے تعلق نہ ہو بلکہ وہ ایک ایسی باطل چیز سے متعلق ہو جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو صرف اپنی عبادت اور معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور تمام عبادتوں کی جو اہل یہ ہے کہ بندہ اپنے مالک کی نعمتوں اور اس کے کمال و جلال پر اس سے محبت رکھے۔ اور یہ محبت ایک فطری امر ہے جو اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کی جبلت میں رکھ دیا ہے اور یہی اس کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے جس طرح کہ ان کی فطرت میں یہ بات کھدی ہے کہ سب اُس کی ہستی اور وجود کا اقرار کرتے ہیں چنانچہ انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ احکام کے وقت اپنی امتوں سے یہی بات کہی ہے اِنِّیْ لِلّٰہِ شَکْرٌ فَاَطِیْعُوْا اَمْرًا مِّنْ رَّبِّکُمْ (کیا تم کو خدا کے ہونے میں شک ہے جو آسمان اور زمین کا بنانے والا ہے) غرض اللہ سبحانہ کی معرفت اور توحید مخلوق کی فطرت میں داخل ہے۔ اور اگر ہر ایک آدمی کو اُس کی اصلی فطرت پر چھوڑا جائے۔ (اور وہ بُری تعلیم کے اثر سے محفوظ ہے) تو وہ اللہ سبحانہ کی معرفت پر قائم اور وحدہ لا شریک لہ کی عبادت پر ثابت قدم ہو۔ اور یہ فطرت ایک خلقی امر ہے جو ہر ایک کی خلقت میں داخل ہے اور اللہ سبحانہ کی فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ بہت عرصے تک لوگ اسی فطرت پر قائم تھے۔ اور مدت دراز کے بعد کچھ ایسے عوارض اور سباب پیدا ہوئے جو ان کے طبائع کے فساد کا موجب اور صحت و استقامت سے خارج ہونے کا باعث ہوئے۔ جس طرح تندرست اور صحیح بدن اور معتدل مزاج کو ایسے عوارض لاحق ہوتے ہیں جو اس کو صحت اور اعتدال سے نکال کر مریض اور بیمار بنا دیتے ہیں۔ اور جب لوگ بگڑنے لگے۔ تو اللہ سبحانہ نے اپنے رسولوں کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو ان کی اصلی فطرت کی طرف لائیں۔ پس انبیاء علیہم السلام کے اتباع اور انقیاد کے لحاظ سے لوگوں کے تین فریق ہوئے۔ ایک فریق نے تو ان کی ہدایت کو دل و جان سے قبول کیا اور پورے طود پر اُن کا اتباع اور پیروی اختیار کی۔ سو یہ اپنی اصلی فطرت پر آئے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے بدولت ان کے علم نافع اور عمل صالح میں حرق اور کمال پیدا ہوا

اور فطرت کو طرے ساتھ کمالات علمی اور عملی منضم ہونے سے نور علیٰ لہ کا مصداق ہو گئے۔ اور یہ
 لوگ آخرت میں کسی منرا یا تادیب کے محتاج نہیں اور نہ یہ ضرورت ہے۔ کہ ان کو آگ میں داخل
 کر کے ان کے فضائل و ثمرات بنیاد کو برباد یا اور انکو میل کچیل سے پاک اور صاف کیا جائے۔ کیونکہ
 یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی پورے طور پر پروردہی اختیار کرنے کے بدولت تمام آلائشوں سے
 دنیا ہی میں صاف اور ستھر رہے ہو گئے ہیں۔ اور ایک فریق نے نہ تو پورے طور پر اتباع اختیار
 کیا اور نہ بالکل انکار کیا اس لئے ان میں کچھ ایسا میل کچیل رہ گیا۔ جو اس حق اور صفائی کے خلاف
 ہے جس کے لئے یہ پیدا کئے گئے تھے۔ لہذا علیم حکیم نے ان کے ان امراض کے لئے ابتلا اور
 امتحان کا نسخہ تیار کیا پس اگر ان امراض سے دنیا میں صحت یاب اور ان آلائشوں سے اسی عالم
 میں پاک و صاف ہو گئے تو فہم اور نہ عالم برزخ میں ان کے علاج کی تدبیر ہوگی۔ اگر وہاں بھی
 پوری صفائی اور صحت حاصل نہ ہوئی۔ تو مرتف قیامت میں وہ تدبیر ہوگی کہ اس میل کچیل
 پاک و صاف ہو جائیں۔ اگر وہاں بھی کچھ کسر رہی تو علاج کی آخری تدبیر سے انکو پاک و صاف
 کیا جائیگا۔ یعنی طب کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی علاج مفید نہ ہو تو دوسرے کو آگ میں گرم کر کے
 مریض کو داغ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو دوزخ کی بجٹی میں داخل کر کے انکو پاک اور
 صاف کیا جائیگا۔ اور جب باطل پاک تھا اور صبح و سحر درست ہو جائیگا۔ تو بیمار خانہ یعنی دوزخ
 سے نکال کر اعلیٰ عاقبت کے مقام یعنی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ مضمون صحیح حدیث
 سے ثابت ہے اور حدیث کے الفاظ میں صراحت موجود ہے۔ کہ جب وہ پاک اور صاف ہو جائیں گے
 تو انکو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت ہوگی۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول طینۃ
 کا ذللوھا خلیدین (تم دہڑے) مزے میں ہے تو بہشت میں ہمیشہ دہیشہ کیلئے داخل ہوں
 سے یہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ جب تک کہ وہ گناہوں کی آلائش سے پاک و صاف نہ
 ہوں گے اللہ سبحانہ انکو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیگا۔ کیونکہ وہ پاک لوگوں کا مقابلہ
 اس میں کسی قسم کی کوئی آلائش اور گندگی موجود نہیں۔ اور چونکہ انکو صرف گندگی اور آلائش
 سے پاک و صاف کرنا منظور ہے لہذا ان کو دوزخ میں اسی قدر رکھا جائیگا جس سے وہ پاک
 و صاف ہو جائیں اور بہشت اور گندگی دور ہو جائے۔ اور ایک فریق نے انبیاء علیہم السلام کی
 ہدایت کو قبول نہ کیا اور انکی پیروی اختیار نہ کی۔ بلکہ فطرت اصلی کے خلاف پرچھے رہے۔ اور
 پہلی فطرت کی طرف رجوع نہ کیا۔ اور انکی حالت ایسی خراب ہے کہ اگلی اصلاح کی قطعاً امید نہیں۔

دنیا کی نکالیں۔ موت اور عالم برزخ کے مصائب اور قیامت کے احوال انکی گنہ گاریاں اور میل کچیل دور کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اور نہ علیم حکیم کی حکمت اس بات کو رد رکھتی ہے۔ کہ ان کو پاک لوگوں کے ساتھ ایک مقام پر اکٹھا رکھا جائے۔ اور نہ انکو فنا کیلئے پیدا کیا تھا لہذا ان کو ایسے مقام میں داخل کر دیا جس میں طرح طرح کے عذاب اور قسم قسم کی تکلیفیں موجود ہوں گی۔ جب تک ان میں کفر و شرک کی میل باقی رہی اسی میں موجود رہیں گے۔ اور دوزخ کی آگ میں جلنے کا عذاب محض انکے اعمال خبیثہ کے عوض ہو گا۔ ہر ایک گنہ اور برے کام کے مناسب اور اس کے مطابق عذاب کی مختلف صورتیں ہوں گی۔ اور جب تک ان اعمال کے مطابق اور جو کچھ ان پر مرتب ہوا باقی رہے گا ان کا عذاب باقی رہے گا۔ غرض جب تک عذاب کے موجب بات باقی ہوئے تب تک ان کا عذاب باقی رہے گا۔ اگر کوئی شخص یہ استدعا کرے کہ اگر ان لوگوں کی فطرت اصلی کا اثر بالکل جاتا رہا اور وہ کالعدم اور بالکلیہ باطل اور زائل ہو گئی۔ اور عارضی فطرت کی طرف یہ لوگ منتقل ہو گئے۔ تو اس صورت میں تو ان کو عذاب سے کبھی خلاصی نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ یہ عذاب تو اس فساد فطرت کی سزا ہے جس نے فطرت اصلی کو زائل کر دیا اور اگر فطرت اصلی بالکلیہ زائل نہیں ہوئی بلکہ اس کا مرض اور فساد عرصے بڑھ گیا اور نفس فطرت موجود اور باقی ہے جیسا کہ بدن میں جان موجود ہو اور مرض اپنی غایت کو پہنچ جائے۔ اور ایسی حالت ہو جائے کہ زندگی کافی محض برائے نام باقی رہ جائے اور اس وقت اگر طبیب کوئی ایسی دوا تجویز کرے جو نہایت بد مزہ اور جس کا کھانا سخت دشوار ہو۔ تو مریض جب تک ایک عرصہ دراز تک اس کو استعمال نہ کرے گا تو اس کو ہرگز صحت حاصل نہ ہوگی۔ اور عرصہ دراز کے بعد جب مرض جاتا رہے اور بدن اپنی اصلی حالت پر آجائے۔ تو پھر دوا کے استعمال کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح کفار کی جب اصلی فطرت باقی ہے اور آگ میں جلانے سے اس کا فساد جاتا رہے گا۔ تو پھر انکو عذاب دینے کی ضرورت نہیں۔ دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ اور جو لوگ دوسری صورت کا اختیار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ قتل اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ عرصہ دراز تک عذاب ہونے کے بعد کفار کو دوزخ سے نکالا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اول عقلیہ و نقلیہ اور فطرت اس بات پر شہد ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ حکیم اور رحیم ہے۔ اور یہ حکمت اور رحمت کے خلاف ہے۔ کہ کفار کو ابد الابد ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھا جائے اور اللہ سبحانہ کی ذات کے دوام کے ساتھ ان کا عذاب دائم ہے اس کی حکمت اور رحمت کے مقتضی کے خلاف ہے اور جو لوگ اس مسئلہ کے قائل ہیں کہ کفار کو ہمیشہ

آیت تک۔ وقال نَحْنُ ذُنُوبٌ كَثِيرَةٌ لَا تُبْرِئُنَا مِنْ ذُنُوبِنَا رَبَّنَا اِنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ
 ابو بکر صدیقؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اے رسول خدا! اللہ سبحانہ نے فرمایا
 ہے کہ جو شخص کوئی بُرائی کر لیا اُس کو اُسکی سزا دیا جائیگی۔ اور ہم کو ہمارے گناہوں پر کوئی سزا نہیں ہوگی۔
 آپؐ نے فرمایا اے ابو بکرؓ کیا تجھے دنیا کی کوئی تکلیف پیش نہیں آتی، کبھی تم کو غم لاحق نہیں ہوا۔
 کبھی کوئی وہ مصیبت نہیں پہنچی۔ ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یہ تو سب باتیں موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔
 پس اس آیت کا یہی مطلب ہے وقال تعالى وَمَا أَكْثَرُ مِثْقَلُ ذَرَّةٍ فِي مِيزَانٍ اِنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ
 اور دو گواہوں پر جو مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے اپنے ہی کرمات سے (اے) اس آیت میں تنخیر کو ساتھ
 بشارت بھی موجود ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے بتلادیا ہے کہ دنیا کے مصائب بندوں کے گناہوں
 کی سزا ہیں۔ اور وہ ارحم الراحمین اس بات سے پاک ہے کہ اپنے بندے کو اُس گناہ پر جس کی
 سزا وہ دنیا میں پا چکا ہے۔ آخرت میں دوبارہ عذاب کرے۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلعم نے
 فرمایا ہے کہ جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے پھر اللہ سبحانہ اُسکے گناہ کو چھپا دے تو آخرت میں
 اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے وہ چاہے تو اُسکو عذاب کرے اور چاہے تو بخش دے۔ اور جس کو
 اُس کے گناہ کی سزا دنیا میں ہو گئی۔ تو اللہ کریم دوبارہ آخرت میں اُس کو عذاب نہیں کرے گا۔ اور نیز
 حدیث شریف میں آیا ہے کہ حدود (شرعیہ گناہوں کے لئے کفارات) (مثانے والی) ہیں۔ اور
 صحیحین میں برعایت عبادہ مروی ہے کہ جس شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو اور پھر دنیا میں اُس کو
 اُسکی سزا دیا جائے تو وہ اُس کے لئے کفار ہے اور حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے
 کہ مومن کو کوئی بیماری تکلیف نہ رہے۔ فکر اور وہ مصیبت ایسی لاحق نہیں ہوتی کہ اُس میں
 اُس کے گناہوں کے لئے تخفیف نہ ہو یاں تک کہ مومن کو جو کائنات چھتا ہے وہ بھی اُس کے
 گناہوں کیلئے کفارہ ہوتا ہے۔ اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے کہ مومن کو اہل مال اور اولاد کے بارے
 میں مصائب پیش آتے ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ سبحانہ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا۔
 کہ وہ تمام گناہوں سے پاک ہو گا یعنی ان مصائب کی وجہ سے اللہ سبحانہ اُسکے سب گناہ اُس
 کے مرنے سے پہلے معاف کر دیگا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن جب بیمار ہوتا ہے
 تو وہ بیماری کی وجہ سے گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ برف صاف اور
 ستھری ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تپ گناہوں کو اس طرح دُور کرتا ہے جس
 طرح لہار کی بجٹی لوہے کے سیل کو دور کرتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تپ کو گالی است و کیونکہ

وہ بنی آدم۔ کئے گناہوں کو دور کرنا ہے۔ اور مکفرۃ الذنوب تھی زقیہ کے اسمیں سے ہے ۷
 اور جہیز صبح میں وہاں ہے کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائے گا اسے پھر سے بندہ سے
 میں بیمار ہوا۔ تو نے میری بیماری پر سی نہ کی بندہ عرض کرے گا۔ اے اللہ میں کس طرح تیری عبادت
 کرتا تو بہ العالمین ہے سب بیماریاں سے پاک ہے اللہ سبحانہ فرمائے گا کہ میرا ملاں بندہ بیمار ہوا
 اور تو نے اس کی بیماری پر سی نہ کی۔ اگر تو اس کی بیماری پر سی کرتا تو مجھ کو اسیکے پاس پالیتا۔ اور اس طرح
 کھانا کھلانے اور پانی پلانے کی نسبت فرمایا ہے۔ گناہیں جملہ میں اُن دونوں کی نسبت زیادہ برابر
 ہے۔ غرض جو شخص مرض میں مبتلا ہوا اللہ سبحانہ کی رحمت اور خیر اُس پر نازل ہوتی ہے۔ اور چونکہ
 مرض کی وجہ سے وہ شکستہ دل ہوتا ہے اس واسطے اللہ سبحانہ اُس کو اپنے قرب کا مرتبہ بخشا ہے
 کیونکہ وہ شکستہ دلوں کے پاس ہوتا ہے۔ اس قسم کی حدیثیں بکثرت موجود ہیں۔ جن سے یہ
 معلوم ہوتا ہے کہ مصائب اور آلام بنی آدم کی مصلحت پہنچتے ہیں۔ کہ وہ گناہوں سے پاک اور
 صاف ہو جائیں۔ اور دنیا اور آخرت کا رب ایک ہی ہے۔ اور اسکی حکمت اور رحمت دنیا
 اور آخرت دونوں میں موجود ہے۔ بلکہ آخرت میں اُس کی رحمت کا زیادہ ظہور ہوگا۔ اور آخرت
 میں جو بعض مومنین کو دوزخ کا عذاب ہوگا وہ بھی اسی واسطے ہوگا کہ وہ گناہوں سے پاک
 اور صاف ہو جائیں۔ جس طرح کہ دنیا کے مصائب۔ حقوقات اور حدود شرعیہ کے ساتھ وہ گناہوں
 سے پاک و صاف کئے گئے تھے۔ اور بہشت اور دوزخ کے درمیان بھی اسی واسطے روکے
 جائینگے۔ کہ گناہوں سے پاک و صاف ہو جائیں۔ اور یہ بابت نفوس صحیحہ اور صریحہ سے معلوم
 ہے۔ کہ بعض مومنین کو جو دوزخ میں عذاب ہوگا۔ تو وہ اُنکے گناہوں نے مطابق مقدار اہل وقت
 کے لحاظ سے متفاوت ہوگا اور وہ سب دوزخ سے ایک ہی بار نکالے نہیں جائینگے بلکہ تدریجاً
 یکے بعد دیگرے اس سے خارج کئے جائینگے۔ یہاں تک کہ اُن میں سے ایک آدمی دوزخ میں
 باقی رہ جائے گا۔ جو سب سے پہلے نکالا جائے گا۔ اور اسی طرح دوزخ میں کنار کا عذاب بھی متفاوت
 ہوگا۔ پس منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہونگے۔ اور الباطل کو تمام
 اہل دوزخ کی نسبت تھوڑا عذاب ہوگا۔ کہ وہ دوزخ کی انہی آگ میں جلتا ہوگا جو اسکی پٹریوں
 تک پہنچیں۔ اور اس سے اُس کا دماغ باندھی کی طرح جوشش ہارے گا۔ اور آل فرعون نہایت
 سخت عذاب میں مبتلا ہوگی۔ اور جب دنیا کا عذاب جس میں خدا تعالیٰ کی رحمت کے نثر
 حصہ میں سے صرف ایک حصہ موجود ہے بندوں کے حق میں مصلحت۔ رحمت اور لطف

پشتی ہے تو آخرت کا عذاب پہ میں خدا تعالیٰ کی رحمت کے متواضع نظر ہو گئے جن میں سے ہر ایک حصہ آسمان و زمین کے مابین کو بھر سکتا ہے۔ بندوں کی معصیت سے کس طرح خالی ہو سکتا ہے اور کفار کو ابدانا باد ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھنے میں اُن کے لئے کوئی معصیت نہیں اندازہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھے جائیگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
 وَلَنَسْأَلَنَّهُمْ هُنَّ أَلْعَنَاءُ ابِ الْكَافِرِي دُونَ الْعَذَابِ الْكَثِيرِ لَعَلَّكُمْ تَرْجِعُونَ (اور دنیا کے بڑے عذاب سے پہلے ہم ان کفار کو (کو ایک ایسے) عذاب کا مزہ بھی ضرور چکھائیں گے جو اسی دنیا میں ان پر غمگین (نازل) ہو گا تاکہ یہ لوگ (ہماری طرف) رجوع کریں) اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بتلادیا ہے کہ وہ انکو اُنکے حال پر رجم کرنے کے لئے معذب کریگا۔ تاکہ اس عذاب اور تنبیہ سے اُس کی طرف رجوع کریں جیسا کہ مہربان باپ اپنے بچے کو جب کہ وہ اُس سے بھاگ کر اپنے دشمن کے پاس جلسے تو اسلئے سزا دیتا ہے کہ وہ اُسکے پاس واپس آجائے اور اُسکے سایہ عاطفت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنَّ شُكْرَكُمْ وَاْمُنْتُمْ (اگر تم لوگ (خدا کی) شکر گذاری کرو اور اُس پر ایمان رکھو تو خدا کو تمہیں عذاب دیکر کیا کرنا ہے) ان کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کو عذاب دینے میں اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں اور نہ اس سے اُسکے ملک میں کچھ زیادتی ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ کسی حکمت اور مصلحت سے خالی ہو۔ اور جب بندے شکر اور ایمان کے بجائے کفرانِ نعمت اور کفر اختیار کریں۔ تو وہ خود اپنے عذاب کے موجب اُن کفر اُس کا باعث ہوتا ہے۔ ورنہ اللہ سبحانہ کو بندوں کے عذاب دینے سے نہ تو کوئی ضرر لاحق ہوتا ہے۔ اور نہ کوئی فائدہ اُس کو حاصل ہے۔ اس تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ سبحانہ کی حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ شریر نفوس کو اُنکے شر کے موافق ایسا عذاب اور سزا ہونی چاہئے جس سے وہ معذب اور پاک و صاف ہو جائیں چنانچہ یہ بات اولیٰ عقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے اور نیز یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ یہ عذاب دائم اور ہمیشہ نہیں ہو گا۔ بلکہ ایک عین زمانے تک محدود ہو گا۔ اور اللہ سبحانہ نے انسان کو عذاب میں پیدا کیا۔ بلکہ اُسکو اسلئے پیدا کیا ہے کہ اُس پر اپنی رحمت فرمائے نہ کہ اُسکو ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے۔ عذاب کا مستحق تو انسان خود اپنے افعال کی وجہ سے ہوتا ہے غرض بندے کے حق میں اللہ سبحانہ کی رحمت اُس کے غضب سے سابق ہے۔ اور نیز موجباتِ رحمت موجباتِ غضب پر سابق اور غالب ہیں۔ اور پیدا کرنے کی غایت یہ نہیں کہ اُس کو

ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھا جائے۔ بلکہ عذاب اور سزا رحمت اور حکمت پر مبنی ہے۔ اور ہمیشہ
 عذاب میں مبتلا رکھنا اس کی رحمت اور حکمت کے خلاف ہے۔ رحمت کے خلاف ہونا
 تو ظاہر ہے۔ اور حکمت کا خلاف اس لئے ہے کہ عذاب اور سزا تو اس حالت پر ہوگی۔ جو خلعت
 آدمی پر طاری ہوئی۔ اور اس کو بدل دیا۔ اور انسان پہلے فطرت میں اس حالت میں نہیں کیا
 یہ اس لئے کہ خلق کو براہِ عرض انسان خدا کے ساتھ ترک کرنے کے عذاب میں مبتلا ہو گئے کیسے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ وہ
 اللہ سبحانہ کی عبادت اور رحمت کی غفلت پر ہے لیکن عذاب کی حالت میں جو اس کے عذاب کا باعث ہوئی ہو
 اس واسطے کہ عذاب کا سختی ہو اور اس حالت کیلئے جو علت عذاب ہوئی دوم و انتہا نہیں کیونکہ یہ باطل اور
 بے اصل ہے اور برخلاف اس کے وہ حق جو جب رحمت ہے وہ اللہ سبحانہ کے دوام
 کے ساتھ دائم اور مستمر ہے۔ اور وہی انسان کے پیدا کرنے کی غایت ہے۔ اور باعث
 عذاب اس کی خلعت کی غایت نہیں جیسا کہ عذاب اس کی غایت نہیں۔ بخلاف رحمت کے کہ وہ
 انسان کی پیدائش کی غایت اور اس کے موجبات بھی اس کی غایت ہیں۔ اس بات کو غور سے
 سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اس مسئلے کا ازہی ہے۔ اور نیز غفور اور رحیم اللہ سبحانہ کے اسماء
 میں سے ہیں۔ اور عذاب اور معاقب اس کا اسم نہیں بلکہ عذاب اور عقاب اس کے افعال میں سے
 ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے نَبِیُّ مَعْبَادِیْ اِنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَ اِنِّیْ
 عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (اے پیغمبر! ہمارے بندوں کو آگاہ کر دو کہ (ایک طرف) ا
 ہم بخشنے والے مہربان ہیں اور دوسری طرف) ہمارا عذاب (بھی بڑا) موذی عذاب ہے
 وَقَالَ تَبٰ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْمُ الْعِقَابِ وَ اِنَّكَ اَنْتَ مَوْفِرٌ رَّحِیْمٌ (اے پیغمبر! ایک
 پروردگار جلد سزا دینے والا ہے اور آپس (بھی) شک نہیں کہ وہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے) د
 قَالَ تَبٰ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ اِنَّكَ هُوَ یُعِیْدُیْ وَ یُعِیْدُ وَ هُوَ الْخَفُوْرُ الْمُوْدُّدُ
 (اے پیغمبر! بیشاب تمہارے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت (پکڑ) ہے وہی اول بار پیدا کرتا اور دوبارہ
 قیامت میں دوبارہ بھی پیدا کریگا اور وہ بخشنے والا اور بھگت کرنے والا ہے) وَقَالَ تَبٰ
 حَسْمَةُ تَنْزِیْلِ الْکِتَابِ مِنَ اللّٰهِ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ الْکِتَابَ وَ قَالَ یٰ اِلَہُ اللّٰهِ شَدِیْدُ الْعِقَابِ
 (تسبیح) یہ فرمان تحریری بیشک خداوندی سے سنا رہا ہوتا ہے جو زبردست (اور ہر چیز سے) واقف
 ہے گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا (اور میں کو آمنت سزا دیتا) والا اس قسم
 کی آیات جن سے ثابت ہو کہ اللہ سبحانہ مغفرت رحمت کریم اور علم کے ساتھ اپنی مدح فرماتا

ہے اور غفور۔ رحم اُس کے اسماء پاک میں سے ہیں قرآن کریم میں کثرت موجد ہیں۔ اور سوائے اُس حدیث کے جس میں اسماعیلی شمار کئے گئے ہیں کسی آیت یا حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ شکار نہ بنا۔ مذہب ختم اور غضب ان وغیرہ اس قسم کے اسماء کے ساتھ اپنی مدعیان فرمائی ہے۔ وہ مذہب مذہب جس میں اسماعیلی شمار کئے گئے ہیں بانیہ نبوت کو نہیں پہچانتے۔ اور بڑا اور سبوتا۔ نے اپنی ذاتِ متدس کی نسبت یہ قرار دیا ہے کہ اُسکی رحمت اُسکے غضب پر مابین اور غالب ہے۔ اور یہ دستور اہل نار کی نسبت بھی جاری ہے۔ نہ اُسکے حق میں بھی اسکی رحمت اُسکے غضب پر مابین اور غالب ہے۔ دیکھو کہ کئی طرح سے ان پر اپنی رحمت فرمائی ہے۔ قبل اسکے کہ وہ کفر و شرک کرنے سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے متحق ہو۔ نہ ہر طرح خدا تعالیٰ کی رحمت اُسکے شامل حال مانی اور شرک کرنے پر بھی ان پر رحم فرمایا۔ حق دباطل میں امتیاز کرنے کے لئے تیج اور اولہ قائم فرماتے یہ بھی اسکی رحمت کا اثر ہے اور نیز اپنی رحمت سے انبیاء علیہم السلام کو بھی یکا لپسند بندوں کو حق کی طرف متوجہ کیا۔ اور جب منکرین نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔ اور ان کو طرح طرح سے جکد اور تکلیفیں پہنچائیں۔ اور اس پر مورد عقاب الہی ہوئے۔ تو بھی اللہ کی رحمت شامل حال رہی کہ بندوں سے انکو ہلاک و برباد نہ کیا۔ بلکہ مہلت دی کہ سنا یدراء پر آجائیں۔ غرض اسکی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے اور اگر اسکی رحمت اُس کے غضب پر غالب نہ ہوتی۔ تو سلسلہ عام ویران اور برباد ہو جاتا۔ آسمان نیچے گر پڑتے اور پہاڑ اٹھتے ہو جاتے۔ اور جب اُسکی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے تو یہ جائز نہیں کہ غضب کا موجب اور عذاب اللہ سبحانہ کے دوام کے ساتھ نہ ہو اور نہ ہو۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کو عذاب میں مبتلا کرنا یا تو جہت ہے۔ اور جہت کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرنا اسکی ذات کے لئے ایک نقص عظیم ثابت کرنا ہے۔ اور اگر کسی مصلحت پہنچی ہو تو مصلحت منفعات اور اس کے لوازم اور ملزومات کا نام ہے اور منفعات کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو اللہ سبحانہ کی طرف راجع ہو اور یہ محال ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ ایسا ہے۔ سے منزہ اور متعالی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مخلوق کے حق میں نفع ہو جس کا غضب الہی ذات کیلئے یا دوسرے کے لئے یا دوسرے کے لئے پہلی صورت محال ہے کیونکہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہنے میں اُسکے لئے کوئی فائدہ اور مصلحت نہیں اور اگر دوسرے اشخاص کے لئے مصلحت ہو کہ وہ اُسکو دیکھ کر شر سے باز آجائیں۔ تو یہ مصلحت مدت دراز تک عذاب میں مبتلا رکھنے سے نکال ہو چکی ہے اور اگر ان کے لئے یہ فائدہ ہو کہ مبتلائے عذاب

اُن کا دشمن ہے اور وہ نہایت راحت اور آرام میں ہیں اور اُن کا دشمن سخت مصیبت اور عذاب میں مبتلا ہوتا ہے وہ اُس کے تکلیف اور رنج و یکہ و یکہ کر خونی نکالتے ہیں۔ اور اس طرح اس کے ابد الابد ہمیشہ عذاب ہوئے میں اُنکی خوشی کی تکمیل مقصود ہے تو یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ کوئی کیا سنگدل ہو۔ وہ اپنے دشمن کے طویل عذاب کو یکہ کر خور در نرم دل ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے ہمیشہ تکلیف میں مبتلا ہوئے کو گورا نہیں کر سکتا۔ پس اس مصلحت کیلئے دوام عذاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس اہل نار کے عذاب میں بھی مصلحت ہو سکتی ہے۔ کہ چاہر اور سرکش نفوس کی سرکشی کو توڑنا اور ان کے اراض کا علاج کرنا محض ہو۔ کہ آگسٹانکی بیماریوں کے مادہ تک پہنچ کر انکو جڑ سے نکال دے۔ اور پوری طرح اُن کا قلع و قمع کر دے۔ اور چونکہ یہ مادہ ایک ایسا شر ہے جو کہ عارضی طور پر پیدا ہوتا۔ اور اصل فطرت میں جو خیر بھی گئی ہے اس پر طاری ہوا ہے لہذا اُس کے قلع و قمع کے بعد وہ صحت فطرت پر آجائینگے اور دوام عذاب کی ضرورت نہیں۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ مخلوق میں پانچ قسم کی چیزیں ممکن ہیں۔ خیر تقضی۔ شر تقضی۔ خیر غالب۔ شر غالب۔ اور وہ چیز کہ جس میں خیر اور شر دونوں متساوی ہوں۔ اور اللہ سبحانہ کی حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ ان میں سے دو قسم یعنی وہ چیز جو خیر محض ہو یا اس میں خیر غالب ہو موجود ہوں۔ اور خاصہ شر یا اس چیز کا وجود پس میں شر غالب ہو اسکی حکمت کے مقتضی کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں۔ سب کا وجود اسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے جس کا وجود اُس کے عدم سے بہتر اور اولیٰ ہے۔ شر یا دروہی یا نوروں یا اُن افعال کو جو شر ہیں۔ اُن خیرات مجبویہ کے لئے پیدا کیا ہے۔ جو اُن کے وجود پر مبنی ہیں۔ اور ان کے نقص سے شر کے واسطے نہیں پیدا کیا جو کسی طرح کے خیر کو مستلزم نہ ہو اور ایسا ہونا بالکل محال ہے۔ اذلاً اور بالذات نیز کا وجود مقصود ہے اور چونکہ بعض شر حصول خیرات کے لئے ذرائع ہیں۔ لہذا ایسے طریقے وسائل اور ذرائع ہونے کے لحاظ سے مقصود ہیں۔ اور وہ کسی چیز کی غایت یا بذاتہ مقصود نہیں۔ اور جب غایت مقصود حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ زائل اور باطل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وسائل اور ذرائع کے متعلق یہی دستور ہے کہ مقصود پر پہنچنے کے وقت وسائل کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور اس بات چس اور عقل دونوں متاہد ہیں۔ اس بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ عذاب ایک شر ہے۔ پس یہ مقصود بالذات نہیں بلکہ اس کے لئے کوئی غایت مقصود ہوگی اور

یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا۔ پس جب غایت مقصودہ حاصل ہو جائیگی۔ تو یہ زائل اور باطل ہو جائیگا
 جیسا کہ کسی شخص کو ایک مقام پر پہنچنا مقصود ہو تو وہ اس کے لئے کوئی راستہ معلوم کر کے اس
 کی طرف چلنا اور قطع مسافت کرتا ہے۔ پس اس راستہ کو طے کرنا اس کو مقصود نہیں بلکہ مقصود
 دوسری چیز ہے اور یہ اس کے لئے وسیلہ ہے۔ اور جب یہ مقصود نہ ملے۔ اور اس سے پہلے کہ اس
 مقام مطلوب کو پہنچ جائے۔ تو پھر قطع مسافت بند اور بیفائدہ ہے۔ اور اس سے پہلے کہ اس کو
 ہے کہ سبیلہ مطلق اور امر کی غایت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے نہ کہ عذاب۔ اور عذاب منجملہ
 اس کی مخلوقات میں سے ہے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ عذاب بھی کسی غایت محمودہ کے
 لئے مخلوق ہو۔ اور جب وہ غایت نہ ملے۔ تو پھر عذاب نہ رہے۔ اور اللہ سبحانہ
 کے اسماء و صفات کے آثار کا سب مخلوقات میں نظر ضروری ہے۔ کیونکہ یہی بات موجب
 محال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا الَّذِینَ شَقُّوا فِی الْکَاذِبِ لَیْسَ فِیْہَا مِنْ ذَلِکَ وَ شَقُّوا
 خُلْدِیْنَ فِیْہَا مَا دَامَتْ اَسْمَؤُاۡتُ رَاۡلَا مِنْ اِلَا مَا شَاءَ سَرُّکَ اِنَّ سَرَّکَ
 فَعَالَیٰ لَیْسَ یُرِیْدُ (تو جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہونگے) اور وہاں آنکو چلانا اور دھارنا
 دینا ہوگا اور جب تک آسمان و زمین قائم ہیں بیتہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر اسے
 پیغمبر جس کو تمہارا پروردگار۔ رحمت دینا چاہے بیشک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر گزرتا
 ہے) وقال تعالیٰ اَلَا تَرَ مَثُوۡاۡلَ کُلِّ خُلْدِیۡنَ فِیْہَا اِلَا مَا شَاءَ اللّٰہُ (تمہارا دیکھا)
 تمہارا دوزخ اسی میں ہمیشہ رہیں گے آگے خدا کی دینی ہماری (مضی) ابو سعید خدریؓ
 کا قول ہے کہ کفار کے عذاب کے متعلق قرآن کریم میں جتنی آیات موجود ہیں۔ اس آیت سے
 ان سب کا مطلب مل ہو گیا کہ مخلوق ابدی مراد نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ کی مشیت کا استثناء موجود ہے
 ابو سعید خدریؓ کے اس قول کو بہیقی۔ حرب وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ اور عبد اللہ بن مسعود کا
 قول ہے کہ ایک ایسا وقت آئیگا۔ کہ اس میں ایک تنفس بھی دوزخ میں موجود نہ ہوگا۔ اور
 یہ وقت تب آئیگا جب اہل دوزخ و کفار ایک نہایت دراز عرصہ تک اس کے عذاب
 کا مزہ چکھ لینگے اور مدتیں اس میں پڑیں گی۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ اور ابو سہرینہؓ
 سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ علم حدیث کے مصنفین کی ایک جماعت نے اس اثر کو ذکر
 کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئیگا کہ اس میں کوئی

دی اہل توبہ کی ایک بڑی تعداد ہے۔ ان میں سے کئی ایک جو کلمات کہتے ہیں۔ اذل جنس کے اغوا اور گمراہ کرنے سے آدمیوں کا ضرور ذمہ ہے کہ ناکھونکہ استغفار کفار کی صفت ہے۔ دوم اللہ تعالیٰ کا قول وَقَالَ اَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ اسَ پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کافر شیطانوں کے دوست کفار ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ اَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ (ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا یار و ہمراہ بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے) نرس شیطان کی جماعت اسکے دوست ہیں۔ سوم جملہ و شہید علیٰ اَنفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوا اصْفَاءَ فِرْعَوْنَ اس پر شاہد ہے اور ساتھ ہی اس کے بیٹے فرمایا ہے النَّارُ مَثْوًى لَكُمُ خَالِدِينَ فِيهَا اِلَّا مَن شَاءَ اللّٰهُ پھر آیت کو جملہ ان و تِلْكَ حَكِيمَتُهُ عَلَيْكُمْ کے ساتھ ختم کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل نار کو مذہب کرنا اس کے علم اور حکمت سے متعلق ہے۔ اور اسی طرح استغنا بھی علم و حکمت سے سادہ ہے۔ پس اللہ سبحانہ جو معاملہ انکے ساتھ کر چکا اُسکو پورا علم ہے اور وہ اسکی حکمت سے خالی نہیں۔ اور قرآن کریم کے بیان کا یہ طرز ہے کہ جس مقام پر اللہ سبحانہ نے اہل رحمت اور اہل غضب دونوں کے بدلہ و جزا کو اکٹھا ذکر کیا ہے وہاں اہل رحمت کے جزا اور بدلہ کو تابید و میثقی کی قید کے ساتھ مفید اور دوم کی صفت کے ساتھ مودوف کیا۔ اور اہل غضب کے جزا کو مطلق چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے قَامَا الَّذِيْنَ شَفَعَا فِي النَّارِ اَنَّهُمْ فِيْهَا سَرَفِيْذٌ وَ تَهْنِيْثٌ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ مِنْ اِلَّا مَا شَاءَ سَرَفِيْذٌ اِنَّ سَرَفِيْذٌ فَتَالِ لَآ مَا يُؤْنِسُ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ سَعِدُوْا فَاٰتٰى الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ مِنْ اِلَّا مَا شَاءَ سَرَفِيْذٌ غَيْرُ تَحِيْذٍ وَ ذُوْا جَوْدٍ بَحْتٌ هِيْ دَهْ دَوْرُخٌ مِيْں ہونگے (اور وہاں ان کو چلاتا اور دھاتا نا لگا ہوگا اور سب تک آسمان و زمین (قائم) ہیں ہمیشہ ہمیشہ) اسی میں رہینگے مگر اسے پیغمبر جس کو تمہارا پروردگار و نجات دینا چاہے بیشک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کرے گا ورنہ ہے۔ اور جو لوگ نیک بخت ہیں تو وہ (بشت میں ہونگے) (اور جب تک آسمان و زمین قائم) ہیں برابر اسی میں رہینگے۔ مگر جس کو خدا چاہے (سزا دیکر بد بخت میں داخل کرے)۔ جنت خدا کی (دین ہے جس کا کبھی خاتمہ نہیں)۔

وَقَالَ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَوْ لَيْتَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (بیشک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ دین

حق سے انکار کرتے رہے (وہ آخر کار دوزخ کی آگ میں ہونگے اور) اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے
 ہیں لوگ بزرگینِ خلافت ہیں (وَقَالَ تِلْكَ آيَاتُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمُ
 خَيْرُ الْأَوَّلِينَ خَيْرًا وَهُمْ خَيْرٌ رَّبُّهُمْ جَنَّاتُ جَعْرِجٍ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
 فِيهَا أَبَدًا سَرَضَى اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ) (بیشک جو لوگ
 ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (کیے) کئے یہی لوگ بہترینِ خلافت ہیں (کہ ان کا بدلہ
 ان کے پورے کار کے پاں رہنے کے بارغِ دہشت میں جن کے تلے نہریں (رہیں) اور یہی ہونگی
 (اور) وہ ان میں سدا کو ہمیشہ ہمیشہ رہینگے اللہ ان سے خوش ہوا اور یہ اُس سے خوش یہ (جہاں)
 اُس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے) ۛ

وَقَالَ تِلْكَ آيَاتُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ فِيهَا مُنَادُونَ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
 السَّعِيرُونَ ۚ فَذَٰلِكَ عَذَابُ الْكَافِرِينَ ۚ وَآيَاتُ الَّذِينَ
 آمَنُوا وَهُمْ فِيهَا يُسْرَجُونَ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۚ وَمَنْ يَرْضَ
 كُفْرًا سَفِيدًا هُوَ فِيهَا مُنَادٍ ۚ وَمَنْ يَرْضَ كُفْرًا سَفِيدًا هُوَ فِيهَا مُنَادٍ ۚ
 کہ تم ایمان لائے (پچھے) کافر ہوئے تھے نا؟ تو اب اپنے کفر کی سزا میں اب اس کے مزہ چکھو
 اور جو لوگ سفید رہے ہونگے تو وہ اللہ کی رحمت (یعنی بہشت) میں ہونگے (اور) وہ اسی میں ہمیشہ
 رہیں گے) اور بعض آیات میں دونوں اکٹھا ذکر کر کے سب پر خلود کا حکم کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا
 - هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۚ وَمَنْ يَرْضَ كُفْرًا سَفِيدًا هُوَ فِيهَا مُنَادٍ ۚ
 (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو کچھ شک نہیں کہ (آخر کار) اُس کے لئے
 دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ لگ سدا کو (اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) ۛ

وَقَالَ تِلْكَ آيَاتُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ فِيهَا مُنَادُونَ ۚ وَآيَاتُ الَّذِينَ
 آمَنُوا وَهُمْ فِيهَا يُسْرَجُونَ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۚ وَمَنْ يَرْضَ كُفْرًا سَفِيدًا هُوَ فِيهَا مُنَادٍ ۚ
 سے ترجمہ چلے (تو اللہ) اُس کو دوزخ میں (لیجا) داخل کریگا (اور وہ) اُس میں ہمیشہ ہمیشہ (رہے گا)
 مگر خلود اور تابید کا ذکر کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اُس کی کوئی حد اور نہایت ہی نہ ہو۔ بلکہ
 خلود سے کثرتِ طویل (دیر تک ٹھہرنا) مراد ہے چنانچہ عرب کا محاورہ ہے قِيدًا مُخَلَّدٌ (تیر
 (دیر) اور ہر ایک چیز کی تائید اس کے موافق ہوتی ہے کبھی تابید سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ
 چیز مدتِ حیات کے لئے ثابت ہے اور کبھی یہ مطلب ہوتا ہے کہ حکمِ مدتِ دنیا تک

کہ وہ سہمرا اللہ تعالیٰ نے یہود کی نسبت فرمایا ہے وَلَوْ يَتَذَكَّرُونَ اَلْبَدَاۗءَ اَلْبَدَاۗءَ قَدْ مَتَّ
 اَيُّزِيْهِمْ (مگر ان راءال بداء کی وجہ سے جن کو ان کے ہاتھوں نے پہلے سے ازاد آخرت بنا کر
 دینا ہے یہ کبھی موت کی آرزو نہیں کر سکتے) اس آیت میں تائبید حیانتہ دنیا مراد ہے کیونکہ یہود
 دوزخ کے ازاد موت کی تمنا اور استدعا کرینگے اور یہوں کہیں گے لِيُعَذِّبُنَا عَذَابِنَا
 تَرْتَابًا (ہم یہ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ ہمیں تنہا رپہ در رپہ ہمارا کام تمام کر چکے اور
 جنت کی نعمتوں کا غیر متناہی دائم اور ستر ہونا دوسرے آیات اور الفاظ سے سمجھا گیا ہے۔
 عِيْنًا اِنَّ هٰذَا الَّذِيْ رَزَقْنَا مَالًا كَيْفَ نَقْضُ دَرَمِيْكَ (یہ ہماری ردی ہوئی) روزی ہے جو کبھی
 ہٹنے میں نہیں آئیگی) اور عَطَاءٌ غَيْرُ مَحْجُوٍّ وَذَرِیَّةٌ خَالِدَةٌ (دن ہے جس کا کبھی خاتمہ نہیں) اور
 فَلَمَّا جَاءَ اَجْرُكَ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (انکے لئے آخرت میں) ابرہہ بے انتہام غیر مستون یعنی غیر متعلق
 اور اس کا صحیح معنی یہی ہے اور جن لوگوں نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وہ اجر بے منت ہوگا تو انہوں
 نے نہایت غلطی کی ہے۔ اور بر خلاف اس کے اہل دوزخ کے عذاب کے متعلق اس قسم
 کے الفاظ وارد نہیں ہوئے کہ جن سے یہ مفہوم ہو کہ جس طرح اہل جنت کی نعمتیں ابدی ہیں۔ اسی
 طرح ان کا عذاب بھی ابدی اور دائم ہوگا اور اللہ عزوجل کا یہ قول وَمَا هُمْ بِمُتَحٰیِّیْنَ
 مِنَ النَّآرِ اِنَّ كُوْدُوزِیْنَ سے نکلنا سبب نہیں ہوگا) اور وَمَا هُمْ بِمُتَحٰیِّیْنَ (جہنم) (اور نہ
 یہ کبھی اس سے نکالے جائیں گے) اور لَا یَقْضٰی عَلَیْہُمْ فِیْمَوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْہُمْ
 مِّنْ عَذَابِہِمْ اِنَّہُمْ اَنۡہُمْ اَنۡہُمْ اَنۡہُمْ اَنۡہُمْ اَنۡہُمْ اَنۡہُمْ اَنۡہُمْ اَنۡہُمْ اَنۡہُمْ اَنۡہُمْ اَنۡہُمْ
 جاتے ہیں اور کُلَّمَا اُرۡدُوۡا اَنۡ یَّخْرُجُوۡا مِنْہَا اَعِیۡدُوۡا فِیۡہَا (جب جب اس سے نکلنا
 جائینگے اس میں لوٹا دئے جائینگے) اور کُلَّمَا لَکُمۡ مِّنۡہَا حُلُوۡدٌ مَّکَّیۡمٌ لَّکُمۡ حُلُوۡدٌ
 عَلَیۡہَا (جب انکی کھالیں گل جائیں گی انکی دوسری دہلی) کھالیں پیدا کر دیں گے) صحیح قول ہے
 ۔ مطابق اپنے ظاہر اور حقیقی معنی پر محمول ہیں۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ ان آیات میں بھی اشتہار
 مشیت کی قید ملحوظ ہے یعنی اگر اللہ سبحانہ کی مشیت میں اسی طرح ہو جو ان آیات سے سمجھا جاتا ہے
 تو اس کا وقوع اور ظہور ضروری ہے ورنہ ایسا نہیں ہوگا۔ اور گویا کہ بعض سلف کے اس قول کا
 وہ کہ آیت است شنا قرآن کریم کی تمام آیات وعید پر حاکم ہے یہی مطلب ہے لیکن صحیح یہی ہے
 کہ آیات اپنے ظاہر اطلاق اور عموم پر محمول ہیں۔ مگر ان میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس سے یہ
 شہادت ہو کہ دوزخ کا وجود ایسا دائمی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کی ذات کو دوام ہے کہ اس کا کوئی انتہا

نے اس قول کی تشریح کیلئے یوں کہا ہے کہ قرآن کریم کی آیتوں میں وعید کا ذکر ہے یہ آیت
 حل کر دیتی ہے۔ اور حرب کا قول ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیت جو اہل توحید کے وعید کے باب میں
 وارد ہیں۔ ان سب پر یہ آیت حاکم اور سب کا مطلب حل کرتی ہے اور الا ماشاء۔ ساتھ
 کے ساتھ وہ اہل قبلہ سیتے کئے گئے ہیں جو دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ مگر جب حرب کی
 یہ تاویل صحیح نہیں۔ کیونکہ استثنائے کفار کے وعید کے متعلق وارد ہے۔ **وَالَّذِينَ يَدْعُونَ
 يَوْمَ بَآئِتٍ لَا تَكَلِّمُهُمْ النَّفْسُ اِلَّا بِاِذْنِهِ فَنُفِثَتْ شِقْوَتُهُمْ فَاَمَّا الَّذِينَ يَشْكُونَ فَنُفِثَتْ
 النَّفْسُ اِلَا بِاِذْنِهِ** (جب وہ دن آپہنچے گا تو دوسرے خوف کے لئے حکم خدا کوئی شخص بات نہ کرے گی)
 تو نہیں کر سکیگا۔ پھر اُس وقت لوگ دو قسم کے ہوں گے بعض پر بخت اور بعض نیک بخت تو جو بد بخت
 ہیں آخر آیت تک اس کے بعد فرمایا ہے **وَاَمَّا الَّذِينَ دُعِیْذٌ فَاَقْبَلُوْا الْجَنَّةَ** اور اہل توحید
 ان لوگوں میں داخل ہیں جو صاحب سعادت ہیں۔ اس کے علاوہ سورہ النعام کی آیت صراحتاً
 کفار کے بارے میں ہے چنانچہ ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور عبد اللہ بن عمر سے مروی
 ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا روز آئیگا۔ کہ اُس میں اس کے سب دروازے بند کئے جائیں گے اور
 ایک شخص بھی اُس میں باقی نہ رہیگا۔ پھر ابو ہریرہ نے استدلال کے طور پر آیت **فَاَمَّا الَّذِينَ
 يَشْكُونَ النَّارَ** کو آخر تک پڑھا۔ بسید اللہ کا قول ہے کہ ہمارے اصحاب ابو ہریرہ کے قول
 اور دیگر اس قسم کے اقوال کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں۔ کہ موحیدین میں سے کوئی شخص دوزخ میں
 باقی نہ رہیگا۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ معنی صحیح نہیں۔ اور مسناد کے ساتھ حرم سے
 مروی ہے کہ کما کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر اہل دوزخ اتنا دراز عرصہ اور طویل زمانہ دوزخ
 میں باقی رہیں گے جس کے سالوں کا شمار کرنا ایسا دشوار ہے جیسا کہ ایک بڑے ٹیلے کے ریاک
 کے دانوں کو شمار کرنا دشوار ہے۔ تب بھی ایک ایسا روز آئیگا جس میں وہ سب کے سب دوزخ
 سے نکالے جائیں گے۔ ایک دوسری سند کے ساتھ بھی یہی طرح مروی ہے۔ اور اس
 اثر نے ماویٰ سنہ کے سب آثار اور آئمہ حدیث ہیں۔ اور حسن نے اس کو بعض تابعین سے
 سنا اور بغیر انکار اسکو روایت کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان اثر کے درمیان
 متاثر نہیں۔ اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا تھا۔ حالانکہ بیان کا شیوہ تھا کہ اگر کوئی شخص تمہارا
 ساتھ حدیث کا خلاف کرتا تو بلا توقف اسکی تردید کر دیتے۔ اور کسی کی رو رو رعایت کو روانہ رکھتے
 اور اُس کے مقابل صحیح حدیث بیان کر کے اُس کا پورا ابطال کر دیتے تھے۔ امام احمد کا مقولہ ہے

کہ حماد بن سلمہ کی حدیث مبتدعین کے حلق میں کانٹے کی مانند ہیں۔ اگر یہ قول ان کے نزدیک اُن بدعات سے ہوتا جو حدیث اور اجماع کے خلاف ہیں۔ تو فوراً اس کی تردید اور انکار کرتے۔ ہر عقلی بن طلحہ کی تفسیر میں آیت قَالَ الذَّائِرُ هُوَ الْكَافِرُ لَا يُدْرِي فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّنَا عَزِيزٌ عَلَيْنَا (خدا نے تعالیٰ) فرمایا گا کہ تم مارا رعب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اُسی میں ہمیشہ (ہمیشہ رہو گے) لہٰذا کے تحت میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کسی کو یہ سزاوار نہیں کہ وہ اللہ سبحانہ پر اس کی مخلوق کی نسبت کوئی حکم کرے اور نہ یہ کہے کہ وہ جہنم میں رہینگے یا دوزخ میں۔ طبری کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ اس استثناء کے یہ معنی بیان کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کی قایت عذاب کو اپنی مشیت پر موقوف رکھا ہے۔ ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے اُن لوگوں کے اقوال کی تردید ہو گئی۔ جو یوں کہتے ہیں۔ کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ سبحانہ نے بعض انواع عذاب کو استثناء کیا ہے یا یوں کہتے ہیں کہ اس استثناء سے وہ مدت مراد ہے۔ جو بعثت اور دوزخ میں داخل ہونیکے درمیان ہے کہ اس مدت میں دوزخ سے باہر ہونگے یا اس استثناء سے اہل قبلہ مراد ہیں یا کلمہ اَلَا یعنی اَوْ عاطفہ ہے اور بتا دہیات و یک اور گزدر ہیں۔ آیت کے مضمون کے موافق نہیں اور تامل کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ یہ تاویلات صحیح نہیں ہو سکتیں۔ سہمی نے اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَشِينُ فِيهَا أَهْقَابًا (اُسی میں قرون پڑے رہینگے) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اہل دوزخ ستر سو حقبتہ دوزخ میں رہینگے۔ ایک حقبتہ ستر سال کا ہو گا اور سال تین سو ساٹھ دن کا اور ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہو گا۔ دوزخیوں کے تمام دوزخ کو احقاب کے ساتھ مقید کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی مدت مبینہ تک دوزخ میں رہینگے جو حساب اور شمار میں آ سکتی ہے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ اور اسی واسطے زجاج نے بتا دہل کی ہے کہ لفظ احقاب اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَكُنْ دُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرًّا لَا يَحْتَسِبُ مَا وَعَسَا تُفَارِدُونَ (تو کسی طرح کی) ٹھنڈک کا (مزرہ) چکھیں گے اور گرم پانی اور پیکے سو اُن کو کچھ پینے کو بھی نہیں ملیگا) کی تعقید ہے اور دوزخیوں کے دوزخ میں ٹھیرنے کی مدت احقاب کے ساتھ اندازہ نہیں ہو سکتی۔ مگر زجاج کی یہ تاویل ہرگز صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ احقاب کے بعد اہل دوزخ برد اور شراب کے مزے اُڑائیں۔ اور ایک دوسری جماعت کا یہ قول ہے۔ کہ یہ آیت دوسری آیات مثلاً وَمَا هُوَ بِمُخَّرَّجِنَهُ (اور نہ یہ کبھی) اُس سے نکالے جائینگے) اور هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (وہ اُس میں

ہمیشہ ہمیشہ پہنچنے کے بغیر سے مذکور ہے لیکن مذکور کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ نسخ سے اگر رفع
 حکم مراد ہے تو وہ اخبار میں دتا وقتیکہ منسے طلب اُن سے مراد نہ ہو بلکہ جاری نہیں ہو سکتا اور
 اگر نسخ کے تفسیر ازربیان مراد ہے تو یہ درست ہے مگر اس سے آتش ہی ثابت ہوتا ہے جو مناسب ہے
 کہ جب تک دوزخ موجود رہیگا۔ یہ خدا اب میں مبتلا رہیگا۔ اور اُس سے باہر نہیں نکالے
 جائیں گے۔ اور یہ بات صحیح اور فرنا وعدہ بیٹ سے ثابت ہے لیکن نزاع ایک دوسرے سے
 امر میں ہے کہ دوزخ کا وعدہ ابدی اور دائم ذات الٰہی کی طرح دائم ہے یا نہیں سوکتی یا حدیث
 سے یہ بات ثابت نہیں کہ دوزخ دائم اور ابدی ہے۔ اور ایک دوسری جماعت یوں کہتی
 ہے کہ کَلَابِئِیْنٌ فِیْهَا اَحْقَابٌ اَبْلٌ تَوْحِیْدٌ کہ باسے میں ہے اور یہ تاویل پہنچتا ہے تمام تاویل سے
 سے زیادہ خراب ہے اور ثابت کما سباق صراحۃً اس لئے کہ دیتا ہے۔ اور بعض اہل علم نے
 جب یہ سمجھا کہ یہ سب تاویلیں باطل ہیں۔ تو انہوں نے یوں کہا کہ احقاب کے ذکر کرنے سے
 اہل دوزخ کے عذاب اور قیام دوزخ کا متناہی ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ احقاب کہ کسی
 عدو کے ساتھ معدود نہیں کیا گیا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا۔ کہ اہل دوزخ دس حصے یا ستر حصے دوزخ
 میں بٹھریں گے۔ اور اگر احقاب کسی عدو کے ساتھ معدود ہونے تو بھی عذاب کے متناہی ہونے
 پر اسکی دلالت بالمفہوم ہوتی۔ اور جب عدو کا ذکر ہی نہیں تو پھر احقاب کا ذکر عذاب کے متناہی
 ہونے پر کس طرح دال ہو سکتا ہے۔ اور ان کے نزدیک آیت کا یہ معنی ہے کہ جب چند حصے
 گنہ جائیں گے تو اس کے بعد چند اور حصے دوزخ میں بٹھریں گے۔ اور ہمیشہ لالی النہایہ اسی طرح
 ہوتا رہیگا۔ مگر انہوں نے جو آیت کا معنی بیان کیا ہے آیت کے الفاظ سے ہرگز ثابت نہیں
 ہوتا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ چونکہ احقاب کو کسی عدو کے ساتھ معدود نہیں کیا گیا۔ اس کا یہ جواب
 ہے کہ اگر اللہ سبحانہ کو مدت عذاب کا عدم انتہا بیان کرنا مقصود ہوتا۔ تو اس کو اللہ سبحانہ کے
 ساتھ مقید نہ فرماتا۔ کیونکہ جو چیز غیر متناہی ہو اسکی نسبت یوں نہیں کہا جاتا کہ وہ اتنے احقاب
 و ہود و اعصار (زمانے) باقی رہیگی۔ اور اسی واسطے اہل جنت کی نعمتوں کی نسبت ایسا نہیں
 کہا گیا۔ ظاہر ہے کہ ابدی چیز کی نسبت جس کا کبھی زوال نہ ہو۔ یوں کہنا کہ وہ اتنے احقاب
 یا اتنے ہزار سال باقی رہیگی۔ ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ صماہ کرام رضی قرآن کریم کے معانی کو خوب
 سمجھتے تھے۔ عمر بن خطاب نے جو اس آیت کا مطلب سمجھا تھا۔ وہ ان لوگوں کی تاویلات اور صافی
 کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابن عباس نے آیت استثنا کے متعلق جو کچھ سمجھا وہ بھی ان کے

مخالص ہے۔ اور قرآن کریم کی تفسیر اور اسکے معانی کے بیان کے متعلق صحابہ کرامؓ کی رائے اور فہم زیادہ قابلِ اختیار ہے۔ ابنِ مسعودؓ کا قول ہے کہ جہنم پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ اُس وقت اسکے تمام دروازے بند کئے جائیں گے۔ اور اس میں ایک تنفس بھی باقی نہ رہیگا۔ اور یہ زمانہ اہل دوزخ کو کئی خطبے دوزخ میں ٹھہرنے کے بعد آئیگا۔ اور ابنِ سریر کہتے ہیں کہ آئینہ خداوندیؐ فیہا کاذاب امتِ المسلمینؓ جو کاذب ہیں، اُنہیں اُن کے ہر گناہ کی تفسیر کے متعلق ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ اُنہیں سبجانے آگ کو حکم دے گا کہ اُن کے ہر گناہ کو کھاجائے۔ اور ایسا ہی ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے۔ اور بھی سے مروی ہے کہ جہنم جنت کی نسبت بہت جلدی آباد ہوگا اور پھر فی السج دیان ہو جائیگا۔ اور اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ جنت بھی دیران ہو جائیگا۔ مگر وہ دیر کو دین ہوگا۔ بلکہ یہ تفصیل نفسی کیلئے فعل یعنی اسرع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت اُنْجَا بَیْ اُجْتَنَّبَ بِیَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَاَحْسَنُ مَرْقِدًا (جنت والور کا اُس دن وہ سال ہوگا کہ ان کا ٹھکانا) بہتر سے بہتر اور خوابگاہ عمدہ سے عمدہ ہوگی) اور آیت اَللّٰہُ خَبِیْرٌ اَمَّا یُفْصِرُ کُنْیَ (کیا اللہ بہتر ہے یا وہ (چیزیں) جن کو یہ لوگ شریک دہدائی، بظاہر تھے ہیں) اور حدیث میں اَللّٰہُ اَنْجَلٰی وَاَجَلُّ وَاَحْلٰی (اس میں ابھی ستم تفضیل کے الفاظ تفضیل نفسی کیلئے استعمال کئے گئے ہیں) اور دوزخ کے بہت جلدی آباد ہونے کے دوسری ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ لوگ ان اعمال کے کرنے میں جن کے سبب دوزخ میں داخل ہونگے جلدی کریں گے۔ اور بہشت میں داخل کرنے والے کاموں میں مست ہونگے۔ دوسرا یہ کہ اہل دوزخ اہل جنت کی نسبت دوزخ میں پہلے داخل ہونگے۔ اور اہل جنت اُن کے بعد جنت میں جائیں گے۔ کیونکہ وہ تو صراط سے گزر کر بہشت میں داخل ہونگے۔ اور نیز کچھ عرصہ تک اُس بل پر ٹھہرائے جائیں گے۔ جو بہشت کے آگے رکھی ہوئی ہے۔ اور اہل دوزخ نہ تو صراط سے گزرنا ہوگا۔ اور نہ اُس بل پر اُن کے لئے رکاوٹ ہے اور یہ لوگ پہلے سے جہنم میں اپنی اپنی جگہ پر موجود ہونگے۔ اور نیز صبح حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب منادی یہ آواز دیگا۔ کہ ہر ایک جماعت اپنے محبوب کے پیچھے ہوئے تو مشرک لوگ اپنے بتوں اور باطل معبودوں کے پیچھے چلیں گے۔ اور وہ اُن کے سمیت سب دوزخ میں گریں گے۔ اور یہ امت میدانِ قیامت میں کٹری رہیگی۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل تشریف لائیگا اور یوں ارشاد فرمائیگا۔ کہ تم رہا کیوں نہیں گئے جہاں وہ سب لوگ چلے گئے ہیں الخ۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں سہل بن عبد اللہ کے ذکر میں

باسناد کہا ہے کہ ابوامامہ یوں کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوزخ پر ایک نیا دروازہ لگایا کہ اُس روز دوزخ میں ایک بنی آدم بھی باقی نہ رہیگا۔ اور اُس کے سب دروازے بند کئے جائیں گے۔ اور اہل دوزخ پر وہ ایسے بند ہونگے جیسے کہ موجدین پر بند ہیں۔ اور ہمارا اعتقاد صرف اس حدیث پر نہیں۔ کیونکہ اسکی اسناد ضعیف میں۔ بلکہ اسکی تائید اور تقویت ابن مسعود کی اُس روایت سے ہو سکتی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے +

فصل۔ جو لوگ دوزخ کے ابدی ہونے اور اس کے عدم فنا کے قائل ہیں۔ وہ اپنے دعوے پر کئی طریق سے استدلال کرتے ہیں :-

طریق اول یہ ہے کہ وہ اُن آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ اہل دوزخ کے لئے دوزخ میں خلود ہوگا اور نہ وہ رہیں گے۔ اور نہ اُس سے نکالے جائیں گے۔ اور موت کو بہشت اور دوزخ کے درمیان لا کر ذبح کیا جائیگا اور کفار کا بہشت میں داخل ہونا ایسا محال ہے جیسا کہ اڈنٹ کا سوئی کے سوراخ میں داخل ہونا محال ہے۔ انکے علاوہ اور اسی قسم کے بہت سے نصوص سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر اس استدلال سے اُن کا دعوے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان تمام نصوص سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ جب تک دوزخ موجود اور باقی ہوگا۔ اہل دوزخ اُس میں موجود رہیں گے اور اُس سے نکالے نہیں جائیں گے۔ اور ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوزخ کے لئے فنا اور زوال نہیں +

دوسرا طریق یہ ہے کہ اپنے اس مدعا پر کہ جہنم ابدی اور لازوال ہے۔ اجماع کا دعوے پیش کرتے ہیں۔ اجماع کا دعوے بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہم صحابہ اور تابعین کے لایسے اقوال بیان کر چکے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگ انکے اجماع کے خلاف ہیں۔ بلکہ اقوال مذکورہ کے لحاظ سے انکے خلاف پر اجماع کا دعوے ہو سکتا ہے کیونکہ صحابہ و تابعین سے ان اقوال کا خلاف ثابت نہیں ہوا +

تیسرا طریق یہ ہے کہ یہ سئلہ کہ دوزخ اور جہنم فنا نہیں ہونگے بلکہ ہمیشہ باقی رہیں گے۔ اسلام کے برہمی اور ضروری مسائل میں سے ہے۔ اور اسی واسطے تمام اہل سنت نے ابوہریرہؓ اور انکے موافقین کی تردید کی ہے۔ جو دوزخ کے فنا کے قائل

ہیں۔ اور ان کے اقوال کو ان اہل بدعت کے اقوال میں سے شمار کیا ہے۔ بشرطیکہ جہنم کے خلاف ہیں۔ جو نہیل۔ ہم وغیرہ کا یہ قول کہ جنت اور دوزخ اور چیز کی طرح فنا ہو جائیگے۔ بیشک اہل بدعت کے اقوال میں سے ہے اور اس قول کے سبب وہ اہل سنت کی جماعت سے خارج ہو گئے ہیں لیکن یہ دعویٰ کہ دوزخ ایسا ہی ہمیشہ دائم اور باقی رہیگا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ کی ذات ہمیشہ دائم اور باقی ہے فطری طور پر بھی معلوم نہیں تو پھر اس کی بدایت اور ضرورت کا دعویٰ کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اولہ شرعیہ اور عقلیہ میں سے ایک دلیل بھی اس دعویٰ کے ثبوت پر دلالت نہیں کرتی۔

چوتھا فرق یہ ہے کہ مشہور یا متواتر حدیث میں اہل توحید کے دوزخ سے نکلنے کا بیان مذکور ہے اور اس میں کفر کے دوزخ سے خارج ہونے کا ذکر نہیں۔ حدیث مشہورہ میں بیشک اہل توحید کے دوزخ سے خارج ہونے کا ذکر ہے اور کفار کے خروج کا اس میں ذکر نہیں۔ سو اس کی یہ وجہ ہے کہ اہل توحید دوزخ سے اس وقت نکلے گا جس وقت وہ بائیں گے جبکہ دوزخ باقی اور موجود ہو گا۔ اور کفار کے لئے عترت حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ جب تک دوزخ موجود رہے باقی ہو گا وہ اسی میں موجود رہیں گے اور جب فنا ہو جائیگا۔ اس سے خارج کئے جائیں گے۔

پنچواں طریق یہ ہے کہ عقل اس بات کو چاہتی ہے کہ کفار ہمیشہ ابد الابد دوزخ میں بند رہیں اور جہنم سے خارج نہ کئے جائیں کیونکہ ان کے نفوس خیر کے قابل نہیں ہیں اگر دوزخ سے نکلے جائیں تو نہ جہنم میں ہی کا رہ جائیں گے۔ جیسے کہ جہنم سے نکلنے والے کی طرف اللہ تعالیٰ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ وَكَوْنُ ذُو النُّفُوسِ الَّتِي كُفِرَتْ فِيهَا اَنْ يَّسْأَلَ اَنْتُمْ لَهَا عَذَابٌ شَدِيدًا (انہیں کے لئے عذاب شدید ہے)۔ اور ان میں سے بعض کی توبہ کی امید ہے۔ ایت اُمی نہایت سرکشی و شرارت پر اصرار کرنے اور ان میں کسی طرح کی خیر کی قابلیت نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ان کے شریر اور خبیث نفس عذاب ہی کے لائق اور سزاوار ہیں۔ اگر ان میں سے بعض کی توبہ کی امید ہو تو وہ عذاب طویل سے سزا جاتی ہے۔ اور جب مدت و راز اور کئی احتساب کے بعد عذاب اور سزا سننے ان میں کچھ اثر نہ کیا اور شر سے پاک و صاف نہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان میں بالکل جبر کے قبیل کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہی نہیں۔ اور ان میں عذاب کا سبب اس کی نہیں ہوتی پس عذاب جو ان اسباب پر مرتب ہے۔ اس میں بھی کمی نہیں ہونی چاہئے اور یہ طریق اگرچہ بظاہر مکرر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت برعکس تو ہے اور اس کا حال

طریق نکبت کی طرف ترجیح ہے کہ اللہ سبحانہ کی حکمت و کفار کے فساد میں دخل ہونے کی شدت تھی ہے
 وہی اس بات کو چاہتی ہے کہ درمیانہ روزہ کے عذاب میں گرفتار رکھے جائیں۔ مگر منکرین حکمت
 کے سامنے اس طریق کو پیش کرنا صحیح نہیں اور مبتدیان حکمت تو حیل میں سے مستزاد اور قدریہ کے سامنے
 بھی بہ دست نہیں ہو سکتا۔ منکرین نکبت کے سامنے اس طریق کا جائز ہونا تو ظاہر ہے کہ چونکہ
 درجب حکمت ہی کو نہیں مانتے تو پھر اس سے رال کو جو حکمت پر موقوف ہے کس طرح تسلیم کریں گے۔
 اور مبتدیان حکمت کے سامنے اس کو پیش کرنا۔ مانے بیچ نہیں کرانے نزدیک عذاب میں حکمت یہ ہے کہ
 اس میں عذاب کی تعلق ہے اور یہ تب صحیح ہو سکتا ہے کہ کفار کے لئے درحالتیں ہوں۔
 ایک وہ حالت کہ جس میں انکی مصلحت کیلئے انکو عذاب و سزا ملے اور دوسری وہ حالت کہ جس میں عذاب
 موقوف ہو جائے تاکہ وہ سزا سے حاصل ہو۔ نہ ایسے عذاب میں کچھ ختم نہ ہو کوئی مصلحت ہو سکتی
 ہے۔ اور جو لوگ عذاب میں آج حکمت کو ثابت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو تو ان کے
 رسول نے مطابق اس طریق پر استدلال کرنا صحیح دیکھا ہے۔ اور اس وقت اس کا جواب یہ ہے کہ
 اللہ سبحانہ کی حکمت اس بات کو متفق نہیں کہ انکی ذات کے بقا اور دوام کے ساتھ ان کا عذاب دائم
 و باقی رہے۔ اور نہ اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اُس نے انکو ایسے دائم عذاب میں مبتلا
 رکھنے کے لئے پیدا کیا ہے بلکہ حقیقہً یہ ہے کہ کفار کو ایک نایاب نعمت کے حصول کے لئے
 عذاب ہو گا اور جب وہ حاصل ہو جائیگی۔ تو انکے عذاب کرنے سے جو کچھ مقصود ہے وہ حاصل ہو جائیگا
 اور اللہ سبحانہ اپنی مخلوق کو بلا وجہ اور سوائے کسی مصلحت کے عذاب نہیں کرتا۔ اور اللہ سبحانہ کو بہت
 سے کہ انکو عذاب طویل کے بعد دوبارہ ایسے طور پر پیدا کرے کہ وہ ان سے تروار و رباہٹ سے جو انکے
 نفوس میں سلگن تھے پاک اور صاف ہوں اور طویل عذاب کی وجہ سے۔ صوب زائل اور دور ہو جائیں۔
 کیونکہ اصل فطرت میں خود شیر کے قابل اور صالح تھے اور یہ قبولیت اور اسناد انکی خدمت کے لوازم
 سے ہے اور اسی وجہ سے اپنے ذالین اور ربی الکر نے دالے کے مفروضہ ہوئے تھے۔ اور درحالت
 جس نے اصل فطرت کے مفروضہ کو باطل کر دیا تھا وہ بعد میں ماری اور نامق ہوئی تھی۔ اور جب وہ
 حالت عارضہ عذاب طویل کی وجہ سے زائل ہو جائیگی۔ تو وہ استعداد اور قبولیت جو اصل فطرت میں
 موجود تھی باقی معارض اور ارنج کے موجود رہیگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول وَ كُوْرُذَةُ الْاِحَادِ الْمَا
 تھوڑا سا تادم طلب ہے۔ اگر کفار کو عذاب میں مبتلا کرنے سے پہلے وہ دنیا میں بھیجا جائے
 تو چھوٹی کام کرے لیکن جن سے منع کئے تھے سرفراز میں مبتلا سے عذاب سے پہلے کا ذکر ہے۔

چنانچہ اس آیت کا قبل دیکھنے سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ قال تعالیٰ وَكَوْنُوا
 مُرْقَشُوا عَلَى النَّارِ قَالُوا يَا لَيْسَ لَنَا تُرْكُ وَلَا اِنْكِرَاجُ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَكُنُوتٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
 بَلْ يَذَّالِقُ اللَّهُ مَا كَانَ لَوْ اَنْ يَخْشَوْهُمْ مِنْ قِبَلِهِ لَخَرَسَتْ اذانُ الْغَالِغَالِ اَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْاَلَمُ
 نَكَا فِي هَؤُلَاءِ (اور اسے پیغمبر کا شتم دان کو) ایسی حالت میں دیکھو کہ دوزخ پر لاکھ کھڑے آئے
 جائیں اور اس کو دیکھ کر الگ کر دیں گے۔ اسے کاش ہم دیکھ دیتا میں) وہیں بھیج دے جائیں اور اپنے
 پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان والوں میں سے ہوں (پھر نبی انکی یہ ندامت نہ دل سے
 محسوس کرے جس بے ایمانی کو پہلے سے چھپاتے تھے) اب انکے آگے آئی (اور اس کو دیکھ کر کئے شتم
 کا اظہار کرنے) اور اگر دنیا میں وہاں بھیج دے جائیں تو جس چیز سے انکو منع کیا گیا ہے اسکو پھر دوبارہ کہیں
 اور قبل مذاب تو وہ شرور اور جھلٹ جاتے نفس میں جا لیں گے جسے وہ موجود ہیں۔ ابھی آگ دوزخ
 نے انکو زل اور معدوم نہیں کیا۔ انہا اگر دنیا میں دوبارہ بھیجے جائیں۔ تو جو تکفیر کا باعث اور
 معافی ان میں ہو جو ہے۔ اس مسئلے پر کسی کذا اختیار کریں۔ اور اس مسئلے کا راز یہ ہے
 کہ یہ ضروری ہے۔ کہ فطرت اعلیٰہیہ اپنا عملی ہر کرنے عیسائی کو حالت عاریہ اور فطرت ثانیہ نے جو
 بعد میں طاری ہوئی تھی اپنا کام کیا اور فطرت اعلیٰہیہ تمام بنی آدم کو مثال اور سب میں موجود ہے۔
 چنانچہ یہی میں برداشت ہو چرہ مردی ہے۔ وہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے
 ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت (توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اباب دوزی مدائ
 میں ہے کہ کثرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور صحیح مسلم میں عیاض بن حماد مجاشعی سے مروی ہے
 وہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احادیث کے سلسلے میں جن کو آپ اپنے پروردگار کی کتاب
 سے بیان فرماتے ہیں یوں روایت کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے سب
 بندوں کو مؤمن اور حنیف پیدا کیا۔ بعد میں انکے پاس شیطان آئے۔ اور انہوں نے انکو
 دین سے پھیر دیا اور انکو میرے ساتھ ان چیزوں کے شریک کرنے کا حکم کیا۔ جن کے لئے
 میں نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اس حدیث میں صاف بتلادیا ہے کہ بنی آدم میں اصل
 توحید اور حنیفیت ہے اور اسی پردہ پیدا کئے گئے ہیں اور انکی ضد گھر شرک بعد میں شیطان
 کے افوا سے پیدا ہوتی ہے۔ پس یہ بات محال ہے کہ شیطان کا اغوا تو اپنا اثر کرے اور حیل
 حل جلال کی عنایت اور فطرت کا کوئی اثر ظاہر ہو۔ شیطان کفار اور مومنین سب کا خالق وہی
 ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں۔ متافرق ہے کہ مومنین کو پیدا کرنا اس کے نزدیک محبوب

پسندیدہ ہے۔ اور اسکے اثر کو اُس کی طرف نسبت کر سکتے ہیں۔ اور کفار و شیاطین کی خلقت اُس کے نزدیک بخیر و ناسبت ہے۔ اور اسکے اثر کو اُس کی طرف نسبت کرنا درست نہیں۔ کیونکہ شرکی طرف نسبت نہیں اور خیر سمی کی سب اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کوئی شخص شبہ پیش کرے کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے وَلَوْ نَشَاءُ لَكُنَّا فِيهِمْ خَلْقًا آخَرَ (اور اگر اللہ اُن میں کچھ جی رہتا تو انکو دوسرے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا) اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن میں کسی قسم کی بہتری اور خوبی کی قابلیت نہیں اور اُن میں کسی نوع کی جبروت وجود نہیں۔ اگر اُن میں کسی قسم کی خیر موجود ہوتی۔ تو اُس کے بدولت اہل توحید کے ساتھ دوزخ سے نکال کرشت میں داخل کئے جاتے۔ نیز کہ اللہ سبحانہ اُن تمام لوگوں کو دوزخ سے نکال دیکھا جن کے دلوں میں بدوہ بھر بھی موجود نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُس حدیث میں لفظ خیر سے اللہ سبحانہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لانا مراد ہے۔ چنانچہ وہ ۱۰ بی روایت میں خود لفظ ایمان مذکور ہے اور ایمان اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں کی اتباع اور اُن کے احکام کی اطاعت کا نام ہے۔ اور آیت میں لفظ خبر مذکور ہے اس سے نسبت کی قدر تناسلی شتم کی شکر گذاری۔ قابلیت طاعت اور صالحی مراد ہے اگر اللہ سبحانہ کو معلوم ہوتا کہ اس قسم کی خیر و خوبی ان میں موجود ہے۔ تو انکو اپنے احکام اور کلام پاک ایسے طور پر سناتا دیتا جس سے وہ منتفع اور فائدہ مند ہوتے۔ اور دوسرا جس سے اُن پر حجت الہی قائم ہوا۔ ان کے حق میں موجود ہے۔ اور دوسرا احکام کو سن چکے ہیں پس کفر اور انکار کے سبب وہ قابلیت جو اصل فطرت میں موجود تھی معطل اور بیکار ہو گئی۔ اور اُس کا اثر داخل اور دُور ہو گیا۔ اور وہ اس محروم چیز کی طرح ہو گئی جس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے اور اس کا اثر صرف قیام حجت کے واسطے بن ظاہر ہوا اور ان کے احوال اور عقائد کے نفع دینے میں اُس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ اگر کوئی شخص شبہ پیش کرے کہ وہ لاکھوں کو خد علیہ السلام نے قتل کیا تھا فطرۃ ہی وہ کا فر پیدا کیا گیا تھا۔ اور علیہ السلام نے اپنی قوم کی نسبت یوں فرمایا ہے وَكَانَ يَدْعُوهُمُ إِلَى الْإِسْلَامِ (اور ان سے کہ وہ نسل علی کی وہ بھی بدکا۔) اور کئے کافر ہو گئے) نیز اُس حدیث میں جبکہ انہما اور تہذیب سے مراد عار دایت کیا اس طرح وارد ہے کہ نبی آدم مختلف طبقات اور درجات پر پیدا کئے۔ یہ ہیں یعنی ایمان پر پیدا ہوتے اور ایمان پر زبرد رہتے ہیں۔ اور ایمان ہی پر انکی موت ہوتی ہے اور بعض کفر پر پیدا ہوتے اور کفر ہی پر زبرد رہتے اور کفر ہی پر رہتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جو آیات اور حدیث ہر ایک ہی آدم

کے فطرت اسلام پر پیدا ہونے کے مخالف اور متفق بنیں کیونکہ ان کا یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ کو فطرت اسلام پر پیدا ہونے میں گناہ کے حق میں یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جب وہ سن شعور اور عقل کو پہنچینگے تو وہ کفر کریں گے دوزخ و لات کے وقت تو کفر یا ایمان میں سے کسی بات کی خبر نہیں ہوتی۔ پس ان خصوص میں حال متعارف داخل نہیں بلکہ یہاں مقدار بہت پس ایسے لوگ دوا اعتبار کے لحاظ سے مولود علی الفطرت بھی ہیں اور مولود علی الکفر بھی یعنی انکی پیش فطرت اسلام پر ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کے حق میں یہ مقدر ہوتا ہے کہ یہ بڑے ہو کر کفر اختیار کریں گے۔ اور یہ دونو اعتبار صحیح میں فطرت پر پیدا ہونا تو اس لحاظ سے ہے کہ اگر انکو اسی فطرت پر چھوڑا جائے اور محبت بد کے اثر سے محفوظ رہیں۔ تو اسلام کو قبول کریں۔ اور کفر پر پیدا ہونے والے اس لحاظ سے ہے کہ جب بڑے ہونگے تو اپنے اختیار اور ارادہ سے کفر قبول کریں گے۔ غرض جب کفار کی فطرت اصلہ اور اللہ سبحانہ کی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ کا لحاظ کیا جائے تو حقیقتہً الامر مشکشف ہو جاتی ہے کہ کفار بد الاہوال آباد ہمیشہ عذاب دوزخ میں مبتلا رہیں گے۔

چھٹا طریق یہ ہے کہ دارالعدل یعنی دوزخ کو دارالفضل یعنی بہشت پر قیاس کیا جائے اور جیسا کہ جنت ابدی اور دافہ ہے اسی طرح جہنم بھی ابدی اور لازوال ہے۔ کیونکہ جہنم کے ابدی ہو جانے سے اس کا کمال عدل ثابت ہوتا ہے۔ اور عدل اور رحمت اسکی ذات مقدس کے لوازم ہیں۔ اور یہ طریق بھی صحیح اور نافذ نہیں کیونکہ دارالفضل سبحانہ کا حق ہے اور اس پر یہ وجہ نہیں کہ اپنا دارالعدل ظاہر فرمائے اور عدل کے ترک کرنے سے کسی قسم کا نقص اور مذمت اسکو لاحق نہیں۔ اور اظہار فضل کی نسبت اس نے اپنے بندوں سے مضبوط وعدہ فرمایا ہے اور اس کو اپنی ذات پر واجب قرار دیا ہے۔ اور بہشت اور دوزخ میں کئی وجوہ سے فرق موجود ہے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح اور درست نہیں۔ ان دونوں میں ایک وجہ فرق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بتلادیا ہے کہ جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہونگی۔ اور اہل جنت پر اللہ سبحانہ کی عطا اور ان کا اجر کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اور اہل دوزخ کے عذاب کی نسبت اللہ سبحانہ نے ایسا بیان نہیں فرمایا کہ عذاب دوزخ بھی کبھی ختم نہ ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے چند آیات میں بیان فرمایا ہے کہ اہل دوزخ کا عذاب منتہا ہی اور ختم ہونے والا ہے۔ اور ہم ان آیات کو پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اور اہل جنت کی نعمتوں کے منتہا ہی اور ختم ہونے کو ہمیں بیان نہیں فرمایا۔ اور اسی واسطے ان لوگوں کو جو جہنم کے ابدی اور لازوال ہونے کے قائل ہیں۔ آیات مذکورہ بالا کی تاویل کی

ضرورت پیش آئی۔ اور اہل جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایسی کوئی نص وارد نہیں جس سے ان کا انقطاع مفہوم ہو ۱۳ اور یہ لوگ تاویل سے اُس کی تخصیص کر سکتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ احادیث جو مذاب و دوزخ کے متناہی اور منقطع ہونے کے باب میں آئی ہیں۔ اس قسم کی کون حدیث اہل جنت کی نعمتوں کے انتہا اور انقطاع کے بارے میں ہرگز وارد نہیں ہوئی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے مذاب و دوزخ کے انقطاع اور ختم ہونے کو بیان کیا ہے اور جنت کی نعمتوں کے انقطاع کا ان میں سے کسی نے بیان نہیں کیا۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بغیر کسی نیک عمل کے جنت میں داخل کر دیا اور دوزخ میں سوائے گناہ کے ہرگز کسی کو داخل نہیں کیا۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جنت میں اللہ سبحانہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے گا۔ جن کو جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا گیا۔ اور دوزخ میں کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کریگا۔ کہ نہ عذاب دوزخ میں مبتلا کرے۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ جنت اس کی رحمت کا مقتضی ہے اور دوزخ اس کے غضب کا۔ اور جو لوگ دوزخ میں داخل ہونگے وہ کئی درجے ان لوگوں سے زیادہ ہونگے جو جنت میں داخل ہونگے پس اگر اہل دوزخ کا عذاب ویسا دائم اور ابدی ہو جس طرح کہ اہل جنت کی نعمتیں ابدی ہونگی۔ تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی رحمت پر غالب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا رحمت سے غالب ہونا محال ہے۔

بھٹوی وجہ یہ ہے کہ جنت اس کے فضل کا مقام ہے اور دوزخ دار عدل ہے۔ اس کا فضل اُس کے عمل پر غالب ہے۔

تالیس وجہ یہ ہے کہ دوزخ کو اللہ سبحانہ نے اسلئے بنایا ہے کہ اس میں اپنے اُس حق کو جو بندوں پر واجب تھا اُن سے پورا کرے اور جنت کو اسلئے پیدا کیا ہے۔ کہ بندوں کا وہ حق جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنی ذات پر لازم کیا ہے ادا کرے اور یہ جائز ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے حق جو بندوں کو پورا ہوا۔ جو ان کے لئے دوزخ کی نعمتوں کو چھیننے پر لازم کر لیا۔ پھر اس طرح ادا کر دے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جنت غایت ہے کہ جس کے لئے مخلوق آخرت میں عید کی جاوے گی اور جنت کے اعمال یعنی اطاعت و عبادت الہی وہ غایت ہے۔ جس کے لئے جن اور ان کی بیویاں کئے گئے ہیں اور وہ دوزخ مخلوق کے پیدا کرنے کی غایت نہیں اور نہ اپنی مخلوق کو اسلئے پیدا

کیلئے کہ وہ اسکی ذات کے ساتھ کفر و شرک کریں۔ بالآخر اپنی مبادات اور عزت کیلئے پیدا کیا ہے۔
 گیارہویں وجہ یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں اُسکے اسماء و صفات کا تقاضی ہیں اور عذاب
 اس کا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: عِبَادِیَ اِلَیَّ کُنَا الذُّمُّوْا لِرَّحْمٰنِہٖ مَّوَاخَاتٌ
 عَنِ الْاٰیۃِ ۚ وَ اَلْمَذٰبِ الْاَکَلِیْمَہٗ (اے پیغمبر! ہماری بندوں کو آگاہ کر دو کہ (ایک طرف ہم بخشے
 والے مہربان ہیں اور دوسری طرف) ہمارا عذاب (بھی بڑا موزی غذا ہے) وقال تعالیٰ
 اِنَّ رَبَّکَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ رَّآیَکَ لَعَنُوْا رَسُوْلَہٗ رَّحْمٰنِہٖ (اے پیغمبر! بیشک تمہارا پروردگار جلد
 مرادیتے والا ہے اور اس میں (بھی) شک نہیں کہ وہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے) وقال تعالیٰ
 اِخْلَعُوْا اَنْتَ اللّٰہُ شِدَّ الْعِقَابِ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَفُوٌّ رَّحِیْمٌ (جائے۔ ہو کہ اللہ کا عذاب
 (بھی) بڑا سخت ہے اور یہ بھی کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے) اور جو چیز اُسکے اسماء و صفات
 کا مقتضی ہے وہ اس کے ساتھ دائم رہیگی۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ عذاب بھی
 اس کی عزت کی حکمت اور عدل سے صادر ہوگا۔ اور عزیز۔ یکیم اور عادل اُسکے اسماء جن سے عزت
 حکمت اور عدل اُسکے صفات کمال میں سے ہیں تو جو چیز ان سے صادر ہوگی وہ بھی ان کے دوام
 کے ساتھ دائم ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک عذاب کا صدور اللہ سبحانہ کی عزت کی حکمت اور
 عدل سے ہے مگر مقصود کے حاصل ہونے کے وقت اُس کا ختم ہو جانا یہ بھی نو اسکی عزت کی حکمت
 اور عدل سے صادر ہوگا۔ غرض عذاب اور اس کا انقطاع اور ختم ہونا وہ نو اُس کی عزت کی حکمت
 اور عدل سے ہی صادر ہونگے۔ فرق اتنا ہے کہ انتہا کے وقت عزت و رحمت کے ساتھ حکمت۔
 جو دو احسان کے ساتھ اور عدل صفو اور صفحہ کے ساتھ مقرون ہوگا۔ اور اس طرح اُسکی لازوال
 عزت اور حکمت میں کوئی کمی لازم نہیں آتی۔ بلکہ خلق اور امر کا تمام سلسلہ اُسکی عزت و حکمت
 سے صادر ہے۔

بارہویں وجہ یہ ہے کہ عذاب بذات خود مقصود نہیں۔ بلکہ اس سے دوسری چیز مقصود
 ہے اور رحمت۔ احسان اور جنت کی نعمتیں بذات خود مقصود ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ احسان
 اور نعمتیں غایت ہیں۔ اور عذاب اور تکلیف وسیلہ ہیں۔ پس ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست
 نہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بتلادیا ہے کہ اسکی رحمت ایسی وسیع ہے کہ وہ ہر ایک
 چیز کو ماحویٰ ہے کوئی چیز اُس کی رحمت سے خارج نہیں۔ اور اُسکی رحمت اُسکے غضب پر سابق

اور غالب ہے اور ہم فرمانا اُس نے اپنی ذات پر لازم کر لیا ہے تو ضرور ہے کہ کفار کو بھی اسکی رحمت سے حصہ ملے اور اگر وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے جائیں۔ تو زلزلہ سر ہے کہ یہ اسکی رحمت و رحمت کے خلاف ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ بہت کرے کہ آیت رحمت میں رحمت رحمت کے بیان کے بعد اللہ سبحانہ نے یوں ارشاد فرمایا ہے فَسَا كُتِبَ عَلَيْكَ ذُنُوبُكَ اُولَٰئِكَ (تو ہم اسکو خاص کر) ان لوگوں کے نام لکھیں گے جو پرہیزگاری اختیار کریں گے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مومن متقی نہیں وہ اسکی رحمت سے خارج ہو گئے۔ کیونکہ وہ اُس صفت سے خارج ہیں جسکی وجہ سے اسکے بندے رحمت کے مستحق ہوتے ہیں۔ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ رحمت رحمت کے بیان کے بعد جس رحمت کی نسبت یہ ارشاد ہوا ہے کہ وہ متقین کے لئے لکھی گئی ہے یہ اُس رحمت کے علاوہ ہے جو تمام مخلوق کو وسیع ہے بلکہ یہ ایک خاص رحمت ہے جس کے ساتھ اللہ سبحانہ نے متقین کو مخصوص کیا اور صرف انکے لئے اسکو مقرر کیا ہے۔ اور متقین وہ اہل تسبیح ہیں جن کو بالکل کوئی عذاب نہ ہوگا۔ بلکہ وہ رحمت۔ کامیابی اور نعمتوں کے مالک ہو گئے۔ اور یہ ایک طرز بیان ہے کہ کبھی خاص کو عام کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں جتنی جگہ یہی طرز اختیار کیا گئی ہے اور کبھی عام کو خاص کے بعد ذکر کرتے ہیں اور مصطلح میں اسکو مستطرد کہتے ہیں۔

كَقَوْلِهَا لَنْ يَخْلُقَ خَلْقًا كَبُرْتُمْ نَفْسًا وَاحِدَةً وَجَعَلْ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيًّا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْنَا نَحْنُ لِحِمْلٍ لَنَشْلُوَنَّ مِنْ الْمَلَائِكِ نَ خَلْقًا آتَانَا مِمَّا صَالِحًا يَجْعَلَا لَنَا شَرًّا مِّنْ هَٰؤُلَاءِ فَيَتِمَّا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (دو لوگوں) وہی (تو اور مطلق) ہے جس نے تم کو تنہا (احد آدم) سے پیدا کیا اور اسی کی جنس کا اُس کا جڑ بنایا تاکہ مرد و عورت کی طرف رغبت کرے تو جب مرد و عورت سے لپٹ جاتا ہے تو عورت کو ایک ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے۔ پھر وہ اس حمل کو لئے لئے پھرتی ہے پھر جب اصل کی وجہ سے عورت زیادہ ہو جھل ہو جاتی ہے تو درمیان بی بی (دو طرفہ) ہوتا ہے کہ وہ بی بی انکا پر دروگہ رہے دعا مانگتے ہیں کہ (اے خدا) اگر تم کو رہینا جاگتا پورا بچہ عنایت کر دینا تو ہم تیرا بڑا احسان مانیں گے پھر جب (خدا) انکو (بیتا جاگتا) پورا بچہ عنایت کر دیتا ہے تو اُس (ادناد) میں جو خدا نے انکو عنایت کی تھی خدا کے شریک بنانے لگتے ہیں)

اِنَّ آيَاتِ الْمُنشِئِ فِي سَمْعِ حَسْرَتِ اَدَمَ اَوْ جَاوِا سِلَاسِ السَّلَامِ كَا بِمَحْضُوصِ ذِكْرِ فَرَايَا لَدَرِ اس کے بعد انکی اولاد میں سے عام طرز و جہن کا ذکر کیا اور مستطرد کی ایک اور مثال یہ آیت ہے

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَكَذَرْنَا هَاسِرًا زُجْجًا ۚ وَارْتَدَّ السَّاجِدُونَ ۚ (اور ہم نے ورے
آسمان کو ستاروں کے چرخوں سے سجایا رکھا ہے اور ہم نے ان زجرانوں) کو ششیا طین
کے لئے (ایک طرح کی) زوڑیا ہے) اس آیت میں پہلے ایک قسم کے ستاروں کا ذکر
ہے جن سے آسمان کی زینت حاصل ہے اور اس کے بعد دوسرے قسم کو ذکر کیا ہے جو شیطان
پر پھینکے جاتے ہیں۔ یہاں ایک نوع سے دوسرے نوع کی تالیف مستطاب کیا گیا ہے۔ اور چونکہ
سب ستارے ایک ہی جنس سے ہیں لہذا غمیرت سے دوسری نوع مراد ہے
پہلی نوع کی طرف راجع کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول دَرَّ حَمِيَّتِي وَبَعَثْتُ كُلَّ
شَيْءٍ نَّسَاكَ لِيَذَّبَنَ بَيْنَهُنَّ (اور ہماری رحمت دے، وہ سب چیزوں کو مثال ہے تو
ہم اس کو (خاص کر) ان لوگوں کے نام لکھیں گے جو پرہیزگاری اختیار کریں گے) میں بھی اسی طرح مراد
ضمیر کیا گیا ہے اور وہ رحمت جو متقین کے لئے مقرر کی گئی ہے رحمت واسع کی ایک خاص
نوع ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت کی وسعت کا مقتضی یہ ہے کہ اہل دوزخ کفار
کو بھی اس سے حصہ ملے اور نیز یہ ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت ایسی وسیع اور غیر متناہی ہو
جیسا کہ اس کا علم وسیع اور نامحدود ہے۔ چنانچہ ملائکہ کے قول کو اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا جو
رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا (اے رب ہمارے رحمت اور علم ہر چیز کو
شامل ہے) *

چودھویں وجہ یہ ہے کہ صحیح حدیث میں جس میں شفاعت کا ذکر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت ہے کہ اوالعزم رسول شفاعت نہ کرنے کا یہ عذر بیان کریں گے۔ کہ آج میرا روزگار
ایسا غضب میں ہے کہ نہ تو کبھی اس سے پہلے ایسا غضب میں ہوا ہے اور نہ کبھی اس کے
بعد ایسا غضب میں ہوگا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ غضب عظیم دائم اور ہمیشہ
نہیں رہیگا۔ اور یہ بات قطعاً معلوم ہے کہ اہل دوزخ اسی غضب کی وجہ سے دوزخ میں مل
کئے گئے تھے۔ پس اگر وہ غضب دائم رہتا۔ تو ان کا عذاب بھی دائم اور مقرر ہوتا۔ کیونکہ وہ اس
غضب کا مقتضی اور موجب ہے اور جب اللہ سبحانہ راضی ہو جائیگا اور وہ غضب جاتا رہیگا
تو عذاب جو اس کا موجب اور مقتضی ہے وہ بھی دور ہو جائیگا۔ اور یہ اس طرح ہے جس طرح
کہ دنیا کے عام مصائب اور اکثر تکالیف اس کے غضب کے آثار ہوتے ہیں اور جب تک
اللہ سبحانہ کا غضب باقی رہتا ہے۔ تو وہ مصیبت اور بلا بھی دور نہیں ہوتی۔ اور جب اللہ تعالیٰ

بنادیتے ہیں۔ اور شریر اور ظالم نفوس اگر دنیا کی طرف غذاب سے پہلے لوٹاٹے جائینگے۔ تو ضرور دنیا کا کام کرنے لگیں گے جن سے سزا کئے گئے۔ یہ اور عذاب پہنچنے پر جنت کی سزا جنت کے قابل اور سزا دار نہیں۔ کیونکہ جنت شریر۔ ظالم اور بھوٹے لوگوں کے رہنے کا مقام نہیں۔ اور جب ان نفوس کو آگ کا ایسا عذاب ہو جائیگا۔ جو انکو شر سے خالص کر دے گا۔ اور انکی خباثت دور ہو جائیگی۔ تو پھر قانونِ حکمت کے موافق جنت کی سکونت کے قابل ہو جائیں گے۔ دنیا کی سزا میں بھی یہی دستور ہے۔ کہ جب کسی شریر کو سزا ملنے پر توبہ محال ہو جائے اور اسکی حالت درست ہو جائے۔ تو پھر وہ عزت اور توقیر کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ اور ایسے شریر نفوس کو تپید اگر ناجن کا شر عذاب اور سزا ملنے سے دور ہو جائے اللہ سبحانہ کی کہاں حکمت میں سے ہے اور ایسی شریر مخلوق کو تپید کرنا کہ جن کا شر کبھی نہ اُٹلے۔ جو اور انکی خلقت محض شر اور عذاب دائمی کیلئے ہو۔ اور اللہ سبحانہ کی رحمت اور حکمت کے خلاف ہے۔ اگرچہ ایسا کرنا اللہ سبحانہ کی قدرت میں داخل ہے مگر اس کی حکمت اور رحمت کے مطابق نہیں۔ دوسرا اگر عظیم الشان مسئلے میں کہ جس میں برکے بڑے عقلمند و کی عقلیں دنگ ہیں۔ میرے ذہن کی رسائی نہیں تک ہے۔ اور میں نے شیخ الاسلام قدس سرہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ مسئلہ بہت بڑا اور عظیم الشان ہے اسکے سوا اور کوئی جواب دیا۔ اور بہت عرصہ تک میں اسی تلاش میں رہا کہ اس مسئلہ میں کسی بڑے آدمی کی تحقیق معلوم ہو۔ یہاں تک کہ عبد بن حمید کی تفسیر میں میں نے بعض ان ائمہ کو دیکھا جن کو میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ پس میں نے اسی وقت انکے پاس خط بھیجا اور وہ ان کا آخری وقت تھا۔ اور میں نے اس مقام پر نشان لگا دیا۔ اور قاصد سے کہا ان سے کہنا کہ یہ مقام میرے نزدیک نہایت مشکل ہے۔ اور مجھے انکی پوری طرح سمجھ نہیں آئی۔ تو انہوں نے اس مقام پر مندرجہ ذیل عبارت کو لکھ کر میرے اردو کو دیا اور کہا اور وہ عبارت یہ ہے۔ جس شخص کو کوئی غمی تحقیق معلوم ہو۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ اس کو ظاہر کرے (اور اپنا آپ کو کم علم اور قلیل البصائر سمجھ کر اس کو مخفی نہ رکھے) کیونکہ ہر صاحب علم پر دوسرے کی علم کو فوقیت محال ہے۔ یعنی مخلوق میں سے کوئی شخص کتنا ہی عزم رکھتا ہو اس سے دوسرا شخص زیادہ علم والا ہو جاتا ہے۔ اور میں اس مسئلہ میں امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے قول پر ہوں۔ کیونکہ حضرت علیؑ نے جنت کے نصف میں اور اہل دوزخ کے دوزخ میں داخل ہونے کا ذکر کیا۔ اور پوری طرح اس کا بیان فرمایا ہے۔ اور پھر فرمایا ہے۔ کہ اس

کے بعد اللہ سبحانہ اپنی مخلوق کے ساتھ جو چاہیگا کرے گا۔ اور تیر میں اس مسئلہ میں عبد اللہ بن عباس کے مذہب پر ہوں۔ ان کا یہ قول ہے کہ کسی شخص کو یہ لائق نہیں کہ وہ اللہ سبحانہ پر اس کی مخلوق کی نسبت کوئی حکم لگائے اور جنت یا دوزخ کو ان کا مقام مقرر نہ کرے۔ اور ابن عباسؓ کا یہ قول اللہ تعالیٰ کے قول **قَالَ الْمَاسُ وَنُورُكَ خَالِيكَ** کا ترجمہ اللہ تعالیٰ فرمایا تھا تم ہمارا سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے ہمیشہ رہے ہمیشہ اس میں رہو۔ گئے آگے اللہ کی مرضی کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور نیز میں اس مسئلہ میں ابو سعید خدری کے مذہب پر ہوں۔ انہوں نے یوں کہا ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیات و عہد کا اس آیت **وَلَا تَجْعَلُ لَهَا شِركًا** سے فیصلہ ہو گیا۔ کہ اللہ سبحانہ جو چاہیگا وہ ظہور پذیر ہو گا۔ اور نیز میں قتادہ کے مذہب پر ہوں کہ وہ **لَا تَجْعَلُ لَهَا شِركًا** کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کو معنوم ہے۔ کہ اس کی مشیت کس بات پر واقع ہوتی ہے۔ اور نیز میں ابن زید کے مذہب پر ہوں کیونکہ ان کا یہ قول ہے کہ اللہ سبحانہ اہل جنت پر جو کچھ انعام و اکرام فرمانا چاہتا ہے۔ اس سے تو ہم کو آگاہ کر دیا ہو نہ ہر ماہ ہے **عَطَاءٌ خَيْرٌ مِّنْ دَارٍ** اور اہل نار کے ساتھ جو کچھ معاملہ کرنا چاہتا ہے اس سے ہم کو مطلع نہیں کیا۔ اور یہ قول کہ دوزخ اور اس کا عذاب اللہ سبحانہ کے دوام کے ساتھ دائم ہیں اللہ تعالیٰ کے ایک فعل کی خبر ہے پس اگر یہ قول اس خبر کے مطابق نہ ہو جو خود اللہ تعالیٰ نے اسکے متعلق بیان فرمائی ہے۔ تو یہ فتر علی اللہ اور قول بغیر علم ہو گا۔ اور نصوص سے یہ مفہوم نہیں ہوتا :

فصل۔ اس مسئلہ میں چند اور مذاہب بھی ہیں۔ مگر وہ بالکل باطل اور نحو میں بعض کا یہ قول ہے۔ کہ کفار کو دوزخ میں اتنی مدت عذاب ہو گا۔ کہ جتنی مدت وہ دنیا میں زندہ رہے ہیں۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ انکی طبیعت نار یہ ہو جائیگی اور آگ کی حرارت سے انکو ایسی لذت حاصل ہوگی جیسا کہ خارش دالے کو کھلانے سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ دوزخ اور جنت دو تو فنا اور معدوم ہو جائیں گے۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ دوزخ کا جوش اور حرکت معدوم ہو جائیگی۔ اور اہل دوزخ ہمیشہ سکون دائمی میں پڑے رہیں گے۔ اور اس مسئلہ میں سوائے صحابہ کرامؓ اور ان لوگوں کے جنہوں نے صحابہ کا طریقہ اختیار کیا ہے سب لوگ غلطی پر ہیں۔ اور توفیق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے :

فصل۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ کفار کے مومنین سے اور اہل دوزخ کمال جنت

سے کٹی۔ گئے زیادہ ہونے میں کونسی حکمت ہے۔ اور کفار کا مومنین سے زیادہ ہونا مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ (اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ تم کتنا ہی چاہو وہ ایمان لایا نہیں ہے) وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (اور ہمارے بندوں میں زہرہ ہی) تھوڑے (بندے) شکر گزار (ہوتے) ہیں، اَلَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ مگر جو ایمان لائے اور انہوں نے کام (دجھی) اچھے کئے اور ایسے لوگ تھوڑے ہیں) وَانِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ إِنَّا فَاكِهُونَ بَصِيرَةٌ لَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (اور) اے پیغمبر! اکثر لوگ تو دنیا میں ایسے ہیں کہ اگر ان کے کہنے پر چلو تو تم کو راہِ خدا سے بھٹکا چھوڑیں، اور اہل دوزخ کا اہل جنت سے زیادہ ہونا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جس میں یوں آیا ہے کہ ہزار آدمیوں میں سے تو سونار سے دوزخ میں جائینگے اور ایک آدمی بہشت میں داخل ہو گا۔ رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ نے ایسا کیوں چاہا۔ اگر اس کے برخلاف ہوتا یعنی مومن اور اہل جنت زیادہ ہوتے تو اللہ سبحانہ کی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نہایت مناسب تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اس مسئلہ میں صحابہ اور تابعین کے قول کی نہایت ظاہر اور روشن دلیل ہے۔ کہ اس معاملے کا انجام اللہ سبحانہ کی رحمت کی طرف عائد ہو گا۔ جو ہر چیز کو وسیع اور اس کے غضب پر سابق اور لاحق ہے۔ اور اس بنا پر یہ سوال بالکل بے منفع ہو گیا۔ راستے علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مادہ ارضیہ کا یہ نقصان ہے کہ نوع انسانی کے افراد میں تفاوت اور اختلاف موجود ہو۔ چنانچہ مسند امام احمد اور جامع ترمذی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ سبحانہ نے آدم کو مٹی کی ایک ایسی مٹھی سے پیدا کیا جس کو تمام زمین سے لیا گیا۔ پس اسی واسطے بنی آدم کے طبائع مختلف ہیں بعضے خبیث اور بعضے پاک ہیں۔ بعضے نرم اور بعضے سخت ہیں وغیر ذلک۔ کئی طرح کا تفاوت موجود ہے۔ غرض نوع انسانی کے مادہ کا یہ نقصان ہے کہ افراد انسانی کے اخلاق۔ ارادات اور اعمال میں تفاوت اور اختلاف موجود ہو۔ اس کے ساتھ ہی عزیز حکیم کی حکمت نے یوں چاہا۔ کہ اس مخلوق کو جو ایسے مادہ سے پیدا کی گئی ہے شہوت۔ غضب۔ حسد۔ بغض اور ان کے لوازم کے ساتھ مبتلا کرے۔ اور نیز اس کو اللہ سبحانہ نے اس کے اُس دشمن (ابلیس) کے ذریعہ سے آزمایا۔ جو ہمہ تن اُس کی خرابی کیلئے کوشاں ہے۔ اور ایک لمحہ بھراس سے غافل نہیں ہوتا۔ اور اس کے علاوہ انسان کو دنیا کی زینت اور خواہشات نفس کے ساتھ مبتلا کیا کہ باوجود اُس کی کمزوری اور دنیا کی چیزوں کی طرف محتاج ہونے کے اس کو یہ حکم دیا۔ کہ خواہشات نفس کا خلاف کرے اور دنیا کی زیب و زینت

پر ازل نہ ہو سکے چنانچہ اس بنا کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے رَبِّیُّنَا الَّذِیْ اَنْشَأَ
 مِنَ النِّسَاءِ ذَا لَیْسَیْنِ وَالْقَنَاطِیْرَ الَّتِیْ تَنْحَلِّیْنَ ۚ وَالْمِیْنَیَّۃَ تَمْلُکُ وَالْخِیْلَ الْمُسَوَّمَةَ
 وَالْاَکْدَکَامَ وَالْاُخْرَیْنَ ذَلٰکُوْنَ اِذْکِیْ تَبَادَلَسَ طَرَفَیْ ۚ اِتَّخِذَ یَوْمَیْ هَیْکَلٍ اَوْ ذُنُبًا کِیْ
 چیزوں یعنی (مثلاً بیسیوں اور بٹوں اور سونے چاندی کے ٹکڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ
 گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے سانچے دل بستگی بھلائے ملو جاتی ہے) اور اس کو یہ فرمایا ہے
 کہ اس موجود مشاہد اور ملاحظہ عالم یعنی دنیا میں اپنی حاضریہ اور خدائے ہشتانہ کو چھڑا نہ کر کے بلکہ ان
 کے پورا کرنے کے لئے اس عالم کا استقار کرے جو دنیا بجا بنے کر رہے اور ہمارے سے جائے
 کے بعد آئینہ الایسہ۔ اور طبیعت انسانی کا پتہ پتہ ہے کہ اس آرزوئیں اور مستحان میں ایک شخص بھی
 ثابت قدم نہ رہے اور سب کے سب شبعیت کے میلان اور شہوت و غضب کے مقتضی پر
 عمل کریں۔ اور اللہ خانی نے انکے اور جذبات طبع کے درمیان فطرۃ کوئی چیز حاصل نہیں بنائی۔
 بلکہ ان امور سے روکنے کے لئے انکے پاس اپنے رسول بھیجے۔ کتابیں نازل فرمائیں اور اپنی رضا مندی
 اور غضب کے اسباب بتلائے۔ اور جذبات و طبیعت اور خواہشات نفس کی مخالفت کرنے پر
 بہشت کی اُن اعلیٰ ترین نعمتوں اور اکمل لذتوں کا وعدہ فرمایا جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ مگر اکثر لوگوں کی عقلیں
 اس بات کو نہ پاسکیں کہ موجود مشاہد اور حاضر گمانی چیز کو چھوڑ کر آئینہ الای و منتظر مگر بانی اور
 دائم کو اختیار کیا جائے۔ اور اس طرف خیال کرنے لگے۔ کہ لقمہ چھوڑ کر اُدھار کون ہے۔ اور ان کی
 زبان حال یوں کہنے لگی ہے

خُذْ مَا تَرَاکَ وَدَعْ شَیْئًا سَمِعْتَ بِہِ

یعنی جو چیز موجود ہو اور سامنے نظر آئے اسکو لے لینا چاہئے اور سنی سنائی چیز کیونچہ پڑنا
 مناسب نہیں۔ اور توفیق الہی اُن لوگوں کی مساون اور مددگار ہوئی جو اللہ سبحانہ کے علم میں اس کے فضل کے
 لائق اور سزاوار تھے۔ پس اُنکو قوت ایمان اور وہ بصیرت عطا فرمائی۔ کہ سبکی روشنی سے انکو آخرت
 کی حقیقت۔ اس کا دوام۔ وہ نعمتیں جو اہل طاعت کے لئے آمین تیار ہیں۔ وہ عذاب جو نافرمانوں
 کے واسطے موجود ہیں۔ دنیا کی حقیقت۔ اس کا عدم ثبات۔ یوقاتی اور ازل دنیا کے ظلم وغیرہ سب
 امور انکو پوری طرح معلوم ہو گئے۔ اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ دنیا ویسی ہی ہے جیسا کہ اُس کو اللہ
 سبحانہ نے بیان کیا ہے کہ دنیا لہو لعب۔ زینت اور مال اور اولاد میں باہم تفاخر اور ٹکڑا تر ہے
 اور نیز دنیا اس بارش کی طرح ہے کہ جس سے عمدہ عمدہ گھاس پیدا ہوتے ہے جنوں سے کفار کے

دلوں کو نہایت خوش کر دیا۔ اور وہ نشوونما پا کر خوب عمدہ زرد رنگ میں آ گئے۔ اور پھوڑے ہی عمدہ
 کے بعد سب رغبت و ابودہ گئے۔ اور تھارے نے یہ بھی کہ ہم دیکھیں یہ پیدا ہونے میں ہم کو اسی کی اصلاح
 اور رستی کی فکر کرنی چاہیے۔ اور سب کی زرقن راہیں نکالیں۔ راستہ سوا کسی اور گھر کا ہم کو کوئی فکر نہیں
 ان پر عادات طبعیہ اور خواہشات نفسانیہ اب آگئیں اور جو اس کے آگے خفیل مخلوب ہو گئی اور
 اچھے دنیا کے سرداران بھی سہرا اور فراہم اور ہاں میں ہاں ملانے والے لوگ موجود تھے۔ ان وجوہ
 سے آخرت کے بالکل مہول نئے اور دنیا پر عجز کے شے سے رھا کسا مترجم کتاب ہے کہ اس نالے میں
 سسلمان کھلائے۔ انی صاحت بعینہ اسی بنال کے لوگ موجود نہیں حد اخلاص نے انکو دین کی سمجھ دے
 اور ان کے دلوں کو نور ایمان سے منور کرے جس سے آخرت کی حقیقت سمجھ کر آگے کی فکر کریں۔ اور
 ہم کو ان کے شر سے محفوظ رکھے اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ جو شخص ان طریق کو قبول کرے ان تمام حجابات
 کہ ہم دیگر بنادانت اور بنادانت طبع کی مخالفت کرے اور خواہشات نفسانیہ کی نافرمانی پر کمر بستہ ہو جائے
 تو اپنے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ اور نیز اندہ سچا نہ کی حکمت سے بوجہ ان کے بند سے جو جو مخالفت
 اور صفت پر ہیں۔ اور اگر اس حقیقت اور صفت کے سوا کسی اور صفت پر ہوتے تو امتحان اور کٹنا
 کیا مقصود حاصل نہ ہوتا۔ اور عبودیت کے انواع کا اختلاف اور اندہ سچا نہ کے اسناد و صفات کے
 آثار کا ظہور موجود تحقیق نہ ہوتے۔ فلانکہ کلام یہ ہے کہ اگر اہل ایمان و خیر زیادہ اور اکثر ہوتے تو جہاد
 اور اسکے قوانین جو عبودیت کے اتالی انواع میں سے ہیں حاصل نہ ہوتے۔ اور وہ کمال ہون پر تشریف
 ہے فوت ہو جاتا عرض حکم الہی کہ میں نے اپنی حکمت سے جو کچھ اپنی مخلوق میں پیدا کیا ہے اور جس
 حالت اور صورت پر بنوایا ہے اس سے کوئی بہتر اور اچھی صورت موجود نہیں ہو سکتی۔ پھر اندہ سچا
 اس مخلوق کو جو ان دونوں مادوں یعنی مٹی اور آگ سے پیدا ہے یعنی انسانوں اور جنوں کو ان کے خشت
 اور شرس پاک و صاف کرے گا۔ اور جو خالص اور پاک ہو جائے گا۔ ان کو پاک لوگوں کے ساتھ شامل کر دے گا
 اور زمینوں کو وہاں ٹال دے گا جہاں میل کھانے کی جاتی ہے۔ اور یہ اندہ سچا نہ کی کمال حکمت ہے۔ بے سبب انی اشیاء
 مثلاً سونا۔ چاندی۔ لوہا اور پتیل وغیرہ جن سے ہم نے ہزاروں کام نکلتے ہیں اسی طرح پر صاف کئے
 جاتے ہیں۔ نرض ان مولود کو حلاصہ اور پاک حصہ ملے اور غیث حصہ سے بہت کم ہے۔ آئی ایک زرع
 کی مانند ہیں۔ اور زمین ان کے واسطے بکھیت۔ نئے قائم ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ زراعت کا خالص اور
 عمدہ حصہ یعنی غلاتی اجزاء جو سے تنیکوں۔ پتوں وغیرہ اجزاء کی نسبت بہت کم ہوتا ہے۔ اور دوسرے
 اجزاء خالص حصہ کیلئے ایک قلعہ یا پناہ کا کام دیتے ہیں۔ جیسے کڑیاں اور کانٹے پھل کے لئے اور مٹی

اور پتھر مسد نبات نفیسہ کے لئے +

فصل سیتیسواں جواب رنگین کرنا تو سب کا یہ قول کہ اسے سبجانہ کہے اپنے زعمانوں اور دشمنوں کو اپنے پیائے بندوں پر سلطہ کرنے میں کہ وہ انکو ارج طرح کی تکلیفیں پہنچا رہے ہیں۔ گو کسی حکمت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ سبحانہ کی بہت سی ظاہر حکمتیں موجود ہیں بجز ان کے ایک۔ یہ حکمت ہے کہ اس میں بہت سے انواع و اقسام کے بندوں کو جو سبجانہ کو محبوب ہیں حاصل ہوتے ہیں مثلاً مبرہ۔ چرمہ۔ اللہ کی راہ میں تکلیف کو برداشت کرنا خوشی اور دیکھنا کہ میں اس سے راضی رہتا ہوں۔ باوجودیکہ ان کے لفظیں قوت غلبہ اور شوکت میں زیادہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عیودیت و طاعت پر تیار رہنا۔ اور نیز اس میں حکمت ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو بشریت اور طبیبیت انسانی کے احکام و لوازم سے پاک صاف کرتا ہے کہ وہ اسکی رضا مندی کیلئے اپنی جان خرچ کر دیتے اور دشمنوں کی بیچ اور ناقابل برداشت اذیتوں کو سیر سے حل و برداشت کرتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی محنت و اطاعت میں کون سچا اور کون مجھوٹا ہے۔ اور نیز یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ کون شخص اس کا طالب اور برکات میں اسکی عبادت پر قائم ہے۔ اور کون شخص دنیاوی نفع اور فائدہ کی امید پر عبادت کی صورت دکھاتا ہے۔ اور نیز اس میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیائے بندوں کو اسکی راہ میں شہادت کا درجہ جو کہ اعلیٰ ترین مدارج میں سے ہے حاصل ہو۔ اور محبوب کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ عمدہ اور اچھی نہیں کہ محب اپنے محبوب کی رضا مندی اور اس کے دشمن کے مقابلہ میں اپنی جان کو ہار دے۔ غرض اس تسلط میں اللہ سبحانہ کی بیشمار نعمتیں۔ رحمتیں اور حکمتیں موجود ہیں۔ اگر ان حکمتوں اور نعمتوں کو معلوم کرنا چاہتے ہو۔ تو سورہ آل عمران کی اخیر آیات میں خذْ حُلَّتْ مِنْ قَبْلِكَ مَدَّ سُنَّ (مسلمانو! تم سے پہلے بھی دہشت و افعات ہو گئے تھے) سے لیکر اِنَّكُمْ لَكُمُ الشَّيْطَانُ يَحْوِيَتْ اُولِيَاءَهُ فَلَا تُخَا فُوْهُمُ وَحَا فُوْنِ اِنِ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (وہ انھیں بس ایک شیطان تھا جو تم مسلمانوں کو اپنے رفیقوں کا ڈراؤ دکھاتا تھا تم ان سے ڈرا بھی نہ ڈرنا اور دتے مسلمان ہو تو ہمارا ہی ڈر رکھنا) تک اور مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُذِلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلٰیہِ رَحِيْمًا اَلْحَدِيْثِ مِنَ الطَّيِّبِ (منا فقوا) اللہ ایسا نہیں کہ جس حال پر تم ہو اچھے بُرے کی نیز کئے بدوں اسی حال پر مومنوں کو (تمہارے ساتھ) بلا جلا رہنے دے) میں غور کرو۔ غرض خبیث کو طیب سے جدا کرنا اس تسلط کی بعض حکمتوں میں سے ہے اگر اللہ سبحانہ اپنے دشمنوں کو اپنے پیائے دوستوں پر سلطہ کرتا۔ تو صبر عفو۔ حلم اور غصہ فرو کرنے کی

نصیحت اور نصیر۔ مطلقہ۔ اور تھمر کی صلاحات ظاہر اور محسوس نہ ہوتی۔ کیونکہ ہشیام کا حسن اور خوبی انکی اعتداد کے لحاظ سے معلوم ہوتی ہے۔ مگر افسوس جاننا یہ سطرچ لپٹنے و ٹٹمنوں کو اپنے دوستوں پر مسلط نہ کرتا تو وہ دشمن ابانت۔ تذلیل اور تباہی و بربادی کے مستحق نہ ہوتے۔ غرض اس تسلط نے دوستوں کے کمالات اور دشمنوں کے باطل اور برے صفات کو قوت سے خلی کی طرف نکالا پس دوست تو اس کے بارگاہ میں عزت کے مستحق ہوئے اور دشمن ذلت و خواری کے مستحق اور بھیڑ کے غرض اس تسلط نے دشمنوں کے حق میں اللہ سبحانہ کی حکمت و عزت کو اور دشمنوں کے حق میں اس کی رحمت اور نعمت کو ظاہر کیا۔ اور وہی عزت و حکمت والا ہے +

ان تیسراں جواب۔ سنکین حکمت و تلبیل کا یہ قول کہ اللہ سبحانہ کے آدمیوں اور جنوں کو مکلف بالاحکام بنانے اور ان کے سر پر تکالیف اور شقوتوں کا بوجھ بھر دینے میں کوئی حکمت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو مکلف بالاحکام نہ کرتا تو انسان کی خلقت عبث اور بیکار ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس اس سے منزہ اور پاک ہے اور اُس نے جس طرح اپنی ذات کا عیوب اور نقائص سے منزہ بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح عبث سے بھی اپنی ذات کا تقدس بتلایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ اَفَمِنْ مَعْنَتِهِ اَنَّا خَلَقْنَا كَهَيْئَتِكَ الْاِنْسَانَ اَلَمْ نَجْعَلْهُ فِیْ سَوَاءٍ (لوگو! کیا تمہارا خیال کہتے ہو کہ ہم نے تم کو (یوں ہی) بیکار پیدا کر دیا ہے۔ اور یہ کہ تم کو ہماری طرف پھر لوٹ کر آنا نہیں) وقال قلنا اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنۡ یُّکَلِّمَکَ سَدَّی (کیا انسان ایسا خیال کرتا ہے کہ اس کو بلا بانی پس یوں ہی چھوڑ دیا جائیگا) امام شافعی نے اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ انسان کے سدی چھوڑنے کا یہ معنی ہے کہ اس کو کسی کام کا اور کسی چیز سے منی نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کو یہاں تک کی طرح چھوڑ دینا اللہ سبحانہ کی حکمت کے خلاف ہے کیونکہ اُس نے انسان کو غایت بحال تک پہنچنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے رب کا عارف۔ اس کاائب اور اس کی عبودیت پر قائم ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لَیْعْبُدُنَّی (اور ہم نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کریں) وقال تَسٰلٰی لَیْسَ لَکُمْ اَنْتَ اِلٰہٌ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاَنَّ اِلٰہَکُمْ اِلٰہٌ یُّکَلِّمُکُمْ فِی الْاَسْمٰوِیْنَ (یہ کہ اللہ کا علم سب چیزوں پر مادی ہے) وقال تَسٰلٰی ذٰلَکَ لَیَعْلَمُوْا اَنَّ اِلٰہَکُمْ مَّآ فِی السَّوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اِلٰہَکُمْ یُّکَلِّمُکُمْ فِی الْاَسْمٰوِیْنَ (یہ کہ اس نے تم کو معلوم کر دیا کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو جانتا ہے اور نیز یہ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نیز یہ کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے) اللہ سبحانہ کی عزت اور اُس کی

عبادت خلق اور امر کی غایت ہیں اور انسان کیلئے یہ اعلیٰ کمال ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت اور رحمت سے انسان کو اس کمال کے حاصل کرنے کے قابل اور سزاوار بنایا ہے اور اس کی تحصیل کیلئے ظاہر و باطنی اسباب انسان کے واسطے جیسا کر دئے۔ اور اس کے حاصل کرنے پر سب کو قدرت بخش دی ہے۔ اور تکلیف کا مدار اسلام، ایمان، اور احسان پر ہے۔ اور ان تینوں کا مجموعہ کی چوٹی بنی نعمتوں کے مشکر کرنے۔ اُس کی عظمت و جلال کے ماننے اور اُس کے ساتھ دنیا و مافیہ کی طرف سے جو اُس کی شان کے لائق ہو۔ پس اُس کی نعمتوں کو یاد کر۔ کہ اُن کا شکر بجالانا چاہئے۔ تاکہ کثران نعمت نہ ہو اور اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ کہ نافرمانی کا دوزخ نہ ہو۔ اور اُس کی یاد اور ذکر میں مصروفیت ہے کہ بندہ کسی وقت اُس سے بھول نہ جائے۔ اور یہ تکلیف اس کو تھمنے سے کہ اس سے بندہ جملہ اخلاق جمیلہ کے ساتھ موصوف تمام افعال حسنہ اور اقوال سدیدہ کے ساتھ تشغیل اور تمام برے اعتساق۔ نتیجہ افعال اور جھوٹی باتوں سے محنت بوجھتا ہے غرض تکلیف مکام بہت اہتمام۔ محاسن افعال صدق قول۔ احسان الی خلق اور انواع و اقسام کے ساتھ نفس کو کامل کرنے اور ان چیزوں کے اضرار کے چھوڑنے اور ان سے پوری طرح بچنے کو تھمنے ہے۔ ان باتوں کے علاوہ اس پر اس ثواب جزیل کے عطا فرمائیگا وعدہ ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا اور سب سے بڑھ کر یہ بشارت ہے کہ دار البقا میں اللہ سبحانہ کے دربار کی حاضری نعیم ہوگی پس ان دونوں حالتوں سے کوئی غافل نہ ہو کہ لائق اور مناسب ہے۔ یہ حالت مذکورہ اچھی ہے یا انسان کو گھڑوں۔ خجروں۔ اور گھوڑوں کی طرح تھل اور بیکہ چھوڑ دینا اچھا ہے کہ آدمی ہائم کی طرح کھاتا۔ پیتا اور جفتی کرتا۔ کیا اللہ سبحانہ کا کمال مقدس انسان کی ایسی حالت کا تقاضا ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْمَرْثِقِ الْكَوْبِيدِ (تو خدا (جو) بادشاہ برحق وہ ہے بیفائدہ کام کرنے سے بری اور ہلاک ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) عرش بزرگ کا مالک (ہے) اور وہی۔ ثواب و عقاب کے سلسلہ کو بالکل اٹھا دینا انبیاء علیہم السلام کے مبعوث فرمانے۔ ان پر کتب میں نازل کرنے شریعتوں کی اجراء اور احکام مقرر کرنے کے انتظام کو موقوف کر دینا اللہ سبحانہ کے کمال مقدس کے لائق اور سزاوار کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص اس کے خلاف کرے اللہ سبحانہ کی نسبت جائز رکھتا ہے اُس نے خدا تعالیٰ کی شان کو نہیں سمجھا۔ اُس کے یہ خیالات اللہ سبحانہ کے ساتھ بدظنی کرنے پر مبنی ہیں۔ ایسوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (اور یہود نے جیسی اللہ کی قدر جانی چاہئے تھی وہی اُس کی قدر نہ جانی کہ مسلمانوں کی ضد سے) لگے کہنے کہ خدا نے کسی بشر پر کوئی کتاب کی قسم کی کوئی چیز نہیں اتاری عقل سلیم کے نزدیک تکلیف بالا حکام ایسا ہی تھن ہے جیسا کہ انسان

احسان بخشش اور فضل کرنا محسن ہے بلکہ انعام اور احسان کی یہ اعلیٰ قسم ہے اسی واسطے اللہ سبحانہ تکلیف بالا احکام کو نعمت و رحمت و فضل اور رحمت کے نام سے موسوم کیا ہے اور بتلایا ہے کہ اس پر خوش ہونا ان نعمتوں پر خوش ہونے سے اچھا ہے جو نیکو کاروں اور بیکاروں کے درمیان مشترک ہیں جتنا بچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَللّٰهُ تَزَالُ اِلَیْهِ اَتٰی اَنْ یَّکُوْنُ لَکُمُ الْفَلَاحُ وَاللّٰهُ کَفُوْرًا (اسے پیغمبر کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے بدلے ناشکری کی) اس آیت میں نعمت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فائزہ بابرکات آپ کا دین حق اور ہدایت مراد ہے وقال تعالیٰ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانَ اَمْرٌ قَبْلَ لَیْلِ صَلَّی مُبٰرِکٌ عَلَیْہِ سَلَامٌ اِنَّمَا یُؤْتِیْہِمْ اَمْرًا یَّحْكُمُوْنَ (اللہ نے مسلمانوں پر ایسا ہی فضل کیا کہ ان میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو کفر و شرک کی گندگی سے پاک کرتا اور کتاب الہی (یعنی قرآن) اور دانائی (کی باتوں) کی ان کو تعلیم دیتا ہے اور ان پیغمبر کے آنے سے پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے) *

وقال تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانَ اَمْرٌ قَبْلَ لَیْلِ صَلَّی مُبٰرِکٌ عَلَیْہِ سَلَامٌ اِنَّمَا یُؤْتِیْہِمْ اَمْرًا یَّحْكُمُوْنَ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں ان ہی میں سے (محمد کو) پیغمبر (بنکر) بھیجا کہ وہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور ان کو کفر و شرک کی گندگی سے پاک صاف کرتے اور ان کو کتاب (الہی) اور عقل (کی باتیں) سکھاتے اور نہ (اس سے) پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) تھے اور نیز خدا نے ان پیغمبر کو اور لوگوں کی طرف بھی بھیجا ہے) جو ابھی تک ان (عرب کے) مسلمانوں میں شامل نہیں ہوئے اور خازن دوست اور حکمت والا ہے۔ یہ پیغمبر ہی اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے۔ اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے) *

وقال تعالیٰ وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (اور اسے پیغمبر ہم نے تم کو دنیا جہان کے لوگوں کے حق میں رحمت و نیکوئی بھیجا ہے اور بس) *

وقال تعالیٰ کُلٌّ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِہٖ ذٰلِکَ فَدَیْقًا مِّمَّا کُتِبَ عَلَیْہِمْ مِّنَ الدِّیْنِ (اسے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ کہ یہ قرآن اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور لوگوں کو چاہئے کہ خدا کا فضل اور اس کی رحمت پس قرآن کو پاکر خوش ہوں کہ حق نیاد فی مہر وں اس کے حق میں ہے پیغمبر ہیں یہ ان کو کہیں بہتر ہے)

قَالَ تَمَاسَ الْيَوْمَ لَكُمُ الدِّينُ كَمَا تَدِينُكُمْ وَأَتَمُّنُ عَلَيْكُمْ بِغُفْرَتِي وَرَحْمَتِي كَمَا أَسَلْتُ
دِينًا (جہم تھا سارے دین کو تمہارے لئے کمال کر چکے اور ہم غم پر احسان پورا کر دیا۔ اور ہم نے تمہارے
لئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا) :

قَالَ تَمَاسَ الْيَوْمَ لَكُمُ الدِّينُ كَمَا تَدِينُكُمْ وَأَتَمُّنُ عَلَيْكُمْ بِغُفْرَتِي وَرَحْمَتِي كَمَا أَسَلْتُ
بِعَهْدِكُمْ بِهِمْ دَاوُدُ اللَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ مَا نَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ
أُسْ نَسْتَمُ بِكِتَابِ أَمَارِي وَأَعْتَمِلُ فِي بَاتِنِ (اور منظور یہ ہے کہ تم کو ان کے ذریعے سے صمیمت کرے)
وَقَالَ تَمَاسَ الْيَوْمَ لَكُمُ الدِّينُ كَمَا تَدِينُكُمْ وَأَتَمُّنُ عَلَيْكُمْ بِغُفْرَتِي وَرَحْمَتِي كَمَا أَسَلْتُ
لَعَنَ اللَّهُ الْكُفْرَ وَاللَّيْثَ وَاللَّيْثَ الْإِيمَانُ وَرَحْمَتِي فِي قُلُوبِكُمْ وَكَذَلِكَ أَلَيْسَ اللَّهُ
وَالْقُسُوفُ وَالْعِصْيَانُ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةً وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ (اور بنانے رہو کہ تم میں رسول خدا (موجود) ہیں (اور) بہتری باتیں (اس قسم کی ہوتی)
ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہارا کتنا مان لیا کریں تو دالٹی تم ہی پر مشکل پڑ جائے مگر بھلے کو خدا نے نہیں ایمان
کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر اور خود سری سے اور نافرمانی
سے تم کو نفرت دلا دی ہے یہی دنگ ہیں جو خدا کے فضل و کرم سے نیک چلن ہیں اور اللہ جاننے والا اور
حکمت والا ہے) :

اور اپنے رسول کو فرمایا ہے وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ
تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (اللہ نے تم پر کتاب آماری ہے اور ہم (سلیم دہی) تم
اور تم کو ایسی باتیں سکھادی ہیں جو پہلے تم کو حاکم نہ تھیں اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے) :
بلکہ حقیقی نعمت اور فضل یہی تکلیف بالا اذعام اور اسکے تواضع ہیں اور اس کا ثمرہ دلوں اور بدلوں
میں دنیا اور آخرت میں موجود ہے۔ عقول سیر اور فطرت مستقیمہ کے نزدیک کوئی چیز اس سے حق اور
الہیہ جہان کے محال اور اسکے اسما و صفات کے ساتھ زیادہ مناسب اور لائق نہیں :

انتالیسواں جواب۔ اشعری اور جہانی کے اُس مناظرے کے متعلق جو ان کے درمیان ایسے
تین بھائیوں کی نسبت جاری ہوا تھا۔ جن میں سے ایک بچپن میں مر گیا۔ دوسرا بڑا ہو کر کافر ہوا۔ اور
تیسرا اسلام لایا۔ منکرین حکمت و عقل کا یوں کہنا کہ یہ مناظرہ حکمت و عقل اور رعایت صلح کے ابطال
کے لئے کافی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک یہ مناظرہ اہل اہل بدعت معتزلہ اور قد یہ کو
جواب کو اٹل کرنا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہر ایک بندے کے لئے جو چیز صلح اور مفید ہو۔ اُس کی

رعایت کرنی اللہ سبحانہ پر واجب ہے۔ اور اس کے نزدیک نظام مبادی و آخرت کیلئے یہی اصل اور مناسب ہے اور اپنی ناقص عقلوں سے ایک شریعت قرار دیتے اور یوں کہتے ہیں کہ اس طریق شریعت کے مطابق عمل کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب اور اس کا خلاف کرنا اس پر ناجائز اور حرام ہے۔ اور اسی واسطے یہ لوگ سب سے زیادہ احمق اور بے وقوف ہیں۔ کہ خالق کو افعال میں مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے اور اس کو صفات کمال سے محفل ٹھہراتے اور اس کو اپنی تجویز کردہ شریعت کا تابع قرار دیتے ہیں اور جھوٹ موٹ اس کا نام عدل اور توحید رکھا ہے۔ اس اختراع کا نام عدل اور توحید رکھنے پر ان کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے افعال میں پورا انصاف کرتا ہے اور توحید اس کے صفات کمال کے اثبات کا نام ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِأَنَّ الْقِسْطَ كَالِإِلَهِ الْأَعْوَىٰ الْمُعْزِزِ الْحَكِيمِ إِنَّكَ إِلَهِنَّ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ لَمَّا بَدَأَ اللَّهُ اسْمَ الْبَاقِ** اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی (گواہی دیتے ہیں اور نیز یہ کہ اللہ عدل بن انصاف کے ساتھ دکار خانہ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے (دین حق) تو خدا کے نزدیک یہی اسلام ہے (اور بسلا یہ عدل اور توحید وہ ہے جس کی انبیاء علیہم السلام نے تعلیم فرمائی ہے اور وہ عدل و توحید جو انہوں نے قرار دیا ہے یہ ان لوگوں کا گھڑا ہوا ہے جو خدا تعالیٰ کو صفات کمال سے محفل ٹھہراتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مناظر نے اگرچہ معتدلاؤں اور قدر پر کے قول کو باطل کر دیا اور ان کے قواعد کی بنیاد کو ہلا دیا ہے۔ مگر اس سے اللہ سبحانہ کی وہ حکمت جو اس کی ذات کے ساتھ خاص ہے باطل نہیں ہو سکتی۔ اللہ حکیم کی وہ حکمت ہے جس کے احاطہ اور تفصیلاً معلوم کرنے سے اس کی تمام مخلوق عاجز ہے اور جو کچھ ان کو اللہ حکیم کی حکمت سے معلوم ہے اس کی نسبت جو ان پر غصی ہے ایسا ہے جیسا کہ روئے زمین کے دریاؤں کی نسبت ایک قطرہ پانی ہے۔ غرض اس شخص کے پاس میں جس کو بچپن میں فوت کر دیا ہے اللہ سبحانہ کی کئی ایسی حکمتیں موجود ہیں جن کی اور اک سے مخلوق کی عقلیں عاجز و قاصر ہیں اور اسی طرح اس شخص کے باب میں جس کو اتنی عمر عطا فرمائی۔ جو عبد بلوغ کو پہنچ کر اسلام لایا اور اس شخص کی نسبت جس نے بلوغ کے بعد کفر اختیار کیا۔ اور تمام عمر اسی میں مبتلا رہا۔ اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا اللہ سبحانہ کی عیشا حکمتیں موجود ہیں۔ اور اگر یہ قانون جاری ہو کہ جن لوگوں کی نسبت اللہ سبحانہ کو معلوم ہو کہ وہ بڑے ہو کر کفر اختیار کریں گے۔ ان کو صغیر ہی میں فوت کر دیا کرے۔ تو اس صورت میں ہمارا اور اللہ سبحانہ کی محبوب و پسندیدہ عبادت فوت ہو جاتی۔ کیونکہ ایسی حالت میں کوئی مخالف و معاند

موجود نہ ہو تا جس سے جہاد کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اور سب لوگ ایک دست اور دین و اہل پر قائم ہوتے
 اہم گذشتہ میں اللہ سبحانہ کے آیات قدرت اور عجائبات اور شمنوں کے وقائع اور حوائج ثبات ناہور پذیر نہ
 ہوتے۔ اہل باطل پر قیام حجت اور ان کے ساتھ ایسے طور پر نہ۔ سب احکامات جس سے ان کے تہمت دور
 اور ناکل ہو جائیں۔ اور جس میں حق کی نصرت و اعانت اور باطل پر اس کا تہمت تصور ہو۔ یہ سب امور ظہور
 پذیر نہ ہوتے۔ ان کے علاوہ ان میں از بہت سی حکمتیں موجود ہیں جو اللہ سبحانہ کے ہر آدمی کو سمجھنے کو معلوم
 نہیں۔ اور اللہ سبحانہ اپنی مخلوق میں اپنے اسماء و صفات کے آثار سے ناہور کو سب و پسند بظاہر ہے۔
 پس اگر ہر ایک ایسے شخص کو ہلاک کر دے جس کی نسبت معلوم ہو کہ وہ ظاہر ہو کر کفر اختیار کر لیا۔ تو اس بارہ
 صفات کے آثار کا ظہور ممکن نہیں۔ اور اس بارہ صفات کے آثار کا ظاہر دیوتا کے کمال کے
 خلاف ہے اور اس معقول کو ہم پہلے بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان آچکے ہیں۔

چاہیوں جواب سن کر حکمت و تخیل کا یہ قول کہ جملہ امور خضر اللہ سبحانہ کی مشیت پر موقوف ہیں
 چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَعْنِي بِي مَنْ يَشَاءُ وَيَرْزُقُهُ مَنْ يَشَاءُ (جسے چاہے عذاب
 دے اور جس پر چاہے رحم کرے) قَالَ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ (پھر جسے چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے)
 وقال تعالى فَإِنَّ أَمْرًا لِيَسِيرًا مَنْ يَشَاءُ وَيُكَفِّرُ مَنْ يَشَاءُ (اللہ جس کو چاہے
 گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے)۔

وقال تعالى لَا يَسْأَلُ عَمَّا أَفْعَلُ (جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی باز پرس اس سے نہیں کی
 جاسکتی)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ صحیح اور درست ہے لیکن اس سے اللہ سبحانہ کی حکمت اور اس
 کے افعال کی غایات محمودہ کا بطلان نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کوئی کام کسی مشیت
 کے لئے اور کوئی امر کسی حکمت کیلئے نہیں کرتا اور اس کے افعال کیلئے کوئی سبب اور غایت نہیں۔ لہذا یہ من
 حکمت و تخیل اس بات کے قابل ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال بغیر مشیت و ارادہ کے صادر ہوتے ہیں یا
 جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی نسبت کوئی شخص اس سے باز پرس کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اس بات
 کے قابل ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال بغیر مشیت سے صادر ہو۔ تو یہی جو مشیت و ارادہ کے خارج ہونے
 ہے اور اللہ سبحانہ ہر ایک چیز کو اس کے مناسب محل اور مقام میں رکھتا ہے اور ان کے تمام افعال مشیت سے
 صادر ہوتے اور وہ اسباب و حکم۔ غایات مطلوبہ اور عواقب محمودہ سے وابستہ ہیں۔ پس یہ مشیت و حکمت
 و تخیل اللہ سبحانہ کے ملک اور حمد و ثناء کے قابل ہیں۔ اور ان کے سبب سے سب لوگ یا تو صرف ملک کے

قابل ہیں۔ یا ایک گزہ محمد بھی مانتے ہیں مگر اسکے ساتھ صفت ملک میں کی کر دیتے ہیں۔ لہذا مثبتین حکمت و تعلیل کے سوا دوسرے لوگ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کمال ملک اور کمال حمد و دوسرے کے ساتھ موصوف ہے اور اللہ سبحانہ کے افعال کا اس کی مشیت پر موقوف ہونا اس امر کا متقاضی نہیں کہ اُنکے لئے اسباب حکمتیں اور غایات مطلوبہ موجود نہ ہوں اور جائز ہے کہ اُنکی مشیت انہی چیزیں یعنی اسباب غایات وغیرہ کے لحاظ سے افعال کے ساتھ متعلق ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول لَا يَسْئَلُ عَنْهَا يَعْلَلُ ۚ وَهُمْ يَسْئَلُونَ (جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کی باز پرس اس سے نہیں کی جاسکتی اور وہاں لوگوں سے اُنکے لئے کی) باز پرس ہونی ہے (مثبتین حکمت و تعلیل کے قیل کا مؤید ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ سبحانہ کو ہر چیز کا پورا علم حاصل ہے اور اُس کے تمام کام نہایت حکمت اور مصلحت پہنچتی ہوتے ہیں۔ لہذا کسی کو چون و چرا کرنے کا موقع نہیں۔ اس کے علاوہ آیت کے سیاق پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے ایک دوسرا مضمون مراد ہے یعنی اس آیت سے اللہ وعدہ کی الوہیت کا اثبات اور اللہ کی اہیت کا ابطال تصور ہو گیا کیونکہ اللہ عزوجل نے اس طرح فرمایا ہے اَمْ اتَّخَذُوا اِلٰهَةً مِّنْ دُونِ هُمۡ يُشْرِكُوْنَ فَكَانَ ذٰلِكَ اِلٰهَهُۥٓ اِلَّا اللّٰهُ لَقَدْ تَنَبَّاهُنَّ الْاَنْرٰثُ ثُمَّ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَمَّتٰی یَسْئَلُوْنَ لَا یَعْمَلُ اَشْیَآءَۢ بَیۡنَ يَدَیۡهِۦۤ اِلَّا سَمِعَۢ بِمَا یَعْمَلُۙ اَلَا یَسْئَلُوْنَ (کیا ان لوگوں نے ایسے معبود بنا رکھے ہیں جن کو یہ خود زمین کی چیزوں میں سے پتھر وغیرہ) سے بنا کر کھڑا کرتے ہیں۔ اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو (زمین و آسمان و دلوں کبھی کے) برباد ہو گئے ہوتے تو جیسی جیسی باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اللہ جو عرش پرین کا مالک ہے وہ تو ان (صیغوں اور نقصانوں) سے پاک ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کی باز پرس اُس سے نہیں کی جاسکتی اور ہاں لوگوں سے اُن کے لئے کی باز پرس ہونی ہے) +

پس اس آیت میں آیا کونسا لفظ ہے جو حکمت و تعلیل کے ابطال پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اہل باطل کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ایسے الفاظ سے تمسک کرتے ہیں کہ جن کے صحیح معانی چھوڑ کر ان سے وہ غلط معانی ارادہ کرتے ہیں جو اُنکے باطل کے موافق ہوں۔ اور ایسے معانی سے استدلال کرتے ہیں جن میں حق باطل کے ساتھ مشتبہ ہو۔ غرض اُنکے استدلال کا دار و مدار الفاظ اور حافی متشابہ پر ہے اور جب انکی توضیح و تفصیل کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کو اُنکے مدعا پر کوئی دلالت نہیں اور ان معانی کو ان کے دعوے سے کوئی مناسبت نہیں۔ بلکہ وہ اُنکے دعوے کے خلاف پر دل ہیں۔ اور ان سے اس کی تفصیل ثابت ہوتی ہے +

سوال باب

صالحین کے اس قول کے بیان میں کہ تقدیر کے خیر و شر
تلخ و شیریں پر بیان لانا ایمان کے اصول میں سے ہے

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تقدیر میں کئی قسم کا کوئی شر موجود نہیں۔ کیونکہ تقدیر اللہ سبحانہ کے علم
قدرت۔ مشیت اور اس کی نوشت کا نام ہے اور یہ سب چیزیں خیر محض اور من کل الوجہ کمال ہیں۔ اور
شر کسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں اس کی ذات صفات۔ اسماء اور افعال سب
شر سے منزہ اور پاک ہیں۔ جزوی اور اضافی شر صرف مخلوق اور مقدر میں واقع ہوتا ہے جو ایک
چیز کے لحاظ سے شر ہوتا ہے اور دوسری کے اعتبار سے خیر۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ جس محل کے
ساتھ شرف قائم ہے خود اُسی کے حق میں من وجہ خیر ہوتا ہے جیسا کہ دوسری وجہ کے لحاظ سے اُس
کے حق میں شر ہے بلکہ یہی قسم زیادہ کثیر الوقوع اور غالب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے
قصاص۔ اقامت۔ حدود اور کفار کو قتل کرنا یا اموات مقتول علی وجہ القصاص۔ حدود اور کفار کے حق میں
اگرچہ شر ہیں۔ مگر من کل الوجہ شر نہیں۔ بلکہ من وجہ شر اور خدا کے حق میں من وجہ خیر ہیں۔ اور دوسرے
لوگوں کے حق میں تو یہ خیر محض ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے ان میں کئی مصلحتیں حاصل ہیں۔ ان کو دیکھ کر دوسرے لوگ
برے کاموں اور شر و فساد سے باز رہینگے۔ ان کے لئے یہ باعثِ عبرت ہو گئے گا اور بعض شریر لوگوں
کا شر بعض کے ذریعہ سے دفع ہو جائیگا۔ اور اسی طرح دکھ اور بیماریاں اگرچہ من وجہ شر ہیں مگر مستند وجہ
کے لحاظ سے خیانت ہیں۔ اور یہ مضمون پہلے بیان ہو چکا ہے۔ غرض خیر اور شر جولہ ذلت و الم اور نفع
و ضرر کی جنس سے ہیں مخلوق اور مقدر میں واقع اور موجود ہوتے ہیں۔ اللہ سبحانہ کی صفت اور اُس
کے فعل میں جو ان کی ذات کے ساتھ قائم ہے تحقق و موجود نہیں ہوتے۔ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا اُس کے
حق میں شر اور اس کو درو پیچانے والا اہم ضرر رساں ہے۔ اور اللہ سبحانہ کا اس کو مستدرک کرنا اور اس کا
حکم دینا محض فعل۔ غیر حکمت اور مصلحت ہے چنانچہ مضمون دوسرے باب میں جو اُس کے بعد آتا

یہ قول ہے کہ اثبات کے طور پر اس طرح کتنا درست نہیں کہ اللہ شہر کا ارادہ کر سنے دلائل اس کا قائل ہے اور نفی کے طور پر تو کتنا درست ہے کہ اللہ تعالیٰ شہر کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اس کا قائل ہے کیونکہ شہر کا قائل شہر پر قائم ہے لغتِ تہذیب اور شرح سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ کہ ظالم قائل ظلم اور قاجر قائل جور اور اس کے ارادہ کرنے والے کو کہتے ہیں اور اللہ سبحانہ بڑے اسماء کے معانی کے ساتھ موصوفت ہونے سے مستزاد اور پاک ہے۔ اس کے تمام اسماء جسی، اور اسکے بلند فعال خبر ہیں اور یہ محال ہے کہ اللہ سبحانہ شہر کا ارادہ کرے پس شہر اسکے ارادہ و فعل سے نہیں۔ اور یہ ثابت دلیل سے ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال معنومات اور پیدا کردہ اشیاء کا مبین ہیں اور چونکہ شہر اس کے افعال میں سے نہیں لہذا اس کے مفقولات میں سے بھی ذارن ہے اور ان کے مقابل جبریت نے یوں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شہر کا فعل اور اسکے ارادہ و فہم اور ہوتے ہیں اور انکی دلیل یہ ہے کہ شہر ایک موجود چیز ہے پس اس کا کرنی موجب اور خالق ضرور ہو گا اور اللہ سبحانہ کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں اور اللہ سبحانہ ہر ایک چیز کو اپنے ارادہ سے پیدا کرتا ہے۔ پس یہ مخلوق مراد اور اللہ کا فعل ہے اور یہ لوگ بڑے مسئلہ میں کہ خالق میں مقبل اور مخلوق نفس فاعل ہے۔ قدر یہ کے ساتھ منقول ہیں مگر ہونا تک نزدیک۔ نہ اللہ تعالیٰ خلق اور نہ خلق اللہ اور اس کے ارادہ سے واقع ہے اور جبر یہ بھی۔ کہتے ہیں صرف اللہ کے افعال سے۔ لہذا فاعل کے درجہ میں نہیں کہ اللہ شہر کا ارادہ کرے اور اس کا قائل ہے جبکہ ان کو کتنا درست نہیں کہ وہ کائنات اور شہریوں کا پیدا ہے۔ اور مطلقاً یوں کتنا درست ہے کہ وہ ہر چیز کا رب اور اس کا خالق ہے۔ اور قدر یہ لو اس طرح جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ جو شخص شہر کا قائل اور اس کا ارادہ کرنے والا ہو تو اس کی طاعت و شریعت میں شہر کا کہا جاتا ہے اس کا جواب دو طرح ہو سکتا ہے۔ اول یہ کہ تمہارا یہ قول غیر مسلم ہے کیونکہ لغت میں شہر کا کہا جاتا ہے جس کے ساتھ شہر قائم ہو اور فعل شہر اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں اس لئے کہ اسکے افعال اس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ مفقولات کا مبین اور مخلوق کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ اور اسی واسطے ان افعال سے مخلوق کے لئے اسماء مشتق کئے گئے ہیں۔ مثلاً فاجر۔ فاسق۔ مصلی۔ صائم۔ حاجی وغیرہ مخلوق کو کہا جاتا ہے نہ خالق کو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء توفیقی ہیں اور اللہ سبحانہ نے اپنے آپ کو احسن اسماء کے ساتھ موسوم کیا ہے اور یہ جابر نہیں کہ اللہ سبحانہ کے ملک میں ایسی چیز وجود ہو جو اس کے ارادہ اور خلق سے باہر ہو کیونکہ وہ سب چیزوں پر غالب ہے کوئی چیز اس کی قدرت و ارادہ سے باہر

نہیں۔ اور اس مسئلہ میں محقق بابت یہ ہے کہ شر کے ارادہ اور فعل کو نفی یا اثبات کے طور پر اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرنا اور اسے الفاظ کو اللہ کی ذات پاک پر اطلاق کرنا درست نہیں کیونکہ ارادہ اور فعل شر کا لفظ استعمال کرنے میں ایک باطل معنی کے شدت اور صحیح معنی کی نفی کا وہم پیدا ہوتا ہے کیونکہ ارادہ دو معنی کے اور مقصود ہے ایک مشیت اور دوسرا محبت اور رضا ہے سنتے کی مثال یہ ہے ان حقائق اللہ یویند ان یغیو بیکم (اگرچہ ایسی کو تمہارا راہ دور راست سے بہکنا منظور ہے) وقولہ تعالیٰ و من یزید ان یضلہ (اور جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے) وقولہ تعالیٰ و اذا اردت ان تھلک قریۃ (اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے) دوسرے کی مثال جیسے واللہ یزید ان یتوب علیکم (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کی نظر رکھے) وقولہ تعالیٰ یرید اللہ بیکم الیکم و لا یویند بیکم و الیکم (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا) اور ارادہ بمعنی اول مراد کے وقوع کو مستلزم ہے اور اللہ سبحانہ کے نزدیک اس کے محبوب و پسندیدہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ اور ثانی معنی کے ساتھ مراد کے وقوع اور موجود ہونے کو مستلزم نہیں مگر اللہ سے نزدیک اس کے محبوب ہوئے کو مستلزم معلوم اور مقتضی ضرور ہے کیونکہ اللہ سبحانہ اپنے جس فعل کے وقوع کا ارادہ کرے وہ اس کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے اپنے افعال اور مفعولات اللہ کے ارادہ کرنے میں فرق اور تفاوت موجود ہے۔ اللہ سبحانہ کے سب کچھ سب افعال غیر عدل و مساوت اور حکمت ہیں۔ ان میں کسی وجہ سے شرم موجود نہیں اور اس کے مفعولات کئی قسم پر تقسیم ہیں اور یہ بات صرف اہل سنت کے مذہب کے مطابق صحیح اور درست ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک فعل منقول کا اور خلق مخلوق کا بغیر ہے اور یہی مسئلہ عقل فطرت لغت اور اولیٰ قلبیہ قرآن حدیث اور اہل سنت کے اجماع کے موافق ہے چنانچہ امام بغوی نے شرح السنہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس تفصیل کے معلوم کرنے کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ یہاں دو ارادے اور دو ہی مراد ہیں۔ ایک یہ ارادہ ہے کہ اللہ سبحانہ کسی اپنے فعل کے صدور کا ارادہ کرے اور اس صورت میں متعلق ارادہ اور مراد اللہ سبحانہ کا فعل ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور دوسرا ارادہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اس بات کا ارادہ کرے کہ اس کا بندہ کوئی کام صادر کرے پس یہی مراد ہے اس ارادہ کا متعلق اور مراد اللہ سبحانہ کا مفعول ہے جو اس کی ذات سے جدا اور منفصل ہے۔ اور یہی مراد ہے اس ارادہ کا متعلق اور مراد اللہ سبحانہ کا مفعول ہے۔ کیا ایک ارادہ موجود ہے اور اس کے ساتھ ملا کر موجود نہ ہو۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ

رہنے کا ہے) اور کبھی اس کو اس محل کی طرف نسبت کیا جاتا ہے جس کے ساتھ قائم ہو جیسا ابراہیم
 خلیل اللہ علیہ السلام نے قول کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اَلَّذِیْ خَلَقْنِیْ فَرَعُوْا یٰھٰدِیْنَ
 تَرٰ اٰیٰتِیْ فَرٰعُوْا یٰطٰعِیْنَ وَ یَسْقِیْنَ وَاِذَا مَرَضْتُ فَاَعْلَمُوْا لَیْسَ فِیْہِیْنَ (جس نے مجھ کو
 پرہیز کیا پھر وہی روئیا ورنہ کی مشکلات میں میری رہنمائی کرتا ہے اور جو مجھ کو کھانا کھلاتا
 اور جو مجھ کو پانی پلاتا اور نبیب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے) ۛ

اور خضر علیہ السلام نے کہا اِنَّمَا التَّوْقِیْتُ فَاَنْتَ یٰسَ اَلِیْنَ یَعْلَمُوْنَ فِی الْبَحْرِ
 فَاَرَدْتُ اَنْ اُیَعِیْبَہَا (کشتی تو رما جی پیشہ غریبوں کی تھی وہ دُاس کو وریا میں (مزوری
 پر مچلاتے تھے۔ تو میں نے چاہا کہ اُس کو عیب دار کروں) ۛ

اور اُن مصلوحوں کے بالغ ہونے کی نسبت یوں کہا تَاَسْرَادَ سُرُیٰکَ اَنْ یُّبَلِّغَا
 اَمْسَدَھُمَا (پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دو نولڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں) ۛ

اور سورہ فاتحہ میں یہ تینوں سورتیں موجود ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ
 صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّالِّیْنَ (ہم کو دین
 کا سیدھا راستہ دکھا اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا فضل کیا نہ اُن کا جن پر تیرا
 غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کا) اور اللہ سبحانہ نے اپنی ذات کی طرف صرف خیر کو نسبت
 فرمایا۔ اور شر کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں کیا ۛ

پہنا چھ فرمایا ہے قُلِ اللّٰھُمَّ مَلِکَ الْمَلٰٓئِکَ تُوُوْیَ الْمَلٰٓئِکَ مِنْ تَشَآءُ وَ تَاْمُرُ الْمَلٰٓئِکَ
 مِنْ تَشَآءُ وَ تَعِزُّ مِنْ تَشَآءُ وَ تَذِلُّ مِنْ تَشَآءُ بَیْنَ اَلْاَحْزَانِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ
 قَدِیْرٌ (اے پیغمبر تم کو یہ دعا مانگو کہ اے خدا ساے) ملک کے مالک تو رہی جس کو چاہے ملالت
 دے اور تو رہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو رہی جس کو چاہے عزت دے
 اور تو رہی جس سے چاہے ذلت دے (ہر طرح کی خیر و خرابی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بیشک
 تو ہر چیز پر قادر ہے) اور جو شخص یوں کہتا ہے کہ خیر اور شر تو دو تیرے ہاتھ میں ہیں۔
 وہ سراسر غلطی پر ہے اور اس کی غلطی چند وجوہ سے ثابت ہوتی ہے۔ اول یہ کہ آیت میں
 ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں لفظ شر محذوف اور مراد ہے
 بلکہ اس کے ذکر کو یا تو قصداً ترک کیا گیا ہے یا اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہ وہاں
 مراد نہیں اُس کو ترک کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں دو قسم کی

چیزیں ہیں۔ ایک فضل اور دوسرا عدل جیسا کہ حدیث صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ کسی خرچ سے اُس میں کمی نہیں آتی۔ رات دن (ہر وقت) اُس سے خرچ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بتلاؤ کہ جب سے مخلوق کو پیدا کیا ہے کتنا کچھ خرچ کیا ہو گا۔ مگر اُس میں کچھ کمی نہیں آئی۔ اور اُس کے دوسرے ہاتھ میں میزان عدل ہے۔ جس سے کسی قوم کو پست اور کسی کو بلند کرتا ہے۔ غرض ایک ہاتھ میں فضل ہے۔ دوسرے میں عدل ہے اور یہ دونوں خیر ہیں۔ ان میں کسی طرح کا شر نہیں۔ پس شر کو اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں قرار دینا غلطی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول لَبَّيْكَ سَعْدًا يَكُ وَالْحَيْرُ فِي دَيْدِيَاكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ لَيْبِكَ (اے اللہ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور تیری فرمانبرداری کے لئے آمادہ ہوں اور سب خوبیاں اور بھلائیاں تیرے ہاتھوں میں ہیں۔ اور شر پیری طرف متوجہ نہیں) اس آیت کی گویا تفسیر ہے۔ اور آپ نے خیر اور شر میں فرق بیان کیا ہے کہ خیر کو اللہ سبحانہ کے ہاتھوں میں قرار دیا ہے۔ اور شر کو اللہ سبحانہ کی طرف مضاف کرنے کو نفی کر دیا ہے۔ باوجود یہ سب چیزوں کا خالق وہی وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ہے +

فصل۔ اللہ سبحانہ کے اوصاف و افعال میں سے اُس کے لئے اسماء مشتق ہیں۔ اور اُسکی مخلوقات میں سے اُس کے لئے کوئی اسم مشتق نہیں اور اُس کے جتنے اسم ہیں یا تو اسے صفات میں سے کسی صفت سے مشتق ہیں یا کسی ایسے فعل سے مشتق ہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اگر اُس مخلوق کے لحاظ سے جو اُس کی ذات سے منفصل اور جدا ہے۔ اُس کے لئے کوئی اسم مشتق ہونا تو اُس کو مستلزم متحرک۔ ساکن۔ طویل۔ ابھیں وغیرہ کہا جاتا۔ کیونکہ وہ ان تمام صفات کا خالق ہے اور جب کہ ان اسماء میں سے کوئی اسم اس پر اطلاق نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ وہ ان سب کا خالق ہے تو معلوم ہوا کہ اُس کے اسماء اُس کے اُن اوصاف اور افعال سے مشتق ہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ اور اللہ سبحانہ مخلوق منفصل کے ساتھ موصوف اور اُن کے اسماء کے ساتھ موسوم نہیں۔ لہذا ان لوگوں کا قول جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کلام منفصل کے لحاظ سے جس کو مخلوق میں پیدا کرے مشکل ارادہ منفصلہ کا اعتبار سے مرید۔ عدل۔ مخلوق اور منفصل کی وجہ سے عادل اور خلق منفصل کے باعث جو عین مخلوق ہے خالق کنادرست ہے۔ باطل اور عقل و نقل اور لغت کے مخالف ہوا۔ اُس کے علاوہ اُن کا قول فی نفسہ متناقض ہے۔ کیونکہ اگر مخلوقات

کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کیلئے اسم کا مشتق کرنا درست ہو تو تمام اشیاء اور جملہ صفات و افعال مخلوقہ کے لحاظ سے اُس کے لئے اسماء کا اشتقاق درست ہو گا اور یہ ناجائز ہے اور اگر بعض افعال اور صفات کے تخصیص کیجائے تو یہ دعویٰ بلا دلیل اور ترجیح بغیر مرجع ہے۔ اور ان لوگوں کے قول کا اصل مطلب یہ ہے کہ عدل، احسان، کلام، ارادہ یا دوسرا کوئی فعل اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں۔ اور فرقہ جمعیۃ اللہ تعالیٰ کے صفات، ذات کے حقائق کا بھی منکر ہے۔ اور یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی صفت ثبوتیہ قائم نہیں، غرض یہ لوگ اللہ سبحانہ کے صفات کا انکار کر کے ان کو مساوی اور اضافات ٹھہرتے اور اُس کے افعال کی نفی کر کے ان کو مصنوعات و مخلوقات قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے کلام کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء محض الفاظ خالی عن المعنی ہیں۔ ان کا کوئی مفہوم اور حقیقت نہیں اور یہ بات الحاد اور اسماء کے حسن کا انکار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **لِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی قَادِحُوْهُ بِهَا دَعْوَسُ وَالْكَذِبُ يَلْبِذُوْنَ فِيْ اَسْمَائِهِمْ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** (اور اللہ کے (سب ہی) نام اچھے ہیں تو اُس کے نام لیکر اُس کو (جس نام، سہرا چاہوں) پکارو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں اُن کو چھوڑ دو) اور قرآن کریم اور حدیث سے ثابت ہے کہ ان اسماء کے مصادر اللہ سبحانہ کے اوصاف ثابتہ ہیں اور وہ ان کے ساتھ موصوف ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا** (بر طرح کی قوت اللہ ہی کو ہے) **وَقَوْلَهُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَرْزُقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتَّبِعِ** (اللہ خود بزار و زریٰ ہے نہ والا قوت والا زبردست ہے) **وَقَوْلَهُ تَعَالٰی فَاَعْمَلُوا اِنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ** (جانبانے رب کو (قرآن) خدا ہی کے علم سے اُترا ہے) اور حدیث شریف میں ہے **لَا حَرَّ فَنَتْ سُبْحَاتُ وَجْهِهِ مَا اَنْتَهِیْ اِلَیْهِ بَصَرٌ مِنْ خَلْقِهِ**۔ اس حدیث سے اللہ سبحانہ کیلئے صفت بصارت ثابت ہوتی ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں وارد ہے **اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ** (اے اللہ میں تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں) اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے **اَسْأَلُكَ الْغَيْبَ وَ قَدْ رَمَيْتَ عَلٰی الْخَلْقِ** اور یہ بھی وارد ہے **اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ اَنْ تَضِلَّنِيْ**۔ حدیث شریف کے ان کلمات سے رضا، سخط، قدرت، عزت وغیرہ صفات ثبوتیہ اللہ سبحانہ کے لئے ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ مصادر ثابت نہ ہوں۔ تو اسماء صفات اور افعال کے حقائق معدوم اور منتفی ہو جائیں گے کیونکہ اُس کے افعال صفات کا غیر ہیں۔ اور اسماء افعال اور صفات

کا غیر اور جب اللہ سبحانہ کے ساتھ کوئی صفت اور فعل قائم نہ ہو۔ تو خالی ایسے اسم کے ثبوت کا کوئی مطلب نہیں۔ جو کسی معنی کو مشید نہ ہو۔ بلکہ محض ایک دست اور آواز ہو۔ اور غایت درجہ کا الی وہ ہے ۔

۲۶

چھ سو ال باب

ان امور کے بیان میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قول اللہ تعالیٰ اَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ عَطَاكَ وَ اَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَ اَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا اَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ سے ثابت ہوتے ہیں اور تقدیر کے اثبات کی تفسیر اور ان سر عظیم کے بیان میں جنکو مشید کو تفسیر ہے

اس حدیث شریف سے کوئی امر ثابت ہو۔ تو نہیں سوا اہم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی زیادہ طلب کرنا ایسی ہی دست ہے جیسے کہ اس کی ذات کی پناہ چاہنا۔ اور دوسری حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ پناہ اس کی ذات سے استعاذہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے صفات سے استعاذہ کرنا اور اس چنانچہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں یا اَحْيٰ يَا قَيُّوْمُ يَا بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِيْ شَاْئِيْ خَلِّهِ وَ لَا تَكِلْنِيْ اِلَى الْفَنِيْ خَلِّ لِيْ عَيْنِيْ وَ لَا رَاۤى اَعْمٰى مِنْ خَلْقِكَ (اے الہی قیوم۔ آسمانوں زمین کے پیدا کرنے والے) صاحب جلال اکرام تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں میں تیری رحمت کے پاس استعاذہ کرتا ہوں۔ میرے سب کام ٹھیک کر دے۔ اے مجھے میرے نفس یا اپنی مخلوق میں سے کسی شخص کے پاس ایک لمحہ بھی پروندہ فرما) اور دوسری حدیث میں ہے اَعُوذُ بِكَ اَنْ تُضِلَّنِيْ (اے اللہ میں تیری عزت کے ساتھ اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے گمراہ کرے) اور اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات تا مد اس کے وجہ کریم اور انکی تعلیم کے ساتھ استعاذہ درست ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفات وجودیہ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ کیونکہ محدود کے

پناہ مانگنے کا کوئی حق نہیں۔ اور نیز یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم اور غیر مخلوق ہیں۔ کیونکہ مخلوق کے ساتھ استعاذہ درست نہیں۔ اور یہ استدلال نہایت صحیح ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے یہ بات بعید ہے۔ کہ آپ کسی مخلوق کے ساتھ استعاذہ یا اس سے استغاثہ کریں، اور اپنی اُمت کو اس کی تعلیم فرمائیں۔ اور حدیث مذکور سے دوسرا امر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عقوان صفات فعلیہ میں سے ہے جو کہ سبجائے کی ذات کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو فعل کو عین مفعول کہتے ہیں۔ کیونکہ مفعول مخلوق ہے۔ اور مخلوق کے ساتھ استعاذہ درست نہیں تبسرا امر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے بعض صفات اور افعال بعض سے افضل ہیں کیونکہ استعاذہ بہ استعاذ منہ سے افضل ہوتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ صفت رحمت صفت غضب سے افضل ہے۔ اور اسی واسطے وہ غالب اور سابق ہے۔ اور اسی طرح اللہ سبحانہ کا کلام اُس کی صفت ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ وہ کلام جس میں اللہ سبحانہ اپنے اوصاف اور توحید کو ذکر کرے۔ اور اس کے ساتھ اپنی ثنائیاں فرمائے اُس کلام سے افضل ہے۔ جس میں اپنے دشمن کی مذمت اور اُن کے اوصاف ذکر کرے۔ اسی واسطے سورۃ خلاص سورۃ تبت سے افضل اور ثلث قرآن کے برابر ہے۔ و آیۃ الکرسی قرآن کی فصل آیات میں سے ہے در اُن بتال کا قول جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کے صفات قید ہیں۔ اور قید کے افراد میں تفاوت اور تفاسیل نہیں ہو سکتا ہرگز قابل التفات نہیں کیونکہ دلہ نقلیہ اور عقلیہ اُن کے قول کو باطل کرتی ہیں اور اللہ سبحانہ نے فضل عطا اور خیر کو اپنے دلہنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اور دل اور قیض کو بائیں ہاتھ میں۔ اور اسی واسطے اہل سعادت کو داہنی ٹٹھی میں لیا۔ اور اہل شقاوت کو بائیں میں پکڑا۔ اور اہل انجھاف لوگ اللہ کی داہنی جانب نوز کے منبروں پر بیٹھیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ آسمانوں کو داہنے ہاتھ میں لگا اور زمین کو بائیں میں۔ جو تھا امر یہ ثابت ہوتا ہے کہ غضب۔ رضا۔ عفو اور عقوبت چونکہ آپس میں مقابل ہیں لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے ساتھ دوسرے سے استعاذہ کیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی کیلئے کوئی چیز صد اور مقابل نہیں۔ اس واسطے اس کے ساتھ استعاذہ کرنے کے وقت یوں کہا وہ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ رُحْمَتِكَ (اور تجھ سے ترحم ہی پناہ چاہتا ہوں) غرض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت و غضب سے صفت رضا کے ساتھ اربع عقوبت سے فعل غلو کے ساتھ اور نیز ان صفات و افعال کے موصوفہ کے ساتھ استعاذہ کیا ہے۔ اور یہ حدیث نہایت مختصر و مفید ہے اور توحید کے کامل درجے کے ثبوت کی متضمن ہے کیونکہ جس نہر و رنگے اسباب سے استعاذہ کیا جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر

ہے۔ افعیہ اور اس سے متعلق۔ نقد زیادہ ممکن ہیں اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ پس جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی
 قدرت متعلق ہو اس کی قوت جو مناسب ہے اس سے اس کی نسبت متعلق نہ ہو وہ موجود نہیں ہوتی۔ اور
 اوستہ (نور) باوجود اندازہ کی غیبت ہوتی ہے یا اس کے فعل یا اس کے عاقل یا اس کے فعل یا اس کے عاقل یا اس کے
 اور ان کی نیکیاں ہر شے کے اختیار میں ہیں اور اپنے ذائق کے نام بغیر وہ کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔
 جبکہ اللہ تعالیٰ اسے اس چیز کے بارے میں جو آدمی کو نہایت مضر نہایت فو شر ہو اور ہر یا اس سے۔
 و ہما جہدہ خدا میں رہا ہر ایک را کلا یا ذلک اللہ (بے علم خدا) اپنی رائے یا اس سے کہ وہ خدا
 نہایت نیکی سے (اوستہ) ذمہ مخلوق کا وجود اللہ سبحانہ کی مشیت سے تھا اور قدرتہ واقع ہے اور اس سے
 مینا دینا اور بندے سے اس کو ہٹا دینا یہ بھی اس کی مشیت تھا اور قدرتہ دار نہ ہونے سے اس لئے
 اپنی تقدیر سے تقدیر کے ساتھ اور ان چیزوں سے جو اس کی مشیت اور ارادہ سے صادر ہوتی ہیں اس چیز یا
 کے منہ حواس کی مشیت و ارادہ سے داغ میں پناہ دیتا ہے۔ اور سب کچھ من کے ارادہ کو نہایت
 سے واقع ہے۔ پس وہ اپنے ارادہ سے اپنے ارادہ کے ساتھ پناہ دیتا ہے۔ لیونکہ سب چیزیں اس
 کی مخلوق اور اس کی قضاء و قدر سے واقع ہیں جن چیزوں سے اللہ پناہ دیتا اور بچاتا ہے ان میں سے
 کوئی چیز کسی دوسرے شخص کی مخلوق نہیں بلکہ سب اس کی مخلوق ہیں۔ اور وہ بندے کو اپنی ذات سے
 اپنی ذات کی پناہ دیتا ہے اور اس فعل سے پہلے سے کے ساتھ کرنے کا ارادہ ہو اس فعل کے ساتھ
 بچاتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کے ساتھ ارادہ جو جاتا ہے۔ غرض کوئی ایسی چیز نہیں جو سوائے اللہ تعالیٰ
 کے کسی دوسرے کی مخلوق ہو اور پناہ مانگنے والے کو خدا تعالیٰ اس سے پناہ دے۔ بلکہ جن چیزوں
 سے اللہ پناہ دیتا ہے وہ سب اسی کی مخلوق ہیں۔ جیسے کسی شخص کو ظالم سے ایسے آدمی کے ذریعہ سے
 بچاتا ہے جو ظالم سے زیادہ زور آور یا اس کا مقابل ہو۔ غرض گناہ ان کے عذاب اور سزائیں۔ دکھ
 بیماریاں اور ان کے اسباب استعاذ منہ میں۔ اور سب اور سب اس کا وجود اللہ تعالیٰ کے
 قضا و قدر سے ہے۔ اور پناہ دینا اور بچانا بھی اس کی قضا و قدر سے ہے۔ اور وہ اپنی قضا سے
 اپنی قضا کے ساتھ ہی بچاتا ہے۔ غرض اعاذہ اور بچاند استعاذہ اور اس کا چاہنے والا سب کچھ اللہ
 کی تقدیر اور اس کی مشیت سے ہے۔ اور ان کلمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ضرر۔ نفع۔ خلق۔ امر اور پناہ
 و پناہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور استعاذ منہ اسی کے ساتھ اور تصرف میں ہے اور
 اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی سے استعاذہ
 کیا ہے۔ ان کلمات کو اگر رسول کے سوا کوئی دوسرا شخص کہتا۔ تو جاہل ملکین ان کے لڑو اور انکار

کے لئے مکر بستہ ہو جاتے اور یہ کلمات اُن کلمات کے موافق ہیں جو آپ نے دوسرے مقام میں کہے ہیں۔
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا تُجَاءُ مِنْكَ إِلَّا إِلَهٌ (اے اللہ تیرے سے تیرے سوا کوئی جاسٹے پناہ میں) غرض
 اللہ سبحانہ اپنی ذات سے اپنی ہی پناہ دیتا اور اپنی ذات سے خود ہی بچا ہے اور ایسا ہی
 بندے کے فرار اور بھاگنے کی کیفیت ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ سے اسی کی طرف بھاگتا ہے۔ ان
 سب باتوں سے توحید اور تقدیر ثابت ہوتی ہے کہ اس کا غیر کوئی رہنمائی نہیں اور اس کے رد
 کوئی خالق نہیں۔ اور مخلوق اپنے آپ یا دوسرے کے لئے کسی نفع ضرر موت حیات
 نشر حشر وغیرہ کسی چیز کی مالک نہیں۔ بلکہ نفع ضرر وغیرہ جملہ امور اللہ سبحانہ کے اختیار میں
 ہیں۔ اُس کے سوا کسی کو کچھ اختیار نہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے ارم الحلق اور سب سے زیادہ
 مراد احسانات کو فرمایا ہے۔ لَيْسَ لَكَ مِنْ الْأَمْرِ شَيْءٌ (اے پیغمبر تیرا تو کچھ بھی اختیار نہیں)
 اور نیز اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے جو اب میں جنہوں نے سوال کیا تھا کہ ہم کو نفع ضرر وغیرہ کا کچھ
 اختیار ہے یا نہیں؟ قَالَ لَا أَسْأَلُكَ اللَّهُ لِيُخَيِّرَ لَكَ أَمْرًا سَبَّحْتَ اللَّهَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةً مَرَّةً وَكَرَّمْتَ
 أَمْرًا كَسَى خَيْرًا مِنْ بِلَدٍ مِثْلَهُ وَأَمْرًا كَسَى خَيْرًا مِنْ بِلَدٍ مِثْلَهُ وَأَمْرًا كَسَى خَيْرًا مِنْ بِلَدٍ مِثْلَهُ
 ربوبیت اللہ الوہیت میں یہ تائید کا یہی مطلب ہو پس اُس کا غیر کوئی معبود نہیں اور اُسے سوا کوئی دوسرا نہیں مانتا
 خَالٍ لَمْ يَلَمْ يَأْتِ قُلُوبَنَا وَمَا نَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرَّتِهِ
 أَوْ رَحْمَةً هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ (اے پیغمبر اُن لوگوں سے)
 کہو کہ بھلا دیکھو تو سب خدا کے سوا جن (معبودوں) کو تم پکارتے ہو اگر خدا چاہے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے کیا یہ (معبود) اسکی
 بھیجی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا خدا چاہے ہر اپنا افضل کرنا چاہے کیا یہ (معبود) اس کے فضل کو روک سکتے ہیں ہر ایک
 پیغمبر تم کہو کہ مجھے تو خدا میں کرتا ہوں اور ہر دوسرے رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھا کرتے ہیں اور قال اللہ تعالیٰ وَدَّ
 يَسْتَسْكِنَ إِلَهُ الْفِتْرِ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِلَٰهُُ يَسْتَسْكِنُ بِهِ ظِلُّهُ يَوْمَئِذٍ يَكُنْ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ
 کیا کہ اگر تم کسی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اُس تکلیف کو دور کر نہ لائیں۔ اور اگر تم کو کسی قسم کا فائدہ پہنچائے
 تو وہ ہر چیز پر فائدہ ہے) وَقَالَ تَعَالَى بَلَاءُ قَوْمٍ لِلَّهِ لِلثَّانِي مِنَ رَحْمَتِهِ فَلَمَّا مُمَسِكَتْ لَهَا
 وَمَا يُمْسِكُ فَلَمَّا مُمَسِكَتْ لَهَا مِنْ بَعْدِ وَهُوَ الْكَعْبُ نَزَّ الْحَكِيمُ (اللہ اپنی رحمت کا انکار
 جو لوگوں کے لئے کھولے تو کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں اور بند کرنے تو اس کے (بند کرنے
 پہلے کوئی اُس کا جاری کرنے والا نہیں اور وہ زبردست اور محکم والا ہے) اس خدا سے خدا
 ہی کے ساتھ پناہ مانگو اور اُس سے اسی کی طرف بھاگو اور اُس سے جاسٹے پناہ اسی کی طرح

طلب کر رہا ہو اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی شخص کسی امر کا مالک نہیں۔ وہی نیکیوں کی توفیق
 بخشنے والا اور برائیوں کو مشکل دالہ ہے۔ ایک ذرہ اس کے حکم بغیر حرکت نہیں کرتا۔ اور کسی قسم کا نہر
 چا دو۔ پھر شیطان یا کوئی حیوان وغیرہ اس کے لذن اور شیت بغیر ہر گچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔
 وہ جس کو چاہے ان چیزوں کے ذلیہ سے تکلیف پہنچا دے۔ اور جس سے چاہے تہ تکلیف کو روک
 دے۔ اسی واسطے اعرس الخلق اور اقویٰ فی التوحید یعنی سرور کائنات صلیم نے اپنی دعائیں پڑھ کر
 دعا کو ایک منگ۔ مخلوق کیلئے اس کے سوا کوئی جہے بنا نہیں۔ اور نہ کوئی اس کے رب۔ خالق۔ اور
 مالک۔ کے سوا مستعاذ نہیں ہے۔ یہی مخلوق اس کے آگے مقبور اور مغلوب ہے۔ پھر آنحضرت صلیم نے
 دعا کو ان کلمات کے ساتھ ختم کیا ہے لَا اُحْصِي شَاءَ اَعْمَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَتَكْتَبُ عَلٰی نَفْسِكَ
 (میں اللہ میں تیری شفاء کا حصہ برابر نہیں لاسکتا تو دیکھا ہی باقی ہے جیسا کہ تو نے اپنی آپ ثنا بیان
 فرمائی ہے) تاکہ اس امر کا اعتراف ثابت ہو کہ اللہ سبحانہ کی شان۔ جسکی عظمت۔ نعوت۔ جلال اور صفات
 بحال کو کوئی شخص احاطہ اور شمار نہیں کر سکتا۔ اور نہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی شخص اسکی شنا کی حقیقت کو
 پہنچ سکتا ہے۔ پس یہ کلمات صفات اور نعوت کی توحید ہے۔ اور دعا کے پہلے کلمات سے جو توحید
 ثابت ہوتی ہے وہ موجودیت اور اللوہیت کی توحید اور نعوت و جلال اور ہستادہ کے باب میں غرض اتفاق
 کی یکتائی کا بیان ہے۔ توحید الوہیت۔ شرک کے خلاف اور توحید صلمات تعطیل کے منافی اور مخالف ہے۔

ستا یسواں باب

اس امر کے بیان میں کہ اللہ سبحانہ کے قضا و قدر۔ عدل توحید اور حکمت پر ایمان لانا بغیر خدا
 جیسے اللہ علیہ وسلم کے قول اَمْرٌ فِیْ عِلْمِکَ عَدْلٌ فِیْ قَضَائِکَ کے تحت میں داخل ہے اور
 نیز ان قواعد و اصول شرع کے بیان میں جو اس حدیث سے ثابت ہوتے ہیں
 پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس شخص کو کوئی غم۔ فکر یا اندوہ لاحق ہو اور وہ یہ

کلمات کے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ اِبْنُ اَمْتِكَ تَاوِیْتُ بِیْکَ مَا صِنَ فِیْ
 حَلْعَدَ عَدَلٌ فِیْ قَضَاءِکَ اَسْتَلْتُ بِکَ اِسْمُ هُوَ لَکَ سَمِیْتُ بِهٖ نَفْسُکَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ
 فِیْ کِتَابِکَ اَرْعَلْتَهُ اَمَدًا اَبَدًا خَلَقْتَ اَوْ اَسْکَنْتَ فِیْهِ فِیْ عَلَیْهِ الْغِیْبُ عِزُّکَ
 اَنْ یُّجْعَلَ الْقَضَاءُ سِرِّیْ قَلْبِیْ وَ لَوْ سَرَّ صَدْرِیْ وَ جَلَدٌ حَزَنِیْ وَ کَذَّابٌ هَمِّیْ وَ غَمِّیْ
 (اُسے) اور میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور گنہگار ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا
 نام میری نسبت نافذ اور تیرا فیصلہ میرے بدلے میں سراسر انصاف ہے۔ میں تجھ سے تیرے اُن اسماء
 کو وسیلہ بنا کر سوال کرتا ہوں۔ جن کے ساتھ تھے اپنے آپ کو موسوم فرمایا اُن کو اپنی کتاب میں نازل
 کیا ہے یا وہ کسی مخلوق کو سکھائے ہیں یا اُن کو اپنے خزانِ غیب میں پوشیدہ رکھا ہے کہ قرآن کو
 میرے دل کا آرام اور میرے سینے کے لئے نور اور میرے اندوہ کے لئے شہیقہ اور میرے غم
 کو دور کرنے والا بنائے) تو اللہ تعالیٰ اُس کے غم و اندوہ کو دور فرما کر اُس کے بھلے اُسے خوشی
 نصیب فرماتا ہے۔ صحابہ نے یہ کلمات اور ان کے برکات کو سن کر عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ان کلمات
 کو سیکھ لیں۔ آپ نے فرمایا بیشک بر شخص اُن کو سننے اُسے چاہیے کہ وہ انکو سیکھ لے۔

اس حدیث صحیح سے چند امور معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں وہ تمام مکروہات جو قلب پر
 وارد ہوتی ہیں۔ ذکر کئے گئے ہیں۔ ہم اُس فکر کا نام ہے۔ جو آئندہ زمانے میں کسی مکروہ چیز کے
 بیش آنے کے خیال سے پیدا ہو۔ محزن اُس غم کو کہتے ہیں جو گذشتہ زمانے میں کسی مطلوب اور
 محبوب چیز کے فوت ہونے یا کسی تکلیف کے پیش آنے پر لاحق ہو۔ کہ جب وہ تکلیف یا محجوب
 چیز کا فوت ہونا یاد آئے تو دل میں غم پیدا ہوتا ہے۔ اور غم اس اندوہ کو کہتے ہیں۔ جو فی الحال
 کسی تکلیف کے پیش آنے پر حاصل ہو۔ اور یہ مکروہات قلب کی بہت بڑی بیماریاں اور سخت امراض
 ہیں۔ اور لوگوں نے اُن کے علاج اور ان سے بچنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔
 اور بے لگ اپنے خیال اور دھرم کے مطابق ان سے خلاصی پانے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔
 مگر ان کے علاج اور اُن سے خلاصی پانے کے لئے اکثر ایسے طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ جن سے
 ان امراض میں زیادتی اور ترقی پیدا ہوتی ہے مثلاً بعض بے چھوٹے بڑے مختلف گناہوں
 سے ان کا علاج کرتے ہیں اور بعضے لہو و لعب و کھیل کود گانے بجانے وغیرہ سے اُن کا علاج
 کرتے ہیں۔ اور بنی آدم کی اکثر بلکہ تمام کوششوں کی غایت اور اُس کا اصلی مقصد جو ہے۔ کہ ان
 امراض کو دفع کرے۔ اور ان سے نجات اور خلاصی پائے۔ مگر وہ اپنے اُن لوگوں۔ جو انکے دفع کرنے

کے لئے اس دوا کو استعمال کرتے ہیں۔ جس کو اللہ شہیدانہ نے بیان فرمایا ہے۔ سب نبیوں نے راج کے غلط طریقے اختیار کئے ہیں۔ وہ دوا جو اللہ بھی انہی نے بیان فرمائی ہے ایک مرکب دوا ہے جو پسند نہیں چیزوں سے بنائی گئی ہے۔ کہ اگر ایک جزو اس کے کم ہو تو اسی قدر شغلیں کمی پڑتی ہے۔ اور اس جزو کا جزو عظم تو حید اور استغفار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَتَضَعُ لَذُنُوكَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ** (نورانی تفسیر اسی طرح) جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہو اور دنیا ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لئے اور حدیث میں ہے شیطان کہتا ہے کہ نبی آدم گناہوں سے ہلاک ہوئے اور مجھ کو گناہوں نے استغفار اور کلمہ توحید **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** سے ہلاک کیا ہے۔ اور میں سب دیکھتا ہوں کہ نبی آدم گناہوں سے استغفار کرتے اور کلمہ توحید پڑھتے ہیں۔ تو میں ان کے دلوں میں خواہشات نفس ڈال دیتا ہوں۔ پھر وہ بیدھ ٹک گناہ کرتے اور توبہ کا نام نہیں لیتے کیونکہ وہ اپنے زعم میں یوں سمجھتے ہیں۔ کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ اسی واسطے وہ دعا مفرج کہ **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** کہ دو کر نیوالی محض کلمات توحید کا مجموعہ ہے۔ اور وہ دعا یہ ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْكَافِرُ يُكَلِّمُ الْإِلَهَ الْكَافِرُ سَرَّابُ الْكَافِرِ الْعَرَبِيُّ الْعَظِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ** اور ترمذی وغیرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میرے بھائی ذی النون کی دعا ایسی یا افرہ ہے کہ جو کوئی مصیبت زدہ اس کو پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو ضرور دور کر دیتا ہے۔ اور وہ دعا یہ ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ مُنْجَايَ لِي** **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ مُنْجَايَ لِي**۔ توحید وہ چیز ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں داخل کر دیتی ہے اور استغفار سے وہ حجاب دور ہو جاتے ہیں۔ جو قلب کو بارگاہ الہی میں پہنچنے سے مانع ہوتے ہیں۔ اور جب یہ کلام قلب کا لہجہ ہو جائے تو اس کے تمام غم دور ہو جاتے ہیں اور توبہ کے بعد جو غم ہو گا وہ صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو جو غم دیا ہے۔ وہ کو دور کرے گا۔ اور عبادت کے اعتراف کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد پھر عزت ان کی کیا ہے کہ بندہ اللہ کے قبضے اس کے ملک اور اس کے تصرف میں اس کی پیشانی اللہ کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہے اسے پھیر دیتا ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے تصرف کا ایسا نہ تھا وہ شخص تھا اور تابع اور مہربان تھا جس کی چوٹی کو کسی نہایت دور اور شخص نے پکڑا ہو کہ وہ اقتدار اور تالیاری کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ ہم کے بعد یہ اقرار کیا گیا ہے کہ بندے کے پاس میں اللہ تعالیٰ نے کمال کے بحال میں نفع اور جاری ہے خواہ بندہ دل سے قبول کرے یا نہ کرے۔ اور اس پر خوش۔ یا ناخوش۔ اور جب اللہ تعالیٰ بنوے کے

اپنے میں کوئی حکم جاری کرے۔ تو کوئی دوسرا شخص اس کو برگزیدہ نہیں کر سکتا۔ اور اس میں اللہ سبحانہ کی
 کمال قدرت ہے۔ غایتہ شہادت کی حاجت ہی ان حضرات کی اعزاز ہے۔ اور گویا دیکھو ان کلمات پر
 یہ صاحب اپنے آپ کو ایک شخصیت سمجھتا ہے۔ نہ بد بول شخص ہوا۔ نہ بڑا سمجھتا۔ نہ بڑا فاضل سمجھتا۔ نہ بڑا عالم سمجھتا۔
 اور وہ جب کوئی حکم کرتا ہے تو اس کا نام نافذ اور پورا ہو کر رہتا ہے۔ رات کے بعد یہ قرار کیا ہے کہ یہ
 عالم جو کہ اور فیصلہ نافذ کرتا ہے تو وہ سراسر عدل اور انصاف ہر تائب کے۔ اس میں کسی طرح کے جوہر اور
 ظلم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ تو انہی فی حکمہ لکے عدل فی قضاء اولیٰ کا بھی مطلب ہے۔ اور
 یہ الفاظ بندے کی نسبت اللہ سبحانہ کے تمام حکموں اور فیصلوں کو شامل ہیں یعنی قضائے سابق و
 قبل ایجاد ہے قضاء۔ یہ مقارن حیات۔ قضائے بعد موت۔ اور قضائے یہوم معاد سب کو شامل
 ہے اور نیز گناہ کے معقدہ کرنے اور اُس کے سزا کے ساتھ حکم کرنے کو شامل ہے۔ اور جس شخص کا یہ منہ
 ان مسائل عقائد سے ٹھنڈا نہ ہو اور ان کی نسبت قطعی طور یقین حاصل نہ ہو۔ تو اُس نے اپنے رب۔
 اُس کے جمال۔ اُس کی ذات کی شان اور اس کے عدل کو ہرگز نہیں سمجھا۔ بآگاہ نہایت جاہل اور سخت
 ظالم ہے اُس کی بات کا علم اور اُس کے طبع میں ذرا انصاف نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 قول *إِنِّي فِي حُكْمِكَ قَدْ لَقِيتُ قَضَاءً بَكَ* میں قدر یہ اور تیرہ یہ دو فرق ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ زبان سے
 ان مسائل کو کہتے ہیں۔ مگر ان کے اصول ان مسائل کے خلاف ہیں۔ قدر یہ اس بات کے متناہی
 کہ اللہ سبحانہ کو یہ قدرت ہے کہ وہ جیسے کے دل میں اُس کی سلطنت اور نسبت کے خلاف ایسے خیالات
 پیدا کرے کہ جن سے وہ راہ راست پر آجائے پس ان کے نزدیک حکم شرعی امر و نہی کے سوا بندے کے
 پاس میں اللہ سبحانہ کا کوئی حکم جاری اور نافذ نہیں سادہ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں لفظ حکم کو اس
 معنی پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بندہ حکم شرعی کو کبھی ماننا ہے اور کبھی نہیں ماننا پس کا جس
 فی حکمہ لکے کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس کے حکم تقدیری۔ کوئی بندے کے حق میں ہر حال
 نافذ اور جاری ہے۔ اور حکم کو تمیہ اُس کے ان کلمات متناہی کے ساتھ قائم ہیں جن سے کوئی
 نیکو کار بیکار مستثنیٰ نہیں۔ و آنحضرت کا قول *إِنِّي قَضَاءُ لَكَ* اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ جیسے کیسا خدا ہی
 قضا و قدر کے وہی ہے۔ و انہی نہایت اہل درخت پروردگار کی تمام ساز و خیر نہ رہا۔ نہ انحال اور انکی عدا
 و منہ انہی نافذ ہوتا ہے۔ یہی ہے جو خداوند عز و جل نے یہاں لانا ہے۔ جو اللہ سبحانہ اپنے ہر امر حکم اور ہر قضا و قدر
 میں انصاف پسند ہے۔ نہ وہ ہر ایمان لاتو حدیث کی تمام احکام الہی و مضافہ کے عدل انصاف پر مبنی جو
 کوئی عدل ہو اور نہ منکر کرنے کے نزدیک اللہ حکم شرعی جیسے کے حق میں۔ خداوند ہماری ہے۔ تو بندے

کے گمراہ کرنے اور پھر اس کو سزا دینے میں حق تعالیٰ ظالم اور بے انصاف نہ ہے۔ اور جس پر کفر و نفاق کا ظلم کی کوئی حقیقت نہیں وہ بالذات محال اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے۔ اور جس چیز کا نام ظلم ہے اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت نہیں تاکہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو ترک کیا اور عدل و انصاف برتا۔ پس اسے قول کے مطابق جملہ عدل فی قضا و کسب میں کوئی خدو نیست۔ اور فائدہ سنیں، بلکہ یہ جملہ اور باری فی قضا و کسب دونوں یکساں ہیں اور جملہ ماضی فی حکمک اور اس جملہ کا ایک ہی مطلب اور صرف یکساں اور تائید میں ہے۔ یہ مطلب توکل ایک ہر اور ایک نزدیک ظلم پر اللہ تعالیٰ کا وہی صریح نہیں کہ وہ محال بالذات ترک کوئی معنی اور اس پر تھانہ کس کوئی مطلب نہیں اور نیز ان کے نزدیک جملہ اِنِّیْ حَزَمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ (میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر دیا ہے) یا تو لغو اور بیفائدہ ہے یا اس کا یہ معنی ہے کہ میں نے ان چیزوں کو اپنی ذات پر حرام کیا ہے جو میری قدرت سے باہر اور محال ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول فَلَا یُخَافُ ظُلْمًا وَّ لَا کُفْرًا (نہ بے انصافی کا خوف کرے گا اور نہ حق تلفی کا) بیفائدہ ہے۔ کیونکہ کسی شخص کو محال بالذات اس کے واقع ہونے کا خطرہ اور اندیشہ نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اللہ تعالیٰ کے قول وَمَا اللّٰهُ بِرَبِّدٍ ظَلَمًا لِلْعِبَادِ (اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا) اور وَمَا اَنَا بِظَلَمٍ لِّلْعَبِيدِ (اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں) میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کو ظلم پر قدرت ہی نہیں۔ تو پھر اس کی نفی کا کیا معنی ہے حقیقتہً اللہ یہ ہے کہ بندے کے حق میں اللہ سبحانہ کا حکم اس کی غالب مملکت کے لحاظ سے نافذ اور جاری ہے اور عدل اس کی محمودیت کی وجہ سے ثابت ہے۔ اور وہی اللہ سبحانہ لک اور حمد کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ دعا ہو علیہ السلام کے ان کلمات کی تفسیر ہے جن کو اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلٰی اللّٰهِ سَرَّیْ وَ سَرَّیْکُمْ مَّامِنْ دَا بَّیْکُمْ اَلَا هُوَ اَخَذَ بِنَاصِیْتِہَا اِنِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ (میں تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں کہ وہ) ہیرا (بھی) پروردگار ہے) اور تمہارا (بھی) پروردگار (ہے) جتنے جائز ہیں سب ہی کی توجہی اُسے ہاتھ میں ہے۔ بیشک میرا پروردگار (عدل و انصاف کے) سید ہے۔ اسے یہ ہے) اس کلام میں جملہ مامین دَا بَّیْکُمْ اَلَا هُوَ اَخَذَ بِنَاصِیْتِہَا وہ جملہ مامین نبیوں کے ماضی فی حکمک کے مشابہ اور قائم مقام ہے اور اِنِّیْ سَرَّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ جملہ عدل فی قضا و کسب کی مثل ہے یعنی اللہ سبحانہ اپنی مخلوق میں جن کی چوٹیاں اُس کے ہاتھ میں ہیں جو کچھ تصرف کرتا وہ عدل و حکمت و مصالحت اور رحمت پر مبنی ہے۔ اور وہ کسی کو ظلم نہیں کرتا۔ اور کسی کو اُس برے کام پر سزا نہیں دیتا جو اُس نے نہ کیا ہو اور

دیکھی کی نیکیاں ضائع اور برباد کرتا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ اپنے قول و فعل میں صراطِ مستقیم پر ہے۔ وہ سب
 بات فرماتا اور خیر اور بہتری کہتا ہے۔ اس ضمن میں کہ وہ صراطِ مستقیم پر قائم ہے۔ اللہ سبحانہ نے دو
 مقام پر بیان فرمایا ہے ایک سورہ ہود میں اور دوسرا سورہ نحل میں۔ سورہ ہود میں صراطِ مستقیم پر قائم
 ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کے بارے میں جو کہ اس کے قبضے اور ہاتھ میں ہے تصرف
 کرنے میں عدل و انصاف پر قائم ہے۔ اور سورہ نحل میں یہ مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے دوسرے
 احکام میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتا ہے۔ جبر یہ کا یہ خیال ہے کہ عدل مقدر کا نام ہے اور قدر یہ
 یوں کہتے ہیں کہ عدل اس کا نام ہے کہ ملائکہ جن دُش کے افعال اللہ سبحانہ کی قدرت و شہید
 سے خارج اور باہر ہیں۔ اور دو فریق اس میں سخت غلطی پر ہیں۔ حق اور صواب یہ ہے کہ عدل
 اس کا نام ہے کہ ہر ایک چیز کو اس کے مناسب محل اور مقام میں رکھا جائے جیسا کہ نظام ہے کہ
 کسی چیز کو بے محل اور ایسی جگہ رکھا جائے جو اس کے مناسب اور لائق نہ ہو۔ اور حکم۔ عدل اللہ
 سبحانہ کے ہمایوں سے ہے۔ اور قدر یہ ہم حکم کی حقیقت کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ سبحانہ
 کا حکم صرف احکام شرعیہ دینیہ میں منحصر ہے اور یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ سبحانہ کے کوئی حقیقت
 عدل کے ثبوت کے قائل ہیں حالانکہ عدل ان کے نزدیک تقدیر کے انکار کا نام ہے۔ اور باوجود اس
 کے اللہ سبحانہ کی طرف غایت بڑھے کے ظلم کو منسوب کرتے ہیں کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ
 جو شخص اپنی تمام عمر اللہ تعالیٰ کی طاعت میں خرچ کرے۔ اور آخر عمر میں اس سے ایک گناہ کبیرہ
 سرزد ہو جائے اور اسی پر وہ مرجائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ دوزخ کے سخت عذاب میں مبتلا رکھیں گا۔
 اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اعمال بد کی سزا کے ساتھ قضا اور حکم کرنا تو بیشک عدل ہے
 کیونکہ وہ گناہ کا بدلہ اور سزا ہے۔ لیکن گناہ کے ساتھ قضا اور حکم کرنا یعنی قضا و قدر میں اس کا مقدر
 کرنا اہل سنت کے اصول کے موافق کس طرح عدل اور انصاف ہو سکتا ہے۔ اور یہ اعتراض قدر یہ
 اور جبر یہ کے مذہب پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ قدر یہ کے نزدیک اللہ سبحانہ نے کسی مصیبت کے ساتھ
 قضا و قدر میں حکم نہیں کیا۔ اور جبر یہ کے نزدیک تمام مقدرات عدل ہیں۔ یہ سوال صرف اہل سنت
 کے مذہب پر وارد ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بندے کے حق میں اللہ سبحانہ کے تمام
 احکام اور جملہ قضا و قدر سر عدل اور انصاف ہیں۔ کیونکہ اس نے ہر ایک چیز کو اس کے مناسب
 مقام میں رکھا ہے۔ اس نے عذاب اور اس کے موجب اور سبب کے ساتھ حکم اور قضا کو اس کے
 مناسب محل میں رکھا ہے جس طرح اللہ سبحانہ عذاب اور عقوبت کے ساتھ اعمال کی جزا دیتا ہے۔

دیتا ہے۔ اسی طرح کبھی گناہ کے مقدر کرنے سے سزا دینا ہے اور اس گناہ کو مقدر کرنا دوسرے سے پہلے گناہ کی سزا ہوتی ہے کیونکہ گناہ ایک دوسرے کے کاسب اور اسباب بنتے ہیں۔ اور وہ گناہ سب سے پہلے رب سے تغافل اور معافی ہونے کی سزا ہے اور عیظات اور اعراض اسل جہت اور خلقت کے لحاظ سے ہے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ درجہ کمال تک پہنچانا چاہتا ہے اُس کے دل کو اپنی طرف متوجہ کرتا اور اُس کو اپنی طرف کھینچ لیتا۔ اُس کو رشد اور یقین الہام فرماتا اور اُس کے قلب میں آسیابِ خیر کا افکار دیتا ہے اور جس کو درجہ کمال تک پہنچانے کا ارادہ نہیں ہوتا اُس کو اُس کی طبیعت پر چھوڑ دیتا اور اُس کو اُس کے نفس کے سپرد اور حوالہ کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس کے علم میں تکمیل کے قابل اور اس کے لائق نہیں ہوتا۔ اور تقدیر کے باب میں بندوں کا علم اس حد پر ختم اور منتهی ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات کہ ایک شخص کو خیرات اور ہدایت کے قابل اور صلاح بنایا ہے اور اُس کو نعمتیں اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں جن کے وہ صلاح اور قابل تھا اور دوسرے کو ان کے صلاح اور قابل نہیں بنایا اور اس کو ان نعمتوں اور خیرات سے محروم رکھا ہے سو یہ اللہ سبحانہ کی ربوبیت۔ الوہیت اور اُس کے علم اور حکمت کا موجب اور مقتضی ہے کیونکہ وہ تمام شہادہ اور اُن کے اصدا کا خالق ہے اور یہ اُس کے کمال اور اُس کے اسما و صفات کے آثار کے طور کا نتیجہ ہے جتنا کہ یہ مضمون پہلے بیان ہو چکا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ وہ سبب اور مسبب کے مقدر کرنے اور اس کے حکم اور قضا میں اعدل العادلین ہے۔ بندے کے حق میں جو کچھ مقدر کیا۔ اور اُس کی نسبت جو کچھ حکم اور فیصلہ فرمایا ہے وہ سب اپنے محل اور موقع پر اقل ہے اللہ کے حکم اور قضا کے سوا دوسری چیز کے قابل اور لائق نہیں۔ اللہ سبحانہ کا حکم اور فیصلہ کیونکہ سراسر عدل اور انصاف نہ ہو حالانکہ وہ حکم۔ عدل۔ غنی اور حمید ہے۔

فصل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اَسْأَلُكَ بِحَلِّ اسْمِ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ اسْتَأْذَنْتَهُ فِي عِلْمِهِ الْغَيْبِ حَتَّى لَوْ اَنَّ رَايَةَ اِسْمِ طَرَحَ مَحْضُوطٌ هُوَ تَوْطِئُهَا رَاسُهَا اَيْكَلُ اسْمًا لَمْ يَدْرُ مَا هِيَ۔ کہ اُضری تین قسم کے اسماء کو پہلے قسم کا مقابل اور قسیم بنایا گیا ہے اور یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ یہ تینوں اقسام اللہ سبحانہ کے اُس اسم کے انتہام ہیں جس کے ساتھ اللہ سبحانہ نے اپنے آپ کو موسوم فرمایا ہے۔ اور حدیث کے ان الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ اسم کے اقسام نہیں بلکہ اُس کے مقابل اور قسیم ہیں اور جب پہلے قسم کے اقسام ہیں تو حدیث کے الفاظ اس طرح ہونے چاہیے سَمَّيْتَ

بِهِ نَفْسًا وَأَنْزَلْنَاكَ فِي كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْنَاهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ أَرَأَيْتَ أَتَى عَلَى
 الْغَيْبِ عِزْدَكَ - کیونکہ یہ تینوں اقسام اس ایم کی تفصیل ہیں جسکے ساتھ اللہ سبحانہ نے اپنے آپ کو
 موسوم کیا ہے، اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ لفظ اُوہیاں عطف کیلئے ہے اور معطوف باقبل
 سے خاص ہے اور اس صورت میں، خاص کو عام پر عطف کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اسم جسکے ساتھ اللہ سبحانہ
 نے اپنی ذات کو موسوم کیا۔ ان تینوں اقسام کو جو اس کے بعد مذکور ہیں شامل ہے۔ پس ان تینوں
 جملوں میں سے ہر ایک جملہ میں عطف خاص علی العام ہے۔ اس پر اگر کوئی شخص یہ سوال پیش
 کرے کہ خاص کو عام پر عطف کرنے کے لئے حرف واو استعمال کیا جاتا ہے عطف کے باقی
 حرفت ایسے موقع پر استعمال نہیں ہوتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے موقع پر جس وجہ سے
 حرف واو کا استعمال جائز ہے اسی وجہ سے اوکا استعمال بھی جائز ہے وہ وجہ یہ ہے کہ
 جب معطوف میں کوئی ایسا خاصہ موجود ہو جو اسم کی جنس (معطوف علیہ) کے دوسرے افراد یا
 نہ پایا جاتا ہو۔ اور وہ اس خاصہ کے سبب گویا دوسری چیز شمار ہو تو اس وقت معطوف کو حرف عطف
 کے ساتھ خاص طور پر دوبارہ ذکر کرنا درست ہے یا دو لفظوں عام اور خاص کے ساتھ وہ نہ خاص
 ذکر کرنا مقصود ہو تب بھی عطف خاص علی العام درست ہے۔ اور اس میں حرف واو اور اُوہیاں
 ہیں۔ اسلئے علاوہ لفظ اُوہ کے ساتھ عطف کرنے میں ایک دوسرا نائدہ موجود ہے وہ یہ کہ اس
 صورت میں یہ کلام تقسیم اور توریج کی طرف مشیر ہوگی جیسا کہ اگر لفظ اُوہ مذکور ہو تا اور یوں کہا جاتا۔
 سَمِعْنَا بِمَا أَنْزَلْتَ فِي كِتَابِكَ وَإِنَّا عَلَّمْنَاهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ
 تو اس کلام کے تقسیم اور توریج مفہوم ہوتی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ کے
 اسماء مخلوق نہیں بلکہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے ان اسماء کے ساتھ تکلم فرمایا۔ اور انکے ساتھ
 اپنی ذات کو موسوم کیا ہے۔ اسی واسطے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں کہا بَلَّغْ لَنَا
 خَلْقَتَهُ لِنَفْسِكَ (میں ان اسماء کے ساتھ سوال کرتا ہوں جن کو تو نے اپنے ذات کے لئے
 پیدا کیا ہے) اگر اللہ سبحانہ کے اسماء مخلوق ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکے واسطے سے سوال نہ
 کرتے کیونکہ اللہ سبحانہ کو اس کی مخلوق میں سے کبھی چیز کی قسم نہیں دی جاتی۔ حدیث سے صاف
 طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے اسماء آدمیوں کے مقہور اور تجویز کرنے سے محال نہیں ہوتے
 اسکے علاوہ اللہ سبحانہ کے اسماء کے غیر مخلوق ہونے کی یہ دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اس کے
 صفات سے مشتق ہیں۔ اور اس کے صفات قدیم ہیں پس اسکے اسماء غیر مخلوق ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ

استفسار کرے کہ اسم میں کسی سے یا اس کا غیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بسا اوقات لگوں کو اس میں غلطی واقع ہوتی ہے۔ اور وہ اب اور حق سے بے خبر ہوتے ہیں حقیقی بات یہ ہے کہ اسم سے کبھی کسی مراد ہوتا ہے اور کبھی اسم سے وہ لفظ مراد ہوتا ہے جو کسی پر دل ہے۔ مثلاً جب یوں کہا جائے۔
 قَالَ اِنَّهُ كَذَّابٌ رَّسُلًا لِّاٰلِهَيْهِمْ (یوں فرمایا ہے) اِنَّهُ سَعٰی اِلٰی عَرْشِ رَبِّهِ (اللہ سبحانہ اپنے عرش پر قائم ہے) مَلٰٓئِکَہٗ سَرٰٓی (اللہ نے خلق) (اللہ نے سنا۔ دیکھا۔ پیدا کیا) تو ایسی سو تو راہیں تھیں مراد ہے اور اگر یہ کہہ جائے کہ اَللّٰہُ لَفْظًا عَرَبِیٌّ ہے۔ (رحمن لفظ عربی ہے۔ رحمان اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے ہے۔ رحمان کا وزن فَعْلَان ہے۔ رحمان رُحْمَت سے مشتق ہے تو ایسے مواقع میں تو عین ہمی مراد نہیں بلکہ اس کا اسم مراد ہے۔ مگر اسم کو سستی کا غیر کہنا درست نہیں۔ کیونکہ لفظ غیر میں اجمال ہے اور اجمال کی وجہ سے خلاف مقصود کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ اگر مخاطب سے مطلب ہو کہ لفظ معنی کا غیر ہے۔ تو یہ صحیح اور درست ہے۔ اور اگر غیریت سے مراد ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کی ذات موجود تھی۔ اس کے لئے کوئی اسم نہ تھا پھر اس نے اپنی ذات کے لئے اسم کو پیدا کیا۔ یا مخلوق نے اپنی طرف سے اس کے نام سقر رکھے تو یہ بڑی مگرابی اور الحاح ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تَمَیِّتٌ بِتَفْسِکَ جَبَلٌ اَیُّ حَلَقَتَہٗ لِنَفْسِکَ اور تَمَکَّکَ بِخَلْقِکَ (مخلوق نے تیرا نام پھیر دیا ہے) نہیں فرمایا۔ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ ان اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تکلم فرمایا اور اپنی ذات کو موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ اپنے اسماء کو ان کتابوں میں ذکر فرمایا جن کے ساتھ حقیقۃً تکلم کیا ہے۔ اور آپ کا قول اَوَاشْتَا ثَوْبَتَہٗ فِی عِزِّہِ الْعَظِیْمِ عِنْدَکَ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء انوں میں منحصر نہیں بلکہ اُن کے علاوہ اس کے اور اسماء بھی ہیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس کے بعض اسماء و صفات ایسے بھی ہیں۔ کہ اُن کو اپنے خزان غیب میں مخفی رکھا ہے اور اُن کو سوائے اُس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ اللہ تعالیٰ کے سنانوں نام ہیں جو شخص انکو محفوظ رکھے وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اللہ سبحانہ کے دوسرے اسماء کی نفی نہیں لازم آتی۔ اور یہ سب کلام ایک جملہ ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے چند اسماء اس صفت کے ساتھ ہیں۔ کہ اُن کا حفظ و دخول جنت کا سبب ہے۔ جیسا کہ محاورے میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص کے تلو غلام ہیں۔ جن کو تجارت کیلئے جمع کر رکھا ہے۔ اور فلاں شخص کے تلو گھوڑے ہیں جن کو جہاد کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ اور یہ جوہر کا قول ہے۔ کہ بن سزم ہی مسئلہ میں جب جوہر کے برخلاف یہاں کہتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء اسی عدد میں ہیں۔

میں سمجھ رہی ہیں۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ کی طرف اس کے اسماء و صفات کو وسیلہ بنانا مخلوق کے وسیلہ بنانے سے بہتر ہے اور نیز یہ کہ بندہ سے جس میں زیادہ نافع اور اللہ سبحانہ کے نزدیک محبوب ہے۔ اس کے علاوہ دوسری احادیث سے بھی باریت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس عظیم کی حدیث میں بھی اس کے اسماء و صفات کو وسیلہ بنایا گیا اور اس کے کلمات یہ ہیں:-

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنَاءُ بِدِيَارِ الْمَسْأَلَاتِ
وَالْآخِرُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اور دوسری حدیث میں ہے اَسْأَلُكَ بِأَنَّ
أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنَاءُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنَاءُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
لَمْ يَكُنْ لَكَ كُفُوًا أَحَدٌ ایک اور حدیث میں اس طرح ہے اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِعِلْمِيَاتِ الْغَيْبِ
وَقَدْ سَرَّكَ عَلَى الْخَلْقِ۔ اور یہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔ اب ان جہان نام احمد اور حکم نے انکو روایت
کیا ہے اور یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے قول وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا اللہ کے سب
نام اچھے ہیں پس اُس کو اس کے نام بیکر پکارو کی تفسیر اور تحقیق ہے۔ اور آنحضرت کا قول اِنِّي
بِحُجَلِّ الْقُرْآنِ رَبِّعِي قَلْبِي وَلَوْ أَنَّ صَدْرِي دُوَّ عَظِيمِ الْغُلَانِ حِينِ حَيَاتٍ اَوْ نَوْرٍ كَوْ
جَامِعٍ هُوَ۔ روح اُس بارش کو کہتے ہیں جو زمین کو زندہ اور سرسبز کرتی ہے۔ اور اُس سے طرح
طرح کے گھاس اور نباتات (روبیہ گیایاں) پیدا ہوتی ہیں۔ اور بندہ اپنی عبودیت اور اللہ سبحانہ
کی توحید۔ اور اس کے اسماء و صفات کے اقرار کے بعد اُس سے یہ سوال کرتا ہے کہ وہ اپنی
اُس کتاب کو جو عالمین کیلئے روح۔ نور اور حیات ہے۔ اس کے دل کے لئے اُس پانی کے
قائم مقام بنائے جس سے زمین زندہ اور آباد ہوتی ہے۔ اور نیز اس کو ایسا نور بنائے جو آفتاب
کا کام دے کہ اُسے روشنی زمین منور ہو جائے اور تمام چیزیں نظر آنے لگیں ہیں اور یہی دو چیزیں
یعنی نور۔ اور حیات کی جامع ہیں +

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَوْ مِنْ كَانَ مِثْلًا فَاحْيَيْنَا لَهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا
يَمْشِي بِهِ فِي النَّارِ مِثْلُهُ رَفِي الظُّلُمَاتِ (کیا ایک شخص ہو جو پہلے مردہ تھا پھر ہم
نے اُس میں جان ڈالی اور اُس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں خاصی طرح
چلتا پھرتا ہے) (کیا وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں (گھبرا پڑا ہے) +
وَقَالَ تَعَالَى وَكَذَلِكَ اذْهَبْنَا الْآيَاتِ رُوحًا مِنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ
مَا اَكْتَابَ وَلَا اِلٰهِيْمَانِ بَلْ كُنْتُمْ بَشَرًا مِّنْ عَمَلِكُمْ

(اورد اسے پیغمبر) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے (دین کی ہدایت) دینی کتاب تمہاری طرف دینی کے فیصلے سے بھی ہم نے تمہیں بھجواتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ (یہ جانتے تھے کہ ایمان کی کس کو کتنے ہیں) مگر ہم نے قرآن کو ایک نور بنا دیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے تو ہیں اس کے ذریعے سے (دین کا راستہ) دکھا دیتے ہیں) اللہ سبحانہ نے بتلادیا ہے۔ کہ قرآن ایک روح ہے جس سے جاتی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ ایک نور ہے۔ جس سے جاتی اور ہدایت ملتی ہے۔ اور قرآن کیم اللہ پروردی کریموں کیلئے جاتی اور ہدایت حاصل ہے۔ اور اس کے منکرین و مخالفین کیلئے موت اور گمراہی اور اس نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کی مثال سورۃ بقرہ کے اول۔ اور سورۃ نور کے وسط اور سورۃ محمد میں اللہ و پیغمبر کی جاتی اور نور کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اور ان دونوں کتابوں کو منسلک مانی اور منسلک ناری کہتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وَجَدَ الْوَحْيَ فِي وَحْيٍ وَصَحِيحٍ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ حزن کا دور چونا موذی اور مضر چیزوں کے ازالہ کو متضمن ہے اور کچھ و غم کا ازالہ نافع اور مسرت بخش چیزوں کی تخصیص کو مشاغل ہے۔ غرض یہ حدیث تمام خیرات کے اصل کی طلب اور جملہ شرور کے دفع کے سوال کو متضمن ہے۔ اور توفیق اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔

اٹھائیسواں باب

رضا بالقضا کے احکام اور اس میں لوگوں کے اختلاف و اتفاق قول کے بیان میں

یہ باب قضا و قدر پر بیان لائے گا ایک شعبہ اور شل ہے۔ لوگوں کا اس میں اختلافات ہوتے کہ رضا بالقضا واجب ہے یا کہ مستحب۔ حنا بلکہ اس مسئلہ میں دو فرق ہیں بعض کہتے ہیں کہ رضا بالقضا واجب ہے۔ اور اسکے وجہ پر یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ رضا بالقضا اللہ سبحانہ کی بوہبت پر راضی ہونا واجب ہے۔ اور ایک اثر اسنادی سے تسک کرتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ فرما ہے۔ کہ جو شخص میری قضا پر راضی ہو اور میری بلا پر عسر نہ کرے گو وہ میرے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنائے میں ایسے لوگوں کو اپنا بندہ بنانا نہیں چاہتا اور بیش کہتے ہیں کہ رضا بالقضا مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ کسی چیز کے اسباب کیلئے ریل زرعی کی ضرورت ہے۔ کھل شرعی کے بدوں

کسی چیز کا وجوب ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور رضا بالقضا کے وجوب پر کوئی شرعی دلیل دلائل نہیں کرتا۔ اور یہی قول راجح اور ادنیٰ ہے کیونکہ رضا بالقضا احسان کے مدارج اور مقامات میں سے ہے اور احسان کے مقامات متعدد و باریک کی نسبت شاخ ہیں۔ اور اصول میں قدر یہ اور جبر یہ دو فریق نہایت فاحش اور سخت غلطی پر ہیں۔ قدر یہ مسکین تھوڑے ہیں کہ رضا بالقضا طاعت اور عبادت ہے اور عاصی اور گناہوں پر رخصتی ہونا جائز نہیں۔ لہذا رضا بالقضا اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر سے نہیں۔ اور غالی جبر یہ جو امر و نہی کے سلسلہ کو بے سود ٹھہراتے ہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ گناہ اللہ کے قضا و قدر سے ہیں۔ اور قضا پر رخصتی ہونا طاعت اور عبادت ہے۔ پس ہم گناہوں پر رخصتی ہیں۔ اُن سے ناخوش نہیں۔ ان دونوں فریق کے جواب میں اہل سنت نے مختلف طریق اختیار کئے ہیں۔ پس ایک گروہ نے یوں جواب دیا ہے۔ کہ معاصی کیلئے دو لحاظ میں ایک لحاظ سے اُن پر رخصتی ہونا مناسب ہے کہ وہ خلق اور مشیت کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کی طرف منسوب ہیں یعنی اُس کے ارادہ اور اس کی مشیت سے وجود میں آتے ہیں۔ اور دوسرے لحاظ سے ان سے ناخوش ہونا چاہئے کہ وہ فعل اور کتاب کے لحاظ سے بت کے کی طرف منسوب ہیں یعنی بندہ اُن کا فاعل اور کاسب ہے۔ اور یہ جواب نہایت عمدہ ہے بشرطیکہ یہ جواب بیان کر نیوالے اسکو کا حقہ بیان کرتے۔ اس میں نقص یہ ہے کہ اکثر لوگ جو بندے کے دو صفت کتاب ثابت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت کتاب کے قائل نہیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک کتاب کا یہ معنی ہے کہ فعل بندے کے ارادہ سے مقارن ہو اور قدرت ایجاد فعل کا نام ہے مگر کتاب اور قدرت کو فعل میں کسی قسم کی تاثیر نہیں۔ اور یہ مضمون کافی بسط اور تفصیل کے ساتھ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور دوسرے گروہ نے یہ جواب دیا ہے کہ ہم اُس قضا پر جو اللہ سبحانہ کا فعل ہے رخصتی اور خوش ہوتے۔ اور قضا شدہ کام پر جو بندے کا فعل ہے ناخوش ہوتے ہیں۔ اور یہ جواب بھی اچھا ہے مگر عجیب خود اپنے ہی کلام سے اس کو منقوض اور باطل کر دیتے ہیں۔ یہ بات کے قائل ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال میں مفعولات و مصنوعات ہیں۔ پس اس بنا پر قضا اور مقتضی دو لوا یک ہوئے۔ اور ان میں فرق کرنا صحیح نہ ہوا۔ اگر پہلے جواب دالے ایجاد فعل میں کسب کو مؤثر مانتے اور یوں کہتے کہ کسب فعل کے وجود کا سبب ہے۔ اور دوسرے جواب دالے فعل کو غیر مفعول قرار دیتے تو دونوں کے جواب صحیح اور درست ہو جاتے۔ اور ایک تیسرا فریق یوں جواب دیتا ہے کہ قضا دو قسم پر ہے ایک وہ ہے کہ اس پر راضی اور خوش ہونے کا امر ہے اور

ایک وہ کہ اُس پر راضی ہو ناممنع اور ناجائز ہے پس وہ قضا جس کو اللہ محبوب اور پسند رکھتا ہے اُس پر ہم راضی ہیں اور جس کو وہ مبغوض اور ناپسند رکھتا ہے اُس سے ہم ناخوش ہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ مخلوقات میں سے بعض چیزیں اللہ تعالیٰ کو مبغوض اور ناپسند ہیں جیسا کہ کتا۔ سور وغیرہ حالانکہ وہ سب کا خالق ہے۔ اور یہی طرح بعض افعال اور اقوال بھی اللہ سبحانہ کو مبغوض اور ناپسند ہیں۔ اور یہ جواب بہت عمدہ ہے۔ مگر تفصیل کا محتاج ہے۔ لہذا ہم اسکی تفصیل کے لئے یوں کہتے ہیں کہ حکم اور قضا دو قسم ہے۔ دینی اور کوئی۔ سو احکام دینیہ پر رضاد واجب ہے اور یہ لازم اور ضروریات اسلام میں سے ہے۔ اور احکام کو تہ کئی طرح کے ہیں بعضوں پر راضی ہونا واجب اور ضروری ہے جیسے غنیمتیں کہ ان کا شکر ضروری ہے۔ اور ان پر راضی اور خوش ہونا شکر کے لازم میں سے ہے اور بعض ایسے ہیں کہ اُس پر راضی اور خوش ہونا درست اور جائز نہیں جیسے گناہ اور عیوب کہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں گو اُس کی قضا و قدر سے واقع ہوتے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ جن پر راضی ہونا مستحب ہے جیسے مصائب اور تکالیف اور مصائب کی رضا کے متعلق اہل علم کے دو قول ہیں۔ اور یہ اختلاف قضا بمعنی نقضی کے متعلق ہے یعنی وہ حالت یا فعل جو بندے کے ساتھ قائم یا اُس سے سرزد ہو یا کوئی تکلیف جو اُس کو پیش آئے۔ اور وہ قضا جو علم شیت۔ تقدیر اور کتابت کی طرح اللہ سبحانہ کی صفت اور اس کا فعل ہے۔ اُس پر راضی ہونا ضروری اور واجب ہے۔ کیونکہ یہ اللہ سبحانہ کی ربوبیت۔ الوہیت۔ مالکیت اور تدبیر پر راضی ہونے کے لازم میں سے ہے۔ اس تفصیل سے اس عظیم الشان مسئلہ کے متعلق جس میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔ اشتباہ زائل اور حق اور صواب روشن اور واضح ہو گیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ مصائب پر راضی ہونا کس طرح مقصور ہو سکتا ہے۔ مصائب سے انسان کو طبعاً نفرت اور کراہت ہے۔ پس کراہت اور نفرت تو جمع نہیں ہو سکتے اور نیز بخمے کو ایسے امر پر راضی ہونے کی تکلیف دینا جو اس کو ایذا دینے والا اور وہ اس سے ناخوش ہے کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ اور اگر نفرت اور کراہت کے ساتھ رضا کا اجتماع ممکن اور جائز ہے۔ تو کراہت اور بغض رضا کی ضد نہ ہونگے۔ کیونکہ ضدین کا اجتماع محال ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے کہ ایک چیز ایک لحاظ سے محبوب اور پسندیدہ ہو اور دوسرے لحاظ سے مکروہ اور مبغوض ہو۔ جیسا کہ بدرہ مگر نافع اور مفید و اکامینا کہ مریض باوجود تنفر اور کراہت کے اُس کے پیچھے پر راضی اور خوش ہوتا ہے۔ اور جیسا سخت گرمی کے دن روزہ رکھنا کہ صائم باوجود

تکلیف اور کراہت کے روزہ رکھنے پر نہایت خوش اور شاد ہوتا ہے۔ اور جیسا دشمنوں سے جہاد کرنا
چُننا بخیر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کَتَبَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ وَهُوَ كَرِهٌ لَّكَ تَكْرَهُهُوَ شَيْئًا
وَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ (مسلمانوں!) تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی لگزیگا اور عجب نہیں کہ ایک چیز
تم کو بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو) خلوص کے ساتھ جہاد کرنے والا اس بات کا یقین کرتا
ہے کہ جہاد اس کے حق میں بہتر ہے۔ پھر اس پر دل سے راہی اور خوش ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ
جہاد طبعا مکروہ اور ناپسند ہے۔ کیونکہ اس میں جان کو ہلاکت اور تکلیف کینے پیش کرنا اور محبوب
چیزوں سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ اور جب کسی چیز کی نسبت رضا اور خوشنودی قوی (اور مضبوط
ہو جاتی ہے۔ تو اگرچہ اس میں کسی قسم کی کوئی تکلیف ہو مگر اس کی کراہت محبت سے بدل جاتی
ہے۔ غرض کسی چیز میں تکلیف اور درد کا پیش آنا اس پر راضی اور خوش ہونے کے منافی نہیں
اور کسی چیز کے ایک لحاظ سے محبوب و پسندیدہ ہونے اور دوسرے لحاظ سے مکروہ و ناپسندیدہ ہونے
میں کوئی تعالف و تناقض نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ یہ بیان تو بندے کے قضا
الہی پر راضی ہونے کے متعلق ہے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کفر۔ فسق اور عصیان کے ساتھ
حکم اور قضا کرنے پر کسی وجہ سے راضی ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ مقام
پہلے مقام کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ اکثر بلکہ جمہور شہر یہ اور اُن کے پیرو یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کی
نسبت رضا۔ محبت اور ارادہ کا ایک ہی معنی ہے اور جس چیز سے اللہ سبحانہ کی مشیت اور ارادہ
متعلق ہوں وہ چیز اللہ سبحانہ کی محبوب و مرضی یعنی پسندیدہ ہے پھر انہوں نے اپنے آپ یہ حال
پیش کر کے اس کا جواب اس طرح بیان کیا ہے کہ جائز ہے کہ یوں کہا جائے اللہ سبحانہ کفر۔ فسق
اور عصیان پر راضی ہے۔ لیکن اعلیٰ وجہ التخصیص اس طرح کہنا درست نہیں بلکہ یوں کہا جائے
کہ اللہ سبحانہ نے کچھ پیدا کیا اور کچھ قضا و قدر میں لکھا ہے وہ سب کچھ مرضی پسندیدہ ہے اور اس عام حکم میں کفر۔ فسق اور عصیان
بھی داخل خاص رہ یوں کہنا کہ اللہ کفر۔ فسق اور عصیان کو پسند کرتا اور انہیں مرضی پسندیدہ نہیں بلکہ پسندیدہ ہی ہے
ہے جیسا کہ یوں کہنا درست ہے کہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔ اور اس عام حکم میں کفر۔ فسق اور عصیان جیسا
داخل میں اور خاص طور پر حقیر اور خیس چیزوں کا نام لیکر یوں کہنا کہ وہ کہتے کا رب ہے جائز اور درست
نہیں۔ بشرطیکہ اس قول سے صراحت معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ فی الواقع کفر۔ فسق اور عصیان کو پسند
رہی ہے اور صریح ادب اور حرمت کی وجہ سے اس طرح کہنا درست نہیں۔ کہ وہ ان چیزوں کو پسند
راضی ہے۔ اور جیسا بشرطیکہ یہ اعتراض کیا گیا کہ کفر۔ فسق اور عصیان اللہ سبحانہ کی مرضی پر راضی

عورتوں کے ساتھ تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو تم ان کے ساتھ نکاح نہ کرنا مگر جو بچکا (جو چکا تاہم) یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی۔ اور بہت ہی برا دستور تھا۔ وقال تعالیٰ ذٰلِكَ يٰۤاَنۡفُسَہٗمُ اتَّبِعُوۡا اَمۡرًا مِّنۡ خِطِّ اللّٰہِ (اور ان کی) یہ نوبت اس لئے (ہو گی) کہ جو چیز خدا کو بڑی لگتی ہے یہ اُسی دے سے پر چلے، وقال تعالیٰ لَکُم مِّمَّا کَسَبۡتُمْ مِّنۡ دٰۤیۡنِہٖ اَنۡتُمْ تَقُولُوۡا اٰمَّا کَلَّا لَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ (یہ بات) اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو (سب کچھ) اور کرو (کچھ) نہیں، وقال تعالیٰ وَ لٰکِنۡ کِرۡہَ اللّٰہِ اَیۡمٰنُہُمۡ (مگر اللہ کو ان کا جگہ سے ہلنا ہی ناپسند ہوا) آخری آیت میں کراہت کو کراہت دینی اور شرعی پر محمول کرنا درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرعاً ان کو جہاد کا امر فرمایا تھا اور جو چیز شرعاً نامور بہ ہودہ مکروہ نہیں بلکہ اکثر واجب اور ضروری ہوتی ہے۔ وقال تعالیٰ کُلَّ ذٰلِکَ كَانَ سَیۡئِلَہٗ عِندَ رَبِّکَ مَكۡرُوۡہًا (لے پیچھے ان سب باتوں میں جو بڑی ہیں۔ سب ہی تو تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہیں) اللہ سبحانہ نے جہاد دیا ہے کہ وہ ان افعال کو مکروہ۔ مبنوض جانتا۔ ان سے بغض و عداوت رکھتا اور ان پر مذمت اور لعنت کرتا ہے۔ اور یہ محال ہے کہ ان باتوں کے ساتھ انکو محبوب اور پسند بھی رکھتا ہو۔ اللہ سبحانہ ان افعال فیہمہ کی محبت اور ان پر راضی اور خوش ہونا مناسب اور لائق نہیں۔ کیونکہ مخلوق کے لئے یہ بڑا نقص اور عیب ہے۔ کہ وہ فساد۔ شر۔ ظلم۔ یعنی اور کفر کو محبوب اور پسند رکھے۔ اور جب مخلوق کے حق میں یہ نقص اور عیب ہے۔ تو پھر اسکو اقتدار رکھنے کی نسبت کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ اس اصول کے متعلق مثنیٰ تقدیر نے ایسی فاحش اور سخت غلطی کی ہے جو منکرین تقدیر کی غلطی کے برابر بلکہ اُس سے بھی زیادہ قبیح اور بُری ہے۔ اور اسی واسطے منکرین تقدیر ان پر متلا ہو گئے۔ انکی غلطیوں کی نسبت زبان درازی سے کام لیا اور ان پر بہت کچھ طعن و تشنیع کی ہے اشعر یہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ سبحانہ کفر۔ فسق۔ عصیان۔ ظلم یعنی اور فساد کو محبوب اور پسند رکھتا ہے۔ اور قدر یہ یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں اُس کی مشیت اور قدرت سے خارج ہیں اور اُس کی مخلوق نہیں۔ غرض اشعر یہ یوں کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کے ملک میں جتنی چیزیں ہیں خیر و خرب اُس کی محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور قدر یہ یوں کہتے ہیں۔ کہ اس کے ملک میں ایسی چیزیں بھی موجود ہیں۔ جو اسکی مشیت سے باہر ہیں۔ اور بعضی ایسی بھی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ انکو موجود کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ موجود نہیں ہوتیں۔ اور اللہ سبحانہ ان دو فرقوں کے اقوال سے مستحسب اور پاک ہے۔ اور اللہ کا شکر ہے۔ کہ اس نے ہم کو وہ طریق ہدایت کیا ہے۔ کہ جس کی تعلیم

کے لئے اپنے رسول کو بھیجا اور اپنی کتاب کو نازل فرمایا اور اپنے بندوں کی فطرت کو اسی پر بنایا ہے اور ہم دونوں فرق کی بدعات سے بری اور بیزار ہیں۔ پس وہ فی فضل۔ منت۔ اور نشت کا مالک اور جس اور نشتائے حسن کا مستحق ہے۔ اور ہم اُس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ان کاموں کی توفیق بخشے جو اُس کو محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور گمراہ کرنے والی بدعتوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے۔

انتہی سوال باب

قضا حکم۔ ارادہ۔ کتابت۔ امر۔ اذن۔ جعل۔ کلمات۔ بحث۔ اسالی۔ تحریر اور اشباہ۔
کی تقسیم کو بیان میں کیا ہے ہر ایک دو قسم میں ایک کو فی جواز اللہ سبحانہ کی صفت خلق سے
متعلق ہے اور دوسرا دینی جو صفت امر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اشتباہ اور اشکال
کے دور کرنے اور انکی تحقیق کے بیان میں

یہ باب پہلے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک باب سے سرسے کا مقبرہ اور مؤید
ہے قضا حکم وغیرہ کا قدر اول یعنی کو فی جواز اللہ سبحانہ کی صفت بدو بیت اور خلق سے متعلق ہے اور
قسم دوم یعنی دینی اللہ سبحانہ کی الوہیت اور شرع سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس ضمن میں کو اللہ سبحانہ
نے اپنے کلام میں اس مختصر جملہ کہ اَخْلَقَ وَالْاَمْرُ دُخَاہِی کی مخلوق ہے اور دُخَاہِی کا حکم کہ ساق
جیان فرمایا ہے۔ خلق سے قضا و قدر اور اسکے افعال مراد ہیں۔ اور امر سے شرع اور دین مراد ہے
پس اسی نے سب چیزوں کو پیدا کیا۔ شرع جاری کئے۔ اور اوامر شروع فرمائے ہیں۔ اور اس کے
حکام مخلوق میں قدر اور شرع جاری ہیں۔ اور اُس کے احکام کو نہتہ۔ قد یہ سے کوئی شخص یا ہر
نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر حال میں ہر ایک شخص کے حق میں نافذ ہیں۔ اور احکام شرعیہ دینیہ کو سون
اور مطیع لوگ بجا لاتے اور مانتے ہیں۔ اسلئے قاجر اور فاسق اور انکی خلافت و بری
کرتے ہیں۔ اور دو قسم کے احکام آپس میں متلازم نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ احکام تو ذیہ قضا و قدر

میں نافذ اور جاری ہوتے ہیں۔ اور شرعاً انکی بجا آوری کا حکم نہیں ہوتا۔ اور بعض احکام ایسے ہیں۔ کہ شرعاً انکی بجا آوری کا حکم ہے۔ مگر قضا و قدر میں وہ نافذ نہیں ہوسکتے۔ مومنوں کے ایمان اور ان طاعات کی مسرت میں جن کو وہ بجالاتے ہیں۔ دو نوع قسم کے حکم موجود ہیں۔ اور ان معاصی و کفر و فسق کی نسبت جو اہل ایمان سے صاف نہیں ہوسکتے۔ دو نوع قسم کے حکم مفقود ہیں۔ اور اس حکم کی نسبت جس کے بجالانے کا اللہ سبحانہ نے امر فرمایا، اور اس کو مشروع کیلئے اور امور و مکلف اس کو بجا نہیں لایا۔ قضا شرعی اور حکم دینی موجود ہے۔ اور ان معاصی کے متعلق جو بندوں سے واقع ہوئے ہیں حکم کوئی موجود و متحقق ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب ہم کہتے ہیں کہ کلام الہی میں قضا کے دو قسم بیان کئے گئے ہیں۔ ایک کوئی و قدری چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلْنَا قُتِبْنَا عَلَيْهِ الْمَوْعِدَ (پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کیا) وَقَالَ تَقَالَى وَ قَضَىٰ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ (اور لوگوں سے) در بیان انصاف کے ساتھ فیصا کر لیا جائیگا) اور دوسری شرعی دینی جیسا اللہ تعالیٰ کا قول قَضَىٰ سِرَّكَ اَلَا تَعْبُدُ وَاِلَّا اِيَّاكَ (اور تمہارے پروردگار نے حکم قطعی دے دیا ہے کہ لوگوں اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا) یعنی امر کیا اور مشروع فرمایا ہے۔ اگر اس آیت میں قضا کوئی مراد ہوتی تو کوئی شخص خیر اللہ کی عبادت نہ کرتا۔ اور اسی طرح حکم بھی دو قسم ہے ایک کوئی جیسے اللہ تعالیٰ کے قول فَاَلَمْ تَرَ يَتَّخِذُ الْاَحْكَامَ بِالْحَقِّ (پھر تم نے دعا کی کہ میرے پروردگار میرے اور کافروں کے درمیان حق حق فیصلہ کرے) میں ہے یعنی اے اللہ تو وہ صورت پیدا کر جس سے تیرے پیلے بندوں کی نصرت اور دشمنوں کی ذلت و رسوائی ہو۔ دوسرا دینی بقول تعالیٰ ذَالِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَخْجَلُكُمْ بَيْنَكُمْ (یہ اللہ کا حکم ہے جو تم لوگوں کے ایلے جھگڑے کے بلے میں) فرماتا ہے (دو قول تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يَخْجَلُكُمْ مَّا يَرِيْدُ (بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے) اور کبھی ایک لفظ سے دو نوع قسم کا حکم مراد ہوتا ہے بقول تعالیٰ وَكَابِتُ رَاٰكِبًا فِيْ حَبِيْبِهِ اَحَدًا (اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے) اس آیت میں لفظ حکم دو نوع قسم کے حکم کوئی اور شرعی کو شامل ہے۔ اور اسی طرح ارادہ بھی دو قسم ہے۔ ایک کوئی بقول تعالیٰ فَقَالَ لِمَا يَرِيْدُ (جو چاہتا ہے) کر گزرتا ہے (دو قول تعالیٰ وَ اِذَا ارَدْنَا اَنْ مَّحْلِكَ قَرَابَةً (اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں) و قول تعالیٰ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يَرِيْدُ اَنْ يُعْزِبَكُمْ (اگر خدا ہی کو تمہارا راہ راست ہے) اب کا نام منظور ہو) و قول تعالیٰ وَ يَرِيْدُ اَنْ تَمُنَّ عَلَىٰ الَّذِيْنَ اسْتَضَعُّوْا فِيْ الْاَرْضِ (اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جو لوگ (اُس کے)

ملک میں کمزور سمجھے گئے تھے اُن پر احسان کریں) دوسرا دینیتہ کقولہ تعالیٰ یُرِیدُ اللہُ بِکُمُ الْبَیْسَ
 وَ لَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں
 کرنی چاہتا) و قوله تعالیٰ وَ اِنَّکُمْ یُرِیدُ اَنْ یَبْتَغِیَ سَآئِلَکُمْ (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر ہر
 (کی نظر رکھے) اگر ان آیات میں ارادہ کو زنیہ مراد ہوتا تو ہم میں سے کسی شخص کو کبھی عسر اور تنگی پیش
 نہ آتی اور جمیع مکلفین ضرورتاً تائب ہو جاتے۔ اس تفصیل سے وہ اشتباہ رفع ہو گیا۔ جو مسئلہ امر
 اور ارادہ میں واقع ہوا کرتا ہے کہ وہ دو مستلزم ہیں یا نہیں۔۔۔ قدر یہ یہ کہتے ہیں۔ کہ امر ارادہ کو مستلزم
 ہے اور یہ لوگ اس مسئلہ پر ایسی مضبوط دلیلیں قائم کر رہے ہیں۔ کہ جن کا جواب بیان کرنا دشوار ہے۔
 اور مشیقین تقدیر کا یہ قول ہے۔ کہ امر ارادہ کو مستلزم نہیں اور انہی ادلہ بھی مضبوط اور قوی ہیں۔ اور
 حق یہ ہے کہ امر ارادہ دینیتہ کو مستلزم ہے اور ارادہ کو زنیہ کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ جس کام
 کا امر فرماتا ہے۔ اُس سے شرعاً اُس کا ارادہ ضرور متعلق ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسے کام کا امر فرماتا
 ہے۔ کہ جس سے ارادہ کو نہ قدریہ متعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً اَنْ لَّوْکُمْ کُوْنُ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے
 کا امر فرمایا ہے۔ جن کو ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اور یہی شرط عام رہے اور کو نوا و قدراً
 اس سے ارادہ متعلق نہیں ہوا۔ ورنہ وہ ضرور ایمان لاتے۔ اور اسی طرح اپنے خلیل ابراہیم
 علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کرنے کا امر فرمایا۔ اور قضا و قدر میں اس سے ارادہ متعلق نہیں ہوا تھا۔ اور
 اسی طرح اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلعم کو پچاس نمازوں کا امر فرمایا اور قضا و قدر میں اس کا ارادہ نہیں
 ہوا۔ اور ان دونوں امور میں ایمان نہ لانے والوں کے امر میں ایک قسم کا تفاوت اور فرق ہے
 اس کو معلوم کرنا ضروری ہے وہ فرق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے ابراہیم سے یہ نہیں چاہا۔ کہ وہ
 اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں۔ صرف یہ چاہا کہ اللہ سبحانہ کے حکم کی تعمیل اور اس کے امر کے امتثال میں
 اپنی مضبوطی اور ثبات نہ دکھلائے۔ اور یہی دلیل ہے کہ جو امر میں سختی ہو اس سے پچاس
 نمازوں کا امر کرنا نہ نلور نہ تھا صرف امتثال امر کو دیکھنا مطلوب تھا۔ اور ان لوگوں کو جو ایمان نہیں
 لائے ایمان کا امر کرنے سے یہ مطلوب ہے کہ اُس کے بندے اُس کی ذات اور اُس کے
 پیچھے ہوئے رسولوں پر ایمان لائیں۔ اور یہ اُس کی حکمت کا مقتضی ہے کہ اپنے بعض بندوں
 کو اپنے حکم کی بجا آوری میں اعانت فرمائی اور انکو امتثال امر کی توفیق بخشی اور بعضوں کو اس اعانت
 و توفیق سے محروم رکھا۔ اور امر کی غایت و مصلحت انکی نسبت موجود اور حاصل نہ ہوئی۔ اور خلیل علیہ السلام
 اور حبیب راہبہ کو امر فرمانے کی مصلحت اور غایت موجود اور حاصل ہو گئی۔

فصل۔ کتابت بھی دو قسم ہے ایک کو نئیہ کہ قولِ تعالیٰ کُتِبَ اللہ لَا تَطْلُبَنَّ اَنَا وَرَسُولِي (خدا تو لکھ چکا ہے کہ تم اور ہمارے پیغمبر ضرور کافروں پر غالب آکر رہیں گے) و لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَكْثَرَ مِنْهُمْ اَصْحَابُ حُجُوْتٍ (اور ہم زبور میں (پسند و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین (کی سلطنت) کے وارث ہوں گے)۔ وَ تَلَا تَعَالَى كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهُ مِمَّنْ قُوَّ لَا يُفَاكَّهُ لَيْسَ لَكَ وَيَهْدِيْهِ اِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ (زیر کی نسبت (خدا کے ہاں سے) یہ حکم لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کی رفاقت کریگا۔ تو یہ اس کو گمراہ کر کے دوزخ کے عذاب میں پہنچا کر رہیگا) و سری شریعتہ امریہ کہ قولِ تعالیٰ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (مسلمانوں! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں)۔ وَ تَلَا تَعَالَى حُسْنُ مَثَلٍ عَلَيْكُمْ اَتَمَّهَا لَكُمْ وَ تَمَّ بِرَهْمَارِي مَا فِيْهِ حَرَامٌ كَيْفِيْهِمْ (اللہ تعالیٰ کے قول اِتَّابَ اللہُ عَلَيْكَ مَثَلٌ وَ تَلَا تَعَالَى وَ كُتِبْنَا عَلَيْكُمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (اور ہم نے تورات میں یہود کو تحریری حکم دیا تھا۔ کہ جان کے بدلے جان) پہلی کتابت یعنی تقدیر اور ثانی بمعنی امر ہے)۔

فصل۔ امر بھی دو قسم ہے۔ ایک کو نئی کہ قولِ تعالیٰ اِنَّمَا اَمْرٌ اِذَا ارَادَ شَيْءًا اَن يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ (اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ تو بس اس سے (آنا ہی) نرا دیتا ہے۔ کہ جو اور وہ ہو جاتی ہے) و قولِ تعالیٰ وَ مَا اَمْرُكَ اِلَّا وَاحِدًا تَكْمِيْهِ بِالْبَصَرِ (اور ہمارا کام تو بس ایک بات ہوتی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا) و قولِ تعالیٰ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ هَفُوًّا (اور خدا کا حکم جو کر رہیگا) و قولِ تعالیٰ وَ كَانَ اَمْرًا مُّضِيًّا (اور یہ بات (ہمارے ہاں سے) فیصل ہو چکی ہے) و قولِ تعالیٰ وَ اِذَا ارَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمْرًا مِّثْلَ رَيْنِهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا (اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے۔ تو ہم اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ اس (دستی) میں نافرمانیاں کرتے ہیں) یہاں امر کو نئی تقدیری مراد ہے اور امر دینی شرعی مراد نہیں۔ کیونکہ اَللّٰهُ سُبْحَانَهُ بَرُّهُ سَعْدٌ كَامِلٌ کا امر نہیں کرتا۔ اور آیت کا یہ معنی ہے کہ ہم اس کو مقرر کرتے ہیں بعض کا یہ قول ہے۔ کہ یہاں امر دینی مراد ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم انکو طاعت کا حکم کرتے ہیں سو وہ ہمارے حکم کی مخالفت اور فسق و فجور اختیار کرتے ہیں۔ اور پہلا قول چند وجوہ سے یا غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عبارت میں حذف اور تقدیر کا اختیار کرنا خلاف اہل ہے۔ جب حذف کے بدوں کلام صحیح ہو سکے۔ تو اس کو اختیار کرنا درست نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ دوسرے معنی کی تقدیر پر دو جملے محذوف قرار دینے چڑھتے ہیں۔

ایک جملہ اُمور ناہمہ بقاء عیناً (ہم نے انکو اپنی طاعت کا حکم کیا) دوسرا نَحْنَا لَقُونَا (و انہوں نے ہماری مخالفت کی) یا عَصَوْنَا (انہوں نے ہماری نافرمانی کی) وغیرہ تیسری وجہ یہ ہے کہ ایسی ترکیب میں حرف قاف کا مابعد خود مامور بہ ہوتا ہے جیسا کہتے ہیں اَمْسُ نَهْ فَتُفْعَلْ اور اُمْرٌ فَعَامٌ اور امرتہ فَعَرِکِبْ ان سب مثالوں میں مابعد فامور بہ ہے۔ اور مخاطب یہی سمجھتا ہے کہ مکلف نے مابعد فاق کے ساتھ امر کیا ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے امر مذکور کو بستی کی ہلاکت کا سبب ٹھہرایا ہے اور ظاہر بات ہے کہ طاعت اور توحید کے ساتھ امر کرنا ہلاکت کا سبب نہیں ہو سکتا بلکہ یہ نجات اور کامیابی کا باعث اور موجب ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اللہ سبحانہ کا طاعت کے ساتھ امر فرمانا اور مامورین کا فسق کرنا ہلاکت کا سبب ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو پانچویں وجہ باطل کرتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا طاعت کے ساتھ امر کرنا مترقیین کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ اپنی طاعت اور انبیاء علیہم السلام کے اتباع کا امر بالداروں اور غریبوں سب کو یکساں فرماتا ہے۔ پس امر بالاطاعت کو بالداروں کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں۔ اور چھٹی وجہ اس کی توضیح کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر امر بالاطاعت مراد ہو تو صرف انبیاء علیہم السلام کو اہل طرف بھیجتا یہی امر بالاطاعت ہے۔

اور امر کرنا اور ازسلفاء مٹلنا کا ایک ہی معنی ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح کہنا درست نہیں۔ کہ ہم نے مالداروں کے پاس اپنے رسولوں کو بھیجا۔ سوائے انہوں نے فسق کیا۔ کیونکہ انبیاء کا بھیجنا مترقیین کے ساتھ خاص کیا جائے۔ تو بالداروں کے لئے یہ عذر ہو سکتا ہے کہ چاہے پاس کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ تاویں وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کسی بستی کا ہلاک کرنے کا ارادہ نہ کرے پاس رسول بھیجے اور انکی طرف سے انبیاء کی تکذیب و انکار ظاہر ہونے کے بعد ہوتا ہے کہ ان کے وہ کسی کے ہلاک کا ارادہ نہیں فرماتا۔ کیونکہ انبیاء کے جوٹ کرنے سے پہلے لوگ غفلت میں رہتے۔ پچھنے کے عذر کے ساتھ معذور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ذٰلِكَ اَنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنْ لَّكُمْ فِتْنَةٌ وَّ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (یہ اس سبب سے کہ تمہارا پروردگار بستیوں کو ہلاک اور بربادی سے ہلاک کرنے والا نہیں کہ ادھر ان کو ہلاک کرنا ہے اور (اکولہ) وہاں کے رہنے والے (خدا کے منشا سے) نے خبر نہ لی) اور جب کسی بستی کی طرف انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ انہوں نے ان کے لوگ ان کی تکذیب کریں تب اللہ تعالیٰ ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا اور ان کے ساتھ مالداروں کو کہنا کہ خدا مالداروں کو فسق کرنے کا امر فرماتا ہے۔ شرع اور دین کے لئے

یہ حکم نہیں ہوتا پس وہاں کے لوگ انبیاء علیہم السلام کی تہذیب پر متفق ہو جاتے۔ اور دوسرا والد ارفق
 و فخر کرنے لگتے ہیں۔ اس پر اللہ سبحانہ اس کو ہلاک و برباد کر دیتا ہے۔ یہاں تک ہمارے اس طلب
 صرف یہ ہے کہ امر کو فی اور دینی کو ذکر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّ اللّٰهَ يَهْتَفُ بِاَلْحَدِّ
 وَ اَلْاِحْسَانِ (اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور) لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کا) اور
 اِنَّ اللّٰهَ يَكْرَهُ كِبْرًا اَنْ تَقُوْذُوْا اَلْاَكْمَانَاتِ (اے اہل ایمان! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ
 امانت رکھنے والوں کی امانتیں (جب نہ لگیں) انکے حوالے کر دیا کرو اور دینی کی مثالیں ہیں۔
 اور اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔

فصل۔ اذن بھی دو قسم ہے ایک کوئی جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَمَا هُمْ بِضُرَّ اٰرِیْنَ
 یہ من احتیاج الا باذن اللہ (بے حکم خدا وہ اپنی ان باتوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا
 سکتے) یہاں اذن سے مشیت اور تقدیر مراد ہے۔ دوسرا دینی جیسے اللہ تعالیٰ کا قول
 مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْمَةٍ اَوْ نَزَعْتُمْ مِّنْهَا عَلٰی اَمْرٍ لِّهَا فَاِذْ بَالِ اللّٰهِ (مسلمانوں! ان کے)
 کھجوروں کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو رہا تھہ تک نہ لگایا اور بدستور انکو جڑوں
 سمیت کھڑا رہنے دیا تو دیر ب کچھا خدا ہی کے حکم سے تھا) یعنی اللہ کے حکم اور رضا سے ایسا
 ہوا۔ و قوله تعالیٰ قُلْ اَسْرَأْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رَّزْقٍ فَعَلَّيْتُمْ مِنْهُ حَرًا مَّا
 وَحَلَّا لَا قُلْ اَللّٰهُ اَوْزَنَ لَكُمْ اَمْ عَلٰی اللّٰهِ تَتَذَوُّنَ (اے پیغمبران! لوگوں سے) کہو کہ
 بھلا دیکھو تو سہی خدا نے تو تم پر روزی اتاری اب تم لگے اس میں سے (بعض کو) حرام اور (بعض
 کو) حلال بھیرانے (اے پیغمبران! لوگوں سے) پوچھو کہ کیا خدا نے تم کو (اس کی) اجازت دی ہے یا
 (اپنی طرف سے) خدا پر ہوتا بانٹھتے ہو) و قوله تعالیٰ اَمْ لَكُمْ شُرَکَآءُ شَرُّ عَوَالِدِمْ
 مِنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ يَأْذَنُ بِهِ اللّٰهُ و کیا ان لوگوں (نے خدا کے) شریک بنا رکھے ہیں اور انہوں
 نے ان کے لئے دین کا وہ رستہ بھیرا دیا ہے جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔

فصل۔ جمل بھی دو قسم ہے۔ ایک کوئی کہ قول تعالیٰ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلَالًا
 فِیْہِیْ اِیَّیْ الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَ جَعَلْنَا مِیْنَ اٰیْدِیْہِمْ سَلَآذٍ مِّنْ خَلْفِہُمْ سَدًا
 (ہم نے ان لوگوں کی گردنوں میں (بھاری بھاری) طوق ڈال دیئے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک پہنچنے
 ہوئے) ہیں تو ان کے سر ایسے (ال ل کر رہ گئے ہیں) کہ ان کو رستہ دکھائی نہیں دیتا) اور ہم نے
 ایک دیوار (تو انکے آگے بنائی اور ایک دیوار انکے پیچھے) و قوله تعالیٰ وَ یَجْعَلُ اللّٰہُ جَسَدًا

کیا، کلمۃ اللہ ہے یہ مژدہ چہ کہ اللہ سبحانہ نے شریعت میں عقد نکاح کے بعد ان صورتوں کو تمہارے لئے
عکال اور بیاج کر دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے فَانْكَحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ لَمَّا خَلَّ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ امْهَاتِكُمْ اِنَّكُمْ
عَرَفْتُمْ مَا تُكَلِّمَاتِ لَہٗ تَرْتَضُوْنَ اَمَّا مَا كُنَّ لَكُمْ سَرِيًّا فَقَدْ اُنْزِلَ فِيْكُمْ لَعْنَةُ اللّٰہِ اُولٰٓئِكَ
ہیں کلمۃ اللہ اور اس کی کتابوں کی تفسیر (قرنی زہب) میں کلمات کو یہ وشرعیہ دو قسم موجود
ہیں کتب سے وہ کلمات مراد ہیں جن کے ساتھ اللہ سبحانہ ارونی اور ہشیا کی علت و حمت بیان
فرماتا ہے۔ اور غلط کلمات سے وہ کلمات مراد ہیں جو خلق اور کوین سے خلق رکھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ
نے اس آیت میں حضرت مریم کی تسبیح یہ بتلایا ہے کہ وہ فرقہ جمیہ کے عقیدہ پر تھیں کہ اللہ تعالیٰ
کے کلمۃ اللہ ہیں اور ان کوین کا انکار کرتے ہیں اور کلمات الہی کو مخلوق سمجھتے ہیں۔

فصل چہم بعثت بھی دو قسم ہے ایک کوئی کفر و تعلقے قِیَاساً جَعَلَهُ وَعَلَىٰ أَوَّلِهِمَا بَعَثْنَا عَبْدًا مِّنْ بَنِي إِسْرَءِیْلَ یَاوُدَّ (جب بن (فسادوں) میں سے پہلے (فساد) کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے مقابلے میں ایسے نبی بھی بھیجے جو بڑے سخت گیر تھے، وَقَوْلُ تَعَالَىٰ بُعِثْنَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ نَبِیُّنًا فَرَاکَ مَرَضٍ (اس کے بعد اللہ نے ایک کو بھیجا وہ زمین کو گریہ کرنے لگا) دوسری شرعی اور دینی بقول تَعَالَىٰ هُوَ الَّذِیْ بُعِثَ لَیَّ الْاُحْیَیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (وہ خدا) ہی تو ہے جس نے (عرب) جاہلوں میں بن ہی میں سے (محمد کو) پیغمبر (بنا کر بھیجا) وَقَوْلُ تَعَالَىٰ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثْنَا اللَّهُ النَّبِیِّیْنَ مُبَشِّرِیْنَ وَنَذِیْرِیْنَ (دشروع میں سب) لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے پھر آپس میں لگے اختلاف کرنے) تو اللہ نے پیغمبر بھیجے جو ایمان والوں کو خوشنودی خدا کی خوشخبری دیتے اور کافروں کو عذاب الہی سے ڈراتے) *

فصل۔ ارسال بھی قسم ہے ایک کوئی کقولہ تعالیٰ اَللّٰهُ تَرَانَا اَرْسَلْنَا الشَّيَاطِیْنَ عَلٰی
اَنْكَافِیْنِ تَوَزَّعْهُمَا اَزَا (اے پیغمبر) کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے شیطان کو کافروں
پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو اُکساتے رہتے ہیں) و قولہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیَاحَ (اور وہی
قادر مطلق ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے) و دوسرا دینی کقولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ
بِالْبَيِّنَاتِ وَیَدِیْنِ الْخُسْفٰی (وہ (خدا) ہی (تو) ہے جس نے اپنے رسول (محمد) کو ہدایت اور دین
حق دے کر بھیجا ہے) و قولہ تعالیٰ اِنَّا اَرْسَلْنَا الْبَنٰی کُمْ رَسُوْلًا شَهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا
رَاسُوْلًا فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (لوگو! جس طرح ہم نے فرعون کی طرف (موسیٰ) کو پیغمبر و بنا کر بھیجا تھا تمہاری
طرف بھی (تو) کہ (رسول) (بنو) بھیجا ہے جو (قیامت کے دن) تمہارے مقابلے میں آوے گی)۔

کے مراد کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کو اس حجت کی تردید کے لئے اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ تمہارے
افعال کے ساتھ اللہ سبحانہ کا کوئی ارادہ مستحق ہے۔ ارادہ شرعیہ یا کوئی عظیم ظاہر ہے کہ ارادہ شرعیہ
کے تو تم شکر ہو، اور ارادہ کوئیہ کا خالق کچھ مفید نہیں۔ اور نہ یہ تمہارے لئے عذر ہو سکتا ہے۔ اگر
یہ عذر نہ تھا تو اللہ سبحانہ اپنی مخلوق میں سے کسی کی مذمت نہ کرتا۔ اور کسی کو عذاب نہ کرتا۔ اور اس
کی مخلوق میں سے کوئی شخص عاصی اور کافر نہ ہوتا۔ اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے۔ تو وہ اللہ
اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا شکر ہے۔

سوال باب

فطرت اولیٰ۔ اسکے معنی۔ اس کے متعلق لوگوں کے خلاف اور اس کے
بیان میں کہ فیضا و قدر میں شقی اور گمراہ ہونے کے خلاف اور مافیہ نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا لَا تَبَدِّلْ خُلُقِ اللَّهِ ذَلِكِ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ مُنِيبِينَ
إِلَيْهِ وَالْبُكُورَ وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُمَسِّرِينَ (تو اسے پیغمبر تم تو ایک (خدا)
کے ہو کر اس کے دین کی طرف اپنا رخ کئے رہو (یہ) خدا کی (بنائی ہوئی) مشرت ہے جس پر
خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (بنائی ہوئی) بناد میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ یہی دین
(کا) سیدھا (رستہ) ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (لوگو! اسی ایک خدا کی طرف رجوع ہو کر دین
اسلام پر جمے رہو) اور اسی (ایک خدا) کا ڈر مانو اور بناؤ پڑھتے رہو اور شرک کرنے والوں سے نہ ہو
جانا) اور صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے
فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک سچ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے کفر اختیار کرنے کی۔ یہ وجہ ہے
کہ اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ جیسا کہ چوپائے جانور صحیح و سالم
سچ جنتے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا ہے کہ جانوروں کا کوئی بچہ پیدا ہوتے ہی کان کٹا ہوتا ہے دیگر
ایسا نہیں بلکہ بعد میں تم اس کے کان کاٹتے ہو۔ یہ روایت بیان کرنے کے بعد پھر ابو ہریرہ رضی

اس آیت کو پڑھا فطرۃ اللہ الّتی فطر النّاس علیہا لا تبدل من الخلق اللہ ۛ

ایک۔ وہ سری وہ آیت میں اس طرح ہے۔ کہ ہر ایک بچہ اس نعمت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس فطرت کے معنی و مراد میں اہل علم کا اختلاف ہے ۛ

قاضی ابویعلیٰ نے کہا ہے کہ اس فطرت کے معنی میں نام احمد سے دور و آئیں ہیں۔ ایک یہ کہ فطرت سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا قرار مراد ہے اور یہ وہی مفہوم ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں سے اس وقت لیا تھا جبکہ وہ اپنے باپ کی پشت میں تھے۔ کہ اللہ سبحانہ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر پانچ پھیر اور قیامت تک ان کی جتنی اولاد پیدا ہوگی۔ سب کو چھوٹی کی طرح ظاہر کر دیا۔ اور انکو خود انکی ذات پر مشہد بنایا اور پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا کہ بیشک تو ہمارا رب ہے۔ غرض ہر ایک شخص فطرۃ اس بات کا اقرار کرتا ہے۔ کہ اس کا کوئی صانع اور مدبر ہے۔ گو اس کو کسی نام سے پکارے ۛ

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَوْ لَمْ يَسْأَلْهُمْ مَتَىٰ هَٰكَذَا كَيْفَ يُقُولُونَ ۚ اللَّهُ (اور رہے پیغمبر اگر تم ان (کافروں) سے پوچھو کہ انکو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ ہی نے (انکو پیدا کیا ہے) پس ہر ایک بچہ اس قرار اول پر پیدا ہوتا ہے ۛ

قاضی ابویعلیٰ کہتے ہیں کہ فطرت سے یہاں اسلام مراد نہیں۔ اور اسکی دو دلیل بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ فطرت بمعنی ابتداء خلق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاطْرَ السَّمٰوٰتِیْنَ وَ اَلْاَرْضِ ۚ (اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے) یعنی اُن کو ابتداء ایجاد کرنے والا ہے۔ اور جب فطرت بمعنی ابتداء خلق ہے۔ تو اس حدیث میں فطرت سے وہی مراد ہوگا جو ابتداء خلق میں واقع ہوا۔ اور وہ یہی ہے کہ اللہ نے اولاد آدم کو اُن کی پیٹھ سے نکالا اور اُن سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں اگر فطرت بمعنی اسلام ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ جو بچہ کفار کے گھر پیدا ہو یعنی اس کا باپ اور ماں دونوں کافروں کو جب تک وہ بالغ نہ ہوں باپ اُس کے واسطے نہ ہو سکیں۔ اور وہ ان کا وارث نہ ہو سکے۔ کیونکہ وہ بچہ مسلمان ہے۔ اور اختلاف دین وراثت کا مانع ہے۔ اور نیز اس کو غلام بنا تا درست نہ ہو۔ اور اگر اس کا باپ اسلام اختیار کرے۔ تو باپ کی تالبداری سے اُس کو مسلمان نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ وہ خود مسلمان ہے۔ قاضی ابویعلیٰ کہتے ہیں کہ یہ معنی ابن قتیبہ نے بیان کئے ہیں۔ اور ابن بطنے نے اس معنی کو اثابہ میں ذکر کیا۔ اور یوں کہا ہے کہ فیروزی نہیں۔ کہ جس شخص کو صانع کی معرفت حاصل

ہو اس کو مسلمان کہاجائے جیسا کہ بالغ کفار کہہ سکے۔ لیکن صانع کی معرفت حاصل ہے اور وہ مسلمان نہیں
قاضی کہتے ہیں کہ امام احمد نے بھی اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور میمون کی روایت میں اس طرح
ہے کہ امام احمد نے فرمایا کہ فطرت وہی ہے وہ فطرت مراد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا
کیا ہے۔ اس پر میمون نے کہا کہ فطرت سے مراد دین ہے۔ تو امام احمد نے جواب میں کہا کہ ہاں فطرت
سے دین مراد ہے۔ تاہی کہتے ہیں کہ امام احمد نے دین سے وہی معرفت مراد وہ کی ہے جس کو
ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ فطرت سے وہ پہلی خلقت مراد ہے جو ماں کے پیٹ میں
واقع ہوتی ہے۔ اور فطرت کو اس عہد پر مخلوق کرنا جو اللہ سبحانہ نے اولاد آدم سے لیا تھا۔ یعنی انہوں
نے اسکی رویت کا اقرار کیا تھا۔ گویا فطرت کو یعنی اہل علم مراد وہ کرنا ہے کیونکہ معرفت صانع کا اقرار
کرنا عین ایمان کا اقرار ہے۔ اور مومن مسلم ہے۔ اور اگر فطرت بمعنی اسلام ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ
جب بچہ ماں باپ کافر کے گھر پیدا ہو۔ تو وہ اس کے اور وہ ان کا وارث نہ ہو۔ اس کے علاوہ
یہ بات لازم آتی ہے۔ کہ کفر اللہ تعالیٰ کا مخلوق نہ ہو۔ اور اہل سنت کے اصول اسکے خلاف
ہیں۔ قاضی کہتے ہیں کہ امام احمد نے علی بن سعید کی روایت میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔
کیونکہ جب علی بن سعید نے ان سے حدیث کئی مؤلفہ کی تو علی ان فطرۃ کا مطلب پوچھا
تو امام احمد نے جواب دیا کہ اول فطرت میں بعض آدمی شقی اور بعض سعید ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح
محمد بن یحییٰ نخل نے نقل کیا ہے۔ کہ میں نے امام احمد سے فطرت اولیٰ کی نسبت سوال کیا۔ تو انہوں
نے جواب دیا کہ فطرت اولیٰ سے وہ فطرت مراد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے
کہ بعض شقی اور بعض سعید بنائے ہیں۔ اور جیل نے بھی امام مذکور سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ کہ اس
حدیث میں فطرت سے وہ پہلی خلقت مراد ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے۔ ہمارے استاذ
ابوالعباس ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ کہ امام احمد نے عہد اول کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ
فطرت اولیٰ وہ فطرت ہے جس پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ اور اس سے مراد دین ہے۔ اور امام احمد
نے بہت سے مواقع میں کہا ہے کہ کفار کے بچہ کے ماں باپ جب وہ نور حائض یا ان میں سے
ایک مرجائے۔ تو اس بچے کے اسلام کا حکم دیا جائیگا۔ اور اس مسئلہ پر اسی حدیث سے استدلال کیا
ہے۔ امام احمد کے اس استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کا یہ معنی بیان کرتے ہیں۔ کہ
ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں صراحت مذکور ہے کہ اس بات پر پیدا

ہوتا ہے۔ اگر امام احمد کے نزدیک فطرت بمعنی اسلام نہ ہو تو اس حدیث سے ان کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا اور دوسرے مقام میں امام احمد کا یوں کہنا کہ ہر ایک بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی شقی اور بعثی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے منافی اور مخالف نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے شقاوت اور سعادت کو پہلے سے مقدر کر دیا۔ اور اسے لکھ دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے لئے اسباب بھی مقدر کئے ہیں مثلاً ماں باپ کا فعل بھی شقاوت اور سعادت کے اسباب ہیں۔ سہ ہے۔ غرض ماں باپ کا بچے کو یہودی یا مجوسی بنانا یا ان اسباب مقدرہ ہیں۔ سہ ہے۔ اور بچہ اپنی اصلی فطرت کے لحاظ سے صحیح و سالم پیدا کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ مقدر ہوا ہے کہ اس فطرت سلیمہ کو اس کے ماں باپ بدل دیں گے۔ چنانچہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کے سمجھانے کے لئے یافوز کے بچہ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ کر اس کی شکل بدل دیتے ہیں۔ اور آدمیوں کا فعل اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح آدم زاد بھی فطرت سلیمہ یعنی فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس کے فساد کا سبب ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے واقع ہوتا ہے۔ اور امام احمد وغیرہ ائمہ نے حدیث کی تفسیر میں یہ کلمات اکر ہر ایک بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی شقی اور بعثی سے پیدا ہوتا ہے اس لئے ذکر کئے ہیں کہ قدر یہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ کفر اور معاصی اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر سے واقع نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے موجد اور پیدا کرنے والے خود بندے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کفر اور معاصی کو مقدر و مخلوق نہیں کیا۔ بلکہ بندوں نے اپنی طرف سے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور اسی واسطے جب لوگوں نے امام مالک سے کہا کہ اس حدیث کے پہلے جہاد سے قدر یہ ہم پر حجت قائم کرتے ہیں۔ تو امام مالک نے فرمایا کہ تم حدیث کے اخیر جملہ یعنی اللہ اعلمہ کہ یتاکموا عا میلین (اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ زندہ ہو کر کیا کچھ اعمال کرتے) سے ان پر حجت قائم کرو۔ امام احمد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں قدر یہ کے لئے کوئی حجت اور دلیل موجود نہیں کیونکہ قدر یہ اس بات کے تو قائل نہیں کہ کفار کے بچے کے والدین اس میں یہودیت یا نصرانیت یا مجوسیت کو مخلوق اور پیدا کر دیتے ہیں۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ با اختیار خود یہودی یا نصرانی یا مجوسی بن جاتا ہے۔ اور والدین تلقین اور تعلیم کے ذریعہ سے اس کے حصول کے لئے سبب ہوتے ہیں اور جب اس کی یہودیت وغیرہ کو اس اعتبار سے ماں باپ کی طرف نسبت کرنا درست ہے۔ تو اللہ سبحانہ کی طرف جو تمام چیزوں کا خالق ہے بطریق اولیٰ منسوب کرنا درست ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ

اس کو فطرت پر پیدا کیا ہے مگر ساتھ ہی اُس کے اُس تیر و تبدیل کو بھی مقدر کر دیا ہے۔ جو پیدائش کے بعد اس میں واقع ہو گا۔ جیسا کہ ہمیشہ صحیح میں آیا ہے۔ کہ وہ لڑکا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ وہ خلق کا ذریعہ کیا تھا۔ مگر وہ بالغ ہوتا تو اپنے ماں باپ کو کفر اور سرکشی سے ایذا پہنچاتا۔ غلطی کا فیر پیدا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ پیدائش کے وقت ہی اُس کی نسبت مقدر ہو چکا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کفر اختیار کرے گا اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ولادت سے پہلے یا ولادت کے وقت اس کا کفر موجود تھا۔ بلکہ ولادت کے وقت اس کا کفر موجود تھا بلکہ ولادت کے وقت وہ غفلت میں رہتا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بات مقدر تھی۔ کہ اس کے بعد اس کی یہ فطرت بدل جائیگی اور یہ کفر اختیار کرے گا۔ اور جس شخص نے یہ سمجھا ہے۔ کہ اس لڑکے کے قلب پر مہر لگا دی گئی تھی جیسا کہ کفار کے بائیس میں آیا ہے۔

وَقُلُوبُهُمْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ (اور انکے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے) تو اُس نے غلطی کی ہے۔ کیونکہ یہ معنی حدیث کے الفاظ اور محاورہ کے خلاف ہے۔

صحیح مسلم میں بروایت عیاض بن حماد بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو موعظہ پند کیا۔ پھر شبیا طین نے اُن کو فریب دھوکا دیا۔ جو چیزیں میں نے اُن پر حلال کی تھیں وہ حرام کر دیں۔ اور میں نے اُن کو یہ حکم دیا تھا۔ کہ میرے ساتھ کسی چیز کو مشرک نہ کرنا۔ یہ حدیث صراحتہ اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو توحید اور حقیقت پر پیدا کیا ہے۔ اور اس کے بعد شبیا طین نے دھوکا فریب دیکر لوگوں کو بگاڑا ہے۔ اور نیز اسود بن سریح کی حدیث سے جس کو احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا۔ اُس لشکر نے کفار کو پتھوں سمیت قتل کر دیا۔ اس پر آپ نے ان کو عتاب فرمایا کہ تم نے بچوں کو کس لئے قتل کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ مشرکوں کی اولاد تھے۔ اس لئے ہم نے ان کو بھی مشرک سمجھ کر قتل کر دیا۔ اب نے فرمایا۔ کہ تم میں جو لوگ بہتر ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ اس کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ کچھ بوجہ کلام کرنے کے وقت تک اسی حالت پر رہتا ہے اس کے بعد کبھی تو اسی حالت پر ثابت رہتا ہے۔ کبھی اُس کے والدین اُس کو یہودی۔ نصرانی وغیرہ بنا دیتے ہیں مشرکین کی اولاد کو قتل کرنے سے آپ کا منع فرمانا اور اس کے بعد اس حدیث کو بیان فرمانا اور نیز یہ ارشاد فرمانا کہ میں جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ ان سب امور سے صراحتہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ کفار کی اولاد پیدا نہیں ہوتی۔

کافر نہیں ہوتی۔ بلکہ کفر اس کے بعد طاری ہوتا ہے۔ اور اگر آپ کا یہ مطلب ہوتا کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کی روح الیقین ہو، اُتراقتہ میں اس کا اسلام منظور ہے۔ نہ اسلام پر پیدا ہونا ہے۔ اور اگر کفر مقدر ہے تو اضر پہ پیدا ہوتا ہے۔ نہ تو عینہ مشکوک کی اولاد تو قریب ہے۔ نہ ہی اور نہ کے سنے اس حدیث کو بطور سند لالچیاں فرمایا۔ یہ درجہ نہ ہو گا۔ بعض سنیوں نے بھی کہا ہے کہ آپ کے فرمان رکم میں جو دستور ہے کیا وہ شریعت کی اولاد نہیں؟ اگر یہ مطلب ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسا بھی ہوتا ہے جو ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس طرح ہو گا اگر زندہ رہتے تو وہ ایمان لے آتے۔ اور ان حضرات صاحب نے اس احتمال کی وجہ سے نسخ فرمایا۔ اگر یہ حدیث کے معنی ان کے باطل خلافت ہے۔ بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں بہتر لوگ، وہ ہیں جو سابقین اہلین ہیں اور یہ متقدمین کی اولاد ہیں۔ کیونکہ ان کے باپ دادا کافر تھے۔ پھر خدا نے میثوں کو دولت ایمان نصیب فرمائی۔ غرض یہ ہے کہ انہوں نے جب غور سلمان ہو تو شرک کی اولاد ہونا اس کے لئے کوئی حشر نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ ہر ایک شخص کو اس کے اپنے اعمال کی جزا دیگا۔ ماں باپ کے عمل سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کو یہ قدرت ہے کہ کافروں سے ایمان والے اور ایمان والوں سے کافر پیدا کرے۔ جیسا کہ زندہ سے پہلے کہ اور مردہ سے زندہ کو نجات دے۔

فصل یہ حدیث ایسے متعدد الفاظ کے ساتھ روایت کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تفسیر کرتے ہیں۔ پس صحیحین میں اس طرح ہے ابن شہاب سے مروی ہے وہ اسلم سے کہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک ایسا فطر سببی پر پیدا ہوتا ہے پطرس کے ماں باپ اس کو یسوی نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں جس طرح کہ چہ پاسے، جانوروں کے بچے صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ مویشی کا کوئی بچہ کان کٹا پیدا ہوا ہے۔ اس کے بعد ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اس کی تصدیق کیلئے یہ آیت پڑھو قَطْرَةٌ اَللّٰهِ اَلَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا یُکْنَدُ تِلْکَ اَلَّتِیْ یَخْلُقُ اللّٰهُ اَلْبَاطِلَ الَّذِیْنَ اَلْقَیْبَدُ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جو لوگ بچپن ہی میں مر گئے ان کا کیا مال ہے آپ نے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ بڑے ہو کر کیا کام کرتے۔ حدیث کے یہ الفاظ بیماری کے ہیں۔ اور فخریح بیماری میں ہے زہری کہتے ہیں کہ یہ ہمارا دستور ہے کہ جو بچہ فوت ہو جائے کہ مشرکین کی اولاد میں سے ہو۔ ہم اس پر اسلئے ناز جنازہ پڑھا کرتے ہیں۔ کہ وہ فطر سے اسلام پر پیدا ہو رہے بشرطیکہ وہ زندہ پیدا ہو مثلاً پیدا ہونے کے وقت آواز وغیرہ۔ اس کی حیاتی متیقن ہو اور جو مردہ پیدا ہو اس پر غلہ جنازہ نہیں پڑھتے۔ اور ہمارا دستور اس بات میں یہ ہے کہ ابو ہریرہ رحمہ

بیان فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ بحر اس کے ماں باپ اس کو یہودی۔ نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں بمیسا کہ چوتھے جانوروں کے پتے صحیح و غلط پیدا کرتے ہیں۔ ان کا کوئی بچہ کبھی تم کو کان کٹا نظر آیا ہے۔ اس کے بعد ابو ہریرہؓ آیت پڑھتے **فَطَرًا ۖ ذَلِٰلَہُ الْاَوَّلِیُّ فَطَرَ النَّفَاسَ عَلَیْہِمْ** اور صحیحین میں بروایت ہمیشہ مروی ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور ابن محازیہ کی روایت میں ہے کہ اس بات پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سمجھ بوجھ کر کلام کرنے لگے۔ اس حدیث سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن شہاب زہری نے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ اور ابو ہریرہؓ کا اس کی تصدیق اور شہاد کیلئے آیت مذکورہ کو پڑھنا اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ ابن عبد البر کا قول ہے کہ ابن شہابؓ کسی نے یہ مسئلہ کو چھال کر ایک شخص پر یمن غلام کا آزاد کرنا واجب ہے۔ تو اگر وہ شیر خوار بچے کو آزاد کرے تو کیا اس سے واجب اور ہو جائیگا۔ ابن شہابؓ نے جواب دیا کہ بیشک اس کے ذمے واجب تھا تو ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوا ہے۔ ابو عمر نے حدیث کی تفسیر میں اختلاف بیان کرتے ہوئے یوں کہا ہے۔ کہ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ فطرت سے یہاں اسلام مراد ہے اور کہا ہے کہ اکثر سلف کے نزدیک یہی معنی معروف و مشہور ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول **فَطَرًا ۖ ذَلِٰلَہُ الْاَوَّلِیُّ فَطَرَ النَّفَاسَ عَلَیْہِمْ** کی تفسیر کے متعلق تمام اہل تفسیر کی یہی بحث ہے کہ فطرت اللہ سے دین اسلام مراد ہے۔ اور اہل تفسیر نے ابو ہریرہؓ کے قول (اگر تم چاہو تو آیت **فَطَرًا ۖ ذَلِٰلَہُ الْاَوَّلِیُّ فَطَرَ النَّفَاسَ عَلَیْہِمْ** کو پڑھو) سے جو ای حدیث ہیں موجود ہے استدلال کیا ہے۔ اور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کے متعلق عکرمہ۔ مجاہد حین۔ ابراہیم۔ ضحاک اور قتادہ سے نقل کیا ہے۔ کہ فطرۃ اللہ سے اللہ تعالیٰ کا دین اسلام مراد ہے اور لا یخفی علی الخلق انہ یحکمون بحکمہ کہ اللہ کے دین کے لئے تبدیلی نہیں۔ اور میاض بن حماد مجاشعی کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں سے فرمایا۔ کہ میں تم کو وہ بات نہ بتلاؤں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے (قرآن کے متعلق) بتلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور انکی اولاد سب کو موجد حنیف مسلمان پیدا کیا۔ اور ان کو حلال مال عطا فرمایا جس میں حرام کا نام و نشان نہ تھا۔ پھر انہوں نے اللہ کے دے دئے مجھے رزق میں سے اپنی طرف سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال پھیرا۔ آخر حدیث تک۔ اور ایک سری سند کے ساتھ بھی اس حدیث کے الفاظ ایسے ہی مروی ہیں۔ ابو عمر کا قول ہے۔ کہ اس حدیث

کو قتادہ سے مطرف بن عبد اللہ سے اُس نے عیاض سے روایت کی ہے۔ اور مطرف سے قتادہ کا سامع ثابت نہیں۔ لیکن قتادہ کا قول ہے کہ نجد سے تین شخصوں عقبہ بن عبد اللہ بن یزید بن عبد اللہ بن الشیخ اور عطاء بن زیاد نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ اور یہ تینوں یوں کہتے ہیں کہ ہم سے مطرف نے اُس سے عیاض سے اُس نے نبی مسلم سے روایت کیا ہے اس روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو سفیف (موقت) پیدا کیا ہے۔ اس روایت میں مسلمین کا لفظ مروی نہیں۔ اور حسن نے بھی مطرف کے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور ابن اسحاق نے ایک ثقہ شخص سے اُس نے قتادہ سے اسناد اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو سفیف پیدا کیا ہے۔ اس میں بھی لفظ مسلمین مذکور نہیں۔ اس سے محمد بن اسحاق کے حفظ ضبط اور اتقان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ انہوں نے ہی حدیث کو ثور بن یزید سے بھی روایت کیا ہے۔ اور اُس میں لفظ مسلمین ذکر کیا اور جب قتادہ سے روایت کیا ہے۔ تو اس لفظ کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ قتادہ کی روایت میں یہ لفظ مذکور نہیں اور ثور کی روایت میں موجود ہے واللہ اعلم۔ ابو عمر کا قول ہے کہ کلام عرب میں سفیف بمعنی ستیم و مخلص ہے اور اسلام سے بڑھ کر کوئی استقامت نہیں جس سے مروی ہے کہ سفیف کج بیت اللہ مراد ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام مراد ہے اور ضحاک اور سدی سے بھی ایسا ہی مروی ہے کہ انہوں نے حنفیہ بمعنی تجلج کہا ہے۔ اور مجاہد سے مروی ہے کہ حنفا معنی متبعین ہے ان سب اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

کہ سفیفیت سے اسلام مراد ہے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے کہ سفیف بمعنی مخلص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا (ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ہماری سڑک کے ایک جگہ فرماں بردار تھے اور مشرکوں میں سے بھی) نہ تھے۔ وقال تعالیٰ مَلِكًا إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (ابراہیم کے طریقے پر ہیں جو ایک خدا کے ہوئے تھے) وقال تعالیٰ مَلِكًا أَبْنِيَكُمْ إِنَّا هَدَيْنَاهُمْ هُوَ سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ (وہی دین جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا اسی خدا) نے داخلی کتابوں میں پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا اور باقی شام نے

کما ہے

أَخْلَقَهُمُ الْوَاحِدُ إِنَّا مَعَشَرٌ
خُفِّفَ عَنْهُمْ كُنْزُكَ بِكَرَمٍ وَأَصِيلًا
عَرَبٌ تَرَىٰ اللَّهُ فِيَّ أُمَّتًا إِلَهًا
خَوَّكَ الْوَكُوفُ مُنْكَرًا تَنْزِيلًا

(اے اللہ کے خلیفے ہم وہ حنیف جماعت ہیں جو صبح و شام اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ ہم قوم عرب ہیں۔ اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ہمارے مانوں میں خنّی زکوٰۃ واجب ہے اس کو اللہ نے قرآن میں نازل فرمایا ہے) شاعر نے حنیفیت کے وہ صفات بیان کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حنیفیت سے اسلام مراد ہے۔ اور یہ بات ظاہر اور واضح ہے اس میں کوئی خفا نہیں۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اس حدیث میں فطرت سے اسلام مراد ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول خُفِّفَ عَنْهُمْ الْفِطْرَةَ (پانچ چیزیں سنت اسلام میں سے ہیں) سے بھی استدلال کرتے ہیں اور ایک روایت میں عَشْرًا مِّنَ الْفِطْرَةِ (دس چیزیں سنت اسلام میں سے ہیں) ہمارے اُستاذ فرماتے ہیں اس دعویٰ پر کہ اس حدیث میں فطرت سے اسلام مراد ہے۔ بہت سے دلائل موجود ہیں اگر فطرت سے اسلام مراد نہ ہو تو اس جملہ کے بعد صحابہؓ کا یہ سوال کرنا کہ یا رسول اللہ مشرکین کی اولاد میں سے جو بچے مرجائیں ان کا کیا حال ہوگا، بلاوجہ ہوگا کیونکہ فطرت سے جب پیدائش اول مراد ہو تو اس صورت میں کوئی غیر فطرت موجود نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کے علم قدیم میں تغیر واقع نہیں ہوتا۔ اور آپ کے قول (پھر اُس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے ماں باپ اس کی پہلی فطرت کو جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے بدل دیتے ہیں۔ اور نیز آپؐ نے موشی کی اولاد سے تشبیہ و تمثیل بیان فرمائی ہے۔ کہ جس طرح وہ صحیح و سالم پیدا ہوتی ہے۔ پھر پیدا ہونے کے بعد لوگ اُس کے کان۔ دُم وغیرہ کاٹ ڈالتے ہیں۔ اسی طرح بنی آدم بھی فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتے ہیں۔ اور اُس کے بعد پھر اس میں تغیر واقع ہوتا ہے۔ اور نیز حدیث قرآن کریم کے مطابق ہے۔ اور قرآن کریم میں اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا اور یہ آیت عام ہے۔ سب لوگ اس میں داخل ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ نے تمام لوگوں کو فطرت مذکورہ پر پیدا کیا ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ نے فطرت کو اضافتِ روح کے ساتھ اپنی طرف مضاف و منسوب فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ فطرت محمودہ ہے نہ مذمومہ نہیں۔ چنانچہ اضافتِ مدح و تشریف کا قاعدہ ہے۔ فیہ دین اللہ۔ بیعت اللہ۔ ناقۃ اللہ۔ روح اللہ۔ کلمۃ اللہ وغیرہ کہ اضافت سے ان چیزوں کی مدح و تشریف

مقصود ہے۔ اور اس سے بھی صوم ہوتا ہے کہ فطرت سے اسلام مریا ہے۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا جِئْتُمْ بِغَيْرِ الْإِسْلَامِ لِيُطَاعَ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ غَيْرَ غُلْبَةٍ ۚ اللَّهُ الَّذِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَىٰ هَٰذَا (تو اسے پیغمبر نہ تو ایک دھما کے ہو کر دس تھے) دین کی طاعت اپنا رخ رکھے رہو ورنہ خدا کی دینائی ہوئی) سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے یہاں اجماع اس بات کا قریب ہے۔ کہ فطرت سے اسلام مراد ہے۔ اور نیز فطرت سے اسلام ارادہ کرنا سلف صالحین کی تفسیر ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد تم اپنے آپ کو اس طرف متوجہ کرو جس طرف اللہ شہتم کو متوجہ کیا یعنی اللہ کی طاعت بجا لاؤ کہ اس نے دین اور طاعت پر پیدا کیا ہے عینیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ کے دین اور طاعت پر مستقیم ہو فطرۃ اللہ سے اللہ سبحانہ کی وہ صنعت مراد ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اور جیسے ہم نے بیان کیا ہے بل تفسیر اسی کے موافق بیان کرتے ہیں۔ پھر ابن زید سے روایت کیا ہے کہ فطرت اللہ سے اسلام مراد ہے جبکہ اللہ نے اولاد آدم کو انکی پیٹھ سے پیدا کیا ہے سب اسلام کا اقرار کرتے ہیں و مجاہد سے مروی ہے کہ فطرۃ اللہ ہے دین اسلام مراد ہے پھر ابن زید بن ابی مریم سے روایت کیا ہے کہ فطرت اللہ تعالیٰ نے چلنے سے کہا کہ اے نبی اس امت کی نجات کی اور طاعت چلنے پر ہے معاذ نے جواب دیا کہ تین چیزیں ہیں جن کی طاعت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے دوسری نماز اور یہ دین کی جزو و عظم ہے۔ تیسری طاعت اور یہی عصمت کا سبب ہے۔ اس پر عمرہ نے فرمایا اے محمد تو نے غلطیک بیان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کہ قول لا تَبْدِلُ الَّذِیْنَ خَلَقَ ۚ اَللّٰہُ کہ یہ مطلب ہے کہ اللہ کے دین کے لئے تبدیلی نہیں اس میں جنہوں کو اپنی طرف سے تغیر و تبدل نہیں کرنا چاہئے۔ ابن ابی نعیم نے لا تَبْدِلُ الَّذِیْنَ خَلَقَ ۚ اللہ کی تفسیر کے متعلق مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے دین کے لئے تبدیلی نہیں۔ اور نیز ذکر کیا ہے کہ مجاہد نے اس جملہ کا مطلب یہ چھنے کی غرض سے عکرمہ کے پاس آدمی بھیجا۔ عکرمہ نے جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جانوروں کو خصی نہیں کرنا چاہئے۔ اس پر مجاہد نے کہا کہ عکرمہ سے غلطی ہوئی ہے۔ یہاں خلق اللہ سے دین اللہ مراد ہے پھر استنہاد کے طرز پر پڑھا کہ لا تَبْدِلُ الَّذِیْنَ خَلَقَ ۚ اَللّٰہُ ذٰلِكَ الَّذِیْنَ نَفَقْتُ ۚ اور عکرمہ سے مروی ہے کہ خلق اللہ سے اللہ کا دین مراد ہے۔ اور سعید بن جبیر ضحاک۔ ابراہیم نخعی اور ابن زید کا یہی قول ہے۔ اور ابی زید۔ ابن عباس عکرمہ اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ لا تَبْدِلُ الَّذِیْنَ خَلَقَ ۚ اللہ کا یہ مطلب ہے کہ جانوروں کو خصی نہیں کرنا چاہئے۔ اور ابن زید نے اس میں کوئی منافات نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

اللہ تعالیٰ کا اس کو پیداکر دینا محال ہے۔ اور حدیث کے آخر کے قائل نہیں کہ پہلے کو پیدا کیا نہ صرف فی بنی نادر الدین کی طرف نسبت کیا گیا ہے اور تمہارا بیعتیدہ ہے کہ چہ بڑا ہجو کر بیعت یا نصرانیت کو نو پیداکرنا ہے۔ اور اس کے ان باب کو یہ قدرت نہیں کہ وہ یہودیت یا نصرانیت کو اس میں پیدا کر سکیں۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اَللّٰهُ اَخْلَعَهُ بِهَا سَكَا تُوْنَا عَامِلِيْنَ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا انجام اللہ کو معلوم ہے کہ وہ فطرت پر پیدا ہونے کے بعد اس بات کی طرف مائل ہونے ہیں۔ اسی پہلی فطرت پر قائم اور ثابت رہتے اور مؤمنین میں داخل ہوتے ہیں یا اس فطرت کو متغیر و متبدل کر کے کافر بن جاتے ہیں۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ مخلوق کے خدائے اور انجام کا اللہ بھی نہ کو پہلے سے علم حاصل ہے اور غالی قدر یہ اس کے منکر ہیں۔ اور اسی انداز کی وجہ سے سلف نے انکی تکفیر و اتحاق کیا ہے۔ غرض یہ کہ جو الفاظ سے تم نے اپنے باطل و فوسے پر متدلال قائم کیا تھا وہ الفاظ تمہارے مخالف نہیں بلکہ تمہارے مخالف ہیں۔ اور غیر اللہ کو اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ کسی کے دل میں ہدایت یا گمراہی پیدا کر سکے۔ بلکہ یہ کام صرف اللہ سبحانہ نے اختیار میں ہے۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے گمراہی کے باعث اور سبب ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ اس کو اپنے مذہب کی طرف ترغیب دیتے اور اسکی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ اور خاص والدین کو اسلئے ذکر کیا ہے کہ اکثر والدین ہی اس بات کے سبب ہوتے ہیں ورنہ اس میں حصر نہیں۔ بلکہ کبھی والدین کے سوا کوئی دوسرا شخص بچے کے گمراہ ہونے کا سبب ہو جاتا ہے۔ اور کبھی والدین میں سے ایک ہی اسکو بہ مذہب بنادیتا ہے +

فصل۔ ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں کہ اس حدیث میں جو فطرت مذکور ہے اس کے متعلق اہل علم کا بہت کچھ اختلاف ہے۔ اور اسی طرح اطفال اور انکے دنیا اور آخرت کے حکم کی نسبت بھی اختلاف واقع ہے۔ ابن مبارک سے کسی نے مسئلہ پوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حدیث کا آخری جملہ اَللّٰهُ اَخْلَعَهُ بِهَا سَكَا تُوْنَا عَامِلِيْنَ اس کی تفسیر ہے۔ ابو عبیدہ نے ابن مبارک سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اسکے علاوہ اور کچھ نہیں کہا۔ اور محمد بن حسن سے کسی نے اس حدیث کا مطلب پوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول اس وقت فرمایا تھا کہ نبی لوگوں کو جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا۔ ابو عبیدہ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ جیسا ابو عبیدہ نے ابن مبارک سے نقل کیا ہے۔ ایسا ہی امام سے بھی مروی ہے۔ اور ابن مبارک اور امام مالک

تھے نفل سے حدیث کے معنی کی توضیح اور اطفال کا پورا حکم کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اتنی بات سمجھیں آتی ہے کہ اطفال کی نسبت (جنتک وہ بالغ نہ ہوں اور عمل کی حد کو پہنچیں) کفر و ایمان۔ جنت و نارک کو قطعی حکم نہیں لڑنا چاہئے۔ بلکہ کے باب میں زلف کیا جائے۔ اور جو کچھ محمد بن حسن سے نقل کیا ہے اس کی نسبت میرا خیال یوں ہے کہ محمد بن حسن نے اس مسئلہ کے جواب سے پہنچتی کیا ہے۔ اور اس کا واقعی جواب بیان نہیں کیا۔ تاہم اس وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ مشکل ہے۔ اس کا جواب مثل کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ یا اس مسئلے کا جواب انکو معلوم نہ ہو گا۔ کسی اور وجہ سے اس کے جواب سے پہنچتی کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور محمد بن حسن کا یہ قول کہ یہ حدیث بنی صلعم نے جہاد کے نام سے پہلے فرمائی تھی۔ اس کا کچھ مطلب معلوم نہیں ہوتا۔ اگر اس سے محمد بن حسن کا یہ مطلب ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اہل علم کے نزدیک ائمہ سجادہ اور رسول صلعم کے اخبار میں نسخ جاری نہیں ہو سکتا۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی گدشتہ یا آئندہ کی نسبت کوئی خبر دے اور پھر اس خبر سے رجوع کیسے۔ تو اس کا رجوع کرنا تین باتوں سے خالی نہیں یا وہ اپنے آپ کی گدشتہ کرتا ہے یا خبر دینے میں اس سے غلط ہو گئی تھی یا پہلی خبر اس کو بھول گئی تھی۔ اور ائمہ سجادہ ان سب باتوں سے پاک اور اس کا رسول ان سے معصوم ہے۔ اور یہ بات کبھی اہل علم پر بھی نہیں۔ اور نہ اس میں کسی کا خلاف ہے۔ اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو وہ ظاہر نہیں۔ اور محمد بن حسن کا یہ قول کہ یہ حدیث بنی صلعم نے جہاد کے حکم سے پہلے فرمائی تھی اسے یہ سب سے خود غلط ہے جتنا نچا سود بن سریع کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے امر بایجاد کے بعد یہ حدیث فرمائی تھی۔ پھر ابو عمر بن سند کے ساتھ حسن سے اس نے اسود بن سریع سے حدیث روایت کی ہے اسود کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کفار کے بچے بھی مار ڈالے۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم میں جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ ہر ایک بچہ فطرتاً اسلام ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ (کچھ بوجھ کر) کلام کہنے لگے۔ اور اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی بتا جیتے ہیں۔ ابو عمر کا قول ہے کہ اس حدیث کو حسن نے ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ جن میں سے ابو بکر مزی۔ علاء بن زیاد اور سری بن یحییٰ وغیرہ لوگ ہیں۔ اور یہ حدیث بروایت احنف بھی اسود بن سریع سے مروی ہے۔ اور یہ حدیث بصری اور صحیح ہے۔ اور عوف اعرابی نے سمر بن جندب سے روایت کیا ہے۔ وہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہر ایک بچہ فطرتاً اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا

یارسول اللہ شریکین کی اولاد بھی فطرت پر پیدا ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ شریکین کی اولاد بھی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے استاد ابن نمیہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ عمر نے امام مالک اور ابن مبارک سے بڑے کچھ نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کا آخری جملہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے علم میں میں یہ بات ثابت ہے کہ اطفال بیٹے ہو کر کیا مل کر بیٹے۔ ان میں سے کون شخص ایمان لا کر جنت میں داخل ہو گا۔ اور کون کفر اختیار کرے کہ دوزخ میں جائیگا۔ پس قدر یہ کا تقدیر کی فیض پر اس جملہ کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے) سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ اور نیز اس بات پر استدلال کرنا درست نہیں۔ کہ کفار کے بچے جنت میں داخل ہو گئے۔ کیونکہ وہ فطرت پر پیدا ہوئے ہیں۔ امام مالک اور ابن مبارک کا مطلب یہ ہے کہ اطفال شریکین کا وہ حکم ہے جو آخر حدیث سے سمجھا جاتا ہے۔ اور محمد بن حسن کے قول کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے۔ کہ محمد بن حسن نے جب یوں سمجھا۔ کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی اولاد دنیا کے احکام کے لحاظ سے دین میں ماں باپ کے تابع ہوتی ہے اور اس پر کفار کے سب احکام جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھا جاتا اور نہ اس کو مسلمانوں کے گورستان میں دفن کیا جاتا ہے۔ اور مسلمان اس کے وارث نہیں ہوتے۔ اور انکو غلام بنالینا درست ہے۔ تو محمد بن حسن نے یوں کہا کہ کوئی شخص اس حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال قائم نہیں کر سکتا کہ دنیا کے احکام کے لحاظ سے اطفال جب تک بالغ نہ ہیں۔ مومنین کے حکم میں ہیں اور محمد بن حسن کا یہ فہم بالکل صحیح ہے۔ سین ان سے بغلطی ہوئی۔ کچھ سمجھے کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ دنیا کے احکام میں اطفال کیلئے مومنین کا حکم ہے۔ راستے محمد بن حسن نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور جہاد سے پہلے کا حکم ہے۔ کیونکہ جہاد سے کفار کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالینا درست ہے اور مومن کو ناپسندیدہ بنانا درست نہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ جہاد کے حکم نے اس حدیث کو منسوخ کر دیا حالانکہ اس حدیث میں اطفال کے دنیاوی احکام کو بیان کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ صرف اس فطرت کو بیان کرنا مقصود ہے جس پر بچہ پیدا ہوتا ہے۔

فصل۔ اس مقام میں معلوم کرنا ضروری ہے کہ ان الفاظ سے جو روایات حدیث میں وارد ہیں مثلاً ہر ایک بچہ فطرت پر یا اسلام پر یا اس ملت پر پیدا ہوتا ہے یا ہر ایک بچہ حنیف (مومن) پیدا کیا گیا ہے یہ نہ سمجھنا چاہئے۔ کہ بچے کو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی اس ملت کا علم حاصل ہوتا اور وہ اپنے ارادہ سے اس پر قائم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں کسی چیز کا علم حاصل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ اَشَدُّ حِلْمًا

مِنْ رَبِّكَ وَلَئِنَّكَ لَآتٰكَمُوهٖ شَيْئًا (۱۱) اور لوگو! اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا اور اُس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے بلکہ ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت میں سلام کی سوجب اور مقتضی ہے۔ یعنی اُس کے قرب اور محبت کو چاہتی ہے۔ غرض نفس فطرت اپنے خالق کے اقرار۔ اُسکی محبت اور اُسکی اطاعت میں اخلاص کو مقتضی اور مستلزم ہے۔ اور فطرت کے لوازم اور مقتضیات بشرطیکہ مخالف اور جارحانہ چیزوں سے محفوظ رہے۔ اُس کے کمال کے موافق بالحد درجہ پر پیدا ہوتے ہیں۔ اور نیز یہ مطلب نہیں ہے کہ بچے کی فطرت میں قبولِ اسلام کی محض قابلیت ہوتی ہے اور یہ قابلیت یہودی اور نصرانی بخلاف سداً اعلیٰ ہو جاتی ہے۔ اور وہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ یہ قابلیت خود اسلام یا ملت یا حقیقت نہیں۔ اور نیز یہ کہ تغیر فطرت کو صحیح و سالم جانور کے کان کاٹنے سے تشبیہ یا الیاسے اور ظاہر ہے۔ کہ آدمی جانور کی صفیت قابلیت کو نہیں بدلتے۔ اور مار گرنے کی قابلیت تنہا اور زائل ہو جاتے تو پھر رسول بھیجے اور کت میں نازل کرنے سے اُس پر محبت قائم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک بچہ اپنے خالق کی محبت۔ اُسکی رویت کے اقرار۔ اور اس کے سامنے اپنی عبودیت کے اعتراف پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس کو کوئی مخالف اور طوائف پیش نہ آئے۔ تو وہ اسی حالت پر ثابت اور قائم ہے۔ اُس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح بندہ کو فطرۃً اُن چیزوں کے کھانے پینے کی محبت ہے جو اس کے بدن کیلئے مفید و مناسب ہیں۔ مثلاً دودھ جو اس کے بدن کے لئے مناسب غذا ہے اس کو بطبع مرغوب ہے۔ اسی طرح اپنے خالق کی محبت۔ اُسکی رویت کا اقرار اُس کے خلقی امر ہیں۔ اور یہ یسوعون اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بجا الٰہی اعطی کل شیء خلقاً لکھدا ی دہمارا بدہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی خاص طرح کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اُس کو راہ دکھائی اور اللہ تعالیٰ کے قول الٰہی خَلَقَ قَسْوٰثًا وَّالْاٰنِیَ قَدَّ سَا فَعٰدٰی (جس نے اتم مخلوقات کو بنایا اور (بہت) درست بنایا اور جس نے ہر ایک چیز کی غرض و غایت کا اندازہ کیا اور اُس کو اسی رستہ لگا دیا) سے مستفاد ہوتا ہے۔ لہذا جو ماننے جو انات کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ ہر ایک کو اپنے خالق حاصل کرنے اور غرض پزیرانہ کے دفع کرنے کی راہیں سوجھا دی ہیں۔ اور مفید اور نافع چیز دہکی محبت اور غرض اور سودی چیزوں سے نفرت اور عداوت حاجت کے موافق تمدن و توحا اس میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ پھر جس طرح کہ کئی بدوں کو ایسے عود میں پیش آ جاتے ہیں۔ کہ انکی فطرت سیلہ اور عادت

چھوڑ کر ڈال دیا اور خراب کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض نفوس کو وہ موانع پیش آ جاتے ہیں کہ وہ اسی آخرت کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اور اسی سلسلے کا جس طرح دودھ فطرۃً سو خراب ہے۔ اسی طرح معرفتِ حق کو بگاڑ دیتے ہیں۔ جو بے فطرت کو دودھ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور آخرتِ حلیٰ اس طلبہ و سلم نے اپنے نواب میں دودھ زرش فرمانے کو قبول فطرت کے ساتھ تعمیر فرمایا ہے۔ اور جب شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درود اور شراب پیش کئے گئے تو آپ نے دودھ کو لے لیا (اور شراب کو چھوڑ دیا) اس پر یوں کہا گیا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے اور اگر آپ شراب کو لیتے تو آپ کی آست گمراہ ہو جاتی جس طرح کہ دودھ کو بدن سے ایک خاص مناسبت ہے اور جس قدر وہ بدن کے لئے سببِ حزیں سے زیادہ مفید ہے۔ اسی طرح فطرت کو قلب کے ساتھ ایک خاص مناسبت اور اس کی درست فطرت کے سوا کسی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتی +

فصل ابن عبد البر کہتے ہیں ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اس حدیث میں فطرت سے وہ خلقت مراد ہے جس پر سچ پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اس کو اپنے رب کی معرفت حاصل ہو گونکے قول کا مطلب یہ ہے کہ سچ اسی خلقت پر پیدا کیا جاتا ہے کہ جس کے سبب (جب وہ معرفت کے درجہ کو پہنچتا ہے تو) اپنے رب کو پہچان لیتا ہے۔ یعنی اُس کی خلقت ان بہائم کی خلقت کے مخالف بنائی گئی ہے جو اپنی خلقت سے اپنے رب کی معرفت کو نہیں پہنچتے۔ اور قاطر بمعنی خالق ہے۔ اور یہ لوگ بچے کے ایمان یا کفر پر پیدا ہونے کے متکبر ہیں۔ ہمارے استاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اگر فطرت سے قدرت علی المعرفۃ ارادہ کرتے ہیں تو ضعیف ہے۔ کیونکہ محض قدرت علی المعرفۃ اس امر کی مقتضی نہیں کہ مولود ضعیف اور قائم علی الملک ہو اور نیز جب ایسے شخص کی نسبت سوال کیا جائے جو بچپن میں مرجائے تو اُس کے ماں باپ کے اُس کی فطرت کو بدل دینے کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ اور نیز بڑے میں بہ نسبت چھوٹے کے قدرت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بچوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ مشرکین کی اولاد ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم میں جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں ہر ایک سچ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر قدرت مراد ہو تو قدرت کفار بالیقین کو بھی حاصل ہے باوجودیکہ وہ مشرک اور متحق قتل ہیں۔ اور اگر فطرت سے قدرت علی المعرفۃ اور اس کا ارادہ مراد ہے تو قاعدہ ہے کہ قدرت مع الارادہ مراد اور مقدور کے وجود کو مستلزم ہے۔ اور انکے قول کا یہ مطلب ہوا کہ وہ قدرت علی المعرفت اور اُس کے ارادہ پر پیدا کئے گئے ہیں۔ اور یہ ایمان کو مستلزم ہے +

فصل ہوا پڑھتے ہیں۔ ایک دوسری جماعت کاہ قول ہے کہ یٰٰذَا عَلٰی الْفِطْرِ قَدْ کَانَ
مطلب ہے کہ ہر ایک بچہ اُس پر پیدائش پر ہوتا ہے جس کے لئے خالق نے اُسے پیدا کیا ہے۔
یعنی اُس فطرت پر پیدائش ہوتا ہے جس کے لئے خالق نے اُسے بنایا ہے کہ وہ بارگاہِ پیکرِ زند و مرگ
یا پہلے ہی سے مر جائیگا اور جوان ہونے کے بعد سعید ہوگا یا شقی۔ سعادت اور شقاوت میں
کس بات کو امتیاز کر دے گا۔ اور فطرت سے ایمان و اعتقاد مراد نہیں۔ کلامِ عرب میں فطرت بمعنی
بدلت سے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قول کہ اَبَدًا کَانَ لَکُمْ نَعُوذُونَ فَرِیقًا هٰذَا فَرِیقًا
خَیْرًا عَلَیْہِمْہِ الذُّمَّةُ (جس طرح تم کو پہلے پیدائش کیا تھا اسی طرح قیامت کے دن تم دوبارہ
بھی پیدائش ہو گے دُسی۔ نے) ایک فرقہ کو ہدایت دی اور ایک فرقہ ہی ہے کہ اگر اسی اُن کے
سراپے سونپے اور ابن عباس سے یا اسناد مروی ہے کہ مجھے خاطر التسلوٰت و اکلا مراض
کے متعلق معلوم نہ تھے یہاں تک کہ ایک دن دو اعرابی ایک کنوئیں کے متعلق مقدمہ لائے۔ تزان
میں سے ایک نے کہا اَنَا فَطْرٌ قُھَا (اُسکو ابتداء میں نے بنایا ہے) اور نیز حضرت علی رضی
کے دُعَا اَللّٰھُمَّ جَبَّارَ اَنْفُلُوْہِ عَلٰی فِطْرَتِہَا صَفِیْہَا وَ سَعِیْدٍ ہَا اے اللہ شقی اور سعید
قلوب کو اُنکی فطرت پر درست کرنے والے سے استشہاد کرتے ہیں، اہل اسے آئندہ فرماتے
ہیں کہ اُنکے قول کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک بچہ اُس حالت پر پیدا ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے
علم سابق میں ثابت ہے نہ اس کا کمالی اور انجام کس طرح ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس بات میں
سب مخلوقات یکساں ہے۔ ہمیں بہائم اور اشجار اُسی حالت پر مخلوق ہیں جو اللہ سبحانہ کے
علم سابق میں ثابت ہے پس اس سنی کے مطابق لازم آتا ہے کہ تمام مخلوق فطرت پر پیدائی
گئی ہے۔ اور نیز اگر یہ معنی مراد ہوں تو آپ کے قول (پھر اُس کے اہل باپ اُس کو یہودی یا نصرانی
یا مجوسی بناتے ہیں) کا کچھ مطلب نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے اُس کے ساتھ وہی کام کیا ہے۔ جو اُس
کی فطرت ہے اور جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس صورت میں یہودی یا نصرانی بنانے
یا اسلام کی تعلیم دینے والے یا اور کسی صفت و حرکت کی تعلیم کرنے میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ
یہ سب اللہ سبحانہ کے علم سابق کے مطابق ہیں۔ اور نیز موشی کی اولاد کے ساتھ آپ کے لکھیے دینے
سے یہ منہم ہونا ہے کہ کافر و اندین اُس ثابت کو بدل دیتے ہیں۔ جس پر بچہ پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ
موشی کے بچے صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اُنکی خلقت و شکل کو آدمی بدل دیتے ہیں۔ اللہ عزوجل آپ
کا قول کہ ہر ایک بچہ اس فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ اور میں نے اپنے بندوں کو حنیف (موجود)

پیدا کیا ہے اس کے مخالف ہے۔ اور نیز اس صورت میں انسان کی ولادت اور دوسرے علامات میں کوئی فرق نہیں۔ نطفہ کے پھرنے کے وقت سے آخر عمر تک جھٹنے حالات گزرتے ہیں سب اللہ سبحانہ کے علم سابق کے مطابق ہیں۔ پس ولادت کی حالت کو اس بات سے ساتھ فاصل کرنا کہ وہ تقدیر اور اللہ تعالیٰ کے علم سابق کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ اور حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ جب سے بچے میں روح پھرنی جاتی ہے۔ تو اسی وقت سے اس کا رزق عمر عمل۔ اور یہ کہ وہ سعید ہوگا یا شقی سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔ پس اس بناء پر حدیث کے الفاظ اگر اس طرح ہوتے کہ ہر ایک بچہ میں خطرات پر روح پھرنی جاتی ہے۔ تو اس کے مناسب ہوتے۔ اس کے علاوہ نفع روح بھی کتابت رزق۔ عمر وغیرہ کے بعد واقع ہوتا ہے۔

فصل دوم میں محمد بن نصر مروزی کا قول ہے کہ یہ مذہب اس قول کے موافق ہے۔ جس کو ابو عبید نے ابن مبارک سے نقل کیا ہے۔ کہ ان سے کسی نے اس حدیث کا مطلب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اس حدیث کا آخری جملہ اسکی تفسیر کرتا ہے۔ مروزی کا قول ہے کہ احمد بن حنبل کا بھی پہلے ہی مذہب تھا پھر انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ امام مالک نے جو کچھ موطا میں لکھا ہے۔ اور ابویاب قد میں جس قدر آثار ذکر کئے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس مسئلہ میں ان کا مذہب بھی یہی تھا۔ ہمارے استاذ فرماتے ہیں۔ کہ ابن شیبہ یا ابن مسعود کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کا خالق اور انجام مآل اسکی حالت پر ہوتا ہے جو پہلے سے اللہ سبحانہ کے علم میں ثابت ہے۔ اگلا اللہ تعالیٰ کے علم میں ایمان ہے تو ایمان پر خاتمہ ہوگا اور کفر ہے تو کفر پر ریگا چنانچہ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ مڑ کا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ وہ کافر ہی پیدا کیا گیا تھا۔ یعنی پیدائش کے وقت اس کے حق میں یہ مقدمہ ہوا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کفر کریگا۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں موجود ہے کہ آدمی جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ تو اس وقت اس کا رزق عمر عمل اور یہ کہ سعید ہوگا یا شقی سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ جس کے حق میں یہ لکھا گیا ہے کہ وہ بڑا ہو کر کفر کریگا تو وہ پیدائش کے وقت بھی کافر ہو بلکہ ضروری ہے کہ وہ بڑا ہو کر کفر اختیار کریگا۔ اور یہی کفر اس کی فطرت کی تبدیلی ہے جس کو ماں باپ کی طرف نسبت کیا گیا ہے جس طرح کہ مراثی کا بچہ جو صحیح مسلم پیدا ہوا اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت تھا۔ کہ اس کے کان کاٹے جائینگے۔ تو ضروری نہیں کہ بچہ اس وقت ہی اس کے کان کاٹے ہوئے ہوں بلکہ ولادت کے بعد اس کے کان کاٹے جائینگے۔

فصل - امام احمد کا وہ کھام جو اور لوگوں کے سوالات کے جواب میں کہتا ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انکے نزدیک اس حدیث میں فطرت یعنی اسلام ہے چنانچہ محمد بن عمرو نے اُن سے نقل کیا ہے کہ ان کا آخری قول یہی ہے کہ یہ نام فرماتے تھے کہ کفار اہل حرب کے لڑنے لگے اگر والدین کے بدوں قید کئے جائیں۔ تو وہ مسلمان ہیں۔ اور اگر والدین کے ساتھ ہوں۔ تو وہ انکے دین پر ہونگے۔ اور اگر والدین ہیں۔ سے ایک کے ساتھ ہوں۔ تو اس صورت میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں یعنی ایک روایت میں ہے کہ مسلمان شمار ہونگے اور دوسری میں ہے کہ کافر سمجھے جائینگے۔ اور امام احمد اس مسئلہ پر اس حدیث سے استدلال کرتے تھے۔ خلیل نے اپنی جارج میں کہا ہے۔ ہم سے ابو بکر مروزی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں۔ ہم سے عبد اللہ بن عیسیٰ نے بیان کیا کہ کفار میں سے جو لوگ قید کئے جائیں اُن میں جو چھوٹے بچے ہوں وہ مسلمان شمار ہونگے۔ اگرچہ والدین میں سے ایک کے ساتھ قید کئے جائیں۔ اور عبد اللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (پھر ماں باپ اُس کو بیوہ یا یتیم بنائے ہیں) سے استدلال کرتے تھے۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ اہل ثغر لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر کفار کا لڑکا ماں باپ وہ لوگ کے ساتھ ہو تو وہ اس کو اسلام پر مجبور کریں گے۔ اور ہم انکی اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ماں باپ اس کو بیوہ یا یتیم بناتے ہیں۔ خلیل نے کہا ہے ہم سے عبد الملک میمون نے بیان کیا ہے۔ کہا کہ میں نے ابو عبد اللہ یعنی امام احمد سے اُنکے محسوس ہونے سے پہلے کفار کے اُس بچے کی نسبت پوچھا جو ملک روم سے یہاں لایا جائے۔ اور اُس کے ماں باپ اُس کے ساتھ نہ ہوں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر وہ یہاں سے لیا جائے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اُس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ میں نے پوچھا کیا اس کو اسلام پر مجبور کیا جائے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ جب چھوٹے بچے ہوں۔ تو اُن پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے۔ اس کو اسلام پر مجبور کیا جائے۔ میں نے پوچھا اگر اُس کے ساتھ ماں باپ دو یا اُن میں سے ایک عقیدہ ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ اس صورت میں اس کو اسلام پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ اور وہ اپنے والدین کے دین پر ہوگا۔ میں نے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ کیا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے ماں باپ اُنہوں نے جواب دیا ہاں یہی دلیل ہے۔ اور عمر بن عبد العزیز نے ایسے بچے کا یہ دے دیا۔ اور اس کو ملک روم کی طرف واپس نہ کیا۔ اور وہ کفار کے حکم میں ہے میں نے کہا کیا حدیث میں ہے۔ کہ اُس کے ساتھ

اُس کے ماں باپ۔ اُنہوں نے کہا نہیں۔ اور مناسب مایہی ہے۔ کہ اُس کے ماں باپ اس کے ساتھ ہوں۔ خدایا کہتے ہیں سمیونی نے جو روایت کیا ہے وہ بوجہ اہل بیت کے ہے۔ اسحاق بن منصور نے نقل کیا کہ ابو عبد اللہ کہتے تھے کہ جب کفار نے بچے کے ساتھ اس کے ماں باپ منوں تو وہ مسلمان ہے۔ مگر کہا کہ جب اس کے ساتھ ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک، ہر تو اس کی اسلام پر مجبور کریں انہوں نے کہا ہاں اس صورت میں مجبور نہ کرنا چاہئے۔ خدایا کہتے ہیں اسی مسئلہ کو ابو عبد اللہ سے بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ سب یہی کہتے ہیں۔ کہ کفار کا بچہ دارین میں سے جب ایک کے ساتھ قید ہو کر آئے۔ تو وہ مسلمان ہے۔ اور ان لوگوں نے اس مسئلہ کو ابو عبد اللہ سے اُنکے محسوس ہونے کے بعد اور بعض نے قبل اور بعد دونوں حالتوں میں سنا ہے۔ اور میرا مذہب یہی وہی ہے جس کو باعزت نے روایت کیا ہے۔ خدایا کہتے ہیں۔ ہم سے ابو بکر مرزی۔ نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ سے کہا کہ میں واسطی میں تھا۔ وہاں کے لوگوں نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک کافر مرد اور اس کی عورت دونوں فوت ہو جائیں اور وہ دو صغیر لسن بچے چھوڑ جائیں اور ایک ان کا چچا یعنی ستونی کا بھائی بھی موجود ہے۔ تو اس صورت میں وہ بچے مسلمان شمار ہونگے۔ یا کافر بتلاؤ تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو۔ لوگوں نے یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بصرے کو خط لکھا اور کہا کہ میں اس مسئلہ میں اپنی رائے سے کچھ کہنا پسند نہیں کرتا مجھے مہلت دو تاکہ میں سوچ سجدھ لوں۔ شاید ان کے پاس میں سلف کا قول موجود ہو پھر ایک مہینے کے بعد دوبارہ میں نے اُن سے دریافت کیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس مسئلہ میں غور کیا ہے۔ غور کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بچے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ اور ان کے ماں باپ موجود نہیں۔ میں نے کہا ان کو اسلام پہنچو۔ کیا جائیگا۔ اُنہوں نے جواب دیا بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق یہ مسلمان ہیں۔ اور یعقوب بن حبان نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ابو عبد اللہ نے فرمایا ہے کہ جب وحی اُنکے کے والدین اس کی صغیرنی میں فوت ہو جائیں تو وہ اسلام پر مجبور کیا جائے۔ اور مستل لال کے طور پر اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لڑکے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ اور عبد الکریم بن یحیٰ عاتقی نے امام احمد سے ان دونوں کی نسبت (جن کے ماں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی نسبت یوں کہیں کہ یہ مسلمان ہے۔ پھر وہ بچہ پانچ سال زندہ رہے فوت ہو جائے) اس طرح نقل کیا ہے۔ کہ ان کا وہ بچہ مسلمان ہے۔ اور مسلمانوں کو چاہئے کہ

اس پر نماز بنانا نہ چڑھیں اور مسلمانوں کے گورستان میں اُس کو دفن کریں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لڑکے کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی غلطے ہیں۔ امد اُس کے ماں باپ نے تو یہ کدیا تھا۔ کہ یہ مسلمان ہے۔ اور عبد اللہ بن احمد مرہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے کھار کی اُس قوم کی نصبت دریافت کیا۔ جو اپنی ایک کیوں کو مسلمانوں کے نکاح میں اس شرط پر چیتے ہیں۔ کہ جو لڑکا پیدا ہو گا۔ وہ ہاسکے تالاج اور مسلمان ہو گا۔ اور ہ لڑکی پیدا ہوگی وہ ماں کے تالاج یہودی یا نصرانی ہوگی۔ تہ انہوں نے جواب دیا کہ لڑکا یا لڑکی سب کو اسلام پر مجبور کیا جائیگا۔ کیونکہ اُن کا باپ مسلمان ہے۔ اور ہمیشہ میں ہے کہ لڑکے کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ مسلمان باپ کی مسلولہ مسلمان ہوگی۔ اس قسم کے بہت سے جواب امام احمد سے منقول ہیں۔ امام احمد حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں۔ کہ لڑکے کے ماں باپ اگر وہ نوک فرہوں بہ تب وہ کافر شمار ہوگا۔ اور اگر اس کے ساتھ والدین کا فریقہ نہ ہوں۔ اُن میں سے ایک ہو یا کوئی نہ ہو تو وہ مسلمان شمار ہوگا پس اگر فطرت سے اسلام مراد نہ ہو تو ماں باپ کے نہ ہونے سے لڑکا مسلمان شمار نہ ہوتا۔ حدیث کے الفاظ سے تو صرف اثبات ہوتا ہے۔ کہ وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے حدیث میں اسلام کا ذکر نہیں۔ پس اگر فطرت سے اسلام مراد نہ ہو تو یہ مسئلہ اس حدیث سے ثابت نہ ہوتا۔ اور سیونی نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ فطرت سے دین مراد ہے اور یہی فطرت اولیٰ ہے غلال کہتے ہیں۔ مجھ سے سیونی نے بیان کیا ہے۔ کہ اُس نے ابو عبد اللہ سے کہا کہ اس مسئلہ کے متعلق کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ جب بچے کے ماں باپ موجود ہوں۔ تو پھل اس کو مسلمان شمار نہیں کیا جاتا۔ تو اس پر ابو عبد اللہ نے فرمایا۔ کہ اگر بالفرض تم اس مسئلہ کو مانو تو تم پر بھی شبہ ہو سکتا ہے۔ اس پر کچھ دیر تک ہم آپس میں بحث کرتے رہے۔ آخر میں نے ابو عبد اللہ سے کہا کہ آپ کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے اور آپ کس دلیل سے تسک کرتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ دلیل وغیرہ میں جانتا نہیں اتنا کہتے ہوں کہ یہ مسئلہ مسلم ہے۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس فطرت اولیٰ کے لحاظ سے کہتے ہیں۔ جس پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ میں نے کہا فطرت اولیٰ کیا چیز ہے کیا فطرت اولیٰ سے دین مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ ہاں فطرت اولیٰ سے دین ہی مراد ہے۔ اور بعض لوگ فطرت اولیٰ کہتے اور آنحضرت کے اس قول سے کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے استدلال کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کا کیا قول ہے آپ اپنا قول بیان فرمائیں تاکہ مجھے آپ کی رائے معلوم ہو۔ اُس پر انہوں نے کہا کہ میرا

یہ قول ہے کہ ہر ایک بچہ فطرتِ اولیٰ پر پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے استاذ فرماتے ہیں کہ امام احمد کا یہ جواب کہ بچہ فطرتِ اولیٰ پر پیدا ہوتا ہے۔ اور فطرتِ اولیٰ سے دین مراد ہے۔ اسی قول کے موافق ہے۔ کہ ہر ایک بچہ دینِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

فصل۔ امام احمد کا یہ قول کہ ہر ایک بچہ نسِ شقاوت یا سعادت پر پیدا ہوتا ہے جو اس کی فطرت میں رکھی گئی ہے جس کی نسبت محمد بن نصر کہتے ہیں کہ امام احمد نے پہلے اس طرح کہا تھا۔ اور پھر اس قول کو چھوڑ دیا۔ اس کا بیان یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہر بچہ سے محمد بن یحییٰ کمال نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اس جملہ کل مولود یولد علی الفطرة کی نسبت پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ فطرت سے وہ فطرت مراد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے کہ کون شقی ہو گا اور کون سعید اور فضل بن زیاد۔ جلیل اور ابو الحارث نے بھی ان سے ایسا ہی نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابو عبد اللہ کو یہ مسئلہ بیان فرماتے تھا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ فطرت سے وہ فطرت مراد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ کہ فلاں شخص شقی ہو گا۔ اور فلاں شخص سعید۔ اور علی بن یحییٰ نے بھی ان سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے ابو عبد اللہ سے کل مولود یولد علی الفطرة کی نسبت دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ فطرت سے شقاوت اور سعادت مراد ہے اور کہا کہ ہر ایک بچہ کا خاتمہ اس حالت پر ہوتا ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ اور حسن بن ابیاب سے۔ وی ہے کہ انہوں نے ابو عبد اللہ سے متحرکین کی اولاد کی نسبت دریافت کیا اور میں نے کہا کہ ابو بکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہر ایک بچہ فطرت پر ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنائے ہیں تو ان کو ابو بکر کا قول بچہ پیدا کیا ہے فرمایا کہ مشرکین کے اطفال اس فطرت پر پیدا ہوتے ہیں جو انکی خلقت میں مل جاتی ہے یعنی اس شقاوت یا سعادت پر جو جاتے ہیں۔ پہلے سے لوح محفوظ میں لکھی گئی ہے اور اس مسئلہ کی دلیل حدیث کل مولود علی الفطرة ہے۔ امام احمد جن قول کی نسبت ان کے بعض اصحاب یوں کہتے ہیں۔ کہ پہلے ان کا یہی قول تھا۔ بعد میں اس کو چھوڑ دیا۔ اور بعض یوں کہتے ہیں۔ کہ اس مسئلہ میں امام احمد سے دور آئیں ہیں۔ اور بعض نے ان سے یمن روایتیں نقل کی ہیں۔ تیسری روایت یہ ہے۔ کہ وہ اس مسئلہ میں توقف کرتے اور کوئی رائے نہیں نکالتے تھے۔

فصل۔ ہمارے استاذ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اجماع اور وہ آثار جو سلف سے منقول ہیں۔ اسی قول پر دلالت کرتے ہیں۔ جس کو ہم نے راجح قرار دیا ہے۔ کہ ہر ایک بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور خاتمہ اور مال ہر ایک کا اس چیز پر ہوتا ہے جو پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے

کہ شہنشاہ ہو گا یا سید۔ خاتم کے تقدیر اور علم الہی کے مطابق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ پیدائش کے وقت ایسی فطرت سیلہ پر پیدا نہ ہو جو سارق اور مخالف امور نہ ہو۔ نہ کی صورت میں ایمان کی مقتضی اور تسلیم ہو۔ اور ابن عبد البر نے سند کے ساتھ مولیٰ بن عبیدہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے محمد بن کعب قرظی سے اسناد تھامنے کے قول کہا بَدَأَ رَأْسُ نَعْمُ دُونَ فَرَقًا بَدَى دَفْرِيحًا حَتَّى عَلِمْتُمُ الضَّلَالَةَ کی تعبیر کے متعلق اس طرح مناسبت ہے کہ چیز بدیہ کی خلقت کو اسے سمجھانے نہ ہدایت پر پیدا کیا ہے اگرچہ وہ اپنی عمر میں گمراہوں کے کام کرتا ہے۔ مگر اس کا انجام اور خاتمہ ہدایت پر ہوتا ہے۔ اور جس کی خلقت کو گمراہی پر بنایا ہے وہ اگر پہ پہنے اپنی ہدایت کے اعمال کرتا ہے۔ مگر آخر کار وہ گمراہ رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ابلیس کی خلقت کو ضلالت پر پیدا کیا۔ اور ملائکہ کے ساتھ مکمل حالت کے کام کرتا رہا۔ مگر اس کا انجام اسی طور پر ہوا۔ جس پر اس کی خلقت پیدا کی گئی تھی۔ اسی واسطے اس کے حق میں فرمایا ہے وَكَأَن يَتَّبِعُنَا فَارْتَدُّوا وَمَا لَهُمْ لِمَا كُفِّرُوا بَعْدَ أَنْ هَدَيْنَاهُمْ لَدُنَّا وَلَا يَحْسَبُونَ لِقَاءَ رَبِّهِمْ إِلَّا يُجْعَلُونَ لَهُمْ مَا شَاءُوا وَلَهُمْ فِيهَا عَمَلٌ مُبَارَكٌ مُّذْ هَدَيْنَاهُمْ وَإِلَىٰ رَبِّهِمْ هُم مُّخْرَجُونَ کی پیدائش کو جو فرعون کے قلم سے منے کے مقابلے کے لئے تھے اور مولیٰ کو سچا نبی سمجھ کر ان پر ایمان لائے تھے ہدایت پر بنایا تھا۔ اگرچہ عمر بھر وہ گمراہوں کے کام میں پھنسے رہے تھے۔ مگر آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان اور سعادت کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ اور ایمان و ہدایت پر ان کا خاتمہ ہوا۔ یہ قول جو محمد بن کعب سے منقول ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ابتدائے پیدا کیا ہے حق تعالیٰ کی وہ نوشت ہے جس پر ان کا خاتمہ ہوگا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوگا کہ خاتمہ اور انجام سے پہلے بعض بندوں سے اس نوشت کے مخالف اعمال صادر ہونگے۔ اور اس شخص کی پیدائش گمراہی پر ہے یعنی اس کے حق میں لکھا گیا ہے کہ وہ گمراہ ہو کر رہے گا کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ گمراہی سے پہلے اہل ہدایت کے کام کرتا ہے۔ اور اس وقت ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ پہلے کا اس فطرت سیلہ پر پیدا ہونا جو ابست کی مقتضی ہو اس قول کے مخالف و سارق نہیں کیونکہ فطرت سیلہ کو اپنے اندر پیش آنچلتے ہیں۔ جو ان کو اس طرف لگاتے ہیں۔ جس پر تقدیر میں اس کا خاتمہ لکھا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ تم میں بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو ہمیشہ اہل جنت کے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر ان پر انکی نوشت غالب آجاتی ہے۔ اور وہ اہل دوزخ کے کام کر کے دوزخ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو ہمیشہ اہل دوزخ کے کام کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر ان پر نوشت غالب آجاتی ہے۔ اور وہ

کر کے دوبارہ دہانے پر تیار ہے یعنی آیت کے متعلق صحیح قول یہی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کیسے کہ اس نوحی پر یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے قول فرشتہ تھا ہدیٰ وَفَرَّيْقًا حَقٍّ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ کے ساتھ کس طرح منقطع ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شعبہ قول مذکور کے قارئین کو آیت کے معنی میں تاویل کرنے سے پیش آتا ہے اور جو شخص آیت کے معنی میں غور کرے تو اسے معلوم ہو جائیگا کہ اس جملہ کو جملہ فرشتہ ہادیٰ وغیرہ قاتل علیہم الصلوات سے محال بطل حاصل ہے وجہ ربط یہ ہے کہ یہ آیت دین کے علمی۔ عقلی اور اعتقادی قواعد اور اصول کو شامل ہے۔ اس میں اللہ سبحانہ نے پہلے انصاف اور عدل کا حکم دیا ہے جو کہ شریعت اور دین کی حقیقت ہے اور توحید کو متضمن ہے کیونکہ مکمل درجے کا انصاف اور عدل یہی ہے کہ اپنے خالق کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور نیز یہ حکم معاملہ خلق میں انصاف کرنے اور عبادت میں میانہ روی اختیار کرنے کو متضمن ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کی عبودیت میں قائم رہنے اور اخلاص یعنی تنہا اُسی کی عبادت کرنے کو متضمن ہے۔ اس قدر عقلی قواعد و احکام پر شامل ہے اس کے بعد اللہ سبحانہ نے مبدء اور معاد کو بیان فرمایا ہے اور یہ خیر مخلوق کے حدود اور اس کے دوبارہ زندہ کرنے کو متضمن ہے۔ اور اس میں مبدء اور معاد پر ایمان لانے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر تقدیر کو جو کہ نظام توحید ہے بیان کیا اور فرمایا ہے فَرَّيْقًا هَدَىٰ وَفَرَّيْقًا حَقٍّ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ۔ غرض یہ آیت تقدیر۔ شرح۔ مبدء اور معاد پر ایمان لانے اور عدل و اخلاص کے ساتھ حکم کرنے کو متضمن ہے اس کے بعد اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اس خبر کی تصدیق اور اُسی حکم کی اطاعت نہیں کرتے وہ شیطان کے پیرو ہیں۔ خدا کے فرما بردار نہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت وہ گمراہ اور بھولے ہوئے ہیں +

فصل۔ ایک جماعت کل مولود یولد علی الفطرة کا مطلب بیان کرتی ہے کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کو دو حالتوں پر پیدا کیا ہے بعضوں کو ایمان اور اپنی معرفت پر اور بعضوں کو کفر اور انکار پر یعنی اللہ سبحانہ نے جب اولاد آدم کو پیدا کیا۔ تو ان سے عہد لیا اور فرمایا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو سب نے کہا کہ تو ہمارا رب ہے۔ اہل سعادت نے یہ قرار طیب خاطر اور خوشی کے ساتھ کیا۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی۔ اور اہل شقاوت نے اس کو جبراً قبول کیا چنانچہ مندرجہ ذیل آیتوں سے اس مضمون کی تصدیق ہوتی ہے +

قوله تعالیٰ وَلَهُ سَلَمَةٌ مِّنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِمَّنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاكِبُونَ

فرشتے آسمانوں میں ہیں اور جو لوگ زمین میں ہیں چاروں جہاں اسی کے علم بردار ہیں۔
وَلَهُ نِعْمَةُ الْعَرْشِ الْمَلِكِ وَالْكَرِيمِ وَالْمُؤْتَفِقِ قَرِيبًا هَدَىٰ ذَا قَرِيبًا حَقِّ عِلْمِهِ

الْمَلِكِ الْمَلِكِ

مومن حضرت آدمی کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ کو سنا کہ وہ ابن ابی شیبہ کا
یہی مطلب قرار دیتے۔ اور ابو یوسف دہلوی کے قول (مگر تم اس کی تصدیق چاہتے ہو تو آیت فطرۃ اللہ
القی فطرۃ ابن آدم کو (پڑھو) سے لالہ لالہ کرتے اور کہتے تھے کہ ہم صحیح کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ
کی اس پیداوار میں جس پر اللہ و آدم کو پیدا کیا ہے ہرگز کوئی تبدیلی نہیں۔ جس شخص کی پیداوار اللہ
کفر پر ہوئی ہے وہ ضرور کافر ہوگا اور جو ایمان پر پیدا کیا گیا ہے وہ صاحب ایمان و معرفت
ہوگا۔ اور اسحاق بن راہویہ نے آیت وَ اِذَا اَخَذْنَا مِنْ نَبْتٍ مِّنْ سَبْغِ اَدَمٍ وَ نَحْنُ ظَاهِرُونَ
ذُرِّيَّتَهُمْ اَلَا يَتَذَكَّرُ اَلَا يَدْرِي سَبْغُ لَالٍ کیا ہے۔ اسحاق کہتے ہیں کہ نام اہل علم کا اس بات پر جماع
ہے۔ کہ اس آیت میں پیداوار اللہ کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو بدوں سے پہلے
پیدا کیا اور ان سے ہوا قرار لیا اور ان کو خود انکی ذوات پر لگا دیا یا۔ اور فرمایا کیا میں تمہارا رب
نہیں ہوں سب سے اتر کر کیا کہ بیشک تم ہمارا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کبھی یہ نہ کہنا
کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے یا ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے شرک اختیار کیا اور
ہم بے خبری سے انکی تقلید میں پڑے رہے۔ اور اسحاق نے اس کے ثبوت میں ابی بکر
کی اس حدیث کو بیان کیا ہے جس میں اس لڑکے کا ذکر ہے جس کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا
اسحاق کہتے ہیں کہ ظاہر بات وہی تھی جو موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی تھی کہ اَفْتَلَتَ نَفْسًا زَكِيَّةً
بَعِيْرَ نَفْسٍ (کیا اپنے ایک معصوم شخص کو مار ڈالا اور وہ بھی کسی کے دھوکے میں نہیں)
اور خضر کو اللہ سبحانہ نے اس لڑکے کی وہ فطرت بخلا دی تھی جس پر اس کو پیدا کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ
کی بنائی ہوئی مخلقت کے لئے تبدیلی نہیں۔ نہ خداوند کو اس کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ کیونکہ
وہ فطرۃ کا فرید کیا گیا تھا۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عباس اس آیت کو یوں پڑھا کرتے
تھے۔ وَ اَمَّا اَنْتُمْ لَكُمْ فُكَاْنٌ كُفْرًا وَ كُفَاْنٌ اَبْوَا مَعْمُوْنِيْنَ اور وہ لڑکا کافر
تھا اور اس کے باپ مومن تھے)۔

اسحاق کہتے ہیں اگر رسول خدا صلعم اطفال کا حکم بیان نہ فرماتے تو لوگوں کو معلوم نہ ہوتا کہ
کون سے بچے مومن ہیں اور کون سے کافر کیونکہ کسی کو معلوم نہیں کہ اطفال کہ جب آدم کی پیٹھ سے

دوا کیا ہے تو اس وقت ان کی خلقت کس بات پر ہوئی جس میں نبی علیہ السلام نے اطفال
 کا دیا وہ کچھ بیان فرما دیا ہے کہ جن کے والدین ان کو پہنچے یا جنہ ان کی جوڑی بننے میں آسب کا
 مطلب یہ ہے کہ تم کو ان کی نظریہ اولیٰ معلوم نہیں لیکن دنیا کی ساری باتیں رہا ہند والدین کے
 تابع ہیں۔ والدین کے لحاظ سے ان کے کفر اسلام و حکم ہوگا۔ پس جس غیر میں بچے کے والدین
 مسلمان ہوں تو دنیاوی نظام کے لحاظ سے وہ مسلمان شمار ہوگا۔ نیز بات کہ اس کا خاتمہ کیستہ
 پر ہوگا۔ ایمان پر ہوگا یا کفر ہوگا۔ مقتدا کے معلوم ہے۔ اور اسی واسطے سر علم کے لحاظ سے
 خذ علیہ السلام کو ہر شے پر علم میں فضیلت دی گئی۔ کیونکہ اس نظام کے بارے میں حق تعالیٰ نے خاص
 حضرت کو علم کر دیا تھا۔ اس حق کئے ہیں کہ کسی نے مسلمانوں اور کفریوں کے افعال کی نسبت
 ابن عباسؓ سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا اور خذ علیہ السلام
 کا منظر کافی ہے۔ اسحاق کہتے ہیں حضرت عائشہؓ فرمادیں کہ جب انصار کا ایک بچہ جس
 کے والدین مسلمان تھے فوت ہو گیا اور اس کی نسبت حضرت عائشہؓ نے یوں کہا کہ یہ بچہ کیسا خوش
 نصیب ہے کہ یہ جنت کی چڑیوں یعنی جنت کے باشندوں میں سے ہے۔ اس پر آپؐ نے
 فرمایا اے عائشہؓ وہ بخیر و بہ بات مت کہو تم کو کیا معلوم ہے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی کیونکہ
 حق تعالیٰ نے جنت کو بنایا اور اس کے لئے ایک مخلوق پیدا کیا ہے اور اسی طرح دوزخ کو
 بنایا اور اس کے واسطے بھی ایک خلقت کو پیدا کیا ہے۔ اسحاق کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کا اسی مول
 پر محتاج ہے۔ حاد بن سلمہ سے آنحضرتؐ کے قول کل مولود یولد علی الفطرة کی نسبت کسی نے سوال
 کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ حدیث اخذ میثاق کے بارے میں ہے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں
 کہ حاد کے قول کا یہ مطلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیچھے پر پناہ پھیرا اور ان
 کی پیچھے سے ان کی تمام اولاد کو قیامت تک پیدا ہوگی ظاہر فرمائی اور ان سے اذاریا اور یوں فرمایا۔ کیا
 میں تمہارا رہنما ہوں۔ سب اقرار کیا کہ بیشک تو ہمارا رب ہے۔ ہمارے استاد فرماتے ہیں کہ
 آئمہ مذکورین کا اصل مقصود صحیح ہے۔ ان کا اصل مقصود یہ ہے کہ فرقہ قدیم کا تقدیر کے انکار
 پر اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ اور اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن اور حدیث
 کی ایسی تفسیر کی جائے جو اللہ و رسولؐ کی مراد کے خلاف ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ انکی تفسیر ہی
 کرنی چاہئے جو اللہ و رسولؐ کی مراد کے موافق ہو۔ اور جو بات دلیل سے ثابت ہو اس کا اتباع ضروری
 اور واجب ہے۔ اور آئمہ کا یہ قول کہ حق تعالیٰ نے بعض بندوں کو ایمان اور معرفت پر اور بعض

کہ کفر اور انکار پر پیدا کیا ہے، اگر اس کا یہ مطلب ہو کہ حق تعالیٰ کے علم اور تقدیر میں پہلے سے ثابت ہے
 کہ بعضے ایمان لائینگے اور بعضے کفر اختیار کریں گے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت مخلوق اور قدرت
 سے واقع ہوتا ہے۔ تو یہ بلاشبہ صحیح اور درست ہے۔ فرقہ فاریہ اس کے مخالف ہیں۔ ان میں
 جو لوگ غالی اور حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے علم کے نہ کہ ان کے ہیں۔ اور حق تعالیٰ نے
 کے عموم خلق میں مشیت اور تقدیر سے تو یہ سب منکر ہیں۔ اور اگر اس قول کا یہ مطلب ہے کہ
 اخذیہ شاق کے وقت بعض آدمیوں میں ایمان و معرفت اور بعض میں کفر و انکار وجود تھا۔ جیسا کہ
 اس قول کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے جو احقاق سے منقول ہے۔ تو یہ دو چیزوں کو متضمن ہے
 ایک یہ کہ اس وقت معرفت و ایمان ان میں موجود تھا چنانچہ بہت سے سلف دماکین اس کے قائل
 ہیں اور اسی پر احقاق نے اجماع نقل کیا ہے۔ اور آیت کی تفسیر میں آئمہ کے درمیان اختلاف
 ہے۔ اور اسی طرح ارواح کے اجساد سے پہلے مخلوق ہونے کے متعلق دو قول ہیں جو اہل
 علم کے درمیان مشہور ہیں۔ مگر یہاں یہ مقصود ہے کہ اگر یہ صحیح ہو تو اس سے اطفال کی معرفت اور
 ایمان پر پیدا ہونے کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بات ان احادیث کے مخالف نہیں۔ جو
 اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر ایک بچہ اس فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے اپنی تمام
 مخلوق کو حذیف (سودہ) پیدا کیا ہے بلکہ یہ اس کے لئے موشد ہے۔ باقی یہ قول کہ بعض ارواح نے
 اس قرار کو مانا۔ اور بعض نے انکار کیا سو سدی کے سوا سلف میں سے کسی سے منقول نہیں البتہ
 سدی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم کو جنت سے نکالا۔ تو آسمان سے
 نیچے اتارنے سے پہلے انکی پیٹھ کی داہنی جانب ہاتھ پھیرا۔ اور اس سے انکی ایسی اولاد کو ظاہر
 کیا جو موتی کی طرح سفید چمکتی ہے۔ اور ان سے فرمایا کہ تم یہی رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہو
 جاؤ۔ اور پیٹھ کی بائیں جانب ہاتھ پھیرا اور اس سے انکی ایسی اولاد کو ظاہر کیا جن کے رنگ سیاہ
 ہیں۔ اور ان سے فرمایا کہ دوزخ میں چلے جاؤ۔ اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے
 کلام میں اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال سے یہی دو نگرہ مراد ہیں۔ پھر ان سے ہمدلیا اور فرمایا
 کیا میں تمہارا رب نہیں۔ سب نے اقرار کیا کہ بیشک تو ہمارا رب ہے مگر بعض نے خوشی کے ساتھ اقرار
 کیا اور بعض نے ناخوشی سے تنقیہ کے طور پر پھر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ نے کہا کہ ہم تمہارے اس اقرار
 کے گواہ ہیں تاکہ قیامت میں تم کو یہ عذر نہ ہو کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے پس ہر ایک بنی آدم کو
 اللہ کی ربوبیت کا علم و معرفت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَهُ اسْمُكَ مَعْنٰ

[illegible]

جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے، اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اور اس فطرت کے سوا کسی دوسری فطرت پر پیدا نہیں کئے جاتے۔ اور اسحاق کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پیدائش کے بعد فطرت میں تغیر واقع نہیں ہو سکتا بلکہ خود حدیث اس بات کو بیان کرتی ہے کہ بعد پیدائش فطرت میں تغیر واقع ہو سکتا ہے۔ اور اسی واسطے جانوروں کے اس منہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے اور بعد پیدائش اس کے کان وغیرہ کاٹے جیتے ہیں۔ اور جانوروں کا کوئی کچھ حصی یا کان کٹ پیدا نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کے قول کو بیان فرمایا ہے کہ کافر تھے۔ فَلْيَعْبُدُوا خَلْقَ اللَّهِ (اور میں ان کو سرور بجاؤں گا۔ تو وہ اللہ کی پیداک ہوئی صورتوں کو بدل دیا کریں گے) اور اللہ سبحانہ کو قدرت ہے کہ بندے اس کی مشیت اور قدرت سے اس کی پیدائش اور فطرت میں تغیر واقع کریں۔ بلکہ تبدیل خلق کا یہ مطلب ہے کہ اس فطرت کے سوا جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے کسی دوسری فطرت پر پیدا کئے جائیں۔ اور اس بات پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو قدرت نہیں۔ اور حق تعالیٰ اپنی حکمت سے کیسا نہیں کرتا۔ کہ ان کو اس فطرت کے سوا کسی دوسری فطرت پر پیدا کرے۔ چنانچہ فرمایا ہے لا تبدل خلق اللہ اور حق تعالیٰ نے اس جملہ کے بجائے لا تغیر لخلق اللہ نہیں فرمایا۔ کیونکہ تبدیل کا یہ معنی ہے کہ پہلی چیز جاتی ہے۔ اور اس کے بجائے دوسری پیدا ہو اور تغیر کا یہ مطلب ہے کہ اسی چیز میں کچھ تغیر اور فرقی واقع ہو اور جب ولادت کے بعد خلقت میں تغیر واقع ہوگا تو وہی خلقت بعینہ باقی نہ رہے گی۔ اور یہ قول کہ جس خلقت پر بنی آدم پیدا کئے گئے ہیں۔ اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ جو کفر پر پیدا کیا گیا ہے وہ کافر ہی رہے گا اور جو ایمان پر پیدا کیا گیا ہے وہ ایمان پر رہے گا۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جو کفر یا ایمان تقدیر میں ثابت ہو چکا ہے۔ اس کا خلاف واقع نہیں ہوتا تو یہ صحیح ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ کفر کو ایمان سے اور ایمان کو کفر سے بدلنا محال اور قدرت سے خارج ہے بلکہ بندے کو قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایمان کو اختیار اور اس کے منہ کے موافق کفر کو ترک کرے۔ اور نیکوں کو برائیوں سے اور برائیوں کو نیکوں سے بدل دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حَسْتًا اَعْلٰی سَوَیْرًا (مگر وہاں جس سے کوئی تصور سرزد ہو جائے پھر اس تصور کے بعد نیکی کرنے لگے) اور یہ سب تبدیلی حق تعالیٰ کی قضاء و قدر سے واقع ہوتی ہے۔ اور یہ اس فطرت کی تبدیلی کے خلاف ہے جس پر بندے پیدا کئے گئے۔ کیونکہ اس میں تبدیلی کرنا صرف اللہ کا کام ہے اور اللہ سبحانہ اس فطرت

کے سوا کسی دوسری پرانگو پیما نہیں کرتا۔ لہذا اس میں تبدیلی واقع نہیں۔ اور کفر کو ایمان سے یا ایمان کو کفر سے بدلنا اس قسم کی تبدیلی اللہ تعالیٰ کی طرف سے موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کے قدرتِ مبینہ سے بند ہے۔ اس پر قدرتِ مطلق ہے۔ پناہ اللہ تعالیٰ کے قول خَلَقَ مَا يَشَاءُ وَيُخَوِّضُ فِيهِ مَنْ يَشَاءُ حَيْثُ شَاءَ يَنْزِلُ ۖ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ ۚ وَاللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ يَخْتَارُ (تو جسے چاہے تم کو ایک خدا کے ہو کر اس کے دین کی طرف اپنا رخ کئے رہو تو وہ خدا کی (بنائی ہوئی) مشرت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (بنائی ہوئی) بناوٹ میں رد و بدل نہیں ہو سکتا) سے یہ مطلب ظاہر ہے۔ فطرتِ اولیٰ جس پر اللہ نے بندوں کو پیدا کیا ہے ایک محمودہ فطرت ہے کہ جس پر اپنے نبیؐ کو قائم رہنے کا حکم فرمایا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس پر قائم رہنے کا حکم فرماتا ہے۔ تو پھر کفر و ایمان کی طرف اس کا منقسم ہونا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اور اس کے متعلق شخص صابغین کی تفسیر پہلے گزری ہے کہ لا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا یہ مطلب ہے۔ کہ اللہ کے دین کے لئے تبدیلی نہیں یا اس کا یہ مطلب ہے کہ جانوروں کو خسی وغیرہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور سلف میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ کہ بندے کے احوال کے لئے تبدیلی نہیں کہ کفر سے ایمان یا ایمان سے کفر کی طرف نہیں پھر سکتا۔ کیونکہ ایسی تبدیلی موجود ہے اور جہاں یہ تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اس کا وقوع تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کو آئندہ کے تمام واقعات کا بھی علم ہے۔ لہذا یہ تبدیلی اس کے علم کے خلاف واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ جب تبدیلی واقع ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسا ہی تھا۔ اور اس لئے کہ نسبت جس کو خضرؑ نے قتل کیا تھا۔ یوں آیا ہے۔ کہ جس دن وہ پیدا کیا گیا تھا۔ اُس دن وہ کافر بنا یا گیا تھا۔ تو اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اُس کے حق میں اُسی دن سے کفر مقدر اور مکتوب ہو چکا تھا۔ چونکہ اُس کی نسبت لفظ طبع مستعمل ہوا ہے جس کے معنی یہاں لکھنے کے ہیں۔ اور اکثر لوگ لفظ طبع کو بمعنی طبیعت یعنی خلقت و جدت استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی خلقت کفر پر ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی نسبت قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ وہ نابالغ اور غیر مکلف تھا۔ بلکہ ابن عباس کی قرأت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس وقت کا فر تھا۔ اور اُس کی نسبت لفظ غلام و لڑکا کا استعمال کرنا اس کے مکلف ہونے کے مخالف نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ بالغ اور مکلف اور تھوڑے عرصے سے حد بلوغ کو پہنچا ہو اس لئے اس کو غلام کہا گیا۔ اور موسیٰؑ کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالغ تھا۔ کیونکہ موسیٰؑ نے خضر کو یوں نہیں کہا کہ تو نے ایک غیر سن بچے کو

ناحق مار ڈالنا مکمل کر لیا کہ ایک اور شاخ نکلتی ہے کہ زالا۔ ایت پر کہہ سکتے ہیں کہ حدیث میں روایت
 لایا ہو خود بخود۔ چنانچہ اس حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔ اور اس پر یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔
 نہ نابالغ رہا۔ کہ حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔ کہ حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔ کہ حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔
 دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ نابالغ رہا۔ کہ حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔ کہ حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔
 تکلیف پہنچاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نابالغ رہا۔ کہ حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔ کہ حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔
 صورتوں پر اس کے مطلب پر بیان کر سکتے ہیں کہ وہ نابالغ رہا۔ کہ حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔ کہ حدیث میں ہے کہ وہ نابالغ رہا۔
 کیا تھا۔ نہ اس صورت میں تو کوئی شک کا نہیں۔ کیونکہ وہ اس سے بڑھ کر سبب تھا۔ کیا گیا تھا جو بلوغ
 کے بعد اس سے انفرج ہوا تھا۔ اور اگر نابالغ تھا تو شاید اس شریعت میں یہ حکم ہو کہ جب لڑا کہ
 میں عقل و تیز پیدا ہو چلے تو قبل بلوغ ہی دو مکلف بالا احکام ہوتا۔ اور اگر قبل بلوغ احکام کے ساتھ
 تکلیف درست نہ ہوتی تو حید اور معرفت الہی کے ساتھ مکلف ہوتا تو کوئی محال نہیں چاہیہ
 بدست سے تکلیفیں نقصا۔ نے طفیلہ و حسنا بلوغ و غیرہ اس کے قابل ہیں۔ پس اس بنا پر ثبوت ہے۔
 کہ وہ قبل بلوغ ایمان کے ساتھ مکلف ہوا اگرچہ احکام شریعت کے ساتھ مکلف نہ ہو۔ اور یہی حاکم
 کا کفر اکثر علماء کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ اور جب دن سے پھر جائے۔ تو وہ مردہ شمار کیا جاتا
 ہے۔ لیکن بالغ ہونے تک اس کو قتل کرنا درست نہیں۔ پس وہ لڑکا جس کو خنجر سے قتل کیا۔ یا تو
 وہ کافر بالغ تھا یعنی بعد بلوغ اس نے کفر اختیار کیا تھا۔ تو اس صورت میں تو کوئی شک نہیں
 یا نابالغ تھا۔ مگر اس شریعت میں شاید مکلف بالا احکام نہ ہو بلکہ صرف توحید اور معرفت الہی
 کے ساتھ مکلف ہو اور اس شریعت میں ایسے لڑکے کو چھ توحید اور معرفت کا منکر موقوف کرنا
 جائز ہو گا۔ یا کسی چیز کے ساتھ مکلف نہ ہو۔ اور اس کو عرف اس واسطے قتل کیا گیا کہ الدین
 نے لئے باعث فتنہ نہ ہو اور ان کو ان کے دین سے نہ پھیرے۔ جیسا کہ ہماری شریعت میں
 اس کافر بچے کو قتل کرنا درست ہے۔ جس کے قتل کے بغیر اس کا ہر مسلمانوں سے مدفع اور
 دُور نہ ہو۔ اور ایسے لڑکے کو جس کے والدین مسلمان ہوں اور اس نے کوئی بات کفر کی ظاہر نہ
 کی ہو۔ اس وجہ سے قتل کرنا کہ اس کی نسبت معلوم ہے کہ جب وہ بالغ ہو گا تو کفر اختیار کریگا۔ اور
 والدین کو فتنے میں ڈالے گا۔ قرآن اور حدیث سے اس کا جواز معلوم نہیں ہوتا۔ اور نہ اللہ سبحانہ
 نے کسی شخص کو ان کاموں پر جن کی نسبت اس کو علم ہے کہ وہ اس سے ضرور سرزد ہونگے جب تک
 وہ صادر نہ ہوں مزادینہ کا حکم دیا ہے۔ اور نہ اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو ان کاموں پر جن کی نسبت

تو اکثر علماء کے نزدیک اس کے کفر اور مرتد ہونے کا استنباط بہت آسان ہے۔ لیکن اُس کو کافر و مرتد کہا جائیگا۔ اور بارغ ہونے نہ اس کو قتل کرنا درست ہے۔ یہی چیز شاید کہ اس شریعت میں ایسے صیغہ میں ہے کہ قتل کرنا درست ہو گا جو عموماً حسبِ عقل و تدبیر کرنا ضروری ہے۔ اور اگر ایسا جبراً تھا کہ ابھی اُسے قتل و قہر حال نہیں ہوا تھا۔ تو اس درستی میں ایسے ہیچے کو قتل کرنا نہ فساد اُس لڑکے کے ساتھ خاص ہو گا کیونکہ حق تعالیٰ نے خلیفہ کو بتلایا تھا کہ یہ لڑکا باغ ہو گا۔ دلائل کے دین کے سوا دوسرا دین اختیار کریگا۔ ابن عباسؓ کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ سے نجدہ نے کفار کے لڑکوں کے قتل کرنے کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تم کو ان کا دیرسا حال معلوم ہو جائے پس اس خطہ کو اُس لڑکے کی نسبت معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کفر اختیار کریگا۔ تو تم ان کو قتل کر سکتے ہو۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب وہ فطرت دیر سے اسلام پر پیدا ہوا اور اُس کے والدین مسلمان تھے تو پھر کفر کہاں سے آیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کہ لڑکے کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں یہ مطلب ہے کہ بچے کی گراہی کا باعث اکثر والدین ہوتے ہیں۔ مردہ اس میں حصہ نہیں کہ والدین ہی گراہی کا باعث ہو یا کبھی والدین کے سوا کسی دوسرے لوگ بھی اس کا باعث ہوتے ہیں۔ پس یہ لڑکا اگر اس وقت کافر تھا۔ تو والدین کے سوا کسی دوسرے کی تعلیم و تلقین سے کافر ہو گیا ہو گا۔ اور اگر اس وقت کافر نہ تھا بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ بڑا ہو کر کفر اختیار کریگا۔ تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔

فصل۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کہ دے بچے کے والدین اُس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں یہ مطلب بیان کرنا کہ اس سے صرف دنیا کے احکام کا بیان کرنا مقصود ہے کہ بچہ دنیاوی احکام میں ماں باپ کی تابعداری سے یہودی۔ نصرانی یا مجوسی شمار ہو گا۔ اور آپ کے قول کا یہ مطلب نہیں کہ والدین اُس کی فطرت کو تغیر و تبدیل کر دیتے ہیں (حدیث کے مدلول اور معنی کے خلاف ہے۔ آپ نے اطفال کو یہودیت وغیرہ کفر سکھانے کو موافقی کے کان کھٹنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی جیسا تغیر و تبدل موافقی کے بچوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح کا تغیر و تبدل آدمیوں کی اولاد کی فطرت میں واقع ہوتا ہے کیونکہ یہ حدیث آپ نے اس موقع پر بیان فرمائی ہے کہ جب باپ کے روانہ کئے ہوئے لشکر کے آدمیوں نے مشرکین کی اولاد کو بھی مار ڈالا اور آپ نے اُنکے قتل کرنے پر عتاب فرمایا۔ اور صحابہ نے عرض کیا کہ وہ مشرکین کی اولاد تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ ہر ایک بچہ فطرت پر

پیدا ہوتا ہے اس حدیث سے اگر آپ کا یہ مطلب ہوتا کہ بچہ و نیاری احکام میں اپنے ماں باپ کے تابع ہے تو یہ حدیث اولاد شریکین کے قتل سے منع کرنے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ قید کرنا اولاد کے لئے سند ہے کہ وہ بچے اپنے ماں باپ کی تابعداری سے کافر تھے اور ہم نے ہمارے قتل کیا ہے اور چھوٹے بچے کا دنیاوی احکام میں ماں باپ کے تابع ہونا صرف ایک مصداق اور ضرورت پر مبنی ہے وہ مصداق یہ ہے کہ چھوٹے بچے کے لئے جب تک کوئی مربی اور پرورش کرنے والا نہ ہو تو عاۃً دنیا میں اُس کا بقا و شہارہ ہے۔ اور چونکہ والدین اُس کی پوری طرح تربیت کرتے ہیں لہذا اس ضرورت کی وجہ سے اُن کا تابع قرار دیا گیا۔ اور اسی واسطے کفار کا بچہ جب اکیلا قید کیا جاوے تو جمہور علماء ابو حنیفہ رحمہ شافعی رحمہ احمد رحمہ اور احناف وغیرہ کے نزدیک وہ قید کرنے والے کے تابع ہوتا ہے تاکہ وہ اسکی پرورش کرے۔ اور جب ماں باپ سے ایک کے ساتھ یا دونوں کے ساتھ قید کیا جائے۔ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہت سے فقہاء مثلاً احمد وغیرہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ جب وہ ماں باپ سے علیحدہ کیا جائے تو وہ مسلمان ہوگا۔ کیونکہ اگر یہ حکم نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہو جائے۔ کہ ماں باپ بچے کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی نہیں بناتے اور نہ اُس کی فطرت کو متغیر کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ بچہ دنیاوی احکام کے لحاظ سے والدین کا تابع ہوتا ہے۔ اور سیدھی دلیل یہ ہے کہ بچہ فطرت یعنی ہلکت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سے ماں باپ اس کو ہٹاتے ہیں پس جب وہ ماں باپ سے علیحدہ قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا۔ تو ایسی صورت میں اُس کے فطری دین کوئی شخص تبدیل کرنے والا موجود نہیں۔ اور اس کی پیدائش ملت حنیفیہ اور اسلام پر ہے لہذا وہ مسلمان ہوگا کیونکہ اُس کی فطرت اسلام کی مقتضی ہے اور کوئی مخالف و معارض موجود نہیں۔ اور اگر حدیث کا یہ مطلب ہو کہ ماں باپ حقیقتہً بچے کو کافر بنا دیتے ہیں اور یہ مطلب نہ ہو کہ تعلیم و تلقین کفر کی وجہ سے اُس کے کفر کا باعث ہوتے ہیں۔ تو کفار کا چھوٹا بچہ جو قید کیا جائے بالغ کافر کی مانند ہونا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ بالغ کافر کو جب مسلمان قید کر لیں تو وہ مسلمان نہیں ہو جاتا کیونکہ وہ حقیقتہً کافر ہو چکا ہے۔ پس اگر صغیر بن بچہ والدین کی تابعداری سے حقیقتہً کافر ہو جاتا تو قید کی وجہ سے کفر سے اسلام کی طرف منتقل نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف دنیاوی احکام میں والدین کی تابعداری سے اُس پر کفر کا حکم جاری ہوتا ہے یہ نہیں کہ نفس الامر میں وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور اگر کفار کے بچے کو کافر لوگ ہی

کر لیں۔ اور اس کے ساتھ ان باپ جو دہ بدوں نہ پھر مسلمان نہیں رہ جاتا۔ باہر صورت میں
 دنیاوی احکام کے لحاظ سے وہ کافر ہو جاتا ہو گا۔ اگرچہ اس کے دل یا پیشہ اس کو یوہودی یا
 نصرانی نہیں بنایا۔ اس سے مسلم ہو کر جہاد کا مطلب یہ ہے کہ کافر مال یا بی بی بچے کو کفر
 کی تلقین تعلیم کر نہ لیں۔ اور اگرچہ وہ مسلمان نہ ہو۔ لیکن اگر وہ ایمان کو اپنے ذکر فرمایا ہے۔
 کہ اکثر بچوں کی تربیت والدین کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور ان میں جہاں تک سکتا ہو۔
 اولاد کی تربیت میں کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ مضمون دوسرے حدیث سے یہ الفاظ سے بھی ظاہر
 ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔
 یہاں تک کہ (اُسے عقل تمیز نہ ملے) اور سوچ سمجھ کر کلام کرنے لگے۔ اس کے بعد بعضے اللہ تعالیٰ
 کے شکر گزار رہتے ہیں۔ اور بعضے کافرانہ انداز میں جلتے ہیں عقل اور تمیز کے ساتھ آپ سننے
 بچے کو فطرت پر قرار دیا ہے۔ اور عقل و تمیز کے بعد اس کو کفر و ایمان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اور
 اپنی مرضی سے ایک کو اختیار کرتا ہے۔ اور اگر مال یا بی بی کے کفر کی وجہ سے وہ حقیقت کافر
 ہوتا تو پیدا ہونے کے وقت سے ہی کافر ہوتا۔ اور اسی طرح ایک دوسری حدیث کے الفاظ
 سے بھی یہی مطلب منہم ہوتا ہے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف
 (اصل تو عید) پیدا کیا ہے پھر شیاطین نے ان کو فریب دینا شروع کیا۔ اور جو چیزیں میں نے ان
 پر حلال کی تھیں وہ ان پر حرام کر دیں۔ اور میرے ساتھ ایسی چیزوں کے شریک کرنے کا
 ان کو حکم دیا۔ جن کے لئے میری طرف سے کوئی دلیل نہ تھی۔ یہ حدیث صراحتاً اس بات پر
 دل ہے کہ سب آدمی ملت حنیفہ پر پیدا کئے گئے ہیں اور شیاطین نے ان کو فریب دیا اور
 ان پر حلال چیزیں حرام کر دیں۔ اور خدا کے ساتھ شرک کرنے کا ان کو امر کیا۔ اگرچہ جب سے
 پیدا ہوتا ہے ماں باپ کی تابعداری سے حقیقت فی الواقع کافر ہو بدوں اس کے کہ کوئی شخص
 اس کو کفر کی تلقین و تعلیم کرے تو لازم آتا ہے کہ شیاطین نے آدمیوں کو ملت حنیفہ سے نہیں
 پھیرا اور نہ ان کو شرک کا حکم کیا بلکہ وہ پہلے ہی کافر و مشرک تھے اور یہ بات اس حدیث کے
 مخالف اور مناقض ہے۔

فصل۔ اس مسئلہ میں ہشتبہا کا یہ منشا ہے کہ کفر کے دنیاوی احکام کو کفر کے اخروی احکام کے ساتھ
 مشتبہ نہ رہیں بلکہ سمجھا گیا ہے پس چونکہ کفار کی اولاد پر دنیا میں گھر کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً

اُن پر انکے باپ کو ولایت اور تربیتِ تعلیم اور تادیب کے حقوق حاصل ہیں۔ اور کفار اور انکی اولاد کے درمیان وراثت جاری ہو سکتی ہے۔ اور اُن کو غلام بنالینا درست ہے و غیرہ اس قسم کے کئی احکام ہیں جو کفار کی اولاد پر دنیا میں جاری ہیں۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ کفار کی اولاد فی الواقع کافر ہے۔ اور ان کے اور بلیغ کفار کے درمیان جو کہ کفار کی طرح کلمات کفر کہتے اور انکے مطابق عمل کرتے ہیں۔ کوئی فرق نہیں۔ اور اسی واسطے محمد بن حسن نے کہا ہے کہ حدیث کل مولود یولد علی الفطرة الا حکام کے نازل ہونے سے پہلے آپ نے فرمائی تھی۔ اور ہماری تقریر سے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ اطفال کا فطرۃ پر پیدا ہونا احکام دنیا کے لحاظ سے کفر میں والدین کے تلویح ہونے کے منافی اور مخالف نہیں۔ اور ہمارے بیان سے یہ شبہ دفع ہو گیا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ کفار کے ملک میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ و ہرہ پر ایمان لاتے اور اپنے ایمان کو کفار سے چھپائے رکھتے ہیں۔ اور مسلمان انکے حال سے واقف نہیں ہوتے تو دنیا میں ایسے لوگوں کو نہ تو غسل باجائز نہ اُن پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اور ستر کین کے ساتھ دفن ہوتے ہیں مگر آخرت میں وہ الٰہی جنت ہونگے جیسا کہ اس کے برخلاف منافقین پر دنیا میں مومنین کے احکام جاری ہوتے ہیں اور آخرت میں وہ دوزخ کے پہنچے کے طبقے میں ہونگے غرض دار آخرت کے احکام دنیا کے احکام سے جدا اور مغایر ہیں۔ سخت صدمہ کہ اس قول کل مولود یولد علی الفطرة سے اس خلعت کا بیان کرنا مقصود ہے۔ جس پر بنی آدم پیدا کئے گئے ہیں۔ اور نیز اس سے یہ بتلانا مقصود ہے۔ کہ جب فطرت کے مطابق عمل کریں گے۔ اور وہ مخالف چیزوں سے محفوظ رہیں گے۔ تو آخرت میں ثواب پائیں گے۔ اور اگر اس کے خلاف کیا تو سزا ملیگی۔ اور اس حدیث سے احکام دنیا کو بیان کرنا آپ کو مقصود نہیں اور یہ بات نہ تعبیر سے بدیہی اور ضروری طور پر معلوم ہے۔ کہ کفار کی اولاد دنیاوی احکام میں کفار کے تابع ہے۔ اور کفار جب ذمی ہوں تو اُن کی اولاد اُن سے غصب نہیں کی جائیگی اور اگر حرلی ہوں تو انکی اولاد کو بھی غلام بنالینا درست ہے۔ اور اس مسئلہ میں کسی اہل اسلام کا خلاف نہیں۔ ہاں اُس لڑکے کی بابت اختلاف ہے۔ جس کے والدین دو توفت ہو جائیں۔ یا اُن میں سے ایک مرجائے۔ تو اُس کو مسلمان کہا جائیگا یا نہیں۔ امام احمد سے اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ ماں باپ دو تو یا ان میں سے ایک کے مرنے سے لڑکا مسلمان شمار ہوگا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ بچے کے ماں باپ اُس کو

بیہوشی یا مجوسی بخلاف ہیں۔ اور اس کے ان باپ و جد نہیں اور نہ نظر استیعنی اسلام پر
 پیدا ہوا ہے لہذا وہ مشرک مان ہوگا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے اور
 یہی جہود کا قول ہے۔ ہر اسے استاذ فرماتے ہیں۔ کہ یہی قول حق اور مواب ہے بلکہ مسلمانیہ
 اور خلعت کا اس پر اطلاق ہے اور صحیح قول سے ثابت ہے۔ بر بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ
 رسول خدا ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ۔ دار النبیؐ۔ خیبر۔ بخران یمن وغیرہ
 مفاہات میں ذمی کفار آباد تھے۔ ایران میں سے کئی کافر صغیر السن اولاد قید کرکرت ہو جاتے
 تھے۔ مگر انھیں نہ معلوم کسی ذمی کی اولاد کی نسبت حکم نہ دیا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی
 اولاد مسلمان ہے۔ اور اسی طرح خلفاء کے زمانے میں شام۔ مصر۔ عراق۔ خراسان وغیرہ ممالک
 میں ذمی کافر موجود تھے۔ اور ان میں سے ہزاروں آدمی مرتے اور ان کی اولاد یتیم رہ جاتی۔ مگر
 خلفائے کفار کے مرنے کے بعد ان کی اولاد میں سے ایک بچے کے اسلام کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ خلیفہ
 ذمہ کا مقتضی یہ ہے کہ کفار کو آپس میں ایک دوسرے پر ولایت حاصل ہو۔ پس دوسرے کفار
 اپنے یتیم بچوں کی تربیت کے ایسے ہی متولی ہیں جیسے کہ ان کے والدین ان کے متولی تھے۔ خود امام احمد
 کا بھی قول ہے کہ جب کافر ذمی مر جائے تو اس کا صغیر السن بچہ اس کا وارث ہوتا ہے باوجودیکہ
 وہ ایک روایت میں یوں فرماتے ہیں۔ کہ وہ بچہ مسلمان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ذمہ
 کی اولاد اسلئے وارث ہوتی ہے کہ ان کا اسلام اور استحقاق وراثت دونوں ایک وقت میں
 حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی جب ان کے والدین فوت ہوتے ہیں اسی وقت وراثت کے مستحق
 ہوتے ہیں۔ اور اسی وقت ان کے لئے اسلام کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اگر اسلام پہلے سے
 حاصل ہوتا تو اختلاف دین کی وجہ سے والدین کے وارث نہ ہوتے۔ اور امام احمد نے اس
 بات کی تصریح کی ہے کہ اگر کوئی کافر ذمی ایسی حالت میں مرے کہ اس کی جود حاملہ ہو تو وہ بچہ جو
 اس کے مرنے کے بعد پیدا ہو اس کا وارث نہیں ہوتا۔ کیونکہ باپ کے مرنے سے اس کو
 مسلمان شمار کیا جاتا ہے۔ اور وراثت کا استحقاق پیدا ہونے کے وقت سے حاصل ہوتا ہے۔
 اور اگر دوسرے شخص کا حمل ہو تو بھی یہی حکم ہے جیسا کہ ایک ذمی اپنے بیٹے یا بھائی کی جود
 کو حامل چھوڑ کر پھر وہ عورت و نسحل سے پہلے مسلمان ہو گئی۔ تو یہ بچہ جو اپنے دادا یا چچا کے
 مرنے کے بعد پیدا ہوا ان کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ جو اس وقت سے مسلمان سمجھا گیا ہے جس
 وقت سے اس کی ماں نے اسلام قبول کیا۔ تنہا ہر ایسا ہی پہلی صورت میں باپ کے مرنے

سے وہ سمان سمجھا گیا۔ اور ہم امام احمد اس مسئلہ میں جس دور کے ساتھ واقف نہیں۔ کہ اگر کفار کے پیچھے کے
والدین و اہل گھر پڑیں۔ نہ اس پر اسلام کو حکم جاری نہیں ہوگا۔ اور اگر والدین کی موت
و غیر ذلک کے لحاظ سے اس کا مسئلہ اس میں جو فرق ہوگا۔ اور دارالاسلام میں کوئی فرق
نہ ہوگا۔ کیونکہ اسلام کا مقصد ہی یہی ضرورت اور جگہ۔ اور اسے اسلام یعنی والدین کا وجود ہر دو
صورت میں منظور ہے۔ اور جو شخص خدا بلائیے۔ پیچھے کے اسلام کے قائل ہیں۔ گمان کا تو اس میں
باطل ہے۔ کیونکہ یہاں بہت معلوم ہے کہ عارب کفار میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی
کے تہمت پر ہوتے اور بعد میں بروع کو پہنچتے ہیں حالانکہ عارب کافروں کے سبب حکام ان پر جاری
ہیں۔ تیسری روایت یہ ہے کہ اگر ایسا بچہ کفار کی پرورش میں ہو تو وہ اپنے ماں باپ کے
دین پر ہوتا ہے۔ اور اگر مسلمانوں کی کفالت میں ہو تو مسلمان شمار ہوگا۔ یعقوب بن یحییٰ بن
کی روایت میں امام احمد نے ایسا ہی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ خلیل نے اپنی جامع میں ذکر کیا
ہے۔ کہ کسی شخص نے امام احمد سے یہ مسئلہ پوچھا۔ کہ اگر کسی مسلمان کے پاس نصرانی کنیز موجود
ہو۔ اور کافر سے اس کی اولاد پیدا ہو پھر وہ مر جائے۔ تو وہ بچے کا فرہنگ یا مسلمان یا کافر
نے جواب دیا کہ جب مسلمان انکی پرورش کریں اور ان کے لئے مسلمانوں کے سوا کوئی پرورش
کرنے والا نہ ہو۔ تو وہ مسلمان ہونگے۔ سائل نے پوچھا کہ اگر ماں کے مرنے کے بعد تھوڑی
دیر میں وہ بچہ بھی مر جائے تو امام احمد نے جواب دیا کہ اس کو مسلمان دفن کریں۔ اور اس روایت
کو اگرچہ اکثر حنا بلہ نے ذکر نہیں کیا۔ اور جامع خلیل میں یہ مذکور ہے۔ مگر دلیل کے لحاظ سے تمام
اقوال سے زیادہ صحیح ہے۔ اور ہم اسی کو پسند کرتے ہیں۔ اور اس روایت کے مطابق سب
اولہ باہم موافق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ صغیر بن یحییٰ دین میں اپنے مالک اور قید کرنے والے کے تابع
ہوتا ہے۔ پس ایسا ہی اپنے کفیل اور پرورش کرنے والے کے تابع ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ
یہ ہے کہ وہ بنات خود با اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جس
کے تابع ہو۔ پس کفیل اور پرورش کنندہ کی تابعداری کے لحاظ سے اس کو مسلمان شمار کرنا
ماں باپ کے کفر کی وجہ سے اس کو کافر قرار دینے سے اولیٰ اور بہتر ہے۔ حالانکہ انکی تابعداری
اس سے منقطع ہو چکی ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ اس کے کفیل کافر ہوں۔ اس صورت میں
وہ اس کے والدین کے قائم مقام ہونگے۔ اور جبکہ اس کا والد یا والدہ یا کوئی دوسرا کافر شدہ دار
کفیل ہو جائے۔ تو ماں باپ کے نہ ہونے کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ وہ بچہ کفار کی کفالت کی وجہ سے

کافر شہزادہ چکا۔ غرض یہ قول اولہ کے بچاٹے سے رائج اور صحیح معاموں پر نہایت ہے واللہ اعلم۔ اس مقام میں ان سائل بائن سور کا ذکر ناچار جن کی وجہ سے سچے مسلمان شہزادہ کیا جاتا ہے ہمیں مقصود نہیں کیونکہ ان سائل اور امور کو ہم نے اپنی اس کتاب میں جو اہل سئل کے احکام کے متعلق لکھی گئی ہے۔ تفصیل کے ساتھ دلائل طور پر ذکر کیا ہے۔ اور اس کے باب میں صاف و غلط کے امتلافات اور اس کے ماخذ سب کچھ بیان کر دیے ہیں۔ یہاں پر صرف فطرت کو ذکر کرنا مقصود ہے اور اس بات کا ثبوت نہ نظر ہے کہ فطرت سے حیثیت مراد ہے۔ اور وہ اس کے منافی نہیں۔ کہ بعض لوگ پہلے سے تقدیر میں شقی لکھے گئے ہیں۔

فصل اول۔ ابو عمر کہتے ہیں۔ کہ بعض لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کل مولود یولد علی فطرۃ کے معنی کی نسبت یہ کہتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں فطرت کے ذکر کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر و ایمان یا معرفت و انکار کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ آپ کا مقصود صرف خدا متنا ہے کہ ہر ایک سچے خلقت۔ طبع اور بناوٹ کے لحاظ سے صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے اس خلقت کے ساتھ کفر یا ایمان یا معرفت یا انکار کو فی چیز موجود نہیں ہوتی بلکہ بطن کے بعد جب سن تمیز کو پہنچتا ہے۔ تو اس وقت کفر یا ایمان کو اختیار کرتا ہے۔ اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں جس طرح کو مویشی اپنے بچے صحیح و سالم جتنے ہیں کیا دیکھتے ہو کہ ان میں کوئی کان کٹا پیدا ہوتا ہے اسے استدلال کرتے ہیں۔ آپ نے نبی آدم کے قلوب کو بائٹم سے اس بات میں تشبیہ دی ہے کہ جس طرح بائٹم کاملۃ الخلق پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں نقصان ظاہر نہیں ہوتا۔ اور پیدائش کے بعد لوگ ان کے کان وغیرہ کاٹ کر ان کے مختلف نام مقرر کرتے ہیں کسی کو ساٹھ اور کسی کو بچہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ولادت کے وقت نبی آدم کے قلوب کا حال ہے کہ اس وقت ایمان میں کفر و ایمان یا معرفت و انکار کچھ موجود نہیں ہوتا۔ اور جب بالغ ہوتے ہیں تو شیاطین ان کو ہوا اور خواہش پرستی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس پر اکثر کافر ہو جاتے اور بعض کو حق تعالیٰ بچا لیتا ہے۔ یہ لوگ اپنے استدلال میں یوں کہتے ہیں کہ اگر اطفال ولادت کے وقت کفر یا ایمان میں سے کسی چیز پر مقرر ہوتے تو کبھی اس سے منتقل ہو سکتے حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ ایمان لاتے اور پھر کافر ہو جاتے۔ پھر ایمان لاتے ہیں۔ اور نیز یہ دلیل بیان کرتے ہیں۔ کہ اطفال کا ولادت کے وقت کفر یا ایمان اختیار کرنا اور ان کے ساتھ ان کا موصوف ہونا محال ہے کیونکہ حق تعالیٰ ان کو ماں کے پیٹ سے ایسی حالت میں نکالتا

ہے کہ ان کو کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی اور جس شخص کو کسی چیز کی خبر نہ ہو اُس سے کفر یا ایمان معرفت یا انکار کا صبر و حال ہے اور نیز تم میں فطرت کے تحت خالق ہیں پس یہ کیا ہے؟

یہی قول ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ فطرت یعنی سلامت واستقامت ہے جیسا کہ عیاض بن حماد علی حدیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا ہے یعنی سلامت واستقامت پر پیدا کیا ہے واللہ اعلم اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنیف اُس شخص کو کہتے ہیں جو تمام اوقات اور محالوں سے بچا ہوا اور طاعات سے خالی ہو یعنی ولادت کے وقت اطفال سے کوئی طاقت یا مصیبت صمد وغیرہ ہوتی۔ کیونکہ اس حالت میں کسی چیز کے کہنے پر وہ قادر نہیں ہوتے اور نہ کسی چیز کی خبر ہوتی ہے۔ اور نیز یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا يَخْرُجُ مِنَ الْكُفْرِ مَنْ كَفَرَ ثُمَّ تَابَ وَآمَنَ (تم کو صرف تمہارے لئے کہا دیا جاتا ہے) وقال تعالى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ رَجِيْعًا لِّهٖرِابٌ حٰثٍ اِلَيْهِمْ اَعْمَالُ (اور جو شخص عمل کرنے کے وقت کو نہیں پہنچا وہ کس طرح کسی چیز کے ساتھ مرہون ہو گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْهُمْ حَتّٰى يُخْرِجُوْهُم مِّنْ دُوْنِهِمْ (اور جب تک ہم رسول بھیج کر (اتمام حجت) نہ کر لیں کسی کو اُس کے گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے) ہمارے استاذ فرماتے ہیں کہ اس قول سے اگر ان کا یہ مطلب ہے (کہ نبی آدم کے اطفال و ولادت کے وقت معرفت اور انکار سے خالی پیدا ہوتے ہیں اور فطرت ان دونوں سے کسی کی مقتضی نہیں ہوتی۔ بلکہ اُن کا قلب اُس نوع کی مانند خالی ہوتا ہے جس پر کفر یا ایمان دونوں لکھے جا سکتے ہیں یعنی وہ دونوں کے لئے یکساں قابل ہے ان دونوں سے کسی ایک کے لئے اُس میں کوئی زیادہ قابلیت نہیں) تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس معنی کے مطابق فطرت کو معرفت، انکار، یهودیت، نصرانیت اور اسلام سب سے یکساں نسبت ہے کہ یہ سب چیزیں بعد میں اسباب کے ذریعے سے پیدا ہوتی ہیں پس اس بناء پر حدیث کے الفاظ اس طرح ہونے چاہئے تھے کہ پچھلے کے ماں باپ اُس کو مسلمان یا یہودی نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ اور جب آپ نے یوں فرمایا ہے کہ پیچھے کے والدین اس کو کافر بناتے ہیں۔ اور اس موقع پر آپ نے مل فاسدہ کا ذکر کیا ہے اور ولایت حقہ اسلام کا نام نہیں لیا تو معلوم ہوا کہ اسلام کا حصول کسی ایسی چیز سے ہے جو کفر کے اسباب کے علاوہ ہے اور نیز اس سنی کی بنا پر قلب میں سلامت یا عدم سلامت اور استقامت یا زنج رکھی کوئی چیز موجود نہ ہوگی کیونکہ قلب کو سب چیزوں سے یکساں نسبت ہے کسی چیز کے ساتھ اُس کو کوئی خصوصیت

ہر حال میں ضروری ہے۔ اس کے بعد جو کہ بتیہ ہو تو نہ کہ ضروری ہو گا اور نہ ضروری نہیں ہو گا۔
 اور جب معرفت کا حصول ضروری نہ ہو تو فطرت میں معرفت اور ایمان کی معرفت قانیہ ثابت
 ہوتی۔ اور اس وقت فطرت کے لئے یہ غلط ہے ایمان کے فطری اور نہ مستند و ایمانیہ کچھ فرق نہ رہا کیونکہ
 نفس فطرت ہر ایک کے لئے قابل اذیت ہے اور معرفت و ایمان کا وہ دل موثر خارجی پر موقوف
 ہے اور یہ وہی صورت ہے جس کو ہم پہلے قول میں باطل کر چکے ہیں۔ اور اس کا نسبت بیان کیا
 ہے۔ کہ ایسی فطرت قابل مدح نہیں رہتی۔ اور اگر فطرت میں ایسی فطرت موجود ہے جو بذات خود
 حصول معرفت کی مقتضی ہے۔ مگر ایسے اشیا جس کو اس کو اذیت معرفت تعلیم کریں موجود نہ ہوں
 اور نہ وہ کسی سے اذیت معرفت کو سنے مگر اس میں خود ایک ایسی قوت موجود ہے جو معرفت کی مقتضی
 ہے۔ خواہ بدول اسباب معرفت کا حصول ضروری ہو یا ایسے اسباب سے حاصل ہو جو استدلال کا
 کلام سنے بغیر نفس میں ترتیب داری نہ ہو جائے کیونکہ نفس میں کبھی ایسا صحیح استدلال اور فکر
 پیدا ہوتا ہے اور اس سے یہ لازم آیا کہ ہر ایک شخص میں معرفت ایمان کا مقتضی موجود ہے اور یہی ہمارا دعویٰ
 اور مطلوب ہے اور چونکہ مقتضی نام مقتضی کے وجود کو مستلزم ہے تو اس سے لازم
 آیا کہ دونوں میں سے ایک کلمہ ہونا ضروری ہے۔ فطرت معرفت مستلزم ہو یا فطرت ایمان کے مستلزم ہو یا دونوں کا
 مساوی ہوں اور فطرت قابل مدح نہ ہے۔ خلاصہ دلیل یہ ہے کہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ فطرت
 کے لحاظ سے معرفت اور ایمان کا حصول ممکن ہے۔ اس کے بعد دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ فطرت
 ایمان اور معرفت کے حصول کی موجب اور مستلزم ہو یا اس کے حصول کے لئے موجب اور مستلزم
 نہ ہو۔ اور اس صورت میں فطرت کیلئے حصول ایمان ضروری نہ ہو گا۔ اور نیز اس صورت میں فطرت
 کے لحاظ سے نفس اور ایمان میں کچھ فرق نہ ہو گا۔ کیونکہ دو نو کا حصول اسکے لئے ممکن ہے۔ اور اس
 طرح فطرت قابل مدح نہ ہوگی۔ لہذا ثابت ہوا کہ فطرت معرفت کو مستلزم ہے بشرطیکہ کوئی مخالف اور
 معارض موجود نہ ہو۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فطرت معرفت کے لئے موجب اور مستلزم نہیں۔ مگر
 اس کے حصول کی طرف اس میں تیلان موجود ہو گیا ہے۔ اور انکار اور کفر کے بھی قابل ہے۔ تو اس
 پر شبہ ہو سکتا ہے کہ جب فطرت معرفت کو مستلزم نہیں تو معرفت کبھی موجود اور کبھی معدوم ہوگی۔
 اور نیز صرف فطرت سے اس کا حصول مقصود نہ ہو گا۔ بلکہ وہ دوسرے شخص کے ذریعہ سے حاصل
 ہوگی۔ مثلاً ماں باپ وغیرہ کی تعلیم و تلقین سے حاصل ہوگی۔ تو اس صورت میں اسلام۔ یہودیت نصرانیت
 اور مجوسیت میں کچھ فرق نہ ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض دین فطرت سے نہایت

بنید ہیں جیسے مجوسیت۔ پس اگر فطرت اسلام کی مقتضی نہ ہو تو اس کو اسلام سے وہی نسبت ہوگی جو یہودیت۔ نصرانیت کو مجوسیت سے ہے اور اس بنا پر حدیث میں اسلام کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ اور بشر لازم آتا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا یا نہ کرنا یا جیسا کہ تو زاد بچہ بغیر تعلیم و تادیب کے ماں کا دودھ نہ پئے۔ اور شاید اسکے حالات پر شاید ہے۔ کیونکہ شیچے کے منہ میں جب بستان و بریا ہوا ہے۔ تو وہ خود بخود دودھ چوسنے لگتا ہے اور جب کوئی معارض موجود نہ ہو تو اس کا دودھ پینا ضروری امر ہے اسکی خلقت ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ ضرور دودھ پیکے گا۔ اور اسی طرح وہ ایسی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اس کو اپنے خالق کی محبت حاصل ہو۔ اور جب کوئی معارض اور مخالفت نہ پایا جائے تو اس کے لئے معرفت کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ اور نیز نفس انسانی میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے سامنے اپنی عاجزی کا ظہور اور اسکی عبادت میں خلاص۔ حق تعالیٰ کے ساتھ کفو و شرک۔ اس سے اعراض کرنا اور اس کی یاد کو بھولنا ان سب امور کی نسبت فطرت کی طرف یکساں ہے یا پہلے قسم کے امور کو فطرت مقتضی ہے اور دوسرے قسم کو مستعدی نہیں اگر ان کو فطرت کی طرف یکساں نسبت ہے تو فطرت کی مدد کی نفی لازم آتی ہے اور نیز مجوسی بنانے اور اسلام کی تعلیم و تلقین کرنے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ پس اس حدیث میں اسلام کا ذکر بھی ضروری ہے اور یہ دونوں باتیں باطل اور ناجائز ہیں۔ اور اگر فطرت میں پہلے قسم کے امور کا مقتضی موجود ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ معارض کے موجود نہ ہونے کے وقت اپنے مقتضی کو مستلزم ہو۔ دوسری یہ کہ مقتضی کا حصول کسی دوسرے شخص پر موقوف ہو۔ اگر اپنے مقتضی کو مستلزم ہے تو ثابت ہوا کہ اسلام و توحید فطرت کے لوازم میں سے ہیں۔ اور ہر ایک سچے اسلام پر پیا ہوتا ہے۔ اور جب تک کہ کوئی مفہد اس کو متغیر و متبدل نہ کرے تو وہ اسلام پر رہتا ہے۔ اور اگر اس کا حصول دوسرے شخص پر موقوف مانا جائے۔ تو وہ شخص جس طرح اس فطرت کو صیغہ بناتا ہے۔ ایسا ہی وہ اس کو مجوسیہ بناتا ہے۔ ان دونوں کوئی فرق نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ فطرت میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو اللہ سبحانہ کی محبت۔ اس کے سامنے عاجزی ظاہر کرنے اور اس کی عبادت و طاعت میں خلاص کو موجب ہے اور جب وہ معارض سے سالم ہو تو اپنے مقتضی کو مستلزم ہے جس طرح کہ فطرت میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو شرب لبن (دودھ پینا) کی مقتضی ہے۔ اور فطرت دودھ کی محبت اور طلب پر مجبول و مخلوق ہے۔ اسکی توجیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ جتنے حکامات ارادہ انسان سے صادر

ہوتے ہیں سب کی موجب ایک قوت ہے جو انسان کے اندر موجود ہے اور جب انسان کے
 ان افعال کے بعد دور ممکن ہے کہ وہ اپنے خالق سے محبت کرے۔ اس کی عبادت پہنچا
 لائے اور اس کی عبادت کے طاعت میں اپنا خلاص پیدا کرے۔ تو ان افعال کے لئے انسان
 میں ایک قوت کا موجود ہونا ضروری ہے جو ان کی موجب مقتضی ہو کیونکہ افعال اور وہ کام
 سب اسی شخص کی طرف سے ہو سکتا ہے جو صاحبِ حیاتیت و ارادہ اور ان کے کرنے پر
 قادر ہو۔ اور ارادہ میں معرفت اور کاشعور شرط ہے پس نفوس میں جو اندہ سبحانہ کی محبت
 کی قوت موجود ہے۔ جب اس مکان کو شعور حاصل ہو اور کوئی معارف ہو جو نہ ہو۔ تو یہ
 قوت اللہ سے نہ کی محبت کے لئے موجب اور مقتضی ہونی چاہئے اور کھانے پینے اور پہننے
 کی چیزوں اور نیک و نیک و نیک و نیک کی محبت کے واسطے بھی یہ قوت انسان میں ضرور
 ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نفس انسانی میں حق تعالیٰ کی محبت، خاص اور اس کے
 سامنے اپنی ذلت و شہو و غلبہ پر کرنے کی قوت موجود ہے تو لازم آیا کہ انسان میں حق تعالیٰ کی محبت
 و تعلیم موجود ہو اور وہ اس کے بارگاہ میں اپنا حضور و ذلت کی ہرگز سے بشرطیکہ رض و مخالف
 چیزوں سے محفوظ ہے کیونکہ وہ قوت ان امور کی مقتضی ہے انسان میں موجود ہے۔ اور یہ بھی
 معلوم ہوا کہ معرفت اور محبت کے لئے دوسرے شخص کا وجود شرط نہیں۔ گو اس کا وجود
 کبھی محسوس اور نہ ہو جائے۔ جیسا کہ بھوکے آدمی کے سامنے کھانے اور پیانے کے سامنے
 پینے کی چیز کی تعریف کریں یا بالغ جان آدمی کے سامنے عورتوں کا ذکر کیا جائے۔ تو اس
 سے بھوکے پیاسے یا جان آدمی کو اس لئے مطلوب کی یاد دہانی اور اس کی طرف ایک
 تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایسی باتوں سے ان کی وہ خواہش جو ان کے نفوس میں پوشیدہ ہے
 جوش اور ترقی میں ہو جاتی ہے۔ اور یہ نہیں ہوتا کہ ایسی باتوں سے بھوک یا پیاس کی
 رغبت ان اشخاص میں پیدا ہو جائے جن کو بھوک یا پیاس اور جماع کی خواہش نہ ہو۔ اسی طرح
 وہ اسباب جو فطرت سے خارج ہیں۔ ان چیزوں کا وجود ان پر سوتوف نہیں جو کثرت میں داخل
 نہیں مثلاً اپنے خالق کا علم۔ اس کی محبت و تعلیم اور اس کے سامنے اپنی ذلت و عجز ظاہر
 کرنا۔ اگرچہ یہ اسباب ان چیزوں کے لئے ذکر محسوس اور ان عوارض کو دور کر دیتے ہیں۔ جو ان سے
 مانع ہیں۔ اور اسی واسطے اللہ سبحانہ نے ان چیزوں کو جن سے لوازم فطرت درجہ تھمال کو پہنچتے
 ہیں۔ ذکر اور ذکر کی کے ساتھ موسم فرمایا اور اپنے رسول کو ذکر کا خطاب عطا کیا۔ اور فرمایا ہے

فَقَدْ كَرِهَ اللَّهُ لَنَا أَنْ تَذْكُرْكَ (تو دوسے بغیر تم کو لوگوں کو سمجھاؤ (اور تم کو دشمنی سمجھانے والے
 ہو اور پس) وقال تعالیٰ فَقَدْ كَرِهَ أَنْ تَذْكُرْكَ (تو لوگوں کو سمجھاؤ (اور تم کو دشمنی سمجھانے والے
 سمجھانے) (ہو) وقال تعالیٰ وَمَا يَنْدَكُ كَرِهَ أَنْ تَذْكُرْكَ (اور وہی سوچتا ہے جو خدا کی طرف
 رہ کر نہ ہے) وقال تعالیٰ وَمَا يَنْدَكُ كَرِهَ أَنْ تَذْكُرْكَ (اور وہی سوچتا ہے جو خدا کی طرف
 عقل والے ہیں) وقال تعالیٰ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكَرْمِي لِيَكُونَ سَكَنًا لِّكَ قَلْبُ (خدا کا
 دل ہے یا کان لگا کر حضور قلب سے دبات کو سنتا ہے۔ اس کے لئے قرآن باتوں میں کافی
 نصیحت ہے) وقال تعالیٰ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا لَكَ الْأَمْرَ أَنْ تَلْقَاهُ لَوْ كَرِهْتَ مِنْ صَدْرِكَ (اور البتہ
 ہم نے قرآن کو لوگوں کے نصیحت پر کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ نصیحت پر شک
 وقال تعالیٰ نَا إِلَهًا يَسْتَرْفَعُ أَعْلَىٰ يَدَيْهِ لِيَكُونَ لَكَ الْوَدَّ (تو دوسے بغیر ہم نے اس قرآن
 کو تمہاری بولی میں اس غرض سے آسان کر دیا ہے کہ یہ (اہل عرب اس کے مضامین کو سمجھ کر نصیحت
 پکڑیں) +

قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ
 کی کتاب اور اس کا رسول لوگوں کو وہ چیزیں یاد دلانے والے ہیں۔ جو انکی فطرت میں
 مرکوز ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت۔ اس کی محبت۔ تعظیم۔ اجلال۔ اخلاص اور اس کے
 سامنے اظہار عجز اور اس کی اس شریعت کی محبت جو کہ سراسر عدل و انصاف ہے اور وہی
 شریعتوں کو چھوڑ کر اس کا اتباع کرنا یہ سب باتیں سکھلاتے ہیں۔ غرض سب فطرتوں میں حق تعالیٰ
 کی معرفت اس کی محبت۔ اخلاص اور اس کی شریعت کا اقرار اور اس کے اتباع کا خیال
 مرکوز ہے۔ اور سب کو اس کا شعور اور اجمالی علم اور کچھ تفصیلی علم حاصل ہے۔ اور حق تعالیٰ
 کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس شریعت کی یاد دہانی اور اس پر متذکرہ کے لئے بعوث
 فرمایا ہے۔ پس وہ وقتاً فوقتاً اس کو بیان اور تفصیل کرتے ہیں۔ اور بندوں کو ان اسباب سے
 آگاہ کیا کرتے ہیں۔ جو لازم فطرت کے معارض اور شریعت کے نشان پر چلنے سے مانع ہیں۔ اور
 تمام شرائع جن کو انبیاء علیہم السلام لائے ہیں۔ اسی طرح فطرت میں مرکوز ہیں۔ کہ ان میں امر بالمعروف
 نہی عن المنکر۔ پاک چیزوں کی مباحث۔ ناپاک شیاؤں کی حرمت۔ عدل و انصاف پر قائم رہنے کا حکم
 اور ظلم کی ممانعت بیان ہے۔ اور یہ سب چیزیں فطرت میں مرکوز ہیں۔ اور انکی پوری تفصیل انبیاء علیہم
 السلام کے بیان سے معلوم ہوتی ہے۔ توحید اور اثبات صفات کے باب کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بھی

فطرت میں مرکوز ہے کیونکہ اپنے خالق کے اس کمال و عظمیٰ کا اقرار کرنا جس میں کسی قسم کا نقص نہیں اور اسی فطرت میں داخل ہے۔ لیکن اس کمال کو تفصیلاً معلوم کرنا انبیاء علیہم السلام کی تعلیم پر موقوف ہے اور اسی طرح حق تعالیٰ کو نہ جانتے ہو۔ انھیں اس سے منزہ سمجھنا مخلوق کی جہالت پر مبنی ہے۔ وہ تو فریب ہے۔ اس مسئلہ پر مذکورہ بالا خیال منہ ہیں جو قیوں کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے نقائص سے منزہ ہو نہ پر انہی سبب دلیل موجود نہیں۔ یہ سبب صرف اہل علم سے علوم

ہوا ہے ۔

قِيَمًا يَهْدِيكَ الْعُقُولِ فَإِنَّهَا
نَقَالَ غَلِي أَصْحَابُهَا وَوَيَا
والی عقلوں کو خدا تباہ کرے کہ یہ صاحب عقلوں کے لئے (مسائل حقہ کے سمجھنے سے)
روکنے والی اور ان پر وبال ہیں) ۵

عقول سلیمہ کے نزدیک جیسا کہ خالق عالم کے کمال اور عیوب اور نقائص سے اس کے منزہ ہونے کا علم ظاہر واضح اور بدیہہ ہے۔ ایسا کسی چیز کا علم ظاہر اور واضح نہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام اسی علم کی یاد دہانی اور اس کی تفصیل کے لئے دنیا میں مبعوث کئے گئے ہیں اور اسی طرح یہ بات بھی فطرت میں داخل ہے کہ بعضے نقوس سعید ہیں اور بعضے شقی اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا و سزا دنیا کے سوا ایک دوسرے عالم میں ہوگی۔ اور اس جزا اور سعادت و شقاوت کی تفصیل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی اور اسی طرح عدل کا علم اس کی محبت اور اس کو اختیار کرنا یہ سب باتیں فطرت میں داخل ہیں۔ اور اس عدل کی تفصیل جس کو دوسرے عقلوں میں شریعت الہی کہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے بتلائے بغیر ہرگز معلوم نہیں ہو سکتی۔ غرض انبیاء علیہم السلام امور فطریہ کو یاد دلانے اور ان کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور اسی واسطے خالص عقل نقل صحیح کے موافق شریعت حقہ فطرت کے مطابق ہے۔ یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں۔ اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کا خلاف ہے۔ جرمیہ کہتے ہیں کہ (جب عقل اور وحی متعارض ہوں تو ہماری دانست میں عقل کو وحی پر مقدم کرنا چاہئے) ۵

فَقِيَمًا يَعْقِلُ يَنْفُضُ الْوَحْيَ مَكْمَلَهُ
وَيَسْهَدُ حَقَائِدَهُ كَذِبَ
(وہ عقل پر باد ہو جس کے علم کو وحی توڑ دے اور اس کے جھوٹا ہونے پر شہادت پیش کرے)

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ خالق نے اپنے بن دل کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے جس میں اندر سے
 کی ہستی کا قرار اس کی خست، اخلاص نہ اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس کی تعظیم واجب الیہ
 سب چیزیں داخل ہیں۔ اور کسی آدمی میں اس چیزوں کو کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں
 اتنا کہ سکتا ہے کہ ان چیزوں کو دوبارہ یا دہلائے اور ان پر مشابہ کرے۔ اور نفس بشریہ
 کو امور فطریہ کی طرف ترغیب و ترہیب دیدے۔ اور ان کو تفریح و توجہ حاصل کرے۔ کما
 بیات کرے۔ اور نیز ان سے حساب۔ سے آگاہ کر دے جو نہ نیک۔ نہ بائ۔ نہ قوت اور نہ مال
 پر یا اور کیسے عاجز بنادے جو ان کے حصول سے مانع اور ان کے لئے موجب زوال
 ہیں۔ جس طرح کہ کوئی شخص شیعہ خوارشپکے میں شیر خوری کی خواہش پیدا نہیں کر سکتا۔ یا کوئی شخص
 شعی دور سے میں کدانا کھانے اور پانی پینے یا عورت۔ سے رست کرے کی خواہش پیدا
 نہیں کر سکتا۔ ہاں جو خواہشیں اور امور اس کی فطرت طریقت میں زائد ہوں۔ اُسے ملے
 ہرگز اور نہ بکریا دہانی کرنے۔ لازم ہو سکتا ہے +

فصل مذکورہ بالا مسئلہ کی توحید اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص اہل حق کی ہستی کا مقرب نہیں
 اس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت۔ انصاف اور خضوع موجود نہیں۔ تو یہ افراد اس کو کچھ نافع
 اور فید نہیں بلکہ ایسا اذرا کہ جس کے ساتھ حق تعالیٰ اس کی محبت و تعظیم اور اس کے سامنے اظہار شکر سے
 انغراض موجود ہونے غلاب کہ موجب اور باعث ہے اس پروردگار ہے۔ کہ فطرت میں اللہ تعالیٰ کی
 معرفت و علم اور اس کی محبت، محقق ہو جو وہ از محبت علم کے ساتھ مشروط ہے کہ نہ انسان کو جس چیز کا
 علم ہو اس سے محبت نہیں کر سکتا۔ اور محبوب چیزوں کی محبت کا۔ ہی اسباب سے پیدا نہیں ہوتی۔
 بلکہ وہ جلی اور فطری امر ہے اور جب محبت جلی اور فطری امر سے۔ تو اس کی شریعتی اللہ تعالیٰ
 کی معرفت و علم بھی جلی اور فطری ہوگی۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حق تعالیٰ کی ہستی کے افراد کے
 ساتھ اس کی محبت بھی فطرت میں ضرور داخل ہے اور یہی وہ نسبت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے
 اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور یہی اس کی وہ فطرت ہے جس پر بندوں کو بطور مخاطب کیا ہے۔
 اور اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت فطرت کا موجب و متضمنی ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی محبت و علم
 اور اس کے سامنے اظہار عجز کرنا حقیقت کے احوال کے اندر ہیں۔ اور یہ قرار اور معرفت کو مستلزم
 ہیں۔ اور لازم کا لازم اور ملزم کا ملزم ہوتا ہے۔ پس فطرت ان احوال کے لئے ملزم اور
 براہ ال فطرت کو لازم ہیں +

فصل کتاب اذہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بار اور اجماع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی
 ۱۔ اپنی معرفت اُنکی مہی کے قرار، اُنکی محبت اور خضوع پر مفلور اور پیدا کی گئی ہے اور یہ امور ان کی فطرت کا موجب مقتضی ہیں
 ۲۔ ان کا کوئی معارض اور انکی اضداد کا مقتضی موجود نہ ہو۔ تو فطرت میں ان کا حصول واجباً ضروری ہے فطرت میں ان کا
 حاصل ہونا کسی شے کے وجود پر موقوف نہیں بلکہ مانع کے مستغنی ہونے پر موقوف ہے۔ اگر کسی شخص میں یہ امور نہ پائے جائیں تو انکی
 یہ وجہ ہے کہ ان میں ان کا منافی معارض امر موجود ہے اور یہ وجہ ہے کہ اس میں ان کا مقتضی مستنود ہے اور اسی واسطے نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم نے جو کیلئے کوئی شرط ذکر نہیں مائی۔ بلکہ ان چیزوں کو بیان فرمایا ہے جو ان کے مقتضی اور جو جب حصول میں مانع ہیں چنانچہ
 فرمایا ہے کہ بچے کھانے پینے کو روک دے۔ نصرانی یا عیسوی بتاتے ہیں۔ پس یہودیت۔ نصرانیت کا حصول ایسے اسباب پر موقوف ہے
 جو فطرت سے خارج ہیں اور حقیقت۔ اخلاص معرفت الہی اور خضوع کا نفس حصول فطرت کے سوا کسی دوسری چیز پر موقوف
 نہیں۔ اگر ان کا کمال اور تفصیل اور پیمانے پر موقوف ہے۔

فصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور آپ اللہ تبارک تعالیٰ کی مانتے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سب بندوں کو حقیقت پر لایا ہے
 ۱۔ انکو دھوکا دے کر یا اور جو چیزیں میں نے ان پر حلال کی ہیں وہ ان پر حرام کر دیں۔ وہ ایسے عظیم اشیان اصول کی جو بات یہ مقصود
 ہیں اور ان کے ایک سلسلہ کو مستغنی ہو کر ان کے حصول کیلئے میں نے ان کو اس قدر تڑپا دیا ہے کہ ان کے لیے اللہ وحدہ لا شریک کے عبادت کرنی چاہیے
 اصل وہ یہ ہے کہ اسکی عبادت اُس طریق پر کرنی چاہیے جس کو اُس نے شروع کیا اور اُس کا حکم دیا ہے۔ اور جو اُس کو پسند و محبوب ہے اور
 یہ دونوں اس مقصود بالذات ہیں۔ حق تعالیٰ نے مخلوق کو انکی اپنے واسطے پیدا کیا ہے اور شرک اور بدعات انکی فہم میں۔ شرک اللہ
 تعالیٰ کے ساتھ اور ان کو پہنتے ہیں اور بدعتی اللہ کی عبادت، ایسے طریقوں سے کرتے ہیں جن کا اُس نے امر نہیں کیا اور نہ ان کو
 منع فرمایا ہے اور نہ اس کو خند و مہم سہیں۔ اور پاکیزہ نسل کی حالت کو حق تعالیٰ نے انکا دھوکا دے کر وسیلہ بنایا ہے پس ان کی مد
 انہ قول اصول اور اس وسیلہ کے حصول پر ہے۔ اللہ سبحانہ نے تلا یا ہے کہ قیامت میں خلق خدا کو اس مقصود اور اس وسیلہ دونوں سے
 ہٹا دیا۔ پس ان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسے چیزوں کے شریک کرنے کا حکم دیا۔ جنکی شرکات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں اور
 شرک کی کوئی صورتیں میں اور یہ اُنکی سببوں کو شامل ہے۔ مثلاً شرک کی ایک صورت ہے کہ معبود حق کے ساتھ کسی دوسرے کو
 عبادت میں شریک کرے یعنی خدا کی عبادت کے ساتھ کسی دوسرے کی بھی پرستش کرے۔ دوسری یہ صورت ہے کہ اُنکی صحیح عبادت کے
 ساتھ شرک کرے یعنی خدا کی عبادت ایسے طریق سے جو بالائے جس کو آخرت میں نہ پہنچے۔ یہ نہیں کیا اور اکثر دونوں شرک اُنھے ہو جاتے ہیں۔ کہ
 شرک دو گن معبود حق کے ساتھ غیروں کو بھی بوجہ کرتے ہیں اور یہود حق کی عبادت ایسے طریق سے جو بالائے جس کو اُس طریق پر
 اُنھے اپنی عبادت کی جازت نہیں فرمائی۔ در کبھی شرک کی صرف ایک قسم موجود ہوتی ہے کہ شرک شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی
 شے کو بنا دے۔ مثلاً شرک کہ ایک کفر یا یہ خدا کی عبادت اس طریق سے کرے جس کو اُس نے منع فرمایا ہے اور جو اُس کی
 عبادت کی بات اُنکی مثال کی ہوئی چیز کو حرام ٹھہراتے کہ یہ بتاتا ہے اور ان دونوں قسم کے شرک پر اللہ تعالیٰ نے عذاب

اور سورہ انفاسم دفع میں مشرکین کی نسبت بیان فرمائی کہ ان سورتوں میں لکھائے پینے کی چیزوں کی تحکیم خدا تعالیٰ کے پیغمبر اوت
 میں شریک کرتے یا اسکی عبادت غیر شرعی طریق سے کرتے کی مذمت مذکور ہے ماہرہ۔ نہ میں سرری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام
 چیزوں سے زیادہ محبوب طست خلیفہ سمجھا ہے جس پر ملت تو جبر میں حلیفہ ہے۔ ہر ذریعہ پر شرب نہ کر لے اور ان نکالنے کے نہ سونیکہ
 لحاظ سے سب آسان ہے جو چاہیے اتنی کو یا کہ اور جنات چیزوں کے حرام کرنے سے پیش آتی تھیں۔ مگر خداوند کی عبادت
 اُس طریق سے کرنی چاہیے جو اُسکے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہے۔ اور اُس کی عبادت برائے کی حلال کی ہر بی چیزوں سے
 استعانت کرنی اور ان کو وسیلہ بنانا چاہیے یعنی پاک حلال چیزیں کھا کر اسکی عبادت بحالی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
 يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ وَأَقْبِلُوا صَالِحًا إِنَّ لَهُ بَيْنَ يَدَيْهِمْ خِزِينَ كَثِيرًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ اور یہی مدد دین
 ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور یہ ہر ایک کے نزدیک محبوب اور اُس کی سنت ہر ایک فطرت میں ثبات و
 مستقر ہے۔ کیونکہ بن توحید و اخلاص تبت۔ اللہ وہ کی محبت۔ اُس کے محبوب و پسندیدہ طریق بر فاضل سہی کی عبادت اُن نیک
 کاموں کے کرنے کے امر کو جن کو قلوب فطرۃ تعبیر رکھتے ہیں اور اُن میں سے کاموں کی نئی کو متضمن ہے جن سے توب کو بطحا بفض
 اور نفرت ہے اور پاک و حلال اور مفید چیزوں کی تحلیل اور ناپاک اور مضراتیاء کی تحريم مشتمل ہے ۔

فصل دہم نے جو مضمون بیان فرمایا کہ ہر ایک پتہ فطرت حلیفہ کہ برید اہوتا ہے اور عقیدہ بھی اُس پر خفاہ ہیں اور
 واقعی وہی حالت ہے جس کو صادق مصدوق نے بیان فرمایا ہے اور جو لوگ اس کا خلاف کرتے ہیں وہ صریح غلطی پر ہیں
 چنانچہ چند وجوہ سے ہم اس کو بیان کرتے ہیں وجہ اول یہ ہے کہ انسان کے دل میں کبھی صحیح اور سچے اعتقادات اور اہل
 پیدا ہوتے ہیں اور کبھی غلط، باطل خیالات کیونکہ اسکے اعتقادات کبھی اُن چیزوں کے مطابق ہوتے ہیں جن کا اعتقاد کیا
 ہے تو اس صورت میں وہ اعتقادات صحیح اور حق ہیں اور ان کے بیان اور خبر کو صدق کہتے ہیں۔ اور کبھی اُن چیزوں سے
 جن کی ثبات اعتقاد کیا ہے مطابق نہیں ہوتے اور ایسے اعتقادات باطل اور غلط ہوتے ہیں اور انکی خبر اور بیان کو کذب
 کہتے ہیں اور نیز انسان کے ایمان و قسم ہیں ایک جو اس کے غلط نافع اور اس کی مصلحت کو متضمن ہوتے ہیں۔ اور
 جس چیز سے اُن کا فتن ہوتا ہے یعنی مراد وہ خیر اور حسن ہوتی ہے۔ دوسرے وہ جو اس کے لئے مضار اور اسکی مصلحت کے
 خلاف ہوتے ہیں اور ان کا متعلق یعنی مراد شر اور قبیح ہوتا ہے۔ اور جب یہ حالت ہے کہ انسان کبھی حق کا معتقد
 اور خیر کا ارادہ کرنے والا اور کبھی باطل کا معتقد اور شر کا ارادہ کرنا والا ہوتا ہے۔ توب اُس کی دو صورتیں
 ہیں۔ یا تو اس کے نفس باطل کو دو نوع سے یکساں نسبت ہے۔ اور اُس میں کوئی ایسی چیز
 موجود نہیں جو ایک نوع کو دوسرے پر ترجیح دے یا اُس کا نفس ایک نوع کو دوسرے پر
 ترجیح دیتا ہے۔ اگر پہلی صورت ہو تو لازم آتا ہے کہ جب تک کوئی خارجی مرتج نہ پایا جائے اُن
 میں سے کسی نوع کا وجود متحقق نہ ہو۔ اور اگر فرض کریں کہ دو ایسی چیزیں موجود ہیں جنہیں سے ایک اہل انو میں کیلئے

مخرج ہے اور دوسری دوسرے نوع کے لئے۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو دو نور مخرج مساوی
 ایکساں ہیں۔ یا ان میں سے ایک غالب ہے۔ اگر دو نور مساوی اور یکساں ہوں تو لازم آئے گا۔
 کہ اعتقادات اور ارادات حقہ اور باطلہ میں سے کسی نوع کا وجود متحقق نہ ہو اور یہ بدست کے
 ثلثات ہے۔ بدہشتہ معلوم ہے کہ جب کسی شخص پر یہ بات پیش کی جائے کہ وہ حق کا اعتقاد رکھے
 زبان سے سچی بات کہے اور اپنی نافرمانی اور مفسد چیزوں کا ارادہ کرے۔ اور یہ بات بھی پیش کی
 جائے کہ باطل کا اعتقاد رکھے۔ جھوٹ بولے اور اپنی مضر چیزوں کا ارادہ کرے تو وہ اپنی
 فطرت سے پہلی بات کو اختیار کرے گا۔ اور دوسری سے اس کو طبعاً کراہت اور نفرت ہوگی۔
 پس اس سے معلوم ہوا کہ فطرت انسانی ایک ایسی قوت ہے جو حق کے اعتقاد اور خیر کے ارادہ
 کو مقتضی ہے اور اس وقت ہم یوں کہتے ہیں کہ اپنے پیدا کرنے والے اور خالق کا اقرار۔
 اُس کی معرفت۔ محبت۔ اُس کے ساتھ ایمان لانا۔ اس کی تعظیم اور اخلاص نوع اول ہیں
 داخل یا کہ نوع ثانی میں شامل ہیں۔ دوسرے نوع میں سے اُن کو شمار کرنا ظاہراً باطل اور
 غلط ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ امور اعتقادات حقہ اور ارادت خیر میں سے ہیں۔ نہیں ضروری
 ہوا کہ فطرت میں کوئی ایسی چیز موجود ہے۔ جو کہ حق تعالیٰ کی محبت۔ اُس کی معرفت۔ اُس
 کے ساتھ ایمان لانے اور اس کے پسندیدہ اور مہنیاات کا عمل کے ساتھ اس کی طرف
 وسیلہ بننے کو مقتضی ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسے اعمال کے ساتھ جو اللہ سبحانہ کو محبوب
 ہیں اُس کی عبادت کرنا اُس کے بندوں کے لئے باعث کمال ہے یا اُس کے ساتھ شرک
 کرنا اُن کے لئے موجب سعادت و کامیابی ہے۔ شرک کا موجب کمال و سعادت ہونا
 بالکل ظاہراً باطل ہے۔ پس تعین ہوا کہ اُس کی عبادت بندوں کے لئے باعث کمال ہے
 اور ضروری ہے کہ فطرت میں کوئی ایسی چیز موجود ہو جو اللہ سبحانہ کی توحید۔ الوہیت اور تعظیم
 کی مقتضی ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فطرت کے لحاظ سے ملت حنیفیہ (توحید) جو اللہ تعالیٰ کا
 مقرر کردہ دین ہے۔ اور اس کے سوا اُس نے کوئی دین مشروع و مقرر نہیں فرمایا۔ دوسرے
 باطل ادیان کے ساتھ مساوی اور متماثل ہے یا اُن سے افضل اور راجح یا اُن سے کمتر اور مرجح
 پس اگر تیسری شق تو یقیناً باطل ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ فطرت میں کوئی ایسی چیز موجود ہے
 جو کثرت حنیفیہ کو دوسرے ادیان پر ترجیح دیتی ہے۔ اور یہ محال اور ناجائز ہے۔ کہ اس نسبت
 اور دوسرے ادیان کو فطرت سے یکساں نسبت ہو۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ثابت ہو چکا ہے

کہ فطرت میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی طلب اور اس کی محبت کی مقتضی ہے اور یہ قوت ہاں بابت وغیرہ کی تعلیم کے بغیر فطرت میں مرکوز اور حاصل ہے۔ بلکہ اگر فرض کیا کہ نہ آدمی نے صرف ایک لپٹے پر کھڑا کیا۔ بھلاسی تنہائی کی حالت میں اس سے عقل و تیز دماغ ہوا تو وہ اپنے نفس کو حق تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت کی طرف اٹل اور اسکی حمد سے متفرق نہ کیا جیسے کہ بچہ اپنے ابتدائی تیز و شعور میں اس بات کو سمجھتا ہے کہ حادثہ چیز کیلئے کوئی مختصر ضرورت نہ ہے مثلاً جب کوئی شخص لڑکے کی پیچھے کی طرف سے غلامانہ ماسے تو وہ گردن موڑ کر دیکھتا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس میں رب کیلئے کوئی ناریب ضرورت ہے اور جب اسے معلوم کر لیتا ہے تو روٹنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص نہاد ب سے اس کا قصاص لے۔ اور قصاص لینے کے بعد خاموش ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصناف کا اقرار جس کو دوسرے لفظوں میں تو یہ کہنا جاتا ہے کہ اور قصاص کی بدست سے عدل کہتے ہیں بچہ کی فطرت میں مرکوز ہے۔ اور جب بدست ثابت ہوئی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ نفس فطرت بغیر کسی تعلیم و تربیت کے اللہ سبحانہ کی معرفت۔ اس کی محبت۔ اجمالاً تعظیم اور اس کے سامنے اظہار سجدہ کو مقتضی ہے۔ اگرچہ ہر ایک شخص کی فطرت ان اشیاء کے حاصل کرنے میں منتقل نہیں۔ بلکہ بہت سے لوگ ایسے اسباب کے محتاج ہیں جو فطرت کے لئے معین اور تقویت دینے والے ہوں۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس قسم کے اسباب فطرت میں وہ چیزیں پیدا نہیں کر سکتے جو اس میں موجود نہ ہوں۔ بلکہ یہ اسباب فطرت کے لئے معین مقوی اور مددگار ہوتے ہیں۔ اور اسی واسطے حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جو اس کے انعام کی خوشخبری سناتے اور اس کے عذاب سے ڈراتے ہوئے لوگوں کو فطرت کے موجب اور مقتضی کی طرف بلا تے ہیں۔ اور جب کوئی ایسا امر موجود نہ ہو جو فطرت کو اپنے مقتضی سے منع کرے تو وہ انبیاء کی دعوت کو ضرور بے نیکی کے۔ اور انکی ہدایت کی پیروی اختیار کرے جس طرح کہ کوئی شخص کسی بھوکے یا پیاسے آدمی کو کھانے یا پینے کی کسی ایسی نافع اور لذیذ چیز کی طرف بلائے جس کے استعمال سے اسے کوئی ضرورت نہ ہو اور نہ اس سے اس کی قیمت طلب کرے تو اس صورت میں اگر کوئی مانع موجود نہ ہوا۔ تو وہ ضرور اس کی دعوت کو قبول کرے گا۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم کو بدائیت معلوم ہے۔ کہ بچے کو پیدا ہونے کے وقت دین کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اور نہ اس میں اس کی نسبت کوئی اداوہ ہوتا

ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ جب اُس میں قوتِ علمیہ اور ارادہ سرچہ ہو جاتے ہیں۔ تو اُسی وقت فطرت کی قوت اور ضعف کے مطابق اُس میں لینے رب کی معرفت اور محبت بھی حاصل اور موجود ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ بچوں کی حالت کو دیکھا جاتا ہے کہ اُن میں تمیز کے کمال اور ضعف کے لحاظ سے مفید اور مانع چیزیں کے حاصل کرنے اور مضر اور مخالف چیزوں کے دفع کرنے کی محبت تدبیر پیدا ہوتی رہتی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ کی معرفت اور محبت اور دوسری مانع چیزوں کے حاصل کرنے کی محبت اور بروزی اشتیاء کے دفع کرنے کا شوق بچے کے نشوونما کے ساتھ آہستہ آہستہ پیدا ہوتا ہوتا جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس حد کو پہنچ جاتے ہیں کہ فطرت میں اُس سے زیادہ کے قبول کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ یعنی درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض نظرات کو مختلف قسم کے موافق پیش آ جاتے ہیں جو اُن کے اور اُن کے موجب و مقتضی میں حاجت اور عامل ہو جاتے ہیں۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نفس انسانی کے لئے جب کوئی مسلم اور تلقین کرنے والا موجود ہو تو اُس کی تعلیم و تلقین کے مطابق اُن میں علوم اور ارادات پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے۔ کہ ہر ایک نفس خدا تعالیٰ کی معرفت اور ارادہ خیر کی قابلیت رکھتا ہے اور صرف تعلیم سے یہ قابلیت حاصل نہیں ہوتی۔ پس اگر نفس میں ایسی قوت موجود نہ ہو جو اُس کی قابل ہے۔ تو نفس اس کو کبھی قبول نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کے حصول کے لئے پسند و ناپسند جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نفس میں اس کی استعداد اور اس کے حصول کے لئے ہتھوڑا۔ آادگی پائی جائے۔ اور عبات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایسا ممکن ہو سکتا کہ اس کے اسباب اور اضرار کو نفس کی طرف گھساں ثابت ہو۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ انسان احساس۔ حرکت ارادہ اور جنس شعور میں دوسرے حیوانات کے ساتھ شریک ہے۔ اور بعضے حیوانات ایسے بھی ہیں جو احساس۔ حیاتی اور شعور میں انسان سے زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔ مگر جن چیزوں کی انسان قابلیت رکھتا ہے اُس سے وہ بے بہرہ ہیں۔ انسان حق تعالیٰ کی معرفت اور اُس کے ارادہ کے قابل ہے۔ دوسرے کسی حیوان میں یہ قابلیت موجود نہیں۔ پس اگر اُس کی فطرت اور نفس ناطقہ میں وہ قوت موجود نہ ہو جو دوسرے حیوانات کے سوا انسان کے ساتھ خاص ہے۔ اور جن کی وجہ سے وہ حق تعالیٰ کو پہچانتا اور نیک کاموں کا

ارادہ کرتا ہے۔ تو اس کے نہ ہونے میں انسان اور دوسرے حیوانات یکساں ہونگے۔ اور اس وقت دو محال باتوں میں سے ایک بات ضرور لازم آئیگی۔ یا تو دوسرے حیوانات کی طرح انسان میں بھی حق تھا۔ لے کوئی معرفت اور نیک کاموں کا ارادہ موجود نہ ہو یا جس طرح انسان کے لئے حاصل ہے۔ اسی طرح دوسرے حیوانات کے لئے بھی حاصل اور موجود ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اگر فطرت اور نفسِ باطن میں ایسی قوت موجود نہ ہو جو معرفت اور ارادہ کی تقاضی ہے۔ تو انسان کو یہ معرفت اور ارادہ حاصل نہ ہو۔ اور اگر اس معرفت اور ارادہ کے حصول کے لئے فطرت میں کوئی قوت اور تقاضی موجود نہیں تو پھر جمادات اور دوسرے حیوانات کے لئے بھی اس کا حصول ممکن اور جائز ہو گا۔ مگر خالق نے صرف فطرتِ انسانی کو اس قابلیت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں وہ قوت موجود ہے جو دوسرے حیوانات میں موجود نہیں۔ اور وہ معرفت اور ارادہ کے قابل ہے۔

چنانچہ اکٹھیں وجہ اس کی توضیح کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی معرفت اور ارادہ خیر کا سبب تعلیم ہو اور فطرتِ انسانی میں کوئی ایسی قوت موجود نہ ہو جو اس کے لئے قابل ہے تو جمادات اور حیوانات میں بھی معرفت اور ارادہ حاصل ہونے ضروری ہیں۔ کیونکہ انسان اور دوسرے حیوانات بلکہ جمادات میں انکے حاصل ہونے کا سبب ایک ہے اور انسان میں کوئی ایسی قوت موجود نہیں جس کی وجہ سے انسان اس کے لئے قابل و مستعد ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے حیوانات کے سوا بالخصوص انسان میں انکے حاصل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ فطرتِ انسانی میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو انکے لئے قابل ہے۔ اور دوسری چیزوں میں یہ قوت موجود نہیں۔

نازیں وجہ یہ ہے کہ اس معرفت اور ارادہ کا معدوم محض میں حاصل ہونا محال ہے۔ پس ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی محل موجود ہو۔ اور محل موجود غیر قابل میں بھی انکا حصول ممکن ہے۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ محل میں انکے حصول کی قابلیت موجود ہو۔ اور نیز محل قابل کو فاعل کی مدد کی ضرورت ہے۔ اگر فاعل کی امداد منتقل ہو جائے تو محل قابل انکو قبول نہیں کر سکتا۔ غرض محل کا وجود اس کی استعداد اور فاعل کی امداد یہ سب چیزیں مقبول کے وجود کے لئے ضروری ہیں۔ اور اللہ خالقِ علیم ہی موجدِ معدود و معدوم ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ نفس بذات خود اپنے لئے علم اور ارادہ کے حصول کا موجب نہیں بلکہ اس میں ایک ایسی قوت موجود ہے جس کی وجہ سے علم اور ارادہ کو قبول کرنا ہے اور اس قوت کی سطحی خود وہی قوت نہیں ہو سکتی۔ اور وہ قوت کسی دوسری قوت پر موقوف ہے۔ ورنہ تسلسل یا دوام لازم آئیگا۔ اور یہ دونوں محال ہیں۔ پس یہاں تین چیزیں ہیں ایک قوت قابلہ کا وجود۔ دوسری یہ کہ اس قوت قابلہ کو پسند کرنے والی خود اس قوت کی ذات نہیں تیسری یہ کہ یہ قوت کسی دوسری قوت پر موقوف نہیں۔ پس ضروری ہوا۔ کہ نفس کے خالق نے اس کو ایک قوت پر پیدا کر دیا ہے کہ جس کے سبب وہ علم اور ارادہ کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور یہ بات بدہشتہ معلوم ہے کہ علم و ارادہ اور ان کی اضداد کو اس قوت کی طرف یکساں نسبت نہیں ہے۔

گیا ہمیں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم فرض کریں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا حصول کسی خارجی سبب پر موقوف ہے۔ تو اس سبب کے حامل ہونے کے وقت ان کا حصول فطرت کے نزدیک رائج اور محبوب ہوتا ہے۔ پس یہ ترجیح اور محبت فطرت میں مرکوز ہیں۔

بارہویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم فرض کریں کہ کوئی خارجی چیز فطرت کے لئے مفسد یا اس کی مصلح موجود نہیں۔ تو فطرت ضرور مصلح کے ارادہ اور ماسوا پر اس کی ترجیح کی مقتضی ہوگی۔ اور جب کہ مقتضی موجود اور مانع مفقود ہو تو اس کے اثر کا قائل ہونا ضروری ہے کیونکہ اثر کا مخالف اور موجود نہ ہونا یا مقتضی کے عدم یا ان کے وجود کے باعث ہوتا ہے۔ اور جب مانع موجود نہیں۔ اور مقتضی معارض اور متقادم چیزوں سے سالم ہے تو اس کا اثر ضرور موجود ہوگا۔

تیرھویں وجہ یہ ہے کہ وہ سبب جو حق تعالیٰ کی معرفت۔ اس کی محبت اور اخلاص کے لئے فطرت میں موجود ہے۔ اس میں ممانعتیں ہیں۔ اول یہ کہ ان چیزوں کو مستلزم ہو۔ دوم یہ کہ مستلزم نہیں۔ لیکن ان کے لئے مقتضی ہے۔ کیونکہ یہ تو جائز نہیں۔ کہ اس کا ان میں کسی قسم کا اثر نہ ہو۔ اور دو صورتوں میں اس کا اثر ضرور مترتب ہوگا۔ پہلی صورت میں اکیلے سبب جو مترتب ہوگا۔ اور دوسری صورت میں اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کے نظم ہونے سے اس پر اثر ضرور مترتب ہوگا۔

چودھویں وجہ یہ ہے کہ نفس ناطقہ شعور اور ارادہ سے خالی نہیں۔ بلکہ نفس ناطقہ کا شعور

ارادہ سے خالی ہونا محال ہے۔ کیونکہ شہر ارادہ نفس ناطقہ کی حقیقت کے لوازم میں سے ہے پس یہ ممکن نہیں کہ وہ شعور اور ارادہ کے بغیر موجود ہو اور یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ نفس کے شعور اور ارادہ جس کے حقیقت کے لوازم ہیں سے ہو۔ اپنے خالق کی مہتی کے شعور۔ اس کی محبت اور ارادہ سے بنی ہو۔ اور اپنے خالق کی مہتی کا اقرار اور اس کی محبت اس کی ذات۔ کہ لوازم میں سے نہ ہو۔ کیونکہ یہ قطعاً باطل ہے اس لیے کہ بصورت فطرت نفس کے لئے غلبہ و مراد ثابت ہے اور اس کا صاحب ارادہ ہونا اس کی ذات کے لوازم میں سے ہے کیونکہ اس میں حیات ہے اور جس چیز میں حیات ہو وہ ذی شعور اور متحرک۔ بالارادہ ہوتی ہے۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ نفس صاحب ارادہ ہے اور ہر ایک صاحب ارادہ کے لئے مراد کا ہونا ضروری ہے۔ لہذا نفس کے لئے بھی مطلوب مراد کا ہونا ضروری ہے۔ اور مراد اور مطاب کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ کوئی چیز بذات خود مطلوب اور مراد ہو۔ دوم یہ کہ کسی دوسری چیز کے واسطے مطلوب مراد ہو۔ اور اصل غائیہ میں تسلسل کے قطع کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اولیٰ و کاسر سلسلہ اور نفس پر ختم ہو جائے۔ کیونکہ جس طرح ظل فاعلیہ میں تسلسل محال ہے۔ اسی طرح غائیہ میں بھی تسلسل باطل اور ناجائز ہے۔ اس تمام تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کے لئے ایک مطلوب اور مراد نفس کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ اللہ خالق کی ذات مقدس ہے۔ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں نفوس اس کی پرستش کرتے۔ قلوب اس سے محبت رکھتے۔ فطرتیں اس کو پہچانتی اور عقول اس کی ہستی کا اقرار کرتے اور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ ان کا رب۔ مالک اور پیداکرنے والا ہے۔ عرض ہر ایک شخص کے لئے ایسے معبود کا ہونا ضروری ہے جس کی وہ پرستش کرے اور ایسے بے نیاز مالک کی ضرورت ہے جس سے اپنی حاجات طلب کرے۔ اور بندے الہ الحق کی محبت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ اور یا بیدار ہوتے معلوم ہے کہ الہ حق کے سوا کسی دوسرے کی پرستش پر پیدا نہیں کئے گئے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ ایک ہی الہ پرستش و عبادت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ اگر اپنی فطرت پر چھٹے جلتے۔ تو الہ حق کے سوا کسی کی پرستش کرے اور نہ کسی کو اپنا معبود سمجھتے۔

چنانچہ پندہویں وجہ اس کی توجیہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ فطرت کا الہ معبود کی پرستش فطرت و عبادت سے خالی ہونا محال ہے اور یہ بھی محال ہے کہ الہ حق کے سوا کسی دوسرے کی عبادت و پرستش اور اس کے چند وجوہات۔ اول یہ کہ فطرت کا لائق کے سوا کسی دوسرے

کی پرستش کرنا واقع اور نفس الامر کے خلاف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ کسی ایک مخلوق چیز کے باقی مخلوقات کے لئے مبدء و تصور کرنے میں ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ ایک مخلوق چیز میں کوئی ایسی وجہ موجود نہیں کہ وہ موجود ہو۔ اور دوسری مخلوق چیزیں اس کی عابد و پرستہ آ رہوں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مشرکین ایک مبدء و پرتفق نہیں۔ بلکہ جس حاجت کو جو چیز خوبصورت معلوم ہوئی وہ اسی کی پوجا کرنے لگی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ مخلوق جس کی لوگ فطرۃ پرستش کریں۔ اگر مردہ ہو تو بے ارمحان ہے کہ زندہ ہو کہ مردہ سے اکمل ہے۔ اس کو چھوڑ کر لوگ مردہ کی عبادت پر مستغرق ہوں۔ اور اگر زندہ ہو تو وہ بھی صاحب ارادہ ہو گا اور جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ اس کے لئے بھی کوئی مبدء و ضرور ہو گا۔ اور اس طرح باوجود لازم آئیگا یا تسلسل اور یہ دو فو محال ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ سب مخلوق کے لئے ایک مبدء ہے جس کی سب پرستش کرتے ہیں۔ اور وہ کسی کی پرستش نہیں کرتا اور یہ دلیل ثابت قطعی اور بدیدہ ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اس دلیل سے کیا ثابت ہوا ہے کہ ہر ایک زندہ مخلوق کے لئے کوئی نہ کوئی مبدء و ضروری ہے۔ پس بائز ہے کہ نفس کا مطلوب مطلق مبدء ہو اللہ تعالیٰ کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔ چنانچہ فرق وحدت وجود یہ اسی بات کے قائل ہیں تو اس کا جواب سواٹھویں وجہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شے مطلوب اور مراد کی دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ شے مطلوب کی نوع مطلوب اور مراد ہو۔ دوسری یہ کہ اس کا شخص معین مطلوب ہو پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ مثلاً پیاسا بھوکا اور تنگ آدمی پینے۔ کھانے اور پینے کی چیز کی نوع کا محتاج ہے اور اس کا مطلوب یہ ہے کہ اس نوع کی کوئی چیز میسر ہو جس سے وہ اپنی حاجت روائی کرے۔ اور ایسا شخص ان انواع میں سے جب کوئی معین فرد ارادہ کرے گا تو وہ معین چیز افراد کے درمیان قدر مشترک ہوگی۔ اور قدر مشترک ایک مفہوم کلی ہے نہ نالچ میں اس کا وجود متحقق نہیں۔ لہذا اس کا لزام مراد ہونا محال ہے۔ کیونکہ جو چیز لزام مراد ہو وہ ضرور معین ہوتی ہے۔ اور دو فردوں کے درمیان اس کا موجود ہونا بھی محال ہے کیونکہ ہر ایک کا لزام مراد ہونا اس کے لزام مراد ہونے کے متنافی۔ برخلاف ہے۔ کیونکہ لزام مراد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تمنا ایک چیز اپنی ذات خاص کے لحاظ سے مراد ہو۔ نہ کوئی دوسری چیز اس کے ساتھ مراد نہ ہو جب یہ معلوم ہو چکا۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ اگر نوع کے تمام افراد یا دو فرد کے درمیان بلا مشترک مراد لزام ہے تو لازم آئیگا۔ کہ ان میں سے کوئی فرد اپنی ذات خاص کی وجہ سے مراد

لا رہا نہ ہوگا۔ اور خارج میں ذات خاص موجود ہے نہ کہ کلام اور فاعل مشترک جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر تال اور عبادت کا تعلق قدر مشترک سے ہو تو مخلوق کا الہ موجود فی الخارج نہ ہوگا بلکہ اس بنا پر الہ کا وجود صرف ذہن ہی میں ہوگا۔ وحدت وجود یہ اور ہمسہ فرقے ایسے خدہی معبود کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ کا وجود عالم کے اندر یا عالم سے باہر کہیں متحقق نہیں بلکہ ان کا خدا محض ایک فرضی خدا ہے جس طرح کہ عقل دوسرے محال کو فرض کر لیتی ہے اسی طرح الہ کا وجود بھی اس کے نزدیک محض فرضی اور ذہنی ہے۔ طرفہ یہ کہ ایسے فرضی خدا کو واجب الوجود کہتے ہیں حالانکہ وہ ممکن الوجود بھی نہیں چاہی کہ واجب الوجود ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ جہیہ اور ان کے بھائی جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی ایسا الہ معین موجود فی الخارج نہیں جس کی وہ عبادت اور پرستش کرتے ہیں بلکہ وحدت وجود یہ وجود مطلق کلی کی پرستش کرتے اور جہیہ مدوم متمنع الوجود کی عبادت کرتے ہیں۔ اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے پیرو ہیں۔ ان کا معبود وہ اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں جس نے زمین اور آسمان بنائے ہیں سس کا اسم رحمن ہے عرش پر مستوی ہے۔ آسمانوں زمین اور ان کے بیچ میں اور زمین کے نیچے جتنی چیزیں ہیں سب کا مالک وہی ہے۔ اگر تو اس کو آواز سے پکائے تو وہ اسرار اور پوشیدہ باتیں سب کچھ جانتا ہے۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اسی کے لئے اسماء حسنی ہیں۔ وہ اللہ جس نے دلوں کو اپنی محبت۔ اپنی ہستی کے اقرار۔ اپنی تعظیم۔ اجلال۔ صفات کمال کے اثبات اور نقائص اور عیوب سے اپنی تمیز کرنے پر پیدا کیا ہے۔ اور نیز ان کو اس بات پر مغلطہ کیا ہے کہ الہ حق آسمانوں کے اور پاد اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ بندوں کے اعمال وقتاً فوقتاً اس کی طرف جلتے اور بند سے اپنی دعاؤں میں اس کی جانب ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ ادا اپنے اوپر اس کا خوف رکھتے اور اس کی اس رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے انکی طرف نازل ہو۔ ان کی محبتیں اس کے عرش کی طرف جاتی ہیں جو اس الہ اعظیم کو جو عرش پر مستوی اور اپنی خلق پر ستولی ہے طلب کرتی ہیں۔ حق تعالیٰ آسمان سے زمین تک تدبیر فرماتا ہے۔ پھر اس دن میں کہ جس کی برتھار دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگی۔ سب کچھ اس کے سامنے اور پیش کیا جائیگا۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر سب باتوں کا عالم ہے۔ وہ صاحب عزت و رحمت ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب سیاست میں

جکہ اذعان سے خارج ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہو سکتی جو لذتہ مراد ہو۔ تو ان میں سے کوئی چیز پرستش اور عبادت کے نائق اور مستحق نہیں ہو سکتی۔ چہ جائیکہ ان میں کوئی ایسی چیز موجود ہو کہ جس کی پرستش ہر ایک پر ضروری اور واجب ہو۔ پس ثابت ہو کہ ایک معبود معین کا وجود ضروری ہے۔ جو کہ مخلوق کا محبوب اور لذتہ مراد و مطلوب ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ ایسا معبود انسانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کے سوا کوئی دوسرا شخص ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہو کہ اگر انسانوں اور زمین میں دو خدا ہوتے تو ان کے انتظام کا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا۔ اور ثابت ہو کہ ہر ایک بچہ حق تعالیٰ کی محبت، معرفت اور اس کے اجلال و تعظیم پر پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے مدعی کے ثبوت کے لئے صرف ایک یہ دلیل ہی کافی ہے اور توفیق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ کتاب شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمة والتعلیل کا ترجمہ ختم ہوا۔ فقط

تمام شد

مذہبی کتابیں انگریزی زبان میں

ہمارے اس کتب خانہ میں جو ایک مدت سے جاری ہے۔ اور روحانہ و فاضلانی خدمت کر رہا ہے۔ مختلف قسم کی بہت سی مفید فہمی کتابیں۔ انگریزی رسالے اور مباحثے وغیرہ بزبان انگریزی چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ان کی خوبی ان کے مطالع سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ان میں اسلام کا منجانب اللہ اور تہایت ہی فیض رسان اور دنیا و عاقبت کے لئے مبارک ہونا عقلی و نقلی دلائل سے بخوبی ثابت کیا گیا ہے۔ اسلامی مسائل کو بہ عتد بیان کیا گیا ہے۔ دیگر مذاہب اور ان کی الہامی کتب کے متعلق عجیب پر اثر طریقہ میں بحث کی گئی ہے۔ اسلام کی صداقت و حقانیت بہ قابل مذاہب ہنود و عیسوی عقلی دلیلوں سے پایہ ثبوت کو پہنچائی گئی ہیں۔ طرز تحریر طریقہ استدلال اور سلاست زبان بہت موثر اور دلچسپ اور زود فہم ہیں۔ ان کے مطالع سے ایک سچے مذہب کے متلاشی کو راہ راست کا پتہ بہت جلد لگ جاتا ہے۔ لمبی پوڑی تحقیقات کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ کتابیں ہزار ہاروپے کے صرف سے شائع کی گئیں اور بہت ہی مفید اور باخبر گرنیوالی ہیں۔ واقعی ان کے مطالع سے بہت سے مسائل اور دلائل اور ضروری حالات و واقعات سے پوری آگاہی ہو جاتی ہے اور یہ کتابیں انگریزی خواں اصحاب کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہیں۔ انہیں منگو اگر مطالع کریں اور فائدہ اٹھائیں۔ انکی مفصل انگریزی فہرست درخواست آنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے۔

تم

مولوی کریم بخش مہتمم کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور کی دروازہ